حقیقت کی تلاش

میاں فاروق عنایت

Marfat.com

حقیقت کی تلاش

میاں فاروق عنایت

سرمد اکادمی، اٹک

Marfat.com

۲۹۷.۶۴
۲۱۹
۱۱۵۵۶۸

ضابطۂ اشاعت

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب:-----------------حقیقت کی تلاش

مصنف:-------------میاں فاروق عنایت

سالِ اشاعت:------------فروری 2013ء

سرورق:-------------------- محمد سلیم قادری

ناشر:-----------------سرمد اکادمی، اٹک

۔۔۔ ملنے کے پتے ۔۔۔

کتب خانہ مقبولِ عام، اُردو بازار، اٹک

غالب کتاب گھر، آئی ایٹ مرکز، اسلام آباد

فروغِ ادب اکادمی، ۲۸۸۔ بی سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

Marfat.com

اِنتساب

میں اس کتاب کو ربِ ذوالجلال کے بے انتہا پاک اور بابرکت نام سے منسوب کرتا ہوں جو میرا مالک ہے، خالق ہے، جو رحیم ہے کریم ہے۔ جس نے مجھے پیدا فرمایا، بچپن کھلایا، لڑکپن بخشا اور جوان کرا اٹھایا۔ جس نے مجھے طرح طرح کا پاک ولذیذ رزق بخشا۔ جس نے محبت سے میری جھولی بھردی۔ جس نے میری تعلیم وتربیت کی۔ جس نے مجھے زندگی کی نازک راہوں پہ ہزار لغزشوں سے گناہوں سے بچایا۔ جس نے ہمیشہ میری حفاظت فرمائی۔ جو میری رگوں میں خون دوڑاتا ہے جو میری سانسیں چلاتا ہے جس کے قبضہٗ قدرت میں میری جان ہے، میرے صبح وشام ہیں، میرے خوشی وغم ہیں اور جو مجھے موت دے گا۔ وہ کہ جس نے یہ کتاب لکھنے میں میری درحقیقت ہر ہر لحہ مدد کی۔ مجھے حوصلہ بخشا، میری ہمت بندھائی، میرے بہت سے سوالوں کے جواب دیے، میرے قلم کو رواں رکھا۔ جس نے ہر نازک وقت میں میرے آنسو پونچھے، جس نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ جو مجھ سے قطعاً دور نہیں، جو میری رگِ جاں سے زیادہ قریب ہے جو میرے دل میں ہے، جو مجھے میرے اندر سے آواز دیتا ہے مخاطب فرماتا ہے جب چاہتا ہے۔

میں یہ کام کبھی بھی نہ کرسکتا اگر وہ میرے ساتھ نہ ہوتا۔ اگر وہ میرا ہاتھ نہ پکڑتا میں کبھی بھی اس کام میں آگے نہ بڑھ سکتا۔ اس نے بچپن سے مجھے اپنی تلاش میں بے چین رکھا میں جسے ہمیشہ ڈھونڈتا رہا۔ جس کی تلاش میں مَیں نے یہ کتاب لکھی۔ میں اس بے پناہ عظمتوں والے رب کے حضور اپنی یہ کاوش پیش کرتا ہوں کہ جس کی تعریف کے دنیا کے کوئی بھی الفاظ متحمل نہیں ہوسکتے سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اپنی تعریف بیان فرمائے۔

کہاں میں منہ کالا مٹی کا کیڑا کہاں وہ ربِ کبیر۔ میری کیا مجال کہ میں اپنی کوئی چیز بھی اس ہستیِ بے مثل سے منسوب کرسکوں لیکن وہ خود ہی اس بات کا گواہ ہے کہ میں نے بوقت انتساب بہت سوچا، بہت غور کیا اور ہر ہر زاویۂ نگاہ سے تدبر اختیار کیا تفکر کے گھر دستک دی۔ لیکن مجھے کوئی اور سوائے اس نورِ ازل کے نظر ہی نہیں آیا کہ جس کا میں نام لے سکوں۔ مجاز کے پردوں میں بھی بڑے بڑے دیدہ ور تھے بڑے بڑے ہیرے تھے پھر نبیؑ ورسولؑ تھے حتیٰ کہ میرے آقا ''محمد رسول اللہ ﷺ'' جیسا کعبے کا کعبہ تھا لیکن میں نے جو کالی کملی میں جھانکا تو وہاں بھی وہ یکتا خود ہی براجمان تھا تو بھلا بتایئے پھر میں کیا کرتا؟ یا قدیم یا رحمٰن یا رحیم اس گستاخی پر معاف فرمانا کہاں تو کہ اِک جھلک سے طور جل جائیں موسیٰؑ بے ہوش ہوکر گر پڑیں اور کہاں میں کہ مکھی کچھ چھین کر لے جائے تو اسے بھی واپس لینے کا یارا نہیں۔ لیکن مجھے تجھ بن کوئی دکھتا نہیں میں کیا کروں؟ یا اپنا نام دے دے یا جان لے لے۔

(فاروق عنایت)

Marfat.com

دیباچہ

محترم قارئین! السلام علیکم۔

اپنی ایک حقیری سی کاوش لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ کتاب آپ کے لیے یقیناً کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے اپنی حیاتِ عزیز میں بلاشبہ بہت سی کتابیں پڑھی ہوں گی، اپنی پسند اور ذوق کے مطابق۔ کئی ایک نے آپ کو بور کیا ہوگا، کچھ دقیق ٹھہری ہونگی اور غالباً ان میں سے چند ہی آپ کے معیار پر پوری اتری ہونگی۔ کتاب اور قلم کا رشتہ بہت پرانا ہے لیکن جب تک قلمی نسخوں کا زمانہ تھا بات بڑی محدود تھی کیا کیا جائے کہ جب سے پریس ایجاد ہوا اور پچھلی صدی سے جب کمپیوٹر نے اس میدان میں قدم رکھا تو اس کام میں انتہائی تیزی بلکہ برق رفتاری آگئی۔ اب حال یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہر طرح کی بے حد و شمار کتب لائبریریوں اور بک اسٹالز پر بھری پڑی ہیں حتیٰ کہ ان میں بہت کثیر تعداد میں ایسی کتب شامل ہیں جنھیں پڑھنے والا کوئی نہیں۔ کچھ تو مطالعہ کا شوق فی زمانہ بہت کم رہ گیا ہے اور پھر سنجیدہ مطالعہ کرنے والے اصل علم و ادب کے شوقین چراغ لے کے ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ رہتی کسر آج کی انقلابی ایجاد انٹرنیٹ نے نکال دی ہے کہ اب آپ کو کسی اور شے کو ہاتھ لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ بس اس پر بیٹھیے اور اس میں گم ہو جائیے۔ آپ کو اسی میں دنیا جہان میں موجود ہر شے مل جائے گی حتیٰ کہ ہر طرح کا Printed مواد بھی اس میں بھرا پڑا ہے۔ لائبریریوں کی لائبریریاں فیڈ ہیں اب کتاب خرید کر پڑھنے والے گنتی کے چند لوگ رہ گئے لیکن یقین جانیے جو لطف کتاب خرید کر پڑھنے کا ہے وہ انٹرنیٹ پر مطالعہ کا نہیں یہ آپ کی قدم قدم کی اور جنم جنم کی ساتھی ہے سو سفارش ہے کہ اسے اپنے ساتھ رکھیے اسے مت بھولیے۔

مختلف علوم وفنون پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ کچھ اور لکھنے کی ضرورت ہی بھلا کیا ہے لیکن میں آپ کو بتلاتا چلوں کہ میرا یہ کتاب لکھنے کا مقصد نہ تو پیسہ کمانا تھا، نہ شعبہ جاتی علم میں اضافہ کرنا تھا اور نہ ہی نام کمانا میرے پیشِ نظر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے کسی بھی شعبہ علم کو اس مقصد کے لیے منتخب نہیں کیا۔ میں ایسے اچھوتے اور Untouch موضوعات پر لکھنا چاہتا تھا، ایسے سوالوں کے جواب تلاش کرنا چاہتا تھا اور ان مدفون خزانوں کو کھود نکالنا چاہتا تھا جو کہیں گم گئے تھے۔ جنھیں یا تو لوگ ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے یا پھر یوں کہیں کہ جن میں سے اکثر معموں کے کسی کے پاس کوئی حل تھے ہی نہیں۔

آپ جوں جوں کتاب پڑھیں گے آپ کو احساس ہوگا کہ یہ مختلف و متنوع موضوعات و مضامین کا مرقع یا نایاب مگر حسین و دلربا اور حیران کن خوشبوؤں میں رچا ہوا پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے جو اس سے قبل کبھی آپ کے ہاتھ نہیں لگا۔ شرط صرف طلب ہے اگر آپ ''حقیقت کی تلاش'' کی راہوں کے مسافر ہوئے تو یقیناً آپ کو اسے پڑھنے میں نہ صرف مزا آئے گا بلکہ Do More کی گردان کریں گے اور اگر آپ بجائے سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنے والے

Marfat.com

تجسس پسندوں کے سطح پر بیٹھ کر بس مچھلیاں ہی پکڑنے والے ہوئے تو پھر آپ سے معذرت۔

معزز خواتین وحضرات میں نے جیسا کہ ذکر کیا حقیقت کی تلاش کے اپنے فطری جذبہ کا تو مجھے اپنی تحقیق و جستجو میں جو کچھ بھی ہاتھ لگا وہ میں نے اپنے ان مضامین میں پیش کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ اپنے خیالات اور سوچ کے زاویوں کا ذکر کیا ہے۔ اس میں مَیں نے دنیا سے ظلم وفساد کے خاتمے، امن، انصاف، خوشحالی، بین الاقوامی تعمیر وترقی اور بین المذاہب اشتراک کی بات کی ہے اور ان کے حل پیش کیے ہیں۔ جینز کی حقیقت اور کراس شادیوں سے قابلیتوں کی تقسیم کا نظریہ پیش کیا ہے۔ علم پامسٹری پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اس ضمن میں کردار کا ذکر کیا ہے۔ انسانیت کے One Unit بن کر کائنات کو تسخیر کرنے کا نسخہ پیش کیا ہے فیملی یونٹ کو کیسے کام کرنا چاہیے خواتین وحضرات کا تسخیر کائنات میں کیا اور کیسا رول ہے اس پر بحث کی ہے۔ جنات کی دنیا اور دیگر مخلوقات ربانی، دیگر جہانوں اور پانچ حواس کی دنیا کو زیر گفتگو لایا ہوں۔ یقین کی کرامات پر سے پردہ ہٹایا ہے۔ اشیاء کی حقیقت بیان کی ہے۔ ماضی اور مستقبل میں سفر کیسے ممکن ہے اس کی جانکاری دی ہے۔ روحانیات اور مابعد الطبیعیات کے باب کھولے ہیں۔ خوابوں کی دنیا پر لکھا ہے اور ان کی اقسام پر بحث کی ہے۔ اپنی سعادتوں کا ذکر کیا ہے۔ روح کی حقیقت و ماہیت جاننے کی کوشش کی ہے۔ فعل لواطت کی قدامت اور نقصان کا ذکر کیا ہے۔ جبرائیلؑ کے چہرے کے خدوخال پر لب کشائی کی ہے۔ حقیقتِ قرآن اور آج کی ملغوبہ شریعتوں کا ذکر خاص کیا ہے۔ بقائے مسلم کو درپیش خطرات کی نشاندھی کی ہے، ''قرآن، مغرب اور ہم'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ رسمی اسلام اور اصل اسلام کا فرق واضح کیا ہے۔ عورت کے مقام اور جدید اسلام کو فوکس کیا ہے۔ دیگر کائناتی گوشوں میں سفر کے طریق سکھلائے ہیں زمان ومکان کی قید کو توڑنے کا گر بتایا ہے۔ پاک ونجس کا کلیہ پیش کیا ہے۔ واقعہ معراج کی حقیقت کو تلاش کیا ہے۔ امامت کا مسئلہ حل کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی شخصیتِ مبارکہ بیان کی ہے۔ عورت ومرد میں کون افضل ہے اس بحث کا خاتمہ کیا ہے۔ اسم اعظم ڈھونڈا ہے، سرمایہ داری نظام، اونچ نیچ، قہقہوں اور آنسوؤں پر قلم چلایا ہے۔ اپنے دل کے واویلے کا ذکر کیا ہے جو میں نہ سمجھ سکا ان باتوں کا ذکر کیا ہے۔ خدا کو سمجھنے کی کوشش کی ہے مرنے والے لوگوں کا پیچھا کیا ہے خیال کی طاقت معلوم کی ہے۔ گناہ وثواب کا فلسفہ بیان کیا ہے آیاتِ ربانی کو گفتگو کی زینت بنایا ہے توحید اور شرک پر اپنا زاویہ نگاہ قائم کیا ہے۔ صوفیہ، پیروں فقیروں اور مزاروں کی حقیقت اور منتیں مرادیں مانگنے کے سلیقے کا ذکر کیا ہے۔ بتوں اور بت خانوں اور ان کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ حضرت صاحب، پیر صاحب، بابا صاحب قسم کے افراد کی حقیقت کو آپ پر ظاہر کیا ہے۔ فلسفۂ حقوق وفرائض بتلایا ہے۔ شیطان ورحمٰن کا فلسفہ عیاں کیا ہے۔ آدمؑ وحوّا کے قصے کی کئی طرح سے گرہ کشائی کی ہے۔ فلسفۂ وحدت الوجود پھر وحدت الشہود پر مضمون قائم کیے ہیں۔ روح کی لطافت وکثافت کا عجیب فلسفہ لے کر آیا ہوں۔ شعائرِ الٰہی کی حقیقت کھولی ہے۔ کچھ جالوں اور چالوں کا ذکر کیا ہے۔ وقت کی طاقت پر بات کی ہے۔ شخصیت کی بناوٹ کا اچھوتا بیان تحفے میں دیا ہے۔ اعلیٰ روحانی سفر کے تمام زینے

Marfat.com

آپ کو چڑھالے گیا ہوں۔ نورِ الٰہی، قلبِ محمد ﷺ اور عوام وخواص پر بالکل نئی طرز سے روشنی ڈالی ہے۔ ذکر وفکر کے طریقے بیان کیے ہیں۔ شطرنجِ کائنات پر رحمانی وشیطانی گھوڑے کیسے دوڑتے ہیں اس سے پردہ ہٹایا ہے۔ میاں بیوی کی لڑائی اور اس کی وجوہات پر سائنسی نقطۂ نگاہ سے غور کیا ہے۔ ایک ہی بندہ کبھی فرشتہ کبھی شیطان یہ کیسے؟ بیان کیا ہے۔ ''معمہ برمودا ٹرائی اینگل'' کے حل کی نامکمل سی کوشش کی ہے۔ مسئلہ فلسطین واسرائیل کا پائیدار حل پیش کیا ہے آپ کے لیے ایک اسپیشل پیکج ''ربانی پیغامات ورابطوں'' کا پیش کیا ہے ''آسمانی اور زمینی اخوان'' میں فرق بیان کیا ہے۔ قرآنی اصول الیکشن اور سیاست کی وضاحت کی ہے پھر آخر میں کچھ ذکر قرآن مجسم کا بھی کیا ہے اور جاتے جاتے ہیرا نما انسانوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی سفارش بھی کی ہے۔

مجھے پڑھنے والے ذی قدر، بہنو بھائیو، بزرگو، نوجوانو، سراہنے والو اور نقادو یہ ایک ہلکا سا خاکہ تھا دھندلی سی تصویر تھی اس کتاب کی جو میں نے یہاں پیش کی۔ حقیقت میں یہ صرف سطح کے نقش ونگار ہیں آپ اس دریا میں اتر کر دیکھئے آپ کو اپنے ذوق کی تسکین کے لیے اور ہرے غور وفکر کے لیے اس سے کہیں بڑھ کر گہری باتیں اور انمول ہیرے ملیں گے انھیں سمیٹ لیجیے کہ میری کوشش وکاوش ٹھکانے لگے اور جو بات بری لگے آپ کے مسلک وعقیدے کے خلاف ہو یا آپ کے نقطۂ نظر سے مناسب نہ ہو اسے نظر انداز فرما دیجیے میری علمی ٹھوکروں کو برداشت فرمایئے میری کج ادائیوں کو بھول جایئے آخر اس کوہ کنی میں سو مراحل آتے ہیں کہیں کہیں تیشوں سے ہاتھ زخمی بھی ہو جاتے ہیں لیکن آپ فرہاد کے جوش جنوں کو دیکھیے نیت پر غور فرمایئے اس نے پہاڑ کھود کر جو نہر کے رستے بنائے ہیں ان کے کھردرے پن کو نہ دیکھئے نہر دیکھئے۔ اپنی پسند کے پھول چن لیجئے۔ کانٹے پڑے رہنے دیجیے۔ مالی سے گلہ نہ فرمایئے کہ پھولوں کے ساتھ کانٹوں کا آخر چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اِک قلبِ مضطرب

فاروق عنایت

❀❀❀

Marfat.com

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	آغاز بحث (اپنی بات سے)	33
2	ایک احساس	34
3	میری سوچ کے زاویئے۔	34
4	مضمون نمبر۱: انسانی سوچ کیا ہے؟ (ظلم وفساد کا خاتمہ اور دنیا میں امن، انصاف، خوشحالی، بین الاقوامی تعمیر و ترقی اور بین المذاہب اشتراک کیسے ممکن ہے؟)	36
5	آیئے اس کا حل تلاش کریں۔	37
6	شفافیت مذاہب کے ذریعے حل۔	37
7	قرآن مجید۔	37
8	اسلام میں فرقہ بندی اور تفرقہ بازی۔	38
9	غور کیجئے اور سوچئے۔	39
10	کسی مذہب سے فرقے کیسے بنتے ہیں؟	39
11	اس کا حل کیا ہے؟	40
12	بین الاقوامی سطح پر مذاہب عالم کے درمیان ٹکراؤ کا خاتمہ۔	40
13	لیکن کاش یہ سب ممکن ہو جائے۔	41
14	حل نمبر۲: کامل ترین ولی اللہ کا ظہور جو عظیم روحانی طاقتیں رکھتا ہو۔	41
15	حل نمبر۳: کراس شادیاں، ایک خاندان کی دوسرے خاندان کے ساتھ، ایک قوم کی دوسری اقوام کے ساتھ، ایک صلاحیت کی دوسری صلاحیت کے ساتھ۔ کراس در کراس در کراس حتیٰ کہ انسانی صلاحیتیں مکمل طور پر تقسیم ہو جائیں۔	42
16	مذہب کی انسانیت کو سدھارنے کی کوشش۔	43
17	جینز اور پامسٹری۔ کیا جینز کو کراس ہونا چاہیے؟	44
18	میں کہنا کیا چاہتا ہوں؟ کچھ چالوں اور جالوں کا ذکر عام فرد اور اقوام پر ظلم و بربریت سے متعلق۔	45

Marfat.com

49	علم پامسٹری سے کیا پتا چلتا ہے؟	19
50	ذہن میں سوال ابھرتا ہے ایک آدمؑ وحوا کی اولاد میں صلاحیتوں کا تفاوت کہاں سے پیدا ہوگیا؟	20
51	نسلوں کا ادغام۔جینز کی تقسیم۔طبقات کا ملنا۔آمیزش رنگ ونسل،امیر و غریب،شاہ وگدا۔	21
51	بین الاقوامی آرگنائزیشن جینز وصلاحیتوں کے کراس کے لیے قانونا یہ رہنما اصول اپنائے تاکہ دنیا میں امن،خوشحالی اور تعمیر وترقی اجتماعی طور پر ممکن ہوسکے۔ظلم مٹ جائے۔	22
53	ان شاء اللہ تعالیٰ نتائج۔	23
54	جب ہر طرف امن وامان ہوگا تو بنی نوع انسان ایک ٹیم بن کر اس کائنات کو فتح کرنے نکلے گی۔	24
55	**مضمون نمبر۲: روحانیات**	25
56	جنات کی دنیا۔	26
57	ایمان کیا ہے؟	27
58	خدا پر یقین۔	28
60	لمحہ فکریہ	29
62	یقین کی کرامات۔	30
62	حضرت عیسیٰؑ کے دور سے ایک مثال۔	31
63	ایک گاؤں کے پیر صاحب کی دوسری مثال۔	32
63	ولی اللہ کی قبور بابرکت مقامات مگر مانگیں صرف اللہ سے۔	33
63	مومن وکافر میں فرق۔	34
65	**مضمون نمبر۳: اشیاء کی حقیقت،رب کی عظمت،اللہ کے عجب کام**	35
65	اگلا سوال یہ ہے کہ اشیاء بنی کس مسالے سے ہیں؟	36
66	روحانی نقطۂ نظر سے غور۔	37
67	اشیاء وعناصر کی حقیقت،شعور اور اختیار۔	38
70	کیا بے جان اشیاء سے ہم الگ ہیں؟	39
71	سینکڑوں سال پہلے مرے ہوئے مگر حقیقت میں زندہ امام وپامسٹ سے خواب میں ملاقات۔	40
71	اس اصول کے تحت ہم کہیں گے کہ ہر شے میں ہر شے موجود ہے۔	41
71	حاصل بحث۔	42

Marfat.com

43	مضمون نمبر۴: ایک ہی شے یا انسان کی ہزاروں تاثیریں یا کردار۔	73
44	مضمون نمبر۵: مابعد الطبیعات (Meta Physics) کی جانب کچھ سفر۔	76
45	انسان کے محسوسات و جذبات اور اعمال پر ایک الگ سی نگاہ۔ کیا انسان بدلتا ہے یا وقت بدلتا ہے۔	76
46	زندگی کے Dead Locks کیا ہیں؟ آیئے بتاؤں۔	79
47	اگر تقدیر وقت یوں ہے تو پھر تدبیر کہاں ہے؟ حقائق و دلائل کیا ہیں؟	80
48	یاد رکھیے جہاں Dead Lock آئے وہاں خدا ہے۔ ہر انوکھی بات میں خدا ہے۔	81
49	امر ربی میں عقلیں گم ہیں۔	82
50	مضمون نمبر۶: کیا ہم زمان و مکان کی قید سے نکل سکتے ہیں؟ کیا ہم ماضی حال و مستقبل میں بغیر مادی ذرائع کے سفر کر سکتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اب ہدایت نازل فرماتے ہیں؟	83
51	خصوصی علوم کے حصول کے حوالے سے از راہ تذکرہ کچھ اپنا ذکر۔	84
52	اصل موضوع کی طرف واپسی۔	86
53	آیئے اب اصل روحانی نورانی دنیا کی بات کریں۔	87
54	کبھی اللہ رب العزت کشف و خواب میں اپنے بندے سے گفتگو فرماتے اور ہاتھ ملاتے ہیں۔	88
55	اللہ کی راہ میں سفر کے لیے شرائط	88
56	ماضی حال و مستقبل میں سفر کے کچھ ذاتی تجربات	89
57	تمام اسلامی فرقوں میں حق کے قریب تر بالترتیب فرقوں سے متعلق خواب	90
58	زیارت حضرت محمد ﷺ اور مصاحبین خواب میں	90
59	میری اہلیہ کا خواب میرے متعلق اور اس کی تعبیر جلیلہ۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی اہلیہ اور شیر خوار اسماعیلؑ کی صورت میں۔	90
60	میں نے اپنا مستقبل دیکھا	92
61	میں نے اپنا حال اور بچپن اکٹھا ایک وقت میں دیکھا	92
62	اپنے بستر پر مدینہ اور مکہ جانا اور حج کی سعادت روحانی (از راہ تذکرہ اپنی اہلیہ کا ذکر)	93
63	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس کے اندر لحد مبارک کے پاؤں کی جانب حاضری اور لحد پاک پر پڑی گیارہ سبز چادروں میں سے آٹھ نو تک میرا ہاتھ پہنچا۔	95

Marfat.com

64	خواب میں دیکھا روضہ رسول اللہ ﷺ وابوبکرؓ وعمرؓ خانہ کعبہ کے اندر ہے اور ساتھ خالی جگہ جو ایک مزید قبر کی ہے وہاں میں لیٹا ہوا ہوں۔	95
65	نہایت قریبی عزیز کا مکہ میں حج کے موقع پر جان لیوا بیماری میں مبتلا ہونا اور میری دعا کا قبول ہونا۔ دعا کے جواب میں خواب آنا۔	96
66	اللہ کے ولی اپنی قبروں میں زندہ ہیں یا مردہ؟ اس سے متعلق خواب۔ ان سے کچھ مانگنا چاہیے یا نہیں۔ دعا کا یہاں کیا طریق ومقام ہے۔	97
67	شرک، بت پرستی، قبر پرستی، شخصیت پرستی کی اصل کیا ہے اور سد باب	99
68	شرک سے بچنے کا انتباہ	100
69	حاصل کلام	101
70	انسان کا جسم لطیف، روح یا ذات بھی بالکل مادی جسم کی طرح کا ہوتا ہے اور اسے بقاء حاصل ہے۔	101
71	فعل لواطت تین کروڑ سال پرانا ہے۔	102
72	جبرائیل کے چہرے کے خدوخال (نقش ونگار) تلاش کرو۔	103
73	**مضمون نمبر ۷: ہماری ترقی کی رفتار اور کائنات کی وسعت**	105
74	**مضمون نمبر ۸: واقعہ لال مسجد، اسلام آباد جولائی 2007ء اس کی وجوہات اور سد باب**	108
75	**مضمون نمبر ۹: عہد حاضر یعنی اکیسویں صدی کے مومنین کون سے لوگ ہیں؟**	112
76	حقیقت کو صرف قرآن مجید میں تلاش کیجیے	113
77	کیا قرآن کو چھوڑ کر آج کی ملغوبہ شریعتوں سے ترقی دو جہاں ممکن ہے؟	114
78	کیا آج ہم مسلمانوں کی بقاء خطرے میں نہیں؟	114
79	ہمارے اجتماعی I.Q Level کے کم ہونے کی وجہ سے دنیا ہمیں اپنے مقاصد کے لیے آسانی سے استعمال کرتی اور ہمارے جذبہ ایمانی سے مکارانہ طور پر مستفید ہوتی ہے۔	114
80	جب منظر نامہ یہ ہے تو ہم کیوں نہ اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیں اور انھیں دور کریں۔	115
81	علم حدیث اور گھڑی ہوئی جھوٹی احادیث کے مضمرات قومی۔	116
82	احادیث صادقہ کو پرکھنے کا اصل معیار صرف قرآن خالص ہے۔	116
83	شیعہ وسنی دو بڑے متحارب ومتصادم احادیث کے دفاتر۔ ان کے نتیجے میں بننے والے درجنوں فرقے اور امت محمدیہ کا یوں پارہ پارہ ہو جانا۔	117

Marfat.com

84	لیکن ایک سوال باقی رہ جاتا ہے اگر اسلام یہ ہے کہ تو پھر اسے عروج کیسے حاصل ہوا تھا؟	118
85	ہماری مروجہ شریعتوں کے نتائج کیا ہیں؟	118
86	اسلامی اسکالرز اور اصلاح کاروں کا استقبال کفر کے فتوؤں سے کیا جاتا ہے	120
87	آیئے اپنی اصلاح کریں ورنہ زمانہ ہمیں نگل جائے گا۔	120
88	اگر قرآنی نظام بہترین ہے تو مسلمان ناکام کیوں ہیں؟ اگر مغربی نظام برا ہے تو اقوام مغرب کامیاب کیوں ہیں؟ آیئے تحقیق کریں۔	121
89	قرآن، مغرب اور ہم۔	121
90	قرآن کو چھوڑ کر ہم برباد ہو گئے۔	125
91	ہم رسمی مسلمانوں کی روزمرہ زندگیوں سے کچھ مثالیں نمونے کے طور پر۔	125
92	پھر بھی ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔	128
93	اقوام مغرب، ان کا کردار اور قرآن۔	129
94	اب ذرا سوچیئے۔	130
95	ہم نے جب ترک قرآن کیا تو سزا بھی بھگتیں گے۔	131
96	اگر ہم اپنے اندوہناک انجام سے بچنا چاہتے ہیں تو آیئے قرآن کی روشنی میں حل تلاش کریں۔	131
97	قرآن اور عہد جدید۔	132
98	توحید الٰہی کا مطلب	133
99	رسالت محمد ﷺ پر ایمان کا مفہوم	134
100	داڑھی اور اسلام/ کیا سر پر ٹوپی ضروری ہے؟	135
101	داڑھی کی حکمت کے لحاظ سے اس کا ہر مذہب حق اور اسلام سے ایک تعلق	136
102	ٹخنوں سے اونچی شلوار جیب میں مسواک، آنکھوں میں سرمہ۔	137
103	نماز کے تھوڑے بہت فرق سے کئی طرائق لیکن روح وہی اللہ کے حضور جھکنا۔	137
104	مسجد میں باجماعت نماز کا مقصد ایک ڈسپلن میں قرآن سننا اور سمجھنا تھا نیز آئمہ حضرات کی نیچے سے اوپر تک ایک چین سیاسی و معاشرتی مقاصد کے لیے بشمول دینی مقاصد کے موجود تھی۔	138
105	اب پانچ منٹ میں چار رکعت نماز باجماعت	139
106	الغرض قرآن رگوں میں خون کی طرح دوڑے	140

Marfat.com

140	تمام آسمانی کتابوں، فرشتوں اور روز آخرت پر ایمان کا مفہوم	107
141	ہمیشہ یاد رکھیئے اپنے ایمان کے یہ بنیادی اجزاء۔	108
141	پردہ کے احکام، پردہ برائے مستورات	109
142	بے پردہ ماڈرن خواتین زندگی کی دوڑ میں آگے کیوں نکل جاتی ہیں؟	110
142	قرآن پردہ، عفت و پاکیزگی کے متعلق کیا کہتا ہے؟	111
144	مرد اپنی نگاہیں قدرے نیچی رکھیں۔	112
144	ایسا پردہ جس میں عورت ملک وقوم اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے سکے	113
145	ہمیں یورپی خواتین جیسی ترقی نہیں چاہیے	114
146	تسخیر کائنات کا حکم الٰہی اور اس میدان میں ہمارا مقام	115
150	نہ مصوّری حرام ہے، نہ فلم، نہ ڈرامہ، نہ موسیقی نہ شاعری۔	116
153	مغرب کی طرح تحقیق و جستجو کی ضرورت	117
156	اللہ کی عملی عبادت اسی چیز کا نام ہے	118
158	اختتامی نوٹ	119
159	**مضمون نمبر۱۰: کیا زمین کے علاوہ کائنات کے کسی گوشے میں زندگی موجود ہے**	120
159	ہمارے زمینی حواس خمسہ کی طرح دیگر سیاروں، کرّوں اور ستاروں کی دنیاؤں میں دیگر حواس رکھنے والی بے شمار مخلوقات ہوسکتی ہیں بلکہ یقیناً ہونگی۔ خدا نے کچھ عبث پیدا نہیں فرمایا۔	121
160	ہم زمان و مکان اور حواس خمسہ کی قید توڑ کر دیگر دنیاؤں میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کے متعلق شعور حاصل ہونے کا واحد راستہ روحانی دنیا ہے۔	122
161	**مضمون نمبر۱۱: رزق طیّب، پاکی، پلیدی اور ہمارے حواس خمسہ**	123
161	پاک و نجس کا کلیہ۔	124
163	**مضمون نمبر۱۲: واقعہ معراج، حضرت محمد ﷺ، جبرائیلؑ، براق، اللہ و رسول ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلے کی حقیقت اور مُلّا حضرات کے روایتی قصے کہانیاں۔**	125
165	حقیقت محمد ﷺ و جبرائیلؑ	126
167	کیا حضرت ابراہیمؑ تمام انسانوں اور نبیوںؑ، رسولوںؑ کے امام ہیں؟	127
167	حضرت محمد ﷺ کی شخصیت مبارکہ کا غیر جانبدارانہ تجزیہ	128

Marfat.com

129	مضمون نمبر ۱۳: عورت و مرد یا نر و مادہ در حقیقت ایک شے ہیں۔	172
130	کیا تسخیر کائنات کی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے؟	173
131	مرد عورت اور بچوں کا ایک معاشرتی یونٹ کیسے کام کرے گا؟	173
132	عورت کی ملازمت اور اس کی فطری ذمہ داریاں۔	173
133	عورت کی معاشی حیثیت کا تعین و تحفظ اور ایک فیملی یونٹ کی انکم کی تقسیم۔	174
134	طلاق کی صورت میں اس فیملی یونٹ کے اثاثے کیسے تقسیم ہونگے۔	176
135	مغرب میں عورت کی مادر پدر آزادی کے شاخسانے۔	176
136	ہماری خواتین کی تعلیم و تربیت اور معاشرے میں فعال کردار ادا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔	178
137	تسخیر کائنات کے لیے ہر فیملی یونٹ ایک فعال رکن مرد کی صورت میں مہیا کرے گا۔ تاہم بالواسطہ طور پر خواتین بھی اس میں شامل ہیں۔	179
138	اس نظریہ پر عمل کرنے سے دنیا کی ترقی کی رفتار کئی گنا بڑھ سکتی ہے۔	180
139	یہ جدید قرآنی نظام دنیا کو حیرت زدہ کر سکتا ہے۔	180
140	تسخیر کائنات کا ایک مادی پہلو، ایک روحانی پہلو۔	181
141	خواتین کو مردوں کے برابر تمام سہولیات، آسائشات اور حقوق حاصل ہونگے۔ انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح محض گھروں میں بند نہیں کر دیا جائے گا۔	182
142	طلاق کی صورت میں ٹوٹنے والے گھریلو یونٹ کو نئے گھریلو یونٹس میں تبدیل کیا جائے گا۔	183
143	زیادہ اولاد پیدا کرنے کی سفارش کی وجہ۔	183
144	آیئے یوں مرد یا عورت کی برتری کی جنگ ختم کر کے فرشتوں سے افضل بنیں۔	184
145	مضمون نمبر ۱۴: اسم اعظم اور سانس کی آمد و رفت	185
146	مضمون نمبر ۱۵: تمام دنیا کی ایک زبان پر کچھ بحث	188
147	ایک سفارش	189
148	قرآن کے حوالے سے ایک وضاحت اور یہی حتمی بات	190
149	مضمون نمبر ۱۶: کچھ عجائبات جنہیں میں نہ سمجھ پایا۔	191
150	اب دل کی بھی سن لیجیے۔	191
151	یا رو دنیا میں اتنی اونچ نیچ، قہقہے اور آنسو کیوں ہیں؟	191

Marfat.com

192	مذہب کے ٹھیکیدار، سرمایہ داری نظام اور ظلم کو سہارا کیوں دیتے ہیں؟	152
193	اسلام تو ایک دین فطرت ہے، دولت کے ارتکاز کو روکتا ہے۔	153
193	صالح معاشرہ عجب ترقی کرے گا۔	154
194	اسلام کے گوہر لاثانی سے انسانیت کی تکمیل تو ٹھیک لیکن جہاں انسان کا بس ہی نہیں چلتا، ایسے مناظر، ایسے لمحات، ایسے واقعات اور ایسے تمام محسوسات دل کو جھنجھوڑتے اور سوال کرتے ہیں۔	155
194	لاتعداد سوال جن کا شاید کوئی جواب نہیں؟؟؟	156
198	میں اپنے دل کو بہت سمجھاتا ہوں اور فلسفۂ زندگی سے کئی جواب دیتا ہوں مگر وہ نہیں مانتا۔	157
199	کیا آسمان سے مذہب یا دین اس لیے نازل ہوئے کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹو؟ ذرا غور تو کریں مذہب ہے کیا شے؟ ہم نے اسے بنا کیا دیا ہے؟	158
199	میرے جواب پہ دل لمحہ بھر کے لیے خوش تو ہوا مگر پھر حسرت سے آسمان پر ٹکٹکی باندھے رونے لگا۔	159
200	وہ احد جس نے اپنی پہچان کے لیے یہ دنیا بنائی۔ اس کی بدصورتیوں کو ختم کیوں نہیں کرتا؟؟	160
200	دل کو آخری جواب اس کے قرب کا راستہ معکوس ہے۔	161
202	مضمون نمبر ۱۷: خدا کون ہے؟ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟	162
205	مضمون نمبر ۱۸: یہ مرنے والے لوگ کہاں چلے جاتے ہیں؟	163
205	ایک عجیب وغریب ویادگار واقعہ	164
208	مضمون نمبر ۱۹: خیال اور حقیقت کا تعلق۔ کیا خیال کی طاقت اسے حقیقت بنا دیتی ہے، خیال، عمل اور نتیجہ عام پہلو۔	165
209	آیئے کچھ مخفی دریچوں کی جانب سفر کریں۔ سفر کے گیارہ طریقے کون سے ہیں؟	166
211	کچھ خیال کی طاقت کی کرامات	167
213	مضمون نمبر ۲۰: کائنات حرکات، وجود وعدم وجود، اعمال دنیوی، نیکی بدی اور گناہ وثواب، بناؤ بگاڑ، تعمیر تخریب، آنسوؤں اور قہقہوں کا بے پناہ عجیب گورکھ دھندہ۔ رب کی عجیب شانیں اور تمثیلات۔	168
218	آیات ربانی کا تجربہ کراں۔	169
220	اللہ تعالیٰ کی سمجھ نہ آنے والی بے شمار قدرتوں میں سے چند اور Super Human کے آنے کا وقت	170
222	مضمون نمبر ۲۱: مجرم قوم پر حاکم بھی مجرم ہی مسلط ہوگا۔	171
222	اللہ کا عام عذاب چند مومنین کی موجودگی میں بھی قوم مجرمین کا رخ نہیں کرتا۔	172

Marfat.com

173	مجرم قوم کے سدھرنے کیلیے رسول اللہ ﷺ یا ولی اللہ کی دعائیں اور غرق ہونے میں بددعائیں کام کر جاتی ہیں۔	222
174	مضمون نمبر۲۲: نعت رسول ﷺ ہو یا مناقب پنج تن پاک، اولیاء، ابدال، قلندر، غوث، قطب کوئی بھی ہوں حقیقی حمد و ثناء رب واحد کی طرف منسوب فرمائیں ورنہ شرک در آئے گا۔	224
175	یاد رکھیے، پھر یاد رکھیے اور پھر یاد رکھیے اور پلے باندھ لیجیے۔	226
176	صوفیاء کیا کرتے تھے؟	227
177	زندہ پیروں فقیروں کے کرنے کا کام	228
178	لوگ نقلی پیروں سے اور جعلی فقیروں سے ہوشیار رہیں۔	228
179	میں اکثر بڑی دلچسپی سے صوفیانہ کلام اور قوالیاں سنتا ہوں لیکن!	229
180	اختتامیہ اور آخری گزارش	229
181	سنہری مشورہ۔	230
182	مضمون نمبر۲۳: فلسفۂ حقوق و فرائض	231
183	قرآن کے تمام اصول حسن حیات سے مزین اور خود قرآن حسن کا مرقع ہے۔	233
184	مضمون نمبر۲۴: میاں بیوی کے درمیان عدم مطابقت، جھگڑا اور فتنہ و فساد اگر معمول بن جائے تو اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ کس طرف اشارہ ہے۔	234
185	طلاق اور گھریلو بے سکونی سے بچنے کے لیے میری تجاویز یہ ہیں۔	235
186	اس ضمن میں اہم بات۔ عشق و محبت کے جنون کا کیا علاج کیا جائے؟	236
187	اس کے علاج و تدارک کے لیے میری ان تجاویز پر غور فرمائیں۔	237
188	اصل عشق مجازی	238
189	اک عجب بات	238
190	اس عشق کی ایک کم تر شکل اور بھی ہے۔	239
191	ایک نقطے کی بات	239
192	آخر میں ایک انتباہ	240
193	مضمون نمبر۲۵: نسل آدم کا کسی سمت بڑھنا اور کسی رخ پر مفقود یا مسدود ہونا۔ خدا کی زبردست حکمتوں میں ہماری ارادۃً مداخلت تباہ کن ہے۔	241

Marfat.com

194	رب حکیم نے نسل آدم سمیت ہر نوع کی نسلوں میں سکریننگ اور چھانٹی کا ایک پیچیدہ نظام قائم کر رکھا ہے۔	243
195	خاندانی منصوبہ بندی کا عمل	243
196	کروموسومز یا جینز میں چھیڑ چھاڑ کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔	243
197	اس نہج پر چلتے چلتے اقوام سابقہ بار بار تباہ ہوتی رہی ہیں۔	244
198	ایک دعویٰ! ہم ماضی کی تہذیبوں سے متعلق صرف رائی برابر جانتے ہیں۔	244
199	کیا ستاروں کی حقیقت سے متعلق جدید سائنسی دعوے سچ ہیں؟	244
200	دراصل آج کی سائنسی ترقی کا مدار یعنی مادہ ہی غلط ہے۔	245
201	ایک طرف مادی ترقی کو Reform کریں دوسری طرف ذہنی وروحانی سائنس میں محنت کریں۔	245
202	یاد رکھیں آپ جس تیزی کے ساتھ آبادی کو بڑھائیں گے اسی تیزی کے ساتھ نکمے لوگ اور قومیں تلف ہوتی جائیں گی۔	247
203	جب ہم یہ جان گئے ہیں تو جان لیجئے کہ وہ بہت ہی بڑا خلیق، علیم، سمیع وبصیر، مصور، مدبر، حکیم اور دانا ہے۔	247
204	**مضمون نمبر ۲۶: دل دریا سمندروں ڈونگھے۔**	248
205	ایک واقعہ! بونے قد کے جنات کی تقریب شادی میں ہم بن بلائے مہمان۔	248
206	ہمارے حواس خمسہ کی دنیا کے علاوہ Other Senses کی دنیائیں بھی زمین پر موجود ہیں۔	249
207	کیا جن وانس کے علاوہ دیگر حواس کی مالک مخلوقات کا وجود بھی ممکن ہے؟	249
208	حالت خواب میں ہم دیگر دنیاؤں اور حواس میں داخل ہو جاتے ہیں۔	249
209	صوفیاء اس میں ترقی کرتے ہیں۔	250
210	اب دل کے چودہ طبقوں کی طرف آیئے۔	250
211	حاصل بحث	251
212	یاد رکھئے! رب باہر نہیں اندر ہے۔ علم بھی اندر سے باہر آتا ہے۔	251
213	**مضمون نمبر ۲۷: فوت شدہ لوگ، بھوت، خواب میں ملنے والے حضرات وغیرہ کہاں ہیں۔**	252
214	حواس خمسہ والا مادی بندہ مرتا ہے اصل بندہ روح میں موجود رہتا ہے۔	252
215	یہ روحیں اس زمین پر بھی آباد ہیں ان کی اپنی دنیا ہے۔	252
216	معلوم نہیں اس زندگی سے آگے کتنی زندگیاں اور ہیں اور کون کون سی دنیائیں ہیں۔	253

Marfat.com

253	حاصل بحث! روح کا تعلق بعداز مرگ زمین سے، نیند، اونگھ اور ہوش میں دیگر دنیاؤں سے، اور اسی زندگی میں جنت ودوزخ دیکھنا محسوسات کے ذریعہ۔	217
255	مضمون نمبر ۲۸: گناہ وثواب کا فلسفہ NO SIN, NO PAIN	218
259	اختتامیہ	219
261	مضمون نمبر ۲۹: آدمؑ وحوا پر مزید اک خاص زاویے سے نظر	220
261	ایک نگاہ پیدائش آدمؑ اور ڈارون تھیوری پر	221
262	شیطان روح کا حصہ یا روح میں سرائیت ہے۔	222
263	جینز میں رحمانی وشیطانی روح کے اثرات	223
264	جنات ان کی انواع واقسام، سایہ وغیرہ اور انسانی روح کی ذریت سے اس کا تعلق	224
267	مضمون نمبر ۳۰: روح کی دنیا لطیف سے لطیف تر۔ مادی دنیا کثیف سے کثیف تر۔ روحانی دنیا کی طرف رب کی کشش بڑھتی ہے۔ مادی دنیا کی طرف شیطان کی کشش بڑھ جاتی ہے۔	225
268	روحانی دنیا اور لطافت کی طرف سفر کا طریقہ کار۔	226
270	جب قرآن کو ایمان وعمل میں راسخ کر چکیں تو دنیا سے واجبی تعلق رکھیں، دلی نہیں۔	227
271	اختتامیہ۔	228
272	مضمون نمبر ۳۱: شعائر الٰہی، اللہ کی نشانیاں، اللہ کے انعامات اور ان میں چھپے راز۔	229
274	صفا ومروا اور آب زمزم۔	230
274	کعبہ شریف	231
274	مدینہ منورۃ	232
275	بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ	233
276	کوہ طور	234
276	نبوی داڑھی	235
276	سکھوی داڑھی	236
277	اصحاب کہف کی یادگار	237
277	جبل رحمت	238
277	میدان بدر	239

Marfat.com

240	ذبیح عظیم۔سنت ابراہیمی	277
241	صلیب	278
242	اختتامیہ	278
243	ثابت ہوا کہ سب کچھ بھول کر صرف اللہ سے عشق کرو۔اس کی مخلوق کے لیے جیون مٹادو۔	278
244	مضمون نمبر۳۲: سب کچھ مٹی پانی سے پیدا ہوتا ہے اور مٹی پانی ہی کو لوٹ جاتا ہے اک طلسم ہوش ربا ہے۔روح رنگ برنگ لباس بدلتی ہے نیز فلسفہ وحدت الوجود۔	279
245	میں یہ جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا	281
246	نظریہ وحدت الوجود کی اصلاح	284
247	قرآن مجید کے اندر حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ	285
248	فلسفۂ وحدت الوجود اس حد تک ٹھیک ہے کہ	286
249	نکتۂ اصلاح عقیدہ تثلیث عیسائیت و پیری مریدی	286
250	ولی اللہ حضرات پیر وفقیر	287
251	مضمون نمبر۳۳: حق کے راستے کا کلیہ: واحد اللہ ذات وصفات میں + نیک اعمال خالص وحی الٰہی کی روشنی میں + روز حساب اعمال کی جوابدہی کے لیے۔	289
252	غلط تصورات کا عذاب	290
253	ذات کیا ہے؟ صفات کی مرکزیت	290
254	خدا کی ذات، نبیؑ و رسولؑ کی ذات، ولی اللہ، صوفیاء، فلاسفرز، مدبر، محقق، سائنسدان اور فنکار وغیرہ۔	291
255	ہر مذہب میں خدا اور رسول بھی ہیں فلسفۂ آخرت بھی ہے پھر آخر معاملہ کہاں بگڑتا ہے؟	291
256	یہ طے کرنا ہوگا کہ نیک اعمال کیا ہیں اور برے اعمال کیا ہیں؟	292
257	حل صرف وحی الٰہی ہے۔	293
258	میرا مشاہدہ ہے۔	293
259	اختتامیہ	294
260	مضمون نمبر۳۴: حسن ازلی، چھپا ہوا خزانہ جو ظاہر ہوا اور حسن کائنات ہوا ہر ہر شے کا حسن	295
261	یہ حسن کیا ہے؟ یہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔	296

Marfat.com

262	وحدت الوجودی مکتبۂ فکر	296
263	پس ثابت ہوا کہ	297
264	زندگی بعداز موت اور دیگر دنیاؤں کی زندگیاں اگر کوئی ہیں۔	298
265	مضمون نمبر۳۵: شعریت، ردھم، موسیقیت، قافیہ، ردیف، اوزان کلام، دھن کی ترتیب، سات سر، صوتی لہریں، پاکیزہ کلام اور اس ڈھنگ میں ہدایت واصلاح نیز وزن وبحر میں اورادووظائف	299
266	اہم نکتہ کہ جس کے لیے یہ سب لکھا۔	301
267	تکرار لفظی اپنے اندر گہرے اسرار رکھتی ہے۔	302
268	مضمون نمبر۳۶: آج ایک مرتبہ پھر اپنی سوچ کے زاویوں، احساسات وجذبات، ادراکات اور احتسابات سے متعلق تھوڑی گفتگو۔	304
269	ویسے تو میری شاعری کی الگ کتاب ہے "شاعرانہ ادا" لیکن یہاں موقع کی مناسبت سے میں اپنی ایک نظم لکھ رہا ہوں بعنوان "تیری دنیا میری دنیا"۔(میں شاعر نہیں مگر جو دل سے نکل کر شعروں میں ڈھل جائے لکھ دیتا ہوں)	307
270	مضمون نمبر۳۷: حقیقت نفس کشی۔دیگر مذاہب میں نفس کشی کی بگڑی ہوئی شکلیں۔	313
271	مضمون نمبر۳۸: عالم محسوسات کی اس دنیا میں سزاؤں اور جزاؤں کا فلسفہ اور اس کی حقیقت کو جاننے کی اپنی سی کوشش۔	321
272	مضمون نمبر۳۹: خواہشوں کے جال	329
273	مضمون نمبر۴۰: فطرت اور جبلت کی ان دیکھی زبردست طاقت	333
274	ماں کا جذبہ ممتا اور باپ کی پدرانہ شفقت ومحبت	334
275	بعداز بقائے حیات After Existence	334
276	ایک ہی نر ومادہ کی مشترکہ نسل پر اکتفا کی بجائے جوڑیاں بدلاتے رہنے سے جینز کے کراس ہونے کی رفتار بڑھ جائے گی اور نتائج شاندار مل سکتے ہیں۔	335
277	فطرت کیا کیا کھیل کھیل رہی ہے!	335
278	مضمون نمبر۴۱: پراسرار علوم اور اپنی بے چینی ولاعلمی پر اک نظر!	337
279	الفاظ واعداد کی پراسرار طاقتیں	337
280	مضمون نمبر۴۲: اور جب شیطان نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا۔شیطان ورحمٰن اور گناہ وثواب کے فلسفے پر اک اور زاویہ نگاہ۔	341

Marfat.com

281	آدمؑ وحوا میں شیطانی ورحمانی دوروئیں ہمہ وقت چل رہی ہیں۔اس دلدل کے بعد عرفان حق تعالیٰ ممکن ہے۔اس موضوع سے متعلق دقیق مگر عمدہ بحث۔	342
282	کچھ اضافی بحث	345
283	خدا کی حقیقت، ماہیت اور خدوخال کیا ہیں؟	346
284	ایک اور وضاحت	346
285	مضمون نمبر۴۳: اک طلسم ہوش ربا! خیر وشر مجسم مگر کیسے؟ ایک فلسفیانہ نظر	348
286	تمثیل نمبر۱	349
287	تمثیل نمبر۲	350
288	تمثیل نمبر۳	350
289	تمثیل نمبر۴	351
290	بیان کردہ تمثیلات وفلسفے کی توضیح	354
291	اختتامیہ	356
292	مضمون نمبر۴۴: مذہبیات اور مروجہ اخلاقیات سے ہٹ کر محض فطرت پر غور وفکر اور اس کے حیران کن عقل وشعور سے ماوراء کام۔رازوں کی ایک لامتناہی دنیا۔	358
293	شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دا موری ہو۔ ملا ملوانے لگن نہ دیندے جیہڑا لنگدا لنگدا چوری ہو۔	361
294	پھر کچھ اپنے بارے میں۔فطرت اپنی راز افشانیوں پر مجھ سے لڑنے لگی ہے۔	363
295	مضمون نمبر۴۵: بے شمار عالمین، بے شمار دنیائیں۔ اسی زمین وآسمان میں بسنے والوں کے بے شمار عالم مخصوص حواس ومحسوسات کی تبدیلی سے دوسرے عالمین میں داخلہ اہیں مسدود، دبیز پردے راہ میں حائل۔ہر اک نوع کی اپنی دنیا۔	364
296	مضمون نمبر۴۶: طلب ورسد کا قانون۔طالب، طلب اور مطلوب کی غلام گردشیں۔عاشق ومعشوق کی دنیا۔کسی شے کے حصول کا جنون اور حصول وعدم حصول کی بھول بھلیاں۔	371
297	خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی	377
298	مضمون نمبر۴۷: نکتۂ وحدت کا ایک اور پہلو سے جائزہ۔	379
299	نہ چھیڑان فرقہ پوشوں کو، عقیدت ہو تو پوچھ ان سے!	382

۱۱۰۵۵ م۸

Marfat.com

386	کائنات سے تمہارا رشتہ عقلی اور محسوساتی اعتبار سے۔	300
391	مضمون نمبر ۴۸: کائنات کے دو بنیادی رنگ سیاہ اور سفید، اندھیرا اور اجالا، سیاہی اور چمک یا اندھیریاں اور نور	301
398	مضمون نمبر ۴۹: وسعتیں اور پہنائیاں۔	302
401	مضمون نمبر ۵۰: تصور اور تصویر۔ بتانِ رنگ و بو۔	303
408	مضمون نمبر ۵۱: روحانی ترقی کے لیے غذا اور پرہیز روحانیت کی افزائش و ترقی کے لیے حلال، طیب، سادی، قلیل، نباتاتی، غیر بدبودار اور محض اتنی خوراک جو کہ ناگزیر ہو۔ تاہم کونسی غذا؟ روحانیت سے اس کا کیا تعلق؟ زیادہ اور پرتکلف غذاؤں کا روحانیت سے کتنا بعد؟ شہوتوں سے گریز کیوں؟ کیا شہوتیں روحانیت کی دشمن ہیں؟ روح اور مادے کا نکتہ اتصال؟ اس کا نکتہ کمال اور نکتہ زوال؟ بالآخر مادی غذا سے روحانی شخص کی مکمل بے نیازی اور روحانیت کا نکتہ عروج۔ نکتہ معراج انسانی۔ نکتہ معرفت۔ نکتہ قرب ذات حق۔	304
423	مضمون نمبر ۵۲: تہلکہ، دھماکہ، سمندر حیرت، ناقابل یقین، کائنات کی حقیقت ہمارے حواس خمسہ کے سوا کچھ نہیں Unbelieveable. The Greatest Truth	305
423	دقیق نکتے آسان زبان میں۔	306
423	آدمؑ و حوا جنت سے کیسے نکلے؟ روایات سے ہٹ کر مزید گہری بحث	307
425	شرعی زندگی سے جنت	308
425	عشق سے جنتوں کی انتہاء۔ وصل حق	309
427	ایک تمثیل	310
429	پوری کائنات اللہ کی عالمگیر روح میں سمائی ہوئی ہے جو انسان میں بھی پھونکی گئی ہے۔	311
430	بیرونی علمی راستہ	312
431	اندرونی علمی راستہ	313
431	جنت سے نیچے اترنا۔ یہ مادی رستہ عمودی ہے	314
438	روحانی افقی سفر اور حقیقت کی تلاش	315
438	روحانی افقی سفر کے لیے تیاری	316
440	اس سے آگے کا روحانی افقی سفر	317
440	روحانی افقی سفر میں مال کا کردار	318

Marfat.com

319	اس سفر میں جسم کی زکوٰۃ	442
320	روحانی افقی سفر میں قربانی کا عمل دخل	443
321	صبر و شکر کی دولت کا اس سفر میں کردار	446
322	اس سفر میں عدل واحسان	449
323	اس روحانی افقی سفر میں نیکی کی قیمت	452
324	اس سفر میں صدیقیقت کا کردار (Truthness)	453
325	اس سفر میں توکّل صرف خدائے واحد ولاشریک پر	456
326	عاجزی نہ کہ تکبر۔غیبت، بہتان، چغلی، بغض، حسد اور کینہ سے پرہیز۔عفت و پاکیزگی۔غنیٰ و فراخدلی۔خوش خلقی۔رحم و ترس نہ کہ سنگ دلی۔سب کچھ اللہ کے لیے نہ کہ نفس کے لیے۔حق کے لیے جہاد ہر طرح کا۔خلوص نیت اور نیکی میں سبقت لے جانا۔اس کے علاوہ بے شمار صفات کا روحانی افقی سفر میں کردار۔بلکہ سارا قرآن رگوں میں خون کی طرح دوڑے۔اول وآخر اور ظاہر و باطن اللہ کے تمام نبیوںؑ اولیاء، فقراء سے محبت۔حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد ﷺ سے شدید محبت۔اللہ سے عشق	465
327	عملی افقی روحانی سفر	469
328	آیئے عملی کام کی طرف	471
329	کام کی بات	472
330	اصل موضوع پر واپسی	477
331	عبادت پر واپسی	478
332	اشراق سے چاشت تک کیا وظائف، کیا اوراد اختیار کریں گے؟ بلکہ 24 گھنٹے کے وظائف و اوراد اور عبادات درجہ بدرجہ اعلیٰ ترین مقامات کے لیے۔	479
333	وضو کی حقیقت، طریقہ اور وقت پر بحث اور کچھ وضعی احادیث پر بحث جو حقیقت میں نبی پاک ﷺ کی احادیث نہیں ہیں۔	483
334	مجموعات احادیث مروجہ کو مکمل طور پر قرآن پاک کی روشنی میں ازسرنو مرتب کرنے کے لیے قرآن پاک کے ثقہ وجید علما کا ایک بورڈ اتفاق رائے سے حکومت قائم کرے۔	487
335	اسلام میں فرقہ بازی جائز نہیں۔اختلاف رائے صرف دنیوی معاملات میں ہوسکتا ہے۔دین سب کا سب قرآن ہی میں ہے۔	488

Marfat.com

336	دنیا میں صرف دو فرقے ہیں۔ حق اور باطل۔ حق کتاب اللہ میں ہوتا ہے اور اس کے خلاف ہر ہر شے باطل ہوتی ہے۔	488
337	قرآنی وظائف یا اوراد بتلانے اور رہنمائی کرنے کا عوضانہ جائز نہیں۔ ایسے تمام کاروبار باطل ہیں۔ جس نے اپنے آپ کو دینی خدمات کے لیے وقف کر رکھا ہو اگر شدید مالی تنگی کا شکار ہو تو اپنی نہایت بنیادی ضروریات کے لیے لوگوں کے چندے یا مجاز اتھارٹی سے عوضانہ وصول کر سکتا ہے۔	493
338	قرآن عظیم سے کرب وبلا اور مسائل حیات نیز امراض روح کو دور کرنے کے لیے فاعل ومفعول یا عامل ومعمول دونوں میں ایمان کامل اور اعمال صالح ہونا ضروری ہیں۔ تب ورد و وظائف کما حقہ اثر کریں گے۔	495
339	بڑے بڑے صوفیاء اکرام کا طریق ومسلک اور آج ان کے مزاروں کا حال	496
340	عبادات کی طرف پھر واپسی	498
341	طلوع وغروب شمس کے دوران عبادات جائز ہیں! بحث	498
342	عبادات پر واپسی	499
343	دن رات کے 24 گھنٹوں کے آٹھ پہروں کی تقسیم کے کلیے کا اعادہ برائے عبادات۔	500
344	نزول قرآن کی اک حسین تمثیل: خدا۔ جبرائیل۔ قلب محمد ﷺ نیز خواص وعوام کا طرز عمل۔ گہری تحقیق کے بعد انوکھی بحث نیز رحمانی وشیطانی راستوں اور رسوخ واثرات پر گہری فلسفیانہ بحث۔	502
345	قرآن۔ قلب محمد ﷺ۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ وصل حق تعالیٰ	504
346	نور الٰہی۔ جبرائیل۔ قلب محمد ﷺ۔ قرآن۔ اہل بیتؓ واصحاب نبی ﷺ۔ خواص۔ عوام	506
347	نور الٰہی کا خفیہ کرنٹ قلب محمد ﷺ سے ملتا ہے۔	507
348	عشق الٰہی کا دریا عشق محمد ﷺ کی مجازی شکل میں آنکھوں سے حسب توفیق بہہ نکلتا ہے۔	509
349	عبادات کی سمت واپسی	509
350	تصور ''اللہ'' ذات اور ذکر خفی کا طریقہ ومشق اور کمال	511
351	حقیقت میں اللہ کے نور کی پھواریں چشم تصور میں پھوٹنے لگیں گی۔	513
352	معرفت الٰہی کے راز کبھی بھی فاش نہ کریں ورنہ سزا ملے گی۔	513
353	دوسرا طریق اسم اللہ ذات کو حسب سابق طریقہ سے ٹکٹکی باندھے دیکھنا ہے۔	513
354	تیسرا طریق تصور اسم اللہ ذات + اللہ ھو کا ورد خفی + مخصوص سانسوں کی مشق	514

Marfat.com

516	اس طریق پر ایک ورد (لا الٰہ الا اللہ) کا ہے وہ بھی سمجھ لیں بہت اعلیٰ ذکر ہے	355
517	لیکن یاد رکھیں اللہ کا عشق و عبادت ان مشقوں کا محتاج نہیں ہے۔	356
518	عبادت کا ماحول پاک صاف ہونا نہایت ضروری ہے	357
519	عبادت کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے خالص سے خالص کرتے جائیں۔ شیطان بھیس بدل بدل کر اپنا آخری زور لگائے گا محتاط رہیں بالآخر ان شاء اللہ تعالیٰ اعلیٰ کامیابی حاصل ہوگی۔	358
520	**مضمون نمبر ۵۳: صفات، عادات، خصائل اور تمام جذباتِ شخصیت یا کریکٹرز زندہ، باہوش اور مستعد وفعال مخلوقات ہیں۔**	359
520	ہر اک شخص کو اک الگ نام دیا جاتا ہے جو اس شخصیت کے تمام عناصر کا اظہار کرتا ہے۔	360
520	کسی شخص کے نام کی طوالت کی وجوہات	361
521	بجائے طویل نام کے مختلف اور انوکھا نام	362
521	اصل موضوع پر فلسفیانہ بحث کا آغاز	363
522	روح اس کے پھونکے جانے نیز آدمؑ وحوا اور شیطان پر ایک نئے زاویہ سے بحث۔	364
523	روح، ذہن، دماغ اور جسم کس طرح مل کر الگ شخصیت بناتے ہیں اور شیطان ورحمٰن کی کون کون سی فوجیں مخلوقات کی شکل میں ہمارے ذہن و روح کو ہماری شخصیت بنانے میں کس طرح متاثر کرتی ہیں۔	365
523	Zygote بننے سے زندگی کی آخری سانس تک شخصیت کے بننے اور بدلنے کا عمل جاری رہتا ہے۔	366
524	Zygote بنتے ہی شخصیت کا نیا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے حضرت موسیٰؑ کی مثال	367
525	Zygote بننے کے بعد تہہ در تہہ تعمیر و تخریب شخصیت کی پیچیدہ تحقیقی بحث	368
528	انسان کی شخصیت زندگی کے پہلے سیکنڈ سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک بے شمار مخلوقات سے برسرپیکار رہتی ہے۔	369
528	یہ مخلوقات بنیادی طور پر رحمانی اور شیطانی دو متحارب گروہوں کی ذیل میں آتی ہیں۔ آپ مذہبی کتب خصوصاً بائبل اور قرآن میں ان مخلوقات کی پہچان کر سکتے ہیں۔	370
529	ان مخلوقات کے وجود، پہچان اور اثر پذیری کے طریقوں اور راستوں پر دقیق وطویل بحث اور دوران بحث مختلف تمثیلات و دلائل سے علم انسانی میں اضافے کی کوشش۔	371
535	چلیے اپنے موضوع کو سمیٹ کر اختتام کی سمت لائیں۔	372
536	حق کی مخلوقات یا افواج میں سے چند ایک کا ذکر	373

Marfat.com

536	باطل کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والی مخلوقات میں سے چند ایک کے نام۔	374
536	حاصل بحث	375
538	حق و باطل کی کشمکش اور جنگ میں رحمٰن و شیطان کی افواج کا کردار	376
541	ایک اور نکتہ! ہر اک نوع کو بشمول انسان (ڈارون تھیوری لاگو کریں تو) ابلیس بہکاتا ہے پھر خود ابلیس شیطان کو روز ازل کس نے بہکایا تھا؟ کیا خدا نے؟	377
543	اصل موضوع کی طرف واپسی	378
543	پیغمبرؑ اور اولادِ پیغمبرؑ، آدمؑ کی اولاد ہونے کے ناطے ایسے معصوم نہیں ہو سکتے جیسے کہ تصور کیا جاتا ہے۔	379
546	اصل موضوع پر واپسی اور اختتام کی جانب سفر	380
548	صرف قرآن ہی کو کسوٹی بنائیں۔	381
549	ایک اہم وضاحت	382
551	**مضمون نمبر ۵۴: کیا دنیا رحمٰن و شیطان کے درمیان بچھی ہوئی عظیم الشان شطرنج ہے؟**	383
551	ایک قوت ضرور اس سب کچھ کی مالک حقیقی ہے جبکہ دوسری قوت مستعاراً مالک مجاز ہے۔ باوجود زبردست کشمکش کے اسی وجہ سے دنیا تباہ نہیں ہوتی۔	384
553	سرمائے اور طاقت کا جال	385
555	دنیا بھر کے مذاہب کے پرچارکوں کے پاس اس تمام صورت حال کا سوائے درس و تدریس کے کوئی حل نہیں ہوتا۔	386
555	بنی اسرائیل و دیگر مذاہب پھر سقراط جیسوں کو بھی چھوڑیے خود اسلام کے ساتھ کیا ہوا؟	387
556	انسانی نفسیات اور فطرت کے کھیل نے اگر کسی بھی مذہب و فلسفے کو اپنے تاریخی سفر سے ہٹ کر جو کہ طاقت و سرمائے کے چولی دامن کے ساتھ پر مبنی ہے تادیر نہیں چلنے دیا تو پھر آخر اس کا حل کیا ہے؟	388
558	کون سا ایسا نظام ہو سکتا ہے جو طاقت اور سرمائے کی جگہ لے کر انسانی نفسیات ہی میں سے ابھرے اور اجتماعی ترقی کا باعث سرمائے و طاقت کو بناتے ہوئے دنیا سے بے پناہ ظلم و زیادتی کا خاتمہ کر دے؟	389
558	سرمایہ داری نظام اور اللہ کا سرمائے کے ڈھیر اکٹھا کرنے سے منع کرنا!	390
559	یہ جو فطرت و مذہب میں ٹکراؤ نظر آتا ہے یہ حقیقتاً حکمت الٰہی ہے۔	391
562	ارے بھائی سب کا سب اسی کی طرف سے، اسی کے حکم سے اور اسی کی حکمت بالغہ سے ہے۔	392

Marfat.com

393	یاد رکھیں کہ درحقیقت اس عظیم تر کائنات کی شطرنج کو جو بظاہر ما بین رحمٰن وشیطان نظر آتی ہے وہ خود ہی واحد و یکتا اپنی حکمت کے تحت اکیلا کھیل رہا ہے۔	563
394	کیا اس شطرنج کو مجازاً جبرائیل اور ابلیس کھیل رہے ہیں؟	564
395	اس ذات واحد کے سوا ہے کیا؟ کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ سب دنیا جہاں ہم تم اور کائنات بے حد و کنار کیا ہے؟ اُس کا پردہ ہے۔ محض مجاز ہے حقیقت میں صرف وہ ہے۔	564
396	ایک ضروری وضاحت	565
397	**مضمون نمبر ۵۵: میاں بیوی کی لڑائی اور بعد از زوجیت مشترکہ قسمت سے متعلق حکمتیں۔ ایک مزید نظر**	567
398	ہزاروں امیدوں اور خوابوں کی تعبیر کا منتظر جوڑا کیوں شادی کے بعد غیر ارادی طور پر تلخیوں کا شکار ہو جاتا ہے؟	567
399	میاں بیوی کی لڑائی پہلے دن سے کیوں شروع ہو جاتی ہے؟	569
400	جب نیا جوڑا شادی کے بعد مل کر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو فطرت اپنا ردِ عمل دیتی ہے۔	569
401	جب شادی کا تعلق باوجود ہر کوشش کے نا چل سکے تو اسے فوراً توڑ دیں اپنے لیے ناسور نہ بنائیں۔ ممکن ہے اس سے اچھی زندگی آپ کی منتظر ہو۔	569
402	بچوں کی پیدائش پر تقدیر کا بدلنا۔	571
403	**مضمون نمبر ۵۶: ایک ہی مرد یا عورت کی شخصیت ہر ہر رشتے ناطے کے آئینہ میں!**	573
404	سب سے پہلے فطری و جبلی رشتے۔	573
405	سوتیلے رشتے	574
406	حقیقی اور سوتیلے رشتوں میں ایک فرد کے برتاؤ میں حیران کن فرق کیوں؟	574
407	پھر خون کے رشتے اور دوسرے رشتوں میں فرق	575
408	ایک ہی کریکٹر کبھی فرشتہ نظر آتا ہے کبھی شیطان! کہیں فرشتہ کہیں شیطان یہ کیا؟	575
409	اتنے متضاد روپ آخر کیوں ہیں؟ کیسے ہیں؟	575
410	احسان اور Give and Take کے رشتے	576
411	خالص اللہ کی رضا کے لیے تعلق۔ جس میں احسان یا کسی دیگر تعلق کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔	576
412	قیامت کے دن لوگوں کے تین گروہ ہونگے۔ کون سے؟	577

Marfat.com

413	سبقت لے جانے والے لوگوں کی پہچان یا شناخت	577
414	سبقت لے جانے والے لوگ	577
415	اختتامیہ	579
416	**مضمون نمبر ۵۷: معمہ برمودا ٹرائی اینگل پر ایک نظر بلیغ۔قانون کشش میں تبدیلی اور نظام شمسی کے اثرات کے بدلنے کی بنا پر تغیرات کا وقوع**	580
417	ہمارا علمی پس منظر	580
418	وہ ہمارا دور سنہری تھا جو بہر حال گزر گیا اب تو کئی سو سال سے ہم سوئے پڑے ہیں۔	581
419	ہماری تنزلی کی وجہ ہماری جہالت اور قرآن سے دوری ہے۔	581
420	ہم مذہب کے ایک ملغوبے کو نام نہاد علماء کے سہارے لے کر چل رہے ہیں۔	581
421	جہاد بھی جہد سے ہے جس کا مطلب حق کے لیے مسلسل کوشش کرنا ہے۔	582
422	ہماری کوشش سے دنیا حق و باطل دو گروہوں میں بٹ جائے گی۔ہم حق کے امام ہونگے۔	583
423	اصل موضوع کی طرف واپسی	584
424	بحوالہ ایک کتاب بہ عنوان ''معمہ برمودا ٹرائی اینگل اور دجال''۔	584
425	برمودا ٹرائی اینگل میری نظر میں	585
426	اسرائیل کے خفیہ علوم	587
427	برمودا ٹرائی اینگل کا معمہ حل کرنے کی کوشش	589
428	**مضمون نمبر ۵۸: تمام اہل کتاب خصوصاً یہودیوں،عیسائیوں اور مسلمانوں پر ایک نظر کہ جو سب کے سب دین ابراہیمیؑ کے قائل اور داعی ہیں۔**	596
429	مسئلہ فلسطین اور اسرائیل کا پائیدار حل	599
430	تہذیبوں اور نسلوں کا ابھرنا، مٹنا، ہجرت کرنا اور عروج و زوال	603
431	مشرق وسطیٰ کے اکثر ممالک کو کنٹرول کرنے کے لیے اسرائیل کے قیام کا منصوبہ	604
432	مسلمانوں اور یہودیوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ آخر کیوں کئی دہائیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں؟	605
433	مسئلہ کا ممکنہ عاقلانہ و عادلانہ حل	605

Marfat.com

434	میں حیران ہوں کہ عالم اسلام کی اس بے حسی و نالائقی اور کمزوری وغیر اقوام پر انحصار کے باوجود ہم اسرائیل، یورپ اور امریکہ کے ساتھ محض رسماً کس طرح الجھے ہوئے ہیں؟	607
435	اب تمام عالم اسلام کو تعلیم کے ذریعے شعور و قابلیت کی ضرورت ہے۔	608
436	ہمیں چاہیے کہ ہم اسرائیل سے متعلق پالیسی کو حقیقت پسندانہ بنائیں۔	608
437	آیئے مسئلہ کے حل پر دستیاب حالات میں بحث کریں۔	608
438	دین ابراہیمی کے داعیوں اور تمام مذاہب کے مابین فساد کیسے ختم ہو؟	611
439	مسئلہ فلسطین و اسرائیل کے حل کے لیے گیارہ تجاویز اور بحث۔	612
440	قبلہ اول کے جھگڑے کو حل کرنے کے لیے خاص نکتہ	614
441	واپسی اپنی گفتگو جاریہ پر	615
442	غور فرمایئے۔ جب مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ قرار دیا جا چکا تو ہم دوسروں کے موجودہ قبلہ کو کیوں ان سے چھیننا چاہتے ہیں؟	615
443	حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں عالیشان مسجد کیوں تعمیر کروائی؟ وجہ	615
444	تمام مذاہب کے ماننے والے اہل توحید کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ میں اپنے طریق کے مطابق اپنی عبادت کر سکتے ہیں اس سے وہ پلید نہیں ہوتی۔ سب اسی واحد کا نام لیتے ہیں۔	616
445	وضاحتی نوٹ	617
446	**مضمون نمبر۵۹: ربانی پیغامات اور رابطے**	620
447	ایک وضاحت	620
448	ربانی رابطوں کی اقسام۔ وحی۔ الہام۔ پردے سے آواز۔ القاء۔ رویائے صادقہ۔ کشف۔ سچا خواب۔ ہمہ وقت رابطہ Hotline۔ علم لدنی۔ نمبروار سب پر بحث	621-624
449	ہمہ وقت رابطہ پر مزید بحث۔ یہ آخر ہے کیا؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کی ہیئت و شناخت کیا ہے؟	624
450	مثال نمبر۱۔ مثال نمبر۲	625
451	مثال نمبر۳	626
452	اب براہ راست اس رابطے پر کچھ بات	626
453	شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دا موری ھُو	627
454	علم لدنی	628

Marfat.com

455	مضمون نمبر ۶۰: آسمانی اور زمینی اخوان میں فرق۔ آگ پر یا آگ میں پکی ہوئی اشیاء کے اثرات نیز ایندھن کی اقسام کے لحاظ سے تیار شدہ خوراک کی تاثیر کا تبدیل ہونا	629
456	ایک خاص نکتہ	631
457	آسمانی اور زمینی اخوان میں فرق	632
458	اولیاءاللہ کی ایک جماعت بھی درجہ بدرجہ اس اخوان آسمانی کی حق دار ٹھہرائی جاتی ہے۔	633
459	آسمانی اخوان کے حصول کے لیے اہلیت کیا ہے؟	633
460	مضمون نمبر ۶۱: سربراہ مملکت واداره جات درجہ بدرجہ اور نمائندگان حکومت کے لیے طریق انتخاب کا قرآنی اصول الیکشن	635
461	ٹھہریئے میں آپ کو اس سے بھی مکمل نظام قرآنی کی جانب لے جاتا ہوں	636
462	امام وقت یا صدر اور وزیر اعظم و پارلیمنٹ کی اہلیت اور اختیارات	636
463	ووٹرز کی اہلیت	637
464	قومی اسمبلی یا مجلس شوریٰ کے ممبران کی اہلیت کا معیار اور اسمبلی کے اختیارات و کام کا طریقہ مختصراً	639
465	سپریم حکمران کونسل کے ممبران کی اہلیت، قابلیت، کام اور اختیارات	641
466	سپریم حکمران کونسل کی برطرفی یا اس کے کسی ممبر کی برطرفی کا طریق	643
467	پوری کونسل کی برطرفی	643
468	امام وقت یا صدر کا انتخاب و برطرفی	643
469	اس سسٹم کے ۱۳ نکاتی فوائد	644
470	مضمون نمبر 62: معراج انسانیت ہیروں کو بھٹیوں میں نہ جلایئے، پھانسیوں پر نہ جھلایئے اور مٹی میں نہ رلایئے کہ یہ کبھی کبھی پیدا ہونے والے لوگ آپ کا اصل اثاثہ اور رب کے انتہائی انعام یافتہ ہوتے ہیں۔	647
471	یہ عام بات تھی اب اسے اک خاص سمت لاتے ہیں۔	652
472	افسوس صد افسوس	653
473	کیا آج کی دنیا میں کوئی سقراط ہو سکتا ہے؟	654
474	آخری مشورہ	654
475	اک اشارہ	654

Marfat.com

655	مضمون نمبر 63: کچھ ذکر قرآن مجسم کا!	476
660	اختتامی نوٹ	477
660	حرف آخر	478

❁..❁..❁

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعا!

اس پاک اور بابرکت رب قدیر، حیی وقیوم اور واحد ولاشریک، ہستی بے مثل کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جو اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں کل کائنات اور ہمارے شعور سے وراء درواء بے شمار دنیائیں کسی تنکے کی مانند ہیں کہ جن کی پیدائش اور نگہداشت نہ تو اسے تھکاتی ہے نہ بوجھل کر سکتی ہے اور نہ اونگھ اور نینداس کے قریب آتی ہے۔ جس کے علم میں ہر شے محفوظ ہے اور جس کے حکم بنا کوئی وجود کوئی حرکت، کوئی خیال اور کوئی زمان و مکاں نہیں ہے۔

بعد حمد باری تعالیٰ کے بے حد و شمار درود و سلام اس کے پیارے محبوب پیغمبر اور ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ پر ان کی آل پر، سب نبیوںؑ پر ان کی آل پاک پر اور ان کے والد ابراہیمؑ پر اور ہم سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام پر۔ بعد اس کے سلامتی ہو تمام اول و آخر صالحینؒ، صدیقینؓ، شہداءؓ، اولیاءؒ اور سب ان پاک و سعید روحوں پر کہ جن سے ان کا رب راضی ہو گیا، خوش ہو گیا، جن کی رب نے تعریف فرمائی اور جو اپنے رب سے ہمیشہ راضی رہے۔ آخر میں عاشقانِ الٰہی، عاشقانِ محمد ﷺ و دیگر انبیاءؑ اور عاشقانِ قرآن و تمام صحائف آسمانی یعنی عاشقانِ احکامات الٰہیہ پر دل و جان صدقے اور قربان۔

آغاز بحث (اپنی بات سے):

عرصہ ہوا سوچ رہا تھا کہ اپنے خیالات جو رہ رہ کر ذہن میں اٹھتے ہیں انھیں تحریر میں لاؤں اب جب کہ زندگی کے چوالیس (44) سالوں کے طلوع و غروب دیکھ چکا ہوں، جوانی بیت گئی ادھیڑ عمر آئی اور بڑھاپے کی طرف برق رفتاری سے جا رہا ہوں نہ جانے زندگی کی کتنی سانسیں باقی ہیں۔ کب ہارٹ اٹیک، کوئی اچانک حادثہ، بیماری، صدمہ یا المیہ زندگی کا خاتمہ کر دے یا عضو معطل بنا دے، ضروری ہے کہ جو پڑھا، سمجھا، جانا یا میرے دل میں جو ربِ کریم نے علم و آگہی ڈالی اسے تحریر کر دوں۔ شاید اس میں بنی نوع انسان کے لیے کوئی کام کی بات نکل آئے۔ مجھے اپنے عالم ہونے یا دانش ور ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے میری تحریروں میں املا کی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں، زباندانی میں سقم ہوں گے، علمی ٹھوکریں بھی ہوں گی، کچھ باتوں سے نابلد بھی ہوں گا۔ غرض پڑھنے والے اپنے اپنے غور و فکر اور قابلیت کے مطابق بے شمار طعن کر سکیں گے اور میرے اندر سو ہزار نقائص نکال سکیں گے مجھے اپنی بے شمار کوتاہیوں، کمزوریوں، نالائقیوں، جہالتوں اور حماقتوں کا اقرار ہے۔ اس لیے پڑھنے والے بجائے اس تنقید پر اپنا وقت ضائع کرنے کے اس میں سے کام کی باتیں ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ سمجھیں میری تحریر کباڑ ہے جس میں سے آپ نے کام کی چیزیں چھانٹ کر الگ کرنا ہیں، ریت سے موتی ڈھونڈنے ہیں یا جنگل میں دبا ہوا

Marfat.com

خزانہ تلاش کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے خدانہ ملانہ ملا اس کے نشانات ضرور ملیں گے۔

ایک احساس:

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیوں بچپن ہی سے ایک عجیب احساس میرے دل میں گھر کر گیا ہے میں اسے لاکھ جھٹکنا چاہتا ہوں اور حقیقت کی طرف خود کو مائل کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ چلیں آج اس کا اظہار آپ کے سامنے بھی کرتا ہوں۔ مجھے شروع عمر سے ہی احساس بلکہ یہ یقین کی حدودں کو پہنچا ہوا احساس ہے کہ میں اس دنیا میں کوئی (ان شاء اللہ) بہت بڑا کام کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں اور یہ کہ میں نے اس دنیا کے لیے بفضل تعالیٰ کوئی بہت بڑا کام کرنا ہے۔ معاف کیجیے گا یہ کوئی خودستائش اور دعویٰ نہیں ہے یہ ایک احساس ہے جو یقین کو نہ جانے کیوں پہنچا ہوا ہے۔ جبکہ میں حقیقت میں ایک بہت معمولی سا اور عام سا آدمی ہوں۔

میری سوچ کے زاویے:

میں شروع سے خود پر اور اس وسیع وعریض کائنات پر غور کرتا رہتا ہوں۔ میں کیا ہوں؟ یہ دنیا کیا شے ہے؟ یہ کائنات کیا ہے اس کی حقیقت، آغاز وانجام اور حدود کیا ہیں؟ یہ کیسے وجود میں آ گئی؟ اس سے پہلے کیا تھا؟ اس کے بعد کیا ہو گا؟ علم کیا ہے؟ حقیقت کسے کہتے ہیں؟ اللہ پاک کی ہستی کیا ہے؟ ہم اسے کیسے جان اور پہچان سکتے ہیں؟ اللہ کے رسولؑ کون لوگ ہوتے ہیں؟ یہ بے شمار مخلوقات کیا ہیں؟ ان کی الگ الگ دنیائیں کیسی ہیں کیا ہیں؟ ان کے کیا احساسات ہیں؟ دنیا میں امن کیوں ناممکن ہے؟ مذہب کیا شے ہے؟ جب سب مذاہب اللہ کی جانب سے ہیں تو کیوں یہودی، عیسائی، مسلمان اور دیگر بے شمار مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے گلے کاٹتے نہیں تھکتے؟ گناہ وثواب کیا ہے؟ سچائی کسے کہتے ہیں؟ حسن کیا شے ہے؟ محبت کیا ہے اور عشق کس جذبے کا نام ہے؟ کیا میں بے شمار انسانوں کی طرح پانی کا بلبلہ ہوں اور میری زندگی بس یہی ہے گنتی کے سانس اور گنے ہوئے ماہ وسال اور طلوع وغروب یا اس کے علاوہ بھی میری کوئی حقیقت ہے؟ میں جب سے باشعور ہوا ہوں مجھے یہی فکر دامن گیر ہے کہ میری زندگی کتنی تیزی سے گزر رہی ہے میں کل تو بچہ تھا، ابھی کل تو میں جوان تھا یہ یک دم سے میں (44) کی عمر پر کیسے آ گیا ہوں میں تو اسی تیزی سے بوڑھا ہو کر مر جاؤں گا۔ تو پھر آخر میں اس دنیا میں آیا ہی کیوں؟ پیدا ہونا، کھانا پینا، بڑا ہونا، بوڑھا ہونا، پھر مر جانا، کیا یہی زندگی ہے؟ اگر یہی زندگی ہے تو پھر اس کی تو کوئی حقیقت نہ ہوئی، اس بے مقصد زندگی سے تو نہ ہونا بہتر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے! ترجمہ ”ہم نے یہ زندگی (دنیا) یوں ہی کھیل تماشا کے طور پر پیدا نہیں فرمائی“۔ جب یہ کھیل تماشا بھی نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے؟ ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آسمانی صحائف کے ذریعے بتاتا ہے کہ زندگی کیسے گزارو۔ جب ہم اس طرح سے زندگی گزارتے ہیں تو یقیناً فساد ختم ہو جاتا ہے زندگی پرسکون اور حسین ہو جاتی ہے لیکن جب زندگی پرسکون ہو جاتی ہے، رواں ہو جاتی ہے بے امنی اور فساد نہیں

Marfat.com

رہتا تو پھر اس وقت زندگی کا مقصد کیا ہے یہ سوچنا پڑتا ہے۔ ہاں یہاں یہ قرآن پاک رہنمائی فرماتا ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان جو کچھ ہے اسے تسخیر کرو، یہ تمہارے لیے ہے اس پر غور وفکر کرو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی (نشانیاں) آیات ہیں، کلمات ہیں جن کا عشر عشیر بھی تمہیں معلوم نہیں ان پر غور کرو انھیں معلوم کرو۔ پھر جس نے صالح زندگی گزاری اور اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک سمت لگایا یا بھٹکا اس کے لیے جزاء وسزا ہے۔

سائنس دان کہتے ہیں کہ یہ مادی کائنات جسے ہم اپنے پانچ حواس سے محسوس کر سکتے ہیں یہ بہت زیادہ وسیع وعریض ہے۔ اس خلائے بسیط میں کروڑوں نہیں اربوں ستارے ہیں۔ جو در حقیقت ہر ستارہ ایک سورج ہے اس کا اپنا نظام شمسی ہے یعنی ہر سورج کے گرد اس کے سیارے ہمارے سورج کے 9 سیاروں کی طرح مختلف تعداد میں موجود ہین اور حرکت کر رہے ہیں۔ کروڑوں ستاروں پر مشتمل ایک ایک کہکشاں ہے اور کروڑوں کہکشائیں ہیں جو ایک دوسرے سے لاکھوں کروڑوں میل دور ہیں۔ ہر ستارہ (سورج) ایک دوسرے سے کروڑوں میل دور ہے ہر ستارے (سورج) کے گرد حرکت کرنے والے سیارے ایک دوسرے سے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں۔ اگر ہم روشنی کی رفتار سے سفر کریں تو ایک ایک ستارے (سورج) تک پہنچنے کے لیے کئی سال یا سینکڑوں سال یا شاید ہزاروں نوری سال لگ جائیں۔ اللہ! تیری قدرت! یہ کائنات اتنی زیادہ وسیع وعریض ہے تو پھر زمین بے چاری کی اس میں حیثیت ہی کیا ہے یوں لگتا ہے کہ جیسے سمندر میں ایک قطرے کی یا صحرا میں ایک ذرہ ریت کی۔ واہ ربا! اگر یہ حیثیت زمین کی ہے تو آج ہم جس رفتار سے زمین کے خزائن معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں (صرف غیر مسلم اقوام، مسلمان تو سوئے ہوئے ہیں) صرف زمین پر تحقیقات وتلاش کے لیے کئی دہائیاں بلکہ صدیاں درکار ہیں ابھی تو ہم نے سارے عناصر بھی معلوم نہیں کیے۔ ہم نہیں جانتے کہ حشرات الارض کی کل تعداد کیا ہے ان کے کام کیا کیا ہیں ان میں Life Chain میں کیا کردار ہے، حیوانات، پرندے، درندے، وائرس اور جراثیم وغیرہ کے متعلق ہم نے گو کہ کافی زیادہ ترقی کی ہے لیکن ہم ان کی بہت کم حقیقت جانتے ہیں۔ ہر سال نئی نئی بیماریاں حملہ کر دیتی ہیں ظاہر ہے یہ نئی قسم کے وائرس یا جاندار مخلوقات ہوتی ہیں۔ جب زمین سے متعلق ہماری جانکاری اور ترقی علم کی رفتار یہ ہے تو کائنات پر غور وتدبر کس مقام پر ہوگا اس کا اندازہ خود فرما لیجیے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 1:

انسانی سوچ کیا ہے؟

ظلم وفساد کا خاتمہ اور دنیا میں امن، انصاف، خوشحالی، بین الاقوامی تعمیر وترقی اور بین المذاہب اشتراک کیسے ممکن ہے؟

انسان کی غلط سوچ نے اور انسان کے نفس کی بیماریوں نے انسان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اور کسی آفت نے شاید نہ پہنچایا ہو۔ آپ دیکھتے ہیں انسان نے اپنا مطمحِ نگاہ اچھا کھانا، پینا، پہننا اور اوڑھنا بچھونا، نیز عیش وعشرت کو قرار دے رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ افراد کی سطح پر جنگل کا قانون ہے مار دھاڑ، آپا دھاپی ہے، دوسروں کو روند کر چھین لینا طرۂ امتیازِ انسانیت ہے۔ یہی کچھ اقوام کی سطح پر ہے ہر قوم اپنی قومی پیداوار کا سب سے بڑا حصہ ملکی وقومی دفاع کے نام پر اربوں کھربوں ڈالر کی شکل میں مہلک ترین ہتھیاروں پر صرف کر رہی ہے۔ ایٹم بموں کی بھرمار ہے، نیوٹران بموں کا شمار نہیں، کیمیائی ہتھیاروں نے انت مچا رکھی ہے۔ جراثیمی ہتھیاروں کے ذریعے بھی آناً فاناً دنیا کی آبادی کو چٹ کر جانے کا پروگرام موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس وقت جتنا مہلک کثیر الجہتی اور جتنی مقدار میں اسلحہ موجود ہے یہ دنیا کو سینکڑوں مرتبہ صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لیے کافی ہے اور اگر کوئی متنفس زندہ بچ جائے گا تو وہ جسمانی، ذہنی اور جینیاتی طور پر معذور ہوگا تا کہ آئندہ انسانی نسل میں کوئی جوہر قابل موجود نہ رہے اور اس قسم کی جنگ دنیا میں کسی بھی وقت کسی اچانک شدید غلط فہمی کی وجہ سے چھڑ سکتی ہے کہ ایک دم دنیا نیست ونابود ہو جائے۔ زمین پر کوئی ذی روح نہ بچے، پہاڑ اڑ جائیں، جنگل جل جائیں، سمندر زہریلے ہو جائیں، دریا خشک ہو جائیں اور فضائیں زندگی کے لیے اجنبی ہو جائیں۔ واہ رے انسان تو کتنا ذہین ہے تجھے کس لیے اس دنیا میں بھیجا گیا کیا چیلنج دیا گیا کہ ذہن کو ماؤف کر دینے والی وسعت کائنات کو بسیط ہو جا، تسخیر کر لے، خود کو اشرف المخلوقات ثابت کر (گو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اکثر مخلوقات سے بہتر پیدا کیا ہے اس سے Superior مخلوقات بھی کائنات میں موجود ہیں) لیکن تو نے عیش وعشرت کو زندگی بنا لیا اور ہوس پرستی کی وجہ سے افراد نے معاشروں کو تباہ کر دیا اور معاشروں نے باہم ہاتھا پائی میں زمین سے زندگی ہی کو مفقود کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ (یاد رہے کہ میں ابھی تک صرف مادی دنیا اور زندگی پر بحث کر رہا ہوں جو صرف حواس خمسہ کے ذریعے محسوس کی جاسکتی ہے دوسرے حواس یا دوسری دنیائیں اس کے علاوہ ہیں، اس پر آگے چل کر بحث ہوگی)۔

اس جنگ وجدل کی بنیادی وجوہات میں مختلف مذاہب، مکتبۂ فکر اور تہذیبوں کا ٹکراؤ ہی نہیں ہے بلکہ نفس اور قوم پرستی بھی ہے جس طرح سے کوئی فردِ واحد، اشرافیہ یا تنظیم دنیا کے تمام وسائل کو صرف اپنے قبضہ اور تصرف میں لے آنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح آگے بڑھیئے تو ہر جغرافیائی وحدت اور زبان وتہذیب وتمدن پہ مبنی قوم دوسری سب جغرافیائی وحدتوں اور اقوام کو

Marfat.com

غلام بنالینا چاہتی ہے۔ اس چھینا جھپٹی اور خوشی کا نکتۂ ماسکہ کیا ہے؟ تعیش حیات کا لامتناہی سلسلہ اپنے لیے بھی اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے بھی! اس سوچ اور اندازِ فکر نے انسان کو اس کے اصل مقصدِ حیات سے بہکا دیا ہے۔ زمین تو زمین اب خلاؤں پر بھی قبضہ اور تصرف کی جنگ جاری ہے تا کہ وہاں سے بھی زمین بے چاری سے منسلک حیات کو کیسے بھسم کیا جاسکتا ہے۔ مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ انسانی ذہانت اگر اسی طرح اپنی بقا کے پیچھے پڑی رہی تو کہیں زمین (سیارہ) ہی بالآخر بھک سے نہ اڑا دی جائے، کیا اسے ترقی کہتے ہیں؟ اسے بقاءِ حیات کا نام دیا جاسکتا ہے؟ یا یہ انسان کی بدترین تنزلی کی طرف تیز ترین سفر ہے۔ پھر سائنسی ترقی کی وجہ سے ایسی گیسیں پیدا ہو رہی ہیں، ایسے کیمیائی ری ایکشن ہو رہے ہیں کہ زمین پر سورج کی مہلک شعائیں اوزون کی تہہ کو چیر کر پہنچنے ہی والی ہیں بلکہ ان کا پہنچنا شروع ہو چکا ہے۔

آیئے اس کا حل تلاش کریں:

جب صورت حال اس قدر گھمبیر ہے اور ہماری بقا ہی کو سخت خطرات لاحق ہیں تو ان کے حل کی طرف جلد از جلد پیش رفت از حد ضروری ہے ہمیں سوچنا ہوگا کہ کس طرح ہم اس صورت حال سے نکل سکتے ہیں۔ کون سی چیز ہو کہ جو ہمیں باہم ایک نوع کے طور پر اکٹھا کر دے۔ قوم نہیں بلکہ نوع انسانی کی بقا، امن، خوشحالی، ترقی اور صحت حسن کس طرح ممکن ہے۔

ہم جب مندرجہ بالا مسائل پر غور کرتے ہیں تو عقل گم ہو جاتی ہے کوئی خیال یا تجویز یا Key اس عقدے کو کھولنے یا حل کرنے کے لیے قریب قریب نظر نہیں آتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مایوس ہو جائیں۔ بلکہ Try Try Again کے مقولے کے تحت بار بار اور مسلسل سوچ بچار ہمیں کسی حل کے قریب ضرور لے آئے گی۔ ہر چیز کے دو رخ ہوتے ہیں Negative اور Positive۔ جب Negative ہمیں اس نہج پر لے آیا ہے تو اسی کا Positive بھی اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہن میں ضرور Feed کر رکھا ہوگا۔

شفافیت مذاہب کے ذریعے حل:

جب اصل اور حقیقی حل کے لیے ہم مذہب کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر بہت حیرانی ہوتی ہے کہ دنیا میں 90% افراد کے ایک خدا یا واحد کارساز طاقت پر ایمان و یقین رکھنے یا اسے تسلیم کرنے کے باوجود درجنوں مذاہب اور ان پر عمل کرنے والے شاید سینکڑوں یا ہزاروں فرقہ جات تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ موجود ہیں۔ کچھ میں بُعد المشرقین ہے تو کچھ ایک جیسے دکھنے کے باوجود باہم متضاد ہیں اور ہر کوئی اپنے ایمان عقیدے یا فلسفۂ مذہب پر نہ صرف پورے اعتماد کے ساتھ قائم ہے بلکہ دوسروں کو غلط سمجھتے ہوئے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے یا پھر انھیں صرف اپنا ہم خیال دیکھنا چاہتا ہے۔ جب صورتحال یہ ہے تو اس کا آخر حل کیا ہے؟

قرآن مجید:

Marfat.com

اسے آپ میرا مذہبی عقیدہ کہیے یا ہر مذہب کے پیروکاروں کی طرح ایمان کہیے میرا الحمدللہ اس کتاب اللہ پر بہت راسخ ایمان ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسری آسمانی کتابوں پر میرا ایمان نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کی طرح تمام آسمانی کتابوں پر اور تمام نبیوں پر، فرشتوں پر، روز آخرت پر اور اللہ تعالیٰ کی مکمل وحدانیت پر میرا ایمانِ کامل ہے۔ لیکن قرآن ایک ایسی مکمل کتاب ہے جس کے اندر تمام سابقہ ادیان مع دین ابراہیمی کامل اور لاریب شکل میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے اصل عربی متن کے ساتھ موجود ہے ہو بہو وہی اللہ تعالیٰ کا تمام کلام ہر زِیر زَبر، پیش کے ساتھ آج بھی سینکڑوں سالوں بعد (یہاں زِیر، زَبر، پیش سے مراد الفاظ، معنی و مفہوم بھی ہے) موجود ہے۔ جبکہ دوسری کتب تراجم کی وجہ سے اصلی الفاظ کو شاید ہو بہو برقرار نہ رکھ سکی ہوں۔ گو کہ یہ دعویٰ نہیں ہے، مختلف مکتبۂ فکر کا خیال ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جہاں اہل اسلام نے اپنی تحقیقات کے ذریعہ بائبل کو ترجمہ شدہ اور تحریف شدہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہاں اہل یسوع مسیح عیسائی اور یہودی حضرات نے (بنی اسرائیل نے) اسے اصلی متن اور تحریف سے پاک قرار دیا ہے۔ بہرکیف ہم یہاں صرف قرآن مجید پر چونکہ بحث کر رہے ہیں اس لیے لحات موجودہ میں بحث کو یہیں تک محدود رکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے پھر اس کا جوڑا بنا (آدمؑ اور حواؑ) اور اس کے بعد ان ہی کی نسل سے تمام نوع انسانی کو بڑھایا اور پھیلایا ہے۔ کسی کو کسی پر کوئی بڑائی اور فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ماسوائے تقویٰ (پرہیزگاری) کے۔

تقویٰ کا مفہوم نیکی اور پرہیزگاری ہے اور قرآنی اصول و قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے۔ اس میں ابدی بنیادی اصول بیان کر دیے گئے ہیں اور جن جزیات میں قرآن پاک نہیں گیا ان کو زمانہ کے تقاضوں کے مطابق علما کے اجماع سے اجتہاد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاؤں گا کہ یہ قوانین کیا ہیں کیونکہ کوئی بھی قرآن مجید کا نسخۂ کیمیا اٹھا کر انھیں پڑھا اور معلوم کیا جاسکتا ہے۔

اسلام میں فرقہ بندی اور تفرقہ بازی:

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں فرقہ بازی اور تفرقہ پسندی سے سختی سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ صرف دو طرح کے انسان ہوسکتے ہیں ایک تو وہ جو اللہ کے احکام کو دل سے مانتے اور عملی زندگی پر ہر صورت لاگو کرتے ہیں انھیں حزبُ اللہ کہا جائے گا اور ان کا دین اسلام ہوگا کیونکہ شروع سے ایک ہی دین چلا آرہا ہے اور وہ ہے 'اسلام' اس کے مختلف زبانوں اور زمانوں میں نام مختلف ہوسکتے ہیں لیکن معنی و مفہوم اللہ کے پیغام کو ماننا اور اس پر دل و جان سے عمل کرنا ہے۔ دوسری جماعت حزبُ الشیطان ہے جو اللہ کے پیغام کو نہیں مانتے، چاہے اس نہ ماننے کی کوئی بھی شکل ہو، اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔ اہل اسلام (جس میں تمام مذاہب کے لوگ شامل ہیں بشرطیکہ مذہب اپنی اصلی حالت پر ہو) دنیا کی تسخیر کرنے کے لیے اور اسے

Marfat.com

جنت بنانے کے لیے ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتے، اس کی عبادت قولی اور فعلی کرنے والے ہیں۔ دوسرے حزبُ الشیطان دنیا میں تخریب پیدا کرنے والے، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے اور اپنے مالک کے قطعی باغی ہیں۔ ان دو گروہوں کے درمیان کوئی تیسرا فرقہ یا گروہ سرے سے ہے ہی نہیں (یہ الگ بات کہ ایمان اور کفر کے کئی درجات ہیں جو ہماری جار یہ بحث سے خارج ہیں)۔

غور کیجئے اور سوچیے:

کہ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ درجنوں مذاہب اور ہر مذہب کے متعدد فرقے کہاں سے وجود میں آ گئے؟ ہوا یہ ہے کہ جو بھی مذہب اپنے زمانہ کے لوگوں کے لیے کوئی رسولؐ خدا لے کر آیا وہ برگزیدہ ہستی اپنی تعلیمات تفویض کر کے اور ایک قابل لحاظ گروہ کو 'مسلم' بنا کر چلی گئی لیکن اس کے پیروکاروں نے اس کے بعد آنے والی ہستی یعنی اگلے نبیؑ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب ایک نبیؑ کی تعلیمات سے لوگ برگشتہ ہو جاتے اور اسے گزرے ہوئے ایک مخصوص وقت گزر جاتا تو (گو کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف علاقوں میں مختلف انبیاؑ کے مبعوث ہونے کو بھی تاریخ ثابت کرتی ہے اور قرآن اس کی تائید کرتا ہے تاہم عام کلیہ کے تحت) کوئی دوسرا نبیؑ اصلاح کار کے لیے رب تعالیٰ مبعوث فرما دیتے۔ کیونکہ دوسرے نبیؑ اور پہلے نبیؑ کے درمیان بعض اوقات کئی سو سال کا وقفہ ہوتا اسلیے سابقہ نبیؑ کی تعلیمات کا حلیہ اس وقت تک اتنا بگڑ چکا ہوتا کہ نئے آنے والے نبیؑ کی تعلیمات گو کہ تقریباً وہی ہوتیں جو سابقہ نبیؑ کی تھیں لیکن لوگ انھیں اپنے دین سے مختلف دیکھتے ہوئے ماننے سے صاف انکار کر دیتے۔ یہاں سے جنگ و جدل اور حق و باطل کے درمیان لامتناہی کش مکش شروع جاتی جو بعد میں آنے والے نبیوںؑ کے ادوار میں پھر سے Recharge ہوتی رہتی۔ اس طرح سے مذاہب بھی وجود میں آئے اور لامتناہی کش مکش بھی وجود میں آئی۔ ہر مذہب کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ ہی سچا ہے کیوں سچا ہے؟ اس پر کوئی بھی غور و فکر کرنے کے لیے تیار نہیں جو بات اسلاف کے ذریعے ان کے ذہنوں تک پیدائشی طور پر پہنچ گئی وہ لاشعور کی حدوں تک جذب ہو گئی۔

کسی مذہب سے فرقے کیسے بنتے ہیں:

نیا آنے والا پیغمبر جب دین لے کر آتا تو نہ صرف اس کی زندگی میں بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک یہ دین اپنی تعلیمات میں یک سو رہتا لیکن جب وقت گزر جاتا اور دین کی تشریح علمائے وقت پر آتی تو فرق آنا شروع ہو جاتا۔ کبھی آسمانی کتب میں معنوی یا تشریحی تحریف کر دی جاتی (کیونکہ عوام الناس تو دین کو گہرائی سے نہیں جانتے نہ ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے) کبھی اقوال نبیؑ کے مجموعے بعد از نبیؑ وجود میں آ جاتے جن میں اختلافات مختلف گروہ پیدا کر دیتے اور کبھی تاریخی روایات کو مذہب میں گڈمڈ کر کے دین کا حصہ بنانے پر فرقے بنتے چلے جاتے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ المیہ یہ کہ جوں

Marfat.com

جوں زمانہ گزرتا اگر کوئی عالم دین تخصیص کے ساتھ اپنے دین کا مطالعہ کرتا تو ظاہر ہے اس کے سامنے کوئی ایک ماڈل (دین کے لیے مخصوص) تو ہوتا نہ تھا اس کی اپنی تحقیق و کاوش ساری زندگی کی تگ و دو کے بعد جب کسی نتیجہ پر پہنچتی وہ اپنے نظریات دین کی چھان بین کے بعد قلم بند کرتا یا ان کی تبلیغ کرتا تو ظاہر ہے یہ دوسرے سے کچھ نہ کچھ یا بہت کچھ مختلف ہوتی اس طرح سے یہ ایک نیا فرقہ وجود میں آجاتا ہے۔ اس وقت تمام مذاہب کا یوں ہی بھرکس نکالا گیا ہے۔

اس کا حل کیا ہے؟

تمام دنیا کے مذاہب اٹھا کر دیکھ لیں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ الہامی کتب کی حفاظت اقوال نبیؐ یا تاریخ مذہب سے زیادہ کی گئی ہوگی۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ پہلے تو سب مذاہب کے لوگ اپنی الہامی کتب (جن پر ان کا اجماع ہو کہ الہامی کتب ہیں صرف وہ) کو چھان بین کر دوسرے لٹریچر سے الگ کریں انھیں ان کی شفاف اور اصلی حالت پر لانے کی بڑی دقتِ نظر سے جاں گداز کوشش کریں اس کے بعد جب انھیں یقین ہو جائے کہ اب اس کتاب کے اندر خالص وحی الٰہی موجود ہے (وحی الٰہی کی ایک الگ شان ہے اللہ کے عاشقوں کو یہ موتی خدا کی قسم دل کی آنکھوں سے دیکھنے سے صاف کہیں کہیں بکھرے نظر آجاتے ہیں) تو اس کی روشنی میں باقی تمام دینی لٹریچر بشمول اقوال نبیؐ کا جائزہ لیں جو اس کے مطابق پائیں اسے اجتماعی طور پر بحیثیت قوم (اُمت) قبول کر لیں باقی سب کو ہمیشہ کے لیے رد کر دیں بلکہ اسے ہر طرح کے ریکارڈ سے پوری تگ و دو اور کاوش سے محو کر دیں وہ پھر کبھی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے اور دنیا سے مفقود ہو جائے تا کہ دوبارہ فرقہ بندی نہ ہو سکے اور تمام لوگ اس کتاب پر من و عن عمل کریں۔

بین الاقوامی سطح پر مذاہب عالم کے درمیان ٹکراؤ کا خاتمہ:

یہ تو تھا قومی یا انفرادی مذہبی سطح کی چھان بین اور تحقیق سے حق کو باطل سے چھانٹنا۔ لیکن یہ تو ابتدائی اور اہم کامیابی ہوگی۔ اس کے بعد اس سے اہم مرحلہ آئے گا۔ جان جوکھوں میں ڈالنے کا مرحلہ۔ جب ہم جانتے ہیں کہ ایک ہی خدا ہے جس نے یہ سب دنیا بنائی اور اسے چلا رہا ہے (میرے مخاطب رواں بحث میں مذہبی معاشرے ہیں دہریئے نہیں) اور تمام ادیان اس کی ہی طرف سے اس کے نبی علیہ السلام اپنے اپنے ادوار اور علاقوں میں لے کر آتے رہے تو پھر لمحہ بھر کے لیے سوچئے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے مختلف علاقوں کے لیے مختلف دین یا قوانین ربانی یا احکامات آسمانی بھیج دیئے ہوں تا کہ لوگ باہم کشت و خون کرتے رہیں اور یوں ہی ابدلآباد تک لڑتے بھڑتے، مرتے اور مارتے، خون کی ندیاں اور دریا بہاتے رہیں کیا ہمارے عظیم اللہ، God، خدا، بھگوان، یا اس کا کوئی بھی نام کسی مذہب میں ہو (بشرطیکہ اس کی شان کے قابل ہو) کی ایسی مرضی ہو سکتی ہے۔ کیا وہ ہمیں تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا اور قطعی طور پر ایسا نہیں ہے۔ تو پھر یقیناً وہ رحیم و کریم، قادر مطلق، رب العالمین اور وحدہٗ لاشریک ہستی بے مثل ہمارا بھلا چاہتا ہے، اس جہاں میں بھی اور اگلے جہان میں

Marfat.com

بھی۔ جہاں ہم نے اپنے بال برابر عمل وایمان کا اچھایا برا صلہ پانا ہے۔
جب صورتحال یہ ہے تو پھر تمام مذاہبِ عالم کے جیّد، تسلیم شدہ اور محقق نمائندوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر بیٹھنا پڑے گا۔ تمام آسمانی کتب کو اصلاح احوال کے بعد اپنے سامنے رکھنا پڑے گا، یہ تکرار چھوڑ کر کہ ہم سچے ہیں دوسرے گمراہ ہیں اور خدائی تعلیمات پر بہت عمیق، غیر جانب دارانہ اور مسلسل غور خوض کرنا پڑے گا ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو کر جب یہ اپنے پیدا کرنے والے کے عاشق لوگ اس بات پر اجتماعی غور و فکر فرمائیں گے کہ اللہ کی ہستی اپنی ذات وصفات اور اختیارات میں کیا حیثیت رکھتی ہے وہ شروع سے کس بات کی تعلیم دیتا آرہا ہے اور اس کی منشاء و مرضی کیا ہے؟ تو یقین جانیے کہ آپ کو 90% تعلیمات میں یکسانیت صاف نظر آئے گی اور جو 10% رہ جائیں فہم ربانی سے منسوب تعلیمات کی روشنی میں ان کا باہمی حل تلاش کر لیا جائے۔ تاکہ کُل جہان میں ایک ہی دین الٰہی کی تعلیمات کا نفاذ ممکن بنایا جاسکے۔ (میرا ایمان ہے کہ یہ دین انتہائی خالص، اکمل اور مکمل ترین شکل میں قرآنِ حکیم میں موجود ہے جو دوسرے ادیان پر پڑی ہوئی گرد کو بھی صاف کرتا ہے)۔

لیکن کاش یہ سب ممکن ہوتا:

یہ سب کہنا آسان لیکن کرنا اور ہونا انتہائی مشکل ہے بلکہ مجھے تو آج کے انسان میں یہ جوہر ناپید نظر آتا ہے کہ وہ مندرجہ بالا سعی خالص کرتے ہوئے حق تک پہنچ جائے اور بنی نوع انسان اس جاری ظلم و بربریت سے، کشت وخون سے، ہوس بے حد و کنار سے اور شیطانی راگ وراگنیوں کے سحر انگیز منتروں سے کبھی از خود باہر نکل سکے۔ بلکہ 'نور جہاں' کے پنجابی گیت کہ (ایہ تے گنڈاں اونیاں ہون گیاں پکیاں، دے جناں توں زور لائیں گا) کے مصداق معاملات اور بھی الجھتے جائیں گے۔
جب معاملہ یوں ہے تو پھر اور کیا طریقہ ممکن ہے۔

کامل ترین ولی کا ظہور (جو عظیم روحانی طاقتیں رکھتا ہو):

ہم خواہش ہی کر سکتے ہیں اور دعائیں اور التجائیں ربِ کائنات کے حضور کہ وہ ہمارے گناہ، ہماری کج عملیاں، گستاخیاں اور ناقابلِ معافی بغاوتوں کو محض اپنے عفوو درگزر اور شان رحیمی و کریمی اور بے پناہ محبت کی صفاتِ بے حد و کنار کے طفیل معاف کرتے ہوئے اور ہم سب بنی نوع انسانی پر رحم کھاتے ہوئے ایک ایسے کامل ترین ولی اللہ کو اسی دور یا مستقبل قریب میں پیدا فرمائے کہ جس پر اس ذات پاک و اعلیٰ صفات کا بے حد کرم ہو جسے ربِ عظیم اپنے پاس سے علم خالص عطا کرے، براہِ راست اس کی رہنمائی فرمائے جو عین اس کی منشائے ایزدی کے مطابق حق کو باطل سے جدا کر کے ہمیشہ کے لیے مٹا دے۔ اس کے پاس Great Powers ہوں، جو بڑی بڑی، ناممکن کرامات رب کے حکم سے دکھا سکے، جو اپنی روحانی طاقتوں سے دریاؤں کے رخ موڑ سکتا ہو، جدید ترین اسلحہ جات کی ہیتِ ترکیبی اور ہیتِ کیمیائی تبدیل کر سکتا ہو، جو ایٹمی میزائل جام اور ناکارہ کر سکتا ہو، جسے خدا عناصر پر اختیار محدود دے دے، جسے ہواؤں اور فضاؤں پر دسترس دے دے، جو

Marfat.com

خلاؤں کو عبور کر جائے اور جو ایک ایسا روحانی سائنس دان ہو کہ کسی کو جرأت نہ ہو اس کا سامنا کرنے کی (سوائے شیطان کے کیونکہ اسے خدا نے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے) تو تب ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ سب بنی نوع انسان ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو جائے سوائے شیطانوں کے کیونکہ روحانی دنیا میں بھی شیطانوں کو محدود دسترس حاصل ہے۔ لیکن یوں کم از کم حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطان دو گروہوں کی شکل میں تو سامنے آ جائیں گے۔ پھر ان کے درمیان جو بھی جنگ و جدل اور کش مکش ہو وہ بالآخر حق کی فتح پر منتج ہو گی۔ کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے کہ حق جب آ جاتا ہے باطل فنا ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ شیطانوں کو محدود کر دیا گیا ہے اب ان کی دسترس ان آسمانوں (یعنی ان وسائل یا Powers تک) نہیں ہو سکتی جن تک عاشقانِ حق پہنچ سکتے ہیں تو اس طرح سے بھی دنیا اپنے انجام بد سے بچ سکتی ہے۔ بہر حال یہ تو محض میری دعائیں اور التجائیں ہیں۔ ربِ کائنات قادرِ مطلق اور حکیم لاشریک ہے وہ اپنے کاموں کی حکمتوں کو خود بہتر جانتا ہے ہمارے ذہن محدود، ہماری عقلیں خام، ہماری طاقتیں برائے نام اور ہماری تجاویز بے شک بچگانہ ہیں۔ لیکن دعا کا حق خدا نے ہمیں دیا ہے کوشش، حق کی تلاش اور جستجو سے عشق ہمیں ودیعت کیا گیا ہے اسی متاعِ بے بہا کے سہارے ہم بڑھتے جائیں گے۔

کراس شادیاں ایک خاندان کی دوسرے خاندان کے ساتھ، ایک قوم کی دوسری اقوام کے ساتھ، ایک صلاحیت کی دوسری صلاحیت کے ساتھ۔ کراس در کراس در کراس حتیٰ کی انسانی صلاحیتیں مکمل طور پر تقسیم ہو جائیں:

میں اکثر سوچتا ہوں کہ دنیا میں یہ جو صلاحیتوں کا عدم توازن ہے۔ بے شک اس عدم توازن اور تنوع ہی کی وجہ سے دنیا میں بے شمار قسم کے پیشے ہیں، کاروبار ہیں، ہنر مندیاں ہیں، ذہنی رجحانات ہیں، رنگا رنگی ہے اور بے شمار قسم کی ترجیحات ہیں، جن کی وجہ سے مزدور سے لے کر بادشاہ تک لوگ اپنا اپنا کام انجام دے رہے ہیں اور یہ کاروانِ حیات ایک دوسرے کے باہمی تعاون اور Give and Take سے چلتا جا رہا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اتنا آسان اور سہل نہیں ہے۔ اس بے پناہ خوبصورتی کی تہوں میں بے شمار بدصورتیاں اور کرب، دکھ، درد، حسرتیں، آرزوئیں، سسکیاں، ظلم و ستم، محرومیاں، جگر پاش داستانیں، بوجھل سانسیں، خودکشیاں، حقوق غصبیاں، چشم پوشیاں، بے انصافیاں، بے مہاریاں اور انسانیت کی دبی چیخیں ہمارا منہ چڑا رہی ہیں۔ مزدور ہمیں پوچھتا ہے کہ میرا قصور کیا ہے کہ میں کام سب سے زیادہ سخت اور مشقت کا کرتا ہوں لیکن مجھے مشاہرہ اور سہولیات سب سے کم ملتے ہیں۔ میرے بچے محرومیوں اور حسرتوں کی تصویر ہیں میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں، سوکھی روٹی میرا نصیب ہے، بیماریاں میرا مقدر ہیں، عزت سے میں ناآشنا ہوں اور مستقبل میرا سوائے اندھیرے کے اور کچھ نہیں (یاد رہے کہ تمام جسمانی محنت مشقت کے کام اور چھوٹے چھوٹے کاروبار اور پیشے اسی مد میں آتے ہیں) کم ذہین لوگ پڑھ لکھ

Marfat.com

کر بڑے افسر نہیں بن سکتے، سادہ ذہن کے لوگ مکاریاں نہیں کر سکتے، ملازمت پیشہ لوگ کاروباری ہیرا پھیری اور مہارت سے نوٹ نہیں چھاپ سکتے۔ غریبوں میں اگر کوئی اتفاق سے ذہین بچہ پیدا ہو جائے تو یا تو والدین اسے پڑھاتے نہیں اور بوجہ وسائل کی عدم دستیابی اس کی صلاحیت خاک میں مل جاتی ہے اور اگر کوئی غریب اپنا لہو کوڑیوں کے مول بیچ کر اپنے ذہین بچے کو اعلیٰ تعلیم دلوانے میں کامیاب ہو ہی جائے تو وسائل پر قابض مختلف بے حد مضبوط گروہ اسے اپنے طبقے میں شامل نہیں ہونے دیتے۔ اس کے پاس نہ تو سفارش ہوتی ہے نہ رشوت لہٰذا وہ بالآخر ایک پڑھا لکھا مزدور بن کر نفسیاتی مریض بن جاتا ہے اور اگر دیگر معاشرے کے سخت بے انصافی کا شکار اور باصلاحیت لوگوں کے ایک خاص گروہ کی طرح سوچے تو جرائم کی دنیا میں داخل ہو کر معاشرے سے اپنا حق زبردستی چھیننے کی خواہش میں یا تو جیلوں کی رونق بڑھاتا ہے یا گولی کی خوراک بن جاتا ہے۔

دوسری طرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص اگرچہ سفید پوشی کے ساتھ زندگی تو گزار لیتے ہیں لیکن ان کی قابلیت سے در حقیقت فائدہ کون اٹھاتا ہے؟ اعلیٰ مہارتوں کے مالک کاریگروں کے ہنر کو کیش کون کرتا ہے؟ اساتذہ اور دانشوروں کی خدمات اور دانش کو خریدتا کون ہے؟ حسن بکتا ہے تو دام کون لگاتا ہے؟ ڈاکٹر، انجینئر، فنکار، ملازم کس کے ہیں؟ صرف اور صرف سرمایہ دار کے ہیں، چھوٹی سطح سے لے کر نہایت اعلیٰ سطح کی مہارتیں، فنکاریاں، ہنرمندیاں اور پیشہ ورانہ خدمات کو سرمایہ دار نہایت آسانی سے خرید کر انھیں اپنی آمدن کا عشر عشیر دیتا اور باقی سب خود ہڑپ کر جاتا ہے۔ اس کا سرمایہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے یہ جمع اور ضرب ہوتے ہوتے اربوں کھربوں تک پہنچ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوروکریسی پر سرمایہ دار کا قبضہ، پریس، پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا، یعنی تمام پبلک و سرکاری میڈیا پر اس کا قبضہ عدلیہ پر اس کا قبضہ (کیونکہ وکیل اور جج دونوں بک جاتے ہیں) انتظامیہ پر اس کا قبضہ کیونکہ یا تو وہاں سارے اس کے رشتہ دار ہیں، تعلق دار ہیں یا پھر سرمایہ کے غلام اور حاجت مند ہیں اور اسی طرح سے پارلیمنٹ پر اس کا قبضہ، کیونکہ الیکشن تو کھیل ہی خالص بڑے بڑے سرمایہ داروں اور مگرمچھوں کا ہے۔ حتیٰ کہ عزت بھی برائے فروخت ہے، حُسن بھی برائے فروخت ہے، اللہ معاف فرمائے 90% علمائے دین بھی برائے فروخت ہیں (چاہے مذہب کوئی بھی ہو مرضی کے فتوے اور مذہبی سپورٹ برائے فروخت ہے) چونکہ تمام وسائلِ حیات پر، باعزت مراکز پر، اہم پوسٹوں پر بلکہ خاندان کے بنیادی یونٹ سے سیاست کے ایوانوں اور بادشاہوں کے محلوں تک ہر جگہ سرمایہ دار کا قبضہ ہے اس لیے ہر کوئی سرمایہ دار کے ہاتھ میں ناچنے والی پتلی ہے جو پتلی سرمائے کے دھاگے سے ہلنے کی بجائے اپنی مرضی سے ہلنا اور کام کرنا چاہے اسے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا ہے کیونکہ جرائم کے بے تاج بادشاہ بھی تو آخر سرمایہ دار کے ہی تنخواہ دار ہیں سرمایہ دار ہی ان کے بھی باس ہیں۔

مذہب کی انسانیت کو سدھارنے کی کوشش:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے ابتدائی تہذیبی ادوار ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے اپنے برگزیدہ پیغمبر

Marfat.com

علیہ السلام مبعوث فرمائے جنہوں نے اپنے اپنے ادوار میں انسانوں کو خیر اور شر کے محاسن ونقصانات سے آگاہ کیا، سزا و جزا کے الٰہی فیصلے اور حسابِ آخرت سے ڈرایا۔ توحید وتقویٰ کے شاندار اور اعلیٰ مدارج اور مقامات سے آگاہ کیا۔ قربِ خداوندی کی لذّتِ بے مثل سے روشناس کروایا اور دوزخ کی اندوھنا کیوں سے آگاہ کیا۔ نیز اِس دنیا اور اُس دنیا دونوں میں جنت و دوزخ کے معیارات اور طریقے وسلیقے سمجھائے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دنیا اب تک مکمل تباہی سے بچی ہوئی ہے۔ جہاں شر اتنا بے مُہار ہے اور سر چڑھ کر بول رہا ہے وہاں خیر کے پیروکار اور ان کے مراکز بھی کام کر رہے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بڑی تیزی سے تباہی کی طرف جارہی ہے شیطان اپنے جھنڈے گاڑ رہا ہے خیر کو شکست پہ شکست دی جارہی ہے (کیونکہ اللہ نے تو خیر وشر دونوں کے راستے انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں اور شریروں سے دوزخ کو بھرنے کا عندیہ دے رکھا ہے جبکہ اپنے بندوں کے لیے جنت کو آراستہ کر کے اختیار انسان کے حوالے کر دیا ہے چاہے تو ڈوبو چاہے تو منزل مراد پر پہنچو)۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اس موقعہ پر اپنے کسی ولی کامل کو بھیجنے پر راضی نہیں ہوتا کہ جو ہمیں کان سے پکڑ کر سیدھا کر دے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ہمیں ہمارے مندرجہ بالا اختیار اور سابقہ تعلیماتِ آسمانی ہی میں آزمانا چاہتا ہے کہ ہم خود اپنی اصلاح کرتے ہیں یا نہیں۔

ظاہر ہے کہ انسان کو خود اس صورت حال کے کئی حلوں (Solutions) پر غور کرنا پڑے گا۔ جس میں کافی غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ چونکہ صلاحیتوں کے عدم توازن کی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے۔ اس لیے انسانی صلاحیتوں کو سب لوگوں میں کافی حد تک تقسیم ہو جانا چاہیے۔

جینز اور پامسٹری (کیا جینز کو کراس ہونا چاہیے):

جینز یا جینیٹک انجینئرنگ کے علم پر مجھے گو کہ نہ تو مکمل عبور حاصل ہے اور نہ میں سائنس دان ہوں لیکن ایک عام فرد کی حیثیت سے اس پر جو کچھ پڑھنے سننے کا موقع ملا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ہماری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ انسانی تاریخ جاننے کے لیے اس کی صلاحیتیں معلوم کرنے کے لیے، اس کو درپیش بیماریاں دور کرنے کے لیے اور جدید ذہین ترین انسان پیدا کرنے کے لیے آج کل دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں جینیٹک انجینئرنگ کے لیے باقاعدہ ریسرچ سینٹرز قائم کر دیئے گئے ہیں جہاں اس کی تعلیم پہ یونیورسٹیاں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں وہاں اس شعبے میں جدید ترین اور تیز ترین تحقیقاتی عمل بھی جاری ہے۔

سائنس دانوں کے نظریاتِ ثابتہ کے مطابق جب کوئی نیا انسان پیدا ہوتا ہے بلکہ حمل قرار پانے ہی سے اس کے اندر اپنے آباؤ اجداد کے جینز محفوظ ہو جاتے ہیں، کچھ جینز ایکٹیویٹ ہوتے چلے جاتے ہیں اور بقیہ بے شمار جینز غیر فعال شکل میں اس انسان کے اندر موجود رہتے ہیں جو اگلی نسلوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ماں اور باپ کی نسلوں سے آنے والے جینز میں تاحیات کشمکش کا عمل جاری رہتا ہے جو جینز غالب آتے رہتے ہیں وہ اپنی صلاحیتیں فردِ متعلقہ میں ظاہر بھی کرتے

Marfat.com

رہتے ہیں تاہم چونکہ ان کی کشمکش تاحیات جاری رہتی ہے اس لیے ان کا غالب ومغلوب ہونے کا عمل بھی تاحیات جاری رہتا ہے یعنی جو صلاحیت کسی فرد میں اتنی فعال نہ رہے بلکہ کوئی دیگر صلاحیت یا صلاحیتیں اس کی جگہ زیادہ فعال ہو جائیں اور اس کے کردار میں تبدیلی پیدا کر دیں۔ یہ عمل جہاں پر حیاتیاتی (بائیولاجیکل) طریق سے جاری وساری رہتا ہے وہاں فرد کی کوششیں و کاوشیں بھی کسی صلاحیت کو نکھارنے، سنوارنے اور بڑھانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ دراصل یہ ہی انسانی صلاحیتوں کی تاریخ ہے جو جینز میں رقم ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عظیم وحکیم نے انسان میں متعدد، متنوع، بے شمار (Countless)، بے حد حیران کن، لمحہ بہ لمحہ بدلتی، بڑھتی اور پھلتی پھولتی، پست وبلند بلکہ بے حد بلند اور انتہائی کرشماتی بلکہ میں کہوں کہ موجودہ عقل ودانش سے بے حد ماوراء صلاحیتوں کو انہی جینز میں روز اول سے خام حالت میں اکٹھا Feed کر دیا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ اور انسانی محنت وکوشش اور عرق ریزی سے نیز Practice سے وجود میں آتی، بڑھتی اور لمحہ بہ لمحہ بدلتی عروج یا زوال کی طرف رواں دواں رہتی ہیں۔

تاہم! جدید تحقیق کی روشنی میں دیکھا جائے تو انسان نے اپنے ذہن کا ابھی صرف 10 سے 30 فیصد حصہ استعمال کیا ہے اور اس عجیب وغریب دماغی مشینری کا 70 سے 90 فیصد حصہ ابھی غیر فعال ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان دماغی آثار کا کیا کام ہے۔ نیز جن دماغی حصوں کو ہم جان پائے ہیں کہ وہ کیا کیا کام کرتے ہیں ہم قطعی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صرف یہی کام کرتے ہیں یا اس کے علاوہ بھی متعدد کام ان کے ذمہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسان کے اندر نئے نئے کمالات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ عام ذہنی صلاحیتوں کی بڑھوتری کے نتیجے میں ذہانت جو کارنامے اور ایجادات کر رہی ہے اس کے علاوہ عجیب وغریب فنون اور علوم پیدا ہو رہے ہیں، مثلاً ہندو یوگیوں کا سانس بند کر کے کئی دنوں تک قبر میں اتر جانا اور پھر دل کا دھڑکنا دوبارہ شروع ہو جانا (یقیناً دماغ تب تک زندہ رہتا ہوگا)۔ اسی طرح سانس کی بیماریوں کا علاج وغیرہ۔ اسی طرح خیال کی طاقت سے نئی نئی گل کاریاں، ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی، مسمریزم، سحر، جادو (خالص روحانی علوم اس کے علاوہ ہیں)۔ اسی طرح جسمانی و روحانی یعنی سانس کی مشقوں سے جوڈو کراٹے کا فن جو اپنی تہہ میں بڑی محیّر العقول حقیقتیں رکھتا ہے یا ارتقازِ توجہ سے دیگر ذہنی فنون مگر حیرت ناک، نگاہ کی طاقت سے شے کو پاش پاش کر دینا یا ایسا یقین پیدا کر لینا کہ ناموجود آموجود ہو، ناممکن بالآخر ممکن ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب وہ علوم وفنون ہیں جو ہمارے جینز کے اندر Feed ہیں بلکہ ان سے لاکھوں گناہ زیادہ، مختلف اور متنوع قسم کی حیرت میں غرق کر دینے والی صلاحیتیں خدا نے انہی جینز کے ذریعے ہمیں ودیعت کی ہیں۔ (یاد رہے مذہب اور نورِ حق اس کے علاوہ ایک شے ہے اور اللہ کی ذات تو ہے ہی سب سے الگ، بے مثل، ممتاز اور وحدہٗ لاشریک)

میں کہنا کیا چاہتا ہوں (کچھ چالوں اور جالوں کا ذکر عام افراد اور اقوام پر ظلم و بربریت سے متعلق):

Marfat.com

دراصل اس ساری تمہید اور بنیاد مہیا کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ جب صلاحیتوں کا آپس میں مقابلہ ہوتا ہے تو یقیناً بہتر صلاحیتوں کے مالک افراد بازی لے جاتے ہیں اور دوسرے مغلوب ہو جاتے ہیں، غالب لوگ درجہ بہ درجہ اور نسل در نسل ان پر حکومت کرتے ہیں۔ ان کا حق غصب کرتے ہیں، ان پر ظلم کرتے ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے (آخر جانور بھی تو اسی ذہنی صلاحیت کی کمی کی وجہ سے ہمارے بوجھ اٹھاتے پھرتے ہیں جنہیں ہم صرف چارہ دیتے ہیں اور ان کے مالک بن جاتے ہیں حتیٰ کہ انھیں مارتے پیٹتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں)۔ یہی معاملہ زیادہ ذہین اقوام کم ذہین اقوام یا جدید تعلیم سے آراستہ اقوام کم تعلیم یافتہ اقوام سے روا رکھتی ہیں۔ کم ذہانت والے معاشروں میں جو جوہر قابل گنے چنے افراد کا ہوتا ہے (کیونکہ مستثنیات تو ہر جگہ ہوتی ہیں) وہ خود بھی اپنے عوام کو غلام بنا کر وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے اور بیرونی ذہین اقوام چونکہ طاقتور ہوتی ہیں اس لیے یہ غریبوں اور کم ذہین اقوام کے جوہر قابل پر مبنی افراد کی اشرافیہ اُن طاقتور آقاؤں کی پروردہ غلام بن جاتی ہے جیسا کہ آج کل ترقی یافتہ ممالک، ترقی پذیر یا کم ترقی یافتہ ممالک یا تھرڈ ورلڈ کے ساتھ کر رہے ہیں۔ تیسری دنیا (Third World) سے متعلق دو یا تین فیصد آبادی پر مبنی طبقہ اپنی تمام قومی پیداوار اور ملکی وسائل پر قابض ہو جاتا ہے یہ اپنے اپنے ممالک میں طاقت ور، ترقی یافتہ اور ذہین اقوام کے مفادات کا محافظ ہوتا ہے ان کے اور اُن آقاؤں کے درمیان میں غیر تحریری معاہدہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے عوام کا استحصال کریں، ان کا خون چوسیں، جتنی مرضی دولت اکٹھی کریں اور عیاشی کریں لیکن فاضل سرمایہ کسی نہ کسی شکل اور بہانے سے ترقی یافتہ اقوام میں منتقل ہوتا رہے جس سے وہ اور بھی خوشحال اور ناقابل تسخیر ہو جائیں۔ اس اشرافیہ کے اپنے بھی بینک اکاؤنٹس اور اثاثے چونکہ بیرون ملک حفاظت کی غرض سے منتقل کر دیے جاتے ہیں اس لیے عملاً 90% سرمایہ اور وسائل وہ قومیں لے جاتی ہیں اور مقامی لوگوں کے پاس رہ جاتی ہے، بھوک، افلاس، محرومیاں، بیماریاں، آنسو اور آہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ کسی نجات دہندہ کی تلاش میں رہتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں لیکن ہوتا یہ ہے ہر آنے والا جس پر یہ بیچارے امید کرتے ہیں کہ ہمارا نجات دہندہ ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق انھیں دھوکا دے جاتا ہے اور اسی اشرافیہ میں شامل ہو کر اپنی اگلی کئی نسلوں کے مستقبل کو محفوظ بنانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ کیونکہ ان کی فطرت ہے کہ اگر کوئی Check اوپر موجود نہ ہو تو وہ شتر بے مہار بن کر اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے اور اپنی ہوس کو بروئے کار لاتا ہے۔ یہ کم ذہین نسل در نسل غبی اور غریب، مفلوک الحال لوگ بھلا ان پر کیا Check رکھیں گے کہ معاملات Balance یا متوازن رہیں۔ لہٰذا وہ ظلم کی چکی میں نسل در نسل پستے رہتے ہیں۔ ذہین طبقہ اور سرمایہ پر قابض عناصر ان کی روحانی تسلی اور تشفی کے لیے مذہبی ٹھیکیداروں، لالچی علماء، مولویوں، پادریوں، گروؤں، پنڈتوں اور دیگر دینی پیشواؤں کو خرید لیتے ہیں جو ان کی مرضی کے مطابق نہایت ہوشیاری، چالاکی، مکاری، ذہانت اور تحریفِ مجرمانہ بشکل اجتہاد و تشریح ادیان، اصل دین کی شکل بگاڑ دیتے ہیں اور عوام کو یہ درس دیتے ہیں کہ یہ دنیا تو دنیاداروں کے لیے ہے، کتوں کے لیے، اسے خدا پسند نہیں کرتا بلکہ انھیں چاہیے کہ اس کی دوڑ

Marfat.com

میں شریک نہ ہوں اور رضائے خداوندی کے لیے غربت میں زندگی گزاریں اور آخرت میں شاندار گھر جنت میں بنائیں۔ اللہ اللہ اور خیر سلا۔ نیز یہ کہ ہر اچھے مذہبی فرد کے لیے ضروری ہے کہ اپنی گورنمنٹ اور سربراہ مملکت کا وفادار رہے۔ کیونکہ اسے خدا نے مقرر کیا ہے اور جس طرح کوئی چیز حکم خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اسی طرح اگر خدا نہ چاہتا تو ہمارے یہ آقا ہمارے اوپر مقرر نہ کرتا۔ علاوہ ازیں ہر ہر معاملہ میں حکومت کو سہولتیں پہنچانا اور اشرافیہ کے عیش و آرام میں عوام کو خلل انداز نہ ہونے دینا ان مذہبی پیشواؤں کا فرض اولین ہوتا ہے۔ اس کے عوض انھیں اشرافیہ کی طرف سے حسب استطاعت وسائل، زر، مفادات، نوکریاں اور رعایتیں دی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان مذہبی ٹھیکیداروں میں بھی درجے ہیں۔ غریب، متوسط اور امیر بلکہ اشرافیہ کے درجے کو پہنچے ہوئے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ جو بڑے بڑے مذہبی گروہوں کے سربراہ اور لیڈران کہلاتے ہیں۔ (یاد رہے کہ حکم ہمیشہ اکثریت پر ہے ورنہ انہی علما میں اصل متقی، عبادت گزار اور عوام کو حق سے آگاہ کرنے والے خدا خوفی رکھنے والے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں لیکن طاقت کے مراکز انھیں اوپر نہیں آنے دیتے اور اگر یہ عملی کوشش کریں تو پھر یہ باغی کہلاتے ہیں اور زیر عتاب رہتے ہیں۔) اسی طرح سے عوام بغاوت بھی نہیں کر سکتے اور ظلم کا کھیل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اگر حسن اتفاق سے کوئی اصل ہیرو پیدا ہو جائے تو اسے راستے سے ہٹانے کے لیے قتل کروا دینا، پھانسی چڑھا دینا یا طاقت کے زور سے اس پاور گروپ یا ملک پر چڑھ دوڑنا کیا مشکل ہے۔ آج کل یہ مناظر بھی آسمان بڑی خاموشی سے دیکھ رہا ہے۔

کچھ مزید:

یہ بات نہیں ہے کہ اگر بہت بڑی اکثریت اسی ڈگر پر چل رہی ہے اور ظلم زوروں پر ہے تو کوئی بھی اصلاح حال کے لیے کام نہیں کر رہا۔ نہیں بہت سی ایسی تنظیمیں، ادارے، NGOs اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے، ایسوسی ایشنز اور ٹرسٹ وغیرہ ہیں جو مختلف ممالک میں بے شمار کام کر رہے ہیں۔ بیماریوں کے خلاف کوشش جاری ہیں۔ غریبوں، معزوروں، عورتوں اور بچوں کے تحفظ نیز کم ترقی یافتہ ممالک کی ترقی وخوشحالی اور امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے ادارے کام کر رہے ہیں۔ جنگ و جدل کو روکنے کی کوششیں جاری ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے تنازعوں کو حل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ موسموں کی بے اعتدالی بوجہ (جدید صنعتی وایٹمی ترقی) کے دور کرنے کی تجاویز دی جارہی ہیں۔ اسی طرح ارضی حیات اور سمندری حیات کے تحفظ کے لیے ادارے کام کر رہے ہیں۔ مذہبی Negative انتہا پسندی اور ہر طرح کی دہشت گردی کے خلاف کام ہو رہا ہے (یہ الگ بات کہ کہیں پہ قومی ہیروز دہشت گرد قرار دیئے جاتے ہیں اور کہیں پہ دہشت گرد قومی ہیروز قرار دیئے جاتے ہیں) زلزلوں، سمندری طوفانوں اور خلائی تباہ کاریوں کے سدباب کے لیے کام ہو رہا ہے مختلف طبقات اور اقسام کی انسانی حقوق کی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ متعدد اقسام کے رفاعی ادارے بے شمار کام کر رہے ہیں غرض درد دل رکھنے والے اور انسانیت سے محبت کرنے والے لوگ بہت سا اور بے شمار کام دن رات کر رہے ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ یہ سب ادارے مل کر

Marfat.com

بھی کام بگاڑنے والوں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں بلکہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے قابل لحاظ تعداد میں ایسے نجی، قومی اور بین الاقوامی ادارے اور Organizations ہیں جو "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کے مترادف صرف دکھاوے کا کام کررہے ہیں یا اس کی آڑ میں کچھ اور ہی کررہے ہیں اور اپنے اپنے قومی، انفرادی یا گروہی مفادات سمیٹنے کے چکر میں ہیں۔ بات آجا کے پھر وہیں آجاتی ہے کہ "مشتری ہوشیار باش"۔ جب تک فرد، گروہ، طبقہ، نسل، قوم اور معاشرے کی سطح پر اپنے حقوق کی حفاظت کی اہلیت پیدا نہیں ہوجاتی کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جن افراد و اقوام کو اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کا علم و اہلیت حاصل ہے تاریخ شاہد ہے کہ انھیں کوئی بھی غصب نہیں کرسکا اور نہ ہی صفحۂ ہستی سے مٹا سکا ہے۔ جرمنی و جاپان نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد کہ جب ان کے ممالک کے بھی حصے بخرے کر دیئے گئے اور ان پر اتنا بھاری تاوان طویل مدت کے لیے لاگو کردیا گیا کہ جو وہ کبھی ادا نہ کرسکتے تھے۔ نیز سیاسی اور دفاعی پابندیاں اس کے علاوہ تھیں تو کیا ہوا؟ جرمن کوئی جاہل قوم نہ تھی، جاپانی نااہل لوگ نہ تھے۔ زمین نے یہ عجب تماشہ دیکھا اور آسمان بھی یہ دیکھ کر جھوم جھوم گیا کہ ان دونوں اقوام نے محض چند سالوں یا دو تین دہائیوں میں نہ صرف تاوان کے بھاری بوجھ سے خود کو نکال لیا بلکہ اپنے ملکوں کے اندر تعمیر و ترقی اور خوشحالی کو بام عروج پر لے گئے ان ممالک کا جغرافیائی شیرازہ بھی سمٹ کر پھر ایک ہوگیا۔ بڑی طاقتوں کی بندر بانٹ سے نکل کر مغربی اور مشرقی جرمنی پھر ایک ہوگئے۔ جاپانیوں نے صنعت و حرفت میں وہ ترقی کی کہ انھیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ مزید کیا کریں۔ مجموعی قومی پیداوار کے انبار لگ گئے۔ یہی مفتوحہ ممالک فاتح ممالک کو قرض دینے لگے۔ اسی طرح برطانیہ بھی ظاہراً جیتا تھا۔ لیکن اس کی معیشت تباہ ہوگئی تھی اس کے شہر برباد ہوگئے تھے حتیٰ کہ لندن بھی 70% تباہ ہوگیا تھا اسے تعمیر و ترقی کے لیے قرض درکار تھا جو اس نے امریکہ سے مانگا لیکن امریکہ نے توہین آمیز شرائط کے تحت اپنے اتحادی کو قرض دینا قبول کیا۔ جسے انگریزوں کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور انہوں نے قرض لینے سے انکار کردیا۔ پھر کیا تھا محض اپنے زورِ بازو لیکن صلاحیت سے کام لیتے ہوئے وہ بھی خوشحالی کی طرف جلد لوٹ آیا اور اگر پہلے نمبر پر نہیں تو پہلی پانچ ایٹمی طاقتوں میں شمار کیا جانے لگا۔

حاصل بحث یہ کہ جہاں ذہانت ہے، صلاحیت اور بقا کے لیے زرخیز دماغ ہیں وہاں نہ صرف یہ کہ حقوق کوئی غصب نہیں کرسکتا بلکہ اگر شومئی قسمت یا کسی غلط فیصلے یا حادثے کی وجہ سے عارضی تباہی بھی پیدا ہوجائے تو صورتِ حال کو بہت جلد سنبھال لیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں صلاحیت کا فقدان ہے، زرخیز ذہن نہیں ہیں، ذہانت محدود یا مفقود ہے وہاں کیا کیا جائے؟؟؟

جینز کو کراس (X) ہونے دیں، ہاں وہاں جینز کو کراس کروایا جائے تاکہ ذہانت اور صلاحیت تقسیم در تقسیم ہوکر بڑھے، پھلے اور پھلے پھولے۔

Marfat.com

علم پامسٹری سے کیا پتہ چلتا ہے؟

اتفاق سے مجھے پامسٹری کا بھی شغف رہا ہے اور میں نے نہ صرف اس پر کتابیں پڑھی ہیں بلکہ لوگوں کے ہاتھ بھی دیکھے ہیں خصوصاً چونکہ میرا تعلق شعبۂ تعلیم کے سکول سیکشن سے ہے اور وہاں ہر سال سینکڑوں طلبہ سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے فارغ اوقات میں طلبہ کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھنے کا اتفاق بھی ہوتا رہا ہے۔ یقین جانیے آپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ مقدر بھی انسان وراثت میں لیتا ہے یعنی جینز میں جب صلاحیتیں ایک نسل سے دوسری میں منتقل ہوتی ہیں تو یہ نسل در نسل چلتی ہیں۔ چونکہ غریب طبقات کی شادیاں باہم اپنے ہم پلہ گھرانوں ہی میں یا اپنے ہی خاندان میں ہوتی ہیں اس لیے ان کے مقدر بھی ہو بہو اپنے آباؤ اجداد ہی کی طرح کے ہوتے ہیں (ایک دفعہ پھر یاد رہے کہ مستثنیات ہر جگہ ہوتی ہیں لیکن حکم اکثریت پر لگتا ہے) میں نے اکثر مشاہدہ کیا ہے کہ غریب گھرانوں کے بچے اپنے ہاتھوں پہ وہی سادہ سی لکیریں رکھتے تھے یا تو قسمت کی لکیر Luck Line سرے سے ہوتی ہی نہ تھی یا ٹوٹی پھوٹی محدود سی لائن دیکھنے کو ملتی تھی۔ یہی حال ان کی دماغی لکیروں کا ہوتا تھا۔ اکثر غریب بچوں کی دماغی لکیر چھوٹی اور ناقص دماغی صلاحیت کو ظاہر کرتی تھی۔ شہرت کی لائن کا تو خیر وہاں ذکر ہی کیا۔ دل کی لکیر بہت جلد ان کے بہک جانے کو ظاہر کرتی تھی (یعنی وہ جذباتی طور پر فضولیات کی طرف اپنی کم عمری Teenage ہی میں مائل ہو جاتے تھے)۔ خیر یہ وصف تو امرا کے بچوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ نیز ان غریب طبقے اور محروم معاشرتی گروہ کے بچوں کے ہاتھ ابتدائی ہاتھ ہوتے تھے۔ سخت، بھدے، مضبوط، انگوٹھے چھوٹے مگر مضبوط جو صاف اس طرف اشارہ کرتے تھے کہ یہ لوگ گو کہ ذہانت اور ذہنی صلاحیتوں سے تہی دامن ہیں لیکن ہاتھ سے کام کرنے، مزدوری کرنے اور مختلف پیشوں کی ہنر مندیاں سیکھ کر معاشرے کا حصہ بننے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہاتھ دیکھتے دیکھتے جب کوئی اچھا ہاتھ نظر سے گزرتا جس کی بناوٹ اچھی ہوتی اور جس کی قسمت کی لکیر اس کے Status کو ظاہر کر رہی ہوتی تو دوران انٹرویو معلوم ہوتا کہ وہ کسی قدر امیر گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا باپ اچھا معاشرتی Status رکھتا ہے اور یہ کہ وہ اچھے نامور خاندان کا فرد ہے۔

نوٹ:

اب غور کیجیے کہ ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے جو امیر خاندان سے ہے پڑھے لکھے گھرانے سے ہے اس کے باپ دادا نے بہتر جینز اسے ورثے میں دیے ہیں انہوں نے اپنی اولاد کو Establish کرنے کے لیے نہ صرف پڑھانا لکھانا ہے بلکہ انھیں اچھے بزنس میں بھی لگانا ہے یا اچھی پوسٹ پر اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے پہنچا دینا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے طبقے میں عملاً شامل ہو جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی اس لیے چلتا رہے گا کیونکہ کل وہ شادی بھی کسی Well Established اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خاندان میں کرے گا۔ جس سے اس کی آنے والی نسل بھی ایسی ہی آنے کی امید ہے گو کہ شاہ سے گدا اور گدا سے شاہ بھی ربِ کائنات بناتا رہتا ہے۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمت میں سفر اور محنت و کوشش

Marfat.com

کا صلہ دیتا ہے اگر کوئی غریب محنت و کوشش کرے اور ہار نہ مانے تو اسے بھی ربِ عظیم ضرور کامیاب کرتا ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ماحول، وسائل اور حالات بھی بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کیوں امیر گھرانے امیر گھرانوں ہی میں شادیاں کرتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگ تعلیم یافتہ اور خوشحال خاندانوں ہی میں شادیاں کرتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنے سرمائے کو بڑھانے کے لیے سرمایہ داروں ہی میں شادیاں کرتے ہیں اور بادشاہ، بادشاہوں ہی میں رشتے کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے طبقے سے نیچے نہیں جانا چاہتے گو کہ یہ لوگ کوئی سائنسی اور جینیاتی نقطۂ نظر سے تو نہیں سوچتے لیکن Status کے نقطۂ نظر سے سوچ کر جب وہ ایسا کرتے ہیں تو نتائج جینز کے ایک طبقے تک محدود رہنے ہی کو ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنے سے بہتر Status کی طرف جانے کی کوشش میں یہ لوگ بسا اوقات اپنے سے بہتر جینز میں داخل ہو جاتے ہیں تو یہ غلط نہ ہوگا۔ لیکن Low Status اور بے صلاحیت، غبی اور کم ذہانت والے طبقات یوں ہی محروم رہتے ہیں اور ان کے بچوں کا مقدر کبھی نہیں بدلتا۔ چونکہ اس طبقے سے بھی معدودے چند لوگ ترقی کر جاتے ہیں اس لیے یہ سمجھتے ہیں کہ ترقی کے راستے کھلے ہیں لیکن وہ اپنی کوتاہی کی وجہ سے ترقی نہیں کر سکتے اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔ جب ان میں ذہانت ہی نہیں تو وہ اتنا بڑا فلسفیانہ یا دانش ورانہ و مدبرانہ تجزیہ کر کے آگے بڑھنے کی کیا کوشش کر سکتے ہیں۔

ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے! ایک آدم و حوا میں صلاحیتوں کا تفاوت کہاں سے پیدا ہو گیا؟؟

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم سب ایک ہی جوڑے آدم (باپ) اور حوا (ماں) کی اولاد ہیں تو پھر یہ صلاحیتوں اور ذہانتوں کا تفاوت کہاں سے پیدا ہو گیا۔

بات کچھ یوں ہے کہ ٹھیک ہے شروع میں ایسا ہی تھا اور ابتدائی انسانوں کی صلاحیتیں اور ذہانتیں بہت ملتی جلتی تھیں۔ اسی لیے اس دور میں شاید امن بھی تھا۔ لیکن جوں جوں آبادیاں بڑھتی گئیں انسانی نسل پھیلتی گئی۔ ہر انسان نے اپنی اپنی محنت و کوشش جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں خام حالت میں صلاحیتیں اور ذہانتیں Feed کر دی تھیں جو اب بھی ہیں کسی میں فعال اور کسی میں خوابیدہ۔ تو جس جس انسان نے دھیرے دھیرے رفتہ رفتہ اپنی ذہانتوں کو جتنا جتنا اور جس جس شعبۂ زندگی میں استعمال کیا وہ خام حالت سے اسی نسبت سے فعال ہو گئیں۔ جنہیں یہ اپنی اگلی نسل میں غیر شعوری طور پر منتقل کرتے رہے۔ یہ ایک دن کی بات نہیں صدیوں ہزاروں سال سے یا شاید اس سے بھی زیادہ عرصے سے یوں ہی ہوتا رہا ہے۔ پھر قطرہ قطرہ کر کے صلاحیت اور ذہانت خوابیدہ حالت سے فعال حالت میں آ کر جینز میں محفوظ ہو کر آگے نسل در نسل بڑھتی گئی، کرتے کرتے صلاحیتوں اور ذہانتوں میں نکھار پیدا ہوتا چلا گیا کہ صورتِ حال آج کے دور تک پہنچ گئی۔ اب کچھ نسلیں اور قومیں دوسری قوموں سے محض اس لیے زیادہ ذہین ہیں کہ وہ دوسری اقوام کے ساتھ مکس (کراس) نہیں ہوئیں یہ ٹھیک ہے کہ ان کے آباؤ اجداد نے

Marfat.com

زیادہ محنت و کاوش کی ہوگی جو بہتر جینز آگے منتقل ہوئے۔لیکن میرے خیال میں ہر انسانی صلاحیت اور ذہانت کی نمو تمام نوع انسانی کی ملکیت ہے کیوں کہ ہم اصل میں ایک نوع ہیں۔ایک Team ہیں۔ایک جسم ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ اس نظریہ کو عام کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

نسلوں کا ادغام، جینز کی تقسیم، طبقات کا ملنا، آمیزش رنگ و نسل، امیر و غریب، شاہ و گدا:

آخر کبھی تو ایسا ہونا ہے کہ اس دنیا سے ظلم و زیادتی ختم ہو جائے۔حقوق کا غصب ہونا بند ہو جائے اور امتیازات مصنوعی جاتے رہیں کہ جن کی وجہ سے ہماری نوع انسانی یقیناً تباہی کے آخری دہانے پر جا پہنچی ہے تو پھر اس کے لیے ہم سب کو قربانی دینا پڑے گی۔اگر ہم قوم پرستی کے جذبہ کے تحت مغربی جرمنی کے خوشحال معیشت کے لوگوں کو مشرقی جرمنی کے بدحال لوگوں کے ساتھ امتیاز مٹا کر ایک کر سکتے ہیں کہ جس سے آج سب لوگ برابر ترقی کر رہے ہیں ''مرحبا''۔اگر دنیا بھر سے یہودی نسل کے محروم اور لٹے پٹے طبقات کو اسرائیل میں عام آباد ہونے کی اجازت دے کر ان کی صدیوں کی محرومیوں کو مذہب اور نسل پرستی کے نام پر دور کر سکتے ہیں ''واہ''۔اگر نیلسن منڈیلا اپنی قوم کو صدیوں کی غلامی سے آزادی دلا کر آزاد لوگوں کے جیسے حقوق دلا سکتے ہیں ''کیا کہنے''۔اگر کچھ غلام کیے جانے والے قدیم امریکی باشندوں کو انگریزوں سے آزادی ملنے کے بعد امریکہ جیسا بڑا ملک وجود میں آ سکتا ہے ''بہت خوب''اگر چین جیسی کاہل اور نشئی قوم ترقی کے بام عروج پر قومیت کے نام پر مناسب لیڈرشپ کے ذریعے پہنچ سکتی ہے ''سبحان اللہ''اور اس کے علاوہ اگر درجنوں اقوام محض قوم پرستی، وطن پرستی یا تہذیب کے نام پر ترقی کر سکتی ہیں تو کیا ''انسانیت کے نام پر'' کہ جو سب سے افضل خوبی ہے انسان کی، اور ایک نوع آدم کے نام پر کہ سب کے باپ آدمؑ تھے، خدا کے نام پر کہ ہم شاید 90% لوگ کسی نہ کسی شکل میں خدا کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔اس کی عبادت کرتے ہیں اس کی طاقت و قدرت کو ماننے اور اکثر جزا و سزا پہ بھی یقین رکھتے ہیں سب انسان، سب قومیں، سب مذہب، سب مکتبۂ فکر، سب تہذیبیں ایک نہیں ہو سکتے۔آپ اس سوال کو بیچ میں نہ اٹھنے دیں کہ تہذیبیں کیا کہتی ہیں یا مذاہب کیا کہتے ہیں۔بلکہ خالص انسانیت کے نام پر، ایک باپ آدمؑ ایک ماں حواؑ کے نام پر اور ایک خدا کے نام پر سب اکٹھے ہو جائیں۔مل بیٹھ کر میری ان تجاویز کا جائزہ لیں اور اگر آپ کو یہ پسند آئیں، دل کو لگیں تو اس سلسلے میں کوئی بہت بڑی ملٹی نیشنل Organization بنائیں جسے تمام ممالک کی Support حاصل ہو اور اقوام متحدہ کے نہایت فعال ذیلی ادارے کی حیثیت رکھتی ہو۔جسے امریکہ، چین اور تمام بڑے ممالک کی سرپرستی، آمادگی بلکہ ترجیحاتی آمادگی حاصل ہو اور یہ معاملہ اقوامِ عالم کے ایجنڈے میں سرفہرست ہو کہ:

بین الاقوامی آرگنائزیشن جینز و صلاحیتوں کے کراس کے لیے قانوناً یہ رہنما اصول اپنائے تاکہ دنیا میں امن، خوشحالی اور تعمیر و ترقی اجتماعی طور پر ممکن ہو سکے۔ظلم مٹ جائے:

Marfat.com

۱......قریب کے رشتوں میں شادیوں پر پابندی لگا دی جائے مثلاً فرسٹ کزنز میں شادیاں نہ ہوسکیں بلکہ بعد میں درجہ بدرجہ سیکنڈ اور تھرڈ کزنز میں بھی شادیاں نہ ہوسکیں۔

۲......امیروں کی غربا کے ساتھ اور غریبوں کی امرا کے ساتھ شادیاں کروائی جائیں۔

۳......صلاحیتوں اور ذہانتوں کو Catagerize کیا جائے اور ان کا باہم کراس کروایا جائے غبی اور کم ذہین لوگوں کی شادیاں ذہین اور ذہین ترین لوگوں سے کروائی جائیں۔

۴......سرمایہ داروں کو پابند کیا جائے کہ مزدوروں اور لیبر طبقہ سے رشتہ قائم کریں یعنی غریب لڑکیوں سے شادیاں کریں۔

۵......کوئی طبقہ محض اپنے طبقے میں شادی نہ کر سکے بلکہ کسی بھی لحاظ سے کمزور، محروم، کم صلاحیت یافتہ طبقہ میں شادی کرنے کی نہ صرف اجازت ہو، بلکہ پابند بنایا جائے۔

۶......خاندانوں کا خاندانوں سے کراس کروایا جائے مثلاً ہمارے ملک پاکستان میں صوبائی عصبیتوں کو کم کرنے اور صلاحیتیں تقسیم کرنے کے لیے پنجابیوں، پٹھانوں، سندھیوں اور بلوچیوں کی کراس شادیاں عام کردی جائیں۔

۷......ایک نسل کو دوسری نسل میں مکس کیا جائے۔

۸...... یورپین اقوام، امریکہ، براعظم افریقہ، انٹارکٹیکا، ایشیا، آسٹریلیا اور دیگر جزائر نیز مڈل ایسٹ کی مختلف نسلوں، گروہوں اور خاندانوں کو آپس میں مکس کردیا جائے۔

۹......اگلی Stage پر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پہلے سے کسی قسم کا رشتہ جن دو اشخاص مرد و عورت میں اگر موجود ہو چاہے نزدیک کا یا دور کا تو ان کی شادی نہ ہوسکے۔

۱۰......چین، ہندوستان (مع پاکستان) اور یورپ و امریکہ و روس کی آبادی کو بشمول جاپان و کوریا وغیرہ خوب Well-Shake کیا جائے

۱۱......ابتدا میں چند بڑی زبانیں دوسری Stage پر عربی، انگریزی اور چینی زبان آخر کار ایک زبان دنیا میں رائج کی جائے۔

نوٹ: اگر مذہب آڑے آئیں تو ان کی تعلیمات کو ملحوظ رکھا جاسکتا ہے مثلاً مسلمان ممالک اہل کتاب ممالک کی کثیر آبادی سے خواتین بیاہ کرلا سکتے ہیں۔ البتہ اس معاملہ میں رکاوٹ نہیں آنی چاہیے۔ جہاں پر Dead Lock ہو تو اسے ایمرجنسی قوانین کے ذریعے توڑا جائے کیونکہ ایمرجنسی میں نہایت ناگزیر حالات میں حرام بھی خلال ہوجاتا ہے (جب تک کہ ایمرجنسی قائم رہے) یہ سب مذاہب کا مشترکہ قانون ہے بھی اور بنایا بھی جاسکتا ہے اور اس وقت دنیا میں جتنا ظلم ہے، خون بہہ رہا ہے،

Marfat.com

انسانیت آہ و بکا کر رہی ہے اور ہر طرف چیخیں، سسکیاں، محرومیاں، بدمعاشیاں، غنڈہ گردیاں ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے جذبات اور کرۂ ارض کو اڑا دینے کی جتنی تیاریاں ہو چکی ہیں کہ بس کسی بھی وقت تھوڑی سی مضبوط غلط فہمی ٹکراؤ پیدا کر سکتی ہے پھر چند منٹوں میں اس زمین پر قیامت برپا ہو جائے گی کوئی ذی روح باقی نہیں بچے گا۔ تو بھلا اس سے بڑی ایمر جنسی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس لیے جیسے تیسے ہو ان تجاویز پر عمل درآمد جلد از جلد ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں کسی رکاوٹ کو کسی بھی صورت میں خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ نتائج:

جب ہم کوئی کام اللہ کا پاک نام لے کر اس ذاتِ قدیر سے تائید و حمایت کی بے پناہ دعائیں آنسو بہاتے ہوئے مانگ کر خلوص نیت سے شروع کرتے ہیں تو ہمیں امید ہوتی ہے کہ وہ ہستی لازوال ہمارے کام میں برکت ڈالے گی اور ہمیں اس یکتا کی حمایت حاصل رہے گی۔

چنانچہ اگر ہم ایسا سب کچھ کرنے میں کامیاب و کامران بفضلِ تعالیٰ ہو جاتے ہیں (چاہے اس پراجیکٹ کے مکمل ہونے پر کئی سال لگ جائیں) تو نتیجہ یہ ہوگا کہ صلاحیت و ذہانت، دانش و آگہی، علم و فضل، فنون و مہارتیں، تہذیب و تمدن اور رنگ و نسل سے متعلقہ جینز تقسیم در تقسیم در تقسیم کے عمل سے بار بار گزرتے رہنے کی وجہ سے ایسے افراد اور نسلِ انسانی بشرطِ تائید ایزدی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ جن میں گو کہ کچھ نہ کچھ صلاحیتوں، ذہانتوں، میلانات، رجحانات اور ترجیہات کا فرق تو ہوگا لیکن یہ قابلِ لحاظ نہ ہوگا اور ہم صدیوں سے انسانیت کے لیے جس عدل و انصاف اور برابری کی تگ و دو میں لگے ہیں وہ قائم ہو جائے گا۔ کوئی کسی کے حقوق اس لیے غصب نہ کر سکے گا کہ صلاحیتیں اور ذہانتیں ہر جگہ موجود ہوں گی جو اپنے حقوق کی حفاظت خود Automatic طریقہ سے کریں گی۔

اس کے علاوہ Internationalism قائم کرنا ہوگا تا کہ تمام نوع انسانی کے لیے برابری کی سطح پر آگے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع اور وسائل مہیا ہوں۔ نظریات، مذاہب اور تہذیبوں کو مدغم کر دیا جائے گا اور یقین جانیے کہ جب یہ مدغم ہو جائیں گے تو اصلی ازلی اور پائیدار دین خود بہ خود ابھر آئے گا۔ کیونکہ تمام ادیان کا مطمع نظر اور نکتۂ عروج یہی ہے۔ رہ گئی ایک خدا کی عبادت تو یہی ایک خدا کی عبادت کا صحیح راستہ ہے۔ پھر اگر کسی نے تعصب کی عینک اتار کر دیکھا تو اسے نظر آ جائے گا کہ بائبل بھی یہی کہتی ہے اور قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل تو تھا ہی مٹنے کے لیے۔ یہ حزب اللہ ہوگی جس سے حزب الشیطان ہمیشہ کی طرح ٹکراتی رہے گی لیکن دنیا میں دو گروہ رہ جائیں گے مندرجہ بالا۔ اور بالآخر حزب الشیطان کو شکست ہوگی اور دنیا دینِ الٰہی (قرآن خالص) کے قوانین سے جگمگا اٹھے گی۔ (ایمان کے اجزا الفاظ کے ہیر پھیر اور اصطلاحات کے الٹ پھیر سے نکل کر یہی ٹھہریں گے واحد خدا، فرشتوں، آسمانی کتابوں سب نبیوں اور روزِ آخرت پر ایمان)۔

Marfat.com

جب ہر طرف امن ہوگا تو بنی نوع انسان ایک Team بن کر اس کائنات کو فتح کرنے کے لیے نکلے گی:

جب دنیا سے جنگ وجدل کا خاتمہ ہو جائے گا تو جو اربوں ڈالر دفاع پر خرچ ہو رہے ہیں وہ تسخیر کائنات پر خرچ ہوں گے۔ اللہ کی جو آیات کائنات میں بکھری پڑی ہیں ان کی Study ہوگی۔ ناکارہ انسان نہیں رہیں گے ہر انسان کارآمد ہو جائے گا تو وسائل میں بے پناہ اضافہ ہوگا۔ فیملی پلاننگ کی بجائے نسل انسانی کو بڑھانے کی ضرورت پڑے گی کیونکہ اتنی بڑی کائنات کو فتح کرنے کے لیے تو ہم بہت تھوڑے انسان ہیں۔ ابھی تو ہم نے زمین پوری فتح نہیں کی، سمندر کی سب گہرائیاں نہیں ناپی ہیں۔ دوسرے سیّارے اپنے قبضۂ قدرت میں نہیں کیے۔ ابھی تو ہم نے ستاروں کو سر کرنا ہے۔ جتنے انسان بڑھیں گے۔ اتنی صلاحیتیں بڑھیں گی۔ نئے نئے جینز عملی دنیا میں آئیں گے جو ابھی جینز کے بے انداز سٹور رومز میں محفوظ پڑے ہیں اور دنیا میں آکر اپنا آپ ظاہر کرنے کے لیے بے چین ہیں اور ہم سب صرف ان کے کیریئر ہیں جو انھیں اگلی نسلوں تک پہنچا رہے ہیں۔ یقین کیجیے بہتر ذہین اور باصلاحیت نسل کو جب خوب بڑھایا جائے گا تو اس میں جینئس لوگ خوب زیادہ ابھریں گے کیونکہ کیا معلوم کہ کن جینز سے وابستہ انسان دنیا میں آکر کیا کیا ایجادات کر ماریں کہ عقلیں دنگ رہ جائیں۔ ابھی تو سائنس نے بہت ترقی کرنا ہے۔ محض یہ راکٹ لے کر تو ہم اپنی زمین کے سیاروں کو سر نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے روشنی کی رفتار بھی کم ہے، ہمیں خیال کی رفتار کی ضرورت ہے، ہم ماضی میں سفر کرنا چاہتے ہیں، مستقبل کے زمانے میں پل بھر میں پہنچ جانا چاہتے ہیں بلکہ ہم ماضی، حال اور مستقبل کو اکٹھا دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔ ہم زمان ومکان Time & Space سے باہر نکلنا چاہتے ہیں، ہم موت سے آگے جھانکنا چاہتے ہیں، ہم پیدائش سے پیچھے کی جانب سفر کرنا چاہتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہم ہزاروں سال پیچھے جا کر دیکھیں کہ ہمارا ماضی درحقیقت کیا تھا۔ یقین جانیے وہ وقت دور نہیں جب انسان ہزاروں سال پہلے گزرے زمانے میں جب چاہے چلا جائے گا یا اگر زندگی اور مہلت خداوندی ہو تو ہزاروں سال آگے کا سفر کر آیا کرے گا۔ ابھی تو ہم محض کنویں کے مینڈک ہیں ابھی ہم کنویں سے باہر کدھر نکلے ہیں کہ یہ حسین وجمیل اور محیر العقول کائنات مشاہدہ کر سکیں یہ تو محض ان حواس خمسہ کی دنیا ہے ابھی تو دیگر دنیائیں باقی ہیں۔ جہاں ہم ان حواس سے رابطہ کٹنے کے بعد جا سکتے ہیں کہ جب ہمارے خوابیدہ حواس فعال ہو جائیں گے اور ان حواس کے آگے مزید حواس ہیں۔ لیکن یہ باب Topic یہاں پر ختم ہو گیا ہے۔

دعا: یارب العزت تیرے پاک نام سے آغاز کیا اور اسی پر انجام کر رہا ہوں یا الٰہی اگر میری ان تجاویز کو تیری تائید حاصل ہے تو انھیں دنیا پر لاگو کرنے کے اسباب پیدا فرما دے اور اگر یہ تخریب لیے ہوئے ہیں اور تیری رضا وحکم ان کے ساتھ نہیں ہے تو انھیں شیطان اور اس کی ذرّیت سے محفوظ رکھنا اور ہمیشہ کے لیے مٹا دینا۔ آمین ثم آمین۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 2

روحانیات

اس ایک لفظ کو لکھ دینا جتنا آسان ہے اس پہ بحث کرنا اتنا ہی زیادہ دقیق اور مشکل ہے کیونکہ اس میں اتنا تنوع، ابہام، پیچیدگیاں، گہرائیاں اور تہہ در تہہ انکشافات ہیں کہ یہ کثیر جہتی موضوع جتنا بھی پڑھا، سمجھا اور لکھا جائے، بات تشنہ ہی رہتی ہے اور کیوں نہ رہے جب میرے خالق وحکیم، اور مطلق صفات بے حدو کنار کے مالک رب کریم نے کہا کہ ''اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں پھر اتنے اور بھی شامل کیے جائیں تو اللہ کے کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے'' سبحان اللہ۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر کیوں کر روحانیات (جتنا علم انسان کو ملا ہے) کو محدود کیا جاسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کا علم محدود ہی ہوگا لیکن انسان کے اعتبار سے یہ اتنا لامحدود ہے کہ اس کا احاطہ کرنا بھی شاید ناممکن ہی ہے (واللہ اعلم)۔

سائنس دانوں نے جب مادے کا تجزیہ کرتے کرتے ایٹم کو توڑا تو محض توانائی، روشنی یا نور (نور کی بھی اقسام ہیں) باقی بچا، اور انھیں کہنا پڑا کہ مادے کی بنیاد بھی درحقیقت غیر مادی ہے اور اس سے آگے ہم اپنے سائنسی آلات کو استعمال کر کے موجودہ ذہنی سطح پر نہیں بڑھ سکتے۔ دوسری طرف الفاظ کے ظاہری مطالب تو جو ہیں سو ہیں لیکن ان کے باطنی اثرات کیا ہیں؟ کیسے ہیں اور کیونکر اثر انداز ہوتے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا۔ ہندوؤں کے تنتر، منتر اور جنتر بھی اپنے اندر اثرات رکھتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ قدیم زمانے کی مذہبی کتب سے اخذ شدہ ہیں یا انسانی فن کاریوں کے ایجاد کردہ لیکن یہ اپنے اندر اثرات رکھتے ہیں۔ جنات، بھوت، پریت، مختلف قسم کی ارواح، پریاں، ان انواع کی بہت سی قسمیں بھی مخلوقات خدا ہیں، نیک اور بد ہیں، ان کی اپنی دنیائیں ہیں اور یہ ہماری دنیا میں تصرف بھی رکھتے ہیں اور ہم اپنی محنت وکاوش اور علم کی بدولت ان کی دنیا میں دخل اندازیاں بھی کرتے ہیں، جس کی گواہی قرآن دیتا ہے۔ یہ ہماری روح، ہماری ذات، ہمارے ذہن اور ہمارے جسم پر قبضہ کر سکتے ہیں، بلکہ ہمارے اعمال میں دخل اندازیاں کرتے ہیں، ہماری جنسی زندگی میں بھی فعال ہوسکتے ہیں بلکہ ہماری اولاد ان چیزوں سے یوں پیدا ہوسکتی ہے کہ بظاہر انسان کے بچے ہوتے ہیں لیکن باطنی طور پر ان اشیا کے بچے ہوتے ہیں۔ عجب ماجرا ہے، یہ چونکہ لطیف اجسام ہیں ہمارے مادی جسم میں نظر نہیں آتے لیکن ہماری روح، ہماری ذات میں نسل در نسل چلتے ہیں۔ یعنی اگر یہ کسی مرد یا عورت کے ساتھ موجود ہیں تو اس میں سے جو اولاد ہوگی وہ اس مرد یا عورت کے ساتھ ساتھ ان کی بھی اولاد ہوگی۔ جس طرح سے ہمارے سپرم اور بیضہ مل کر Ovum/Zygote بن جاتا ہے حمل ٹھہر جاتا ہے، اس حمل میں ان کا لطیف حمل بھی شامل ہوتا ہے یعنی یہ باقاعدہ ہمارے ساتھ جنسی زندگی بسر کرتے اور ہمارے اندر حلول کر کے ہمارے جن وانس کے مشترکہ بچے جو بظاہر انسانی بچے ہوتے ہیں پیدا کرتے ہیں۔ یہ کچھ بڑا ہی عجب معاملہ ہے ہم انھیں دیکھ نہیں سکتے لیکن

Marfat.com

محسوس کر سکتے ہیں وہ بھی اگر تحقیق کریں، غور کریں تب ہی ایسا ہو سکتا ہے اور ہمارے اصل جیون ساتھی کے ساتھ بسا اوقات انھیں چبھن، جلن اور رقابت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے حلول شدہ فرد (مرد ہو یا عورت) اپنے جیون ساتھی سے کھچا رہتا ہے اس سے لڑتا جھگڑتا ہے، زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اگر ان کی رقابت حد سے بڑھی ہوئی ہو تو گھر فساد کا مرکز بن جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ جس فرد سے متعلق ہوتے ہیں نہ اسے خبر ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور نہ ہی فریق مخالف جانتا ہے کہ یہ شیطانی کھیل کون کھیل رہا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو الزام دیتے اور جھگڑ جھگڑ کر پاگل ہو جاتے ہیں بعض اوقات مار پیٹ اور جان لیوا حادثات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں، کیونکہ آخر انسانی برداشت کی ایک حد ہے۔ لیکن اکثر لوگوں کی علیحدگی ہو جاتی ہے، ضروری نہیں کہ ہر کسی کے ساتھ یوں ہو بلکہ بعض مہذب جنات و پریاں، سائے اور بھوت اچھی فطرت کے مالک بھی ہوتے ہیں جو کسی قسم کی تکلیف نہیں دیتے بلکہ کبھی اپنے وجود کا احساس بھی نہیں ہونے دیتے۔ ''علم'' کے ذریعے انسان ان کو کنٹرول کر سکتا ہے لیکن صرف وہ لوگ جو اس فن کے ماہر، چلہ کش اور نڈر قسم کے لوگ ہوں اور وہ لوگ انھیں حسبِ طاقتِ علم کنٹرول کرنے کے بعد ان سے مختلف قسم کے کام بھی لیتے ہیں۔ یہ کالے جادو، سحر، منتر، کئی قسم کے کالے تعویذ اور درجنوں عجیب و غریب اعمال کرتے ہوئے اثرات پیدا کرنا ان کے ذریعے ہو سکتا ہے بلکہ سننے میں آیا ہے کہ انسان کی عملی زندگی کے ہر کام پر اثر انداز ہو سکتے ہیں (چاہے مختصر عرصے کے لیے اثر ہو یا طویل المیعادی اثر ہو)۔ حتیٰ کہ صحت مند لوگوں کو بیمار کرنا، اذیت دینا یا ہلاک تک کر دینا۔ ان ہی چیزوں کے توسط سے بے رحم لوگ اور درندہ صفت ہوس کے پجاری ایسا کرتے ہیں۔ آج کل ہمارے جیسے ملکوں میں اس طرح کی بے شمار دکانداریاں ہیں اور کاروبار کھلے ہوئے ہیں۔ گو کہ ان میں 90% لوگ تو خالص فراڈ کر رہے ہیں لیکن باقی 10% لوگ ان کالے کرتوتوں کے ماہر بھی یقیناً موجود ہیں۔ یہ شیطان کی فوج کے سپاہی اور ہتھیار ہیں گو کہ شیطان کے پاس اس کے علاوہ بھی بے شمار ہتھیار اور طریقے ہیں ان کو ورغلانے اور جہنم میں پہنچانے کے لیکن ان میں یہ مندرجہ بالا صورتِ حال بھی شامل ہے۔ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے شیطانی خیالات و اعمال سے پناہ عطا فرمائے) لیکن اللہ کریم نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو میرے بندے ہوں گے شیطان ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن اب اس دور میں اس نوعیت کے ایماندار، متقی اور پرہیزگار لوگ کہ جن کا اللہ پہ نہ صرف کامل ایمان و بھروسہ ہو بلکہ زندگیاں بھی عین قرآن کی عملی تصویر ہوں شاید لاکھوں میں چند ایک ہوں۔ ہر کسی میں باوجود نیکی کا رجحان رکھنے کے بے شمار عیوب، خرابیاں اور کج عملیاں ہیں۔ کون ہے جس کا دامن گناہ سے پاک ہے۔ لہٰذا اس سے شیطان کو کُھل کھیلنے کے عام مواقع میسر ہیں اور اسے روکنا یا بند کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

جنات کی دنیا:

Marfat.com

یہاں اگر مزید بحث کرتے ہوئے یہ بتا دیا جائے کہ ان جنات کی دنیا کس نوعیت کی ہے تو یہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کی بھی اپنی ایک دنیا ہے بالکل ہماری دنیا کی طرح ان میں بھی مرد و خواتین ہیں، شادیاں ہیں، بچے ہیں، کاروبارِ حیات ہے، کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا، خوشی غم، زندگی موت، نیکی بدی، امارت غربت، طاقت کمزوری، صحت بیماری، ڈاکٹر طبیب یعنی تمام پیشے سے وابستہ لوگ، حادثات و آفات، جنگ و جدل اور امن و امان سبھی کچھ ہے حتیٰ کہ مختلف عقائد و مذاہب بھی موجود ہیں۔ بہت پرہیزگار اور عبادت گزار بھی ہیں اور شیطان کے ہاتھ میں آلۂ کار بھی ان کی انواع و اقسام بھی ہیں، کوئی دیو ہیکل اور عفریت نما ہیں تو کوئی پستہ قد اور بونے ہیں، کوئی نہایت بدصورت اور قبیح ہیں اور کوئی حسن کے شاہکار خصوصاً پریوں کے حسن کو تو بقول شاعر ''دیکھئے تو دیکھتے رہ جایئے'' کے مصداق مثالی حیثیت حاصل ہے۔ دیو، بھوت، پریت، ڈائنیں، سایہ، آسیب، پچھ پیری سمیت جنات کی درجنوں نسلیں اور ہزاروں قسمیں ہیں۔ ان کی طاقت اور صلاحیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ یہ اللہ معاف فرمائے معاملات خداوندی میں دخل اندازی کی کوشش بھی کرتے ہیں (کیونکہ انھیں قیامت تک مہلت دی گئی ہے) تاہم نبی کامل حضرت محمد ﷺ کے زمانے سے انھیں آسمانی معاملات میں کچھ حدود کا پابند کر دیا گیا یہ اس سے بڑھتے ہیں تو خدائی لاٹھی ان کے سر پر پڑتی ہے اور یہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ آپ اندازہ کیجیے کہ یہ ہمارے خیالات پر بھی اثر انداز ہو کر سو طرح کے وسوسے ڈال دیتے ہیں۔ جن خیالات سے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیے جاتے ہیں اور ایجادات کی جاتی ہیں یہ انھیں منفی وساوس کے ذریعے تباہی و بربادی کا سامان بنا دیتے ہیں۔ ایٹم اگر تھیوری کی شکل میں ایجاد ہوا تو انسان کی فلاح و بہبود کے لیے، ٹیلی فون سہولت کے لیے، ٹیلی ویژن و کمپیوٹر علم کے حصول اور صلاحیت کو بہتر بنانے کے لیے، دوائیاں بیماریوں سے شفاء کے لیے دانش و عقل دانشمندیاں اور ذہانتیں بکھیرنے کے لیے کہ یہ سب اور اس طرح کے بے شمار کام انسان کی زندگی کو جنت بنا دیں گے لیکن شیطان نے اپنی فوج ظفر موج کے ذریعے ہر پاک و نیک خیال میں مہلک وسوسوں اور اندیشوں کا زہر بھر کر سب کچھ کو زہریلا بنا دیا۔ (پھر یاد کر لیجیے کہ شیطان کے پاس ان کے علاوہ بھی بہت ہتھیار ہیں) تو یہ تو تھا جنوں کا استدراج جو کہ حقیقت کا عشرِ عشیر ہے جو محض مثال کے لیے بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی گواہی بھی قرآن پاک دیتا ہے ''اے جنو اور انسانو تم نے دنیا میں ایک دوسرے سے بہت کام لیے اب حساب کا وقت ہے''۔ (خیال رہے کہ میں جو بھی قرآنی آیات کے تراجم پیش کر رہا ہوں، ماقبل یا مابعد پیش کروں ان کے الفاظ ہو بہو قرآن کے نہ ہونگے لیکن معنی و مطالب وہی ہونگے تا کہ قرآن کی بات سمجھ آ جائے)۔

ایمان کیا ہے؟

لفظ ایمان کی بہت بہت شاندار، تفصیلی، دقیق اور لغوی و معنوی تعریفیں اور تحقیقات ہمارے علما نے اپنے علم اور زورِ قلم سے بلکہ جذبۂ ایمانی سے اپنے اپنے وقتوں میں کی ہیں، میں کوئی رسمی مذہبی عالم نہیں ہوں نہ لغت کا ماہر ہوں اور نہ عربی دانی

Marfat.com

کا دعویٰ ہے۔لیکن علم میرا شوق ہے جو کسی نے لکھا اسے پڑھا اور اس میں سے کام کے نکتے الگ کر لیے۔بس یہ صرف اور صرف اللہ کا فضل و کرم ہے کہ جو بات کی تہہ تک لے جاتا ہے ورنہ میرے اندر کوئی کمال نہیں ہے۔

جب ہم ایمان کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے یقین یا یقینِ کامل، علما نے اس کے درجے بھی بیان کیے ہیں مثلاً علم الیقین ،حق الیقین اور عین الیقین وغیرہ، بہر حال اصل شے یقین ہے اب آیئے ذرا معلوم کریں کہ یقین کسے کہتے ہیں۔

(i) آپ کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا وہ آپ کو بپھرے ہوئے دریا میں پھینکنا چاہتے ہیں جبکہ آپ تیرنا بالکل نہیں جانتے، آپ خود کو چھڑانے اور صورتِ حال سے دور بھاگنے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں کہ کاش آپ دریا میں نہ گریں کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو یقین ہے کہ دریا میں گروں گا تو ڈوب کر ہلاک ہو جاؤں گا۔

(ii) آگ جل رہی ہے کوئی آپ کو ایک لاکھ ڈالر دیتا ہے کہ اس میں بیٹھ جاؤ لیکن آپ کو یقین ہے کہ ایک منٹ بھی اس میں گزرا تو جل کر خاک ہو جاؤں گا آپ بالکل نہیں مانتے کیوں؟ کیونکہ نتائج کا یقین ہے۔

(iii) آپ کو زہر دیا جاتا ہے کہ کھا لو بہت مزیدار ہے آپ جانتے ہیں کہ یہ مہلک ہے میرے خون میں ملتے ہی مجھے ہلاک کر ڈالے گا آپ انکار کر دیتے ہیں کبھی نہیں کھاتے یہ یقین ہے۔اسی طرح کی لاکھوں مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ آپ یقین کی موجودگی میں وہ کام نہ صرف یہ کہ کرتے نہیں ہیں بلکہ اپنی اولاد اور حلقۂ احباب کو بھی اس سے منع کرتے ہیں۔

خدا پر یقین:

اب ذرا سوچیے کہ آج کل مسلمان کیا اور دیگر مذاہب کیا 80% سے 90% لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں کم از کم اہل کتاب، یہودی و عیسائی اور مسلمانوں کے تو عقائد بھی اگر تعریف معنوی کی جائے تو ایک جیسے ہیں کہ خدا موجود ہے اس کے احکامات آسمانی کتب میں موجود ہیں۔ہمیں اس دنیا میں کیسے زندگی گزارنے کے احکامات ملے ہیں۔خدا کی خوشنودی و رضا کس بات میں ہے، اللہ کس شے میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا حکم دیتا ہے اور کس بات سے سختی سے منع کرتا ہے۔جنت کے مستحق کیسے لوگ ہونے چاہییں اور اہل دوزخ کن صفات کے مالک ہونگے۔کیا بہت ہی تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات، طاقتیں، ہیبتیں، پکڑ و جکڑ اور رحمت و کرم کو بیان نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ قرآن خالص میں تو یوں کھول کھول کر انسان کی حقیقت اور اپنی بے شمار قدرتوں کو بیان کرتا ہے کہ انسان خوب جان لیتا ہے کہ اگر اس قادرِ مطلق کے حکم پر عمل نہ کیا تو اگلا سانس بھی اگر اللہ کو منظور نہ ہوا تو کیسے آئے گا، آخر وہ ہماری شاہ رگ (رگِ جاں) سے بھی زیادہ قریب ہے۔لیکن افسوس صد افسوس اور صد ہزار افسوس کہ ہمیں ایمان کے دعووں کے باوجود، مذہبی عبادات کرنے کے باوجود، داڑھیاں رکھنے کے باوجود اور نمازوں سے پیشانی پر محرابیں سجانے کے باوجود عمل بمطابق حکمِ ربانی کی توفیق نہیں ہوتی، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا ہم نے

Marfat.com

کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے؟ کیا ہم نے کسی پر کبھی ظلم نہیں کیا ہے؟ کیا ہم نے کسی پر کبھی چھوٹی بڑی تہمت ، الزام یا Blame نہیں لگایا ہے؟ کیا ہم نے ہمیشہ حلال رزق کمایا ہے؟ کیا ہم نے کبھی غیبت نہیں کی ہے، چغلی نہیں کھائی ہے، کسی کی ٹانگ نہیں کھینچی ہے؟ کیا ہم نے کبھی کسی کا مال یا حق نہیں کھایا ہے؟ کیا ہم نے کبھی کسی کو ظالم یا ظلم سے چھڑایا ہے؟ کیا ہم نے کبھی کسی غریب، محروم، دکھی، بیمار، مریض، بیوہ اور یتیم کی مدد کی ہے؟ کیا ہمارے اندر قربانی کا جذبہ ہے؟ کیا ہم لوگوں میں بیٹھ کر بہتر چیز اپنی پلیٹ میں نہیں انڈیل لیتے؟ کیا ہم ویگن یا پبلک ٹرانسپورٹ پر بیٹھتے وقت اچھی، ہوادار اور دھوپ بارش سے محفوظ سیٹ تلاش نہیں کرتے؟ کیا ہم انتخاب کے وقت اچھی چیز نہیں چھانٹ لیتے؟ کیا ہم اپنے پیسوں کو تجوریوں میں محفوظ نہیں کرتے؟ مذہب زدہ طبقہ 2.50 فیصد زکوٰۃ وہ بھی ہیرا پھیری سے دے کر باقی سارے مال کو پاک سمجھ کر سرمایہ دار بننے کی کوشش نہیں کرتا؟ اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد سب کا سب اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کیا سرمایہ داری اسلام میں جائز ہے؟ کیا ہم رزق پر دسترس حاصل کرنے کے بعد یا وسائل پر قبضہ کرنے کے بعد انھیں عام لوگوں میں تقسیم ہونے کی اجازت دیتے ہیں؟ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہماری ایک فیکٹری، مل، کارخانہ، پٹرول پمپ، فرم، کمپنی، وسیع جائیداد، بینک بیلنس یا سونے چاندی ہیرے جواہرات کے ڈھیر ہیں تو کسی غریب کے پاس دو وقت کی روٹی کیوں نہیں ہے؟ اس کی بیٹی بیماری سے کیوں مر گئی؟ اس غریب کی بیوی کو ٹی بی کیوں ہو گئی؟ فلاں کا بچہ معذور کیوں ہو گیا؟ فلاں کے گھر میں فاقہ ہے؟ میرے پڑوسی کا کیا حال ہے؟ فلاں کی بچیاں بن بیاہے کیوں بوڑھی ہو گئیں؟ فلاں کے جنازے میں چند لوگ بھی نہیں اور لاٹ صاحب کے جنازے میں اتنا جمِ غفیر کیوں ہے؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ مزدور کڑی دھوپ میں کام کر کے بھوکا، حسرت زدہ، محرومیوں کی ہزار داستان اور بیوی بچوں کے سامنے شرمندہ کیوں ہے؟ کیا کبھی کسی نے سوچا کہ کسان کا جھونپڑا کچا کیوں ہے؟ کیا کبھی سوچا کہ محنت کش، ہنر مند اور چھوٹا پیشہ ور کیوں نسل در نسل حسرت کی تصویر ہے؟ کیا کبھی معلوم کیا کہ جرم کیوں ہوتے ہیں، چوریاں کیوں کی جاتی ہیں، ڈاکے کیوں پڑتے ہیں اور یہ کہ گناہ پہ کیسے مجبور کیا جاتا ہے؟ کیا کسی کو خیال آیا کہ غریبوں کو انصاف کیوں نہیں ملتا ہے، عوام کچہریوں میں دھکے کیوں کھاتے ہیں، پولیس غریبوں کو رگڑے کیوں لگاتی ہے اور یہ کہ غریب کی بیٹی کو غنڈے کیوں سر بازار اٹھالے جاتے ہیں؟ کمزور کی بیوی پر ہر طاقت ور کی بدنگاہی کیوں ہے؟ بیمار بھائی کی بہن کیوں روزگار کی تلاش میں عزت گنوا بیٹھی؟ کیا سال بھر میں ایک بکرا ذبح کر دینے سے قربانی کے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں؟ کیا اس صورتِ حال میں حج قبول ہو جاتے ہیں؟ کیا روزے داروں کے روزے اس ظلم و بربریت کی دنیا میں رب کے ہاں پہنچ رہے ہیں کہ ادھر تو افطاری پہ انواع و اقسام کے کھانے اور پھل موجود ہیں کیونکہ 2.50 فیصد زکوٰۃ دے کر بے غم ہیں اور اُدھر غریب کے دستر خوان پر بھوک بھنگڑے ڈال رہی ہے؟ غریب دال روٹی سے روزہ رکھتا اور اسی سے افطار کرتا ہے اور دن بھر جس سرمایہ دار، مالک یا آقا کے ہاں کام کرتا ہے وہ کئی قسم کے مرغوبات سے روزے کو سحر و افطار میں سیراب کرتا

Marfat.com

ہے تو کیا خدا راضی ہو گیا؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ محنت کش کا بچہ کیوں تعلیم حاصل نہیں کرتا جبکہ ہمارے بچے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں زیرِ تعلیم ہیں؟ کیا جو خدا کو مانتے ہیں ان کے ہاں تعلیمی نظام کے اتنے معیار ہو سکتے ہیں جو ہمارے ہاں ہیں؟ کیا ایمان رکھنے والوں کے معاشرے میں اتنی معاشی اور معاشرتی اونچ نیچ ہو سکتی ہے جتنی ہمارے معاشروں میں دیکھنے کو مل رہی ہے؟ کیا غلط سفارش جائز ہے؟ کیا رشوت لی یا دی جا سکتی ہے؟ کیا محل اور جھونپڑے اللہ کی اس ایک زمین پر بن سکتے ہیں؟ کیا یورپ کا خدا اور ہے؟ امریکہ کا خدا اور ہے؟ تھرڈ ورلڈ اور مشرق وسطیٰ کسی اور خدا کے پیدا کردہ خطۂ زمین ہیں؟ کیا افغانستان، کشمیر، فلسطین، ایتھوپیا، عراق، افریقہ اور دنیا بھر کے دیگر خطۂ ظلم و جبر کے باسیوں کی رگوں میں کوئی اور خدا خون دوڑا رہا ہے ان کے خون کی ندیاں اسی خدا کے ماننے والے بہا رہے ہیں؟ اگر لکھتے جاؤ تو ایک خدا کو ماننے والوں کے ایمان کی مثالیں کبھی ختم نہ ہوں حتیٰ کہ ایک خدا اور ایک رسول ﷺ اور ایک کتابِ الٰہی کو ماننے والوں کی مثالیں بھی بے شمار ہیں، لیکن قلم کہاں تک لکھے اور دل کہاں تک ان ایمان داروں کے ایمان کو برداشت کرے۔

لمحۂ فکریہ:

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم کہاں تک خدا کو مانتے اور کتاب اللہ (چاہے کسی بھی مذہب کی کتاب اللہ ہو) پر یقین و ایمان رکھتے ہیں اگر یہی ایمان ہے تو پھر منافقت کسے کہتے ہیں۔ شروع میں یقین و ایمان کا مفہوم سمجھانے کے لیے جو مثالیں دی گئی تھیں آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ یقین یا ایمان (ہم معنی لفظ ہیں) اگر حاصل ہو تو انسان کی جب تک جان میں جان ہے یا بندے کا بس چلتا ہے ہر صورت ہلاکت سے بچتا ہے۔ اللہ نے جب صاف صاف تمام آسمانی کتب بالعموم اور قرآن مجید میں بالخصوص فرمایا ہے کہ احکاماتِ ربانی پر عمل نہ کرنے سے اس دنیا میں بھی ہلاکت ہے اور آخرت میں بھی عذابِ عظیم ہے پھر جب اس کے باوجود اس دنیا کا یہ حال اور یہ صورت افعال ہے تو پھر کیا ہم خود کو ایماندار، خدا پرست، مسلمان، اہل کتاب یا متقی کہہ سکتے ہیں؟

یقین جانیے ہم صرف اس خوش فہمی میں ہیں کہ ہم ایماندار ہیں۔ درحقیقت ہم منافق ہیں یہ دنیا منافقین سے بھری پڑی ہے، ہمارا ٹھکانہ جہنم ہے اس لیے یہ دنیا بھی جہنم بن چکی ہے اور عنقریب بھیانک جنگیں قیامت کا ہو بہو وہی نقشہ پیش کریں گی جو آسمانی کتب اور خود قرآن مجید میں تحریر ہے۔ ہم 90% لوگ منافق ہیں بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ اور ہمارا ٹھکانہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہوگا۔

ہم سے گناہ سرزد ہو رہے ہیں، قرآن اور بائبل اٹھا کر دیکھیں جب بھی زمین پر گناہ بڑھ گیا، فتنہ و فساد پیدا ہو گیا، قتل و غارت گری شروع ہو گئی۔ جب یہودیوں میں زنا پھیلا، حق تلفی شروع ہوئی۔ ان پر خدا کی مار پڑی، لاکھوں ہزاروں قتل کر دیے گئے، دشمن فاتح رہا اور جب انھوں نے اللہ سے معافی مانگی، رجوع کیا تو امن و کامیابی اور فتح حاصل رہی۔ عیسائیوں کی

Marfat.com

بھی یہی داستان ہے اور مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک امن رہا، اسلام پھیلا، خوب خوشحالی بھی حاصل ہوئی، لیکن قتل فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد کیونکہ قوم کے ہاتھ اس کے بندۂ حق کے خون سے رنگین تھے اس لیے خرابیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ مسلمانوں نے بڑی بڑی جائیدادیں اور جاگیریں بنانا شروع کر دیں۔ اقرباء پروری شروع ہو گئی۔ نسلی امتیاز برتا جانے لگا۔ مسلمان عیش و نشاط پسند ہوتے چلے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گو کہ بہت پرہیزگار اور نیک نیت صحابی رسول اور داماد نبی ﷺ تھے لیکن دھیرے دھیرے حکومت پر اور حکومتی عمال پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی جس کی وجہ سے مندرجہ بالا خرابیاں در آئیں پھر قتل عثمان رضی اللہ عنہ نے ربِ عظیم کو اور خفا کر دیا پھر کیا ہوا کیا مسلمانوں نے مسلمانوں کو نہیں کاٹا؟ کیا پھوٹ نہیں پڑ گئی، کیا ہزاروں لاکھوں مسلمان خون میں نہیں نہا گئے؟ یہ ہوتا ہے اللہ کی ناراضی کا اظہار۔ یاد کریں جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور آپس میں جھگڑنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر معافی چاہی لیکن خدا نے کہا کہ یوں نہیں "تم ایک دوسرے کو قتل کرو" ظاہر ہے یہ تو قرآن کا طریقِ استدلال ہے، وہاں یقیناً جھگڑا ہوا ہو گا وجہ نبی ہو گی قتل و غارت کی اس طرح ہزاروں لوگ تہہ تیغ کیے گئے۔ کس نے ایسا کیا؟ آپس میں ایک دوسرے نے ایسا کیا جو باقی بچے انھوں نے توبہ کی اور توبہ قبول ہوئی۔ یہ حدود الٰہی کو توڑنے کے نتائج ہوتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ کیوں کہ ہم عملاً منافق ہیں اسی لیے ہمارے اوپر دنیا بھر میں آفتیں اور مصائب ہیں۔ اہل یورپ کیونکہ غیر پر ظلم و جور کے باوجود اپنے کے لیے صاف نیت ہیں اور اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہیں اس لیے کم منافق ہیں، اسی لیے وہاں پر کچھ امن اور خوشحالی ہے لیکن دوسروں کے لیے خلق خدا کے لیے ظلم و ستم اور درندگی کا باعث ہیں اس لیے اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی تو مستقبل قریب میں خدا انھیں بھی تباہ و برباد کر دے گا۔ کیا ظالم ہٹلر کو خدا نے نشان عبرت نہیں بنا دیا، جس کے جہاز حملہ کرتے تھے تو زمین پہ سایہ ہو جاتا تھا (اکٹھے سینکڑوں یا درجنوں جہاز حملہ آور ہوتے تھے) جس نے دنوں میں پولینڈ اور فرانس کو روند دیا تھا اور لندن کو کھنڈر بنا دیا تھا۔ کیا روس جیسی بڑی ہیبت ناک طاقت کا شیرازہ نہیں بکھیر دیا ربِ ذوالجلال نے۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ خدا نے حد سے بڑھنے والوں کی مہلت مکمل ہونے پر انھیں کیسے کچل کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے تاج خاک میں مل گئے اور بڑی بڑی شہنشاہیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

اب بھی وقت ہے کہ اگر انسان خدا کی طرف رجوع کرے تو قدرت کے ہاتھ جو ہمیں مٹانے کے لیے بڑھ رہے ہیں رک جائیں کیونکہ وہ بڑا رحیم و کریم ہے وہ توبہ کرنے والوں کو مچھلیوں کے پیٹ سے بھی نکال لیتا ہے۔ کیا کبھی کسی نے کھائے ہوئے نوالے کو بھی دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا ہے اس رب نے وہ بھی کر دیا۔ اس مالک کائنات کے بڑے بڑے عجائبات ہیں لیکن ہم نہیں جانتے۔

Marfat.com

یقین کی کرامات:

آپ نے کبھی کسی یوگی کو کسی پیر کو کسی صوفی کو پانی کی سطح پر چلتے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی کو مٹی سے شفا پاتے دیکھا ہے؟ کیا کسی پتھر کو جسم پر پھیرنے سے علاج ہوتے دیکھے ہیں؟ کیا کسی چشمے کے پانی سے یا کسی خاص حوض سے نہا کر شفا دیکھی ہے؟ کیا مندروں میں بتوں کی پوجا سے حاجتیں پوری ہوتی دیکھی ہیں؟ کیا کسی پیر فقیر کی بات کہی ہوئی پوری ہوتے دیکھا ہے؟ کیا تالاب سے خشک کتابیں نکلتی دیکھی ہیں؟ کیا فقیر کے دیئے ہوئے ناریل سے بانجھ پن دور ہوتے ہوئے دیکھے ہیں؟ کیا تعویذوں کے اثر سے کام بنتے دیکھے ہیں؟ کیا گرُو کی کرپا دیکھی ہے؟ کیا رام کے شیدائی دیکھے ہیں؟ کیا قبروں سے منتیں، مرادیں پوری ہوتی دیکھی ہیں؟ کیا اپنے ہی باپ کے پاس پہنچ جانے سے آپ کی بیماری رفو ہوئی ہے؟ کیا سیپ اور گھونگھے بازو کے ساتھ باندھنے سے دمہ ٹھیک ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ جوان کنواری لڑکی کو ذبح کر کے دریا میں ڈالنے سے دریا کو جوش میں آتے ہوئے دیکھا ہے؟ دم کرنے سے درد و تکلیف کو رفع ہوتے دیکھا ہے؟ یہ اور اس طرح کے سینکڑوں ہزاروں واقعات ہوتے ہیں اور ان میں اثرات بحیثیت درجۂ یقین پائے جاتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے، اس کا جواب بہت سادہ اور حیران کن ہے کہ!

یقین کامل انمٹ ناقابل تسخیر پکا یقین کہ ایسا ہی ہے ایسا ہی ہوگا، یہی سچ ہے۔

یہ وہ جذبہ ہے جو افسانے کو حقیقت بنا دیتا ہے اثرات عدم سے وجود میں آجاتے ہیں کوئی نہ کوئی سائنس یہاں اپنا کلیہ و قاعدہ لگا دیتی ہے۔ ''یقین کامل'' اس کے واقعی بہت درجے ہیں تاہم حق الیقین اور پھر عین الیقین سے دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ قوانین طبعی تبدیل ہو جاتے ہیں اور ناممکن ممکن بن جاتا ہے۔ لیکن اسی بات پر جسے یقین نہیں ہوتا اسے نہ شفا ملتی ہے نہ جزا۔ یہ بھی خدا کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں ''یقین میں رب بستا ہے''۔ جب کسی بات کا بے حد، انمٹ، ناقابل شکست یقین ہوتا ہے تو اسے تائید ربی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ کیسے؟ اور یہ سب کیا ہے ہم نہیں جانتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے ایک مثال:

مثال ا...... بائبل میں تحریر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شفایابی کی غرض سے ایک غیر بنی اسرائیلی عورت حاضر ہوئی۔ عرض پیش کی لیکن آپ علیہ السلام نے قبول نہ فرمائی اور کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل یا فلاں لوگوں ہی کے لیے آیا ہوں تمہارے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس خاتون نے عاجزی کی، اصرار کیا، جھڑک کھانے پر بھی نہ ٹلی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہاں تک کہا کہ کتوں کے لیے میرے Table پر کچھ نہیں ہے۔ اس نے پھر عاجزی، انکساری اور یقین و اعتماد سے جواب دیا کہ حضرت کتے بھی مالک کی میز سے گرے ٹکڑے اور ہڈیاں ہی کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے روئی، گڑگڑائی بھی ہوگی اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس عورت کا ایمان اور یقین بہت بڑھا ہوا ہے اور اسے اپنے طریقے کے مطابق (بپتسمہ) بفضل خدا شفا دی جس سے

Marfat.com

وہ بھلی چنگی ہوگئی۔(یاد رہے کتوں سے مراد وحی الٰہی پر یقین نہ رکھنے والے ہیں)۔

ایک گاؤں کے پیر صاحب کی دوسری مثال:

مثال ۲......ایک گاؤں کے باشندوں کو کسی پیر صاحب پر بڑا اعتقاد تھا، وہ کبھی کبھار اس گاؤں میں بھی گھومتے گھماتے آنکلتے تھے۔کبھی مہینوں بعد، کبھی سالوں بعد، تاہم وہ لوگ اور اردگرد کے دیگر گاؤں کے لوگ جنھیں ان پر اعتماد تھا جب دیگر کسی طرح سے شفا نہ پاتے تو آخر کار ان کے آنے کی آس لگا رکھتے وہ جب آتے تو لوگوں کو ان کے کہنے سے رب شفا دے دیتا۔اسی طرح کا واقعہ ہے کہ دور دراز کے کسی گاؤں سے سالوں کا فالج زدہ شخص چار بندوں کے کندوں پر چارپائی میں اٹھایا ان کے پاس لایا گیا اور منت سماجت کی گئی۔انہوں نے اپنی کھونڈی کو (عصا) کچھ زیرِلب پڑھتے پڑھتے اس کے جسم پر پھیرا اور اسے کہا کہ اٹھ فلاں کام کر۔بھرے مجمع میں سے کئی لوگ بھاگے کہ جناب یہ تو سالوں سے کروٹ نہیں بدل سکتا ہم جناب کا حکم بجا لاتے ہیں لیکن انھیں اصرار تھا کہ نہیں یہ ہی کرے گا۔پھر کمال ہی ہوگیا بفضل تعالیٰ وہ دھیرے دھیرے حیرانگی سے اٹھا اور چل پڑا۔واپسی پر وہ شخص اپنی چارپائی اپنے سر پر اٹھا کر لے گیا۔

'کلیہ یہ ہے کہ جب واقعی دل سے آپ کا یقین کامل کسی شے پر قائم ہو جائے تو وہ شے اسی طرح واقع ہو جاتی ہے لیکن جو لوگ آزمانے کے لیے مصنوعی یقین قائم کریں وہ محروم رہتے ہیں کیونکہ دراصل انھیں یقین ہوتا ہی نہیں۔

ولی اللہ کی قبور بابرکت مقامات مگر مانگیں صرف اللہ سے:

ولی اللہ کی قبور بابرکت مقامات ہیں۔وہاں جا کر اللہ سے مانگنا یوں ہے جیسے گھر اور مسجد میں عبادت کا فرق ہوتا ہے ، پاک وسعید روحیں زندہ ہوتی ہیں۔ہماری دعاؤں میں ان کی دعا شامل ہوسکتی ہے۔

نوٹ: لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ولی کامل کے اپنے اندر کچھ نہیں ہوتا اگر مومن ہے تو وہ عشقِ الٰہی میں غرق ہوتا ہے اور اس کی زبان وعمل کو تائید ربانی حاصل ہوتی ہے لیکن کچھ پانے کے لیے دوسری طرف بھی یقین ومیلان ہونا چاہیے۔یعنی خوراک تو ہوتی ہے بشرطیکہ کوئی بھوکا بھی ہو۔آپ جانتے ہیں جب شیر خوار بچہ بھوک سے روتا ہے تو ماں جہاں بھی ہو اس کے پستانوں سے دودھ خود بہ خود بہنے لگتا ہے۔

مومن وکافر میں فرق:

اب اس سلسلے میں کیوں کر مندروں اور بے جان اشیا سے شفا ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ''جو کافر اور سرکش ہوتے ہیں انھیں رب ان کی گمراہی میں اور بڑھاتا ہے ان کی رسی دراز کر دیتا ہے تاکہ وہ جہنم کا ایندھن بنیں''۔وہی قانون مومن کے لیے تو ایمان کے ساتھ شفایابی کا باعث بنتا ہے لیکن کافر کو اس لیے شفا دی یا بتوں سے

Marfat.com

کبھی کوئی حاجت پوری کی جاتی ہے کہ وہ بہکا رہے۔ کیونکہ جو شخص خود گوش ہوش سے ایمان نہیں لاتا اللہ بھی اسے گمراہ ہونے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔

اگر یقین جمانا ہی ہے تو سب سے بہتر توحید ہے اللہ پہ ایسا یقین کامل، عین الیقین رکھیں اور نیک اعمال کریں کہ رب آپ کی اکثر دعائیں قبول کرلے یہ اصل یقین ہے۔ جن باتوں میں کوئی کفر کا پہلو نہیں نکلتا ان میں اللہ کا یہ قانون (یقین کامل) ویسے ہی جاری وساری رہتا ہے اور اپنے اثرات دکھاتا ہے کیونکہ اس کے قوانین سب کے لیے ایک جیسے ہیں۔

یاد رہے کہ یقین کی بڑی اقسام اور درجے ہیں اور اس کے جو نہایت اعلیٰ درجات ہیں جو پیغمبروں علیہم السلام، نبیوں علیہم السلام اور ان کی اطاعت میں ولیوں کو حاصل ہوتے ہیں وہ بہت مشکل مقامات ہیں نہ ان مقامات کی کوئی حد ہے نہ ان درجات کی کوئی آخری منزل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”ہم نے ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا پیدا کیا ہے“ یعنی ہر نہلے پر ایک دہلا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں۔ جب خدائی قدرتوں کی کوئی حد نہیں تو بھلا اس کی عطاؤں کی کیا حد ہو سکتی ہے۔

بہر حال جہاں 'یقین' سے اس طبعی اور مجازی دنیا میں بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے وہاں غیر طبعی اور حقیقی دنیا میں بھی کیا کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

نوٹ: تعویذ دھاگوں اور جنتر منتروں اور علم قرآنی میں حسبِ مذہب وعقیدہ اثرات ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ایسے علوم بھی ہیں جن کے سیکھنے سکھانے سے منع فرمایا گیا ہے اور وہ صرف بندوں کی آزمائش کے لیے ہیں اور شیطانوں کے بہکنے اور بہکانے کے لیے اور ایسے حقیقی، پاک اور طیب اللہ کے کلمات بھی ہیں جو تقویٰ و پرہیز گاری اور ایمانِ کامل سے حاصل ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ تائید ایزدی بھی حاصل ہو۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 3

اشیا کی حقیقت، رب کی عظمت، اللہ کے عجب کام

آیئے اب نئے موضوع کہ جس کا ذکر پیچھے کیا گیا تھا پر آتے ہیں، ہمارا موضوع ہے کہ اشیا کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ ساری دنیا و کائنات حقیقت میں موجود ہے یا یونانی قدیم فلسفے کی رو سے صرف وہم و خیال اور دھوکا ہے؟ جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اپنی ذات پر غور کرنا پڑتا ہے کیونکہ اشیا کی حقیقت کو ظاہر ہے کہ ہم دیکھ، سن، چکھ، سونگھ اور محسوس کر کے ہی بھانپتے ہیں کہ یہ کیا ہیں اور کیسی ہیں۔ نہایت سرُ یلا سرُ ہمارے کانوں کو بھاتا ہے، پیاری آواز اچھی لگتی ہے اور اسی طرح ترنم ہماری روح کو چھوتا ہے۔ اگر ہم نے آنکھیں بند بھی کر رکھی ہوں تو چھوٹے چھوٹے نرم و معصوم ہاتھوں کی ہلکی تھپکیاں ہمیں یہ بتا دیتی ہیں کہ ہمارا شیر خوار بچہ ہمارے جسم سے کھیل رہا ہے، کانٹا چبھتا ہے تو ہم درد محسوس کرتے ہیں۔ پھول کی خوشبو دل کو بھاتی ہے، متعدد متفرق خوشبوؤں کو سونگھ کر بتا دیتے ہیں کہ کیا کیا چیز ہے، اسی طرح دنیا کی خوبصورتیوں کو ہماری آنکھیں دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہیں، تر و تازہ ہوتی ہیں۔ یہ ہیں ہمارے حواس خمسہ جن سے ہم علم حاصل کرتے اور اسے منتقل کرتے ہیں، ان سب چیزوں کا منبع و محور ہمارا دماغ ہوتا ہے جو ہر طرح کی محسوسات اور حواس کو کام میں لاتا ہے۔ لفظ استعمال ہوتا ہے ''ہوش و حواس'' اگر یہ تمام حواس عارضی طور پر معطل کر دیئے جائیں تو زندگی کیا ہوگی شاید صرف زندہ رہنے کو ہم جان سکیں گے، باقی زندگی کی تمام خوبصورتیاں یہ رنگا رنگ کائنات ہمارے لیے تقریباً غیر موجود ہو جائے گی۔ اب اس مریض کا اگر ہوش بھی باقی نہ رہے تو گو کہ سانس تو چل رہی ہوگی۔ دل بھی دھڑک رہا ہو گا لیکن اس کی ذات کے لیے اس دنیا اور اس سب کائنات کی مکمل نفی ہو جائے گی۔ گویا اس کے لیے یہ دنیا جیسا کہ ہے ہی نہیں، ہم نیند کی حالت میں روزانہ رات کو اس عمل سے گزرتے ہیں کہ جب کچھ گھنٹوں کے لیے ہمارے حواس معطل ہو جاتے ہیں اگر نیند گہری ہو تو ہمیں جاگنے تک کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے ساتھ یا ہمارے ارد گرد دنیا میں کیا بیت رہا ہے۔ اگر اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہوش و حواس ہی کا نام دنیا و کائنات ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خارج میں یہ سب کچھ نہیں ہے بلکہ خارج میں یہ ساری کائنات موجود ہے اسے ربِ کائنات نے بنایا ہے اور آسمانی کتب اور قرآن سے یہ حقیقت ثابت ہے۔

لیکن یاد رہے کہ یہ ظاہر یا خارج بھی ہمارے حواسِ خمسہ ہی کے حوالے سے وجود رکھتے ہیں ان حواس کے علاوہ ان کا وجود نہیں ہے سب کچھ ہمارے حواس ہی میں فیڈ ہے بلکہ اس طرح کی بے شمار دنیائیں دیگر حواس میں ہیں۔

اگلا سوال یہ ہے کہ اشیا بنی کس مسالے سے ہیں؟

اس کا جواب سائنس یہ دیتی ہے کہ تمام اشیا مادے سے بنی ہیں، جس کی ٹھوس، مائع اور گیس تین حالتیں ہیں اور مادہ

Marfat.com

مختلف قسم کے کیمیائی عناصر سے مل کر بنا ہے۔ ان عناصر کی کمی بیشی اور تعداد و توازن کے فرق سے شے کی قسم اور حقیقت بدل جاتی ہے اور تاثیر میں فرق آجاتا ہے مادے کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی ایٹم ہے اور یہ وہ اینٹیں ہیں جن سے مل کر ٹشو، عضو اور باقی جسم بنتا ہے۔ ان ایٹموں کی بھی بے شمار اقسام ہیں اور حالتیں ہیں لیکن ایک بات طے ہے کہ سب مادی کائنات عناصر کے ہیر پھیر کا نتیجہ ہے۔

یہ تو تھی اشیاء کی حقیقت کے متعلق سائنس کی اب تک کی رپورٹ، بس اتنے فرق کے ساتھ کہ اگر مادے کو آخری حد تک توڑ دیا جائے تو توانائی و روشنی یا لہریں باقی رہ جاتی ہیں جنہیں محسوس بھی شاید نہیں کیا جاسکتا۔

زندگی کیا ہے؟ بے جان اور جاندار اشیا میں کیا فرق ہے یہ تو ان کی خصوصیات سے پتہ چل جاتا ہے کہ فرق جان دار و بے جان میں کیا ہے۔ لیکن زندگی کیا ہے یہ اب تک ایک سربستہ راز ہے یہ کسی کو نہیں معلوم کہ زندگی پیدا کیسے کی جاسکتی ہے اور بے جان میں جان کیسے ڈلتی ہے، جب کوئی مر جائے تو کیا شے ہے جو نہیں رہتی جبکہ تمام مادی عناصر اپنی مکمل ترتیب و توازن کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔

اشیا کے بارے میں ہم تقریباً اتنا ہی جانتے ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ کہ زندگی کا آغاز واحد جرثومے سے ہوا تھا جو ساحلِ سمندر پر صدیوں موسمی حالات کے تغیر و تبدل سے وجود میں آیا اور پھر اس سے بڑھتے بڑھتے کثیر خلیوی جاندار (ملٹی سیلولر جاندار) پیدا ہوئے اور اس کے بعد ڈارون تھیوری کے تحت متنوع، حیوانات، پرندے، چرندے، درندے، آبی جانور اور آخر میں بندر اور پھر انسان وجود میں آ گیا۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ایک نوع سے دوسری نوع کیسے وجود میں آتی چلی گئی کیونکہ بقول سائنسدانوں کے درمیان سے واقعات کی کئی کڑیاں غائب ہیں۔ یہ زندگی کے بارے میں اب تک کی مختصر تحقیق ہے جسے ہم معلوم کر سکے ہیں۔ میں کوئی سائنسدان نہیں ہوں نہ ہی ریسرچ لیبارٹریز سے میرا کوئی تعلق ہے۔ جو انھوں نے کہا میں نے مان لیا اور واقعی بہت کچھ ویسا ہی ہے جیسا انھوں نے کہا یا اندازہ کیا۔ لیکن شاید مستقبل میں مزید تحقیقات کے بعد کچھ مفروضے اور نتائج غلط ثابت ہو جائیں۔

روحانی نکتۂ نظر سے غور:

جب ہم روحانی اور مذہبی نکتۂ نظر سے غور کرتے ہیں تو عجب راز کھلتے ہیں۔ انبیاؑ کے معجزات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عناصر اور اشیا اپنی اصلی تاثیر کو بحکم ربی تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کا سلامتی والا بن جانا اور جلانے کی صلاحیت کا ترک کر دینا۔ حضرت یوسفؑ کی قمیض کا حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کو بینا کر دینا۔ حضرت ایوبؑ کے لیے چشمہ جاری ہونا اور اس سے آپ کے مہلک نا قابلِ علاج مرض کا شفا پانا۔ حضرت عیسٰیؑ کے دم سے کوڑھیوں کا ٹھیک ہو جانا حالانکہ سائنسی اعتبار سے تو سانس محض گیس کا جذب و اخراج ہے بلکہ مردوں کا اللہ کے نام پر عیسٰیؑ

Marfat.com

کے کہنے سے جی اٹھنا۔ پھر اس سے بھی آگے مٹی کے پرندے بنا کر اللہ کے حکم سے ان کو حکم دینا اور ان کا جیتا جاگتا زندہ پرندہ بن جانا۔ حضرت موسیٰ کے معجزات کی طرف آئیں تو دریا کے پانی کا فرعونیوں کے لیے خون بن جانا اور بنی اسرائیل کے لیے پانی ہونا یعنی وہی پانی کبھی خون کبھی پانی بن جاتا ہے۔ آپؑ بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے ہیں تو وہ چمک رہا ہوتا ہے چاند کی طرح۔ دریا کا دونوں طرف پھٹ جانا، درمیان میں راستہ کا خشک ہو جانا۔ عصائے موسیٰ جو کہ لکڑی کا تھا (تاہم اگر کسی بھی میٹریل کا فرض کیا جائے تو بے جان مٹیریل کا بنا ہوا) اس عصا کا سانپ بن جانا یا اژدھا بن جانا جس سے لوگوں کا ڈر کر بھاگنا اور جادوگروں کے سحر کے زور سے بنائے گئے سانپوں کو نگل جانا۔ جادوگروں کا سجدے میں گر جانا۔ یہ جادوگر عام لوگ نہیں تھے بلکہ فرعون کی عظیم و وسیع سلطنت کے سب سے بڑے سقہ قسم کے مستند اور اپنے کام کے بے تاج بادشاہ تھے۔ ان سے زیادہ سحر و جادو کا علم کسی کے پاس نہ تھا اور ظاہر ہے کامیابی کی صورت میں فرعون کے مصاحبِ خاص اور درباری مشیر اور وزیر بننے کا لالچ بھی تھا۔ ظاہر ہے دنیا کی بے پناہ دولتیں اور آسائشیں، ہیرے جواہرات کے ڈھیر سب کچھ انھیں ملنے کی توقع تھی۔ یقیناً انھوں نے اپنا پورا زور لگایا ہوگا۔ لیکن حضرت موسیٰ کی لاٹھی سے بنا سانپ یا اژدھا نقلی نہ تھا۔ یہ نظر بندی نہ تھی یہ سحر و جادو نہ تھا۔ بلکہ یہ حقیقت اور عین حقیقت میں اصل اژدھا (سانپ) تھا اور یہی وجہ ہے کہ جادوگر یہ بات جانتے تھے جب انھوں نے یہ معجزہ دیکھا اور دیکھا کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں وہ لکڑی کی لاٹھی بن گیا ہے تو ان کو ہوش و حواس حاصل نہ رہا۔ وہ دنگ رہ گئے وہ حیرانگی کے سمندر میں ڈوب گئے وہ سانس لینا بھول گئے اور جب انھیں ہوش آیا تو ان کا ایمان و یقین موسیٰ کے رب پر یوں قائم ہوا کہ ہنسی خوشی فرعون سے اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا لیے۔ سولی پر چڑھ گئے۔ کیونکہ انھوں نے جان لیا تھا کہ وہ رب کتنا عظیم ہے اور یہ زندگی بھی اس کی دی ہوئی ہے اور اگلی دنیا بھی ہمیشہ رہنے والی زندگی سے مزیّن ہے۔

بہرحال نکتہ بلکہ دھماکہ خیز بات یہ ہے کہ یہ سب معجزات جو نبیوںؑ کے ہاتھ سے سرزد ہوتے ہیں اور جو ولیوں سے کرامات سرزد ہوتی ہیں یہ سب بھی اللہ کے کسی نہ کسی قانون قاعدے کے تحت ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ ہماری سائنس ابھی وہاں تک نہیں پہنچی اور شاید ابھی ہزاروں سال اور بھی نہ پہنچے (اگر خدا نے چاہا تو کبھی سائنس دان یہ معلوم کر لیں گے چاہے مادی سائنس دان ہوئے یا روحانی سائنس دان ہوئے) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سب کسی سائنسی اصول، کسی ربانی قانون قاعدے سے بالاتر ہے۔ جب رب خود کہتا ہے کہ ''میرے کلمات بے حد و شمار ہیں''۔ تو پھر شک کس بات کا، دراصل اس دنیا جہان کا علم انھی کلمات میں شامل ہے جسے ہم قیامت تک معلوم کرتے اور نئی ایجادات اور حیرت انگیز باتیں معلوم کرتے رہیں گے۔

اشیا و عناصر کی حقیقت، شعور اور اختیار:

اس سے ثابت ہوا کہ اشیا و عناصر شعور بھی رکھتے ہیں اور اختیار بھی رکھتے ہیں، اپنی طے شدہ روش اور تاثیر و ماہیت کو

Marfat.com

تبدیل کرنے کا۔ لیکن وہ اکثر ایسا نہیں کرتے کیوں کہ انھیں اپنی خاصیتوں کے مطابق ہی چلنے کا حکمِ الٰہی پہنچتا ہے۔ لیکن جب حکم ہو کہ تبدیلی اختیار کرو تو تبدیل ہو جاتی ہیں نئے حکم کے مطابق۔ دوسرے الفاظ میں ان کے اندر تبدیلی اختیار کرنے کی صلاحیت موجود ہے جس سے وہ اپنی Form، کیمیائی عنصر، ماہیت، بناوٹ، طول و عرض، حجم، کثافت و لطافت، اور وزن حتیٰ کہ جاندار اور بے جان تمام حالتوں کو تبدیل کرنے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اس سے ڈارون تھیوری کی وہ گم شدہ کڑیاں بھی بڑی آسانی سے جڑ جاتی ہیں کہ کس طرح سے واحد زندہ جرثومہ (سیل یا خلیہ) بے جان سے جاندار بن گیا اور کیونکر وہ آگے بڑھتے بڑھتے کثیر خلیوی جاندار بنا، ان کی انواع و اقسام بنیں اور چرندے، درندے، پرندے و انسان وجود میں آ گئے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ ایک نوع اپنی جیسی نسل تو Normally پیدا کرتی رہتی تھی لیکن کبھی کبھی نامعلوم وجوہ کی بنیاد پر اور نامعلوم طریق سے ان ہی سے کوئی نئی نوع بھی پیدا ہوتی رہتی تھی جس عمل سے ایک نئی نوع کا وجود عمل میں آ جاتا تھا اور اسی طرح سے یہ تمام انواعِ حیات پیدا ہوئی ہیں۔

جب بات یہ ہے اور جیسا کہ اوپر مذہبی معجزات اور سائنسدانوں کے استدلال سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہی ہے تو پھر یقیناً اول جرثومۂ حیات (واحد خلیہ) میں بے شمار قسم کے زندہ جانوروں یا جانداروں کو درجہ بہ درجہ اور اپنے اپنے وقت پر پیدا کرنے کی صلاحیت فیڈ Feed تھی اور اس کی ماہیت میں یعنی اس واحد خلیہ کے اندر یہ سب کچھ موجود تھا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ یہ ہزاروں لاکھوں جاندار، ہزاروں، لاکھوں یا کروڑوں سالوں میں وجود میں آئے ہونگے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ واحد خلیہ یا اس سے بنے ہوئے دیگر جاندار اپنی نوع کو تبدیل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر جاندار کے اندر خود کو تبدیل کر کے کوئی بھی دوسرا جاندار بننے کی صلاحیت موجود ہے بلکہ ہر جاندار میں ہر جاندار موجود ہے کیونکہ ان کا آپس میں تعلق اور رابطہ ہے، ان کا خمیر ایک ہے اور اس خمیر میں سب جاندار مشترک ہیں اور یہ ایسا اسرار ہے کہ ''سبحان اللہ'' کمال ہی ہے۔ بات صرف یہاں پر بھی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہر جاندار میں ہر جاندار موجود ہے، یعنی زید میں بکر موجود ہے اور بکر میں زید موجود ہے۔ دنیا کا ہر انسان کسی بھی دوسرے انسان میں درحقیقت موجود ہے لیکن خام حالت میں ہے وہ فعال Active ہو سکتا ہے جینز میں اور DNA میں یہ سب کچھ Feed ہے بلکہ ہمارے جینز اور DNA میں زندگی کی اول تا آخر ساری کہانی سب شکلوں میں یعنی تمام جاندار فیڈ ہیں۔ عادت یہ ہے کہ بہت دھیرے دھیرے زندگی کا ارتقا ہوا۔ اس عمل میں ہزاروں، لاکھوں سال لگے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی ہنگامی ضرورت کے پیش نظر لمحہ بھر میں یا بہت کم وقت میں ایسی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ایک بلی، گدھے میں گھوڑے میں ہاتھی میں شیر میں کبوتر میں یا پھر انسان میں تبدیل ہونے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی طرح سے ایک مچھر یا مکھی ہر نوع میں خود کو تبدیل کر سکتا ہے بلکہ جراثیم بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ گویا کہ ہر نوع خود کو نہ صرف ہر نوع میں تبدیل کر سکتی ہے بلکہ کسی خاص شخص یا جاندار میں

Marfat.com

بھی تبدیل کر سکتی ہے۔ Biologically تو ایسا ہو جائے گا لیکن ایک چیز ہوتی ہے ''ذات'' Personality شخصیت، روح وہ ہر جاندار کی الگ الگ ہے وہ الگ ہی رہے گی کیونکہ یہ اصل شخصیت ہے جو ہمارے تمام اعمال کی ذمہ دار ہے یا یوں کہیں کہ اصل میں وہ ہی اصل انسان ہوتی ہے، باقی سب میٹریل ہے۔ اب بات کو یوں سمجھیں کہ ایک شے ہے مادہ بے جان۔ ایک شے جاندار مادہ۔ ایک شے ہے جاندار چیز (نوع)، یہ سب چیزیں الگ ہیں اور ''ذات'' الگ چیز ہے۔ ایک اور مثال سے سمجھ لیں۔ جب انسان سو جاتا ہے تو اس وقت اس کا مادی جسم زندہ حالت میں موجود ہوتا ہے، سارے سسٹم کام کر رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ وہاں نہیں ہوتا، یعنی شعورِ ذات نہیں ہوتا، اسی حالت کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''جب تم پر نیند طاری ہوتی ہے تو روحیں ہمارے پاس حاضر ہو جاتی ہیں پھر جن کی زندگی کی مہلت باقی ہوتی ہے انھیں ہم لوٹا دیتے ہیں اور جن کی زندگی کی مہلت ختم ہو جاتی ہے انھیں نہیں لوٹاتے''۔ گویا کہ نیند بھی ایک طرح کی عارضی موت ہی ہے۔ اس سب بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ''روح یا ذات'' امر ربی ہے یہ کوئی الگ ہی چیز ہے اور ہم درحقیقت ''روح یا ذات'' ہی ہیں وہ ہی ہمارا اصل ہے باقی سب دیگر چیزیں ہیں جو مادے کی مختلف جاندار یا بے جان حالتیں ہیں، حتیٰ کہ زندگی بھی الگ سے ایک شے ہے جو مادے کا حصہ بن کر اسے جاندار بناتی ہے اور الگ ہو تو بے جان مادہ کہلاتا ہے۔ لیکن جب تک زندگی کو شعورِ ذات حاصل نہ ہو وہ ذات یا روح یا Personality نہیں کہلا سکتی جو کہ اصل باشعور بااختیار فرد یا بندہ یا ذات ہے اسی سے قیامت کے دن حساب کتاب ہونا ہے۔ اس ذات کے خلاف جسم مادی کا (زندہ جسمِ مادی) ایک ایک حصہ گواہی دے گا۔ پاؤں، ہاتھ، زبان، آنکھیں، کان، لمس، اعضائے ادراک، دماغ، دل غرض جو جو قوتیں و صلاحیتیں اس جسم و جان سے ہمیں حاصل ہیں سب بول پڑیں گے کہ یا رب العزت اس نے یوں یوں ہمیں غلط یا صحیح راہوں پر اپنے وقفۂ زندگی میں استعمال کیا اور ہماری ''ذات'' ہکا بکا ان کو گواہی دیتے ہوئے دیکھے گی۔ اس طرح سے ثابت ہوا کہ ذات تو نا قابلِ تقسیم یا ادغام ہے لیکن مادی زندگی قابلِ تقسیم و اِدغام ہے۔ ایک زندہ جسم دوسرے زندہ جسم کی ماہیت اختیار کر سکتا ہے (گو کہ اس میں ذات وہی رہے گی جو اس کی اپنی ہے) اور ہر زندہ جسم میں تمام زندہ حیات، حتیٰ کہ نباتات وغیرہ شامل ہیں۔ گلاب کے پھول میں گلاب خان (بندہ) بھی شامل ہے ایک نباتاتی سیل Cell میں تمام زندہ حیات فیڈ ہے نباتاتی بھی اور حیوانی بھی۔ اسی طرح ایک زندہ حیوانی سیل Cell میں تمام نباتاتی اور حیوانی حیات یعنی ہر طرح کے پودے، درخت، پھل، پھول، سبزیاں وغیرہ اور ہر طرح کے حیوانات چرندے، پرندے، درندے اور انسان شامل ہیں Feed ہوتے ہیں۔ جنہیں کسی سائنسی عمل سے وجود میں لایا جا سکتا ہے یہ عمل اگر قدرتی طور پر ہزاروں لاکھوں سالوں کا عمل ہے تو ہنگامی طور پر اسے پلک جھپکنے میں یا لمحہ بھر میں کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ جنات میں یہ صلاحیت اب بھی موجود ہے کہ وہ ذاتی طور پر جن رہتے ہوئے ہر طرح کی مخلوق کی شکل و جسم اور زندگی اختیار کر سکتے ہیں وہ کئی قسم کے اجسام میں ہمارے ارد گرد گھومتے، ہم سے ملتے ملاتے، گپ شپ لگاتے اور روز

Marfat.com

مرہ میں ہمارے ساتھ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے۔ہم یہی جانتے ہیں کہ وہ میرا کتا ہے، وہ میری بلی ہے، وہ میرا پڑوسی ہے، وہ میرا دوست ہے اور وہ میرا ہمراہی ہے لیکن اکثر ان کے ہمارے ساتھ اتنے گہرے مراسم نہیں ہوتے کہ ہم انھیں تاحیات جان سکیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور ہم پھر بھی ان کی حقیقت کو نہیں جان سکتے۔ بلکہ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے 'انسان و جن' کی آمیزش سے آگے نسلیں بھی چلتی ہیں، یہ عجب راز ہیں۔ راز، درّ راز، درّ راز اور بے پناہ گہرے راز و اسرار ہیں۔ سربستہ راز جن کی اتھاہ گہرائیوں کو ہم ابھی اس Stage پر نہیں جان سکتے۔ میں نے خود جن کو انسان میں اور انسان کو جن میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے کہ ہیئت و جسم و شکل میرے سامنے تبدیل ہو گئے۔

نوٹ: جہاں تک ذات یا روحوں کا تعلق ہے انہوں نے بھی ذات واحد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے جنم لیا ہے۔ حقیقت میں سب ذاتیں، سب روحیں اس ایک میں گم تھیں اس نے چاہا پہچانا جاؤں تو حکم کُن سے مادی اور روحانی ہر دو دنیائیں وجود میں آ گئیں۔ اس ہاٹ لائن کے ذریعہ سب روحیں آپس میں اور ذاتِ واحد سے منسلک کیں۔ اس پر آئندہ صفحات میں بحث آئے گی۔

کیا بے جان اشیا سے ہم الگ ہیں؟

اب ایک اور طرف چلتے ہیں وہ یہ کہ کیا بے جان اشیا میں جان ہے جس کا ہمیں شعور نہیں ہے یا یہ کہ کیا وہ جاندار اشیا میں تبدیل ہو سکتی ہیں؟ جواب ہے کہ ہاں بے جان اشیا، درحقیقت بے جان نہیں ہیں بلکہ وہ بھی جاندار ہیں، باشعور ہیں اور ''ذات'' Personality بھی رکھتی ہیں، وہ کیسے اور اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ ہماری سائنس ابھی ان باتوں سے صدیوں پیچھے ہے۔ اگر آپ مذہبیات پر یقین رکھتے ہیں تو یقیناً اس کا جواب موجود ہے۔ اگر یہودی جو کہ آج کل دنیا پر اپنے جدید علوم و فنون کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں اور اگر عیسائی و مسلمان اور قدیم مذاہب کے پیروکار جن میں سے بے شمار پڑھے لکھے سائنسدان، دانشور اور جدید Sciences کے ماہر لوگ اپنے اپنے مذاہب اور ان کے لانے والے پیغمبروںؑ پر ایمان و یقین رکھتے ہیں تو وہ دیکھیں کہ بے جان لاٹھی یا عصائے موسیٰؑ کیسے نہ صرف زندہ ہو گئی بلکہ ایک بڑا اژدھا بن گئی۔ کیسے لاکھوں لوگوں کے سامنے دوبارہ (عصا) لاٹھی بن گئی، عیسیٰؑ نے کیسے مٹی کے پرندے بنا کر ان میں بحکم خدا جان ڈال دی؟ کیسے ستون مسجد نبوی ﷺ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی نشست بدلنے کی وجہ سے جدائی میں رونے لگ گیا، جنگ احد میں جب زخمی حالت میں پہاڑی پر محمد عربی ﷺ کو لے جایا جا رہا تھا تو آپ ﷺ کا سر مبارک ایک پہاڑی چٹان سے ٹکرا گیا تو چٹان خود بخود پچک گئی کہ چوٹ نہ لگے۔ ''سبحان اللہ'' یہ سب کیوں ہوا؟ ٹھیک ہے یہ اللہ کے حکم سے ہوا۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے درج کیا ہے کہ حکم ربی بھی اس کے (کلمات) قوانین کی رو سے ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ جو بظاہر بے جان اشیاء مٹی، پتھر یا دھاتیں وغیرہ وغیرہ نظر آتے ہیں جنھیں ہم جمادات کہتے ہیں یہ درحقیقت بے جان نہیں ہیں بلکہ ان کی بھی اپنی زندگی اور اپنی اپنی دنیائیں،

Marfat.com

خاندان، بودوباش، خوشی غم ہیں یعنی زندگی کے سب احساسات یہ اشیاء لیئے ہوئے ہیں۔ جن کا ہمیں شعور نہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جس شے کا ہمیں شعور نہیں ہوتا ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہے ہی نہیں۔ ہمیں جنات کا شعور نہیں ہوتا، ہم کہتے ہیں وہ موجود ہی نہیں۔ حالانکہ ان کی بے شمار اقسام و آبادیاں ہمارے اردگرد، ہمارے درمیان بلکہ ہمارے اندر مکس موجود ہیں۔ قرآن میں ہے کہ اصحاب کہف تین سو نو سال سوتے رہے دنیا چلتی رہی لوگ مرتے جیتے رہے ادوار بدل گئے لیکن انھیں کچھ معلوم نہ تھا۔ جب جاگے تو دیکھا کہ دنیا تو کیا سے کیا ہوگئی۔ وہ شہر و ملک تو ہے ہی نہیں۔ یہ کیسے ہوگیا کہ درمیانی عرصے کا شعور انھیں حاصل نہ رہا تھا۔ اسی طرح حیاتِ بعد الموت موجود ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ بندہ مرگیا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ جبکہ اکثر خوابوں میں ہم ان اپنے احباب سے ملتے رہتے ہیں اور گفتگو بلکہ بہت کام کی گفتگو بھی کرتے ہیں۔

سینکڑوں سال پہلے مرے ہوئے مگر حقیقت میں زندہ امام و پامسٹ سے خواب میں ملاقات:

(اللہ کے فضل سے سینکڑوں سال پہلے کے امام اور پامسٹ سے میں نے گفتگو کی)۔ وہ مرے ہوئے لوگ اپنے روحانی یا لطیف (جو ہو بہو ان کے اصل وجود کی طرح کا ہوتا ہے) جسم میں موجود ہوتے ہیں لیکن ہمیں ان کا شعور نہیں ہوتا۔ البتہ انکے درجے اور Categories ہیں۔ تو گویا کہ ثابت ہوا جسے ہم نہیں جانتے ہمیں جس کا شعور نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ اس کا وجود نہیں ہے، یہ بات غلط ہے۔

لاٹھی کا اژدھا بننا، مٹی کے پرندے کا اصل پرندہ بننا اس بات کا ٹھوس اور انمٹ ثبوت ہے کہ کوئی شے بے جان نہیں ہے ہر مادی و غیر مادی شے یعنی ہر ہر شے زندہ ہے زندگی ازل سے ہے، جب سے خدا نے اسے حقیقت بنایا تب سے ہے (بلکہ اس سے پہلے اللہ کے علم و تصرّف میں سب کچھ موجود تھا)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے یہ سب کچھ بنایا"۔ یعنی یہ سب کچھ جو کائنات اور ماورائے کائنات میں قائم و دائم ہے ہمیشہ سے تھا ہمیں جمادات کی زندگی کا شعور نہیں، جب وہ کسی معجزے سے زندہ ہوتے ہیں تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ زندہ شے میں تبدیل ہوگئے ہیں۔

سو اس اصول کے تحت ہم کہیں گے کہ ہر شے میں ہر شے موجود ہے:

نہ صرف تمام جاندار اشیاء ایک اکائی ہیں اور ہر شے میں ہر شے موجود ہے۔ ہر نوع میں ہر نوع موجود ہے ہر فرد میں ہر فرد موجود ہے بلکہ یہی کلیہ ہماری حیات سے پیچھے سفر کرتے ہوئے جمادات (بظاہر بے جان) پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

حاصل بحث:

چونکہ تمام جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان مختلف کیمیائی عناصر کی ترکیب سے بنے ہیں۔ اس لیے درحقیقت ہر عنصر کے ہر ایٹم میں یہ پوری محیّر العقول کائنات بند ہے۔ یعنی اگر تمام کائنات خدانخواستہ کسی حادثے سے تباہ و برباد اور ختم ہو جائے (جو کہ بظاہر ممکن نہ ہے کیونکہ مادہ صرف اپنی حالت بدلتا ہے فنا نہیں ہوتا ابھی تک کی تحقیق یہی ہے) یعنی اس کا وجود عدم

Marfat.com

میں چلا جائے اور کسی بھی ایک عنصر کا صرف ایک ایٹم باقی بچ جائے تو اس سے نہ صرف وہ عنصر دوبارہ پھیل جائے گا بلکہ یہ تمام کی تمام رنگ برنگ کائنات پھر سے وجود میں آ جائے گی چاہے اسے ہزاروں، لاکھوں سال کا قدرتی عرصہ لگے۔ یا پیدائش کے وہی 6 دن جو اللہ تعالیٰ نے مذہبی کتب میں بیان فرمائے یا پھر اگر اللہ پاک ارادہ کرے، حکم دے، اجازت دے تو پل بھر میں سب کچھ بہت تیزی سے وجود میں آ جائے۔ کیونکہ Time and Space کے قوانین بھی کوئی ابدی نہیں ہیں یہ اس لیے یوں قائم ہیں کہ ان کو ابھی اسی بات کا حکم ہے یا یوں کہیں کہ ان میں یہی کچھ Feed کا درجہ عمل ہے جب خدا چاہے وقت کی قید کو نکال کر ایک دم سے خلا کو پُر کر دے یہ ہے اس ضمن میں میری تحقیق۔

نوٹ: سنگل کیمیائی ایٹم سے پیچھے بھی ایک سلسلہ ہے اللہ کے کلمات کا۔ میری رسائی وہاں تک ابھی نہیں ہوئی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اپنے علم سے اس فقیر کو علم عطا فرمائے۔ اپنے کلمات سے خیر کثیر میری جھولی میں انڈیلے اور اپنے حکم سے کثیر حصہ مقدر فرمائے، آمین۔ اسے واسطہ ہے ہر بے حد پیارے نبیؑ، ولی، فرشتے، جن، انسان و دیگر کسی بھی مخلوق میں سے بے حد پیاروں کا اور محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ کا کہ میں عاصی ہوں۔

Marfat.com

مضمون نمبر 4

ایک ہی شے یا انسان کی ہزاروں تاثیریں یا کردار

ایک ہی انسان یا شے کی مختلف تاثیریں کسی کے لیے زحمت تو کسی دوسرے کے لیے رحمت، کسی کا ہیرو، کسی دوسرے کا دشمن، کسی کے لیے زندگی تو کسی دوسرے کے لیے موت، شے ایک ہے لیکن دوسروں پر اس کی تاثیریں ہزاروں۔

یہ ایک نیا نکتہ یا Topic ہے جو کہ اپنے اندر ایک نئی حیرت رکھتا ہے دراصل اللہ رب العزت کی ہر شان بڑی عظیم و نرالی ہے اور ہر صفت کے کمال کی کوئی حد نہیں اور اس کی صفات بابرکات لامحدود ہیں تاہم میں جب اس کی ''صفتِ حیرت'' پر غور کرتا ہوں تو میرے ہوش وحواس گم ہو جاتے ہیں کیونکہ جب اس کے کسی بھی کمال کو دیکھیں تو تہہ میں اترتے ہوئے بہت جلد وہ مقام آجاتا ہے کہ صرف حیرت ہی حیرت باقی رہ جاتی ہے نہ عقل باقی رہتی ہے نہ ہوش، نہ فہم کام کرتا ہے نہ دانش آگے قدم بڑھا سکتی ہے۔ کہتے ہیں مقام حیرت جہاں شروع ہوتا ہے اس سے آگے عشق کی سواری کام آتی ہے، لیکن مجھ بدنصیب کو ابھی یہ مقام حاصل نہیں۔ اس مقام کے لیے دعا گو ہوں۔

آیئے حیرت کی بات کرتے ہیں۔ تو ہم کہہ رہے تھے کہ کس طرح ایک شے میں مختلف لوگوں کے لیے مختلف تاثیریں ہوتی ہیں۔ پہلے بندے کی مثال لیتے ہیں، ایک بندہ چاہے وہ جتنا بھی صاف نیت یا نیک نیت ہو ممکن ہے کہ اس کا Partner اسے بہت برا خیال کرتا ہو۔ بے شک وہ ہر وقت اکٹھے رہتے ہوں یا اکٹھے ان کی زندگی گزری ہو۔ ان کا ساتھ چاہے پل پل کے لیے اکٹھا کیوں نہ ہو۔ اس شخص کے دوست احباب اسے ممکن ہے اچھا جانتے ہوں یا کوئی کم اچھا، کوئی واجبی شخص، کوئی کم برا یا کوئی زیادہ سمجھتا ہو، لیکن اس کا Partner اسے دنیا کی ہر شے سے برا، خائن، چور، منافق اور نا قابلِ برداشت بلکہ دنیا کا سب سے برا شخص سمجھتا ہو۔ مقام حیرت ہے کہ درحقیقت یہ شخص اپنے Partner سے بہت مخلص ہے بلکہ اس پر جان دیتا، اس کے بغیر رہ نہیں سکتا، دوسرے لفظوں میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہے، جبکہ Partner اسے وبالِ جان اور اپنے لیے عذابِ محض خیال کرتا ہے، یہ کیا ہے؟ ان دونوں کے درمیان پردہ ہے، نہ نظر آنے والا پردہ جو ایک کے اچھے خصائل دوسرے کو نظر نہیں آنے دیتا۔ شاید اس شخص کا کوئی ایسا گناہ یا عمل ہے جس کی خدا کے ہاں بڑی سخت پکڑ ہے جو لاکھ معافیاں مانگنے سے بھی دور نہیں ہو سکتا، یا پھر اس کی آزمائش ہے کیونکہ رب کا عذاب بھی بڑا سخت ہے جو اگر روح پر نازل ہو رہا ہو تو جسم پر نہیں دیکھا جا سکتا یا کوئی تیسرا شخص اس سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس کی آزمائش بھی بڑی سخت ہے کہ میرا بندہ کہاں تک مجھ پر ایمان رکھتا ہے، یقین رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے کیونکہ ہر صبر اور ایمان کی انسان کے لیے ایک حد ہے ایک وقت آتا ہے کہ انسان نا امید ہو کر ایمان کھو دیتا ہے۔ دھاگے کی مضبوطی چیک کرنے کے لیے ٹیکسٹائل ملوں میں Yarn

Marfat.com

Strengthen Test ہوتا ہے، دھاگوں کی مقررہ تعداد کو اکھٹا کر کے ان پر ایک خاص مشین سے قوت لگائی جاتی ہے ایک خاص مقدارِ قوت پر وہ ٹوٹ جاتے ہیں اور نوٹ کرلیا جاتا ہے کہ ان کی مضبوطی اتنی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے ایمان وصبر کے مطابق آزماتا ہے۔ ہر ایک بندے کے ایمان وصبر اور اللہ سے محبت وعشق کی ایک حد ہے، کوئی کسی مقام پر ہتھیار ڈال دیتا ہے اور کوئی کسی دوسرے مقام پر۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ اب میرا بندہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کرسکتا تو پھر آزمائش ختم ہوجاتی ہے اور اس کی رحمت مدد کے لیے آجاتی ہے اور انعام میں اسے وہ درجہ دے دیا جاتا ہے جہاں تک اس نے برداشت کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ اس رب کے عاشق جان دے دیتے ہیں لیکن ایمان سے برگشتہ نہیں ہوتے یعنی مصیبتوں، پریشانیوں، بے عزتیوں، بیماریوں اور جانکنیوں میں جان دے دیتے ہیں۔ انھیں خدا کی رضا سمجھتے ہیں ایمان سے نہیں ہٹتے، نہ گلہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کا درجہ بہت بلند ہے۔ اسی طرح جو جتنا زیادہ کڑھ کڑھ کر اذیت ناک اور طویل تکلیف واندوہ سے جان دیتا ہے بشرطیکہ آزمائش ہو سزا نہ ہو۔ تو اسے اتنا ہی بلند درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ بندہ صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا اور اس نے جان دے دی۔ اس کے بہت سے طریقے، مواقع اور نمونے ہیں۔ حضرت بلالؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں، ان کا مالک انھیں مار مار کر لہولہان کر دیتا، نڈھال کر دیتا، گرم تپتی ریت پر گھسیٹتا، لیکن ان کے منہ سے ایک ہی بات نکلتی۔ احد احد، یعنی اللہ ایک ہے۔

اس دنیا کی زندگی کے آخری دنوں اور لمحوں میں حضرت عیسیٰؑ کی آزمائش کس سے ڈھکی چھپی ہے، پھر اللہ نے انھیں اٹھالیا۔ بہر حال ہمارا یہاں Topic چونکہ آزمائش الٰہی نہیں ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور آگے چلتے ہیں تو میں کہہ رہا تھا کہ ایک شخص کسی ایک کے لیے وبالِ جان اور ناقابل برداشت ہے تو کسی دوسرے کے لیے جان اور جنت نما ہوسکتا ہے تو کسی تیسرے کے لیے فرشتہ ہوسکتا ہے (بقول ہندوؤں کے دیوتا) تو کسی چوتھے کا ہیرو ہوسکتا ہے، پانچویں کا دشمن، چھٹے کا راہبر، علیٰ ہٰذا القیاس۔ دریا کا پانی فرعونیوں کے لیے خون ہے جبکہ موسویوں کے لیے پانی۔ آگ باقیوں کے لیے موت ہے جلانے والی ہے، لیکن ابراہیمؑ کے لیے زندگی ہے، ٹھنڈک جان ہے، سلامتی والی ہے۔ اژدھا موسیٰؑ کے لیے لکڑی ہے، لاٹھی ہے لیکن دشمنوں کے لیے، مشرکوں کے لیے اور ظالمین کے لیے اژدھا ہے، پھنکارتا ہوا، زہر سے بھرا، بپھرا ہوا کہ ایک سانس میں ایک نوالہ میں خلقت کو نگلنے والا۔ اندھا کنواں لوگوں کے لیے حسرت ناک موت کا پیغام ہے حضرت یوسفؑ کے لیے آفت سے پناہ کا مقام ہے کہ خدمت گزار ہے گزند بھی نہیں پہنچاتا۔ حضرت محمد ﷺ محبوب خدا ساری دنیا کے لیے رحمت ہیں، آفتوں سے پناہ گاہ ہیں، ظلم وستم، جہالتوں اور تاریکیوں کو مٹا کر نور ہدایت اور بحکمِ خدا دونوں جہانوں کی کامیابیاں بخشنے والے ہیں، لیکن ابوجہل وابولہب ان سے اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کو دیکھ کر ان مشرکوں کو آگ لگ جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے قتل (میرے منہ میں خاک) اور آپ ﷺ کو غلط ثابت کرنے کے لیے دن کا چین اور رات کی نیند ان پر

Marfat.com

حرام ہو جاتی ہے اور بالآخر ایک جنگ بدر میں مارا جاتا ہے تو دوسرا کوڑھ جیسے موذی مرض سے سسک سسک کر مرتا ہے، لیکن ہدایت نہیں پاتے۔ کشتی اہلِ نوحؑ کے لیے امان گاہ اور زندگی و بقا کی علامت ہے لیکن مخالفین کے لیے ٹھٹھ و مذاق اور موت کا پیغام ہے۔ صلیب حضرت عیسیٰؑ کے لیے اعجازِ آسمانی کا سامان ہے لیکن بے ایمانوں کے لیے نشان عبرت۔ پھر اس سے نیچے آیئے تو دریا یا حوض کا پانی ان لمحات کے مولانا روم کے لیے کتابوں کو ڈبونے اور کھونے والا ہے، لیکن حضرت شمس تبریزیؒ کے لیے خشک کتابوں کو صحیح و سالم واپس کرنے والا ہے شہادت کافروں کے لیے مرجانا لیکن مومنین کے لیے تحفۂ ربانی اور حیات جاودانی ہے۔ ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہونا، ''علم الدین شہید'' اور اس جیسے دیگر شہدا کے لیے زندگی، تابندگی، عزت و رفعت، اعزاز بے بہا، جنتِ نقد، بہشت بریں، رضائے الٰہی اور سب مسلمانوں کے لیے نشانِ امتیاز، ستارۂ جرأت، نشانِ حیدر اور تمغۂ خوش نصیبی ہے جبکہ مخالفین کے لیے جرم اور سزائے موت ہے۔ ایک ماں اپنے شیر خوار بچے کے لیے دودھ کی نہر۔ ممتا کی چھاؤں، پیار کی بوچھاڑ، بہار کی ٹھنڈی خنک ہوا، ہر آفت کے آگے آڑ، ہر دشمن سے بچاؤ کا قلعہ اور خدا کا سایہ ہے جبکہ یہی عورت جو ماں ہے اپنے بچے کی وہ جس مالک کے گھر میں برتن مانجھتی اور چاکری کرتی ہے ان کے لیے نجس ہے، اچھوت ہے، گندی ہے، غلیظ ہے، کم تر ہے۔ مالک اس کے برتن میں پانی بھی نہیں پیتے، ہر کام پر ڈانٹتے ہیں، بے رحمی سے کام لیتے اور دام کم دیتے ہیں، یعنی ان کے لیے وہ گو کہ خدمت گار ہے لیکن کمین ہے۔ قریب بٹھانے کی شے بھی نہیں بلکہ اس سے گھر کے بچوں کو بھی گھن آتی ہے۔

ہیروز کی طرف جایئے تو ہٹلر، چرچل، اسٹالن، نیوٹن، نپولین، صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ، خالدؓ بن ولید، ٹیپو سلطانؒ وغیرہ اپنی اپنی اقوام کے ہیرو ہیں وہ انھیں سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں لیکن مخالفین کے لیے بدترین دشمن اور ہلاکت کی علامت ہیں۔ ظالم بادشاہ یا آقا اپنے مصاحبوں کے لیے رحمت اور باعث صد عیش و نشاط ہے لیکن اپنی رعایا یا محکومین کے لیے یہ قہر و بربریت کی نشانی، خون چوسنے والی جونک اور بددعاؤں کا نشانہ ہے کہ ان کا بس چلے تو اسے چیر پھاڑ دیں۔

اختتامیہ:

یہ Topic بہت کچھ تشنہ رہ گیا ہے، دماغ میں دل میں بہت کچھ بھرا ہے لیکن خیالات اور الفاظ اس وقت نوکِ قلم سے ٹپکنے کو تیار نہیں۔ شاید یہ بھی مرضی کے مالک ہیں۔ شاید انھیں بھی خدا نے اختیار دے رکھا ہے۔ بہر حال کہنے کا مقصد اور بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ایک ہی شے کسی کے لیے زندگی، کسی کے لیے موت، کسی کے لیے زہر کسی کے لیے امرت، کسی کے لیے عزت کسی کے لیے ذلت، کسی کے لیے باعث عروج کسی کے لیے متاعِ زوال، کسی کے لیے بہار تو کسی کے لیے خزاں، کسی کے لیے خوشبو تو کسی کے لیے بدبو، کسی کے لیے رزق اور کسی کے لیے فضلہ (Waste Material)، کسی کے لیے ڈنگ جبکہ کسی کے لیے پیار کی گدگداہٹ۔ 'اللہ رے تیری شان'۔ (اس موضوع پر ایک نئے Topic کے تحت پھر بحث کی جائے گی)۔

Marfat.com

مضمون نمبر 5

مابعدالطبیعیات (Meta Physics) کی جانب کچھ سفر

ویسے تو فزکس میں ابھی بہت کچھ معلوم کرنا باقی ہے یہ نہایت اہم Subject ہے اور یقیناً لوگ اس کے متعلق مزید بہت کچھ دریافت کریں گے۔ لیکن بہر حال جہاں طبیعیات کی حدود ختم ہوتی ہیں یعنی جہاں حواسِ خمسہ کی حد ختم ہوتی ہے وہاں مابعدالطبیعیات کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کو روحانیات یا روحانی دنیا کہتے ہیں۔ جو عام Senses سے ماوراء کوئی دنیا ہے، میں بے شک ایک سائنسدان نہیں ہوں بلکہ میں نے سائنس کی کوئی قابل ذکر تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ لیکن اس علمِ روحانی سے مجھے خاص شغف ہے، یہ میرا شوق بھی ہے، میرا طبعی میلان بھی، اور تخصیصی رجحان بھی۔ میں جب بھی کچھ پڑھنے، لکھنے، سمجھنے، سمجھانے یا دلچسپی وشوق کے لیے کچھ کرنے بیٹھا تو دیگر واجبی امور اور نہایت ضروری علوم وفنون کے علاوہ جس شے نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور جس کو کر کے یا سوچ کر مجھے سکون ملا، تشفی ہوئی یا تشنگی کم ہوئی، وہ روحانی علوم کا حصول تھا۔ کہنے کو یہ ایک لفظ یا ایک علم ہے لیکن درحقیقت اس کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں اور نہ ہی اس کے تنوع کی کوئی حد ہے۔ اس کے متعلق اور اس کے قریب قریب یا اس زمرے میں آتے ہوئے عنوانات کو Touch کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ میرا ذہن ان کو کیسے، دیکھتا، سمجھتا اور بیان کرتا ہے۔

دراصل میرے ذہن میں علم وآگہی کی بھٹیاں دھک رہی ہیں جو خیالات کو توانائی یا روشنی کی لہروں کی طرح باہر اچھال رہی ہیں اور یہ بہتے جا رہے ہیں۔ مجھے ان میں سے اکثر کا شعور نہیں ہے یا یوں کہیے کہ میں انھیں الفاظ کی شکل دینے سے قاصر ہوں کیونکہ وہ عجیب وغریب قسم کے ادراکات ہیں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے کسی بھی زبان پر مکمل عبور حاصل نہیں ہے کہ میں اس کے تمام ذخیرۂ الفاظ کو استعمال کر کے اپنا مافی الضمیر کما حقہ بیان کر سکوں، دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ کسی بھی زبان میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ وہ ان ادراکات کو الفاظ میں سمو سکے۔ تیسرے الفاظ میں اتنی سہار، قابلیت، مفہومیت، بلاغت اور عمق نہیں ہے کہ وہ کما حقہ انھیں خود میں جذب کر سکیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں مایوس ہو جاؤں اور اپنے ذہن میں اٹھنے والے خیالات کی امانت کو کاغذ وقلم کے حضور پیش ہی نہ کروں اور سب کچھ اپنے ساتھ ہی لے کر دفن ہو جاؤں۔ چنانچہ اسی سوچ کے تحت میں نے لکھنا شروع کیا ہے کہ شاید کچھ سمجھ یا سمجھا سکوں۔ چلیے پہلے ہلکے ہلکے موضوعات کی طرف چلتے ہیں۔

انسان کے محسوسات وجذبات اور اعمال پر ایک الگ سی نگاہ۔ کیا انسان بدلتا ہے یا وقت بدلتا ہے؟

خوشی غم، دکھ سکھ، محبت ونفرت، امارت وغربت، قہقہے اور آنسو، دوست ودشمن، عیش ونشاط اور کوفت وکلفت، محنت و

Marfat.com

لگن اور کام چوری و کاہلی، ترقی وتنزلی، غرض اس طرح کے بے شمار ہماری زندگی سے منسوب حقائق بشمول زندگی و موت کیا ہیں درحقیقت یہ ہیں کیا؟

یہ وہ سوال ہے جسے دانشور اور فلسفی ازل سے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ہر کسی نے اپنی اپنی رائے سے دنیا کو نوازا ہے سو دیکھتے ہیں میرا ذہن انھیں کیا سمجھتا اور کیسے سوچتا ہے۔

آپ کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ بھی آپ سے محبت کرنے لگ جاتا ہے، زندگی میں اچانک خوشیاں، رنگینیاں، بہاریں اور نغمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ہر چیز آپ کو بڑی دلکش اور خوبصورت لگنے لگتی ہے، آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ زندگی اتنی خوبصورت بھی ہو سکتی ہے آپ کو ہر سانس شگفتہ لگتا ہے، ہر آہٹ پیاری لگتی ہے، کاروبارِ حیات میں آپ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں کیونکہ مستقبل کی امیدیں اور امنگیں آپ کے ساتھ ہیں۔ دوست احباب، اپنے پرائے سب میں آپ زندہ دل مشہور ہیں۔ آپ کو اشعار سے خوشبو آتی ہے آپ پھولوں سے مست ہوتے ہیں، آپ بہاروں کی جان ہیں اور وہ آپ کا اثاثہ ہیں۔ قدرتی مناظر بڑے دلکش و حسین دکھتے ہیں۔ غرض اپنے محبوب میں آپ کو کل جہاں سمٹا ہوا محسوس ہوتا ہے آپ زندگی کو خوب Enjoy کر رہے ہیں اور آپ کا محبوب بھی اسی شرابِ ہستی کے جام پہ جام چڑھا رہا ہے۔ ہاتھوں میں ہاتھ اور آپ زندگی کے سفر پر رواں دواں۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلتے جاتے ہیں آپ کو یقین ہو چلا ہے کہ زندگی کی یہی حقیقت ہے جو کبھی نہیں بدل سکتی نہ کبھی اسے آپ بدلنے دیں گے اور اگر خدانخواستہ کبھی اس میں ذرہ برابر بھی فرق آیا تو آپ دونوں جان دے دیں گے۔ اتنے مضبوط عزم و ارادے اور عہد و پیمان کے بعد بھلا کچھ کیسے بدل سکتا۔ اب آپ کی خواہش ہے کہ کاش کوئی ایسا طریقہ ہوتا کہ آپ اپنے محبوب کو اپنے جسم میں منتقل کر لیتے اور اس کی روح کو اپنی روح میں سمو لیتے تا کہ جدائی اور کسی تیسرے چورڈاکو کا دھڑکا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا۔ کیونکہ آپ کی محبت اب آخری حدوں کو چھو رہی ہوتی ہے، لیکن آپ ایسا نہیں کر سکتے، اس طبعی زندگی میں ایسا ممکن نہیں ہے البتہ محبت و عشق کی وادی میں آپ کے ڈیرے بہت مضبوط ہیں اور آپ بہت پر اعتماد ہیں۔

لیکن اچانک کیا ہوتا ہے:

آپ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کا محبوب آپ سے کچھ کھچا کھچا سا ہے، آپ سمجھتے ہیں یہ آپ کا وہم ہے کیونکہ ایسا تو ہو نہیں سکتا، چنانچہ وہم کو کئی دن تک جھٹکنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن پھر کھچاوٹ میں جب نمایاں اضافہ ہونے لگتا ہے تو آپ کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ بڑے پیار و امید اور بے یقینی سے پوچھتے ہیں کہ کیا بات ہے؟ کیا معاملہ ہے؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ جواب ملتا ہے کوئی بات نہیں ہے، کوئی وجہ نہیں ہے، کوئی ناراضگی نہیں ہے اور وقت گزرتا ہے اب گلے شکوے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں ہلکے ہلکے اعتراضات دونوں طرف سے اٹھتے ہیں۔ روٹھنا منانا ہوتا رہتا ہے، لیکن پھر ناراضگیاں

Marfat.com

بڑھنے لگتی ہیں ایک دوسرے میں کشش کم ہونے لگتی ہے الزام لگنے لگتے ہیں، تہمتیں دھری جاتی ہیں، بہتان باندھے جاتے ہیں، آپ اپنی صفائیاں دیتے ہیں، دلائل دیتے ہیں، یقین دھانیاں کرواتے ہیں، غرض جوں جوں وقت گزرتا ہے صلح و جنگ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ آپ کے محبوب کو آپ سے گلہ ہے کہ آپ کو اس سے محبت کم ہو گئی کچھ عرصہ بعد وہ کہتا ہے آپ کو اس سے محبت نہیں رہی وہ سمجھتا ہے آپ کو کسی تیسرے میں دلچسپی ہے آپ کہیں اور دلچسپی لے رہے ہیں، آپ قسمیں اٹھاتے ہیں، روتے چلاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے یہ اس کا وہم ہے خیال ہے لیکن یہ وہم آپ کے محبوب کے دل میں گھر کر گیا ہے، وہ آپ سے خوش نہیں ہے اب اسے آپ اچھے نہیں لگتے، اس کو آپ کے اندر ڈھیرے ڈھیرے ہزار نقص، ہزار قباحتیں دکھنے لگی ہیں، اب آپ کی شکل بھی اسے زہر لگنے لگی ہے وہ آپ کے Status سے بھی مطمئن نہیں ہے وہ آپ کو کہتا ہے کہ تم نے مجھے دیا ہی کیا ہے سوائے دھوکے، دکھ اور غم کے۔ اسے اردگرد کے لوگ بڑے خوش و خرم اور محبت کرنے والے، باصلاحیت، با اخلاق، باوفا اور نیک سیرت و خوبصورت لگتے ہیں لیکن آپ کی ذات کے اندر اسے دنیا بھر کی سفاکی، بے وفائی، مکاری، جھوٹا پن، فریب اور گندگی بھری ہوئی نظر آتی ہے آپ شاید کئی مہینے اور اگر آپ بڑے ڈھیٹ یا محبت کے بڑھیا پجاری ہیں تو کئی سال تک صورتِ حال کا بڑی جرأت، حوصلے بہادری، مستقل مزاجی اور یقین کے ساتھ مقابلہ کرتے رہتے ہیں اور کرتے ہی چلے جاتے ہیں لیکن ایک وقت آتا ہے کہ آپ کا محبوب چیخ چیخ کر آپ کو الگ کرنا چاہتا ہے اب اس کا آپ کے ساتھ دم گھٹتا ہے وہ اب آپ کو کسی بھی صورت اور برداشت نہیں کر سکتا وہ آپ سے التجا کرتا ہے کہ کسی بھی طرح مجھ سے دور چلے جاؤ، چاہے کچھ عرصے ہی کے لیے سہی، لیکن مجھے تنہا چھوڑ دو۔ آپ اس کی حالت کا اندازہ کرتے ہیں اور بادلِ ناخواستہ کچھ دنوں یا ہفتوں کے لیے اس سے دور چلے جاتے ہیں آپ کا وقت اس سے دور انتہائی اذیت سے کٹتا ہے ایک ایک دن مشکل سے گزارتے ہیں۔ جب واپس گھر آتے ہیں تو چند دنوں بعد پھر یہی ڈرامہ شروع ہو جاتا ہے اور الزام بہتان، لڑائی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ عزتِ نفس کا جنازہ نکل جاتا ہے یہ کھیل بار بار دھرایا جاتا ہے لیکن زندگی ہے کہ سانس نہیں لینے دیتی۔ آپ کی دنیا اندھیر ہو چکی ہے آپ کے چاروں طرف خزاؤں نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ پھول، خوشبو اور رنگینیاں اپنی حیثیت کھو چکے ہیں۔ آپ کو کوئی چیز اچھی نہیں لگتی نہ کوئی دوست ہے نہ عزیز نہ وقت گزارنے کے لیے کوئی مشغلہ کہ آپ کا دل ہی کسی بات میں نہیں لگتا۔ قہقہوں کی جگہ آنسوؤں نے لے لی ہے، خوشیوں کی جگہ آہیں ہیں، خیر کی جگہ شر ہے، کاروبار الگ ٹھپ ہے۔ نوکری سے فارغ ہونے کا امکان ہے کہ افسر کہتے ہیں تم نکمے ہو گئے ہو۔ دوست یار دور ہیں کہ تم چڑچڑے ہو گئے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

نکتہ:

اب ذرا سوچیے کہ یہ سب کیا ہے؟ وہ جو زندگی گزر گئی وہ کیا تھی؟ یہ جو گزر رہی ہے یہ کیا ہے؟ آپ بھی وہی ہیں آپ بے وفا نہیں ہوئے، آپ کا محبوب بھی وہی ہے وہ بھی بے وفا نہیں ہوا۔ وہ آج بھی آپ کو چاہتا، آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ

Marfat.com

دونوں اس بات کی شدید خواہش رکھتے ہیں کہ کاش وہ محبت بھرا زمانہ پھر آجائے۔ ہر طرح کے غم پریشانیاں، غلط فہمیاں اور انتہاء درجہ کی کوفتیں دور ہو جائیں کہ جن کی وجہ سے آپ کی زندگی جہنم بن چکی ہے۔لیکن امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، آپ کی ہر کوشش رائیگاں ہے، آپ کی ہر کاوش فضول ہے کیونکہ آپ خود کو ٹھیک سمجھتے ہیں گو کہ آپ اپنا محاسبہ کرتے ہیں لاکھ اپنی کوتاہیاں تلاش کرنے اور انھیں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آپ دونوں کو اپنے اندر خامی نظر نہیں آتی۔ البتہ اپنا محبوب بڑا ہی بے وفا اور ہزار برائیوں کا مرکز ومحوّر نظر آتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ جب عقل وفہم، کوشش وکاوش، دعا، منتیں، آنسو ومعافیاں، وردو وظیفے، رت جگے اور آہیں، خرد وفراست غرض ہوش وحواس کی کوئی شے کام نہ آئے حتیٰ کہ آسمان بھی محض خاموش تماشائی بن جائے تو پھر آپ کیا کہیں کہ یہ سب کیا ہے؟

آیئے بتاؤں یہ کیا ہے، (زندگی کے Dead Locks کیا ہیں؟ آیئے بتاؤں:

میرے دوستو یہ سب وقت کی کرامات ہیں۔ دراصل ہم سب نہ اچھے ہوتے ہیں نہ برے، نہ بہاروں میں کچھ دھرا ہے نہ خزاؤں میں، نہ کوئی بے وفا، نہ کوئی رحم دل ہے نہ کوئی ظالم، نہ کوئی محبت ہے نہ جدائی، نہ کہیں پر ملن ہے نہ وچھوڑا۔ نہ قہقہوں میں کچھ رکھا ہے نہ آنسوؤں میں۔ نہ قسمیں ہیں نہ وعدے، نہ احساس ہے نہ بے حسی۔ غرض زندگی ایک بے رنگ، بے کیف خلا محض ہے ساری کائنات ہوتے ہوئے بھی نہیں ہے۔ یہ دنیا جہاں کی بے شمار جہتیں ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہیں۔ اگر ان میں وقت طرح طرح کے پیارے پیارے اور دلکش وخوش کن و دلفریب رنگ نہ بھرے۔ زندگی میں تمام رنگ و بو ''وقت'' حکمِ ربانی سے بھرتا ہے جب وقت ہمارا ہوتا ہے تو ہم زندگی اور اس کے تحفوں سے بھر جاتے ہیں ہماری خوشیوں کے پیمانے لبالب ہو جاتے ہیں اور جب وقت ہمارا نہیں رہتا تو سب کچھ کی موجودگی میں ہمارا کچھ نہیں رہتا۔ اسے طبعی دنیا میں ''وقت'' ہی کی اصطلاح سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ حکم ربی یا امر ربانی ہے اور امر ربی کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے، نہ عام بندے کو اس پر سوچنے سے کچھ حاصل ہے نہ اللہ کی طرف سے اجازت۔ اسے رضائے الٰہی سمجھ کر قبول کرنے ہی سے زندگی کی گاڑی کو دھکیلا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر زندگی کا خاتمہ یا خودکشی کا ایک Option ہے لیکن اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور خودکشی کرنے والے کے لیے اگلے جہاں میں بھی کوئی رعایت نہیں ہے۔

نوٹ:

میں نے یہاں مرد وعورت، میاں بیوی، محبّ اور محبوب کی مثال اس لیے پیش کی ہے کہ یہ ہی تمام رشتوں کی جڑ۔ سب سے اول اور سب سے آخر رشتہ ہے۔ باقی رشتے تو دھوپ چھاؤں کی طرح ہماری زندگی میں آتے اور اپنے وقت پر چلے جاتے ہیں یہ ایسا رشتہ ہے جو ہم شعوری زندگی پر پہنچ کر قائم کرتے اور آخری سانسوں تک کسی نہ کسی طرح نبھاتے یا نبھانے کی تمنا کرتے ہیں۔

Marfat.com

وضاحت:

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باقی زندگی پرسکون ہے اور وہاں یہ ''قانون وقت'' لاگو نہیں ہوتا، نہیں قطعی ایسا نہیں ہے بلکہ یہی ''قانونِ مہر وقہر وقت'' زندگی کے ہر رشتے، ہر گوشے، ہر روش، ہر راستے اور ہر ہر سانس پر پورے جبر کے ساتھ اور اختیار کے ساتھ حاوی اور جاری وساری ہے۔

مزید تفصیل:

مندرجہ بالا ساری صورتِ حال کو مرد وعورت سے اٹھا کر دو دوستوں، باپ بیٹے یا اولاد، ماں واولاد، بہن بھائی، بادشاہ وگدا، آقائی وغلامی، قوموں کے عروج وزوال، کسی کی ترقی وتنزلی، صحت ومہلک بیماری، اپنے یا کسی کے بچپن، جوانی بڑھاپے پر، زندگی کے مختلف ادوار پر، تاریخ کے مختلف زمانوں پر، مذاہب کی کہانیوں پر، ہیروز کی زندگیوں پر، عظیم فاتح شخصیات کی آپ بیتیوں پر، بے حد مایوس بوڑھے راستے میں بیٹھے فقیر پر، حسن کے بازاروں اور کوٹھیوں، چوباروں پر، شرفا کی داستانوں پر، مزاروں پر مست پڑے ہوئے ملنگوں پر، کسی حسن کی کھنڈر عمارت پر، اونچے شملے والے کے عذاب بڑھاپے پر، اونچی مونچھوں والے کی خوار آخرت پر، خونخوار بدمعاش کی کال کوٹھڑی پر، آنکھوں کے سامنے پیدا ہوتے بچپنہ کھیلتے سکول وکالج جاتے اور پھر کفن میں لپٹے بیٹے پر۔ غرض چاند پر سورج پر، ستاروں پر جہاں چاہے لگا کر دیکھیں یہ ''قانون مہر وقہر وقت'' عین فٹ بیٹھے گا اور آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے کہ یہ کیسا قانون ہے کہ جس کا ایک رخ رحمت ہے اور دوسرا رخ زحمت ہے نہ ہمیں اس کی عطاؤں پہ کوئی اختیار نہ اس کی قہر سامانیوں پہ کوئی دسترس۔ ہمیں گدگدائے تو ہم ہنسنے لگ پڑیں، ہمیں جلائے تو ہم رونے لگ پڑیں۔

حقائق اور دلائل کیا ہیں؟ (اگر تقدیر وقت یوں ہے تو پھر تدبیر کہاں ہے؟):

ہم اس نظریے پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اگر وقت ہی سب کچھ ہے تو پھر یہ دنیا جہاں کے حقائق کیا ہیں یہ دلائل کے لگے ہوئے انبار کیا ہیں؟ قوموں نے محنت کی، ترقی کی، کام سے، جی چرایا، خائن بنی تو تباہ ہوگئیں۔ ٹھیک ہے کسی کو بچپن میں گود کھلائے، لکھائے، پڑھائے بیٹے کی میت دیکھنا پڑی۔ اس پر بیماری نے حملہ کیا بروقت علاج نہ ہو سکا یا وہ کسی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا بھلا اس میں وقت کا کیا کردار؟ کسی شخص کی اولاد ناخلف نکلی، احباب نے وفا نہ کی وہ اگر بڑھاپے میں بھیک مانگتا پھرتا ہے تو اس میں وقت کا کیا قصور؟ کوئی گداگر، اگر اپنی محنت، کوشش یا چالاکی، مکاری، عیاری اور سیاست بازی کی وجہ سے بالآخر بادشاہ بن گیا یا کوئی بادشاہِ وقت اپنی غلط پالیسیوں اور نالائقیوں کی وجہ سے ہوتے ہوتے فقیر گداگر ہو گیا تو وقت کو کہاں سے آقائی حاصل ہوگئی؟ میاں بیوی مل جل کر چلے یا محبوب ومحبّ نے ایک دوسرے سے وفا کی تو دنیا جنت بن گئی جب انہوں

Marfat.com

نے بے وفائی کی روش اختیار کی ایک دوسرے کے ساتھ Fair نہیں رہے تو لڑائی جھگڑے ہوئے، بربادی در آئی اس میں بھلا وقت کی کیا سرداری؟ سورج صبح طلوع ہوتا ہے دن کو خوب چمکتا ہے، شام کو غروب ہو جاتا ہے یا چاند اور تارے رات کو خوبصورتی بکھیرتے دن کو غائب ہو جاتے ہیں تو وقت کی ان پر کیا کمان Command؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح سے ہر سوال کا متعدد دلائل سے جواب دیا جا سکتا ہے اور حقائق بیان کیے جا سکتے ہیں لیکن درحقیقت یہ دلائل کا انبار یہ حقائق کے ذخائر یہ سب ''پردے'' ہیں بہت دبیز پردے اور تہہ در تہہ پردے اگر یہ پردے نہ ہوں تو کوئی خدا کو کیوں کر نہ دیکھ لے۔ وہ ہمیشہ اپنی قدرتوں میں نظر آتا ہے، اپنے کاموں سے پہچانا جاتا ہے۔

یاد رکھیئے، جہاں Dead Lock آ جائے وہاں خدا ہے، ہر انوکھی بات میں خدا ہے:

جہاں Dead Lock آ جائے وہاں خدا ہے۔ جہاں سب کچھ ہوتے ہوئے کام نہ بنے وہاں خدا ہے، جہاں بندہ میڈیکلی فٹ فاٹ، صحت مند و چست ہے جان نکل گئی وہاں خدا ہے۔ جہاں جذبے دونوں طرف موجود ہیں انسان نہیں بدلے حالات بدل گئے ہیں عقل، سمجھ، کوشش، اسباب، آنسو، صفائیاں دلیلیں، موشگافیاں کام نہیں کرتیں مہر کی جگہ قہر آ گیا ہے وہاں خدا ہے۔ جہاں ارادے بن کے بے وجہ ٹوٹ جاتے ہیں وہاں خدا ہے (یہ قولِ حضرت علیؓ بھی ہے کہ میں نے خدا کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا) جہاں ہاتھ لب ثمر ہے لیکن گڑھ جائیں ہاتھ میں کانٹے وہاں خدا ہے۔ جہاں فرعون تخت سے اٹھ کر دریا میں مع فوج کے جا ڈوبے وہاں خدا ہے۔ جہاں لشکر موسوی دریا سے خشک نکل آئے وہاں خدا ہے۔ جہاں بنے کام بگڑ جائیں وہاں خدا ہے اور جہاں بگڑے کام اچانک بن جائیں وہاں خدا ہے۔ شاہ کو گدا بنانے والا خدا ہے۔ گدا کا شاہ بن جانا حکم خدا ہے۔ پھل دار شاخ ٹوٹ جائے تو وہاں خدا ہے۔ میت قبر میں اترنے سے پہلے جاگ اٹھے تو وہاں خدا ہے۔ بادشاہوں کے جہاز گر پڑیں تو وہاں خدا ہے۔ مالک کو اس کا ملازم و محافظ قتل کر دے تو وہاں خدا ہے۔ ڈوبتے کو اگر دریا باہر پھینک دے تو وہاں خدا ہے۔ کسی وبا سے ایک ہی گھر گاؤں یا شہر میں سے لوگوں کو چن چن کر ختم کر دیا جائے جبکہ دائیں بائیں والے بخیریت رہیں تو وہاں خدا، ایک ہی گاڑی کے ایکسیڈنٹ میں دو مر جائیں، دو بچ جائیں تو وہاں خدا ہے۔ لوگوں کے دلوں پہ حکومت کرنے والی حسن کی دیوی عمر ڈھلتے ہی کاسۂ گدائی پکڑ لے تو وہاں خدا ہے۔ کتا مار کھا کھا کر مالک کا گھاٹ نہ چھوڑے تو وہاں خدا ہے بے وفا محبوب کیساتھ وفا کی کوئی انتہا کرے تو وہاں خدا ہے۔ دل پہ تیر کھا کھا کر نڈھال ہو جانا اور دعا دینا کیا ہے وہاں خدا ہے۔ بیٹے نے ماں کا دل محبوبہ کے لیے نکال لیا، جاتے جاتے گر پڑا۔ دل سے صدا آئی، میرے پیارے بیٹے کوئی چوٹ تو نہیں لگی، میں صدقے میں واری، لوگو بتاؤ یہ کیا ہے یہ خدا ہے۔

الغرض! لکھتے جایئے تو دنیا بھر کے قلم خشک ہو جائیں اور خدا کے کلمات ختم نہ ہوں کیونکہ جہاں خدا ہے وہاں کسی چیز کی کوئی حد نہیں۔

Marfat.com

ہمیشہ یاد رکھیئے! جہاں لاکھ کوشش کے باوجود کوئی بات سمجھ نہ آئے، کوئی وجہ سمجھ نہ آئے، کوئی دوا اثر نہ کرے، کوئی دعا اثر نہ کرے، کوئی دلیل نہ چلے، کوئی اختیار نہ چلے، کوئی بات سمجھ نہ آئے، بس عجز، شکست، مجبوری، لاچاری، درماندگی، شرمندگی اور حیرانگی ہی حیرانگی رہ جائے وہاں سمجھئے کہ وقت کی طاقت مصروف عمل ہے۔ عطا کا وقت آئے تو خوب نشے لیجیے، عیش کیجیے، نشاط منایئے، زندگی کو بھرپور (لیکن اللہ کی حدود کے اندر) طریقے سے گزاریئے کہ وقت آپ کے پاس ہے (یہ اللہ کی طرف سے مہلت وقت ہے) بس یہ وقت آپ کا ہے اس میں آپ کا دامن بمطابق مقدر بھر جائے گا اور جب وقت کسی بھی کام کے لیے ختم ہو جائے تو سب کچھ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کے لیے اب اس معاملے میں کچھ نہ ہوگا۔ وقت کبھی جزوی اور کبھی کلی طور پر اپنا ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی جزوی یا کلی طور پر آپ کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ چاہے آپ جتنے جتن کریں یہ آپ کے ہاتھ پھر نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ کوئی معجزہ کر دے۔

اختتامیہ (امر ربی میں عقلیں گم ہیں):

یہ سمجھ نہ آنے والی چیزیں کیا ہیں؟ یہ وقت کا فلسفہ کیا ہے؟ جہاں پر ان پانچ حواس کی حد ختم ہو جاتی ہے، جہاں عقل و فہم اور قوت وطاقت کے پر جلنے لگتے ہیں کہ جہاں اس کے اُڑنے کے لیے ہوا ہی نہیں ہے۔ وہاں اللہ کی دیگر حکمتیں شروع ہو جاتی ہیں جن کے جاننے کے لیے (جتنا ادراک خدا دینا قبول فرمائے) روحانی حواس کی ضرورت ہے۔ دل کی کثافت صاف کرنے اور اللہ واحد ولاشریک کے عشق میں فنا ہونے کی ضرورت ہے۔ بھائی اس سے آگے خضرؑ والا علم لدنی ہے، اور روحانیت کے نہایت ہی اعلیٰ مقام پر بفضل ربی اس کا حصول ممکن ہے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 6

کیا ہم زمان و مکاں Time & Space کی قید سے باہر نکل سکتے ہیں، کیا ہم ماضی حال و مستقبل میں بغیر مادی ذرائع یا وسائل کے سفر کر سکتے ہیں اور کیا اب اللہ تعالیٰ ہدایت نازل فرماتے ہیں؟

یہ بہت بڑے بڑے سوالات ہیں۔ آیئے ان کی چھان بین کرتے اور معلوم کرتے ہیں کہ حقیقت کو ہم کتنا جانتے ہیں۔ یہ اوپر جتنے بھی سوالات تحریر کیے گئے ہیں دراصل ان کی حقیقت ایک ہی ہے کہ ہم زمان و مکاں سے باہر نکل سکتے ہیں یا نہیں۔ باقی سوالات کا حل اسی کے احاطے میں آجائے گا۔

جہاں تک زمان و مکاں کا تعلق ہے جب تک ہم ان پانچ حواس میں رہتے ہیں، جسے شعور یا ہوش کی دنیا کہتے ہیں۔ جس میں ہمیں بیداری کی حالت میں واسطہ پڑتا ہے ہم زمان و مکاں سے آزاد نہیں ہو سکتے (گو کہ کہا جاتا ہے کہ ایک منزل وہ بھی آتی ہے کہ جس میں شعور و لاشعور یا مکان و زماں اور لامکاں و لازماں تمام حواس بیک وقت کام کرتے اور ہم دونوں دنیاؤں کی خبر رکھ سکتے ہیں لیکن مجھے ابھی اس کا تجربہ حاصل نہیں)۔ جب ہم نیند، اونگھ یا مراقبے کی حالت میں ہوتے ہیں تو ہم دوسری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں، وہاں ہمارے دیگر حواس کام شروع کر دیتے ہیں جن کا تعلق گو کہ کسی خفیہ اسرار کے ذریعے سے ہمارے دماغ یا ذہن سے بھی ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ روح کی دنیا ہے جو کسی مادی واسطے کی محتاج نہیں ہے اور از خود بحکم ربی کام کرتی ہے۔ اس کا تعلق ہمارے جسم و حیات سے اس لیے جڑا رہتا ہے کیوں کہ ہم زندہ ہیں۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ حواس کام شروع کر دیتے ہیں لیکن ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں، ہماری روح کہاں کہاں سفر کرتی ہے (یاد رہے روح، ذات، شخصیت یا Personality ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں جو ہم اصل میں ہیں یعنی اصل انسان وہی ہے باقی سب لباس مادی ہے یہ جو ہم لفظ ''میں'' استعمال کرتے ہیں یہ اصل میں وہی روح یا ذات ہوتی ہے) ہماری روح کہاں چلی جاتی ہے ہم ذاتی طور پر کن کن دنیاؤں کی سیر کر رہے ہوتے ہیں اور کن علوم کے عجائبات میں غرق ہوتے ہیں ہم کچھ نہیں جانتے کیونکہ ہماری ہوش کی دنیا اور اُدھر کی دنیا کے درمیان میں آڑ ہے، پردہ ہے بلکہ کئی دبیز پردے ہیں جنھیں ہم عام حالات میں محسوس بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں ان کا ادراک ہی حاصل نہیں ہے ہم تو تھکن دور کرنے کے لیے نیند کو زندگی کا لازمی حصہ سمجھتے اور اپنی ضرورت سمجھ کر سو جاتے ہیں اور جب اٹھتے ہیں تو اگر نیند خوب گہری اور ضرورت کے مطابق پوری ہو جائے تو اگلے دن صبح تر و تازہ اپنی زندگی کے معمولات کے لیے Charge ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے ہماری زندگی میں نیند کی ضرورت و اہمیت اور

Marfat.com

افادیت ومقام۔ ٹھیک ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نیند سے کیوں کہ ہمارے شعوری، جسمانی اعضاء آرام پاتے ہیں، اس لیے ہم یقیناً Fresh ہو جاتے ہیں اور اس اعتبار سے یہ ہمارے لیے ضروری اور ہماری زندگی کا حصہ ہے۔ لیکن بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی، ہمیں نیند کے دوران اُدھر کی دنیا کی کچھ جھلکیاں کبھی کبھی خواب کی صورت میں جاگنے پر یاد رہ جاتی ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ''میں نے آج فلاں خواب دیکھا'' اور اکثر اپنے قریبی عزیزوں کے سامنے اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ قدرت کے بہت بڑے بڑے عجائبات ہیں۔ روحانی مشقوں، سانس کی مشقوں، یوگا پریکٹسز، شمع بینی، ایک نکتہ پر ارتقاز توجہ، بغیر پلک جھپکائے کھلی آنکھوں کسی شے کو مسلسل گھورنے کی مشق، ہپناٹزم، مسمریزم، جنتروں، منتروں، تنتروں سے۔ حروف اور اعداد کی طاقتوں سے، یقینِ کامل کے زور پر، نگاہ کی قوت سے، مختلف ٹونوں ٹوٹکوں سے، دنیا کی مختلف زبانوں کے اپنے مختص اور ارتکاز کیے ہوئے کلمات سے اور جو ہمیں ابھی تک معلوم نہیں۔ ان دماغی پراسرار قوتوں سے ہم بہت کچھ، کثیر جہتی، متنوع اقسام اور مختلف ومتعدد قسم کی روحانی قوتیں حاصل کر سکتے ہیں اور ان پر پریکٹس حاصل کر کے شاندار نتائج کی توقع کر سکتے ہیں۔ لوگ ان تمام میدانوں میں آگے بڑھ رہے ہیں، عمل کر رہے ہیں اور اپنی اپنی کوشش، مہارت، اعتقاد، ہمت، ایمان اور حوصلے ومشق سے ان میدانوں کے علوم وفنون سے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ کوئی منفی تو کوئی مثبت کام لے رہا ہے۔ کسی نے اسے کاروبار بنا رکھا ہے تو کوئی شوقیہ طور پر عمل پیرا ہے۔

خصوصی علوم کے حوالے سے از راہ تذکرہ، کچھ اپنا ذکر:

مجھے ان تمام یا ان میں سے اکثر علوم کا کچھ نہ کچھ علم ضرور ہے۔ کسی کا زیادہ تو کسی کا کچھ کم۔ کیونکہ جیسا میں نے پہلے ذکر کیا کہ مجھے طبعی طور پر ان علوم کا شوق شروع سے رہا ہے کہ میں ہمیشہ سے پراسرار علوم کا شائق رہا ہوں۔ چنانچہ میں ان علوم پر جہاں سے کوئی کتاب ملتی اسے پڑھتا، جہاں شوق پیدا ہوتا وہاں پریکٹس کرتا۔ ان علوم کی ماہیت، بناوٹ، مخفی نکتوں اور اسرار پر غور وخوض کرتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا ظاہر ہے ہر انسان کے دیگر لوازماتِ حیات بھی ہوتے ہیں جو کبھی اسے زیادہ اور کبھی قدرِ کم مصروف رکھتے ہیں بلکہ کچھ نجی ومعاشرتی مسائل اسے پریشان بھی کرتے رہتے ہیں اور ہر بندہ کئی قسم کے صدمات سے دوچار ہوتا ہے اور بیماری، سستی بھی ساتھ ہی ہے تاہم جب جب اور جتنی جتنی زندگی نے مہلت دی میں ان علوم کے پیچھے بھاگتا رہا ہوں۔ ایک چیز طبیعت کی کسی کام پر آمادگی بھی ہوتی ہے ظاہر ہے اس کے بغیر آدمی کوئی کام نہیں کر سکتا، چنانچہ اس آمادگی کے فقدان نے بھی طویل رخنہ اندازیاں کی ہیں۔ مختصر یہ کہ گو کہ میں نے مندرجہ بالا کسی علم یا فن میں کوئی اختصاص تو حاصل نہیں کیا لیکن واقفیت ضرور حاصل کی۔ میں دراصل خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہا، مجھے کوئی ایسا علم درکار تھا جو یا تو سب علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہو یا زیادہ سے زیادہ علوم پر کم از کم حاوی ہی ہو یا پھر سب سے افضل Master Knowledge ہو۔

ایک ذکر اور کر دوں کہ مختلف قسم کے چلوں اور خود کو اذیت میں مبتلا کرنے والی رہبانیت یا یوگ کے کئی قسم کے

Marfat.com

کھا ہے، مشقتیں اور جانکاہ قسم کے مراحل بھی اسی دنیا کا حصہ ہیں۔زندگی گزرتی چلی گئی لیکن مجھے زندگی کے گزرنے اور وقت کا پہیہ تیزی سے گھومنے کا بہت احساس تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں زندگی ضائع ہی نہ چلی جائے اور میں منزل مراد پر پہنچ ہی نہ سکوں اس لیے میں جلد از جلد کسی مخصوص روحانی علم یا پریکٹس کو پختگی سے اپنا لینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف جانے کیوں میری زندگی کے ساتھ متعلقہ مسائل مجھے موقع ہی نہ دیتے تھے کہ میں آگے بڑھ سکوں، کچھ کر سکوں اور توڑ چڑھ سکوں۔ میں جوں جوں اپنی منزل کی طرف بڑھتا (بلکہ اب بھی یہی حال ہے) کوئی پراسرار قوت میرے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتی جاتی، میں جتنا زور لگاتا یا خواہش جتنی شدید ہوتی رکاوٹ بھی اتنی ہی بڑی اور مضبوط ہوتی حتیٰ کہ میں اپنے منشا کی عملی زندگی، آزادیِ عمل، دوست احباب اور منشا و مرضی سے تقریباً دور ہو گیا۔ بہرحال یہ تو ایک الگ Topic ہے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ کا مشن عظیم ہے اور آگے بڑھنے کی تڑپ شدید ہے تو مخالفت اور رکاوٹ بھی اسی نسبت سے شدید تر ہوگی یہ بھی خدا کا عجیب قانون ہے۔ بہرحال میری زندگی کے ساتھ کچھ پراسرار ماجرا ہے جس کا ذکر اگر حکم ربی ہوا تو اور کسی جگہ کروں گا۔

مجھے اللہ نے اپنی ہر نعمت سے نوازا اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے لیکن یہ اس کی حکمت کا تقاضہ تھا کہ میری راہ عمل بے لگام نہ تھی بلکہ اس نے لگام تھامے رکھی۔

میرے والد صاحب گو کہ پیشہ کے اعتبار سے سول انجینئر تھے لیکن ان کا شوق جو میں سمجھتا ہوں عشق کی حد کو پہنچا ہوا تھا، مطالعۂ اسلام تھا اور اختصاص کے ساتھ اگر ذکر کیا جائے تو وہ عاشقِ قرآن تھے۔ میں نے انھیں کبھی قرآن کے مطالعے سے اکتائے ہوئے نہیں دیکھا۔ انسان کی فطرت ہے کہ چاہے قرآن مجید ہی کیوں نہ ہو اگر آپ حد اعتدال سے زیادہ مطالعہ کرتے رہیں تو آپ یکسانیت سی محسوس کرنے لگتے ہیں اور یکسانیت جلد یا بدیر آدمی کو کام سے بددل کر دیتی ہے لیکن آفرین ہے ان پر اور اللہ کے احسان کا کیا کہنا کہ حقیقی تعریف اسی رب کو زیبا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اگر کام (سروس) سے سال یا دو سال کی طویل چھٹی پر بھی ہیں تو سخت گرمی کے موسم میں، سخت سردی میں، بیماری میں، غم والم میں غرض ہر قسم کے خوشی و غم میں قرآن سے چمٹے بیٹھے ہیں۔ تدبرِ قرآن ان کا موضوع حیات تھا اور الماریوں کی الماریاں کتبِ تفسیر، حدیث، تاریخ اسلامی، فقہ اسلامی وغیرہ کے عربی، انگریزی و اردو اور کچھ مگر بہت کم فارسی اسلامی کتب سے بھری پڑی ہیں۔ اس کے علاوہ ہومیو ڈاکٹر تھے (صرف تعلیم حاصل کی تھی Publically پریکٹس نہیں کی) اور ہومیوپیتھی پر بھی بہت سی کتب ان کی ذاتی لائبریری کا حصہ تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب 2003ء نومبر میں اپنی وفات سے تقریباً سال ڈیڑھ سال قبل ان کی نظر کمزور ہوتے ہوتے بالکل ختم ہوگئی اور وہ کچھ پڑھنے کے قابل نہ رہے تو انہوں نے باترجمہ تلاوتِ قرآن مجید کے کیسٹس کا پورا سیٹ منگوایا اور کچھ صوفیانہ کلام (جس میں توحید الٰہی بیان کی گئی تھی) جو کہ وہ ٹیپ ریکارڈر پر سنا کرتے تھے کیونکہ قرآن ان کی روح کی غذا تھی۔

یہاں یہ ذکر اس لیے آ گیا کہ ایسے باپ کا بیٹا ہونے کے باوجود میں مذہب سے صرف واجبی تعلق ہی رکھتا تھا بلکہ

Marfat.com

نماز بھی باقاعدگی سے نہ پڑھتا تھا، میرے والد صاحب نے بچپن میں گو کہ قرآن پڑھانے کی کوشش بھی کی اور نماز کی تاکید بھی کرتے رہے لیکن وہ قرآن معنی و تفسیر سے پڑھانا چاہتے تھے چونکہ ان کا نظریہ تھا کہ صرف قرآن ناظرہ پڑھ لینا اور اسے محض ثواب کی غرض سے دہراتے رہنا کافی نہیں ہے اصل شے اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اسی طرح ان کا خیال تھا کہ نماز بھی زبردستی پڑھانے کی چیز نہیں ہے بلکہ شوق اور ایمان کے ساتھ پڑھنے ہی کا نام نماز ہے۔ بہرصورت میں اکثر پاکستانیوں کی طرح نام کا ہی مسلمان تھا، پیدائشی اور رسمی مسلمان، باقی میرے اندر کوئی مذہبی رنگ بظاہر موجود نہ تھا۔ خدا رسول ﷺ اور قرآن مجید پر دل سے ایمان و یقین ہر مسلمان کی طرح ضرور تھا البتہ دنیوی لحاظ سے کئی ڈگریاں لے چکا تھا۔ میں اپنی عملی زندگی میں آ چکا تھا اور میری رہائش بھی عرصہ دراز سے والد صاحب سے الگ تھی (بوجہ سرکاری ملازمت) اور میری زندگی اپنی ترجیحات اور رجحانات کے مطابق جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے جاری و ساری تھی اور میں ''حق'' کی تلاش میں تھا کہ کونسا علم سب سے بلند اور تمام علوم کا سردار، سب کا احاطہ کرنے والا ہے کہ جسے میں پڑھوں، سمجھوں اور سرپٹ بھاگ پڑوں۔

اسی اُدھیڑ بُن میں میری زندگی کا چالیسواں سال شروع ہوا:

یہاں پر ایک بڑی ہی عجیب بات ہوئی کہ میں جو مذہب سے واجبی تعلق رکھنے والا شخص تھا، اچانک زندگی کا چالیسواں سال شروع ہوتے ہی نہ جانے کیسے میرے دل کی دنیا تبدیل ہوتی چلی گئی، دفعتاً میرا رجحان مذہب کی طرف ہو گیا۔ قلب کی کیفیت کی اس تبدیلی کو یقیناً الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق احساس سے ہے اور دل کی دنیا ہے۔ اب اسے جینز کا اثر کہیں، والد صاحب کی دعا کہیں، پیشوا کی نظر کہیں، دربار نبوی ﷺ سے سفارش کہیں جو بھی نام دیں اللہ پاک کا خاص فضل و کرم ہوا کہ دل کی دنیا بدل گئی۔ نہ صرف میں نے نماز و روزے کا پورا اہتمام شروع کر دیا بلکہ اپنے دائیں ہاتھ میں بفضل تعالیٰ قرآن کو مضبوطی سے تھام لیا اور بائیں ہاتھ میں مولانا روم کی مثنوی پکڑ لی۔ میں نے قرآن نہ صرف ناظرہ پڑھا بلکہ والد صاحب کی اکثر مذہبی کتب و تفاسیر قرآن جو مجھے ورثے میں ہاتھ آئیں تھیں ان کا دلجمعی سے مطالعہ شروع کر دیا اس مطالعہ کی رفتار الحمدللہ یوں تھی کہ جیسے کل پتہ نہیں زندگی کا دن باقی ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تادم تحریر ان کی 90% کتب جو مجھے مہیا ہو سکیں پڑھ اور سمجھ چکا ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور کہیں سے جو بھی کوئی کام کی کتاب یا تفسیر ہاتھ لگی تو اسے بھی پڑھنے کی کوشش کی۔ یوں لائبریریاں کھنگالیں، الماریاں ٹٹولیں، ہر ہر طرح کے علمی امکانات و مشاہدات کے لیبیرٹی کوشش کی، پاپڑ بیلے، نفس کشی کی۔

اصل موضوع کی طرف واپسی:

قرآن فہمی کے بعد اور مولانا رومؒ کی مثنوی (یہ انہوں نے بہت کام کی چیز لکھی ہے، میں نے جتنے بھی مذہبی اسکالرز، آئمہ کرام اور فلسفہ دانوں کو پڑھا ہے مولانا روم کا مقام سب سے بلند ہے) کو پڑھنے کے بعد میرے اندر بہت اہم تبدیلی واقعہ

Marfat.com

ہوئی۔ میری منزل تو معرفتِ خداوندی ہے لیکن مجھے وہ راستہ ضرور مل گیا جس کی مجھے سال ہا سال سے تلاش تھی اور جس کے لیے میں ہمیشہ سے بے تاب تھا۔

دراصل میں نے اس بحث کے آغاز میں جتنے روحانی علوم گنوائے ہیں، جن میں تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ دنیا بھر میں پریکٹس جاری ہے۔ جن سے لوگ کسی نہ کسی طرح مستفید ہو یا مستفید کر رہے ہیں اسی طرح ان سے لوگوں کو نقصان بھی پہنچایا جا رہا ہے۔ گویا کہ یہ ایک کاروبار ہے جو جاری ہے لیکن مذہب، دین یا اصل روحانی دنیا اس سے بہت زیادہ افضل اور الگ چیز ہے۔ وحیِ الٰہی اور کشف والہام کے علاوہ جو روحانی علوم ہیں وہ مومن و کافر اور بلا تخصیص رنگ و نسل یا مذہب و ملت سب کی دسترس میں ہیں یعنی یہ دیگر سائنس وفلسفہ کی طرح کے علوم ہیں جو کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ چاہے وہ شیطان ہے یا فرشتہ صفت ہے، ان کے حصول میں کسی کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ان علوم کے ذریعے بھی جہاں تک کہ مستقبل بینی، ماضی کا ادراک یا زمانۂ حال میں کسی شخص کا ذہن پڑھنے کے معاملات ہیں یا کسی کو جائز و ناجائز طور پر نفع یا نقصان پہنچانے کے امور ہیں اثر انداز ہوا جا سکتا ہے لیکن ان کی دسترس بہر حال محدود ہے۔ کیونکہ شیاطین کو (اگر انھیں غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے) ایک حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں اور جہاں اصل بندۂ مومن کی نگاہ پڑتی ہے یعنی حکم خدا آتا ہے ان علوم کے اثرات کا پتا پانی ہو جاتا ہے۔ چونکہ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ جب حق آتا ہے تو باطل رخصت ہو جاتا ہے اور جب نور ظہور فرماتا ہے تو اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ پس اصل علم ''روحانی نور'' ہے اور دیگر علوم ماورائی محض علوم ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھ رکھا ہوگا کہ طاقتور ترین روشنی کا بلب بھی سورج کی روشنی کے سامنے اپنی حیثیت وافادیت کھو دیتا ہے اس کا جلنا نہ جلنا اور اس کی روشنی کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے کیونکہ سورج کی روشنی کے ہوتے ہوئے کسی اور روشنی کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اصل نورِ روحانی جو وحیِ الٰہی یا آسمانی کتب یا یوں کہیں کہ اپنی جدید ترین شکل میں قرآنِ خالص سے حاصل ہوتا ہے وہ تصنع و بناوٹ کو یوں کھا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی حکم الٰہی سے نظر بندی والے سانپوں کو کھا گئی تھی۔

آیئے اب اصل روحانی نورانی دنیا کی بات کریں:

میں کوئی مفکر نہیں ہوں نہ ہی صوفی یا ولیِ وقت ہونے کا دعوے دار ہوں، نہ میں مجدد نہ مجتہد ہوں۔ ہاں صالحین، مومنین اور محمد ﷺ بن ابراہیمؑ کے پاؤں کی خاک کی تلاش میں رہتا ہوں کہ کہیں مل جائے تو اسے آنکھوں کا سرمہ بنا لوں، بس یہی میری حقیقت ہے۔

مجھے اب تک کے تدبر قرآن، محبتِ رسول ﷺ اور عطائے اللہ رب العزت سے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ گواہیاں عین الیقین پر مبنی ہیں) کہ اللہ قادرِ مطلق کی ذات (God The Almighty) موجود ہے، اپنی تمام تر صفات کے ساتھ اور جو صفات آیت الکرسی میں بیان کی ہیں ان کے ساتھ

Marfat.com

موجود ہے جو اس کے ساتھ محبت اور عشق کرتے ہیں اور اس میں ہر رکاوٹ وقربانی کو خاطر میں لائے بغیر آگے بڑھتے اور بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی تمام عمر، تمام صلاحیت، تمام محبت، تمام قابلیت، تمام عیش وآرام اس کی تلاش میں کھپا دیتے ہیں اور اس سے آنسوؤں، آہوں، سسکیوں کے ساتھ کہ جو دل کی گہرائی، نیت کی صفائی، عمل کی حقانی اور تقویٰ کی سچائی سے نکلتے ہیں بار بار اور عمر بھر دعا کرتے ہیں کہ الٰہی ہماری راہنمائی کر، ہمیں ہدایت دے، ہمیں فلاں مسئلے کا حل بتا، ہمیں نور عطا کر، غرض جو بھی غرض وغایت رکھتے ہیں اللہ جب چاہے، جیسا چاہے اور جتنا چاہے قبول فرماتا ہے، کبھی تو خواب میں جواب ملتا ہے کہ کسی تمثیل سے سمجھایا جاتا ہے کبھی رویا (سچا خواب) ہوتا ہے، کبھی کشفی نظارہ ہوتا ہے، (بیداری اور نیند کے درمیان کی حالت)، کبھی کوئی ولی اللہ، امام، یا صحابی رسول ﷺ یا کوئی اور پیغمبر خواب میں آکر ہدایت پہنچاتے ہیں۔ کبھی اللہ مہربانیٔ خاص پر آمادہ ہو تو کسی نبی یا رسول اللہ ﷺ کی زیارت، کلام یا ساتھ علم وہدایت نصیب ہوتے ہیں۔ تو کبھی .... دل سنبھالیے کہ دل سمجھنے کی، کان سننے کی، نظر پڑھنے کی، دماغ یقین کرنے کی اور اہل دنیا تسلیم کرنے کی تاب نہ لاسکیں گے کہ **کبھی اللہ رب العزت کشف کے ذریعے کشفی نظارے کے ذریعے اپنے بندے سے گفتگو فرماتے اور تمثیلی انداز میں ہاتھ ملاتے ہیں:**

اس بات کی گواہی میں اس ایمان ویقین سے دیتا ہوں کہ جس ایمان ویقین کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی پاکؐ کے واقعہ معراج کی گواہی بغیر آنکھوں سے دیکھے دی تھی۔ کیونکہ یہ سعادت جس ہستی عاشقِ الٰہی کو نصیب ہوئی اور مجھ تک مستند طریقہ سے پہنچی اس کی بات پر میرا یقین، عین الیقین کو پہنچا ہوا ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ یہ علم وآگہی اور عرفان کے خزینے کیا کسی اور طرح سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جن میں شیطان کچھ ملاوٹ کرنے کی مجال نہیں رکھتا۔

اللہ کی راہ میں سفر کے لیے شرائط:

اللہ کی راہ میں سفر کرنے کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ اللہ پر ایمان کامل ہو، آسمانی کتب، تمام فرشتوں، تمام رسولوں اور روزِ آخرت (جزا وسزا) پر کامل ایمان ہو۔ قرآن پاک کو دل اور عمل میں بسا رکھا ہو۔ امام نبی محمد ﷺ بن ابراہیم ہوں، رضائے الٰہی پر طبیعت خوش رہے، قربانی تن من دھن کی دے سکے۔ ہر عمل میں قربانی موجود ہو۔ ایثار موجود ہو، خلق خدا کے لیے جیے نہ کہ اپنے لیے۔ غرض اپنا سب کچھ خدا کے آگے علم وعرفانِ الٰہی کی غرض سے غیر مشروط طور پر بیچ دے۔ حتیٰ کہ اللہ کے ہاں سے کچھ حاصل نہ ہو تو بھی اپنا سب کچھ اس ربِ عظیم کے سپرد کر دے۔ سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹانے کے عوض اگر آنسو ملیں، آہیں ملیں، بدنامیاں ملیں، بے عزتیاں ملیں، مار دھاڑ ملے، تمہاری کھال اتاری جائے، تمہیں ہاتھی روند دیں یا تمہارے بدن میں ناسور ہو جائے اس میں کیڑے پڑ جائیں، دنیا تمہارا اندازاق اڑائے، لوگ تم پر لعن طعن کریں، بھوکے رہو، ننگے رہو، صدا بے مراد رہو، جس شے کو ہاتھ ڈالو مٹی بن جائے، دریا کی طرف بڑھو خشک ہو جائے، جان سے پیارا محبوب تم پر لعنت کرے تمہارے دل

Marfat.com

کو چیرے تمہیں کتے سے بدتر سمجھے، تمہارے بچے تم سے نفرت کریں، بیوی دھتکارے، دوست دلشکنی کریں، غرض نہ آسمان پناہ دے نہ زمین جگہ دے حتیٰ کہ تمہاری بوٹی بوٹی بھی کر دی جائے تو تمہارا ایمان نہ ڈگمگائے۔ تمہارا یقین سرِ مو کم نہ ہو اور تمہارا عشق ربِ ذوالجلال والاکرام کم نہ ہو۔

تب اگر رب چاہے کیونکہ اختیار اس کے پاس ہے:

تب اگر رب چاہے اور جتنا یا جس قدر چاہے تمہیں علم و حکمت، عرفانِ حق، قبولیت، علمِ لدنی، اپنے کلمات میں سے عطا کر سکتا ہے اور جیسے چاہے اپنے خزانوں میں سے خزانے بھی دونوں جہانوں کے لیے عطا کر سکتا ہے اور اگر نہ چاہے تو ہمارا گِلہ پھر بھی نہیں ہو سکتا ہم اسی کی مِلک اسی کے بندے اور اسی کے غلام ہیں پھر مزدوری کیسی۔

یہ ہے وہ طریقہ و شرائط جن کے تحت ایمان و عمل اختیار کرتے ہوئے روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے ہر انسان ایک ہی سطح کا ایمان و یقین یا عمل و سعی نہیں رکھتا۔ پس جو جتنی کوشش کرتا ہے وہ اس راہ میں اتنا آگے بڑھتا ہے۔ آپ کا عروج یا زوال حقیقت میں تو خدا کے ہاتھوں میں ہے لیکن مجازی اختیار کے حساب سے آپ کے اپنے ہاتھ میں بھی ہے۔

اسی لیے اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

ے اب اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ

ماضی، حال اور مستقبل میں سفر کے کچھ ذاتی تجربات:

آیئے اب دیکھیں کہ ماضی و مستقبل اور حال کے پردے کیسے چاک ہوتے ہیں۔ میں نے جیسا کہ پہلے لکھا کہ اس راہ پر میں اجنبی ہوں، میرے پاس متاع بہت معمولی ہے، غرض ہر لحاظ سے ناقص ہوں لیکن تھوڑی بہت کوشش، ایمان، محبت، آنسو، دل پاشی اثاثہ ہیں۔ بلکہ ان کو بھی چھوڑیئے محض عطائے الٰہی سے جو کچھ عطا ہوا وہ میری حیثیت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

مجھ پر صرف اور صرف پیروی ابراہیمؑ اور محمد رسول اللہ ﷺ اور آلِ محمد ﷺ اور محبتِ حق تعالیٰ سے جو کچھ منکشف ہوا وہ اس قدر ہے کہ:

انسان ماضی میں بھی پہنچ سکتا ہے اور مستقبل میں بھی جھانک سکتا ہے نیز زمانہ حال کے چھپے ہوئے معاملات بھی اس پر منکشف ہو سکتے ہیں۔ یہ غائب کے وہ علوم ہیں جو صرف اللہ کو معلوم ہیں۔ اللہ ان میں سے جس قدر چاہے کسی کو عطا کر سکتا ہے۔ اللہ کے علومِ غائب کی نہ تو کوئی اتھاہ گہرائی کی حد ہے نہ وسعت کی۔ نہ اس کے تنوع کی کوئی حد ہے نہ جہتوں کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ اس کا علم تو بس اسی کو معلوم، الفاظ و تمثیلات اور ہمارے ادراکات تو سمندر کے ایک قطرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ ہماری اس ذات پاک سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

یہ عجب بات ہے کہ ایک طرف تو ہم زمان و مکاں کی قید میں ہیں، ہمیں کوئی علم حاصل کرنے کے لیے درجنوں

Marfat.com

کتابیں پڑھنا پڑھتی ہیں، سالوں عرق ریزیاں کرنا پڑتی ہیں، بلکہ اتنا کچھ مختلف علوم پر لکھا اور چھاپا جا چکا ہے کہ کسی بھی معاملہ کی تحقیق کے لیے اگر آپ بیٹھیں تو شاید زندگی یا کئی زندگیاں درکار ہیں پھر بھی پتا نہیں حقیقت پر آپ پہنچ سکیں یا نہیں اور دوسری طرف محض ایک دو سیکنڈ میں، دوسرے الفاظ میں پلک جھپکنے کی دیر میں کسی تمثیل یا عین واقعاتی بات کی حقیقت اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھا، یا دکھا دیتا ہے۔ مثلاً

اسلامی فرقوں کی حق کی قربت کے لحاظ سے ترتیب سے متعلق خواب:

اسلام میں بے پناہ فرقہ بندی کی بنا پر جب میں نے رجوع کیا تو مجھے تمثیلی خواب کے انداز میں تمام فرقے اٹک کی پلیڈر لائن پر دکھائے گئے۔ اس لین کے ایک سرے پر دراصل اسلامیہ سکول ہے۔ پس اسے مرکز اسلام بنا کر مجھے دکھایا گیا کہ پوری پلیڈر لین پر اسلامی فرقوں کے امام کھڑے ہیں جو جتنا اسلامیہ سکول سے دور ہے وہ اسلام سے اتنا دور ہے گو کہ ہیں تو سب اسلام ہی میں شامل یعنی تمثیل میں پلیڈر لین دراصل اسلام لین تھی لیکن اسلامیہ سکول سے سب سے قریب اور پہلے نمبر پر فرقہ اہل حدیث کے امام صاحب کھڑے نورانی چہرے سے مسکرا رہے تھے اور میں ان کے ساتھ کھڑا ہوں (یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ یہ مسلک سب سے بہتر ہے اس کے ساتھ چلو)۔ ان کے بالکل قریب ہی شہر کی جامع مسجد کے امام کرسی پر بیٹھے ہیں (کیونکہ وہ حقیقت میں بھی بڑھاپے کی وجہ سے اپنی آخری عمر میں کرسی پر بیٹھ کر ہی امامت کرواتے یا وعظ دیتے تھے) لیکن امامِ دیوبند، امام اہل حدیث کی طرف تعصّبانہ طریقہ سے نفرت سے منہ بنایا چڑھا کر دیکھ رہے ہیں۔ پھر کچھ دور امام بریلوی فرقہ ہیں۔ ان سے آگے اہل تشیع کے امام ہیں اور یہ سلسلہ لین کے دوسرے سرے تک دراز ہے یا تا حد نگاہ جاری ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ کون سا مسلک کتنا درست کون حق سے کتنا فاصلے پر ہے (یہ تمثیلی نظارہ دو تین سیکنڈ کا ہوگا)۔

زیارت حضرت محمد ﷺ اور مصاحبین:

مجھے حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے خواب میں نبی پاک ﷺ کو اپنے روضۂ اقدس میں زندہ و پائندہ اپنے دو مصاحبوں کے ساتھ سفید عربی لباس میں کھڑے ہوئے دکھایا کہ میں ان کی دہلیز یا چوکھٹ پر کھڑا تھا جہاں کچھ روشنی پہنچ رہی تھی جبکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقا عین روشنی میں تھے۔ روشنی نور کی طرز کی تھی۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنے روضۂ اقدس میں حیات ہیں ہمیں جس کا شعور نہیں اور آپ ﷺ بفضلِ تعالیٰ اپنے امتیوں سے خواب میں بہ اذن الٰہی ملتے بھی ہیں۔ یاد رہے کہ میں نے آپ ﷺ کو اتنے فاصلے سے دیکھا کہ چہرۂ اقدس کے نقش و نگار نہ دیکھ پایا، یہ خواب بھی ایک دو سیکنڈ ہی کا تھا۔ یہ سعادت دوبارہ 29 رمضان المبارک 2011ء کی شبِ عالیہ میں حاصل ہوئی اور قرب میں بے پناہ اضافہ عطا ہوا۔

میری اہلیہ کا خواب میرے متعلق اور اس کی تعبیر جلیلہ حضرت ابراہیمؑ ان کی اہلیہ و شیر خوار حضرت اسماعیلؑ کی صورت میں:

Marfat.com

میری اہلیہ جو کہ حاجیہ بھی ہیں نے خواب دیکھا کہ میں اور وہ اکٹھے کہیں پر موجود ہیں اور ہم چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہیں یا شاید کسی راستے پر جاتے ہوئے ہم نے چودھویں کا چاند دیکھا کہ جو مکمل ہے اور خوب چمک رہا ہے، میں اپنی اہلیہ سے کہتا ہوں کہ تم چلو میں حضرت محمد ﷺ سے مل کر (یا آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھ کر) آتا ہوں۔ مجھے یہ خواب میری اہلیہ نے سنایا تھا۔

خدا کی قدرت کہ اس سے اگلے مہینہ کا چاند جس رات کو طلوع ہوتا ہے۔ اسی رات کو یا صبح مجھے کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر کہیں جانا پڑ جاتا ہے، جہاں کم از کم رات کے اوقات میں میں مکمل تنہائی میں رہتا ہوں اور حسبِ معمول مطالعہ تفسیر قرآن اور نماز وورد ووظائف جاری رکھتا ہوں۔ اہلیہ کا سنایا ہوا خواب میرے ذہن میں تھا اور جانے کیوں مجھے یقین تھا کہ مجھے خواب میں، رویا میں، کشف کے ذریعے کسی طرح سے بھی نبی پاک ﷺ کی زیارت ضرور ہوگی، کیونکہ بذریعہ خوابِ اہلیہ اطلاع آچکی تھی اور زیادہ امید چاند کی 14,13 یا 15 تاریخ کی راتوں پر تھی اس لیے ان راتوں میں، میں نے پرہیز گاری، طہارت، وظائف کا زیادہ اہتمام رکھا۔ حتیٰ کہ ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے رات کے وقت زندگی میں پہلی بار اگر بتیاں بھی جب تک جاگتا سلگائی رکھتا، جوں جوں چاند بڑھتا گیا، میں اسے دیکھتا خوش ہوتا اور دعائیں کرتا رہا اور یقین قائم رہا۔ نیز اسی خیال کے تحت گھر واپس جانے کی جلدی بھی نہ کی۔ خیر 12 تاریخ آئی، چاند کی 13 آئی اور 14 بھی آ گئی، میرا بے تابی سے جو حال تھا میں ہی جانتا ہوں کہ چودہ اور پندرہ تاریخوں کے چاندوں کو نکلتا ہوا دیکھنے کے لیے بلکہ دن ڈھلنے تک کے انتظار کیلیے کن کن مراحل سے گزرا یہ صرف مجھے معلوم ہے۔ جب 14 اور 15 کی تاریخوں کے چاند طلوع ہوئے تو شام کی نماز کے فوراً بعد قبل از طلوعِ ماہتاب دور افق پر انتظار میں میری نظریں گڑھی رہیں، زبان سے درود شریف اور ورِدِ الٰہی جاری تھا اور تقریباً آدھی رات تک کبھی چاند میں آپ ﷺ کا چہرہ اقدس تلاش کرنے کی کوشش کرتا، کبھی نگاہیں بند کر کے تصور باندھتا اور قدم زمین پر نہ لگتے تھے پھر اسی حال میں اس امید پر سو گیا کہ شاید دیدارِ سردارِ دو جہاں محمد مصطفی ﷺ خواب میں پھر نصیب ہو (کیونکہ دو دفعہ قبل دیدار ہو چکا تھا جس کا ذکر پاک پہلے کر چکا ہوں) لیکن بالآخر 15 کی رات بھی گزر گئی اور صبح نمازِ فجر کے لیے اٹھنے کے بعد جب لیٹا تو مغرب کی طرف چاند مجھے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ڈوبنے کے قریب نظر آ رہا تھا۔ اس خیال سے پھر سو گیا کہ ابھی بھی چاند کا کچھ سفر باقی ہے، شاید نیند میں سرکار ﷺ تشریف لے آئیں لیکن ایسا نہ ہوا، اور دن کے معمولات شروع ہو گئے۔ چاند کی 15 تاریخ دوپہر کے وقت کچھ ستانے کے لیے لیٹ گیا۔ طبیعت کا عجب حال تھا کہ دل کے حال خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

کہ دیکھو کوئی دیدہ ور آیا:

میں نیند و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ کشفی نظارہ جو کہ چند ہی سیکنڈ، دو یا تین سیکنڈ پر مشتمل تھا دیکھا، ایک

Marfat.com

بیابان ہے وہاں حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہیں پاس ہی کچھ فاصلے پر حضرت بی بی ہاجرہؓ شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو گود میں اٹھائے کھڑی ہیں۔ سنسان اور چٹیل لیکن کچھ ابھرا ہوا ریتلا و مٹیالا میدان ہے دور دور تک تا حد نگاہ کوئی آبادی نہیں حتیٰ کہ میدان پر کوئی گھاس پھونس بھی نہیں۔ آپ دونوں میاںؑ، بی بیؓ نے پرانے زمانے کے لباس زیب تن کر رکھے ہیں۔ دورانِ خواب گو کہ آپؑ اور آپ کی اہلیہؓ کا چہرہ اقدس تو نہ دیکھ سکا لیکن دل کو یہ ادراک دیا گیا کہ آپ حضرت ابراہیمؑ ہیں ساتھ بی بی ہاجرہؓ اور ان کی گود میں شیر خوار اسماعیلؑ ہیں (یاد رہے کہ خواب میں بغیر بات کیے دل کی بات دوسرے کے دل میں پہنچ جاتی ہے یہ بغیر گفتگو کے گفتگو ہے یعنی ادراکِ گفتگو)۔ یہ تھی ہزاروں سال پیچھے ماضی کی طرف سفر کی ایک جھلک کہ رب جلیل نے مجھے سر زمین کعبہ شریف کا وہ منظر دکھایا کہ جو ابھی کعبہ شریف تعمیر ہونے سے کہیں پہلے کا تھا لیکن جگہ وہی مقدس کعبہ شریف والی، اور مجھے عینی گواہ بنایا کہ ابراہیمؑ کی عجب قربانی اللہ رب العزت کے حکم پر اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو سنسان و بیاباں وادی میں چھوڑ آنے والا واقعہ بالکل سچا ہے کہ اس وادی میں نہ پانی تھا نہ زندگی کے کوئی آثار۔ محمد رسول اللہ ﷺ اس وقت حضرت ہاجرہؓ کی گود میں اٹھائے ہوئے اسماعیلؑ کی پشت میں تھے۔ یعنی نورِ ابراہیمؑ، نورِ اسماعیلؑ و نورِ محمد ﷺ یکجا یک مقام یعنی مقام کعبہ میں مجھے بفضل تعالیٰ نصیب ہوا۔

میں نے اپنا مستقبل دیکھا:

اسی طرح ایک دن خواب میں اپنا مستقبل دیکھا کہ کسی مصروف بازار میں جا رہا ہوں۔ والدِ گرامی کی طرح داڑھی رکھ لی ہے اور ان کے چہرہ مبارک کے ساتھ مشابہت پیدا ہو گئی ہے۔ سر پر پی کیپ ہے، سفاری پینٹ بوشرٹ جو گرمیوں میں پہنی جاتی ہے زیب تن کر رکھی ہے۔ اس میں میرے اندازے کے مطابق میری عمر تقریباً 55 سال کے لگ بھگ ہوگی۔ (یاد رہے کہ یہ خوابیں میں نے عمر کے چالیسویں سال اور اس کے بعد کے عرصہ میں دیکھی ہیں)۔ پندرہ سال بعد کی خواب یعنی 15 سال بعد کا مستقبل دیکھنا مستقبل بینی نہیں تو اور کیا ہے، یقیناً خواب میں انسان زمان و مکاں سے آزاد ہوتا ہے۔

میں نے اپنا حال اور بچپن اکٹھا ایک وقت میں دیکھا:

پھر ایک اور خواب میں، میں نے دیکھا کہ والد صاحب کہیں پر تشریف فرما ہیں میں ان کی پشت کی جانب سے آتا ہوں اور غالباً ان کے گلے میں باہیں پیار سے ڈالتا ہوں وہ فرماتے ہیں تھوڑا مسکرا کر کہ تم نے داڑھی تو میری طرح بنا رکھی ہے (مطلب کہ ظاہر حلیہ میرا ہی اختیار کر رکھا ہے کیونکہ میرا شوق بھی ہر وقت اور جہاں جاؤں ہاتھ میں تفسیر قرآن رکھنا اور تدبر قرآن پر نگاہِ دل لگانا ہے۔ جیسے والد صاحب نے زندگی گزاری تاہم کہاں وہ اور کہاں میں جاہل اس لیے ظاہری حلیہ ہی ان کی طرح ہو سکتا ہے)۔ پھر دائیں طرف سے ایک بچہ 10 یا 12 سال کا اچھلتا کودتا ہوا، آ کر بیڈ پر چڑھ جاتا ہے، دیکھتا ہوں کہ یہ تو میں ہی ہوں۔ یہ ماضی اور حال کا ساتھ دیکھنا تھا جو میں نے دیکھا، میرے اور میرے بچپن کے منظر کے درمیان ایک شیشے کی طرز کا

Marfat.com

پردہ تھا جو زمانے کے فرق کو ظاہر کرتا تھا۔

اپنے بستر پر مدینہ اور مکہ جانا اور حج کی سعادت روحانی (ازراہ تذکرہ اپنی اہلیہ کا ذکر):

واقعہ یوں ہوا کہ پچھلے سال میرا ایک بہت ہی قریبی عزیز حج کی سعادت حاصل کرنے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ گیا۔ میرا بہت دل تھا کہ میں بھی ساتھ جاؤں۔ اللہ کے فضل وکرم سے جب نبی پاک ﷺ کے روضۂ شریف کی حاضری خواب میں ہوئی اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر ان نگاہوں نے دیکھا تو در حقیقت یہ آپ کی طرف سے بلاوا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ عمرۂ مبارک کرنے کی غرض سے سعودیہ گیا اور عمرہ کرنے کے بعد روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دی۔ میں دراصل ایک سکول ٹیچر ہوں۔ سکول ٹیچر کی تنخواہ اتنی قلیل ہوتی ہے کہ سفید پوشی کا بھرم بھی قائم رکھنا آج کے دور میں بہت مشکل ہے، کجا کہ عمرہ کے لیے بندہ جا سکے۔ تاہم جب سے اللہ کی طرف رجوع ہوا تھا اکثر حج کے لیے جانے والوں کا جب بھی ذکر آتا تو بے اختیار میری آنکھیں چھلک پڑتیں اور دل کی عجب حالت ہو جاتی۔ میری کم آمدنی اور معاشی کمزوری کو اللہ کے فضل سے میری اہلیہ نے بہت سہارا دیا ہے۔ انہوں نے بہت محنت ومشقت اختیار کر کے اپنے کاروبار کو مستحکم کیا اور اس کے لیے بڑی محنت کی۔ اپنے بچوں کو بہتر مستقبل دینے کے لیے نہ صرف میرا ہاتھ بٹایا بلکہ یوں کہیں کہ گھر کا سارا خرچ انہوں نے ہی اٹھائے رکھا۔ تبھی تو میں اس قابل ہوا کہ معاشی مسائل سے بے فکر ہو کر علمی دنیا کی طرف توجہ دوں۔ میں اس سلسلہ میں اپنی اہلیہ کا نہ صرف بہت ممنون ہوں بلکہ ان کے لیے ہر ہر لمحہ میں دعا گو ہوں وہ اتنی اچھی اور مہربان خاتون ہیں کہ میں چاہتا ہوں میری عمر بھی انھیں لگ جائے اور ان کی ہر بیماری یا غم، دکھ درد مجھے لگ جائے۔ کیونکہ خلوص، وفا اور محبت کے ساتھ ساتھ اپنی خواہشوں بھری جوانی کا بہترین زمانہ انہوں نے میری غربت کو دور کرنے کے لیے محنت ومشقت کرتے کرتے گزار دیا ہے اور ظاہر ہے ایسی بیویاں خدا ہر کسی کو نہیں دیتا۔ حق تو یہ ہے کہ میں ان کا حق کبھی ادا نہیں کر سکا۔ خدا انھیں اس کے لیے اور ہر تعاون، ہر وفا، ہر قربانی کے لیے اجر عظیم عطا فرمائے۔ بیماریوں سے صحت اور طویل ہدایت یافتہ زندگی عطا فرمائے یہ ذکر اس لیے کرنا پڑا کہ عمرہ کی سعادت بھی میں نے اپنی اہلیہ ہی کے توسط وتعاون سے حاصل کی تھی اور اگر انھیں خراجِ تحسین پیش نہ کیا جاتا تو بڑی احسان فراموشی ہوتی۔

اصل موضوع پر واپسی:

بہر حال جب مجھے پتا لگا کہ میرا عزیز حج کے لیے جا رہا ہے تو دل میں بڑی ہوک اٹھی کہ کاش میں بھی ساتھ جا سکوں۔ غریبوں کا اللہ کے سوا کون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا گڑگڑانا شروع کر دیا۔ جوں جوں حج کے دن قریب آتے گئے میرے نالے بھی ساتھ ساتھ بلند ہوتے گئے۔ میں جانتا تھا کہ میرے حج پہ جانے کے ظاہری اسباب بالکل نہ تھے۔ حج کے تمام کوٹے حتیٰ کہ VIPs کے کوٹے بھی ختم ہو چکے تھے بلکہ اب تو حج پروازیں شروع ہونے کو تھیں۔ جس دن میرے

Marfat.com

عزیز کا میڈیکل تھا، میں ساتھ ہی گیا وہاں حاجیوں کو انجیکشن وغیرہ لگائے گئے۔ پھر جس دن حاجیوں کو ان کا ضروری سامان اور زرِمبادلہ سمیت ان کے فائنل کاغذات دیے جانے تھے تب بھی میں اپنے عزیز کے ہمراہ گیا تھا۔ وہاں حج پہ جانے والے خوش نصیبوں کو دیکھ کر اور ان کا جوش و خروش محسوس کر کے جب موقع ملتا چپکے سے رو لیتا کہ میرے پاس سوائے آنسوؤں کی متاع کے اور کچھ نہ تھا اور زیرِلب دعائیں کرتا رہا۔ اپنی عرض رب کے حضور پیش کرتا رہا۔ پھر بالآخر وہ دن بھی آ گیا کہ جب قریبی عزیز کی حج فلائٹ تھی۔ حسبِ معمول میں بھی ساتھ گیا کہ انھیں الوداع کہنا تھا لیکن میرے دل کا کیا حال تھا یہ میں ہی جانتا ہوں یا رب جانتا ہے۔ پتا نہیں کیوں میری امید تب بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ رب پر بھروسہ تھا کہ اس دربارِ شاہی میں نیتیں اور آنسو کبھی رائگاں نہیں جاتے لیکن اس مرتبہ ایسا ہوا کہ سب حاجی چلے گئے اور میں حیران و پریشان اور گم سم اپنے آنسوؤں میں ڈوب گیا۔ اب نہ کوئی امید نہ کوئی امکان۔ لیکن عجب بات ہے کہ جب راتِ کو تنہائی میں نماز پر کھڑا ہوتا تو کئی دفعہ روتے روتے میری ہچکی بندھ جاتی کہ یا خدایا میرا دل میرے بس میں نہیں۔ ساتھ ہی رب سے ڈر بھی لگتا کہ وہ خفا نہ ہو جائے کہ میرے بندے کو میری رضا پر اعتراض ہے۔ اس لیے ساتھ ساتھ معافی بھی مانگتا کہ یا اللہ میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ لیکن دل نے رب تعالیٰ سے مراد پانے کی ضد پکڑ لی تھی کہ اسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ جنہوں نے رب پر بھروسہ کیا وہ ناکام و نامراد رہ گئے۔ یہ بڑے اچھنبے بڑی حیرت کی بات تھی، دل رویا اور گڑگڑایا وہ میرے بس میں نہ تھا وہ اپنے رب کے حضور کوئی ان ہونی کوئی کرامت کوئی معجزہ کوئی عجب رب کی قدرت کا متمنی تھا۔

ادھر حاجیوں کا وہ بیچ Batch بفضل تعالیٰ مدینہ منورہ پہنچ چکا تھا جس میں میرا عزیز بھی شامل تھا۔ اس مرتبہ مکہ شریف (جدہ ایئرپورٹ) پر لوڈ کم کرنے کے لیے تھوڑی تبدیلی کی گئی تھی اور کچھ حج فلائٹس پہلے مدینہ شریف جا رہی تھیں تاکہ مسجد نبوی میں نمازوں اور حاضری روضۂ رسول ﷺ کے بعد مکہ مکرمہ میں جائیں)۔ بہر حال اطلاع ملی کہ وہ خیریت سے پہنچ گئے ہیں اور اپنی رہائش گاہ پر ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ سب حاجی خیریت سے وہاں منتقل ہو گئے ہیں۔ میں اس رات بھی حسبِ معمول آسمان کو نمدیدہ نگاہوں سے دیکھتا رہا اور بے پناہ دردِ دل کے ساتھ حیرت، حسرت میں ڈوبا ہوا رب کی طاقت کو آواز دیتا سو گیا۔

پھر ربِ عجائب نے عجب کر دکھایا:

رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ شریف میں اس رہائشی کمرہ میں موجود ہوں جس میں میرا عزیز اور چند اور حاجیوں کو ٹھہرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ گویا کہ مجھے میرا رب مدینہ شریف لے گیا۔ بعد میں فون پر اپنے عزیز سے مدینہ شریف کے کمرے کا حلیہ اور بیڈشیٹ کا رنگ، تکیہ کا رنگ معلوم کیا تو وہ وہی تھا جو میں نے دیکھا۔ میں صبح اٹھا تو رب کی شان پر جھوم جھوم گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی امید بھی لگ گئی کہ شاید ان کے ساتھ حج بھی نصیب ہو جائے۔ اس لیے اب، رب کے حضور اس کی حمد، شکر اور مزید عطا کے لیے دل کی دھڑکنوں نے وردِ کرب و بلا شروع کر دیا کیونکہ یقین اور بھی کامل ہو چکا تھا

Marfat.com

کہ جہاں بھی ''ذکر کرب و بلا'' آنکھوں کے پانی میں جاری ہوتا ہے وہ پانی بادلوں کو چیرتا ہوا عرشِ رب عظیم پر جا سجدہ ریز ہوتا ہے اس کے بعد کے دنوں میں وقفوں وقفوں سے مختلف راتوں میں کیا ہوا؟

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس کے اندر لحد مبارک کے پاؤں کی جانب حاضری اور لحد پاک پر پڑی تقریباً گیارہ سبز چادروں میں سے آٹھ نو تک میرا ہاتھ پہنچا:

ایک رات خواب میں، میں حضور پر نور حضرت محمد ﷺ کے روضۂ اقدس میں عین ان کی تربت مبارکہ پر پاؤں کی جانب بیٹھا تھا اور اس منبعِ نور (یعنی آپ کی قبر مبارک) پر پڑی ہوئی بہت سی چادروں کو جو کہ سبز رنگ کی تھیں دیکھتا ہوں، پھر چادر کے نیچے ہاتھ ڈال کر قبر مبارک کو چھونے کی کوشش کرتا ہوں۔ پہلی چادر ہاتھ سے ہٹا کر اور ہاتھ اس کے نیچے پہنچا کر جو قبر کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا ہوں تو نیچے ایک اور چادر ہوتی ہے۔ اس کے نیچے ہاتھ ڈالتا ہوں تو ایک اور پھر ایک اور اندازاً آٹھ نو کے لگ بھگ چادروں کے نیچے ہاتھ ڈالتا جاتا ہوں اور یہ سلسلہ جاری ہے کہ آخر میں شاید ایک دو ہی چادریں رہ جاتی ہیں۔ روضۂ اقدس کا دروازہ کھلا ہوا ہے، باہر دھوپ ہے اور روشنی اندر آرہی ہے اور دروازے کے کچھ اندر والی سائیڈ پر میری اہلیہ بھی کھڑی میری طرف دیکھ رہی ہیں کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے اور خواب ٹوٹ جاتا ہے۔

یہ تھا مدینہ منورہ میں روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کا نورانی سپنا۔ اس میں شاید مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف کی گئی تھی کہ جس دیدار نبی ﷺ کے متمنی ہو اور عرفانِ الٰہی چاہتے ہو، تمہیں معلوم نہیں لیکن کافی حجابات دور ہو چکے ہیں اب منزل زیادہ دور نہیں۔ تاہم کوشش یوں جاری رکھو کہ جیسے جاری رکھنے کا حق ہے (بفضل تعالیٰ)

اس کے بعد میرا عزیز جب مکہ مکرمہ تشریف لے گیا تو ''وہاں کے رہائشی کمرے میں بھی حاضری ہوئی''۔ ساتھ میں شاید میری کسی کوتاہی کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا تھا۔ اس کے بعد جب حج کے دن شروع ہو گئے یا ان کے لگ بھگ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ

خواب میں دیکھا روضہ رسول اللہ ﷺ وابوبکرؓ وعمرؓ خانہ کعبہ کے اندر ہے اور ساتھ خالی جگہ جو ایک مزید قبر کی ہے وہاں میں لیٹا ہوا ہوں:

''میں کعبہ شریف کے اندر فرش پر سویا ہوا ہوں، لیٹا ہوا ہوں۔ لیکن بڑی عجب بات دیکھی کہ گو کہ یہ کعبہ شریف ہے لیکن اس کے اندر منظر روضۂ رسول کا ہے یعنی تین قبور مبارکہ (۱) نبی پاک حضرت محمد ﷺ (۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ (۳) حضرت عمر فاروقؓ موجود ہیں اور ان کے ساتھ ہی خالی جگہ پر چوتھا میں سویا ہوا ہوں۔ پھر جاگ کر زمین پر لیٹے لیٹے خیال آتا ہے کہ یہ تو پاک ترین مقام ہے کہیں اگر باہر سے دروازہ بند ہوا تو یہاں مجھ سے کسی ناپاکی (بول و براز) کا ظہور نہ ہو جائے کہ یہ لاکھ نہ چاہتے ہوئے بھی زندہ انسان کا لازمی خاصہ ہے۔ میں اس شدید فکر میں اٹھ کر دروازے کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو وہ

Marfat.com

کھلا ہے اور باہر کی ہلکی روشنی اندر آرہی ہے۔ میں باہر نکل کر دیکھتا ہوں تو صحنِ حرم میں جہاں زمین پر سنگِ مرمر کی سفید ٹائلیں ہر طرف لگی ہیں دور میری اہلیہ کھڑی ہیں اور اپنی بڑی بہن سے باتیں کر رہی ہیں اور کوئی بندہ سارے حرم میں دکھائی نہیں دیتا۔ میرا اس بلند ترین مقام پر (محض بفضل ربِ عظیم و جلیل) پہنچنا، وہاں آپ ﷺ کا اپنے اصحابؓ سمیت تربت میں آرام فرما ہونا، میرا وہاں چوتھا ہونا، زمین پر سونا (کعبہ شریف کے اندر) اور پلیدی کے ڈر سے اٹھ کر باہر نکلنا، یہ تمام عجب اسرار تھے۔ جن پر غور عجب عجب رنگ پیش کرتا ہے۔ تاہم یہ یقین دلاتا ہے کہ اگر قلب کی کثافت اور عمل کی پلیدی اس حد تک دور ہو جائے کہ جتنی درکار ہے تو انشااللہ تعالیٰ رب کے ہاں مقامِ قرب بے بہا مل سکتا ہے اور محمد ﷺ کی قدم بوسی ہمیشہ کے لیے نصیب ہو سکتی ہے (یاد رہے کہ میں نے جو خواب میں جگہ دیکھی ہے بچپن سے اسی جگہ دفن ہونے کی دل میں خواہش رکھتا ہوں، لیکن ایسا سوچنا بھی اس لیے گناہ سمجھتا ہوں کہ کہاں میں گھٹیا، رسوا اور ذلیل اور کہاں وہ عالی مقام رسول ﷺ اور ان کے اصحابؓ۔ لیکن ''دل کا کیا کریں صاحب یہ انہی پہ مرتا ہے'')۔

موت کیسی نصیب ہونی ہے اور میرے ساتھ کیا کیا کچھ ہونا ہے۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے تاہم اللہ کی راہ میں خود کو ریزہ ریزہ کر دینے کی ہر سانس کے ساتھ دعا اور ہر عمل کے ساتھ التجا ہے۔ بہر حال یہ تھا میرا حج۔ کیونکہ اس سے مکمل اور افضل ترین حج کا کم از کم میں تصور نہیں کر سکتا کہ جس میں رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسولؐ کے ہمراہ بندہ خانۂ کعبہ کے اندر اللہ رب العزت کے حضور حاضری دے۔ تاہم اس کا مقصد یہ نہیں کہ اس مادی دنیا میں حج کا جو مکمل طریقہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اسے بدلا یا ارکانِ حج کو مختصر یا محدود کیا جا سکتا ہے بلکہ مادی طور پر ہر مسلمان اسی طرح حج کرے گا جیسے قرآن پاک میں حکم ہے اور مجھے بھی اللہ پاک اس کی توفیق دیں، تاہم روحانی طور پر جو میں نے اوپر بیان کیا وہ حقیت ہے۔

یہاں گو کہ جاریہ بحث سے اس کا تعلق زیادہ نہیں لیکن بہر حال دلچسپی سے خالی بھی نہیں کہ اگر اپنے قریبی عزیز کی وہاں دورانِ حج بیماری کا ذکر کر دیا جائے۔

نہایت قریبی عزیز کا مکہ میں حج کے موقع پر جان لیوا بیماری میں مبتلا ہونا اور میری دعا کا قبول ہونا اور دعا کے جواب میں خواب آنا:

میرا عزیز وہاں جا کر بیمار ہو گیا۔ کبھی پیٹ خراب تو کبھی بخار، کبھی شدید چوٹ تو کبھی نہ رکنے والی کھانسی۔ جب میرے عزیز گرامی نے خدا خدا کر کے حج مکمل کر لیا تو اسے بیماری کے آخری حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے ایسی کھانسی شروع ہوئی کہ جو کسی دوائی، کسی جڑی بوٹی، کسی ٹونے ٹوٹکے کسی بھی دیگر طریقہ سے ٹھیک نہیں ہو رہی تھی بلکہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ کھانس کھانس کر اس کے پھیپھڑے جواب دے چکے تھے، گلا چھل چکا تھا اور سانس تنگ ہو کر اکھڑنے لگے تھے۔ مجھے جب ان کی اس حالت کی بذریعہ فون اطلاع ملی کہ ٹھیک ہونے کی بجائے صورتِ حال خطرناک ہو چکی ہے اور وہ واپس زندہ آ جانے سے

Marfat.com

بھی مایوس ہونے لگے ہیں تو میں نے ایک مرتبہ پھر منتِ باری تعالیٰ شروع کر دی۔ صدقہ وخیرات کیا اور ہر کسی سے، کیا فقیر کیا عزیز، کیا امام کیا اپنا، کیا غیر جو بھی ملتا اسے دعا کی درخواست کرتا۔ حتیٰ کہ جمعہ کے روز اجتماعی دعا بھی کروائی گئی، لیکن تا حال افاقہ نہ ہو رہا تھا۔ ایک مزار شریف پر اللہ کے حضور بڑی دیر محوِ عبادت رہا کیونکہ اللہ کے ولیوں کے مزار بابرکت مقامات ہیں، یہاں آ کر خدا سے مانگنے سے ان کی برکات بھی شامل دعا ہونے کی امید ہوتی ہے۔ بہر حال اس کے بعد فون پر عزیز سے بات ہوئی تو وہ شدتِ مرض کی وجہ سے بول نہ سکتا تھا بلکہ رو رہا تھا کہ اس کا سانس ہی کھانسی نے دوبھر کر رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں اور کیسے لیکن میں نے اسے کہا کہ اپنا موبائل کان کے ساتھ لگائے رکھو اور اس کی بیماری کو مخاطب کر کے کہا کہ ''آج سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اسے میرے رب کے حکم سے چھوڑ دو، اگر نہ چھوڑا تو اگلے 24 گھنٹوں میں تمہیں مکہ چھوڑنا پڑے گا''۔ میرا اپنے رب کے ساتھ کچھ ایسا تعلق اور میرا اپنے رب پہ اتنا یقین تھا کہ میں یہ سب کچھ کہہ گزرا۔

رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ میرا عزیز کسی گہرائی سے بانس کی سیڑھی لگائے بڑی ہی مشکل سے اوپر میری طرف چڑھ رہا ہے اس میں طاقت تقریباً ختم ہو چکی ہے وہ جب آخری سیڑھیوں پر آتا ہے تو میں ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیتا ہوں اور میں اس کا بوجھ سہار لیتا ہوں۔ اسے اوپر میدان میں لے آتا ہوں لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ اتنا نڈھال، تھکا ہوا اور بے جان ہے کہ اس کی ٹانگوں میں بالکل جان نہیں۔ جہاں میں کھڑا ہوں وہاں ہر طرف زمین پر برف ہی برف ہے۔ میرا عزیز اوپر پہنچ کر اپنا سارا وزن مجھ پر ڈال دیتا ہے آخر قدم پر میں اسے تقریباً گھسیٹ کر آگے لاتا ہوں وہ خود کو زمین پر ڈال دیتا ہے اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہتا ہے ''آہ اسی طرح ایک دن یہاں سے چلے جانا ہے''۔

اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ اگلے 24 گھنٹوں میں میرے عزیز کی کھانسی حدِ برداشت میں آ جاتی ہے۔ ایک دن بعد جب واپسی کے لیے ایئر پورٹ پر فلائیٹ کے انتظار میں کئی گھنٹے گزارتا ہے تو مزید افاقہ محسوس کرتا ہے اور جب پاکستان کے اسلام آباد ایئر پورٹ پر اترتا ہے تو کھانسی تقریباً ختم ہو چکی ہوتی ہے اور وہ صحت مند ہو جاتا ہے (محض اللہ کے فضل و کرم و عطا سے)۔ میرا عزیز پاکستان میں واپسی پر مجھے کہتا ہے کہ آخری ایک دو دنوں میں میرے بھائی نے فلاں فلاں دوائی دی، شہد دیا اور دم کر کے مجھ پر پھونکتا رہا۔ نیز میں نے بکرے کی قربانی کے لیے پیسے جمع کروائے، کیونکہ شاید مجھ پر کوئی (دم) کفارہ آیا ہوا تھا، سو میں ٹھیک ہو گیا۔ ''ہم چپ رہے، ہم ہنس دیئے، منظور تھا پردہ تیرا''۔ (اللہ کے عجائبات کا پردہ)۔

بہر حال یہ سب Time & Space زمان و مکاں سے آزاد ہو کر سفر کرنے اور اس کے ذریعے اللہ پاک کے سعادت کبریٰ بخشنے کی ایک اور مثال تھی۔

اللہ کے ولی اپنی قبروں میں زندہ ہیں یا مردہ؟

یہ سوال ہمارے مذہبی متحارب گروہوں میں ہمیشہ نزاع کا معاملہ بنا رہا ہے کہ قبر میں اللہ کے انتہائی نیک بندے یا

Marfat.com

ولی حیات رکھتے ہیں یا انھیں اس دنیا کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ ایک گروہ مزاروں پہ جانا اور حاجات طلب کرنا عین حق سمجھتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اسے قبر پرستی اور شرک کہتا ہے۔ میرے لیے یہ معاملہ بڑا نازک تھا کہ میں بالخصوص اولاد نبی ﷺ، اصل نیک سیّد، اولیاء اللہ سے اور بالعموم تمام اولیاء اللہ سے محبت وعقیدت رکھتا ہوں۔ لیکن کسی بھی مزار شریف پر دعا مانگتے ہوئے اکثر مخمصے کا شکار رہتا کہ صرف اللہ ہی سے حاجت طلب کروں یا ان بزرگ سے جو کہ قبر میں آرام فرما ہیں، بھی کچھ مانگوں۔ اس سلسلے میں جو کچھ پڑھ رکھا تھا دونوں طرف کے دلائل میں وزن تھا۔ قرآن شریف پڑھتا تو صاف طور پر توحید خالص کے موتی جگہ جگہ جگمگ جگمگ کرتے نظر آتے۔ سوائے نبیوں کی (زندہ نبی ﷺ) دعائیں پوری ہونے کے اور صرف ایک جگہ اصحاب کہف والے واقعہ کے جس میں لوگ آپس میں مشورہ کرتے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ اس جگہ ہم مسجد تعمیر کریں گے اور کچھ کہتے ہیں کہ یادگار تعمیر کریں گے۔ اس کے علاوہ کوئی ذکر قبروں میں برکت کا نہیں ملتا، یا پھر شہداء کو زندہ کہا گیا کہ جن کی زندگی کا ہم شعور نہیں رکھتے۔

دوسری طرف مثنوی مولانا روم میں بہت مضبوط دلائل کے ساتھ زندہ اور انتقال شدہ دونوں قسم کے اولیاء کو فیض بخشنے والا ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا میں بہت مضطرب اور متردّد تھا کہ کیا صحیح ہے کیا غلط اور اکثر دعا کرتا کہ یا رب العالمین میری راہنمائی فرما اور مجھے ہر گمراہی سے بچا کیونکہ میرا ایمان ہے کہ اللہ پاک اپنے بندوں کی راہنمائی فرما دیتے ہیں۔

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک ایسے قبرستان میں کھڑا ہوں جہاں تین اہلِ قبور ''اللہ ھُو'' کا ورد کرنے والے ہیں۔ یعنی صرف اللہ، ہر بات کی نفی۔ صرف اللہ کی طرف دھیان لگانے والے۔ یہ تینوں قبریں سبز ہیں یا سبز چادروں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

خواب جو اللہ کے قرب والے دیکھتے ہیں ان میں منظر دکھایا جاتا ہے اور اس کے مفہوم کا ادراک دل میں ڈال دیا جاتا ہے بندہ صاف سمجھ لیتا ہے کہ کیا سمجھایا گیا ہے یا کیا علم عطا فرمایا گیا ہے تاہم اس قرب کے بھی کئی درجے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میری اہلیہ ان قبروں کے سامنے تقریباً 40 میٹر کے فاصلے پر سجدے میں گری ہوئی ہیں اور رو رہی ہیں میں قریب ہی کھڑا ہوں۔

وضاحت کرتا چلوں کہ میری اہلیہ بھی نہایت نیک خاتون ہیں، تقریباً چالیس سال کی عمر میں ان کا تمام رجحان بھی خدا کی طرف ہو گیا ہے انہوں نے پچھلی دنیوی زندگی ترک کر کے اسلامی شعار اپنا لیے ہیں اور تہجد گزار بن چکی ہیں۔ اس خواب میں مجھے ادراک ہوا کہ گو کہ یہ سب قبریں ہیں لیکن اس میں سب بزرگوں کی عجیب سی زندگی ہے یعنی یہ اہلِ قبور زندہ ہیں لیکن یہ زندگی ہماری زندگی، حواسِ خمسہ کی زندگی کی طرح نہیں ہے بلکہ قرآن کے بیان کے مطابق واقعی ہمیں اس کا شعور نہیں ہے۔ تقریباً عجیب سی مسلسل آواز یا مدہم سی Vibration یکجا سب قبروں سے مل ملا کر مجھے سنائی دے رہی تھی۔ مجھے

Marfat.com

100% یقین کے ساتھ یہ علم دل میں القا کیا گیا کہ یہ زندہ ہیں، تاہم نہ ان بزرگوں کے اجسام مبارک سامنے آئے نہ چہرے نہ حلیے۔ بس یوں سمجھیں کہ جیسے ان کی روحیں وہاں زندہ موجود تھیں اور وہاں زندگی تھی۔ موت کے پردے میں زندگی، قبروں کے حجاب میں حیات، بس یہ ادراکات ہوئے گو کہ انھیں الفاظ میں بیان کرنا تقریباً ناممکن ہے لیکن اس تحریر سے آپ جو سمجھ سکیں سمجھ اور محسوس کر لیں۔

نتائج کیا اخذ ہوئے:

اس خواب سے میں نے بفضلِ تعالیٰ یہ نتائج اخذ کیے کہ جو بھی اس مقام پر یعنی ''مقامِ ولایت'' پر پہنچا ہے اس کا صرف اور صرف واحد راستہ توحید الٰہی ہے۔ اس پر یقین کامل ہو، بندہ خدا کا غلام ہو، باقی ہر غلامی سے آزاد ہو۔ حضرت محمد ﷺ کی پیروی میں قرآن شریف کے احکامات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہو۔ ہر غیر کی نفی کر دے اور زبان و دل پر ''اللہ ھُو'' کا ورد ہر دم جاری رہے۔ اہلیہ کے وہاں سجدہ کرنے رونے اور گڑگڑانے کا مفہوم اللہ کی مہربانی و عطا سے یہ سمجھا ہوں کہ اللہ کے ایسے بندے اللہ سے جدا نہیں ہوتے بلکہ انھیں اللہ کا ایسا قرب حاصل ہوتا ہے کہ باوجود اللہ کے ہر شے سے الگ، بے نیاز، پاک اور اپنی ذات میں واحد و لاشریک ہونے کے انھیں عقل و سمجھ سے ماوراء کسی خاص قسم کا ''اتصال'' حاصل ہوتا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ لاریب کہ خدا تو نہیں ہوتے اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔ لیکن خوف خدا مجھے بہر حال بہت دامن گیر ہے اور احتیاط کا تقاضہ ہے کہ جب بھی کسی مزار شریف پر جائیں یا حیات ولی اللہ کے پاس حاضری دیں تو اپنی مشکل یا مراد بتا کر انھیں اللہ رب العزت سے دعا کرنے کے لیے کہیں، کبھی بھی براہ راست ان سے نہ مانگیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کسی بھی وقت جوش میں آ کر اسے شرک کے زمرے میں ڈال سکتی ہے۔ یہ معاملہ بہت نازک، پیچیدہ اور زود فہمی کا ہے اور راستہ اتنا باریک ہے کہ ذرا سی لغزش یا لرزش بھی جہنم میں گرا سکتی ہے۔

نوٹ: پیروی کسی بھی نبیؑ، ولیؒ کی ہو اللہ کی توحید پر ایمان ہو اور احکامِ الٰہی کے حوالے سے کسی بھی اصل دین پر عمل پیرا ہو کیونکہ سب ایک ہی دین ہے۔ یہ نوٹ باقی مذاہب کے متقی اور پرہیز گار صالحین کے لیے لکھا ہے۔

شرک، بت پرستی، قبر پرستی، شخصیت پرستی کی اصل کیا ہے؟ اور اس کا سد باب:

ہمارے عوام جو اللہ کو بھول ہی جاتے ہیں اور اللہ کے بندوں سے یا مزاروں پر جا کر مانگتے اور انہی کو ایک طرح سے (نعوذ باللہ) خدا بنا لیتے ہیں، قبروں کو سجدے کرتے ہیں۔ یہاں سے گمراہی جنم لیتی ہے اور بڑھتے بڑھتے آئندہ نسلیں انھیں خدا کی طرح پوجنے لگ جاتی ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے، یہی وہ روش ہے، یہی وہ طریقہ ہے جس پر چلتے چلتے توحیدِ ربانی غائب ہو جاتی ہے جگہ جگہ نئے خدا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگیوں میں گو کہ توحید خالص کی تعلیم دی ہوتی ہے، لیکن انتقال کے بعد جب سینکڑوں سال گزر جاتے ہیں تو لوگ انھیں خدا کا درجہ دے دیتے ہیں اور بعض تو ان کے تمثیلی بت بنا کر

Marfat.com

پوجنے لگتے ہیں۔ بت پرستی کی جڑ یہی ہے، یہ رام یہ کرشن وغیرہ یہی لوگ ہیں۔ اللہ کی طرف سے صدیوں سے نبیؑ مبعوث ہوتے رہے انہوں نے توحید خالص کی تعلیم دی اور اسلام کی تعلیم دی (تعلیم چونکہ مختلف زبانوں اور زمانوں میں دی گئی اس لیے الفاظ و اصطلاحیں یقیناً مختلف تھیں لیکن تعلیم یہی تھی اس لیے اسے اسلام ہی کہیں گے)۔ جب نبیؑ دنیا سے پردہ فرما جاتے تو اولیاء اللہ اس دین کی تعلیمات کو عام کرتے، جان جوکھوں میں ڈال کر اس دین کو پھیلاتے۔ کچھ ایسے بھی ولی اللہ ہوتے جو تعلیم تو نہ دیتے لیکن اپنے عشق الٰہی کی وجہ سے اللہ کے ہاں ولایت کا مقام پا لیتے، ظاہر ہے ان کی بات بھی اکثر رب پوری فرما دیتا۔ اس طرح لوگ معتقد ہو جاتے اور ان کے پاس حاجات لے کر آتے دعائیں کرواتے۔ ہر مذہب اور ہر ملت میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں۔ بعد میں دہائیوں اور صدیوں کے گزرنے پر یہی لوگ اپنے مزاروں میں لوگوں کی پوجا کے مراکز بن جاتے۔ ان کے بڑے بڑے بت گھڑ لیے جاتے۔ جو لوگ کسی اور علاقے سے ہجرت کر کے وہاں آتے کیونکہ ان کے اپنے علاقے کے بھی کچھ بزرگ ہو گزرے ہوتے جنہیں صدیاں گزرنے کے بعد بتوں کی شکل میں یاد رکھا جاتا اس لیے یہ ہجرت کرنے والے لوگ اپنے ساتھ اپنے اولیا کے بت بھی لے آتے۔ مزید عرصہ گزرنے پر اولیا کا تو تصور ہی سرے سے غائب ہو جاتا، صرف اور صرف بتوں کا ہی تصور رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو کعبہ خالص واحد و لاشریک رب کی عبادت کے لیے بنا کر حضرت اسماعیلؑ کو دیا اور وہاں انھیں آباد کیا۔ عرصہ دراز گزر جانے کے بعد وہ بتوں سے جا آباد ہوا۔ کسی قوم کا کوئی بت تھا تو کسی کا کوئی، کسی کا چھوٹا، کسی کا بڑا، جن بتوں کو ماننے والے زیادہ بڑے گروہ یا قبائل ہوتے ان کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی۔ یہی بت پرستی کی جڑ اور یہی بت پرستی کی اصل ہے۔ معصوم انسانوں کو چونکہ نسل در نسل ان ولیوں کا علم پہنچتا جو دیوتا کی طرح پوجے جاتے اور بعد میں نسل در نسل ان کے بت پوجتے جو مختلف طاقتیں رکھنے والے چھوٹے بڑے خدا سمجھے جاتے، اس لیے یہ لوگ ان کی بے حد عزت کرتے ان پر بڑا ایمان و اعتقاد رکھتے، ان سے حاجتیں مانگتے، وہاں قربانیاں چڑھاتے، منتیں مانتے اور ان بت کدوں کے منتظموں کو سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ یہ ان کے مذاہب بن جاتے جس پر جنگ و جدل بھی ہوتا اور یوں جہالت کے اندھیرے تب تک پھیلتے رہتے جب تک کوئی نبیؑ کوئی رسولؐ خدا آ کر انھیں صحیح راستہ نہ دکھا دیتا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اہل قبور اولیاء کے مزاروں کو بابرکت مقام سمجھنے کے باوجود، ان سے حاجات نہ مانگیں نہ سجدے کریں، وہاں جا کر بھی صرف اللہ سے دعا کریں۔

شرک سے بچنے کا انتباہ:

ہم ہمیشہ توحید خالص کی پیروی کریں۔ دل میں بسائے ہوئے تمام چھوٹے بڑے بت توڑ دیں۔ یہ ایمان رکھیں کہ تمام خزانے اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔ اگر ہمارے اعمال درست ہوں عین قرآن مجید کے مطابق ہم زندگی بسر کریں اور ایمان رکھیں تو آج بھی ہماری دعائیں قبول ہو سکتی ہیں اور جائز حاجات پوری ہو سکتی ہیں اور جو دعا پھر بھی پوری نہ ہو سکے اسے

Marfat.com

حکمتِ الٰہی سمجھ کر اور اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیں۔ یہ ہی سب سے بہتر اور محفوظ راستہ ہے، باقی ہر راہ پر شدید خطرات ہیں۔ اسی کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں۔ ''نبی پاک ﷺ نے اسی لیے زمین پر کچھ آڑھی ترچھی اور ایک سیدھی لکیر کھینچی اور لوگوں کو سمجھایا کہ یہ سب راستے اللہ کی طرف جاتے ہیں لیکن ایک سیدھی راہ کے سوا باقی سب پیچ و خم والی راہیں انسان کو بھٹکانے والی ہیں اور غیر محفوظ ہیں جبکہ یہ توحیدِ خالص والی راہ ہی صراط مستقیم ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو ('' اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو تا کہ نہ بھٹکو اور فلاح پاؤ'' القرآن) تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ولیوں کو برا بھلا کہا جائے یا بریلوی حضرات کو مشرک کہا جائے بلکہ جیسا کہ میں نے بحث میں سمجھایا ہے۔ بات کو ایک دفعہ سمجھ لینے کے بعد قرآن خالص پر ایمان و عمل اختیار کیا جائے کیونکہ یہی سنت نبوی ﷺ ہے۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ قرآن کی عملی تصویر تھی۔ دوسرے لفظوں میں قرآن پاک تھیوری ہے تو آپ ﷺ کی زندگی اسلام کا عملی نمونہ ہے اور تمام حاجات صرف اور صرف اللہ رب العزت سے مانگی جائیں۔ جب کسی مزار شریف پر جائیں تو وہ پاک و بابرکت مقامات ہیں، وہاں جا کر ان بزرگوں کے لیے بھی دعا کریں اور اپنے لیے بھی دعا فرمائیں اور یہ نیت رکھیں کہ اللہ پاک ان بزرگوں کی برکت کو میری دعا میں شامل فرمائے۔ اس طرح ان ولی اللہ کی برکات بھی اگر رب نے چاہا تو حاصل ہو جائیں گی اور ایمان کی حفاظت بھی رہے گی۔ البتہ دل میں یہ ایمان قائم رکھیں کہ اگر رب نہ چاہے تو ان ولی اللہ کی برکت بھی مجھے حاصل نہیں ہو سکتی (کیونکہ ولی اللہ رب کے اذن کے بغیر رب کے حضور کچھ عرض نہیں کرتے اور نہ ہی انھیں سفارش کی مجال ہوتی ہے)۔

حاصل کلام:-

جہاں ہم نے اس عنوان کے تحت ایک اہم مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بفضل تعالیٰ حق کو باطل سے الگ کر کے نکھارنے کی کوشش کی ہے۔ وہاں ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعے آج بھی ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور وہ جب چاہے ہمیں زمان و مکاں کی قید سے نکال کر خواب، رویا، کشف یا کسی دیگر طریق سے کسی بھی زمانے میں لے جا سکتا ہے اور اس کے ہدایت دینے کے طریقے نت نئے اور کمال درجے کو پہنچے ہوئے ہیں۔

انسان کا جسم لطیف یا روح ''ذات'' بھی بالکل مادی جسم کی طرح کا ہوتا ہے اور اسے بقا حاصل ہے:

میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا ایک رشتہ دار فوت ہو گیا ہے اور اس کی موت حادثاتی ہے، یعنی جس طرح کسی گائے یا بیل کو ذبح کر کے ان کا پیٹ چاک کیا جاتا ہے اور سب آنتیں، دل جگر، گردے، ہر شے باہر نکل آتے ہیں، یوں اس میت کا حال ہے اور ساتھ میں کسی کی آواز آتی ہے کہ آج فلاں شخص دنیا میں نہیں رہا (میت کے بارے میں کہا جاتا ہے)۔ لیکن ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ گو کہ وہ شخص چیرا پھاڑا ہوا اور آنتیں و دل و جگر باہر نکلا مردہ پڑا ہے لیکن ساتھ ہی وہ بالکل صحیح سالم زندہ حالت میں خود ہی اپنی میت کے پاس بیٹھا بھی ہوا ہے۔ میں یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوتا ہوں کہ یہ زندہ بھی ہے اور مرا بھی پڑا ہے۔ اسی طرح اگلے لمحے اس میت کا پوسٹ مار

Marfat.com

ختم ہوتا دیکھا لیکن لوگوں کا ایک ہجوم گھیرا ڈالے موجود ہے اور وہ شخص جو مرا ہے خود بھی لوگوں کے ہجوم میں اپنی میت کے پاس کھڑا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ آئی کہ ایک بندے کا مادی جسم ہوتا ہے اور ایک روح ہوتی ہے۔ مادی جسم کثیف ہوتا ہے اس لیے دیکھا جا سکتا ہے، وزن رکھتا ہے اور دیگر لوازماتِ حیات رکھتا ہے یعنی جس طرح یہ دنیا آباد ہے لیکن روح انتہائی لطیف شے ہے جو حواس خمسہ کے ساتھ دیکھی یا محسوس نہیں کی جا سکتی اور اس کی شکل وشباہت جسم بندے کے اصل جسم ہی کی ہو بہو کاپی ہوتا ہے جو ہمیں نیند یا خواب کے حواس میں نظر آسکتی ہے اور آدمی جب مرتا ہے، اس کا وقفۂ زندگی ختم ہو جاتا ہے تو روح اس کے جسم سے الگ ہو جاتی ہے۔ لیکن اپنے جسم ہی کی شبیہ پر (شکل وصورت پر) ہمیشہ قائم رہتی ہے اور یہ ہی اس کی پہچان اور دوسری روحوں سے اسے ممتاز کرتی ہے۔ یعنی جس طرح اس دنیا میں ہماری شکل وشباہت ہمیں ایک دوسرے سے متمیّز کرتی ہے جس کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ یہ اکرم ہے وہ اسلم ہے، اکبر آج نہیں آیا۔ ہر شخص کو دوسرے سے الگ اس کی شکل وجسم کی وجہ سے پہچانتے ہیں، اسی طرح روحانی دنیا میں بھی بے شمار روحیں اپنی شکل وشباہت اور جسم کی بناوٹ کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ تمیز کی جا سکتی ہیں۔ یہ اسی حالت میں عالم ارواح میں رہتی ہیں نیز ان کا رابطہ ہماری اس دنیا سے جڑا رہتا ہے۔ شاید یہ ہمارے گھروں میں سکونت بھی رکھتی ہیں کیونکہ اس طرح کا معاملہ بھی، مجھے کسی دیگر خواب میں سمجھایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ کسی اور خواب میں میرا کوئی 14 سال پہلے فوت شدہ عزیز مجھے ملا ایک آدھ راز کی بات بتائی اور کہنے لگا کہ اب میرے تھوڑے ہی دن ہیں یعنی میری زندگی تھوڑی رہ گئی ہے۔ کیونکہ خوابوں کی قسمیں ہیں، کچھ خوابوں میں کوئی تمثیل دکھا کر کوئی نتیجہ یا بات یا گفتگو دل پر القاء کر دی جاتی ہے۔ مکمل ادراک دیا جاتا ہے اور اس ادراک کے ساتھ دل کا یقین اور اس یقین کا کوئی درجہ دیا جاتا ہے۔ لیکن کچھ خوابوں کو دکھا کر کوئی بات دل میں نہیں ڈالی جاتی بلکہ نتیجہ نکالنے کے لیے اس شخص کو خود اندازہ لگانا پڑتا ہے کہ اس کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے یہ کم تر درجہ کے خواب ہیں۔ جبکہ بڑھیا درجہ دل میں بات ڈالنے والے خوابوں کا ہے۔ ان خوابوں کے بہت درجے اور قسمیں ہیں۔ شاید روحانی دنیا کے لوگوں کی بھی وقت کی درجہ بندی ہے کہ وہ کچھ مخصوص عرصہ کے بعد کسی اور روحانی دنیا کی طرف چلے جاتے ہیں اور یہ سفر جاری رہتا ہے۔ لیکن روحانی دنیا کی زیادہ Classification کے بارے میں، میں فی الحال نہیں جانتا کیوں کہ جب ہماری مادی کائنات اتنی وسیع وعریض ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے تو روحانی دنیا کا کیا عالم ہوگا۔

فعل لواطت 3 کروڑ سال پرانا ہے:

خواب میں دیکھا کہ والد صاحب نے ایک ڈرائنگ کسی بورڈ پر دکھائی جو کسی ڈھکے چھپے انداز سے عمل لواطت کو یا اس کی تاریخ کو ظاہر کرتی تھی۔ ٹھیک طرح سمجھ نہ سکا اور ساتھ میرے کسی عزیز کی طرف دھیان کر کے افسوس ظاہر کیا کہ یہ تین کروڑ سال پیچھے چلا گیا ہے اور اس کے ساتھ بورڈ پر کچھ گراف بنا کر کچھ اور بھی سمجھانے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ میری

Marfat.com

قابلیت اسے سمجھنے کی متحمل نہ ہو سکی۔ اس خواب سے مجھے یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ اس عمل قبیح کی جڑیں تین کروڑ سال پرانی ہیں اور جو یہ عمل کرتا ہے وہ اپنے اخلاقی درجہ میں، روحانی درجہ یا جہنم میں گرنے کے درجہ میں تین کروڑ سال پیچھے چلا جاتا ہے۔ یہ بھی زمان و مکاں پر ہی ایک بحث تھی۔ ممکن ہے یہ فعل بندروں میں پایا جاتا ہو۔ کیونکہ ڈارون انھیں انسانی تاریخ کا حصہ قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی انھیں جرائم کی وجہ سے مسخ شدہ اور بندروں میں تبدیل شدہ انسان قرار دیتے ہیں۔ انسانوں میں یہ عمل پہلی مرتبہ قوم لوطؑ میں پایا گیا۔ ٹھیک سے نہیں معلوم کہ یہ دور کتنا پرانا ہے۔ تاہم یہ عمل 3 کروڑ سال پہلے زمین پر بسنے والی مخلوقات میں سے کسی میں ضرور موجود تھا۔ ڈارون تھیوری کے مطابق انسان کے آباء میں بے شمار انواع ہو گزری ہیں۔ ''آخر انسان پر ایک وہ دور بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا'' (القرآن)۔ یہ حمل کے زمانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ انسان کی بیالوجیکل تاریخ کا ذکر ہے۔

جبرائیلؑ کے چہرے کے خدوخال (نقش و نگار) تلاش کرو:

ماضی قریب میں سال دو سال بیشتر میں اپنا ایک وظیفہ آدھی رات کے وقت الگ کمرے میں بیٹھ کر کیا کرتا تھا اور خود کو اس میں محو کر دیتا تھا۔ دن گزرتے گئے، گزرتے گئے اور یہ عمل جاری رہا۔ ساتھ میں نماز روزہ اور دن کے اوقات میں حسبِ فرصت زیادہ سے زیادہ مطالعہ قرآن مجید بھی معمول کے مطابق کیا کرتا تھا کہ ایک رات جب میں اپنے ورد میں محو تھا، اس محویت کے عالم میں آواز آئی کہ ''جبرائیلؑ کے چہرے کے خدوخال (نقش و نگار) تلاش کرو''بعد میں، میں بڑے عرصہ تک غور کرتا رہا اور دعا مانگتا رہا کہ اس حکم کی وضاحت ہو جائے کہ اس کا کیا مطلب ہے لیکن تا حال کوئی وضاحت نہیں آئی۔ ہمیں تو اتنا ہی معلوم ہے کہ جبرائیلؑ نبیوں پر وحی لے کر آیا کرتے تھے وہ اللہ کے مقبول ترین اور ممتاز ترین فرشتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نہایت ارفع و اعلیٰ خدمات سونپتا ہے اور یہ کہ آپ کبھی کسی عام آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ حضرت جبرائیلؑ کون ہیں، کیا ہیں۔ ان کی ماہیت کیا ہے ہم کچھ نہیں جانتے۔ ان کے چہرے کے نقش و نگار کو تلاش کرنے سے ایک تو یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ وحی الٰہی (قرآن پاک مع دیگر آسمانی کتب) پر زیادہ سے زیادہ غور اور تدبر کروں اور اصل اسلام کو دریافت کروں۔ کیونکہ اصل اسلام آج کل کے بے شمار فرقوں میں بٹ گیا ہے اور اس پر گرد جم گئی ہے۔ قرآن پاک کے اصل عربی متن میں محفوظ ہونے کے باوجود اس کی کئی طرح سے معنوی اور تفسیری تحریفات کی جا رہی ہیں۔ اس کا اصل مفہوم و افادیت اور عملی نظام دریافت کرنے کا حکم ہے یا پھر مزید تقویٰ، پرہیز گاری، ورد و وظائف وغیرہ کے ذریعے نیز سو سو طریقے تلاش کر کے، امتحانوں سے آزمائشوں سے گزر کر، جان جوکھوں میں ڈال کر قربِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کروں کہ آخر جبرائیلؑ بھی تو دربانِ محمد ﷺ اور دربانِ رب العالمین ہیں۔ تاہم اس طرح کے بہت سے پہلوؤں پر سوچ بچار کرتا رہا اور حسبِ توفیق آگے بڑھنے کی کوشش بھی جاری ہے لیکن تا حال یہ عقدہ مجھ پر پوری طرح کھلا نہیں ہے۔ یہ تجربہ زمان و مکاں کے اندر اور اس سے باہر کے نقطۂ اتصال کو

Marfat.com

ظاہر کرتا ہے کیونکہ میں مندرجہ بالا آواز سنتے ہوئے ہوش وحواس میں تھا۔ البتہ اپنے کام میں محویت ضرور تھی۔

نوٹ: یہ تو تھی میری خوابوں کی دنیا سے روحانیت کی صرف چند مثالیں اور ان میں سے کچھ حقائق جو میرے علم میں ہیں۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 7

ہماری ترقی کی رفتار اور کائنات کی وسعت

ایک طرف تو آج کے انسان کی سائنسی ایجادات اور ترقی کی رفتار کی طرف جب ہم نگاہ کرتے ہیں تو بے شک اسے بفضلِ تعالیٰ داد دینا پڑتی ہے۔ لیکن دوسری جانب میں کائنات کی وسعت و پنہائیوں پر غور کرتا ہوں تو انسان کو ایک کنوئیں میں محسوس کرتا ہوں اور اس کی حیثیت ذہین وفتین مینڈل سے زیادہ نہیں محسوس ہوتی کہ جو لاکھ چھلانگیں لگالے کنوئیں سے باہر نہیں نکل سکتا، کہ باہر کی دنیا بھی دیکھ سکے۔ وہ یوں کہ انسان جو تیز ترین جہاز، راکٹ، خلائی جہاز، خلائی شٹل اور خلائی تحقیقاتی مشن ترتیب دیتا اور تیار کرتا ہے اس کا تمام تر دارومدار کثیف مادی اجسام کو دور دراز سیاروں وغیرہ پر پہنچا دینے پر ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے انرجی ضرورت ہے اور اس مادی حرکت کی ایک مخصوص رفتار ہے۔ کئی دہائیوں یا صدیوں میں یہ بار بار کے تجربات کے بعد صرف نظام شمسی کے دوسرے سیاروں پر پہنچنے کے قابل ہوا ہے یا بعض سیاروں کے معاملہ میں بعد میں کامیابی ہوگی۔ پھر یہ کیوں کر اور کیسے ممکن ہوگا کہ انسان دوسرے ستاروں کی دنیاؤں تک بھی پہنچ سکے جو کروڑوں، عربوں، کھربوں میل ہم سے دور ہیں اور جن پر روشنی سینکڑوں سال بعد پہنچتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان گوکہ روشنی کی رفتار سے کسی بھی امکان کے تحت سفر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن اگر آئندہ کے سینکڑوں سال یا کئی دہائیوں کے بعد ہم تصور کرلیں کہ انسان کبھی روشنی کی رفتار سے بھی سفر کرسکے گا جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے تو ان وسعتوں کو سر کرنے کے لیے کئی سو نوری سال درکار ہیں جبکہ آدمی کی اوسط عمر ہی 50، 60 یا 70 سال ہے اور اس میں بھی مضبوط اعصاب کے ساتھ کام کرنے کی عمر 50 سال کی عمر سے پہلے پہلے ہی ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان ان وسعتوں کو کیسے طے کرسکتا ہے۔ کس چیز کی رفتار روشنی سے بھی زیادہ ہے اور اس میں سفر کرنا کیسے ممکن ہے۔ میں بہت غور کرنے کے بعد اس ہی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ''خیال'' کی ہی وہ قوت ہوسکتی ہے کہ جو ان وسعتوں کو ماورائے عقل طریق سے پاٹ دے۔ آپ جب کسی شہر یا چیز کی طرف اپنا خیال لے جاتے ہیں تو وہ ایک سیکنڈ سے پہلے آپ کے ذہن کے پردے پر منظر کش ہوجاتی ہے۔ آپ جب اپنے کسی عزیز، دوست کو یاد کرتے اور اس کا تصور کرتے ہیں تو چاہے وہ کروڑوں میل دور ہو (بہر حال زمین کی وسعت تو ہزاروں میل سے زیادہ نہیں ہے اس لیے دوست ہزاروں میل ہی دور ہوگا لیکن اگر وہ کروڑوں میل بھی دور ہو تو کلیہ یہی رہے گا) یا عربوں کھربوں میل دور وہ ایک سیکنڈ سے پہلے اپنی تمام شکل وصورت اور اوصافِ شخصیت کے ساتھ آپ کو تصوراتی طور پر آن ملے گا۔ گویا کہ خیال کی طاقت Time اور بُعد (فاصلہ) کو خاطر ہی میں نہیں لاتی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھی ہوئی چیزیں ہمارے ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں یہ کہیں باہر

Marfat.com

سے ہمارے ذہن میں نہیں آتیں۔ مانتا ہوں کہ ایسا ہی ہے لیکن یادداشت کیا شے ہے؟ کیا یہ کوئی مادی شے ہے؟ یہ کسی چوٹ سے کیسے چلی جاتی ہے یا کسی حادثے سے کیسے لوٹنے کا امکان بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ بڑھاپے، بیماری یا چوٹ وغیرہ کی وجہ سے بعض اوقات یادداشت متاثر ہوجاتی یا سرے سے غائب ہی ہوجاتی ہے۔ اس لیے آج کل اس پر بڑا کام ہورہا ہے اور سائنس دان معلوم کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ یہ دراصل ہے کیا شے۔ اس کا ذہن سے کیا تعلق ہے کیا ذہن کوئی مادی شے ہے یا ذہنی تحریکات کیا کوئی مادی شے ہیں۔ سائنس دان اس مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں کہ جب دماغ کی عضویاتی مشینری ہی ذہن اور تحریکات ذہنی کو جنم دینے، قائم رکھنے اور فروغ دینے میں بنیادی بلکہ تمام تر کردار ادا کرتی ہے اور اگر دماغ کے کسی حصہ میں جزوی خرابی پیدا ہوجائے تو متعلقہ ذہنی صلاحیت متاثر ہوتی ہے تو اس لیے اس کا تمام تر دارومدار دماغ پر ہی ہے اور یہ ایک مادی شے ہے یا مادے کی Product ہے۔ لیکن دوسری جانب وہ یہ پتا لگانے میں ناکام رہے ہیں کہ یادداشت کیوں چلی جاتی ہے گوکہ اس کے لیے وہ بہت دلائل پیش کرتے ہیں کہ حساس عضویاتی تخریب کی بنا پر ایسا ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ درست کہتے ہیں تو کیوں بالآخر یادداشت لوٹانے میں کامیاب نہیں ہوجاتے؟ کیوں یادداشت کھوئے ہوئے انسان کی وہ کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ سوائے دماغ کو مضبوط اور فعال بنانے والی ادویات دینے کے ان کے پاس اس کا کیا حل ہے اور کیا جواب ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یادداشت یا ذہن کوئی غیر مادی شے ہے، جس کا تعلق انسانی روح سے ہے اور ہمارے مادی جسم سے اس کا ایسے ہی اتصال ہے جیسے جسم کا روح سے کہ جسے سائنس دان سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بلکہ وہ روح کے قائل ہی نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ زندہ جسم، مردہ جسم میں کیوں تبدیل ہوجاتا ہے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، سوائے اس کے کہ مردہ جسم کے فلاں فلاں عضو کی کارکردگی ناقص تھی اور ان کے خیال میں بندے کے مرنے کے بعد قصہ ختم ہوجاتا ہے۔ کچھ باقی نہیں رہتا، اللہ اللہ خیر سلا! ۔ لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ میرے خیال سے خیالات کا تعلق روح سے ہے اور روح زمان و مکان کو خاطر میں نہیں لاتی، اگر اس پر تحقیق کی جائے اور روحانی طریقہ اختیار کیا جائے تو بڑے ہی وثوق سے کہتا ہوں کہ انسان معرکہ آراء ترقی کرے گا، تبھی وہ کائنات کی وسعتوں پہ چھا سکے گا۔ جس طرح مادی دنیا کو Discover کرنے کے لیے دن رات کوششیں جاری ہیں اور بہترین دماغ دن رات کام کررہے ہیں۔ اسی طرح اگر روحانی دنیا پر بھی دنیا کے بہترین دماغ مجتمع ہوکر کام کریں تو آپ یقیناً مادی ترقی کو بھول جائیں گے بلکہ گھٹیا سمجھیں گے۔ مادے کو چھلکا اور روح کو پھل یا جوہر گردانے گے۔ میری اس پر الحمد للہ تحقیق جاری ہے اور یقیناً مغربی ممالک میں اس پر بھی کافی کام ہورہا ہے۔ امید کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں ہم لوگوں کو کئی اہم تحائف دے سکیں گے۔

Marfat.com

تاہم خبردار رہیے:

کہ میں نے روحانیت کے عنوان کے تحت شروع میں جو روحانی علوم گنوائے تھے بے شک ان میں ترقی کر کے بھی بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اصل علم روحانی قرآن پاک اور آسمانی کتابوں میں ہے۔ اس کے مطابق عمل پیرا ہو کر روح کو اتنا طاقت ور اور بلند مقام بنایا جا سکتا ہے کہ دنیا دنگ رہ جائے اور خیال ہی بنیادی طور پر وہ Source، ذریعہ، راستہ اور طاقت ہے کہ جسے استعمال میں لا کر روحانی دنیا کا بال سے باریک دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔ جس پر بڑے دبیز پردے پڑے ہیں اور پھر دیکھیں کہ کائنات کیسے فتح ہوتی ہے۔

بقول حضرت سلطان باہوؒ۔

ے شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دا موری ہُو
مُلا ملوانے لنگن نہ دیندے جیہڑا النگدا لنگدا چوری ہُو

نوٹ: یہاں ملا ملوانے سے مراد مادی دنیا اور اس کے وابستگان، مادی سائنس دان بھی مراد لیے جا سکتے ہیں اور اصل مُلا جی بھی۔

Marfat.com

مضمون نمبر 8

جولائی 2007ء واقعہ لال مسجد، اسلام آباد، پاکستان۔ اس کی وجوہات اور سد باب

13-07-2007 ایک انتہائی بھیانک واقعہ: اسلام آباد جو کہ پاکستان کا صدر مقام ہے اس کے عین وسط میں لال مسجد اور ملحقہ مدرسہ حفصہؓ کے دو منتظمین مولانا عبدالعزیز غازی اور مولانا عبدالرشید غازی المعروف غازی برادران نے رواں سال ماہ فروری میں مدرسہ ہذا کے قریب ایک چلڈرن لائبریری پر بذریعہ طالبات مدرسہ حفصہؓ ناجائز قبضہ حکومت کے اسلام آباد میں کچھ مساجد کو گرانے کے جواب میں احتجاجاً کر لیا اور ساتھ ہی نفاذ شریعت کا اعلان بھی کر دیا۔ مدرسہ ہذا کے طلبا و طالبات جو کہ تین چار ہزار بنتے تھے نے لاٹھیاں اٹھا لیں اور کچھ کلاشنکوفوں سے بھی لیس تھے اور اسلام آباد کے باسیوں کو سیدھی راہ پر چلانے، بے حیائی اور غیر شرعی حرکات سے روکنے کے لیے عملی اقدامات کرنے لگے۔ حکومت نے حیران کن حد تک انھیں ڈھیل دی اور کوئی قانونی کاروائی عمل میں نہ لائی گئی۔ البتہ بحث و مباحثہ سے بات سلجھانے کی کوشش کی۔ اس طرح سلسلہ چلتا رہا اور کئی ماہ گزر گئے۔ طلبا کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے غیر شرعی حرکات میں ملوث لوگوں کو اٹھا کر مدرسہ لانا شروع کر دیا۔ یہاں انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر توبہ تائب کروایا جاتا پھر چھوڑ دیا جاتا۔ حکومت نے پہلے تو انتہائی پراسرار خاموش پالیسی اختیار کیے رکھی تاہم رواں ماہ کی غالباً یکم تاریخ کو جب حکومت نے مدرسہ کے گرد پولیس تعینات کر کے خاردار تار لگانے کی کوشش کی تو تصادم ہوا جس میں ایک دو دو آدمی دونوں اطراف کے مارے گئے۔ تین جولائی کو حکومت نے آناً فاناً مدرسہ کو پولیس، رینجرز اور آرمی کمانڈوز کی مدد سے نہ صرف گھیر لیا بلکہ بکتر بند گاڑیوں اور جدید اسلحہ سے لیس آرمی کے دستوں نے یوں پوزیشنیں سنبھال لیں کہ جیسے ریڈ الرٹ میں انڈیا کے ساتھ جنگ شروع ہوا چاہتی ہے اور ساتھ ہی فائرنگ کا تبادلہ بھی دونوں اطراف سے شروع ہو گیا۔ گرد و پیش کے تمام علاقہ میں کئی کلومیٹر تک کرفیو لگا دیا گیا اور ہر طرح کے میڈیا و صحافیوں پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ متعلقہ مسجد سے دو تین کلومیٹر دور بیٹھ کر صرف وہی خبریں عوام تک پہنچا سکتے ہیں جو حکومت انھیں مہیا کرتی۔ پہلے دو تین دن میں تقریباً بارہ تیرہ سو طلبا و طالبات نے بشمول مولانا عبدالعزیز خود کو حکام کے حوالے کر دیا لیکن اس کے بعد دھیرے دھیرے withdraw کرنے والوں کی تعداد میں کمی آتی چلی گئی اور روزانہ دو چار بندوں کے علاوہ باہر نہ آئے۔ ساتھ ہی ساتھ حکومت کا دباؤ بھی بڑھتا گیا اور شدید فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ چلتا رہا۔ اندازہ ہے کہ آخری آپریشن کے وقت بھی 800 یا ہزار طلبا و طالبات اندر موجود تھے جن کی عمریں آٹھ دس سال سے لے کر انیس یا بیس سال تک ہونگی۔ تاہم حکومت کا

Marfat.com

دعویٰ تھا کہ اندر دہشت گرد موجود ہیں جنہوں نے طلبا کو اور مولانا عبدالرشید غازی کو بھی یرغمال بنا رکھا ہے اور withdraw نہیں کرنے دیتے جبکہ مولانا غازی کا کہنا تھا کہ اندر میڈیا والوں کو بھیجا جائے کہ اندر سینکڑوں لاشیں حکومتی فائرنگ کے نتیجہ میں پڑی ہوئی ہیں اور ہمارے پاس سوائے چند کلاشنکوفوں کے اور اسلحہ بھی نہیں ہے اور نہ کوئی طلباء مدرسہ ہٰذا کے علاوہ اندر دہشت گرد موجود ہے۔ حکومت کے ساتھ مذاکرات ہوتے رہے اور ساتھ گولیاں اور گولے بھی برستے رہے۔

آخری مذاکرات کا سلسلہ مورخہ 9 جولائی کو شروع ہوا۔ حکومت نے اعلیٰ مشاورت اور سپریم کورٹ کی مداخلت کے بعد چوہدری شجاعت حسین کی سربراہی میں چند وزراء اور علما بشمول عبدالستار ایدھی کا وفد مذاکرات کے لیے لال مسجد روانہ کیا کیونکہ حکومت پر طلبا کی سلامتی کے لیے بہت زیادہ عوامی، سماجی اور اخلاقی دباؤ تھا۔ بہر حال فریق عدم اعتماد کی وجہ سے آمنے سامنے بیٹھ کر بات نہ کر سکے اور ٹیلی فون پر مذاکرات ہوئے۔ مولانا غازی کا مؤقف تھا کہ انھیں لال مسجد بحران کے شروع سے اب تک جو معاملات پیش آئے ہیں ان پر کوئی باز پرس نہ کی جائے اور محفوظ راستہ دیا جائے کہ وہ اپنے گاؤں چلے جائیں اور باقی زندگی وہیں گزاریں۔ وہ مسجد اور مدرسہ محکمہ اوقاف اور وفاق المدارس کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ نیز جوان کے ساتھی مدرسہ کے اندر فوج کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، انھیں لال مسجد و مدرسہ اور حکومت کے درمیان تنازعہ کے دوران جو واقعات پیش آئے، بشمول آپریشن کے دوران کے جانی نقصانات وغیرہ کے ان سے بری کیا جائے۔ ہاں اگر اس معاملے سے پہلے وہ کسی کیس میں مطلوب ہوں تو ان سے بے شک باز پرس کی جائے اور اگر وہ باقی معاملات میں مطلوب نہ ہوں تو انھیں بھی چھوڑ دیا جائے۔ نیز باقی طلبا و طالبات اور بچوں کو اگر ان میں سے کوئی مطلوب دہشت گرد نہیں ہے تو اپنے اپنے گھر جانے دیا جائے اور سرنڈر کرنے کے بعد ہماری عزت کا خیال رکھا جائے۔ جبکہ حکومت کا شروع دن سے یہ مؤقف تھا کہ عبدالرشید غازی غیر مشروط طور پر مع اپنے ساتھیوں اور طلبا کے خود کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ ان کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک ہوگا، جس کے لیے غازی صاحب اور ان کے ساتھی تیار نہ تھے کیونکہ قانون کے مطابق بغاوت اور ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کی سزا موت کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ حکومت نے یہ بھی بار بار کہا کہ غازی صاحب اپنے اور اپنے مسلح ساتھیوں Militants کے علاوہ جو طلبا و طالبات ہیں انھیں مسجد سے باہر بھیج دیں تاکہ وہ خونریزی سے بچ جائیں لیکن غازی صاحب کا مؤقف تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر باہر نہیں جانا چاہتے۔ جو طلبا جانا چاہتے تھے وہ جا چکے ہیں۔ بہر حال اعلیٰ سطحی وفد غازی صاحب کے مطالبات تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ منظور کر چکا تھا اس معاہدے کو تحریر کیا گیا، فریقین کے دستخط ہوئے اور علماء نے کہا کہ وہ نماز فجر کے وقت قوم کو خوشخبری سنائیں گے کیونکہ چوہدری شجاعت حسین صاحب معاہدے کو حتمی منظوری کے لیے صدر مشرف کے پاس لے جانا اپنے اختیارات کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن افسوس صد ہا افسوس کہ صدر جنرل پرویز مشرف نے معاہدے میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کر دیں اور کہا کہ (بقول علما) اگر ان پر لال مسجد والے راضی ہوں تو ٹھیک

Marfat.com

ہے ورنہ مزید کوئی بات نہ ہوگی اور مزید افسوس صد افسوس کہ ان تبدیلیوں کو مولانا عبدالرشید غازی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے قبول نہ کیا۔ اگر وہ یہ سوچتے کہ آپریشن کے نتیجہ میں وہ سب زندہ نہ بچیں گے لیکن کم از کم سینکڑوں طالبات اور بے گناہ طلباء تو معاہدہ ہو جانے کی صورت میں بچ سکتے ہیں، گو کہ ان معصوم زندگیوں کو بچانے کے لیے انھیں خود کو حکام کے حوالے کرنا پڑتا تو یہ سودا گھاٹے کا نہ تھا۔ دوسری طرف حکومت جس کی کہ غازی صاحب سے زیادہ اصلاحِ حال کی ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ اپنے سینکڑوں شہریوں کو بچانے کے لیے 60 یا 70 لوگوں کو Safe Passage دے دیتی کہ وہ چلے جائیں تو یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن حکومت نے اپنا فرض یہاں آ کر قطعاً نہ نبھایا اور انتہائی بے دردی اور سفا کی بلکہ بے حسی سے ریاستی بھرپور طاقت استعمال کر کے سب کو کچل کے رکھ دیا۔ حکومت نے تا حال 102 لال مسجد کے مکین اور صرف 10 سیکیورٹی فورسز کے اہلکاروں کی ہلاکت کا اعتراف کیا ہے جبکہ عوامی و سیاسی اور مذہبی حلقوں کا خیال ہے کہ ہلاکتیں اس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ سینکڑوں عفت مآب اور پاکیزہ برقعہ پوش طالبات کہ جن کو کسی غیر مرد کی نگاہ یا ہاتھ نے چھوا بھی نہ تھا اور سینکڑوں Teen Ager طلباء کہ جو محض مدرسہ کے محصور ماحول میں پلے بڑھے تھے اور دینی علمائے وقت کی اسلامی فلاسفی سے آگے عہد حاضر کے تقاضوں سے قطعاً نابلد تھے۔ نفاذ شریعت اسلامی کے نام پر حکومت کی بے رحمی کا یوں نشانہ بنے کہ جیسے کربلا میں یزید کے ہاتھوں حضرت امام حسینؑ ان کی اولاد اور انکے ساتھی، مگر اس فرق کے ساتھ کہ یزید کے سپاہیوں نے خواتین کو قید کرنے کے بعد رہا کر دیا لیکن ان پر تلوار نہیں اٹھائی۔ یوں یہ آپریشن پاکستان کی تاریخ کا سیاہ اور شرمناک باب بن کر اپنے انجام کو پہنچا۔

جہاں یہ المناک حادثہ حکومت کو ہدفِ تنقید بناتا ہے وہاں علما بھی اس انجام کے ذمہ دار ہیں بلکہ میں کہوں گا کہ امتِ مسلمہ کے زوال اور آج دنیا میں اپنا جو حال ہم دیکھ رہے ہیں اس کے اصل ذمہ دار دین کی تبلیغ و تشریح اور نفاذ کرنے والے ہیں۔ یہ ہماری ہلاکتوں، ہزیمتوں، ناکامیوں اور ذلتوں کے اصل ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے اسلام کو اس جدید رنگ میں ڈھالا ہی نہیں جس کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اسلام کا اصل چہرہ ہی مسخ کر دیا ہے۔ بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ یہ اس دین حق سے واقف ہی نہیں جو نبی پاک ﷺ لے کر آئے اور جو اسلام آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں تقریباً سارے عرب اور بعد ازاں چند دہائیوں میں آدھی دنیا پر چھا گیا۔ آج جو اسلام پیش کیا جاتا ہے کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ اس کے اندر اتنی قوت ہے کہ یہ دنیا پر حکومت کر سکے۔ یاد رکھیئے آپ اس اسلام کو جو آپ نے خود تراش لیا ہے لے کر جتنے خلوص، اعلیٰ نیت اور جذبۂ ایمانی سے آگے بڑھیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور نفاذ شریعت کی تمام تحریکوں بلکہ مسلمانوں کی آزادی (حقیقی آزادی) کی تمام جدو جہدوں کا انجام یہی ہوتا رہے گا جو آج کی دنیا میں ہو رہا ہے۔ نگاہ اٹھایئے اور دیکھئے دنیا کا کون سا خطۂ ارضی ہے جہاں ہم پٹ نہیں رہے، جہاں ہم محکوم نہیں، جہاں ہم پر ظلم نہیں ہو رہا۔ کیا ہر جگہ ہماری عزت اور بقا داؤ پر نہیں لگی ہوئی؟ اور اگر صورتِ حال یہی رہی تو وہ وقت دور نہیں جب ہم مکمل طور پر غلام بنا لیئے جائیں گے۔ ہمارے اندر حق کے لیے ہمت، طاقت، غیرت،

Marfat.com

جوش اور جذبہ ختم ہو جائے گا اور ہم بنی اسرائیل کی طرح وقت کے فرعونوں کے سامنے خود کو برضا و رغبت غلامی اور مکمل بے چارگی کے لیے ہر دم ہر لمحہ پیش کرتے رہیں گے۔ بحث طویل ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو دنیا کے مختلف حصوں سے آج بھی بہت سی ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ جہاں کسی قوم کے کسی خاص طبقہ نے خود کو اپنی نااہلی کی وجہ سے غلام بنا رکھا ہے۔ قومی سطح پر تو مسلمانوں کے علاوہ سارے (Third World) تیسری دنیا کو آپ بڑی قوموں کا محکوم بنا دیکھ ہی رہے ہیں۔ بہر حال میری آج کی گفتگو چونکہ دنیا کی اجتماعی غلامی سے متعلق نہیں ہے بلکہ میں آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا جائزہ لے کر انھیں وہ راہ سمجھانا چاہتا ہوں جس پر چل کر وہ نہ صرف کامیاب ہو سکتے ہیں بلکہ اگر وہ کوشش و ہمت سے کام لیں تو ساری دنیا کی حکومت آج بھی انھیں مل سکتی ہے۔ چلیے اس بات کا جائزہ لیں کہ یہ کیسے ممکن ہے اور یہ سم سم کس چابی سے کھلے گی۔ اس کے لیے الگ سے پورا ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 9

عہد حاضر یعنی اکیسویں صدی کے مومنین کون سے لوگ ہیں؟

جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو بھیجا ہے ساتھ ہی بذریعہ وحی ہدایت کا سلسلہ بھی جاری ہے گو کہ انسان اپنے تجربات ومشاہدات سے بھی بہت کچھ سیکھتا ہے اور انسان نے آج تک جتنی ترقی کی ہے وہ وحی کی روشنی کے ساتھ ساتھ اپنے تجربات اور پیہم مشاہدات کی مرہونِ منت ہے لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ انسان جو کچھ اپنے تجربات سے سیکھتا ہے اس میں وہ بار بار ٹھوکر کھاتا ہے، نقصان اٹھاتا ہے اور بڑی دیر میں جا کر ٹھیک سمت سفر اختیار کرتا ہے اور اس کا یقین نہیں ہوتا کہ اب بھی سفر 100% صحیح سمت جاری ہے یا کچھ فرق موجود ہے۔ چنانچہ اس طرح سے انسان کی ترقی کی رفتار بہت کم ہو جاتی ہے تاہم اگر وحی کی روشنی میں سفر اختیار کیا جائے تو گو کہ وحی بنیادی اصولوں کی ہی رہنمائی کرتی ہے لیکن یہی اصول وقاعدے اور اشارے ونشاندھیاں ایک ایسے بیج کا کام دیتی ہیں جسے اگر مناسب ماحول اور خوراک میسر آئے تو وہ خوب برگ وبار لاتا ہے اور اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ اس طرز عمل سے نہ صرف فرد کی شخصیت کی صحیح تعمیر وترقی ممکن ہوتی ہے بلکہ اقوام بھی درست سمت میں بڑھتی اور عروج اختیار کرتی ہیں جبکہ وحی کو چھوڑ کے محض Hit and Trial کے طریقۂ کار کے ذریعے انسان کی جبلت و فطرت میں موجود شیطانی قوتیں اپنا کھیل کھیلنے کے لیے آزاد ہو جاتی ہیں گو کہ انسانی فطرت میں رحمانی قوتیں بھی سمو دی گئی ہیں لیکن انسان چونکہ وحی کی روشنی کے بغیر رحمانی اور شیطانی قوتوں اور صلاحیتوں میں ٹھیک طرح سے تمیز نہیں کر سکتا اس لیے اکثر گمراہ ہو جاتا اور نقصان اٹھاتا ہے مذہبی اور معاشرتی وسماجی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب جب کوئی نبیؑ یا پیغمبرؑ، خدا کی طرف سے مبعوث ہو کر آئے، انہوں نے اپنے دور کے معاشرے کی نہ صرف اصلاح کی بلکہ دنیا کو بھٹکی ہوئی اور جہالت کی راہوں سے ہٹا کر ترقی وخوشحالی کی منزلوں کی طرف گامزن کر دیا۔ چونکہ آسمانی کتب کے علاوہ باقی تاریخِ انسانی کو ہم محفوظ نہ کر سکے اس لیے قدیم انسانی تہذیبوں کے عروج وزوال میں موجود بنیادی عناصر سے ہم بے خبر ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ان اقوام کے زوال میں ان کی جہالتوں اور عروج میں وحی الٰہی نے کیا کردار ادا کیا تھا اور آج کے دور میں جو لوگ اللہ کی وحی پر عملاً ایمان نہیں رکھتے وہ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آسمانی کتب ترقی وخوشحالی کا منبع ومحور کیسے بنی رہیں یا کیسے بن سکتی ہیں۔ دراصل آسمانی کتب میں یا تو لفظی یا معنوی تحریف کر دی گئی یا پھر ان کے ساتھ دیگر انسانی اقوال وروایات، تماثیل وواقعات اور تاریخ وتمدن کو نہایت غیر محسوس اور غلط طریقہ سے گڈمڈ کر دیا گیا جس کی وجہ سے کوئی بھی دین اپنی اصل شکل پر برقرار نہ رہ سکا۔ یہی حال ہمارا بھی ہوا۔ نبی پاک حضرت محمد ﷺ پر جو آسمانی کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی وہ گو کہ اپنے عربی متن میں واقعی محفوظ چلی آ رہی ہے لیکن علمائے دین کا اسلامی لٹریچر حتیٰ کہ قرآن مجید کے مختلف مکتبۂ

Marfat.com

فکر کے علماء کے تراجم اور تفاسیر اٹھا کر دیکھئے تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ ان میں معنوی طور پر اور تشریحی اعتبار سے کئی مقامات پر کتنا فرق ہے اور بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بعد حدیث کا مقام آتا ہے اس میدان میں بھی آپ کو حیرت میں ڈوبنا پڑے گا کہ مختلف فرقوں اور مکتبۂ فکر کے علماء کے پاس اپنے اپنے معیار اور ایمان پر پورا اترنے والی احادیث موجود ہیں ۔ ہر کوئی ان کو قوی جبکہ دوسرے فرقوں کی احادیث کو ضعیف کہتے نہیں تھکے گا ۔اس کے فقۂ اسلامی کو لیجئے تو اس راہ کے مسافروں میں بھی اتفاق نظر نہ آئے گا بلکہ پہلے تو اماموں پر اختلاف اور اس کے بعد ان آئمہ کرام کی لکھی ہوئی فقہوں میں اختلاف، سنی ،شعیہ اختلاف کو تو چھوڑ دیں کہ اس کی ایک پوری تاریخ موجود ہے،خود ہر دو فریقوں میں مزید کئی فرقے ہیں، ہر فرقے کا ایک امام ہے اور امام ہی ان کا سب کچھ ہے اور جب ان سے پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تفرقہ سے سختی سے منع فرمایا ہے تو حدیث پیش کر دی جاتی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت میں 72 یا 73 فرقے ہونگے'' اس حدیث شریف کا مطلب ہے کہ امت بری طرح 72 یا 73 فرقوں میں الجھ جائے گی جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا جبکہ ان فرقوں سے ہٹ کر ایک مومنین کا گروہ ہی اسلام پر قائم ہوگا۔ احادیث کے بعد مختلف قصے ہیں، کہانیاں ہیں، روایات ہیں، اسلامی تاریخ ہے، تاریخی واقعات ہیں، علما، آئمہ اور صوفیا سے منسوب سینکڑوں داستانیں ہیں۔ یقین کیجیے کہ جب میں نے اپنی بساط بھر ان سب کا مطالعہ کیا عمق میں گیا تو میں نے محسوس کیا کہ اسلام کا حال یوں ہے کہ جیسے کسی کاغذ پر کوئی تحریر اور پیغام لکھ کر اسے پرزے پرزے کر دیا جائے اور تند و تیز آندھی کی وجہ سے یوں بکھرے کہ کوئی پرزہ یہاں کوئی وہاں کوئی کہیں تو کوئی کہیں گرے اور مزے کی بات یہ کہ جو پرزہ جس کے ہاتھ لگے وہ اسے ہی پورا اسلام سمجھ لے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ قیمتی موتی ہیں جو بکھرے پڑے ہیں ایک بات اگر ایک فرقے کی صحیح ہے تو دوسری بات کسی اور فرقے کے پاس درست ہے اور یوں حقیقت ہر طرف بٹی پڑی ہے اور ہر کوئی خود کو مکمل درست سمجھتا ہے ایسے میں حقیقت کو کہاں تلاش کیا جائے اور کیسے؟

حقیقت کو صرف قرآن مجید میں تلاش کیجیے:

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور اس ذات پاک کا احسان ہے کہ اس کتابِ الٰہی کی حفاظت کی ذمہ داری اس نے خود لی اور یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا کہ آج تک یہ کتاب من وعن محفوظ ہے۔تمام الفاظ وحرکات (زیر، زبر، پیش) کے ساتھ محفوظ ہے۔ یہ میں محض ایمان کی وجہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ میں نے اس کا بار بار مطالعہ کیا ہے مجھے کہیں کوئی جھول، کوئی نقص، کوئی انسانی ملاوٹ یا بناوٹ نظر نہیں آتی۔ زیادہ مطالعہ اور رغبتِ الٰہی کی بنا پر ایک ایسا فہم اللہ کی طرف سے عطا ہو جاتا ہے کہ قلب حق و باطل کی گواہی دینے لگتا ہے میں نے دوسری آسمانی کتب جن کے مجموعے کو آج کل بائبل مقدس کہا جاتا ہے کا بھی اسی ذوق وشوق سے مطالعہ حسب توفیق کیا ہے اور مکمل غیر جانب دار رہ کر انھیں کھنگالا ہے لیکن ان میں اللہ کے کلام کا معنی ومفہوم تو اکثر مقامات پر ضرور ملتا ہے لیکن جن زبانوں میں یہ اتری ہیں انکے الفاظ میں موجود نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم انھیں

Marfat.com

مکمل کلامِ الٰہی نہیں کہہ سکتے اور پڑھنے سے اس بات کا اندازہ خوب ہو جاتا ہے۔لیکن اس کا مفہوم یہ نہیں کہ ہم ان کے ماننے سے انکار کر دیں۔ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھے ہاں ان کتب کی تمام تعلیمات بنیادی اور اصولی تعلیمات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھوٹا الگ کیا جا سکتا ہے۔لیکن جہاں تک یہ پراپیگنڈا ہے کہ یہ کتب آسمانی مکمل طور پر تحریف شدہ ہیں اور انھیں پڑھنا جائز ہی نہیں یہ قطعاً غلط ہے ان کتب کا مطالعہ کریں تو جگہ جگہ ہدایات ربانی اور حکمت یزدانی کے موتی بکھرے نظر آتے ہیں، البتہ دیکھنے والی آنکھ ہونی چاہیے۔لیکن چونکہ قرآنِ حکیم مکمل و محفوظ ترین اور Latest کلامِ الٰہی ہے اس لیے اس کا مطالعہ اور اس پر گہرا تدبر بہت ضروری ہے۔

کیا قرآن کو چھوڑ کر آج کی ملغوبہ اسلامی شریعتوں سے ترقیٔ دو جہاں ممکن ہے؟

اسلامی تاریخی، روایات، دیگر آسمانی کتب (موجودہ حالت) احادیث اور فقہ (جو پانچ ہیں) کو جب ہم قرآن کے ساتھ ملا کر ایک شریعت تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایک عجیب سا ملغوبہ تیار ہو جاتا ہے جس میں ہم کھو کر رہ جاتے ہیں اور ہم ایک ایسی بند گلی میں پہنچ جاتے ہیں۔جس پہ اکیسویں صدی کا سورج نہ صرف یہ کہ نہیں چمکتا بلکہ تشخصِ اسلام دھندلا کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ہر ریزہ کا دعویٰ کہ وہی اصل اسلام ہے اور اگر کوئی ان ریزوں کو چن کر اکٹھا کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ زخم زخم، دل کرچی کرچی، آنکھیں اشک اشک اور حوصلے پاش پاش ہو جائیں۔اسی ملغوبے نے مل کر درجنوں فرقوں کو جنم دیا ہے اور تقلید کے اندھے بتوں نے ہم سے تدبر، تفکر، ایمان، ترقی، جدت، ہم رکابیٔ زمانہ، طاقت ور رفتار نمو، تازگی، امامت (Leadership) حتیٰ کہ میں سمجھتا ہوں انسانیت بھی چھین لی ہے۔

کیا آج ہم مسلمانوں کی بقاء خطرے میں نہیں:

مجھے یہ کہنے دیجیے کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہماری بقاء، سلامتی اور حیاتِ اجتماعی خطرے میں ہے اور کوئی اس بات پر غیر جانب دار ہو کر تہہ دل سے غور کرنے کو تیار نہیں کہ ایسا کیوں ہے اور ہم کیسے اس دلدل سے نکل سکتے ہیں۔اسلام کو ناقابلِ عمل سمجھا جانے لگا ہے۔ہمیں ناکام لوگ اور دنیا پر بوجھ امت سمجھا جاتا ہے، ہمیں دنیا سے مٹانے یا مغربی کلچر میں رنگنے کی کوششیں تیز تر ہو چکی ہیں۔جدید تعلیم سے من حیث القوم ہم ناآشنا ہیں۔

ہمارے اجتماعی I.Q Level کے کم ہونے کی وجہ سے دنیا ہمیں اپنے مقاصد کے لیے آسانی سے استعمال کرتی اور ہمارے جذبہ ایمانی سے مکارانہ طور پر مستفید ہوتی ہے:

ذہنی صلاحیتوں کو صدیوں سے استعمال نہ کرنے یا بہت کم استعمال کرنے کی وجہ سے ہمارا I.Q Level بھی دوسری ترقی یافتہ اقوام کے مقابلہ پر کہیں کم ہے یہی وجہ ہے کہ دوسری ذہین اقوام ہمیں بڑی صفائی اور ڈھٹائی سے استعمال

Marfat.com

کرتی ہیں اور ہم غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں، کبھی ہمیں اپنی مقبوضہ نوآبادیاں بنالیا جاتا ہے، کبھی ہمیں ہمدرد بن کر لوٹ لیا جاتا ہے، کبھی تجارت کی آڑ میں شب خون مارا جاتا ہے، کبھی ظالم کٹھ پتلی حکمرانوں کے ذریعے ہمارا خون چوسا جاتا ہے، کبھی ہمارے قیمتی وسائل اور قومی اثاثوں کو بزور چھینا جاتا ہے، کبھی ہمیں اسلحے کے انبار دے کر ہمارے جذبۂ جہاد سے شکست روس کی بنا پر یورپ حیات نو حاصل کرتا ہے اور جب ہم مغرب وامریکہ کی بقاء کی جنگ اپنی لاکھوں جانوں کی قربانی محض جذبۂ شہادت کے تحت دے کر جیت جاتے ہیں تو ہمیں انعام میں دہشت گرد قرار دے کر ہم پر بم برسائے جاتے ہیں اور ہمارے جذبۂ جہاد کو روس جیسی بھیانک طاقت سے زیادہ خطرناک قرار دے دیا جاتا ہے۔ ہم گو کہ اصل دینِ اسلام کو تو گم کر چکے ہیں لیکن مروجہ اسلام، جن مساجد و مدرسوں کے دم قدم سے زندہ ہے وہ ہمیں وہ رہنمائی یا علم و عمل تو عطا نہیں کر سکتے کہ جس پر ہم صحیح معنی میں دنیا کا مقابلہ کر سکیں لیکن اسلام اور امتِ مسلمہ کا وحشت ناک حشر دیکھ کر وہ بہر حال تڑپ اٹھتے ہیں۔ چونکہ مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے لیکن جان دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں اس لیے چھاپہ مار جنگ یا خودکش حملوں کا راستہ اختیار کرتے ہوئے دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چونکہ اس طرح سے بہت سے بے گناہ شہری، خواتین اور بچے بھی ان حملوں یا بم دھماکوں سے نقصان اٹھاتے ہیں اور یہ مسلمہ جنگی اصولوں کے خلاف ہے، اس لیے اسے دہشت گردی کہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا نہ صرف اس کی مذمت کرتی ہے بلکہ اس قسم کے عناصر کے خاتمے کے لیے سب متحد ہیں اور اس سوچ کے حامل افراد کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ ترقی یافتہ اقوام کی اعلیٰ ذہانتوں میں چھپی نت نئی دہشت گردیاں نہ صرف دنیا کے امن کو تہہ و بالا کیے ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے غریب، پسماندہ اور کم خواندہ اقوام کی ترقی و خوشحالی کو اپنے خونخوار جبڑوں میں جکڑ رکھا ہے۔ لیکن اس میں کوئی ایسی حیرانگی کی بات نہیں ہے۔ دراصل دنیا میں لاکھ تہذیب و اخلاق کے چرچے کر لو یہاں جنگل کا قانون نافذ ہے یعنی ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس''۔ صدیوں پر پھیلی انسانی تاریخ دیکھ لیجیے کسی بھی دور میں یہ مقولہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ ہر دور میں طاقت ور افراد کمزور افراد پر اور قوی اقوام خستہ حال اقوام پر حاوی رہے ہیں اور جہاں بھی طاقت کا توازن بگڑا، ظلم کا بازار گرم ہو گیا۔

جب منظر نامہ یہ ہے تو کیوں نہ ہم اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیں:

وہ کون سے عناصر ہیں کہ جن کی وجہ سے ہم پارہ پارہ اور ترقی سے دور ہیں؟

حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، آپ ﷺ پر آخری آسمانی کتاب ''قرآن مجید'' نازل ہوئی اور اس میں مکمل دینِ اسلام بیان فرما دیا گیا۔ اس کتاب اللہ میں ایمان کی وہ طاقت اور ایسے اصول مع قواعد و ضوابط کے موجود ہیں اور ترقی و عروج کی وہ حرارتیں پائی جاتی ہیں کہ جن پر صحابہ کرامؓ نے عمل کرتے ہوئے ایک دنیا فتح کر لی تھی۔

Marfat.com

علم حدیث اور گھڑی ہوئی جھوٹی احادیث کے مضمرات قومی:

میرا عقیدہ:

نبی پاک ﷺ کے قولِ صادق کو حدیث کہتے ہیں۔ اگر ثابت ہو جائے کہ فلاں فلاں احادیث میرے نبی اکمل محمدؐ مصطفیٰ سے منسوب ہیں تو ان پر دل و جان سے عمل کرنا میرے ایمان کا حصہ ہے۔ نبی پاکؐ کا حکم اللہ کا حکم ہے اور میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے عشق نبیؐ مسلمان کی جان ہے۔

احادیث کو لکھنے سے نبی پاک ﷺ نے منع فرما دیا تھا البتہ زبانی بیان کرنے سے منع نہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں اور نہ ہی خلفائے راشدین کے ادوار میں احادیث کو احاطہ تحریر میں لایا گیا۔ حتیٰ کہ تقریباً دو اڑھائی سو سال تک احادیثِ نبوی تحریری شکل میں موجود نہ تھیں۔ نبی پاک نے کیوں لکھنے سے منع فرمایا؟ شاید وہ مستقبل میں ان کے محفوظ نہ رہ سکنے اور من گھڑت باتوں کے منسوبِ رسول ﷺ ہونے کی سازشوں سے آگاہ تھے۔ نیز آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ دینِ اسلام جو قرآن پاک میں محفوظ ہے یہ چونکہ قیامت تک کے لیے ہے اس لیے ہر زمانہ اور نئی دنیا قرآن مجید کے بنیادی اصولوں اور احکام نیز اس کی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لیے اجتہادی نقطۂ نظر سے قوانین وضوابط بناتے رہیں گے اور اگر دور نبوی ﷺ کی معاشرت کو ہو بہو چودہ سو سال بعد اختیار کرنے کی کوشش کی گئی تو ایسا نہ ہو سکے گا۔ دور نبوی ﷺ میں چونکہ قرآنی معاشرت تھی اس اعتبار سے قرآن مجید کے بنیادی اصول اور اٹل قوانین جو اس میں بیان کر دیے گئے ہیں وہ تو آج کی معاشرت میں بھی وہی رہیں گے لیکن جہاں جہاں قرآن مجید نے اصول یا احکام بیان کر کے ان کی تفصیلات یا جزیات کو زمانہ کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے ان پر ہر جدید دور میں وقت کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی ہو سکے گی۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ صدیوں پہلے جن آئمہ کرام نے اپنے اپنے دور کے مطابق فقہ لکھیں ہم نے ان کو عین قرآن سمجھ کر سینے سے لگا لیا اور انھیں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اندھی تقلید کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ کر قرآنِ خالص پر عمل کیا جائے اور ہر زمانہ کیلیے الگ فقہ (یعنی مجموعہ قوانین بشمول اٹل قرآنی قوانین) لکھی جائے یا بغیر لکھے غیر تحریر شکل میں (انگریزی آئین جیسے غیر تحریری ہے) قرآن کی روشنی میں ہماری زندگیوں کا حصہ بنے۔ (حوالہ جات کے لیے علامہ پرویز کی کتاب ''مقام حدیث'' اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتب ''دو قرآن'' یا ''دو اسلام'' وغیرہ کا مطالعہ فرمایئے جن میں بڑے بڑے آئمہ اور علماء کی کتب کے حوالے موجود ہیں)۔

احادیث صادقہ کو پرکھنے کا اصل معیار صرف قرآنِ خالص:

احادیث کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے جو پوری اتریں انھیں فرمودات نبوی ﷺ تسلیم کیا جائے اور جو پوری نہ

Marfat.com

اثر یں انھیں فرمودات نبوی ﷺ نہ سمجھا جائے اور ترک کر دیا جائے کیونکہ قرآن ایک تھیوری ہے اور نبی پاک ﷺ کی زندگی کے اعمال جنہیں ہم سنت نبوی ﷺ کہتے ہیں وہ اس تھیوری پر پریکٹیکل کرنا ہے۔ ہم کو قرآن سے الگ سنت ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اصل کتاب موجود ہے۔ جس پر آپ ﷺ نے بقول عائشہ صدیقہؓ عمل کیا۔

شیعہ وسنی دو بڑے متحارب ومتصادم احادیث کے دفاتر اوران کے نتیجہ میں بننے والے درجنوں فرقے۔ امت پارہ پارہ:

ہماری تاریخ اسلامی ہمیں بتاتی ہے کہ محض دو خلفائے راشدین کے بعد شہادت حضرت عثمان غنیؓ کے بعد امتِ محمدیہ ﷺ میں دو مخالف اور متحارب گروہ اور حکومتیں پیدا ہو گئیں جو آج بھی مختلف تفرقات کے ساتھ شیعہ وسنی کے نام سے موجود ہیں۔ دور بنوامیہ، دور عباسیہ اور بعد ازاں فاطمی دور میں حکومتوں کو جب اپنے احکامات واعمال کے لیے کوئی سند درکار ہوتی تو بڑی آسانی وروانی سے اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے احادیث گھڑی جاتیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کام میں سربراہ مملکت کس حد تک ملوث ہوتا یا نہ ہوتا تھا، تاہم یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ درباری حضرات کہیں نہ کہیں سے بادشاہ کی خوشنودی کے لیے ایسی احادیث ڈھونڈ نکالتے یا گھڑ لاتے تھے جو کہ شاہ کی مشکل کو آسان کر دیں۔ دوسری بڑی وجہ دونوں متحارب گروہوں کا خود ٹھیک اور دوسرے کو غلط ثابت کرنے کا خبط تھا۔ اس کے علاوہ دو اڑھائی صدیوں تک نبی پاک ﷺ کے ارشادات جب سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتے رہے تو آپ خود اندازہ کر لیجیے کہ اس میں اصل الفاظ اور معنویت کتنی بچی ہوگی اور مبالغہ کتنا در آیا ہوگا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے آئمہ احادیث نے جب اپنے مجموعے ترتیب دیے تو لاکھوں احادیث کو معیار صحت سے ہٹا ہوا یا جعلی اور گھڑی ہوئی کہا اور ان میں سے صرف چند ہزار کو پوری محنت، دیانت، لگن اور جان توڑ کوششوں کے بعد منتخب کیا لیکن بہر حال وہ بھی انسان تھے نبی نہ تھے۔ ان سے غیر شعوری طور پر اور نادانستہ خطا ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج جو احادیث کی کتب مصدقہ تسلیم کی جاتی ہیں ان میں بھی مختلف مکتبۂ فکر اور فرقوں میں اختلاف ہے اور یہ ان کے درمیان خلیج حائل کیے ہوئے ہیں اور یہ لوگ ایک دوسرے کو صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا یا کافر بھی کہتے ہیں۔ اب ذرا سوچئے کہ کیوں نبی پاک ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا تو بات سمجھ آجائے گی اور حکم عدولی نبی ﷺ کی سزا جو ہم بھگت رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ اس کے بعد روایات اور اسلامی تاریخ ہے یہ بھی بہر حال انسانی سعی ہے اور مختلف خونی انقلابات سے ہو کر گزری ہے، خدا جانے کیا حقیقت ہے اور کیا افسانہ۔ کیونکہ قرآن ہمیں جو اصحابِ نبی ﷺ کی تعریف اور پہچان بتاتا ہے، جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ اس کا رد پیش کرتی ہیں۔ ظاہر ہے ہم قرآن کے بیان کے سامنے تاریخ کو (اگر وہ متصادم ہو) درست تسلیم نہیں کر سکتے اور اس کے علاوہ بھی بے شمار واقعات، روایات، قصے، کہانیاں، فرمودات ایسے ہیں جو صالحین سے منسوب کیے جاتے لیکن قرآن کی نص کے صریح خلاف ہیں۔ ظاہر ہے ہم انھیں درست تسلیم نہیں کر سکتے۔ حاصلِ بحث یہ کہ دو بڑے گروہ شیعہ وسنی اور ان میں مزید درجنوں فرقے ان ہی مندرجہ بالا وجوہات یا اسی قسم کی دیگر وجوہات

Marfat.com

کی بناپر نہ صرف وجود میں آئے بلکہ انہوں نے اسلام کی حقیقت کو مسخ کر کے رکھ دیا حتیٰ کہ آپس میں جھگڑا اور صدیوں سے خون خرابہ کر کر کے امتِ محمدیہ ﷺ کو پارہ پارہ کر دیا، کمزور کر دیا بلکہ گمراہ کر دیا اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ جہاں عیسائیت چند صدیاں پہلے پہنچی تھی کہ ریاست الگ شے ہے جو اپنے شہریوں کے لیے جیسا بہتر سمجھے قانون سازی کرے اور عمل درآمد کروائے اور مذہب یا دین الگ شے ہے جو فرد کا ذاتی معاملہ ہے اور یہ صرف روحانی آسودگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے دنیا سے اور اس کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک سیکولر ریاست اپنی حدود میں بسنے والے مختلف ادیان کے لوگوں کے لیے ایسے پرسنل لاز یا فیملی لاز بنا دیتی ہے جن پر عمل کرتے ہوئے وہ شادی، بیاہ، موت مرگ، خوشی غمی اور دیگر مذہبی رسومات اپنی حدود میں رہتے ہوئے ادا کر سکتے ہیں۔ اب یہی کچھ اسلام کے ساتھ ہونے جا رہا ہے۔ ہمارا آزاد خیال یا معتدل مزاج طبقہ دل سے اس نظام کا حامی ہے کیونکہ صدیوں کی پریکٹس نے بذریعہ معلومہ تاریخ انھیں یہی سبق دیا ہے اور جب وہ مغربی دنیا کو اس پر عمل کرتے اور ترقی پر ترقی کرتے دیکھتے ہیں تو ہر ہچکچاہٹ دم توڑ کر یقین کا جامہ پہن لیتی ہے۔

لیکن ایک سوال باقی رہ جاتا ہے، اگر اسلام یہ ہے تو پھر اسے عروج کیسے حاصل ہوا؟

کہ صرف ایک محترم شخص جب ایک تھیوری قرآن مجید کی شکل میں خدا سے لے کر اٹھتا ہے جس کی مخالفت اپنے ہی خاندان اور قبیلہ سے قدم قدم پر شروع ہو جاتی ہے، مخالفین اس عزت مآب ﷺ شخصیت کو ناکام بنانے کے لیے اپنے تمام تر وسائل اور طاقت کے ساتھ ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں پراپیگنڈا کرتے ہیں لیکن وہ نظریہ وہ تھیوری پھیلتی ہی جاتی ہے جوں جوں اس پر عمل شروع ہوتا ہے تو اپنے ثمرات سے محض چند سالوں میں محکوموں محتاجوں، بے کسوں اور مجبوروں کو سرخرو کرتی چلی جاتی ہے، حاکم بنا دیتی ہے، غنی کر دیتی ہے بااختیار بنا کر عدیم المثال عزت و دولت اور سلطنتیں عطا کر دیتی ہے، آخر کوئی تو وجہ ہو گی۔ سوچئے وہ کون سی انرجی تھی اس تھیوری میں جس نے ایک دنیا کو ہلا کے رکھ دیا۔ جس طرح آج ہم امریکہ اور یورپ، چین اور جاپان کی طرف رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے عروج کی طرف ان اقوام کی نگاہ تھی۔ پھر ہوا یہ کہ ہم دھیرے دھیرے اپنی اصل قوت ''قرآن'' کو عملاً کھوتے گئے، اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر چوم چوم کر اونچی جگہ پر رکھتے رہے، ہمیں مُلّا جی نے بچپن میں پڑھایا تو صرف ناظرہ قرآن اور اسی عربی متن کو حفظ بھی کروا دیا۔ لیکن 90% مسلمانوں کو اس کا ایک حرف نہ سمجھایا اور جب کسی کو سمجھایا تو دیگر مروجہ اسلامی تعلیمات، حدیث، فقہ، روایات، تاریخ اور کسی مخصوص فرقے کی تعلیم کو یوں بیچ میں گڈمڈ کر دیا کہ اصل قرآنی تعلیم کا کہیں شائبہ تک باقی نہ رہا۔

ہماری مروجہ شریعتوں کے نتائج کیا ہیں؟

آج امت کی غالب اکثریت بے راہ رو ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ اصل اسلامی تعلیم ہے کیا شے۔ فرائض، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرے اور نوافل روحانی آسودگی کے لیے ادا کر لیے جاتے ہیں وہ بھی صرف مذہبی طبقے میں جبکہ اکثریت ان کی بھی

Marfat.com

پرواہ نہیں کرتی۔ یہ فرائض ادا کر کے سمجھایا جاتا ہے کہ ہم جنت کے حق دار ہو جائیں گے۔ لمبی لمبی تسبیحات کے ورد ہوتے ہیں، محافلِ تلاوت ونعت منعقد کی جاتی ہیں۔ اچھا پڑھنے والے پر نوٹوں کی بارش کر کے اپنی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے 90% افراد کا کردار وعمل دیکھا جائے تو صفر۔ ہم نماز میں اللہ تعالیٰ سے جو وعدے کرتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں، مصلّے سے اترتے ہی بھول جاتے ہیں بلکہ اکثریت کو تو علم ہی نہیں کہ ہم نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں اس کا مفہوم کیا ہے یہ کس عمل کی دعوت دے رہا ہے۔ اسی طرح دن بھر بھوکا پیاسا رہ کر ہم روزے کے مفہوم سے نابلد ہوتے ہیں، زکوٰۃ کی حقیقت سے نا آشنا ہیں اور حج کی افادیت سے بے خبر۔ ہم فرشتوں کے پاس نیکیاں لکھوانے کے لیے یہ سب کرتے ہیں۔ ہم عملی زندگی میں کیا کرتے ہیں؟ جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں، حسد کرتے ہیں، اقرباپروری کرتے ہیں، رشوت لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں، انتہا کے خود غرض ہیں، پڑوسی تو درکنار قریبی رشتہ داروں کے دکھ تکلیف کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے، غریب، مسکین، بیوہ، یتیم محتاج اور معذور کے قریب نہیں بھٹکتے۔ حسرت زدوں، بیماروں، ابتلاؤں اور بلاؤں میں گرفتار لوگوں سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، عدل وانصاف سے ناواقف ہیں، حق دار کو اس کا حق نہیں دیتے، نوکر، مزدور، غلام اور محنت کش کا خون چند کوڑیوں کے مول چوسنے پر تلے رہتے ہیں۔ دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں، ہماری ہاں انصاف بکتا ہے، تحفظ بکتا ہے، قانون بکتا ہے، نوکریاں اور اعلیٰ عہدے برائے فروخت ہیں، ہم ٹیکس چور ہیں، کام چور ہیں، من کے چور ہیں، دوسروں کی عزت کے چور ہیں، نظر باز ہیں، بدکار ہیں، سیاہ کار ہیں، شرم وحیا، عفت وآبرو کی دھجیاں اڑانے والے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ہم حج پر جاتے ہیں تو کمزوروں کو اپنے پاؤں تلے کچل دیتے ہیں، وہاں وہ دھکم پیل کرتے اور اللہ کے قرب کے لیے ایک دوسرے کو روندتے ہیں کہ ادب واخلاق ہمیں دیکھ کر شرمائے۔ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے اس پاک مقام کعبہ پر رش کی وجہ سے ہم کتنے ہی لوگوں کی گردنیں مروڑ دیتے ہیں، کتنوں کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں، کتنے روندے جاتے ہیں اور کتنوں کے احرام ہی پھٹ جاتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں ہلاکتوں کی خبریں آتی ہیں۔ میزبانِ حرم، وہاں کے باسی جو خادمینِ حرم کہلاتے ہیں ان کا سلوک حجاج سے جو ہوتا ہے اور جس طرح وہاں مجبوروں کی مجبوریوں کو خریدا جاتا ہے۔ اللہ کی پناہ، (حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں سے من پسند دام وصول کئے جاتے ہیں ہر اک چیز کے) کیا اسی کو اسلام کہتے ہیں؟ کیا قرآن نے ہمیں یہ سکھایا ہے؟ کیا ہم مسلمان ہیں؟ یقیناً نہیں، ہم منافق ہیں۔ منہ مومناں، کرتوت کافراں۔ ہم قولاً جس ایمان کا اقرار واظہار کرتے ہیں عملاً اس کی نفی کرتے ہیں اور خوب یاد رکھیے، منافق کا مقام کافر سے بھی نیچے ہے۔ جہنم کا آخری درجہ۔

اللہ فرماتا ہے کہ جو میرے احکام پر عمل کرتا ہے اسے میں اس جہاں میں بھی کامیابیاں وسرفرازیاں عطا فرماتا ہوں اور اگلے جہان کی تو بات ہی کیا ہے۔ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی حالت دیکھیے، کیا یہ دنیا میں جہنم نہیں گزار رہے؟ اور یہ سب اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اور پھر ہم دعوے دار ہیں جنت کے! کیونکہ ہمیں مولوی صاحب نے سبق پڑھایا ہے کہ یہ دنیا تو ہمارے لیے

Marfat.com

ہے،ہی نہیں یہ تو کُتیا ہے، پلید ہے، یہاں کافروں کے مزے ہیں، ہمیں اگلے جہاں میں مزے ملیں گے۔

اسلامی اسکالرز اور اصلاح کاروں کا استقبال کفر کے فتووں سے ہوتا ہے:

سونے پہ سوہاگہ یہ کہ اگر کسی عالم وقت نے امت کی ڈوبتی نبض پر ہاتھ رکھا اور دوا تجویز کی یا مفسدات کی نشاندہی کر کے انھیں آپریشن کے ذریعے دور کرنے کی بات کی اور قوم کو قوت بخش، حیات بخش اور ہزار عروج عطا کرنے والا نسخۂ کیمیا (قرآن) عملاً آزمانے کی دعوت دی تو اسے کافر، مُلحِد، مشرک، زندیق اور جانے کیا کیا القاب وفتاوے انہی رسمی علماء کی طرف سے عطا کیے گئے۔ کیا علامہ اقبالؒ پر، علامہ مشرقیؒ پر، سرسید احمد خانؒ پر، غلام احمد پرویزؒ پر، غلام جیلانی برقؒ پر حتیٰ کہ مولانا مودودیؒ جیسے قدیم وجدید کا حسین امتزاج رکھنے والے تحقیق کار اسلامی سکالر اور نہ جانے اس طرح کے کتنے عشاقِ قرآن پر، سینکڑوں، ہزاروں علماء نے کفر کے فتوے نہ لگائے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ قوم کو آگے لے جانا چاہتے تھے۔ قرآن کا عملی اور حرکی پہلو استعمال میں لانے کی دعوت دیتے تھے۔ ایسے میں ٹھہرے ہوئے تعفن زدہ پانیوں سے قوم یا امت کی نیّا کو بھلا نام نہاد علماء باہر کیسے آنے دیتے۔ انہوں نے پورا زور لگایا اور پیر جما کر قوم کو اسی جوہڑ میں گھسیٹے رکھا۔

آیئے اپنی اصلاح کریں ورنہ زمانہ ہمیں نگل جائے گا:

اور اب وقت وہ سر پر آن پہنچا ہے کہ مغرب ان رسمی علمائے دین اور ان کے ہاتھوں میں کھیلتے معصوم، مخلص اور جوہر اسلام مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے کر صفحۂ ہستی سے مٹا دینا اپنی بقاء کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ جبکہ اگر ان رسمی علمائے دین کے چنگل سے ان جواہر اسلام مجاہدین کو چھڑا کر انھیں بھی اور باقی امتِ مسلمہ یا کم از کم پاکستانی قوم کو قرآن کی صحیح تعلیمات سے آگاہ کیا جائے، انھیں عملاً نافذ کیا جائے تو قوم ایک دم سے ترقی کی منازل کی طرف بڑی چھلانگ لگا سکتی ہے۔ مسلمانوں اور مغرب کے درمیان فاصلے کم ہو سکتے ہیں، بعد المشرقین نہ رہے گا۔ مسلمان دنیا کے لیے تباہی کا نہیں بلکہ ترقی وخوشحالی کا باعث بن جائیں گے اور ایک مرتبہ پھر شاید وہ وقت بھی آ جائے کہ جب مسلمان پھر سے ساری دنیا کو قیادت مہیا کریں یہ اسلام کا وہ اگلا قدم ہوگا جو کہ دورِ نبوی ﷺ تا دورِ فاروقیؓ کے بعد دھیرے دھیرے کہیں کھو گیا تھا۔ کیونکہ میری تحقیق کے مطابق اسلام نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور تک ترقی کی۔ اس کے بعد دورِ عثمانی کے آخر میں اس کے اندر کی قرآنی انرجی نسبتاً دھیرے دھیرے صراطِ مستقیم سے ہٹنے کی وجہ سے زائل ہونا شروع ہو گئی۔ گو کہ دنیوی اعتبار سے مسلمانوں نے بڑی دنیا اس کے بعد فتح کی لیکن یہ فتوحات چلتے ہوئے پہیئے کا اپنے زور پر گھومتے جانا ہے جبکہ انرجی مزید سپلائی نہیں ہو رہی ہوتی یا اس میں قدرِ انحطاط واقع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس قرآن کے لائے ہوئے انقلاب سے جو اٹھان حاصل ہوئی تھی اس کے زور پر وہ کئی صدیوں تک حکمرانی کرتے، لیکن درجہ بدرجہ پہلے عروج اور بعد میں اصل قرآنی تعلیمات سے دوری کی بنا پر زوال کی طرف بڑھتے گئے اور بالآخر ایک عرصہ کی کش مکش کے بعد مغلوب ہو گئے اور ایسے مغلوب ہوئے کہ پھر آج تک نہ ہی

Marfat.com

ابھرے نہ ہی معلوم کر سکے کہ زوال کے کیا اسباب تھے اور عروج کی کنجی کہاں کھو گئی۔ آج ہر طرف شریعت کے نفاذ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ خود کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں لیکن ہر طرف سے پٹتے ہیں، مار کھاتے ہیں اور غلامی کی زنجیریں ہیں کہ اور زیادہ سخت اور بھاری ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

سورج کو لاکھ پراپیگنڈا کرو، اندھیرا یا تاریکی پھیلانے والا ثابت نہیں کیا جا سکتا، اچھا بھاگنے والا گھوڑا ضرور میدان مارتا ہے۔ اعلیٰ اور معیاری مصنوعات بہتر نرخوں پر پیش کرنے والی کمپنی ترقی کرتی ہے۔ کھیل میں اگر ٹیم با صلاحیت اور کوچنگ اعلیٰ معیار کی ہو تو جیت یقینی ہے۔ شہد ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے اسے ترش یا پھیکا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ سانچ کو آنچ نہیں، غرض ہر سچائی سر چڑھ کر بولتی ہے۔ تو پھر ذرا سوچیے۔

اگر قرآنی نظام بہترین ہے تو پھر مسلمان ناکام کیوں ہیں؟ اگر مغربی نظام برا ہے تو اقوام مغرب کامیاب کیوں ہیں؟ آیئے تحقیق کریں۔

آیئے تھوڑی تگ و دو کریں ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اگر تو ہمیں کوئی ایسا کلیہ ہاتھ لگ جائے کہ ہم قرآن پر عمل کر کے دنیا کو مغلوب کر سکتے ہیں اور دنیا کے لیے باعثِ زحمت نہیں بلکہ باعثِ رحمت بن سکتے ہیں تو پھر تو ہم Islamic Idiology پر عمل کریں اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر یقیناً ہم مغرب کے رنگ میں خود کو رنگیں کہ نام نہاد اسلام کو ہم نے کیا کرنا ہے کہ جو ہمیں ناکامیوں اور غلامیوں کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔

۱۔ قرآن کیا کہتا ہے؟ ۲۔ ہم کیا کر رہے ہیں؟

۳۔ یورپ کہاں جا رہا ہے؟ ۴۔ ہمارے زوال اور مغرب کی ترقی کا راز کیا ہے؟

۵۔ کیا قرآن ہی وہ کنجی ہے جس سے بقائے زمانہ اور اصل عروجِ انسانی ممکن ہے؟

قرآن، مغرب اور ہم:

ذرا چند صدیاں پیچھے چلے جایئے اور تاریخ یورپ کھنگا لیے کہ ان کا کیا حال تھا۔ مطلق جاہل اقوام، جنگلی زندگی، وحشی پن، اخلاق کا نام و نشان نہیں، آپا دھاپی کا عالم، تعلیم و ترقی ناپید، کمزوروں کو لوٹ لینا، مار دینا، گھر کے گھر اور خاندان کے خاندان محض طاقت کے زور پر اجاڑ دینے، ڈکٹیٹر شپ، بادشاہ سب کا مالک، عوام کیڑے مکوڑے، آپس کی لڑائیاں اور جنگ و جدل، قوموں کی کمزوری اور اخلاقی بے راہ روی کا عالم۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ اقوام کبھی دوبارہ بھی زندہ ہو سکیں گی۔ ان میں بھی کبھی زندگی کی حرارت عود کرے گی۔ یہ بھی کبھی خواب غفلت سے جاگ کر ترقی کے مینار تعمیر کریں گے۔ غرض کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ آسمان ان کی ایسی ترقی کے مناظر قیامت تک کبھی دیکھ سکے گا جیسا کہ اب وہ ہیں۔

ظہور اسلام کے وقت عربوں کی حالت بھی کچھ ان سے بہتر نہ تھی۔ ہم اس پر قلم نہیں اٹھائیں گے کیونکہ قبل از اسلام

Marfat.com

عربوں کی حالتِ زار پر ہم بہت کچھ لکھ اور پڑھ چکے ہیں۔

مسلمان اپنی بے پناہ ترقی وفتوحات کے بعد جب روبہ زوال ہوئے تو مغربی اقوام نے سوچنا شروع کیا بلکہ اس سوچ کا بیج عین ترقی مسلم ہی میں بویا جا چکا تھا کہ وہ کون سے عوامل ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو محض چند دہائیوں میں دنیا کا حاکم بنا دیا تھا۔ خوب خوب غور وخوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ محمد پاک ﷺ نے جو کتاب قوم کو دی وہ بہترین The Book of Reforms تھی، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کی یونیورسٹیوں میں حضرت محمد ﷺ کو بہترین Reformer کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، وہ چونکہ اس کتاب قرآن پر ایمان اس لحاظ سے نہ رکھتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی الہامی کتاب ہے۔ لیکن وہ اسے محمد ﷺ کی لکھی ہوئی بہترین اصلاحات کی کتاب مانتے تھے اور اس لحاظ سے ان کا اس پر (ایمان) یقین تھا کہ اگر اس پر پورا پورا عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی ترقی نہ کر سکیں۔ انہوں نے کبھی بھی اس بات کا اقرار، اظہار یا اعلان تو نہ کیا لیکن در پردہ اس کتاب قرآن پاک کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا اور بہت جلد اس کے زندگی بخش، روح افزا اور ترقی افروز پیغام کو نہ صرف سمجھ لیا بلکہ اس پر عمل پیرا ہوتے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ بہترین حکمت عملی یہی ہے کہ جہاں سے اچھی بات ملے اسے لے لو اور بری بات چھوڑ دو۔ حق کو ریزہ ریزہ چننے کی بجائے انھیں یہ جوہر یک مشت ایک بنی بنائی کتاب کی صورت میں مل گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگیاں اس کے سنہرے اصولوں کے مطابق ڈھالیں ۔ کیونکہ ان کا اس پر الہامی کتاب ہونے کی حیثیت سے ایمان نہ تھا اس لیے انہوں نے اپنی عبادات اور دیگر مذہبی رسومات کو تو جوں کا توں رکھا اور اسلامی طرز کی عبادت اختیار نہ کی اور نہ ہی قرآن کو ثواب کی غرض سے پڑھا یا تلاوت کی اور نہ اسے چوم چوم کر قیمتی کپڑوں کے غلافوں میں لپیٹ کر اونچی شیلفوں میں رکھا۔ لیکن اس کو جدید ترین اور بہترین اصلاحات سے لبریز قوانین وضوابط کی کتاب کے طور پر پڑھا، سمجھا اور اختیار کیا۔ غرض انہوں نے جوں جوں اس پر عمل شروع کیا ان کے اندر حرارت پیدا ہونا شروع ہوگئی اور وہ ترقی کی منازل طے کرنے لگے۔ قرآن اپنے اندر ٹھوس آفاقی اصول اور افادی قوت رکھتا ہے جو اس پر عمل کرنے والوں کے لیے عام ہے وہ کسی نسل، رنگ یا قوم کی تمیز نہیں کرتا۔ قرآن کے مطابق کوئی جتنے فیصد اس پر پڑھ اور سمجھ کر عمل کرتا ہے وہ عین اتنے ہی فیصد کامیاب ہے۔ اسلام اگر عرب میں نمودار ہوا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ صرف عرب ہی اس کے حق دار ہیں۔ تمام انسانوں کو اللہ نے پیدا کیا اور دنیا کے مختلف خطوں میں بسایا ہے۔ اسلام سب کے لیے آیا بلکہ شروع دن سے جتنے بھی ادیان آئے وہ سب افراد دنیا کے لیے تھے۔ چونکہ نشر واشاعت کا نظام اتنا ترقی یافتہ نہ تھا، نیز مواصلاتی نظام کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ ورسل ورسائل اور آمد ورفت بہت محدود اور غیر ترقی یافتہ تھے اس لیے ماضی میں اللہ تعالیٰ ہر قوم کی طرف الگ الگ نبیؑ بھیجتا رہا۔ تاہم کبھی اللہ نے یہ نہ فرمایا کہ فلاں پیغمبر کو عطا کی ہوئی ہدایات اس قوم کے علاوہ کسی دوسری قوم پر حرام ہیں۔ اس قسم کی باتوں کو علماء نے غلط تناظر میں سمجھا ہے، بائبل مقدس میں حضرت عیسیٰؑ جب ایک غیر قوم

Marfat.com

عورت کو شفاء بخشنے سے انکار کرتے ہیں اور بنی اسرائیل تک اسے محدود رکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل ان پر ایمان رکھتے تھے تاہم جب اس خاتون نے اپنے پکے ایمان کا اظہار اور تکرار کیا تو اسے بھی بحکم خدا شفاء عطا کی اور کہا کہ تمہارا ایمان بہت بڑھا ہوا ہے۔

ہر شے کا ایک نام ہوتا ہے جو کہ اس کی ذات کو ظاہر کرتا ہے لیکن اس کی ذات کی حقیقت اپنی صفات پر قائم ہوتی ہے، یا یوں سمجھئے کہ کچھ مخصوص صفات کے مجموعے کو ایک نام دے دیا جاتا ہے جو اس کی ذات کی شناخت ہوتا ہے اور اسے دوسری اشیاء سے ممتاز کرتا ہے۔ قرآن پاک کی بے پناہ صفات اس کے اندر موجود ہیں اور ان کا مجموعی نام قرآن ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم اندازہ لگاتے ہیں کہ اس کے فلاں فلاں خدوخال ماں یا باپ یا آباؤ اجداد سے ملتے ہیں اور اگر کوئی بہت زیادہ باپ سے مماثلت رکھتا ہو تو ہم یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو بنا بنایا باپ پر ہے یا وہ اپنے باپ کی مکمل تصویر یا کاپی ہے۔ یہی عالم اس کے عادات وخصائل کی مماثلت کا ہوسکتا ہے۔ ہم ایسا کیوں کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کے چہرے وجسم کے نقش ونگار، خدوخال اور عادات وخصائل کی صفات باپ سے بہت ملتی جلتی یا بڑی حد تک یکساں ہوتی ہیں۔ تو گویا مختلف صفات نے مل کر ایک نیا وجود ایک سابقہ وجود کی طرح کا پیدا کر دیا۔

قرآن جو معاشرہ ڈیزائن کرتا ہے وہ اس کی صفات کا منہ بولتا شاہکار ہوتا ہے اور دورِ نبوی ﷺ نے ثابت کر دیا کہ قرآن بہترین Code of Life ہے یہ ترقی کا نشان ہے یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ اس پر عمل کر کے بندہ دنیا میں ذلیل وخوار ہو، محکوم ہو، مظلوم ہو اور زوال پذیر ہو۔ اگر ایسا ہے تو 100% یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن پر عمل نہیں ہو رہا۔ قرآن کی صفات کو خود پر لاگو نہیں کیا جا رہا۔ اٹامک تھیوری موجود ہو، یورینیم سمیت سب وسائل مہیا ہوں، بنانے والا باصلاحیت اور مخلص ومحنتی ہو تو پھر بھلا ایٹم بم کیوں نہ بنے؟ چائے بنانے کی سب اشیاء مہیا کر کے چائے بنائی جائے تو وہ مٹی کا تیل تو کبھی نہیں بن سکتا۔ آگ جلاتی ہے، پانی بہاتا ہے، بجلی سے کرنٹ لگتا ہے، چھری گردن پر چلے تو کاٹ دیتی ہے، زہر سے ہلاکت اور شہد سے صحت حاصل ہوتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہر شے اپنے اپنے قوانین وضوابط کے مطابق اپنی اپنی صفات کا اظہار کرتی ہے۔ پھر مجھے بڑی حیرت اور افسوس ہوتا ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ ہم مسلمانوں پر، اہلِ قرآن پر، عاملینِ قرآن پر لوگ ظلم کر رہے ہیں کہ ہم دنیا سے مٹ رہے ہیں، دنیا ہم سے تنگ ہے اور ہم سب محکوم وغلام بنا لیے گئے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ ہم نے آج اسلام کو اس اجنبی چہرے کے ساتھ پیش کر رکھا ہے کہ جس سے نہ صرف باقی دنیا بلکہ ہم خود بھی درحقیقت بیزار ہیں۔ ہماری نئی نسلوں کو ایسے اسلام سے بھلا کیا دلچسپی ہوسکتی ہے جو انھیں تعلیم وترقی سے کوسوں دور لے جائے اس بے پناہ، خوبصورت دنیا اور اس کے رنگ وبو کو ہم پر حرام کر دے، ہمیں نفسیاتی مریض بنا دے، ہمیں احساس کمتری میں مبتلا کر دے، ہمیں کمزور اور محکوم بنا دے، ہمیں ہزار سال پیچھے دھکیل دے۔ غرض ہم پر ہمارا جینا اور سانس لینا

Marfat.com

ہی حرام کر دے۔ مجموعی طور پر تو ہم سب کا من حیث القوم حال برا ہے لیکن جن مذہبی اور مُلاّئی گھرانوں میں اسلام کی اس گمراہ کن شکل کو پورا پورا لاگو کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان گھروں اور ان کے باسیوں کا حال کیا ہے؟ نہ ریڈیو نہ ٹیلی ویژن، نہ کمپیوٹر، نہ انٹرنیٹ نہ کوئی تفریح کا سامان نہ تازہ ہوا کا دخل۔ تازہ ہوا اور روشنی جو صحت کے لیے ضروری ہے اس کے لیے بنائی گئی کھڑکیاں بند اور دبیز پردے کہ کہیں مستورات کی بے پردگی نہ ہو جائے۔ خواتین کے گھروں سے نکلنے پر پابندی کہ جانور ان سے بہتر جو صبح سے شام تک چار دیواری سے باہر تازہ ہوا میں سانس لے سکتے اور دوڑ بھاگ سکتے ہیں (خواتین کے ہر وقت باہر آوارہ گردی کرنے اور بوقت ضرورت باہر جانے میں فرق ہے) عملاً نظر بندی کا سماں، لڑکوں پر جدید تعلیم حرام، اسلامی مدرسوں میں قرآن و حدیث اور فقہ و تاریخ وغیرہ کی رسمی اور حقیقتِ قرآن سے ہٹی ہوئی تعلیم، پائنچے بلند، سر پر ٹوپی، چہرے پر داڑھی، جیب میں مسواک۔ اردو، انگریزی، ریاضی، جغرافیہ، سائنس، عمرانیات، معاشیات، تجارت، طب، انجینئرنگ، بینکاری، حیاتیات، ہیئت، سپورٹس غرض ہر طرح کی تعلیم سے نابلد

نتیجہ:

بچیاں نفسیاتی و ذہنی مریض، چڑچڑے پن کا شکار، شادیوں سے محروم (میرے جاننے والے ایک مُلاّ صاحب کی تینوں بیٹیاں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں) وقت کے تقاضوں اور جدید تعلیم سے ناآشنا، جنہیں مُلاّ صاحب جس کے پلّو کے ساتھ چاہے باندھ دیں اور وہاں ان کے لیے ایک نئی جیل تیار کیونکہ خاوند بھی تو ایک مدرسے کا تیار شدہ مُلاّ ہے۔ لڑکے جو تعلیم ان اسلامی مدرسوں سے حاصل کرتے ہیں اس کے نتیجے میں اپنے روزگار کے قابل نہیں رہتے سوائے اس کے کہ اپنے محلے میں چار مساجد پہلے سے موجود ہونے کے باوجود کہ جہاں دس دس نمازی ہیں پانچویں مسجد تعمیر کرنے کے لیے چندے کی رقم سے بنیادیں رکھ دیں۔ محلے کے بچوں کو اپنی طرح کا قرآن پڑھائے، اپنی طرح کی نماز پڑھائے اور اس کی روٹی و دیگر خرچ کسی نہ کسی طرح نکلتا رہے۔ یہ بھی ایک چھوٹی سی مسجد اور مدرسہ ہے۔ جو ذرا زیادہ ہوشیار اور ذہین مُلاّ ہوتے ہیں وہ بڑے بڑے مساجد و مدرسے قائم کر لیتے ہیں، لوگ اپنی روحانی تسکین کے لیے ہزاروں، لاکھوں روپیہ چندہ دیتے ہیں۔ بڑے مدرسوں کے مالک و سرپرست علماء، پجارو، گاڑیاں، ذاتی کوٹھیاں، کاریں، جدید ترین موبائل اور اعلیٰ حلقۂ احباب رکھتے بلکہ سیاست بھی کرتے اور آج کل وزیر مشیر بھی بن جاتے ہیں، قوم کو گمراہ کرتے ہیں، حکومت کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ طلبہ کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جہاد جہاد کی صدائیں لگاتے ہیں۔ جب جہاد کا وقت آئے تو طلباء کو مروا کر خود چھپ جاتے ہیں۔ البتہ قبائلی مُلاّ حضرات مغربی تہذیب سے نفرت کی وجہ سے اپنی آزادی اور خود مختاری کی خاطر حقیقی جہاد کرتے ہیں اور مرتے مارتے ہیں لیکن افسوس کہ یہ اخلاص اور جاں فروشی و بہادری کے باوجود صرف رسمی اور مروجہ اسلام سے واقف ہیں۔ اگر ان کو شعور مل جائے تو اصل مجاہد بن جائیں، ایسے لوگ ہمارا جوہر قابل ہیں ان کو ضائع نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسلام کی مضبوطی

Marfat.com

کا باعث بننا چاہیے۔

ہاں تو ہم بات کر رہے تھے کہ قرآن کو چھوڑ کر ہم برباد ہو گئے:

میں نے گزشتہ صفحات پر موجودہ مسلمانوں کی کچھ صفات گنوائی تھیں، انھیں چند صفحات پلٹ کر دہرایئے اور دیکھئے کہ کیا ہم مسلمان ہیں، ہم ہندوؤں، سکھوں، بدھوں، انگریزوں، یہودیوں، پارسیوں یا کسی بھی دیگر قوم کی طرح مذہبی رسومات سے روحانی آسودگی حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کو جو صرف اور صرف قرآن ہے عملی زندگی پر لاگو نہیں کرتے، ہم اندھوں کی طرح قرآن کو پڑھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے اتنے سپارے پڑھ لیئے یا اتنے ختم قرآن کر لیے اللہ اللہ خیر سلاّ۔ پھر ہم ہیں اور ہمارے جرائم، بے حسیاں، خود غرضیاں، بے باکیاں، گناہ گاریاں، بے راہ رویاں، جہالتیں، دونمبریاں، بے انصافیاں، اقرباء پروریاں، سفارشیں، رشوتیں، آبروریزیاں، جھوٹ مکاریاں، عیاریاں، دغا بازیاں، ملاوٹین، سیاہ کاریاں وغیرہ وغیرہ اور مزے کی یہ بات کہ ہر شخص خود کو ٹھیک سمجھتا اور دوسروں کو غلط سمجھتا ہے۔ ہر شخص اپنے معاشرے پر ماتم کرتا ہے لیکن خود کو اس کا فرد نہیں سمجھتا۔ قطرہ بدبودار جوہڑ کو الزام دیتا ہے۔ گلے ہوئے ماس میں پڑی سنڈیاں ہر ایک دوسری کو الزام دیتی ہے لیکن اس ماحول سے ایک بھی باہر نہیں نکلتی۔

ہم رسمی مسلمانوں کی روزمرہ زندگیوں سے کچھ مثالیں، نمونے:

مثال ا...... ایک بس سٹاپ پر کافی رش تھا ایک ویگن آ کر کھڑی ہوئی ایک پروفیسر صاحب، ایک صبح شام درس دینے والے مُلاّ صاحب، ایک جدید افکار کی موید خاتون اور دوسری برقعہ پوش، مزدور، کلرک، سرکاری افسر، تاجر، بینکر، اسلامی مدرسے کا طالب علم اور دو انگریزی سکولوں کے طالب علم اور کچھ دیگر شعبۂ زندگی سے متعلق مختلف طبقات کے لوگ سب کے سب برابر گاڑی پر جھپٹے، بوڑھوں اور کمزوروں کو دھکے دیے، کندھے مار سائیڈ پر کیا، بیمار و لنگڑے کو دور جا گرایا ہر کسی کا دل ہے کہ پہلے بیٹھ جائے اور بہترین سیٹ کا انتخاب کر لے۔ مولوی صاحب کچھ تگڑے تھے پہلے چڑھے، دھوپ والی سیٹ چھوڑ، خوب سایہ دار اور ہوادار سیٹ کا انتخاب فرمایا۔ پھر پروفیسر صاحب ویگن پر چڑھے، انہوں نے بھی ڈھونڈ ڈھانڈ کر بہترین انتخاب فرمایا، ایک دانشور صاحب چڑھے انہوں نے دو سیٹوں پر قبضہ فرمایا کہ گرمی ہے وہ سہولت سے سفر کریں گے، سرکاری افسر نے بھی کچھ رعایتیں حاصل کیں، غرض درجہ بہ درجہ سب نے خوب خوب خود غرضی کا مظاہرہ کیا آخر میں بیمار کو دھوپ والی فکس شیشے والی سیٹ ملی، معذور کو درمیان میں لگے اضافی لکڑی کے اسٹول پر بیٹھنا پڑا۔ اگلی سیٹ فیشن ایبل خاتون نے قبضہ فرمائی کیونکہ اسے جلد کسی TV کے پروگرام میں نظم و ضبطِ معاشرہ پر لیکچر دینا ہے۔ برقعہ پوش بے چاری بے بسی سے باہر ہی کھڑی ہے۔ دو افراد کو کسی کے جنازے پر پہنچنا ہے۔ ایک بندے کے باپ کا آپریشن ہے اس نے خون دینا ہے، ایک بڑھیا کو دمے کی تکلیف ہے وہ دھکم پیل کی وجہ سے نڈھال باہر کھڑی ہانپ رہی ہے، اس کو دوائی لینے جانا تھا۔ ایک طالب علم کا انٹرویو ہے وہ لیٹ ہو رہا

Marfat.com

ہے۔ یہ سب باہر کھڑے رہ گئے، ان میں سے ایک دو افراد نے اندر بیٹھے لوگوں سے بار بار اپیل کی اور اپنی مجبوری بتلائی، گڑگڑائے، بلکہ غریب طالب علم تو رو بھی پڑا کہ بڑی مشکل سے کوئی نوکری ہاتھ آئی تھی لیکن کوئی ٹس سے مس نہ ہوا، کوئی انھیں اپنی سیٹ دینے کو تیار نہ ہوا بلکہ مُلّا صاحب نے صدا لگائی کہ چلو استاد جی (ڈرائیور) میں نے نماز پڑھانی ہے اور نماز کے وقت کی پابندی بڑی ضروری ہے۔ دانش ور صاحب نے ان کی تائید کی آخر انھیں کسی دانش کدے میں پہنچنے کی جلدی تھی۔ فیشن زدہ خاتون بوڑھی بیمار عورت کو نفرت سے دیکھ کر بار بار منہ پر رومال رکھ رہی تھی۔ جیسے دمہ کوئی موذی مرض ہے اور متعدی بیماری ہے۔ اسے پل بھر میں گرمی لگنے لگ گئی ہے وہ چیخ کر ڈرائیور سے کہتی ہے بھائی جلدی چلیے میری تو گرمی سے جان نکل رہی ہے۔ ان سواروں میں اتفاق سے دو مغرب کے باسی غیر مسلم بھی تھے۔ انہوں نے جب یہ بے حسی دیکھی تو ویگن سے نیچے اُتر آئے اور اپنی سیٹیں ضرورت مندوں کو پیش کر دیں، مُلّا صاحب نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا شکر ہے کافروں کے ساتھ سفر نہ کرنا پڑا، ورنہ فرشتے اس گاڑی سے دور بھاگ جاتے۔

مثال ۲...... بینک میں بجلی، گیس، ٹیلی فون کے بل جمع کروانے والوں کی لمبی لائن لگی، جس کو بینک سے باہر ایک کھڑکی کے سامنے چلچلاتی دھوپ اور گرمی کی موجودگی میں دیکھا جا سکتا ہے بینک کے اندر تنخواہ دار طبقے اور پینشن لینے والوں کی لائن لگی ایک اور لائن گورنمنٹ وصولیوں کی ہے۔ یہ بینک بھی گورنمنٹ کا ہے۔ لوگ بینک کھلنے سے بہت پہلے سے بینک کے باہر لائنیں لگائے کھڑے تھے اور اب بینک کھل چکا ہے کام شروع ہو گیا ہے۔ ہر کاؤنٹر پر ایک اکاؤنٹنٹ موجود ہے ایک بیگم صاحبہ لمبی سی گاڑی پر آتی ہیں، موبائل فون پر اندر رابطہ کرتی ہیں تھوڑی دیر میں بینک کا چپڑاسی باہر آتا ہے بیگم صاحبہ کے تمام بل اور چیک لے جاتا ہے، پانچ منٹ میں رسیدیں اور رقم گاڑی میں پہنچ جاتے ہیں اور گاڑی گھر کو روانہ ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ملٹری و سول بیوروکریسی کے کتنے ہی افسران کی بیگمات یا بچے یا ان کے ملازمین بینک آتے ہیں اور منیجر صاحب انھیں فوراً خدمات مہیا کر کے چند منٹوں میں واپس بھیج دیتے ہیں بلکہ کئی صاحبان کی چائے و دیگر لوازمات کے ساتھ خدمت کے بعد واپس بھیجتے ہیں۔ عام آدمی بھی بینک میں واقف کار سے کام کروا کر جا سکتا ہے لیکن جن کی کوئی سفارش یا حیثیت نہیں اور کھڑے کھڑے گھنٹوں سے انتظار کر رہے ہیں، پسینہ پونچھ رہے ہیں اور اپنی ٹانگوں کو سہلاتے ہوئے بالآخر پورا دن ضائع کر کے بینک سے ہزار حسرتوں کی داستان بنے، روتے پیٹتے اور اپنے مقدر کو کوستے واپس جا رہے ہیں، وہ کدھر جائیں؟

مثال ۳...... کسی غریب آدمی کی بیوی بدقسمتی سے خوبصورت ہے وہ کسی خان صاحب کو پسند آ گئی ہے کوشش کی ورغلانے، بہکانے کی لیکن وہ باکردار خاتون ہے، خاوند کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا وہ نہ مانا تو اسے مروا دیا۔ وہ عورت بیوہ ہو گئی، ساتھ دو تین ننھے پھول یتیم ہوئے، پھر لاٹ صاحب نے اس عورت سے رابطہ کیا، طرح طرح کے لالچ دیئے لیکن اسے خاوند کے قاتل سے نفرت ہے، وہ پولیس کے پاس گئی، عدالتوں میں دھکے کھائے عزیز، رشتہ داروں سے مدد

Marfat.com

مانگی، حکومت کو اپیلیں کیں کہیں شنوائی نہ ہوئی۔ اخیر خان صاحب نے عورت کے بچوں کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیں، گھر میں چاروں طرف بھوک تھی، ضرورتیں تھی، بچوں کی زندگیوں کو خطرہ تھا چنانچہ عورت نے ہتھیار ڈال دیئے اور وہ لاٹ صاحب اسے اس شرط پر خفیہ طور سے دلہن بنا کر کسی خفیہ مقام پر لے گئے کہ وہ ان کی شادی کو ظاہر نہ کرے کہ ان کی پہلے بھی کسی بڑے گھر کی مکین بیوی اور بچے ہیں۔ تاہم اسے اور اس کے بچوں کو بہتر مستقبل کے خواب خوب دکھائے، وہ سسکتی کانپتی اور زہر نگلتی مجبور عورت اس کی ہوس کا نشانہ مسلسل دو سال تک بنتی رہی۔ جب اس کا دل بھر گیا تو اسے چھوڑ دیا۔ وہ بے چاری اپنی پرانی کٹیا میں واپس آ گئی، معلوم ہوا نکاح نامہ نقلی تھا گواہ جعلی تھے اور نکاح خواں بھی دو نمبر تھا۔ اس صدمے سے وہ زندہ لاش بن گئی۔

مثال۴...... ایک انڈسٹریلسٹ (کارخانہ دار) صاحب ہیں ان کی ٹیکسٹائل کی کئی ملیں ہیں۔ ہر مل میں ایک ہزار آدمی کام کرتا ہے۔ ان کی تنخواہ ایک ہزار سے تین ہزار کے درمیان ہے، البتہ کچھ خاص بندوں کی تنخواہیں زیادہ ہیں جوان مزدوروں سے کام لیتے ہیں۔ ملا جلا کر ماہانہ دس، بارہ لاکھ روپے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ ان صاحب کو ماہانہ تمام خرچ نکال کر 10 کروڑ روپیہ بچتا ہے۔ مزدور بوڑھے ہونے سے پہلے ہی T.B اور دیگر مہلک امراض کا شکار ہو جاتے ہیں اور نوکری سے فوراً نکال دیئے جاتے ہیں۔ کسی کا مشین میں آ کے بازو کٹ جاتا ہے تو کوئی کرنٹ لگنے سے ہلاک ہو جاتا ہے لیکن کارخانہ دار کو اگلے روز نیا تنومند مزدور مل جاتا ہے۔ مرنے والے یا معذور و بیمار ہو جانے والے مزدور کے بیوی بچوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں وہ گھر کے مرد کے ہوتے ہوئے بھی ہزار حسرتوں کے مزار تھے، لیکن اب تو نشانِ عبرت بن چکے ہیں۔ یہ کارخانہ دار صاحب کسی بڑے کلب کی ڈانسر بیوٹی Queen کے سر پر نوٹوں کی بارش کر دیتے ہیں ایک ایک ڈنر پر ہزاروں اٹھ جاتے ہیں۔ ہر ماہ گاڑیاں بدلائی جاتی ہیں اور ہر گاڑی پچاس ساٹھ لاکھ کی ہے۔ گھر میں ہر چھوٹے بڑے کے لیے الگ لگژری گاڑیاں موجود ہیں۔ سرمایہ ہے کہ ہر سال بڑھ رہا ہے، نئے کارخانے لگ رہے ہیں۔ نئے کاروبار اور کمپنیاں کھولی جا رہی ہیں بچے بیرون ملک پڑھ رہے ہیں اور آپ اگلے سال اس غریب قوم کا الیکشن لڑ کر نمائندگی کرنے کی تیاری میں ہیں کیونکہ حکومتی کلاس کی ساری شرائط وہ پوری کر چکے ہیں۔ ادھر غریب مزدور اپنا حق مانگنے کے لیے چھوٹا سا جلوس نکالتے ہیں، مالک پہلے اپنے غنڈوں کے ذریعے ڈراتا دھمکاتا ہے پھر پولیس بلوا کر لاٹھی چارج اور جیل کروا دیتا ہے، غریب وہاں بھی سسکتے ہیں لیکن کوئی پرسانِ حال نہیں۔

کتنی مثالیں دوں؟

آخر کتنی مثالیں دوں ایک سے ایک بڑھ کر مثال ہے اور ایک سے ایک بڑھ کو عدل گستری ہے ہمارے معاشرے میں۔ کیا بھوک سے مرتے بلکتے لوگوں کی مثال دوں؟ کیا جعلی ادویات سے اموات کی مثال دوں؟ کیا ڈاکٹروں کی سنگدلی سے غریب عوام کو لوٹنے کی مثال دوں؟ کیا گورنمنٹ کے ہسپتالوں میں دھکے کھاتے مریضوں کی مثال دوں، جن کو نہ ادویات

Marfat.com

وعلاج میسر ہے نہ کوئی پرسانِ حال ہے؟ کیا سرکاری سکولوں کے بے حس اساتذہ، بے حس اور مجرمانہ غفلت کی مرتکب حکومت کی مثال دوں، جہاں لاکھوں، کروڑوں غرباء کے بچے تعلیم کی غرض سے جاتے اور مٹی چاٹ کر گھر آجاتے ہیں؟ کیا پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی مثال دوں جہاں تعلیم درجہ بہ درجہ معیارات کے تحت بکتی ہے؟ کیا پرائیویٹ ہسپتالوں کی مثال دوں جہاں غریب چھوٹے بڑے آپریشن کے لیے ساری زندگی کی جمع پونجی بیچ کر علاج کرواتے ہیں؟ کیا قومی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے والے سیاست دانوں، سول وفوجی بیوروکریٹس، اعلیٰ افسران، عوامی نمائندگان، کارخانے داروں، زمینداروں، NGOs، پولیس کی اور عدلیہ کے ججوں کی مثالیں دوں؟ مسلم معاشروں میں در پردہ لیکن عام دعوت دیتے حسن کے بازاروں کی مثالیں دوں؟ کیا لٹتی ہوئی عزتوں کی مثالیں دوں؟ کیا آنکھوں سے بہتے ہوئے پانی کی مثالیں دوں؟ کیا حق چھیننے والوں، قبضہ گروپ، معزز قاتلوں، لٹیروں، چوروں اور ڈاکوؤں کی مثالیں دوں؟ کیا اپنی اشرافیہ کی مثالیں دوں جو سب کی سب White Color Criminals پر مشتمل ہے؟ کیا حاجیوں کی چیخ وپکار اور کچلے جانے اور انتہائی برا سلوک ہونے کی مثالیں دوں؟ کیا حاجیوں کو دونوں دونوں ہاتھوں سے لوٹنے گھسوٹنے والے عربوں کی مثالیں دوں (مہنگائی کے ذریعے)؟ کیا زندگی کے ہر ہر میدان میں مسلمان معاشروں کے اندر انتہائی کرپشن کی مثالوں کے ڈھیر کے ڈھیر لگاؤں؟ کہاں تک مثالیں دوں کہاں تک لکھوں۔ ان کرب انگیزیوں، ان مظالم، ان اندوھناک مناظر، ان سنگدلیوں، ان وحشتوں، ان بے انصافیوں، ان دل شکنیوں اور ان عبرتناکیوں کا نہ تو کوئی دل متحمل ہوسکتا ہے نہ کوئی قلم بوجھ سہار سکتا ہے نہ دماغ احاطہ کرسکتا ہے نہ قلب ونگاہ اندازہ کرسکتا ہے اور نہ کسی میں یہ سب پڑھنے اور سننے کا حوصلہ ہے کہ جو جو کچھ ہم مسلم معاشروں کے حقائق اور دل پاشیاں ہیں۔ دوسرے غیر مسلم معاشروں میں بھی ان میں سے کئی جرم اور کمزوریاں موجود ہیں، لیکن یہاں صرف مسلم معاشرے کی حالت زار کی وجوہات کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، کہ ہم اسلام جیسے دین کے ہوتے ہوئے ایسے کیوں ہیں۔

پھر بھی ہمارا دعوٰی ہے کہ ہم مسلمان ہیں:

ہم حیران ہیں کہ ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں، ہم خود کو حق پرست اور جنتی کہتے ہیں لیکن سمجھ نہیں سکتے کہ دنیا میں ذلیل کیوں ہیں۔ اس کے جواب کے لیے کم از کم اقبالؒ کا شکوہ اور جواب شکوہ پڑھ لیجیے۔ یہی وہ آفاقی نظم تھی جس پر انھیں کافر قرار دیا گیا تھا کیونکہ وہ مسلم کو مولویوں کے سحر باطل سے نکال کر حقیقی دنیا میں لے جانا چاہتے تھے۔ میں تمام مسلمانوں سے اپیل اور التجا کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے مولانا رومؒ مولانا حالیؒ، مولانا رازی وجامی وغزالیؒ اور شبلی نعمانیؒ، اقبالؒ، المشرقیؒ، ابن عربیؒ، شاہ ولی اللہؒ، امام مسلمؒ، امام بخاریؒ، ابن رشدؒ، احادیث کے مجموعات، اسلامی تاریخ، قلمبند روایات، بائبل مقدس اور دیگر مذاہب کی کتب صوفیاء کرام کا لٹریچر، حکیم سنائی، طاہر القادری، ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ طالب جوہریؒ، پانچوں فقہ کے امامؒ،

Marfat.com

مودودی صاحب، امین احسن اصلاحیؒ، مولانا فراہیؒ، احمد رضا بریلویؒ، مجدد الف ثانیؒ، پرویز، ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور ان جیسے دیگر نبض شناسِ امت محمدیہ کا تقابلانہ مطالعہ کریں۔ ان سے کسی کسی مقام پر اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ بھی آخر انسان تھے یا ہیں، لیکن ان کی کاوشیں ہمارا سرمایہ ہیں۔ عام علماء اور فرقے روایتی ورسمی اسلام وشریعت پیش کرتے ہیں، جو ہمیں محض بندگلی میں پہنچاتی ہے۔ اگر زیادہ نہیں کر سکتے تو اقبالؒ کا مطالعہ اختصاص کے ساتھ کریں وہ واقعی حکیم الامت تھے اور اس کے بعد علامہ پرویزؒ کو پڑھیے جو اقبالؒ کا لائق شاگرد اور ایک آدھ شعبہ چھوڑ کر اصل جانشین تھا (کچھ مستثنیات کے ساتھ) جب ان کو پڑھ چکیں تو پھر مولانا رومیؒ کو پڑھیں، جو اقبال کے روحانی پیرو استاد تھے۔ مجھے قرآن اور بائبل کے بعد اگر کسی کتاب نے متاثر کیا ہے تو وہ مثنوی مولانا روم ہے۔ لیکن اسے ہر کس و ناکس نہ پڑھے ورنہ گمراہ ہوسکتا ہے جب تک کہ قرآن فہمی پر حاوی نہ ہو جائے اور مختلف بڑے بڑے علماء کو نہ پڑھ لے۔ پرویزؒ صاحب کا مفہوم القرآن عام ترجمہ قرآن کے ساتھ ملا کر Comparative Study کریں یہ آپ کو اسلام کی حرکی توانائی سے آگاہ کرے گا جو آپ کو اکیسویں صدی میں باعزت ترقی عطا کرتے ہوئے داخل کرے گی، مذکورہ سب علماء کی تفاسیر پڑھیے۔ نیز قرآن اور سائنس کے موضوع پر ڈاکٹر برقؒ کی کتاب ''دو قرآن'' اور ''من کی دنیا'' پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کے علاوہ اسی طرز کے روشن خیال اور محقق جدید ترین تعلیم سے آراستہ دائیں ہاتھ میں نسخۂ قرآن پکڑے ہوئے علماء جو اصل علماء ہیں انھیں پڑھیے۔

ورنہ تیری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اب آیئے مغربی اقوام کی طرف کہ وہ کیا کر رہی ہیں، کہاں کھڑی ہیں۔

اقوام مغرب، ان کا کردار اور قرآن:

قرآن نے کہا انصاف کرو، انکی عدالتیں عموماً انصاف کر رہی ہیں۔ قرآن نے کہا سچ بولو، وہ اپنی قوم کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتے۔ قرآن نے کہا ملاوٹ نہ کرو وہ نہیں کرتے۔ قرآن نے کہا پورا تولو وہ پورا تولتے ہیں۔ قرآن نے کہا دھوکہ مت دو وہ اپنے لوگوں کو دھوکا نہیں دیتے۔ قرآن نے کہا عورتوں کی عزت کرو، بچوں سے شفقت سے پیش آو، وہ عورتوں کی عزت کرتے، ان کے حقوق کا تحفظ اور بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کرتے ہیں۔ قرآن بیوہ، یتیم، مجبور، مسکین، مسافر، پڑوسی، ضرورت مند، حاجت مند، بوڑھا، بیمار، معذور، کمزور، تکلیف زدہ، محروم وغیرہ کے ساتھ خصوصی اعلیٰ سلوک کا درس دیتا ہے وہ ان تمام طبقات کا پورا خیال رکھتے اور انھیں اپنے معاشرے میں ضم کرتے ہیں ہر ایک کی ضرورت عزت وتکریم سے پوری کرتے ہیں۔ غریبوں کے لیے خصوصی الاؤنسز ہیں، بے روزگاروں کے لیے رقم مختص ہے۔ قرآن ہر مرد، عورت کو تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے وہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں، تعلیم وہاں اعلیٰ معیار کی اور مفت ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جو لوگ Deserving لیکن غریب ہیں ان کے واسطے خصوصی وظائف ہیں۔ قرآن رحم، ہمدردی اور غم خواری کی تعلیم دیتا ہے وہ

Marfat.com

اپنے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں بلکہ ہسپتالوں میں علاج مفت ہے۔ قرآن معاشرہ کے ہر فرد کو تحفظ دینے کی تعلیم دیتا ہے وہ اپنی پولیس اور سیکیورٹی ایجنسیوں کے ذریعے سب غرباء، فقراء اور امراء مرد و عورت کو حتیٰ کہ بچوں کو برابر تحفظ دیتے ہیں۔ غرض ان کے تمام ادارے تمام شعبہ ہائے زندگی (کچھ مستثنیات کے علاوہ) تمام نجی و قومی امور تقریباً تقریباً قرآن کی تعلیمات کے یا تو مطابق ہیں یا قریب تر ہیں۔ سب کے سب اصول نہ صرف قرآن سے اخذ شدہ ہیں بلکہ وہ ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ایسے قومی معاملات چونکہ متنوع اور بے شمار اقسام کے ہوتے ہیں۔ آپ کھلے ذہن سے قرآن کا مطالعہ کریں اور پھر جہاں جہاں تک آپ کی نگاہ جائے دسترس ہو دیکھیں اور سوچیں کہ ''آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے اے انسان تمہارے لیے ہے تم اسے تسخیر کرو''، ''کیا تم اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے کیا تم سنتے دیکھتے نہیں ہو'' (القرآن)۔ کہیں بادلوں کی مثالیں ہیں، کہیں سمندر و دریا کی اور ان میں چلنے والی کشتیوں کی، سمندری حیات کی، کہیں ہواؤں کی مثالیں ہیں اور ان کے کاموں کی۔ کہیں اٹھتے بخارات اور برستی بارشوں کی مثالیں ہیں تو کہیں سبزہ زاروں کی۔ کہیں کھانوں اور خوراک کی مثالیں ہیں اور کہیں میٹھے اور کھارے پانیوں کی۔ کہیں چاند و سورج کی بات فرمائی ہے تو کہیں ستاروں کی۔ کہیں بیمار کا ذکر ہے تو کہیں شفاء کا۔ سابقہ قوموں کے عروج و زوال کا ذکر ہے اور ان کے اسباب کا۔ قومیں کیسے بنتی ہیں، بتایا گیا ہے اور قومیں کیسے مغضوب ہوتی ہیں وہ بھی ذکر فرمایا ہے۔ اللہ کی بے شمار نعمتوں اور عنایات کا ذکر ہے اس کے ڈھیل دینے اور مجرم قوموں کو سزا دینے کی بات کی گئی ہے۔ جہالت کے اندھیروں کا بیان ہے اور قرآن کے نورِ ہدایت کا فکر تازہ عطا کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ بے شمار عام و خاص اور گہری رمزیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جو جتنی عقل و فہم رکھتا ہے اور جتنا عمل کرتا ہے اس کے لیے اتنی ہی نسبت سے اللہ کی عطائیں ہیں اور ساتھ ساتھ ہر ہر بات پر ہر ہر حکم پر ہر ہر نشاندہی اور مثال پر ہر ہر تعلیم و تربیت پر فرمایا گیا ہے کہ ''کیا تم عقل نہیں رکھتے کیا تم غور نہیں کرتے، کیا تم فکر نہیں کرتے، کیا تم دیکھتے نہیں، کیا تم سنتے نہیں، کیا تم محسوس نہیں کرتے'' اور جو اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے بھی خوابِ غفلت میں مبتلا ہیں ان کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اپنی صلاحیتوں سے جو کہ تمہیں عطا کی گئی ہیں کیوں کام نہیں لیتے'' اور اس کے بعد مجرم افراد و اقوام کے لیے فرمایا گیا ہے کہ ''ان کے دلوں، آنکھوں اور کانوں پر مہریں ہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے، کان ہیں لیکن سن نہیں سکتے، دل ہیں لیکن محسوس نہیں کر سکتے''، ان کی جہالتوں، بے اعتدالیوں، کام چوریوں، خود غرضیوں، عاقبت نااندیشیوں اور مجرمانہ ذہنیت نے ان کے حواسِ خمسہ پر دبیز پردے ڈال رکھے ہیں اور ''اللہ ان کو ہدایت نہیں دیتا جو ہدایت حاصل نہیں کرنا چاہتے''۔ خدا کا پیغام ان ہی افراد و اقوام کے لیے ہے جو اسے وصول کریں اور اس پر عمل کریں۔

نوٹ: اوپر دوران گفتگو جگہ جگہ قرآنی آیات کے مطالب اور مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

اب ذرا سوچیے:

Marfat.com

اب غور فرمایئے کہ اقوام مغرب اللہ کی بنائی ہوئی اس رنگا رنگ دنیا و کائنات کو کتنا تسخیر کر رہی ہیں وہ کتنے غور وفکر میں مصروف ہیں اور ہمارا اس میں آج کل حصہ کتنا ہے۔کیا ہرنئی بیماری کے خلاف تحقیق و دوا سازی کر کے یورپ نہیں ہمیں دیتا؟ تمام جدید ایجادات گزشتہ کئی صدیوں سے ان کے دم قدم سے نہیں ہیں؟ سب دریافتوں کا سہرا ان کے سر نہیں ہے؟ جدید ترین ہتھیار اور ٹیکنالوجیز وہ دنیا کو فراہم نہیں کر رہے؟ کیا زمین کے چھپے روز اں کو وہ افشا نہیں کر رہے؟ کیا سمندروں کی تہوں میں وہ نہیں اتر رہے؟ کیا خلاؤں کی وسعتوں کو وہ نہیں ماپ رہے؟ کیا چاند ستاروں، سورج اور سیاروں کے متعلق معلومات وہ ہمیں نہیں دے رہے؟ کیا موسمی حالات، زلزلوں کی وجوہات وقت و مقام اور موحولیات پر ان کی کمان نہیں ہے؟ کیا، نباتات، حیاتیات (بیالوجی) اناٹومی، فزکس، کیمسٹری، کمپیوٹر، برقی آلات، انجینئرنگ، میڈیکل، ادب، عمرانیات، علم ہیئت، جغرافیہ، ذرائع رسل و رسائل، مواصلات، جہاز سازی، دفاعی ساز و سامان تمام کی تمام انڈسٹریز، علم کے ہر شعبے کے آگے درجنوں ذیلی اقسام و شعبوں اور دورِ حاضر کے ہر ہر علم میں وہ ہمارے امام Leader نہیں ہیں؟ کیا ہم ان کے تعاون اور مدد کے بغیر ایک قدم بھی چل سکتے ہیں؟ کیا عملاً ہم ان کے غلام بننے اور بنا رہنے کے قابل نہیں ہیں؟

ہم نے جب ترکِ قرآن کیا تو سزا بھی بھگتیں:

ہم اپنے آپ کو چاہے جتنی جھوٹی تسلیاں دیں، ہم تارکِ قرآن ہیں جس کی گواہی حکیم الامت علامہ اقبال نے بھی دی ہے۔اب ہمیں جو سزا مل رہی ہے وہ اس کا نتیجہ ہے۔قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی تعلیمات کو عملاً بھلانے والی اقوام کو اللہ کی طرف سے سزائیں دیئے جانے کا ذکر ہے۔آج ہم خود اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ہر ملک میں مسلمان مسلمانوں ہی کے ساتھ لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ہم دنیا میں محکوم اور غلام بنا لیے گئے ہیں۔ہمارے اوپر بموں، میزائلوں اور بارود کی بارش ہے آگ برسائی جا رہی ہے۔بیماریاں ہیں، غربت ہے، لاچاریاں ہیں، محرومیاں ہیں، امن ناپید ہے، مستقبل مخدوش ہے اور بہت ہی جلد ہم دورِ فرعون کے بنی اسرائیل کی طرح بدترین غلام بنا لیے جائیں گے ہمارا سب کچھ دیگر اقوام کے حوالے ہو جائے گا وہ ہمیں محض زندہ رکھ کر جتنی چاہیں گے بیگار لیں گے نہ ہماری عزت ہوگی نہ غیرت، ہمارا وجود نہ ہونے کے برابر ہوگا۔جس طرح سے آج ہم جانوروں کو اپنے اغراض و مقاصد کے لیے پالتے اور استعمال کرتے ہیں اور وہ صرف ہمارے فوائد کے لیے زندہ رہتے اور مرتے ہیں ہم بھی ان اقوام کے لیے یہ درجہ اختیار کر جائیں گے اور یہ وقت بہت ہی جلد آنے والا ہے۔

اگر ہم اپنے اس اندوھناک انجام سے بچنا چاہتے ہیں تو آیئے قرآن کی روشنی میں حل تلاش کریں:

ایک وضاحت! ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں میں نے گزشتہ سطور میں کچھ علماء کا حوالہ دیا ہے۔ان سے میری مراد فکر تازہ ہے۔رسمی اور مروجہ فکر کے علماء کا حوالہ دیا ہے۔ان سے میری مراد فکر رفتہ ہے۔رسمی اور مروجہ فکر کے علماء میں

Marfat.com

تازہ ہوا کا جھونکا مولانا مودودیؒ ہیں۔ آپ قدیم فکر سے کچھ باہر نکلے ہیں، ان کے نظریات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مذکورہ علماء کے علاوہ بھی بہت سے جیّد علماء ہو گزرے ہیں۔ جن میں سے کچھ علماء کا تعلق مصر اور دیگر عرب و غیر عرب مسلم ممالک یا قابل لحاظ مسلمان آبادی والے ممالک سے ہے۔ میری عادت ہے کہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے سب علماء کو پڑھتا ہوں اور جہاں جو موتی ملیں انھیں چننے کی کوشش کرتا ہوں اور جو نظریات میرے فہم قرآنی کے خلاف ہوں انھیں چھوڑ دیتا ہوں۔ اس ضمن میں پرویز صاحب سے ان کے معجزات کو نہ ماننے اور جنات کی حقیقت کو تسلیم نہ کرنے سے مجھے اختلاف ہے۔ علامہ مشرقیؒ اور سرسیدؒ اسلام کے مادی اور حرکی پہلو کی وضاحت بہت عمدہ کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کے روحانی پہلوؤں کو تشنہ چھوڑ دیتے ہیں، مجھے اس اعتبار سے ان سے اختلاف ہے۔ طاہر القادریؒ، احمد رضا بریلویؒ عاشق رسول ہیں، کچھ صوفیاء ہیں، کچھ طریقت و حقیقت کے شہسوار ہیں، کچھ فلسفی ہیں، لیکن رومیؒ، اقبالؒ اور پرویزؒ میں اسلام کی حیات نو کے لیے حرکی توانائی بھی بھری پڑی ہے۔ مودودی صاحب کے نظریۂ مرتد اور ان کی سزا سے مجھے اختلاف ہے اور اسلام کو مزید جدید بنانے کے لیے مودودیؒ صاحب کو کام کرنا چاہیے تھا۔ اقبالؒ سے مجھے کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ انھیں میں اپنے وقت کا امام (اقبال کا زمانہ) سمجھتا ہوں اور مثنوی مولانا رومؒ چونکہ اسپیشلائزیشن ہے اس لیے اس پر میں ابھی کام کر رہا ہوں اور قرآن میں مسلسل غوطہ زن ہوں کیونکہ اس کے اندر بہت اسرار ہیں۔ اس کے ظاہر و باطن میں کئی تہیں ہیں۔ اس کے الفاظ میں بھی تاثیر بمطابق ایمان موجود ہے۔ اس کی دعاؤں اور آیات میں بہت خزانے مستور ہیں جنہیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے کاش کہ غم روزگار اور درد دل و جان مجھے عشقِ قرآن کو نبھانے کا موقع اللہ کے خصوصی فضل و کرم سے دے دیں۔ بہرحال یہاں ہم قرآن کے حرکی پہلو جس کا تعلق عام اس مادی دنیا یعنی حواس خمسہ کی دنیا سے ہے سے بحث کریں گے اور جائزہ لیں گے کہ مسلمان اپنی اجتماعی قبر سے کیسے باہر نکل سکتے ہیں۔

قرآن اور عہد جدید:

قرآن مجید کو مروجہ تراجم کے ساتھ نیز جدید فہم قرآنی کی تشریحات کے ساتھ ہر بچہ کو لازمی طور پر پہلی کلاس سے لے کر کلاس دہم تک پڑھایا جائے اور کالج و یونیورسٹی میں لازمی مضمون کے طور پر اس کی اعلیٰ تعلیم دی جائے لیکن یہ تمام تعلیم ایسی نہ ہو کہ پڑھنے والا اس سے اکتاہٹ یا بوریت محسوس کرے بلکہ اتنی جاذب نظر اور جدید علوم و نظریات میں یوں دھنسی ہوئی ہو کہ پڑھنے سے واقعی علم ملے۔ یہ اللہ کی چھتری کے نیچے، حدود کے اندر، حق لیے ہوئے اور باطل کو پچھاڑتے ہوئے علم جدید ہو گا، جس سے ہماری ترقی دوسری غیر مسلم اقوام سے تیز تر اور فلاحی ہو جائے گی۔

آیئے اب باری باری نمونے کے طور پر چند قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیں اور معلوم کریں کہ یہ کیسے انسان کو ترقی یافتہ بنا سکتی ہیں۔

Marfat.com

توحید الٰہی کا مطلب:

نمبرا...... (توحید):

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر، اس کی اعلیٰ اور کامل ترین بے شمار صفات پر یقین کامل ہو۔ اس کو حاکم اعلیٰ اور احتساب کا مالک سمجھا جائے، ایمان ہو کہ وہ ہر ہر وقت ہر ہر سانس کے ساتھ ہمیں دیکھتا اور ہماری نگرانی فرماتا ہے حتیٰ کی نیتوں اور دلوں میں گزرنے والے خیالات کو بھی ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ عبادت کا مطلب اس کی غلامی ہے اور غلام کا کام بغیر حجت کیے مالک کا حکم ماننا ہے جس طرح بچہ ماں باپ کا حکم مانتا ہے۔ بچے بہت قسموں کے ہوتے ہیں کچھ تابعدار، کچھ باغی، کچھ پس و پیش کرنے والے، کچھ والدین کے احکام میں نقص تلاش کرنے والے، کچھ احکامِ والدین پر جرح کرنے والے اور حجتیں نکالنے والے۔ لیکن بھلا ماں سے زیادہ ان کے لیے کون مخلص ہو سکتا ہے اور باپ سے زیادہ کون شفیق ہو سکتا ہے۔ یہاں کلیہ یہ ہے کہ اگر والدین اولاد کو جب وہ زیر تربیت ہو کنویں میں چھلانگ لگانے کے لیے بھی کہیں تو وہ یہ نہ سوچیں کہ مر جائیں گے بلکہ کنویں سے باہر کی زندگی کو خطرے میں سمجھیں۔ گو کہ بچوں کے سوچنے، سمجھنے اور غور فکر پر کوئی پابندی نہیں ہوتی بلکہ والدین خود ان کی بہترین صلاحیتوں کو بفضلِ خدا پروان چڑھانے کے متمنی ہوتے اور کوششیں کرتے ہیں۔ لیکن جہاں والدین کا سخت حکم آ جائے وہاں سعادت مند اولاد اپنا ذہن و عقل استعمال نہیں کرتی اور اسی حکم میں اپنی حقیقی فلاح کا یقین کامل رکھتی ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ جس بات کو آج ان کی عقل تسلیم نہیں کر رہی وہ ضرور کل کو عقل وفہم کے ترقی کر جانے کے بعد درست ترین ثابت ہو گی اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ انہی والدین نے ہمیں خونِ جگر پلایا اور انگلی پکڑ کر زندگی کی راہوں پر چلایا ہے ورنہ ہم کب کے مر کھپ گئے ہوتے۔

جب بندہ اسی مثال کے موافق (اللہ کی شان و مقام کہیں اعلیٰ ہے لیکن انسانی دنیا میں اس سے اچھی مثال ممکن نہ تھی میرے لیے)، اپنے رب کے احکام کو دل و جان سے اسے مالک و خالق، رحمٰن و رحیم اور رب کریم سمجھ کر عین الیقین سے مان اور تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اس کی بندگی (غلامی) میں چوں و چرا نہیں کرتا اور چاہے اس کے احکام کی عقلی وفہمی دلیل و وجوہات نہ بھی سمجھ آئیں، تب بھی ان پر عمل کرتا اور سمجھنے کی کوشش و دعا کرتا ہے۔ نیز توحید سے مراد واحد خدا کی تعلیمات کی چھتری تلے تمام انسانیت کا پورے ایمان سے آ جانا ہے اپنی اپنی الہامی کتب پر ایمان کے بعد قرآن پر سب کا متفق ہو جانا ہے۔ جس سے متعلق بحث پہلے گزر چکی ہے۔ تاکہ قوانین، نظریات اور تہذیبوں کا ٹکراؤ ختم ہو جائے۔ جب انسان وحی الٰہی کے ساتھ انسانوں کے بنائے ہوئے ایسے قوانین وقواعد کی پیروی کرتا ہے جو کہ وحی الٰہیہ سے متصادم ہوں تو درحقیقت وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہیں سے افراد و معاشروں میں فساد جنم لیتا ہے اور شیطان کو مداخلت کا موقع ملتا ہے اس سے پرہیز لازم ہے۔ ہاں وحی ربانی کی روشنی میں اس کے موافق ذیلی قوانینِ انسانی ضرور ہر زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ضرور بن سکتے ہیں۔

Marfat.com

نمبر۲...... رسالت محمد یہ ﷺ پر ایمان کا مفہوم:

حضرت محمد ﷺ کی رسالت کبریٰ پر ایمان کے لیے ضروری ہے کہ تمام سابقہ انبیاؑ پر جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے خصوصاً اور دیگر انبیاؑ پر عموماً بلا تفریق ایمان لائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اور ان سے محبت وعقیدت میں فرق نہ کرے۔ اللہ کے ہاں کس کا درجہ کیا ہے وہ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن بطور پیغمبرانؑ ہمیں ان کے درجات مرتب کرنے کا اختیار نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ تمام دنیا کے امام ہیں، اس بات کی گواہی قرآن دیتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ رحمت العالمین ہیں یہ بھی قرآن میں درج ہے نیز سب امتوں کے نبیوں کو اپنی اپنی امت پر گواہ بنا کر قیامت کے دن لایا جائے گا اور حضرت محمد ﷺ کو سب امتوں پر گواہ بنا کر لایا جائے گا۔ ان آیات قرآنی سے مقامِ ابراہیمؑ اور مقامِ محمد ﷺ کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ تاہم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے مقامات بھی اپنی اپنی جگہ پہ بلند ہیں۔ آج کل ہر مذہب کے مناظرہ باز علماء نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کر رکھی ہے ہر کوئی اپنے اپنے مذہب کو درست اور اپنے اپنے نبیؑ کو سب سے افضل بلکہ مبالغہ آرائی کی حد تک تقریباً خدا سے ملاتا ہے۔ جہاں سے شرک کی حدود میں داخل ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، ہم سب کو ایسا بالکل نہیں کرنا چاہیے، پہلے تو سب نبیوں کو برابر سمجھنا چاہیے کیونکہ سب اللہ کے پیغمبر ہیں، اللہ کی وحی سے سرفراز ہوئے، دنیا میں ہدایت کا سلسلہ بذریعہ وحی الٰہی شروع کیا کسی کو کم کامیابی ملی، کسی کو زیادہ، کسی کو قتل کر دیا، کسی کو جلا دیا گیا، کسی کو کوئی تکلیف دی، کسی کو کوئی اور کوئی اپنی طبعی زندگی پوری فرما کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ بہر حال ان کے ذمہ اللہ کی وحی کو لوگوں تک پہنچانا تھا سو انہوں نے پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو جو خدمت کسی پیغمبر کے ذمہ لگائی وہ انہوں نے نبھائی ان کا کام اتنا ہی تھا جو سب نے مکمل کیا۔ لہٰذا سب کو برابر سمجھیں اور سب کو اللہ کے نور سے چمکتے ہوئے ستارے سمجھیں۔ بین المذاہب کدورتیں اسی طرح دور ہو سکتی ہیں۔

حضرت محمد ﷺ جو تعلیمات لے کر آئے اگر ان کو کوئی مانتا اور ان پر عمل کرتا ہے تو وہ مسلمان ہے۔ میں نے پچھلے صفحات میں کہیں لکھا تھا کہ تعلیماتِ الٰہی شروع دن سے ایک ہی ہیں جو کہ کسی نبیؑ کے تشریف لانے اور اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد چند صدیوں بعد تبدیل ہو جاتیں اور بھلا دی جاتیں، سو مذہب کی شکل بگڑ جاتی۔

یہ جو ہم نعتیں پڑھتے ہیں، 12 ربیع الاول کو نبی پاک ﷺ کی پیدائش کا دن مناتے ہیں عیدیں مناتے ہیں، اگر آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام قرآن پر ہمارا عمل نہیں ہے تو سب کچھ محض منافقت ہے۔ اس لیے عمل کی طرف آنا چاہیے، حضرت محمد ﷺ سے محبت ان کی صفات سے محبت ہے اور ان کی صفاتِ مبارکہ سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں ہیں۔ یہ جو ہم تاریخ، روایات، اقوالِ صحابہ، احادیث وغیرہ میں اور مختلف دیگر حوالوں سے آپ کی عادات وخصائل، نشست و برخاست، پسند ناپسند، لباس، پوشاک، چال ڈھال، چہرہ مہرہ، قد کاٹھ، ڈیل ڈول، اوڑھنا بچھونا، گھر والوں اور لوگوں سے برتاؤ، مسلمانوں اور کفار سے رویہ اور بے شمار دیگر اسی نوع کی دوسری چیزیں ہزاروں لاکھوں سیرت نبوی ﷺ پر لکھی گئی، اعلیٰ کتب

Marfat.com

میں پڑھتے، سنتے اور سر دھنتے ہیں، بے شک ان کا بڑا مقام ہے یہ سب درست اور خوب ہیں لیکن قرآن مجید کے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد انھیں پڑھیں۔ وہ اس لیے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ قرآن مجید کا عملی نمونہ تھی یہ سو باتوں کی ایک بات، تمام سیرت رسول ﷺ پر لکھی گئی کتب پر بھاری ہے آپ ﷺ کو نورانی جسم اور چہرہ اقدس عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے متعلق جتنی خوبیاں تھیں ان میں اللہ کا کمال تھا اور اسی کی تعریف ہے۔ جہاں تک صفاتِ محمد ﷺ کی بات ہے جس کے گرد آپ ﷺ کی سیرت و کردار گھومتے ہیں وہ اللہ کی عطا اور فضل و کرم سے آپ ﷺ کا کمال اور حد درجہ کمال ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی سیرت و کردار اور زندگی کا ایک ایک قدم آپ ﷺ کی ایک ایک سانس قرآن پاک کا عملی نمونہ ہے۔ اس سے بہتر سیرت و کردار ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ جسے آپ ﷺ سے واقعی محبت ہے وہ سیرت مبارکہ کی کتب کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کا مطالعہ کرے خود بخود آپ ﷺ کی سیرت و کردار مبارکہ کا ہر ہر پہلو پوری صداقت کے ساتھ آپ حضرات پر واضح ہو جائے گا اور پھر جس نے پیروی محمد ﷺ کرنا ہو وہ قرآن مجید کا خوب گہرا مطالعہ کر کے خود کو اس کے رنگ میں رنگ لے۔ خدا کی قسم وہ اللہ اور رسول ﷺ کا بہت پیارا بندہ مومن بن جائے گا۔

کیا سر پر ٹوپی ضروری ہے:

عرب ممالک بشمول مکہ و مدینہ میں گرمی بہت شدید ہوتی ہے اور گرمیوں کا موسم نہ صرف بہت طویل ہوتا ہے بلکہ گرمیوں میں دن کے وقت گرم لو چلتی ہے اور چلچلاتی دھوپ ہوتی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ لوگ کسی بھی خطۂ زمین میں بستے ہوئے اپنے لباس کو موسمی حالات کے مطابق ڈھال لیتے ہیں کیونکہ اسی میں زندگی کی بقا ہے، کیونکہ عرب ممالک میں گرمیوں میں حالات بہت شدید گرمی کے ہوتے ہیں اس لیے وہ لوگ ڈھیلا ڈھیلا اور کھلا لباس زیب تن کرتے ہیں تاکہ ہوا کا گزر ہو سکے اور گرمی کی شدت کم محسوس ہو نیز سفید لباس چونکہ حرارت کو کم جذب کرتا ہے اور روشنی کے رنگ جذب نہیں ہوتے اس لیے وہاں لوگ سفید لباس استعمال کرتے ہیں۔ سر پر ایک کھلا کپڑا اوڑھا جاتا ہے اس کے اوپر کوئی فیتہ باندھا جاتا ہے تاکہ ہوا سے اڑ نہ جائے یہ ان کے لباس کا حصہ اور ان کی موسمی ضرورت ہے۔ یہ جو ہم نے سفید یا کسی بھی رنگ کی ٹوپی کو نماز پڑھنے یا اس قسم کی کسی بھی عبادت مثلاً تلاوت قرآن مجید یا نماز کے لیے اور بعض مذہبی لوگوں میں ہر وقت سر پر پہننا مذہب اور دین کا حصہ اور سنتِ نبوی بنالیا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ٹوپی پہننے کو مذہب سے منتھی نہ کیا جائے ہاں کسی اور ضرورت کے تحت دورانِ عبادت یا کسی بھی وقت پہنی جا سکتی ہے لیکن اس کو مذہبی لباس تصور کرنا مناسب نہیں۔

داڑھی اور اسلام:

عہد نبوی ﷺ میں داڑھی کا عام رواج تھا۔ مسلم اور غیر مسلم سب داڑھیاں رکھتے تھے بلکہ سکھ، عیسائی، ہندو، یہودی سب اقوام کی بہت بڑی اکثریت داڑھیاں رکھتی تھی۔ داڑھی مردوں کے چہرے پر قدرتی طور پر اُگتی ہے اس لیے اسے

Marfat.com

مردانگی کا حصہ سمجھا جاتا تھا اور داڑھی منڈانے کا شروع شروع میں نہ کوئی تصور تھا نہ رواج۔ جس طرح سے مور کے پر مورنی کی نسبت بڑے اور خوبصورت ہوتے ہیں تو وہ اس کے جسم کا حصہ ہیں وہ اسے نوچ نہیں دیتا، یا مختلف نر اور مادہ میں ظاہری تمیز کی مختلف علامات قدرت کی طرف سے ان کی پہچان یا دیگر حکمتوں کے لیے ہوسکتی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں ابوجہل اور ابولہب جیسے بدترین دشمنانِ اسلام کی بھی داڑھیاں تھیں۔ فرعون نے بھی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ لہٰذا اسی لیے نبی پاک ﷺ جس طرح باقی کپڑا، جوتا، رہائش پوشاک (اگر اس سے اللہ نے منع نہ کیا ہوتو) بمطابق رسم ورواج معاشرہ استعمال واختیار فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی ریش مبارک بھی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ دین کا حصہ یا اللہ کا حکم ہے۔ داڑھی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جو رکھنا چاہے رکھے جو نہ رکھنا چاہے نہ رکھے۔ اس کا تعلق رواج وضرورت سے ہے نہ کہ خصوصی دین اسلام سے۔ اگر آپ ﷺ کسی ایسے معاشرے میں مبعوث ہوتے جو داڑھیاں مروجہ رواج کی وجہ سے منڈاتے ہوتے تو یقیناً آپ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے کیونکہ دین ہمیں اس معاملہ میں کوئی ہدایت جاری نہیں کرتا۔ یہ جو آج کل داڑھی اسلام کا لازمی جز ہے اور اس کے سائز پر بحث ہوتی ہے نماز پڑھانے کے لیے مخصوص لمبائی درکار ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب غیر اسلامی باتیں ہیں اور قرآن سے دوری کی وجہ سے ہم ان گمراہیوں میں پڑے ہیں۔ اگر تاریخ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کئی معاشروں میں عزت، شرافت، متانت اور مقام ومرتبے کو ظاہر کرتی تھی۔ ایک وہ دور تھا کہ داڑھی مندرجہ بالاقسم کے وصف ہونے کی صورت میں ہی رکھنے کی اجازت تھی۔ کبھی وہ دور آیا کہ صرف اشرافیہ اور حکمران خاندان ہی ایسا کر سکتے تھے۔ اس کا سائز بھی مختلف درجات انسانی متعین کرتا تھا۔ کبھی فلاسفر اور دانش ور لوگوں کی داڑھیاں ہوتی تھیں، کبھی حکیم وطبیب لوگوں کی۔ پیغمبرانِ خدا اسی انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں تشریف لاتے رہے اس لیے معلومہ تاریخ میں ان کی داڑھیاں بھی تھیں لیکن نہ تو بائبل میں اور نہ ہی قرآن میں اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ تو تھا اسلام سے داڑھی کا تعلق۔

داڑھی کی حکمت کے لحاظ سے اس کا ہر مذہب حق اور اسلام سے تعلق:

اب بات حکمت کے نقطہ نظر سے کی جائے تو ذرا سوچیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جو بہت حکیم ودانا ہے ہم مردوں کے چہروں کو داڑھیوں سے سجایا ہے تو ہمیں اسے منڈوانے کی آخر کیا ضرورت ہے عین ممکن ہے کہ ان میں کوئی حکمت پوشیدہ ہو جس کا ہمیں ابھی علم نہیں۔ پھر یہ ہمیں کوئی تکلیف بھی نہیں دیتی، جیسے زیر ناف یا بغل کے نیچے کے بال جو کہ آلودگی اور گندگی کی وجہ سے مونڈے اور صاف کیے جاتے ہیں۔ قرآن میں چونکہ طہارت وپاکیزگی کا حکم اور گندگی سے دور رہنے کی تاکید ہے اس لیے اس نصِ قرآنی کی بنا پر ہم انھیں صاف کرتے ہیں (یاد رہے کہ انسان نے جب سے لباس پہننا شروع کیا ان جگہوں پر پسینہ ومیل ٹھہر کر گندگی کا باعث بنتے ہیں ورنہ بغیر لباس کے یہاں گندگی نہیں ٹھہرتی اس لیے قدرت نے یہاں بال پیدا فرمائے۔ لیکن جب خدا نے لباس کے ذریعے انسان کو زینت بخشی تو ان کی ضرورت نہ رہی یہ پہلے جنسی اعضاء کو قدرتی طور پر

Marfat.com

پردہ مہیا کرتے اور جراثیموں سے حفاظت کرتے تھے، حتیٰ کہ عورتوں کے لمبے بال بھی چھاتیوں کو ڈھکنے اور دودھ کے نپلوں کو جراثیم سے محفوظ رکھتے کے لیے تھے۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہم سب مرد بلا تخصیصِ مذہب وملک داڑھی مونچھیں مناسب طریقہ سے تراش خراش کرتے ہوئے چہرے پر بڑھائیں۔ یہ مردانہ حسن ووجاہت کا حصہ ہیں اور یقیناً اس میں اللہ کی کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ ''ہم نے کوئی چیز عبث (بیکار) پیدا نہیں فرمائی''۔ اس نقطہ نظر سے اسے اگر اسلام کا حصہ بھی سمجھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن پھر یہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مذاہب وادیان بلکہ تمام دنیا کے مردوں کے لیے ہوگا۔ کیونکہ مور چاہے دنیا کے کسی بھی خطے میں پایا جائے اس کے پنکھ ہوتے ہیں۔ اس فلسفیانہ توضیح سے قطع نظر اگر آپ نسبت نبویؐ کے حصول کیلیے داڑھی رکھنا چاہتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ محبت آقاؐ اور عشق رسولؐ ہے اس نسبت سے داڑھی رکھنے یا کوئی دیگر کام کرنے کا مقام بلاشبہ بہت بلند ہے۔

ٹخنوں سے اونچی شلوار، جیب میں مسواک، آنکھوں میں سرمہ:

یہ چیزیں بھی ہمارے ہاں سنت رسول ﷺ سمجھی جاتی ہیں۔ بات پھر وہی ہے کہ قرآن سے عدم وابستگی۔ ان باتوں میں قرآن مجید کا طہارت وپاکیزگی والا حکم ہی لاگو ہوتا ہے مسواک سے مراد دانتوں کی صفائی ہے، جو کہ منہ اور گلے کی بیماریوں سے بچاتی ہے لیکن اس دور میں اچھے ٹوتھ پیسٹ اور برش دستیاب ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں انسانی ترقی مسواک تک پہنچی تھی۔ اسی طرح آج کل سرمہ بھی موجود ہے اور آنکھوں کی صفائی کے لیے بہت اچھے قسم کے Eye Drops بھی موجود ہیں وہ بھی استعمال ہوسکتے ہیں، پائنچے ٹخنوں سے اونچے کرنے سے مراد جسم کے نچلے حصے کے لباس کا پاؤں کے قریب کا حصہ گندگی وآلودگی سے بچانا ہے۔ لیکن نماز پڑھتے ہوئے پائنچوں کو اوپر کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ مسجد تو پاک صاف جگہ ہے۔ ہاں معمولات زندگی میں گندگی سے بچنے کے لیے ایسا بھی کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ بھی کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے ہم جو نارمل شلوار یا پینٹ وغیرہ پہنتے ہیں بشرطیکہ پائنچے ایڑھیوں سے نیچے نہ آرہے ہوں وہ بھی درست ہے۔ جہاں گندگی یا آلودگی نظر آتی ہے ہم خود انھیں اونچا کر لیتے ہیں اور ہم ایسا گندگی سے بچنے کے لیے کرتے ہیں۔ تو پس اصل بات صفائی و طہارت ہے اس کا اہتمام جیسے بھی کرلیا جائے۔ جب ہم قرآن سے رہنمائی لیتے ہیں تو زمانے کے ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں اور ہم عجیب نظر نہیں آتے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کی روشنی میں رسم ورواج معاشرہ کے مطابق زندگی گزارنے کی تاکید کی ہے نیز اللہ نے مومن کو ہر ہر معاملہ میں ترقی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے صفائی وپاکیزگی کا حکم برقرار رہے گا اور اس کا اہتمام جدید دور کی سہولیات وضروریات کے مطابق ہوگا۔

نماز کے تھوڑے بہت فرق سے کئی طرائق مگر روح وہی اللہ کے حضور جھکنا:

Marfat.com

احادیث یا سنت نبوی ﷺ کے باہم اختلاف کی وجہ سے مختلف مسلمان فرقے مختلف طریقہ سے نماز پڑھتے ہیں۔

قرآن مجید میں قیام، رکوع اور سجود کا بیان ہمیں ملتا ہے نیز اللہ کے ذکر اور صلوٰۃ کا حکم موجود ہے چنانچہ ان تعلیمات کی روشنی میں نبی پاک ﷺ جس طرح نماز پڑھتے تھے اور پڑھاتے تھے، تقریباً اسی طرح (بہت معمولی فرق کے ساتھ) مختلف فرقوں کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اس میں مندرجہ بالا قرآنی احکام کا خیال کرتے ہوئے ویسے تو سب نماز کے طریقے درست ہیں لیکن مسلمان اگر کسی ایک طریقہ پر متفق ہو جائیں تو یہ اتحاد امت کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ میرے خیال سے نبی پاک ﷺ نے ان سب طریقوں سے نماز پڑھی ہوگی۔ مثلاً ہاتھ نافِ مبارکہ پر باندھ کر، ہاتھ سینے پر باندھ کر، ہاتھ چھوڑ کر جیسے اہل تشیع پڑھتے ہیں۔ مجھے نماز میں طویل قیام کرنے کا تجربہ ہوا تو اندازہ ہوا کہ ہاتھ ناف پر باندھ کر رکھنے سے تھکنے لگتے ہیں۔ آپ ﷺ کئی کئی منٹ یا گھنٹہ گھنٹہ شاید ایک رکعت کے قیام میں بھی نفل نمازوں خصوصاً نماز تہجد میں گزار دیتے ہونگے۔ کیونکہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو اللہ حکم فرماتا ہے کہ ''اے محمد ﷺ رات کو اللہ کے حضور قیام کیا کرو کبھی نصف رات، کبھی اس سے زیادہ، کبھی اس سے کم''۔ ایک اور جگہ ایک تہائی رات قیام کا حکم ہے، ایسے میں ممکن ہے آپ ﷺ ناف پر ادباً ہاتھ باندھے باندھے تھک جاتے ہوں تو ہاتھ سیدھے کھول کر بازو سیدھے لٹکا کر ادباً اللہ کے حضور کھڑے رہتے ہوں۔ اسی طرح کبھی ہاتھ سینے پر باندھ لیتے ہوں کیونکہ سب ہی ادب کے طریقے ہیں۔ لیکن انسان کے اعضاء آخر تھک بھی جاتے ہیں ایسے میں پوزیشن میں تبدیلی سے ہاتھوں اور بازوؤں کے پٹھے Relax ہو جاتے ہیں، لیکن آج کل مولوی حضرات نے ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ نیا فرقہ جنم دے دیا ہے اور ایک فرقہ دوسرے کے امام کے پیچھے یا دوسروں کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قسم کی فرقہ بازی چھوڑ کر سب لوگ مل کر نماز پڑھیں اور کسی بھی امام کے پیچھے جیسے چاہیں نماز پڑھیں، بہت معمولی جزوی فرق ہیں، باقی نماز کی اصل حرکات اور تلاوت کا طریق ایک ہی ہے۔ یہی حال ''آمین'' اونچی یا دل میں کہنے کا ہے یہی حال رفع یدین کا ہے۔ نمازیں پانچ ہیں، جنہیں کسی مجبوری کے تحت دو دو ملا کر بھی پڑھا جا سکتا ہے، مثلاً ظہر و عصر اور مغرب وعشاء۔ شیعہ حضرات کے مجتہدین نے پانچ نمازوں کو مستقل طور پر انھیں تین وقتوں پر تقسیم کر کے عملاً تین نمازیں بنا دی ہیں۔ مصروفیت کی وجہ سے یہ بھی جائز ہے اصل بات نماز میں اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے البتہ جن اوقات میں ''ذکر'' کا حکم قرآن میں ہے ان کی پابندی ضروری ہے۔ کاش کوئی انقلاب آئے اور ہر طرح کی تفریق چھوڑ کر سب ایک طریق پر اکٹھے ہو جائیں۔

مسجد میں یا باجماعت نماز کا مقصد ایک ڈسپلن میں قران سننا اور سمجھنا تھا:

مسجد میں اکٹھے باجماعت نماز پڑھنے کا مقصد انتہائی خشوع وخضوع (توجہ) کے ساتھ ایک امام (Leader) کے پیچھے سب کے کھڑا ہو کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر قرآن سننا اور سمجھنا تھا۔ چونکہ قرآن جن لوگوں کے ہاں حضرت محمد ﷺ پر

Marfat.com

نازل ہوا تھا وہ ان کی اپنی مادری وقومی زبان میں تھا اسے سب افراد سن کر خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے جس طرح ہمارا پنجابی، بلوچی، سندھی، پشتون بچہ بچہ اپنی مادری زبانوں پر پورا عبور رکھتا ہے۔ چنانچہ جب لوگ نبی پاک ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوتے یا دور کے عرب علاقوں کے لوگ اپنے امام کے پیچھے کھڑے ہوتے تو قرآن کی تلاوت کے دوران ہر رکعت میں جتنا قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جاتا اسے تمام مقتدی خوب غور سے سنتے اور سمجھ لیتے۔ یوں قرآن شروع سے آخر تک یا جتنا نازل ہو چکا تھا دھیرے دھیرے تھوڑا تھوڑا ہر نماز میں روزانہ سنایا جاتا۔ چونکہ خدا کا کلام خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر سنا اور سنایا جاتا اس لیے ہر فرد نہایت توجہ سے سنتا کہ رب دیکھ رہا ہے اور پھر جہاں جہاں جن جن مقامات قرأتِ قرآنی (تعلیم واحکام قرآنی) پر اللہ کا شکر ادا کرنا ہوتا، پاکی وحمد بیان کرنا ہوتی، اللہ کی نعمتوں، اس کی بڑائی کا بیان ہوتا اور دل وجان رکوع وسجود کے لیے تڑپ اٹھتے، وہاں رکوع وسجود کیے جاتے جو بعد ازاں مخصوص اور رسمی طور پر ہر اک رکعت کے ساتھ ایک رکوع اور دو سجدوں کی شکل میں مخصوص ہو گئے یا شاید نبی پاک ﷺ نے یا آپ کے بعد کے خلفاء نے نظم وضبط اور اتحادِ امت کی خاطر اس مخصوص تعداد میں مقرر فرما دیئے۔ اس اجتماعی نماز سے ہوتا یہ تھا کہ یہ دن میں پانچ مرتبہ کا درس قرآن خود اپنی مادری زبان میں تھا جس سے لوگ سن کر خوب سمجھ جاتے بات پر یقین (ایمان) ہوتا اس لیے قرآن کی بات پر دل وجان سے عمل شروع کر دیتے۔ امام چونکہ قوم کا لیڈر بھی ہوتا، چھوٹے محلوں، شہروں کے امام اپنے علاقے کے حاکم ہوتے اور بڑے صوبوں کے امام بڑے علاقوں کے اور پھر مرکز پر ایک بڑا امام (Leader) جسے خلیفۂ رسول بھی کہتے تھے ہوتا تھا۔ جس طرح نماز میں امام کے حکم پر سب لبیک کہتے ہیں اسی طرح زندگی اور سیاست وحکومت اور معاشرت کے تمام معاملات میں نیچے سے اوپر تک آئمہ کی ایک Chain تھی ہر چھوٹا بڑے کا پابند بلکہ دل وجان سے حکم بجالانے والا ہوتا تھا۔ اس طرح سے محض نماز ومسجد کی وجہ سے ایمان، اتحاد اور تنظیم کا وہ اعلیٰ معیار قائم ہوتا کہ جو آج کل ہماری فوج کا رسمی نعرہ یا نصب العین ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ اس سے کیسا فلاحِ قرآنی سے مزیّن Disciplined معاشرہ تشکیل پایا تھا اور کیسی مسلم فوج وجود میں آئی تھی (پیشہ ور فوج بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں وجود میں آئی تھی) ایک طرف قرآن کو سمجھنے سمجھانے کا وہ انداز اور ایک طرف 1400 سال بعد ہمیں دیکھیں۔

کہ اب پانچ منٹ میں چار رکعت نماز باجماعت:

اب پانچ منٹ میں چار رکعت نماز باجماعت ختم کیا پڑھا پڑھایا گیا نہ امام کو پتہ نہ ہمیں پیچھے کھڑے ہونے والوں کو۔ بھلا پھر قرآن کیسے سمجھ آئے، چاہیئے یہ کہ ہر رکعت میں مناسب تلاوت ہو اس کے بعد امام رکعت کے دوران ہی اس کا ترجمہ اگر زبانی یاد ہو تو بتلائے یا پڑھ کر بتائے اور پھر رکوع وسجود ہوں مناسب مواقع پیدا کر کے یعنی جہاں انسان کا دل رکوع و سجدہ کے لیے ایسے قرآنی پیرائے کی وجہ سے عموماً مائل ہوتا ہے۔ مروجہ باجماعت نماز سے روحانی تسکین جس کا تعلق انسانی نفسیات سے ہے اور کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں اللہ بے نیاز ہے اگر ہم نالائقوں کی یہ ٹکریں بھی قبول کر لے تو اس کو

Marfat.com

اختیار ہے اور وہ بہر حال رحیم و کریم ہے لیکن قرآن کو سمجھنے کے لیے مسجد کا جو استعمال ہے اس سے ہم محروم ہو چکے ہیں اسے اس اصلاح کے ساتھ لاگو کرنے کی ضرورت ہے اگر ایسا کسی طرح ممکن نہ ہو کہ مسجد میں اجتماعی طور پر باترجمہ قرآن نماز میں پڑھا سنا جائے تو پھر ہم اجتماعیت سے تو محروم ہو جائیں گے۔ لیکن اگر گھر میں اس کا اہتمام کیا جائے چاہے اکیلے یا بیوی بچوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے تو اس سے کم از کم ایک فیملی یونٹ قرآن سے مستفید ہو سکے گا اور اگر یہ طریق پھیل جائے تو گھر گھر قرآن کی شمع روشن ہو جائے گی پھر اس سے آگے بڑھ کر دن میں ایک دفعہ یا ہفتے میں ایک دو دفعہ درسِ قرآن کا خصوصی اہتمام منظم طور پر کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے مولوی حضرات آسانی سے باترجمہ قرآن والی نماز پر راضی نہ ہوں گے، ورنہ مسجد میں اس کا اہتمام کیا جاتا۔

الغرض قرآن رگوں میں خون کی طرح دوڑے:

نبی پاک ﷺ سے متعلق تمام حدیث، سنت اور سیرت طیبہ کے امور کو قرآن مجید سے اخذ کیا جائے۔ اول تو اور کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے گی یہ ایک مکمل کتاب ہے تاہم مروجہ بے شمار احادیث، سنتِ رسول ﷺ کے مجموعے، سیرت اقدس سے متعلق مواد، اسلامی تاریخ و روایت، فقہ و دیگر متعلقات اسلامی کو جب اور جہاں ضرورت پڑے صرف اور صرف قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے فوراً کھرا کھوٹا سامنے آجائے گا۔ یہ ہے رسالت سے متعلق میرا نظریہ، اس پرکھ کے بعد کھرے سے خوب مستفید ہوں اور کھوٹے کو ملاوٹ سمجھ کر چھوڑ دیں۔ جب قرآن رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگ جائے تو محبت و عشقِ رسول ﷺ اور عشق رب العالمین کی تب ہی منزل آتی ہے اس کے علاوہ سب باتیں اور دکانداریاں ہیں۔ اللہ معاف فرمائے۔

نمبر۳...... تمام آسمانی کتابوں، فرشتوں اور روزِ آخرت پر ایمان کا مفہوم:

تمام آسمانی کتابوں کو درست تسلیم کرنا، ان کو ماننا (ایمان لانا) ہم پر فرض ہے تاہم جدید تعلیماتِ قرآنی آج کے معاشرے پر لاگو ہونگی۔ دوسری سابقہ کتب پر پوری طرح عمل کرنے والے لوگ بھی مومن ہیں وہ بھی جنتی ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ ہی کا دین ہے۔ تاہم جب بین الاقوامیت پیدا کریں گے تو پھر قرآن بطور ضابطۂ حیات لاگو ہوگا کیونکہ یہ جدید اور اپنے محکمات کے بعد جزئیات طے کرنے میں لچکدار ہے ہر زمانے کا ساتھ دیتا ہے۔ جو میں آگے چل کر انشاللہ ثابت کروں گا۔ تمام فرشتوں پر ایمان کہ یہ بحکم الٰہی اللہ کی دیگر مخلوقات کے ساتھ مل کر (جنہیں ہم کم ہی جانتے ہیں) اللہ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں۔ تاہم اللہ ہر شے سے بے نیاز اور اپنی ذات میں خود مکمل و یکتا ہے۔ اس نے حکمت سمجھی کہ مختلف چیزوں کے وجود میں آنے کے لیے اسباب پیدا فرمائے جبکہ اسے ان کی کوئی محتاجی نہ تھی بلکہ اس کا مقام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فقط اتنا کہتا ہے کہ ''ہو جاؤ'' اور وہ ہو جاتا ہے۔ واہ رے میرے مالک کیا ہی بات ہے آپ کی۔ میرے دل و دماغ آپکی شان کی تاب نہیں لا سکتے۔

Marfat.com

روز آخرت پر ایمان ایک طرح سے مرکزی نقطہ ہے جس پر تمام تعلیمات کا انحصار ہے کیونکہ جب احتساب نہیں ہوتا ،سزا و جزا نہیں ہوتی تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔کوئی چیک Check نہ ہو، پکڑ نہ ہو تو پھر تخریب ہی تخریب ہے۔اس لیے تمام (Islamic Idiology) اسلامی نظریہ کا دارومدار ''آخرت کے اوپر ایمان'' پر ہے۔ جب ہمارا کامل یقین ہوگا کہ قرآن کی روشنی میں اچھے کام کرنے سے جنت جبکہ برے کام کرنے سے دوزخ ملے گی تو پھر ہم ضرور اچھے کام کریں گے۔ دنیا میں بے شمار ایسے افعال کو ہمیں اپنے قرآنی اصولوں کے احکام کی وجہ سے انجام دینا ہوتا ہے جن کا ہمیں دنیا میں کوئی نقد فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات جان بھی دینا پڑ جاتی ہے یہ سب نظریہ آخرت کے بغیر ممکن نہیں ہے ورنہ قربانی کا تصور دنیا سے مٹ جائے۔لہٰذا نظریۂ آخرت پر ایمان مسلم معاشرے کو بہت متوازن،خوشحال اور فلاحی بناتا ہے۔

ہمیشہ یاد رکھیے، اپنے ایمان کے یہ بنیادی اجزاء:

یہ ہمارے ایمان کے بنیادی اجزاء ہیں یعنی توحید، نبیوںؑ، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور روزِ آخرت پر ایمان جو ان پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمان ہے نہ کوئی شیعہ نہ کوئی سنی ہے نہ ان ہر دو کے ذیلی گروہی فرقوں کا کوئی وجود۔ کیونکہ سب کے سب مندرجہ بالا پر ایمان رکھتے ہیں۔ صحابہؓ بہت قابلِ احترام ہیں لیکن رسول نہیں ہیں کہ ان پر ایمان لانا ضروری ہو لہٰذا خلفاءؓ یا صحابہؓ کی وجہ سے لڑائیاں سب غیر اسلامی ہیں۔ انہوں نے اپنا جواب دینا ہے خدا کو ہم نے اپنا کہ ہم نے قرآن پر کیوں عمل نہ کیا، یا کتنا عمل کیا۔تاہم جتنا ہو سکے تمام صحابہؓ اور بزرگان دینؒ کا احترام کریں۔

نمبر۴...... پردہ کے احکام:

اب باری باری چند قرآنی احکام کی وضاحت، میں اپنے علم و فہم قرآنی کے مطابق کرتا ہوں۔قرآن تو ایک سمندر ہے اور علم کا بے کراں خزانہ تاہم جن امور پر میں غور فکر تا حال کر سکا ہوں ان کو گوش گزار کرتا ہوں ایک طرف قرآن کو اس کے بنیادی اصولوں اور محکمات کی حدود کے اندر رہتے ہوئے دورِ حاضر کے تقاضوں کے ساتھ مربوط کرنا ہے اور دوسری طرف تہذیب جدید کے ساتھ ممکنہ حد تک ہم آہنگ کرنا ہے تاکہ ہم نہ صرف یہ کہ ترقی کر سکیں بلکہ دنیا کو قیادت بھی فراہم کریں۔

''پردہ برائے مستورات'' ایک ایسا موضوع ہے جو آج کل ہدفِ تنقید بنا ہوا ہے ایک طرف تو بنیاد پرستوں کا نظریہ حجاب ہے جس پر عمل کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ خواتین سر تا پاؤں بشمول ہاتھوں کے پردہ کرتی ہیں بلکہ خواتین گھروں سے باہر بھی ماسوائے کسی اشد ضرورت کے نہیں نکلتیں۔ دوسری طرف مغرب زدہ ماحول ہے جس کے پرچارک پردے کے نام سے الرجک ہیں اور جتنی جلدی ہو سکے مغربی تہذیب کو اپنا لینا چاہتے ہیں ان کے خیال میں ترقی کا راز یورپ کی اندھی تقلید میں ہے یہی وجہ ہے کہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والی مسلمان خواتین دوپٹے محض کندھوں پر ڈالے بلکہ آج کل دوپٹوں تک سے مکمل طور پر بے نیاز نظر آتی ہیں اور پینٹ شرٹ و سکرٹ وغیرہ کی طرف راغب ہو رہی ہیں۔ گو کہ مختلف مسلمان ممالک میں ان سب

Marfat.com

طبقات کے تناسب میں فرق ہے۔ لیکن بہر حال یہ دونوں گروہ موجود ہیں۔ ایک تیسرا طبقہ درمیانی قسم کا پردہ کرنے والا بھی ہے۔ پاکستان میں اس کی اکثریت ہے لیکن میڈیا اور حکومت کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے یہ بھی قدرے تیزی کے ساتھ خود کو بے پردہ کرنے کے درپے ہے۔

بے پردہ ماڈرن خواتین زندگی کی دوڑ میں آگے کیوں نکل جاتی ہیں؟

بے پردہ لوگ ماڈرن کہلاتے ہیں کھل کر مغربی تہذیب پر عمل کرتے، تعلیم حاصل کرتے اور مختلف حربوں سے دنیا کی دوڑ میں آگے نکل جاتے ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر طبقہ کی خواتین نہ تو تعلیمی میدان میں آگے بڑھتی ہیں اور نہ ہی ان کی غالب تعداد ترقی کرتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انھیں ایسی تعلیمات اسلامی ''مصنوعی منسوبیت'' سے دی جاتی ہیں کہ جیسے اسلام عورت کو گھر میں قید رکھنا چاہتا ہے۔ اسی میں عورت کی بھلائی ہے اور چونکہ ان کو پڑھ لکھ کر بھی چولہا ہی جھونکنا ہوتا ہے اس لیے اس طبقہ کی خواتین چاہے جتنی بھی لائق ہوں ان کی شادیاں سولہ، سترہ سال کی عمر میں کر دی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ پسماندہ رہ جاتی ہیں۔ تعلیم ان کی مکمل نہیں ہوتی، اعتماد ان میں نہیں ہوتا اور نہ ہی انھیں کچھ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

قرآن کیا کہتا ہے، پردہ عفت و پاکیزگی سے متعلق:

قرآن میں عورت ہو یا مرد، عفت و پاکیزگی کا حکم ہے۔ عورتوں مردوں دونوں کو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کی تلقین ہے۔ خواتین کو اپنی زینتیں چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کا کہا گیا ہے تاہم مردوں کو اپنی نگاہیں قدرے نیچی رکھنے کا کہا گیا کہ نگاہیں بے باک نہ ہوں۔ نبی پاک ﷺ کی بیبیوں کو حجاب اوڑھنے یا حجاب میں رہنے کے لیے حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عورتوں کو اپنی اوڑھنیاں اوڑھنے کے لیے بھی حکم دیا گیا ہے تقریباً یہ ہیں خواتین کے متعلق پردے کے احکامات۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں قرآن مجید میں عام مسلمانوں کے لیے احکامات آئے ہیں وہاں کچھ احکامات صرف نبی پاک ﷺ اور ان کی خواتین (بیویاں) اور اہل خانہ کے لیے مخصوص ہیں۔ جن میں نماز، تہجد، نبی پاک ﷺ کی ازواج کی تعداد، بعد از وصالِ رسالت مآب ﷺ ازواج مطہرات کا دوسری شادی نہ کر سکنا اور رسول پاک ﷺ کی ازواج کے پردے کا خصوصی حکم۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ نبی ﷺ کو خصوصی احکام دئے وہاں یہ بھی کہا کہ ''تم دوسری عام عورتوں کی طرح نہیں ہو''۔ یاد رکھیے کہ جس طرح عام آدمی نبی نہیں ہو سکتا اسی طرح عام عورت زوجِ نبی ﷺ کا مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر سکتی۔ ہاں تقویٰ کی بڑھوتری کی وجہ سے مقامات بلند سے بلند تر ہو سکتے ہیں۔

دیکھیے بنیادی تعلیم سب حاصل کرتے ہیں (یا کرنا چاہیے) لیکن اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف لوگوں کے مختلف معیارات اور دلچسپیاں یا رجحانات ہوتے ہیں، جن کے اعتبار سے لوگ مختلف شعبوں میں چلے جاتے ہیں۔ آپ چاہے لاکھ کوشش کریں سارے معاشرے کو صرف ڈاکٹر یا صرف انجینئر یا صرف صحافی............نہیں بنا سکتے اسی طرح مذہب و دین کی طرف خصوصی

Marfat.com

رجحان و رغبت رکھنے والے لوگ ہی اپنی زندگیاں اس میں کھپا سکتے ہیں۔ سب ایسا نہیں کر سکتے اور اگر آپ سب کو ایسا بنانا چاہیں گے تو بالآخر وہ مذہب سے ہی اکتا جائیں گے اور ظاہر نہ بھی کریں تو چور راستوں سے اس سے بھاگیں گے۔ نتیجہ یہ کہ آج کل جس طرح ہر کوئی اقرار تو سب باتوں کا کرتا ہے لیکن عمل دو چار پر بھی پورا نہیں کرتا۔

نبی پاک ﷺ تنہائی میں لمبی رکعت، قیام، رکوع و سجود کے ساتھ جتنی دیر چاہتے نماز پڑھتے اور عبادتِ خدا کرتے تھے لیکن عام لوگوں کو باجماعت نماز پڑھاتے ہوئے اس سے منع فرماتے تھے تاکہ دین کو مشکل نہ بنایا جائے۔ گویا کہ ایک تو فرض اور واجبی تقویٰ کے احکام ہیں وہ سب کے لیے ضروری ہیں لیکن خصوصی احکام نبی پاک ﷺ اور ان کے اہل خانہ کے لیے تھے وہ سب کے لیے عام نہیں ہیں۔ ہاں کوئی سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنا چاہے (سوائے تعددِ ازواج اور ازواج نبی ﷺ کے عقدِ ثانی نہ کرنے کے) تو کوئی ممانعت بھی نہیں ہے ضرور ایسا کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے خصوصی انعامات ہونگے۔ لیکن سب کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ایسا نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ ہے۔

اس وضاحت کے بعد ہم آتے ہیں اپنے اصل موضوع ''پردے'' کی طرف مسلمان عورتوں کو اپنی زینتیں غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر نہ کرنے اور اوڑھنیاں اوڑھنے کا حکم ہے۔ اب فیصلہ یہ کرنا ہے کہ وہ زینتیں کیا ہیں؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے جو پردہ کی حدود و قیود کو ظاہر کرے گا۔ زینت کہتے ہیں، خوبصورتی، سنگھار اور خواتین کی قابلِ کشش چیزوں کو جو صنف مخالف یعنی مردوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ عام طور پر خوتین کے سینے کے ابھار (چھاتیاں) سرینوں (Hips) کی حرکت، جو کہ آج کل Cat Walk کرتے ہوئے خوب ظاہر کی جاتی ہے نیز اس مقصد کے لیے لمبی ایڑی والے جوتے پہنے جاتے ہیں جو سرینوں کو اور نمایاں کرتے ہیں، کسی حد تک کھلے ہوئے بال، سنگھار، جو چہرے پر خصوصاً اور ہاتھوں پاؤں پر عموماً کیا جاتا ہے نیز مختلف قسم کے چھنچھناتے اور کھنکھناتے خوبصورتی پیدا کرتے اور دل کو لبھاتے زیور، اور بازوؤں یا ٹانگوں کا ننگا ہونا مردوں کو اپنی طرف کھینچنے اور زناشوئی کے تعلقات استوار کرنے یا فضا بنانے کے اہم محرکات ہیں اور یہی وہ زینتیں ہیں جنھیں ڈھکنے اور غیر محرموں پر ظاہر نہ کرنے کا حکم ہر عورت کو دیا گیا ہے۔ مسلمان عورتوں کو ایسی زندگی، رویہ اور ایسا پردہ اختیار کرنا پڑے گا جو ان محرکات کے پنپنے کا موقع نہ دے۔ عام مسلمان عورت چہرہ بے شک نہ ڈھکے لیکن عام رواج کے مطابق کپڑے پہننے کے بعد ان کے اوپر ایسی اوڑھنی اوڑھ لے جس طرح آج کل ہمارے ہاں خواتین چادر لیتی ہیں۔ جوان کے سینے کو ڈھکے، سرینوں کو ڈھکے، سر کے بالوں کو ڈھکے (یعنی کھلی زلفیں دعوت نظارہ نہ دیں) ہاتھوں اور پاؤں یا چہرے پر کسی قسم کا سنگھار Makeup نہ ہو۔ نوکری پیشہ یا کاروباری خواتین جنھیں روزانہ گھر سے باہر مردوں کی موجودگی میں سفر یا کام کرنا پڑتا ہے وہ زیور وغیرہ کا استعمال قطعی نہ کریں کیونکہ وہ انھیں ایسی صورت میں نہ تو مستقل طور پر چھپا کر رکھ سکتی ہیں اور نہ ہی ان کی کھنک پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ البتہ گھریلو خواتین جب گھر سے باہر جائیں یا غیر محرموں کے سامنے جانا ہو تو پردے کے اندر

Marfat.com

زیوارت پہنے رکھ سکتی ہیں۔لیکن انھیں بھی کھنک ظاہر کرنے سے اجتناب کرنا ہوگا۔چال ایسی اختیار کریں کہ سینے کے ابھار (چھاتیاں)اوڑھنی کے باہر سے حرکت کرتے دکھائی نہ دیں۔اسی طرح دوسرا جسم بھی صنفی کشش میں اضافہ نہ کرے۔اصل چیز نیت ہے جب نیت خالص اور صاف ہوگی تو کرید کرید کر احکام کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔لیکن جب نیت میں فتور ہوگا تو پھر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ہماری دیہاتی خواتین کی مثال آپ کے سامنے ہے وہ بالکل سادہ ہوتی ہیں نہ سنگھار نہ باقی کشش پیدا کرنے والی حرکات۔نتیجہ یہ کہ محض ایک اوڑھنی اوڑھ کر وہ گھر سے باہر ہر جگہ آتی جاتی ،کام کرتی ، بھاگتی دوڑتی ہیں۔کسی مرد کو ان سے کوئی غرض نہیں ہوتی ہر کسی کو معلوم ہوتا ہے یہ فلاں کی بیوی، بہن، بیٹی یا ماں ہے۔رشتوں کا تقدس قائم رہتا ہے جبکہ شہری خواتین کے عام طور پر پردے کے باوجود ایسے چونچلے ہوتے ہیں کہ نگاہیں خواہ مخواہ ان کی طرف اٹھتی ہیں۔

مرد اپنی نگاہیں قدرِ نیچی رکھیں:

اس کے ساتھ ساتھ مردوں کو نگاہیں قدرِ نیچی رکھنے کا حکم ہے اور بے باک نگاہوں سے منع فرمایا گیا ہے کہ نگاہوں میں پاکیزگی ہو وہ غیر خواتین کے جسم کو اپنی نگاہوں سے نہ ٹٹولیں نہ ہی نگاہیں حریص اور لذت کی متلاشی ہوں۔تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔جب دونوں طرف اس طرح کا اہتمام ہوگا تو پھر معاشرے میں پاکیزگی ہی کا چلن ہوگا۔شیطان کو راہ نہ ملے گی۔یہ جو آج کل ٹوپی والے سفید برقعے یا سرتا پاؤں کالے برقعے لیے جاتے ہیں کہ جن میں چہرہ نظر ہی نہیں آسکتا بلکہ سر سے پاؤں تک کچھ بھی نظر نہیں آتا۔اگر خواتین کو ایسے پردے کا پابند بنا دیا جاتا تو پھر مردوں کو نگاہیں نیچی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔پھر تو سامنے کچھ دیکھنے کا موقع ہی نہ تھا لیکن یہ سخت پردہ نبی پاک ﷺ کی بیبیوں کا پردہ ہے اگر کوئی ایسا کرنا چاہے تو اسے منع نہیں کیا جاسکتا بلکہ زیادہ متقی کہا جائے گا۔

ایسا پردہ جس میں عورت بھی ملک وقوم اور دنیا کی تعمیر وترقی میں حصہ لے سکے:

چنانچہ اس قسم کے پردے کا حکم ہے جس میں رہ کر عورت ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں حصہ لے سکتی ہے اور زندگی کے ہر اس شعبے میں کام کر سکتی ہے جس میں یا تو اسے مردوں میں Mix ہو کر کام نہ کرنا پڑے یا تنہائی میں مردوں کے ساتھ کام نہ کرنا پڑے۔موجودہ سسٹم میں رہتے ہوئے میں اگلے کسی عنوان کے تحت اس کے لیے الگ مکمل سسٹم کی وضاحت کروں گا۔حکومت کو چاہیے کہ خواتین کے لیے الگ ادارے قائم کیے جائیں جہاں وہ تعلیم بھی حاصل کریں اور زیادہ سے زیادہ شعبوں میں مردوں کی طرح کام بھی کریں۔ایسی فیکٹریاں، کارخانے، کاروباری مراکز، دفاتر، بینک اور مختلف شعبے بڑی آسانی سے قائم کیے جاسکتے ہیں جہاں صرف خواتین ہی ہر طرح کے کام کر رہی ہوں اور ان پر منتظم بھی خواتین ہی ہوں۔ہاں جن شعبوں میں ایسی کوئی صورت ہونا مکمل طور پر ناممکن ہو وہاں مرد وخواتین مذکورہ احکامِ پردہ و پاکیزگی کے تحت کام کر سکتے ہیں لیکن ان میں

Marfat.com

اجتماعیت ہوگی تنہائی کے مواقع قطعاً نہ ہونگے۔ تاکہ ماحول کو درست رکھنے میں مدد ملے اور بے راہ روی نہ پھیلے۔ پردے کو صورتِ حال اور Job کے مطابق اس سے قدرِ مزید ہلکا بھی کیا جاسکتا ہے لیکن بنیادی اصول وہی رہیں گے کہ باہمی کشش کے مواقع سے بے راہ روی نہ پھیلے۔ مثلاً لیڈی ڈاکٹر جس طرح سے سفید گاؤن کپڑوں کے اوپر پہن کر سر پر دوپٹہ اوڑھ لیتی ہیں ان کے لیے یہ بھی درست ہے۔ اسی طرح سے سیکیورٹی فورسز میں خواتین پینٹ کے اوپر ایسی شرٹ استعمال کرتی ہیں جو سرینوں اور سامنے کے ستر کو ڈھک لے۔ نیز اوپری جسم پر مناسب اوڑھنی (دوپٹہ تھوڑا موٹا اور بڑا) سے سینے کو ڈھک لیں۔ جیسا کہ آج کل پاکستان میں سیکیورٹی فورسز کی خواتین اہلکاروں کا لباس ہے بھی۔ اسی طرح باقی خواتین اپنے کام اور ماحول کے اعتبار سے پردے میں سختی اور نرمی اختیار کر سکتی ہیں لیکن عفت و پاکیزگی کے اصول کسی بھی مجبوری کے تحت متاثر نہ ہونگے (البتہ ایمرجنسی کی صورت حال تو اختیار سے باہر ہوتی ہے) حتیٰ کہ TV ڈراموں اور فلموں میں بھی حدود اللہ برقرار رہیں گی۔ جن شعبوں میں خواتین کی گنجائش موجود ہے ایسے تمام تر شعبوں میں خواتین کو ساتھ لے کر آگے بڑھا جائے گا اور مغرب کے ساتھ Competition کیا جائے گا کیونکہ عفت و پاکیزگی کے ساتھ زیادہ ترقی و تعمیر کے Chances ہوتے ہیں۔ مرد و خواتین ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں اور عشق لڑانے میں مصروف نہیں ہوتے تو وہی توجہ اور وقت وہ اپنے کام کو سنجیدگی سے دے سکتے ہیں ظاہر ہے Progress بڑھے گی۔ ہر طرح کے صنفی جذبات (Sexual Requirement) کی تسکین کے لیے اپنے جیون ساتھی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ تعلیم و تربیت مکمل ہونے پر شادی کو یقینی بنایا جائے گا تاکہ ہر مرد و خاتون کو جنسی بھوک محسوس نہ ہو اور وہ ان جذبات کے بھڑکنے کے خطرے سے محفوظ رہتے ہوئے پاکیزگی اختیار کر سکیں۔ کیونکہ چور کو چوری سے روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے حالات پیدا نہ کئے جائیں کہ وہ چوری کرنے پر مجبور ہو۔

ہمیں یورپی خواتین جیسی ترقی نہیں چاہیے:

یورپ و دیگر غیر مسلم ترقی یافتہ ممالک میں وہاں کی خواتین کو تعلیم تکنیک، ہنرمندی اور تمام آرٹ و سائنس کے شعبوں میں مردوں کے برابر آگے بڑھنے کے مواقع پوری حوصلہ افزائی کے ساتھ مہیا کرنے کی بنا پر ترقی حاصل ہوئی ہے لیکن اس ترقی میں مرد و زن کا آزادانہ میل ملاپ اور زنا کی بھرمار نے کوئی کردار ادا نہیں کیا ہے۔ عورت کو بطور Sex Symbol کے پیش کرنے کی وجہ سے TV، فلم و تھیٹر کی انڈسٹریز نے پیسہ تو خوب کمایا ہے اسی طرح سے مختلف قسم کے کاروباری اداروں اور شوبز میں خواتین کی نزاکت و لطافت سے بزنس کو تو خوب چمکایا گیا لیکن اس کے مابعد مضمرات after effects سے آج کل سارا یورپ نبرد آزما ہے۔ جیسے نشہ آور اشیاء سے پیسہ تو خوب کمایا جاسکتا ہے لیکن جب اپنی قوم کو اس کی لت پڑ جاتی ہے تو قوم کی قوم بیمار، کاہل اور نکمی ہو جاتی ہے اور ہر فردِ قوم بجائے کارکن بننے کے ملک و قوم کو چاٹنے والی دیمک بن جاتا ہے۔ اسی طرح یورپ نے خاندانی نظام (میاں بیوی بچے) توڑ کر قوم کو تباہ کر دیا ہے وہاں اب 60% لوگ شادی ہی

Marfat.com

نہیں کرتے اور کوئی جوڑا بھی دو تین سالوں سے زیادہ اکٹھا نہیں رہتا۔ یا تو اس دوران بچے پیدا نہیں کیے جاتے یا پھر انہیں پرورش و تعلیم کے لیے حکومت کے حوالے کر دیا جاتا ہے جہاں وہ ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت سے محروم رہتے اور جذباتی عدم توازن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے بہت ہی بھیانک نتائج اگلے پچاس سالوں میں سامنے آ جائیں گے۔ ابھی تو 40% لوگ کسی نہ کسی طرح شادیوں کو نبھا رہے ہیں گو کہ یہ بھی ایک سے تین تک اپنی زندگی میں جیون ساتھی بدلتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کچھ بھرم قائم ہے اگلے پچاس سالوں میں 100% شادی کا رواج ختم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی یورپ کی تہذیب بقول اقبالؒ خود اپنے ہی خنجر سے خودکشی کرے گی۔ میں اس پر بہت تفصیل سے لکھتا لیکن یہ اس کا موقع نہیں ہے۔

تسخیر کائنات کا حکم الٰہی اور اس میدان میں ہمارا مقام:

اہم ترین احکامات الٰہی میں اس حکم کا شمار ہے اور یہی وہ حکم ہے جس سے انحراف کی بنا پر ہم اس حالت کو پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ ''آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے تمہارے لیے ہے تم اس پر غور نہیں کرتے'' پھر اللہ تعالیٰ جگہ جگہ پر کلام پاک میں مختلف اشیاء کے نام لے لے کر جن میں سے کچھ کا ذکر میں پچھلے صفحات میں کر بھی چکا ہوں فرماتا ہے کہ کیا تم ان پر غور نہیں کرتے کیا تم دیکھتے نہیں، کیا تم سنتے نہیں، کیا تم دل نہیں رکھتے (دل سے مراد قلب ہے جو زمانہ قدیم سے شعور و اعلیٰ شعور کے لیے بطور ایک اصطلاح کے استعمال کیا جاتا رہا ہے)۔ پھر اسی طرح نشانیاں (آیاتِ الٰہی) بیان ہوتی ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اس کائنات میں بے شمار ہماری نشانیاں بکھری پڑی ہیں کیا تم ان پر غور نہیں کرتے سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، سمندر، چرند، پرند، درند، زمین، پہاڑ، دریا، درخت، پھل، پھول، نباتات، جمادات، مٹی اور پھر خود انسان کا اپنا وجود کیا تم ان سب پر غور نہیں کرتے اور پھر اللہ فرماتا ہے کہ اگر تم ان پر غور و فکر کرو تو ان کی محیر العقول کارکردگی، افادیت، ماہیت اور فعالیت پر حیران رہ جاؤ اور تم بے اختیار کہہ اٹھو کہ میرا رب بڑا یکتا و عظیم ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ پھر سورۃ رحمٰن میں کتنی ہی نعمتیں گنوا کر کہا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا پھر ان احکامات کی موجودگی اور تسخیر کائنات کے لیے دعوتِ خداوندی کی ہر آن موجودگی ہمیں ہمارے فرائض سے آگاہ نہیں کرتی۔ ایک طرف یہ احکام ہیں اور دوسری طرف ہم مسلمان ہیں کہ ہزار سال سے سوئے پڑے ہیں ہمیں ملاّ جی نے یہ سبق پڑھایا ہے کہ یہ دنیا تو دنیا کے حریص کتوں (دنیاداروں) کے لیے ہے اس کے پیچھے صرف کفار بھاگتے ہیں یہ ہمارے لیے نہیں ہے اور نہ ہی یہ اس قابل ہے کہ اس کی طرف توجہ دی جائے بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم لوٹا اور مصلاّ پکڑیں، کبھی مسجد کبھی گھر کبھی چلہ گاہوں اور کبھی تنہائیوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ پکارتے رہیں اور مختلف قسم کے ورد و وظائف میں مصروف رہیں۔ دنیا کے ساتھ تعلق انتہائی واجبی رکھیں کہ جس سے دال روٹی ایک آدھ پہناوا اور کچی پکی چھت میسر آ جائے کیونکہ یہ دو دن کی دنیا ہے سب کچھ ادھر ہی رہ جانا ہے اور ہم نے قبر میں پہنچ جانا ہے۔ ہم بھلا وہاں کیا ساتھ لے کر جائیں گے کہ دنیا کے کاموں میں اتنی محنت و مشقت اور تحقیق و جستجو کریں۔ ہمیں تو

Marfat.com

آخرت کی فکر، رسمی عبادات اسلامی کے ذریعے اور اعمال کو درست کر کے کرنا چاہیے (گو کہ اعمال کا اطلاق ملاّ حضرات اپنے اوپر کم ہی کرتے ہیں سو لوگ بھی عمل نہیں کرتے)۔تا کہ ہمیں جنت میں جگہ ملے جہاں ہم ہمیشہ رہیں گے یہ دنیا تو عارضی قیام گاہ ہے مسافر خانہ ہے جانے کس لمحے موت آئے اور ہم اگلے جہان چل دیں۔جس زندگی کی ناپائیداری کا یہ عالم ہے اس پر کیا دھیان دینا۔اس قسم کے مُلائی اسلام کی وجہ سے جو مسلم قوم کے ذہنوں میں راسخ ہو گیا ہے مسلمانوں کی حالت جو ہے وہ آپ سب کے سامنے ہے بلکہ دنیوی تعلیم کو مُلاّ حضرات درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے کئی اسے حرام کہتے ہیں اور اصل تعلیم قرآن (ناظرہ و حفظ محض عربی متن) حدیث، فقہ، تاریخ اسلام، روایتِ اسلام وغیرہ ہی کو سمجھتے ہیں۔اس کے لیے مدرسے کھلے ہوئے ہیں جن میں یہ سب تعلیم دی جاتی ہے، نتیجہ کیا؟ کہ یہاں سے جو علماء نکلتے ہیں وہ معاشرے کو رسمی تعلیم اسلام منتقل کرنے کے علاوہ معاشرے پر بوجھ بن جاتے ہیں۔کیونکہ ان کی قدر کرتے ہوئے ایک نارمل تعداد میں تو معاشرہ انھیں بطور پیش امام مساجد، بطور حفاظ، بطور قاری، بطور عربی ٹیچر وغیرہ کے ضم کر سکتا ہے اور یہ ہو بھی رہا ہے لیکن جب یہ سارے معاشرہ کو ایسا ہی بنانے کی کوشش کریں گے تو ظاہر ہے لاکھوں، کروڑوں نوجوان جو دنیا کو اپنی کوئی خدمات اس کے علاوہ پیش نہیں کر سکتے، بے روزگار ہو جائیں گے غربت، افلاس، محرومی، جدید تعلیم سے ناواقفیت، جدید معاشرہ سے عدم مطابقت، عصر حاضر سے نابلدیت، بے چینی، بے اطمینانی اور جانے کیا کیا مسائل پیدا ہونگے۔بلکہ ہو رہے ہیں اور اس طبقے کو (کیونکہ یہ ذہانت و تعلیم کائنات کے میدان میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں) بڑی مہارت سے دوسری قومیں آج کل کے دور میں ''طالبان'' کی اصطلاح سے پکارتی اور استعمال کرتی نظر آتی ہیں۔یہ اپنے لاکھ خلوص اور جذبۂ ایمانی کے باوجود نادانستگی میں غیر اقوام کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور کہیں اپنی ہی حکومتیں انھیں خونریزی کے لیے گہری تہہ در تہہ بیرونی آقاؤں کی سازشوں کی خاطر استعمال کر رہی ہیں اور انھیں کچھ خبر نہیں بلکہ ان کے اپنے بعض مذہبی لیڈران معصوم لوگوں کو بڑی بے دردی سے مروا کر جہاد کے نام پر کروڑوں روپے ان دیکھے ہاتھوں سے وصول کر رہے ہیں۔لیکن یاد رہے کہ ان کے اکثر لیڈر بکے ہوئے نہیں بلکہ مخلص اور معصوم مگر نادان ہیں۔دشمن ان کے جذبۂ جہاد کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے اور انھیں ساتھ ہی ساتھ سخت نقصان بھی پہنچا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ٹھیک ہے کہ اس دنیا کو ہی سب کچھ قرار دے دینے اور فکر آخرت سے بے نیاز ہو جانے سے منع فرمایا ہے اور ساتھ اس دنیا کی نسبت آخرت یعنی بعد از مرگ کی دنیائے جنت کو بے نظیر کہا ہے، لیکن وہ اس لیے کہ ہم آخرت میں اللہ کے حساب کتاب کرنے کے دن کا خوف دل میں رکھیں اور اس دنیا میں شتر بے مہار کی طرح زندگی اختیار نہ کریں۔کیونکہ جب اس فلاسفی کے تحت زندگی گزاری جاتی ہے کہ یہ دنیا ہی سب کچھ ہے نہ کوئی اوپر خدا ہے اور نہ مرنے کے بعد جی اٹھنا اور حساب کتاب ہونا ہے تو پھر اس دنیا میں ظلم ہی ظلم اور خون ہی خون باقی رہ جاتا ہے۔اس فلسفے کے ساتھ انسان اور انسانی معاشرہ اتنا گر جاتا ہے کہ نہ صرف انسان کی فلاح بلکہ اس کی بقاء بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بے شمار حیرت

Marfat.com

انگیز نعمتیں عطا کرنے کے باوجود اگلے جہاں کو اس پر فوقیت دی ہے کہ انسان اس دنیا کی نعمتوں کی حرص و ہوس میں انسانیت سے کہیں گر کر جانور نہ بن جائے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ زیادہ منافع کی امید پر اپنی محنت، مشقت اور سرمائے کو ایک ایسی تجارت میں لگا سکتا ہے جس میں کامیابی کی قوی امید ہو۔ اللہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں یہ قوی امید ایمانِ راسخ یا کامل ایمان کہلاتا ہے اور یہ تجارت دنیا کے نقد کی بجائے آخرت کے بڑے منافع یعنی کامیابی برائے حصولِ انعامات جنت و رضائے الٰہی کو ظاہر کرتی ہے۔

نوٹ: لیکن یاد رکھیں، اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ ہم اس دنیا سے منہ ہی موڑ لیں اور خود کو بے دست و پا، محروم، مظلوم، حسرت زدہ، مفلوک الحال، مفلس اور غلام بنا لیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اس دنیا کی نعمتیں کہ جن کا ذکر نام لے لے کر بار بار اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ ہمارے ہی لیے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں شمار ہیں۔ جن سے مستفید ہو کر ہم اس ذات پاک کا بے حد شکر ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی حرص میں حدِ اعتدال اور حدِ توازن سے آگے نہیں بڑھ جانا چاہیے، کیونکہ اعتدال و توازن ہی کسی شے میں حسن پیدا کرتے ہیں اور بے اعتدالی و عدم توازن قبح و بدصورتی کو جنم دیتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ہر ہر معاملے میں افراط و تفریط سے منع فرمایا ہے اور میانہ روی و اعتدال کا حکم دیا ہے۔ اللہ نے ہمیں نعم دنیوی سے اس طور مستفید اور لطف اندوز ہونے کا حکم دیا ہے کہ جس سے معاشرہ اور تمام انسانیت فلاح و بہبود حاصل کرے۔ انصاف، عدل اور حق کا بول بالا ہو، ظلم جبر اور بے انصافی کا خاتمہ ہو۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب ہمارے اندر خدا خوفی اور ایمانِ آخرت پایا جاتا ہو، ہمیں معلوم ہو کہ اگر ہم ظلم، جبر، نا انصافی، طاقت، زیادہ ذہانت، چالاکی و مکاری اور سازش کے ذریعے کسی فرد، خاندان، قبیلے یا قوم کا حق ماریں گے تو روزِ حشر ہم سے باز پرس ہو گی اور بھڑکتی ہوئی آگ ہماری منتظر ہے اور اگر ہم صرف اپنے حق کے حصول تک ہی محدود رہے اور باقی کا رزق و وسائل دوسروں کے لیے چھوڑ دیئے جو کہ ان کا حق ہے بلکہ مزید (اگر ہم تقویٰ میں بڑھنا چاہیں) ایثار و قربانی کا مظاہرہ اگر ہم نے کیا تو آخرت کے انعامات اس دنیوی انعام و نعمتوں سے کہیں بہتر و اعلیٰ ہیں۔ یہ مفہوم اور یہ وجہ ہے اس دنیا کی نعمتوں کو آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ پر قدرے کم درجہ رکھنے اور ان کا اعلان قرآن مجید میں کرنے کی۔ جیسے ہمارے ملاّ جی (ہمارے مُلّا جی نادانستگی میں اسلام کی غلط تعبیر کر رہے ہیں ورنہ حقیقتاً وہ مخلص بھی ہیں اور متقی و پرہیز گار بھی، بدقسمتی سے انھیں اصل اسلام کی خبر نہیں) غلطی سے اس دنیا ہی سے منہ موڑ لینے کا حکم سمجھ بیٹھے ہیں اور اس دنیا کو کفار کی عیش گاہ سمجھ لیا ہے۔ گوشہ نشینی کے متعلق میں الگ عنوان کے تحت اگلے صفحات پر لکھوں گا۔

میرے مندرجہ بالا دنیا و آخرت کے استدلال کو پڑھیئے اور سمجھئے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی قرآن میں تعلیم کی ہوئی دعا پڑھیئے کہ "اے اللہ پاک ہمیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب فرما، دونوں کی نعمتیں عطا فرما"۔ بولیئے تو کیا پھر دنیا ہمارے لیے حرام ہے اسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے یا یہ ہمارے ہی لیے پیدا کی گئی ہے اور ہم ہی خود کو اس کا حقدار محنت، کوشش،

Marfat.com

تحقیق اور جہد مسلسل سے ثابت کر سکتے ہیں۔ اصل میں یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے یہاں ہمیں زندگی ایک سوالیہ پرچے کی شکل میں دی گئی ہے اور ساتھ ہی قرآن (مع دیگر آسمانی کتب) کی صورت میں ایک ہدایت نامہ بھی عطا کر دیا گیا ہے یہ ایک Key Book ہے جس کی مدد سے یہ پرچہ اور اس کے تمام سوالات حل کئے جا سکتے ہیں۔ جو جتنا اس کے مطابق پرچہ حل کرے گا اس کے نمبر اتنے ہی زیادہ ہونگے اور جو جتنا اس کے بغیر حل کرنے کی کوشش کرے گا اپنے وہم وخیال کی مدد سے وہ اتنے ہی کم نمبر حاصل کرے گا کیونکہ وقت محدود ہے، جو اس Key Book سے ہدایت نہیں لے گا وہ یا تو بھٹک کر پرچہ ہی غلط حل کر دے گا یا اپنی منطق وفلاسفی سے سوال لکھتے مٹاتے وقت گزار دے گا۔ کیونکہ فارمولا ہی ناپید ہو تو بھلا سوال کیسے حل ہو سکتا ہے۔

جہاں تک مومن کے اپنی جان و مال اور زندگی کی تمام متعلقات اللہ کے ہاں اس کی خوشنودی کے لیے بیچ دینے کا حکم قرآنی ہے اس کا مطلب بھی عین قرآنی ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ جس میں انسان صراط مستقیم سے ذرہ بھر بھی دائیں بائیں نہیں ہوتا اور صراط مستقیم صرف اور صرف قرآن ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ الغرض آپ سارا قرآن اور اس سلسلے میں اللہ کے سارے احکام مختلف مواقعوں اور متعدد پیرایوں میں پڑھ جائیں۔ ان کا مفہوم یہی حدِ اعتدال میں رہتے ہوئے دنیا وآخرت کے لیے محنت وکوشش کرنا ہے۔

وضاحت: اکثر قرآن مجید کے احکامات عام مسلمانوں کے لیے یعنی عام انسانوں کے لیے بیان کیے گئے ہیں، جو تقریباً 99% ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نہ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی اور دنیا وآخرت میں کامیابی یقینی ہو جاتی ہے بلکہ ایک جنت نظیر معاشرہ بھی وجود میں آجاتا ہے جس کی مثال یا جھلک عہد نبوی ﷺ تا دورِ فاروقیؓ کے سوا کہیں نظر نہیں آتی۔

بہر حال یہ تمام ذکر اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگا کر عملی دنیا میں لایا جائے۔ ان کے عقائد درست کیے جائیں، ان میں زندگی کی نئی روح پھونکی جائے۔ اب مسلمانوں کو کرنا یہ ہے کہ ہر فرد زیادہ سے زیادہ جدید تعلیم اپنا مذہبی فریضہ سمجھ لے۔ بچپن سے جوانی تک ساتھ ساتھ درجہ بہ درجہ قرآن کو بطور ایک لازمی مضمون کے ترجمہ کے ساتھ اور تشریح کے ساتھ پڑھ اور سمجھ لے۔ جس طرح میں نے حتی الوسع مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے یا جس طرح اقبالؒ نے قرآن کی تفسیر بیان کی ہے۔ اسی نہج پر ساری دنیا میں قرآن نافذ کیا جائے۔ مسلمان تعلیم وہنر اور تحقیق وجستجو کائنات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔ یاد رکھیں یہ بھی اللہ کا ذکر ہے صرف زبانی تسبیحات کرنا ہی اللہ کا ذکر نہیں ہے، بے شک فارغ اوقات اور Retired Life میں یہ بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی اپنی افادیت ہے جو اگلے روحانیات کے Topics میں ملے گی۔ لیکن اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کائنات کے ذرے ذرے کو کھنگالنا، اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس وٹیکنالوجی میں نام پیدا کرنا ہمارا اصل وصف ہے۔ (یاد رہے یہاں عملی وحرکی اسلامی پہلوؤں کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک فقر اور روحانی اسلامی پہلوؤں کے عمق کا تعلق ہے وہ حضرت علیؓ شیر خدا اور اہل بیت نبی ﷺ کا خاصہ ہے جو یا تو سینہ بہ سینہ ہے یا اس کا تعلق دور علیؓ اور شہادت

Marfat.com

علیؓ کے بعد حضرت امام حسن وحسینؓ سے اور واقعہ کربلا سے ہے۔ اس پر عاشقان علی واہل بیت نے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ میرا قلم جس کی تاب نہیں لاسکتا سوائے یہ کہنے کے کہ میں بھی ان کے در کا ایک ادنیٰ سا بھکاری ہوں)۔

نہ مصوّری حرام ہے نہ فلم نہ ڈرامہ نہ موسیقی نہ شاعری:

اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کچھ بنا کر اپنی طرف منسوب کرے تو یہ شرک ہو جائے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے تو حمد باری تعالیٰ ہو جائے گی۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ایک مصوّر قدرت کی پیدا کی ہوئی رنگا رنگ خوبصورتی کو اگر مصنوعی طور پر کاغذ وقلم سے یا برش وکینوس اور رنگوں کی مدد یا کیمرہ کے ذریعے یا کسی بھی دیگر طریقہ سے محفوظ کر کے اس سے گھروں، دفاتر، عوامی جگہوں اور ملک ووطن کو خوبصورت بناتا ہے تو یہ اللہ کی حمد ہے۔ اس کی ہی صناعی کی تعریف ہے، مصور کی صلاحیت کو اللہ کی عطا کی ہوئی خوبی یا وصف کہا جائے گا۔ بھلا کون مصور ہے جو کہے کہ اللہ کے آسمان، چاند، ستاروں یا اشیائے دنیا کی طرح میں نے بھی کچھ بنالیا ہے، میں بھی خدا ہوں (اللہ معاف کرے) کوئی بھی ایسا نہیں کہتا، بلکہ ہر کوئی جانتا اور مانتا ہے کہ یہ مصنوعی کام ہے اور یہ بھی اس مصور کو اللہ کی عطا ہے، جس نے اسے ہاتھ، ہنر، صلاحیت وسائل اور موقع فراہم کیے، زندگی وصحت، چین واطمینان، بیماریوں اور بلاؤں سے پناہ دی۔ الغرض ہر طرح سے اسے موافق فضا فراہم کی تب وہ اس کام کے قابل ہوا۔ اب اسی طرح شاعری ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا (بشرطیکہ قرآنی حدود کے مطابق ہو) بلکہ چونکہ کفار نبی پاک ﷺ کو شاعر کہتے اور قرآن کو آپ ﷺ کا کلام کہتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ نہ تو محمد ﷺ شاعر ہیں نہ وہ ان کا کلام ہے اور نہ ہی شاعری آپ ﷺ کو زیب دیتی ہے۔ شاعر چاہے اقبالؒ یا مولانا رومؒ کی طرح کتنا ہی بلند تخیل، معرکہ آراء کلام لکھے یا صوفیانہ وتصوّفانہ طریق سے شاعری کرے اسے دیگر شعراء سے بلند مرتبت مفسر قرآن، صوفی، ولی اللہ وغیرہ کہا جاسکتا ہے لیکن نبیؑ نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اللہ کے کلام کو انسانی کلام چاہے ولیوں کا کلام ہو کے مشابہ یا درجہ ونسبت کے اعتبار سے ایک قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاعر کے مقام سے اور قرآن کو شاعری کے مقام سے تشبیہ دینے سے یا آپ ﷺ کو شاعر کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ آپ ﷺ کا مقام اس سے کہیں بلند اور قرآن کا مقام شاعری سے کہیں افضل واعلیٰ ہے۔ بلکہ ان میں کوئی نسبت وتناسب ہی نہیں۔ لیکن یہ صرف ایک نبی ﷺ اور اس پر نازل ہونے والی کتاب کی افضلیت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا۔ اس بات کا حکم نہیں دیا کہ شاعری مت کرو، اس لیے ہر کام کی طرح حدود اللہ میں رہتے ہوئے شاعری جائز بلکہ مفید ہے۔ تعمیری شاعری سے قومیں بنتی اور نئی اٹھان لے سکتی ہیں۔ اسی طرح محبتِ مجازی سے متعلق شاعری اگر اس میں اخلاق باختگی اور عریانیت کا پہلو نہ پایا جاتا ہو تو یہ بالکل جائز بلکہ محبت جیسے عظیم جذبے کے اظہار کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ صوفیانہ ومتصوفانہ شاعری توحید باری تعالیٰ ہے عشقِ الٰہی کا اظہار ہے پھر نعتِ نبی کو لیجیے یہ عشق رسول کا اظہار ہے۔

Marfat.com

موسیقی، فلم اور ڈرامہ:

موسیقی سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہیں بھی منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ ''ہم نے کوئی چیز بھی دنیا میں عبث پیدا نہیں کی''۔ انسان نے جو بھی ایجادات کیں، دریافتیں کیں یا معرکے سرانجام دیئے وہ (صفت مصوری میں گزشتہ صفحات پر کی گئی بحث کے مطابق) اللہ کے فضل و کرم اور عطا سے معرضِ وجود میں آسکے ورنہ انسان کبھی ان تک نہ پہنچ سکتا۔ انسانی سوچ، افکار اور تخیلات کا منبع کہیں اور ہے یعنی اس کا محور و مرکز اللہ کا حکم ہے اس کا اذن ہے۔ بِنا اس کے انسان کچھ نہیں کرسکتا ہاں اللہ نے انسان کو جائز و ناجائز دونوں طرح سے دی ہوئی نعمتوں اور صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ موسیقی سمیت ہر شے کا صحیح اور غلط استعمال ہوسکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شے غلط یا حرام ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ اسے پیدا ہی نہ فرماتا۔ بیوی کے ساتھ جماع جائز بلکہ عبادت (اللہ کے حکم کی غلامی) ہے لیکن یہی تعلق غیر عورت سے زنا اور بدترین گناہ ہے۔ انگور اور دیگر ترش و میٹھے پھل جائز وصحت افزاء اور نعمت خداوندی ہیں، لیکن غلط طریق سے ان کا استعمال بشکل شراب حرام ہے۔ سؤر کا وجود ضرور کوئی حکمت لیئے ہوئے ہے اور Life Chain میں اس کا کوئی کردار ہے لیکن اسے کھانا حرام ہے کہ اس میں لازمی انسان کے لیے مضر اثرات ہوں گے.......... وغیرہ وغیرہ۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ اشیاء بری ہیں بلکہ ان کے استعمال کا طریق غلط ہے۔ اسی طرح سے موسیقی روح کی غذا ہے، اچھی موسیقی سے طبیعت کو سکون و قرار، تازگی اور موقع ومحل کے مطابق Satisfaction ملتی ہے نبی پاک ﷺ کے زمانہ اقدس میں بھی موجود تھی۔ شادیوں، بیاہوں، خوشی کے مواقعوں اور میلوں ٹھیلوں میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ خود نبی پاک ﷺ کے آمدِ مدینہ (بوقت ہجرت) کے موقع پر وہاں کی بچیوں نے دف اور وقت کے دیگر آلات موسیقی کے استعمال سے خوشی کا اظہار کیا اور گیت گائے، آپ ﷺ کی شان میں ترانے گائے۔ خود قرأت قرآن، نعت گوئی اور حمدِ باری تعالیٰ ترنم کے ساتھ پڑھنا ان سب میں آواز کا زیرو بم اور لے کا چھوٹا بڑا ہونا، موٹا اور باریک ہونا کیا ایک ردھم پیدا نہیں کرتا۔ انتہائی پاکیزہ جاہ وجلال والی موسیقیت کو جنم نہیں دیتا۔ پھر قوالی کو لیجئے کتنے پیارے انداز سے حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ رسول ﷺ، صفات رب العالمین اور صفاتِ محمد رسول اللہ ﷺ اور ذکر اولیاء و صوفیاء اور اسلامی شعار کو بیان کیا جاتا ہے کہ انسان جھوم جھوم جاتا ہے، بلکہ کئی لوگ عشق خدا اور رسول ﷺ میں وقتی طور پر خود سے بیگانہ ہوجاتے ہیں (جسے عرف عام میں ''حال'' پڑنا یا حال طاری ہونا کہتے ہیں) بھدی آواز اور بھدے طریقے سے اچھی بات کا بھی برا اثر ہوتا ہے جبکہ بات بھی اچھی ہو اور اندازِ ادا بھی اعلیٰ ہو تو سونے پہ سہاگے کا کام کرتا ہے۔ اب رہ گئی بات آج کل کے لچر و فحش قسم کے گانوں اور موسیقی کی تھاپ پر جسموں کو تھرکانے اور نچانے کی تو ظاہر ہے کہ اس کا موجودہ طریقہ قطعاً غلط اور خلافِ اسلام بلکہ حرام ہے۔ اس کو حدودِ الٰہی میں لانا پڑے گا۔ قرآن کے ترازو میں تولنا پڑے گا اور کھرا کھوٹا الگ کرنا پڑے گا۔ قرآن میں غیر مرد کا غیر عورت کے ساتھ عشق، آشنائی، تنہائی میں میل ملاپ اور زنا و متعلقاتِ زنا کے جذبات کو

Marfat.com

ابھارنے یا پیدا کرنے والے سب محرکات حرام ہیں۔ لیکن یہی سب کچھ خاوند بیوی کے درمیان جائز بلکہ شاملِ عبادت ہے۔ مشہور گلوکار یا گلوکارائیں جب TV یا ریڈیو پر گاتے ہیں تو وہ عام پبلک میں نہیں ہوتے، ہمارے دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر کوئی کیسٹس یا CDs خرید کر اپنے گھر میں سنتا اور اپنے متعلقہ فرد یعنی زوجین جس سے وہ محبت کرتا ہے اس کی طرف اسے منسوب کرتا ہے۔ کرنا یہ ہوگا کہ TV اور اسٹیج کے موسیقی کے پروگراموں میں اصلاحات نافذ کی جائیں۔ پہلی بات گانوں کو فحش پن، لچرپن اور اخلاق باختگی سے پاک کرنا ہوگا آج سے چند دہائیاں پہلے کی موسیقی اور گانوں کے بول یا شاعری کو دیکھا جائے جو کہ برصغیر میں دیکھنے سننے میں آئے تو ہم ان میں زیادہ تر فحش پن نہیں پاتے بلکہ عشق و محبت کے جذبات کو نہایت سنجیدگی، شرافت اور متانت اور وقار و پاکیزگی کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔ یہی حال فلموں اور ڈراموں کا تھا کہ جسے آپ اپنی فیملی میں بیٹھ کر دیکھ سکتے تھے۔ باپ، بیٹی اور بہن بھائی کو ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر دیکھنے سننے میں شرمندگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس معیار کو کچھ مزید پاکیزگی کے رنگ کے ساتھ بحال کرنا چاہیے۔ مثلاً جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت کے TV ڈراموں کو معیار بنایا جائے اور انہی حدود میں رکھا جائے ان میں کہیں جھول نظر آئے تو اسے درست کیا جائے اور فلمیں بھی اسی معیار پر بنیں۔ فلموں میں اور ڈراموں میں اصل میاں بیوی کو کاسٹ کیا جائے جو ہیرو اور ہیروئن کا کردار ادا کریں تاہم دیگر رشتوں کے لیے دوسرے کرداروں کو رکھا جا سکتا ہے لیکن فاصلہ اور حدود و قیود برقرار رکھتے ہوئے۔ ہاں جہاں فاصلہ ختم کرنا ناگزیر ہو مثلاً ماں، بیٹے کا گلے ملنا یا بہن بھائی کا گلے ملنا و دیگر اس طرح کے مواقع، تو اس کے لیے حقیقی رشتوں کو کاسٹ کیا جائے تاکہ قرآن کی حد نہ لگے۔ فلموں کے گانے فاصلے و پاکیزگی سے کاسٹ ہوں اور خواتین کا ناچ و اچھل کود نہ ہو۔ البتہ ہلکی پھلکی حرکات ممکن ہیں جو جذبات کی عکاسی کرتی ہوں۔ Sex کو Expose نہ کیا جائے بلکہ ان جذبات کو لطیف پیرائے میں اور محض اس حد تک دکھایا جائے کہ بات بغیر لچر حرکات کے سمجھ آجائے۔ غرض نیت صاف ہو تو اس میدان میں محنت کر کے اسلامی ماحول بنایا جا سکتا ہے اور زمانہ کے تقاضوں کو حدود اللہ میں رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ پورا کرنے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ جب حکومتی سطح پر اجتماعی دانش و سوچ بچار سے اس Target کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو۔ عورتوں کے ناچ Dance، عریانیت اور Sex Symbol بن کر فلموں، ڈراموں، اسٹیج و دیگر عوامی اجتماعات یا غیر مردوں کے سامنے پیش کرنے یا ہونے کو قرآن حرام قرار دیتا ہے اس کی ہمارے ہاں گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح خواتین مغنیہ (گانے والیاں) بھی ڈانس و اچھل کود نہیں کر سکتیں۔ مزید بہتر ہے کہ اگر ان کی صرف آڈیو کیسٹس ملیں، وڈیو پروگرام نہ ہوں اور گانے اخلاقی معیار سے گرے ہوئے نہ ہوں تاکہ محرم جوڑے ان گانوں اور فلموں سے اپنے ذوق کی تسکین کر سکیں۔ اسی طرح تمام بڑے چھوٹے مرد و عورت فلم و ڈرامہ کی کہانیوں سے مستفید ہو سکیں۔ یہی پاکیزگی کا ماحول دیگر تمام قسم کے TV، ریڈیو اور اسٹیج تھیٹر کے پروگراموں میں ہوگا۔

Marfat.com

گویا ثابت ہوا کہ فلمیں اور موسیقی ناجائز نہیں بلکہ ان کے استعمال کے طریقے درست نہیں، جنہیں درست کرنے کی ضرورت ہے۔ بنیاد پرستوں کی طرح انسانی ترقی کو مفلوج کر کے کئی صدیاں پیچھے کی دنیا میں جینے کی کوشش میں تمام TV، ریڈیو، کمپیوٹر، ٹیلی فون، موبائل، انٹرنیٹ، سینما گھروں، تھیٹر، میلے ٹھیلے، تفریح اور خوشی وعلم حاصل کرنے کے سارے سامان کو آگ نہیں لگا دینا چاہیے۔ بلکہ ان سب سے حدودِ الٰہی میں رہتے ہوئے نہ صرف بھرپور طریق پر مستفید ہونا چاہیے بلکہ ان میں بھی ترقی کرتے ہوئے دنیا کو Lead کرنا چاہیے۔ فلم، ڈرامہ اور موسیقی میں فحش پن کر چھوڑ کر دیگر بہت کچھ اجزاء قابل ترقی ہیں جن پر گرفت مضبوط کر کے دنیا کو اپنی طرف راغب کیا جاسکتا ہے۔

مغرب کی طرح تحقیق وجستجو کی ضرورت:

اب بات یہ ہے کہ تسخیر کائنات کو کیسے ممکن بنایا جائے؟ اس سلسلے میں ہمیں اہل مغرب کی اس وقت تک تقلید کی ضرورت ہے جب تک ہم ان سے آگے نہیں نکل جاتے۔ اگر شراب نوشی وفحاشی کے عنصر کو نکال دیا جائے اور قانون ساز اسمبلیوں کے ذریعے حدود اللہ سے متجاوز قوانین کو الگ کر دیا جائے (جو عائلی قوانین یا چند ایک دیگر غیر ضروری قوانین ہیں) تو ان کی زندگی، تہذیب اور بود و باش عین مومنین کی طرح ہے تاہم سود اور سرمایہ داری نظام کو بھی ختم کرنا پڑے گا اور اس کی اصلاح کی جائے گی۔ لیکن یہ کُل قرآن مجید کے احکامات کے اعتبار سے شاید 30% غیر قرآنی اور 70% قرآنی طرز معاشرت ہے۔ مومن کو حکم الٰہی ہے کہ اچھی چیز جہاں سے ملے لے لو اور بری چیز کو چھوڑ دو۔

میں جب مغرب کے لوگوں کی فلاحی مملکتوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ کس طرح اپنے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرتے، عدل وانصاف کو قائم کرتے وسائل کو ہر کسی کے لیے کھلا رکھتے، ترقی کے مواقع ہر خاص وعام کے لیے مہیا کرتے، تعلیم ہنر اور تحقیق کا حق سب کو عطا کرتے، صحت وعلاج کی سہولتیں بہم پہنچاتے، خواتین بچوں اور بوڑھوں کے علاوہ ضرورت مندوں، حاجت مند، غریبوں اور معذوروں کے خصوصی حقوق کی حفاظت کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے، حفظانِ صحت اور صفائی کا خیال کرتے، نظم وضبط قائم کرتے، باہمی حقوق وفرائض کا خیال کرتے، ملک وملت پر جان دیتے، اپنی اغراض و مفادات پر دوسروں کو اور قومی مفادات کو ترجیح دیتے، ظلم وجبر کے منابع کو مٹاتے اور تسخیر کائنات کے لیے دن رات کوشاں رہتے ہیں اور کس طرح وہاں ترقی وخوشحالی کا دور دورہ ہے۔ کس طرح جرم، کام چوری، ملاوٹ، دو نمبری، ہیرا پھیری، اقرباء پروری، رشوت، سفارش، ذخیرہ اندوزی، جھوٹ عیاری ومکاری اور اس طرح کی بے شمار قباحتوں کی حوصلہ شکنی اور بیخ کنی کی جاتی ہے گو کہ جرائم پیشہ لوگ اور ہر طرح کے جرم کرنے والے تو موجود ہیں (کیونکہ شیطان کو قیامت تک ڈھیل ملی ہوئی ہے) ۔لیکن بہرحال قانون اور اس کی گرفت کا خوف موجود ہے، جس کی وجہ سے Crime Rate کافی کم ہے اور اس کے علاوہ White Color Crime نہ ہونے کے برابر ہیں اگر کوئی بڑے سے بڑا حکومتی عہدے دار یا بزنس مین وسرمایہ دار بھی

Marfat.com

اس میں ملوث پایا جائے تو اسے فوراً اپنے عہدے سے الگ ہو کر قانون اور سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو جب میں اہل مغرب کے یہ کام دیکھتا ہوں تو بے اختیار عش عش کر اٹھتا ہوں۔

ایسے میں پھر کیوں نہ دل کرے کہ ہم بھی حدود اللہ میں رہتے ہوئے ہر اچھا کام ان سے سیکھ لیں جبکہ امکان غالب ہے کہ انہوں نے بھی یہ سب اپنی مذہبی کتب یا ہمارے قرآنِ عظیم ہی سے سیکھا ہے۔ ایسے میں یہ ضد کہ اگر غیر مسلم دائیں جا کر ترقی وخوشحالی حاصل کرتا ہے تو ہم نے محض تعصب کی وجہ سے بائیں ہی جانا ہے، چاہے آگے گہری کھائی ہی ہو۔ یقیناً یہ مناسب نہیں اور رسمی علماء کا قوم پر ظلم عظیم اور قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت ہے۔

ہمیں اول تو سب کچھ قرآنِ خالص سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ قرآن ایک تھیوری ہے جس کے 70% سے زائد حصے پر یورپ نے عملدرآمد کر کے کامیابی حاصل کر لی ہے اس لیے ہمیں حدود اللہ کا خیال کرتے ہوئے وہ 70% ترقی و خوشحالی سے متعلق عملی قرآن ان سے سیکھ لینا چاہیے اور ساتھ ساتھ جس حصے پہ انہوں نے عمل نہیں کیا مثلاً فحاشی وعریانیت کا خاتمہ، عائلی قوانین کی پابندی، سود کا خاتمہ، سرمایہ داری نظام کی اصلاح، شراب وسؤر خوری سے اجتناب، زنا ومتعلقاتِ زنا سے پرہیز، میڈیا کو اسلامی رنگ میں ڈھالنا، دیگر اقوام پر ظلم نہ کرنا اور جو قوانین قرآن نے اٹل صورت میں بیان کر دیئے ہیں ان کا نفاذ، جن قوانین کے لیے محض اصول دیئے ہیں یا جن پر خاموشی اختیار کی ہے انھیں فہم قرآن کے مطابق اور وقت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے بنانا۔ ان سب کو پھر (اور ان کے علاوہ بھی جو قرآنی احکام ہوں) بقیہ 30% کی حیثیت میں نافذ کر کے معاشرے کو سوفیصد اسلامی بنایا جائے۔ کیونکہ یہی وہ 30% حصہ ہے جس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آگے چل کر ان کی تہذیب خود اپنے ہاتھوں خودکشی کرے گی۔۔ اگر دیوار کو انتہائی معمولی (جو بظاہر محسوس نہ ہو) ٹیڑھ کے ساتھ بھی بنیاد سے اوپر اٹھایا جائے تو بلندی کے کسی نہ کسی مقام پر وہ اپنی مضبوطی اور توازن کھو دے گی اور دھڑام سے زمین پر آ رہے گی۔ ان کی تہذیب کے اس 30% حصے سے متعلق میں پھر کسی مقام پر تفصیل سے بحث کروں گا کہ وہ آخر کیوں ناکام ہوگا اور کس طرح سے ترقی وخوشحالی کو کھا جائے گا اور کیونکر قرآن میں مذکور مجرم اقوام کی طرح بالآخر تباہ اور اللہ کے عذاب سے دوچار ہوگا۔

اس مرحلۂ عروج پر بمطابق گزشتہ بحث پہنچنے کے ساتھ ساتھ تحقیق وجستجو کو عام کرنا ہوگا ہمیں اپنے ہاں ہر طرح کے علوم کے نئے افق ہر آن نگاہوں کے سامنے لانا ہوں گے اور ان میں مزید ترقی کے رنگ بھرنا ہونگے۔

دوسری ترقی یافتہ اقوام کو دیکھئے کیسے تحقیق وجستجو میں مصروف عمل ہیں۔ ریڈیو، TV، رسائل و کمپیوٹر وانٹرنیٹ سے ہمیں ان کی اس پیش رفت کا بہت کچھ علم ہوتا رہتا ہے (گو کہ وہ بہت کچھ ہم روبہ زوال، غیر ترقی یافتہ اور ترقی پذیر اقوام سے چھپا کر بھی رکھتے ہیں کیونکہ ترقی کے ثمرات سے وہ خود مستفید ہوتے اور ہمیں بہت بھاری قیمت پر اس میں حصہ دار بنانا چاہتے ہیں)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح وہ اپنی اپنی تجربہ گاہوں میں مختلف علوم کے متعدد شعبوں میں دن رات تحقیقات میں مصروف

Marfat.com

ہیں۔ میڈیکل کے شعبے میں ناقابلِ علاج امراض کے لیے ادویات تیار کی جاتی ہیں پہلے سے موجود ادویات کو بہتر بنایا جاتا ہے نئی تکنیک وعلاج متعارف کروایا جاتا ہے۔ سرجری میں ترقی ہورہی ہے، مختلف شعاعوں کے ذریعے علاج ہورہے ہیں۔ دل و دماغ، ذہن وافکار پر تحقیق ہورہی ہے۔ جینز کی گتھیاں سلجھائی جارہی ہیں، زندگی کے آغاز وانجام پر تحقیق جاری ہے، نفسیات کو کھنگالا جارہا ہے۔ انسان کے جسم کو سر کے بال سے لے کر پاؤں کے ناخن تک خوب ماپا، تولا اور کھنگالا جارہا ہے۔ نباتات پر اوراس کی زیادہ سے زیادہ اقسام پر عمیق تحقیقات جاری ہیں۔ جنگلی وسمندری حیات پر اس قدر محنت سے تحقیقات ہورہی ہیں کہ عقل دھنگ رہ جائے یہ سب تو TV کے Geographic چینل پر دیکھا بھی جاسکتا ہے، خلائی علوم پر تحقیقات کے لیے بہت مہنگے مشن خلاء میں بھیجے جارہے ہیں۔ مصنوعی سیاروں سے محیّر العقول کام لیے جارہے ہیں۔ سورج کی زندگی، چاند ستاروں کی افادیت، وماہیت اوران کے فاصلے ماپے جارہے ہیں۔ آتش فشانی، زلزلوں، موسموں کے تغیر وتبدل پر تحقیقات ہورہی ہیں اورفوائد حاصل کیے جارہے ہیں۔ جمادات ومٹی اور کیمیائی اجزاء پر تحقیقات جاری ہیں۔ فزکس اور میٹا فزکس کے میدان مارے جارہے ہیں۔ زمان ومکان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ مستقبل اور ماضی میں جھانکنے کے لیے سائنسی طریق ڈھونڈے جارہے ہیں۔ پہاڑوں کے اندر اور زیرِ زمین وزیرِ سمندر خزائن کی تلاش جاری ہے۔ دوسرے سیاروں پر بسنے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ آندھیوں اور سیلابوں ودیگر قدرتی آفات کے سامنے بند باندھنے کی کاوشیں جاری ہیں اور قبل از وقت ان سے محفوظ رہنے کے لیے پیشگی اطلاعات تک رسائی تو کافی حد تک حاصل ہوچکی ہے۔ جنگی ساز وسامان اوراس میں نت نئے اضافے بڑی برق رفتاری سے جاری ہیں۔ کیونکہ اس میں ترقی قوم کی بقاء کی ضامن ہے (تاہم انسانیت اور ہر ذی حیات مخلوق کے خاتمہ کا ساز وسامان اسی فلسفہ بقائے قوم کے تحت مختلف اقوام کے پاس تیار ہوگیا ہے اگر اقوام کے درمیان کوئی بڑی جنگ ہوتی ہے تو پھر اس کرۂ ارض سے زندگی خشکی، تری، فضا، ہوا، خلا، زمین اوراس کی تہوں تک لگتا ہے ہر جگہ ہمیشہ کے لیے فنا ہوجائے گی۔ شاید یہی قیامت ہوگی، یا جو خدا کرے) لوگوں کے استعمال کی متنوع اقسام، اشیاء بے شمار سہولتوں، افادیتوں، لذتوں اور عیش کوشیوں سے لبریز تیار ہورہی ہیں۔ ان کی ایک دوڑ جاری ہے ممالک کے اندر اور بین الاقوامی سطح پر تجارتی ماحول میں سخت مقابلہ کی فضا ہے۔ اس کی وجہ سے جو چیز آج سو روپے کی ہے وہ کل 10 روپے کی ہوسکتی ہے۔ اس لیے دن رات کام کام اور صرف کام۔ محنت اور صرف محنت۔ مقابلہ اور صرف مقابلہ ہے۔ سرمائے کی منڈیوں میں شدید کھینچا تانی ہے تاہم یہ سب Fair Play بھی نہیں ہے۔ تھرڈ ورلڈ یعنی تیسری دنیا کے غریب ممالک یا دوسرے درجے کے ممالک کو بڑے ترقی یافتہ اور طاقتور ممالک کے مستفید ہونے کے بعد ہی سرمائے پر دسترس حاصل ہوتی ہے اور یہ اپنی اشیاء کو کھلی منڈی میں بلا روک ٹوک فروخت نہیں کرسکتے۔ جس طرح شیر اور ہرن ایک گھاٹ پر پانی نہیں پی سکتے اور بڑے خونخوار جانوروں کے شکار سے پیٹ بھرنے کے بعد ہی چھوٹے جانوروں پھر گِدھوں اور چھچھوندروں یعنی کمزوروں کی باری آتی ہے

Marfat.com

یہی عالم انسانوں کی دنیا میں بھی ہے۔ جسے قرآن کے نظامِ ربوبیت سے درست کرنا ہوگا۔ یہ اس 30% حصہ قرآنی میں شامل ہے جس پر ترقی یافتہ مغربی ممالک عمل نہیں کر رہے اور جو اقوام کے درمیان بھیانک تصادم کی وجہ بنے گا۔ یہ بھی مغرب کے ان خنجروں میں سے ایک خنجر ہے جن کے ذریعے نہ صرف وہ خود، خودکشی کریں گے بلکہ دُنیا کو بھی اپنی اس روش سے شدید ترین نقصان پہنچائیں گے۔ ہمیں سرمائے کی اس غلط تقسیم کو روک کر عدل قائم کرنا ہوگا۔

مغرب میں طریق بود و باش اور اخلاقیات میں بھی ترقی کی جا رہی ہے، نشست و برخاست کو بہتر بنایا جا رہا ہے، رہائش، کاروباری مراکز، ہسپتالوں، جیلوں، پولیس اسٹیشنوں، تفریح گاہوں، سیر و سیاحت کے مقامات، عجائب گھروں، چڑیا گھروں اور دیگر پبلک مقامات کو جدید سہولتوں سے مزیّن کرنے کے بعد تحقیق و تفتیش جاری ہے کہ انھیں کیسے مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

الغرض تحقیق و جستجو سے وہ نہ صرف اپنے ملک و ملت کو ترقی یافتہ و خوشحال بنا رہے ہیں بلکہ کائنات کے کونے کونے میں اور اشیاء کے ریزے ریزے میں حقائق کی تلاش میں مگن ہیں اور اسی کو وہ مقصدِ حیات سمجھتے ہیں۔

اللہ کی عملی عبادت اسی چیز کا نام ہے:

جس طرح کوئی بہت شاندار گاڑی تیار کرنے کے لیے کسی کمپنی کو بے شمار پرزوں، اعلیٰ خام مال اور جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ اس کو بنانے اور تیار کرنے کے لیے بہت سے اصول و ضوابط، طریق کار اور ذہانت و دیانت کو استعمال میں لانا پڑتا ہے اور وہ ایک اعلیٰ و شاندار گاڑی تیار کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ یہ ٹیکنالوجی اور اس کے لوازمات اس کی میراث ہوتے ہیں۔ ہر اعلیٰ مشین کا ایک کیٹلاگ (کتابچہ) ہوتا ہے جس میں اس مشین کی بناوٹ اور فنکش و کارکردگی درج ہوتی ہے۔ جب کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اسی کیٹلاگ کی روشنی میں مشین کو جانچا جاتا اور اس کی Checking یا پڑتال کی جاتی ہے جہاں خرابی موجود ہو اسے دور کر کے مشین کو رواں کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن فرد کو ایک اعلیٰ کل پرزہ یعنی مومن بنا دیتا ہے یہی کل پرزے (افراد) مل کر ایک مشین یعنی معاشرہ یا قوم بناتے ہیں جو اعلیٰ کارکردگی کے لیے تیار کھڑی ہوتی ہے۔ قرآن اعلیٰ افراد جنہیں ''مومنین'' کہیں گے اور ان پر مشتمل ''اہل مومنین کا معاشرہ'' اگر اس قرآن پر عمل کیا جائے تو تیار کر دیتا ہے۔ ہم اور ہمارے رسمی علمائے دین اسی کو حاصلِ دین اور کامیابی سمجھ لیتے ہیں جبکہ ابھی تو ہم کامیابی کے لیے قرآن کی مدد سے تیار اور اس کے اہل ہوئے ہیں ابھی تو گاڑی بن کر تیار ہوئی ہے۔ سفر تو ابھی شروع ہونا اور امتحان تو آگے پڑے ہیں۔ لہٰذا یہ اعلیٰ معاشرت اس لیے ہے کہ دنیا میں امن آشتی ہو، بھائی چارے اور ایثار و قربانی کا جذبہ ہو، عدل و انصاف ہو، ہر طرح کی دھوکہ دہی، عیاری و مکاری، دونمبری اور ظلم و جبر کا خاتمہ ہو۔ رزق اور وسائل حیات سب کے لیے کھلے ہوں اور موجود ہوں، محنت و مشقت سے حلال رزق کمایا جا سکے، حقوق و فرائض ٹھیک ادا ہوں، جنگ و جدل کا خاتمہ ہو، تخریب ختم اور تعمیر شروع ہو۔

Marfat.com

الغرض قرآن ایک ایسا فلاحی معاشرہ تیار کرنا چاہتا ہے جو یک جان اور بے شمار قالب میں ڈھلا ہو۔ سب افراد میں ایک روح ایمانی ہو۔ اس کی مثال انسان سے دی جاسکتی ہے اس کے اندر ایک روح ہوتی ہے جسے اس کی ذات کہا جاتا ہے۔ اس کی اس کے جسم پر حکمرانی ہوتی ہے۔ ہمارے سینکڑوں اجزائے جسمانی اور درجنوں اعضائے جسدی ہوتے ہیں۔ لیکن ہم ہر ایک کی غذا وبقاء اور صحت وکارکردگی کا دل وجان سے خیال رکھتے ہیں کہ جب سارا جسم صحت مند ہوگا تو ہی ہم مکمل طور پر صحت مند کہلائیں گے اور کچھ کرنے کے قابل ہونگے۔ پس اسی طرح کا کل نسلِ آدم یا ابتدائی طور پر کسی ایک قوم پر مشتمل مومنین کا معاشرہ جب وجود میں آجائے گا۔ تو یہ اب اپنی منزل کی طرف بڑھنے کے لیے تیار ہوگا اور منزل ہے ''تسخیر کائنات مادی اور روحانی''۔ یاد رکھیئے مومن کو تسخیر کائنات کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تسخیر کائنات دو طرح کی ہے، ایک مادی اور ایک روحانی۔ انسان چونکہ حواس خمسہ کو عام طور سے استعمال میں لاتا اور اسی پر مشتمل دنیا سے واقف ہے اور اسی وجہ سے مادی ترقی کی بے شمار منازل کی طرف رواں دواں ہے جو کہ ابھی بہت سفر مانگتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن روحانی دنیا سے بھی متعارف کرواتا ہے یہ عام نہیں ہے یہ مخفی ہے اس کے لیے ان پانچ حواس سے آگے ترقی کرتے ہوئے دیگر لاشعوری حواس کو بذریعہ ایمان بہ مبنی قرآن ڈھونڈنا، کھنگالنا اور تلاش کرنا پڑے گا اور ترقی دینا پڑے گی اس کے لیے بھی مومن ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ گھٹیا قسم کی روحانیات سفلی علوم ہیں جو مختلف مشقوں کی وجہ سے حاصل تو ہو جاتے اور کام بھی کرتے ہیں لیکن ان تک انسان وشیطان دونوں کی دسترس ہے یہی وجہ ہے کہ انسان بہک جاتے ہیں اور یہ علوم معاشرت کو فائدہ کم، تاہم نقصان زیادہ پہنچاتے ہیں۔ قرآن میں ہاروت وماروت کے قصے کی صورت میں ان کا ذکر ہے اور ان سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ تو محض انسان کا امتحان ہیں کہ انسان جس طرح باقی معاملات میں رحمانی وشیطانی ہر دو طرح کے راستے اختیار کرنے میں آزاد ہے اسی طرح ان روحانی راستوں پر بھی سفلی اور کالے جادو سحر اور دیگر علوم شیطانی ہیں۔ جبکہ قرآن سے آراستہ علوم رحمانی ہیں۔ تقویٰ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، ایثار، قربانی اور خدمت انسانیت بلکہ اس میں خود کو غرق کر دینا۔ ان سب کے اندر روحانی اسرا رچھپے ہوئے اور پوشیدہ ہیں۔ جن سے ہم واقف نہیں اور نہ عام انسانوں کو یہ تعلیم کیئے گئے ہیں۔ گو کہ یہ سب کے لیے عام ہیں، لیکن صرف چوٹی کے متقی اور باصلاحیت لوگ بفضلِ تعالیٰ ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ ثقیل ترین خوراک کے لیے معدہ کا انتہائی مضبوط ہونا ضروری ہے ورنہ تکلیف بھی سہنا پڑے گی اور خوراک بھی ضائع ہو جائے گی۔ ان پر صوفیاء نے کام کیا ہے لیکن عام طور پر اشاروں کنائیوں سے زیادہ انھیں ظاہر نہیں کیا۔ میری نظروں سے اس ضمن جو سب سے زیادہ محقق کتاب گزری ہے وہ مثنوی مولانا روم ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ابھی بہت کام کرنے اور تحقیق وجستجو جو ایک عشق لیئے ہوئے ہو کی ضرورت ہے۔ کائنات کی بھول بھلیوں میں جہاں مادے کی حد ختم ہو جائے وہاں اس روحانی وجود کی حد شروع ہوتی ہے اور یہی کائنات کی ان وسعتوں تک بلکہ دیگر عالموں تک پہنچ سکتا ہے (لیکن اگر خدا چاہے)۔

Marfat.com

اختتامی نوٹ:

یہ وہ چند امور قرآنی تھے جن کی غلط توضیح و تشریح کی وجہ سے ہمیں ہمارے رسمی علماء نے اندھے کنوئیں میں بند کر رکھا ہے۔ میں نے حسبِ توفیق الٰہی ان کی سمت درست کرنے اور مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ باقی احکامات قرآنی کو سمجھنے کے لیے اقبالؒ، پرویزؒ اور مودودیؒ مرحوم کا تقابلی مطالعہ فرمایئے۔ قرآن اور سائنس کے موضوع پر ڈاکٹر عبدالودود، ڈاکٹر برق اور علامہ مشرقیؒ کو پڑھیے۔ علم احادیث کی حقیقت کے لیے پرویزؒ و برقؒ کو پڑھیے۔ مولانا روم کو ضرور پڑھیے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 10

کیا زمین کے علاوہ کائنات کے کسی گوشے میں زندگی موجود ہے؟

یہ وہ سوال ہے جس پر آج کل بہت سوچا جا رہا ہے اور اس حقیقت کی چھان پھٹک کے لیے جہاں تک ممکن ہے دوسرے سیاروں، ان کے چاندوں اور کائنات کی وسعتوں میں جھانکنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاحال چاند، مریخ اور شاید ایک آدھ اور سیارے پر پہنچنا ممکن ہوسکا ہے اور سائنس دانوں کو وہاں پر ہوا اور پانی یا تو دستیاب نہیں ہوسکا یا ان کے امکانات بہت معدوم پائے گئے ہیں۔ اسی طرح سے دیگر ماحول بھی زمینی حیات یا انسان کے لیے موافق نہیں پایا گیا۔ البتہ زمینی عناصر کی وہاں موجودگی پائی گئی ہے۔ اس پر مزید تحقیقات جاری ہیں کہ کسی طرح وہاں زندہ رہنا اور بس جانا ممکن ہوسکے۔ ابھی پہلے پہلے قدم ہیں آگے بہت سفر بلکہ بے انتہا سفر باقی ہے۔

ہمارے زمینی حواسِ خمسہ کی طرح دیگر سیاروں، کروں اور ستاروں کی دنیاؤں میں دیگر حواس رکھنے والی مخلوقات موجود ہوسکتی ہیں، بلکہ یقیناً ہوں گی:

اس سلسلے میں، میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم اس زمین پر جنات اور ان کی اقسام سے واقف نہیں ہیں نہ انھیں دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں اور نہ عام حالات میں ان سے کوئی تعلق رکھ سکتے ہیں، ماسوائے اس کے کہ اس کام کے لیے خصوصی کوشش کی جائے اور ماورا الحواس طریقے اختیار کیے جائیں تو پھر ہم ان حواس خمسہ سے ان سیاروں اور ستاروں کی دنیاؤں کو کیونکر جان سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین پر بسایا اسے ہمارے لیے سازگار بنا دیا۔ یہ وسیع وعریض زمین ہماری تمام تگ ودو کا عام طور پر محور ومرکز ہے۔

مچھلی کا پانی سے باہر کوئی امکان بقاء نہیں اور پرندے کا ہوا کے سوا پانی میں کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اسی طرح ہر جاندار کے لیے اپنے خاص ماحول ہی میں زندہ رہنا اور پھلنا پھولنا ممکن ہے۔ لیکن بہر حال ہم زمین کے باسی خشکی وتری میں ایک دوسرے کی خبر رکھ سکتے ہیں بلکہ ہم ایک اکائی One Unit ہیں۔ ہم نہ صرف Food Chain میں بندھے ہیں بلکہ ماحول کی سازگاری اور بقاء باہمی کے لیے ایک دوسرے کے پابند ہیں یہ زمین کا ماحول اور حیاتِ ارضی ہے جو حواس خمسہ کی دنیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حواس تو ہم زمین کے باسیوں کو تھوڑے بہت فرق اور ردوبدل کے ساتھ عطا کیے گئے ہیں۔ اب ضروری تو نہیں کہ دیگر کائنات کی بے شمار زمینوں اور ان کے آسمانوں میں بھی یہی حواس خمسہ رکھنے والی مخلوقات آباد ہوں، جنہیں ہم وہاں جا کر دیکھ، سن یا محسوس کرسکیں۔ قرآن اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ دیگر کائنات میں بھی اس ربِ عظیم کی مخلوقات آباد ہیں اور انسان ان میں سے اکثر سے بہتر ہے۔ یعنی زمینی مخلوقات میں سے اشرف المخلوقات لیکن دیگر کائنات میں اکثر سے بہتر۔

Marfat.com

لہٰذااس کامفہوم یہ ہے کہ انسان سے بہتر مخلوقات بھی موجود ہیں، ان کی کتنی تعداد ہے، کیا ماہیت اور حقیقت ہے، انھیں اللہ نے کس قسم کے حواس اجسام اور صفات وتوانائی نیز کیسے عقل وفہم عطا کیے ہیں ہم کچھ نہیں جانتے۔ پھر ایک اور بات بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اللہ نے ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا رکھا ہے یعنی ہر نہلے پہ ایک دہلا اور اس بات کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ اللہ کی ذات وصفات لامحدود اور ابدی وازلی ہیں۔ اس لیے اس کے کارناموں کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ لہٰذا یقیناً دوسرے سیاروں، ستاروں (چونکہ ستارے بھی درحقیقت سورج ہیں، حالیہ تحقیقات کے مطابق) ان کے سیاروں، چاند اور کائنات کے معلوم ونامعلوم تمام گوشوں میں زندگی موجود اور مخلوقات ربانی قیام پذیر ہیں، لیکن ہم ان کا شعور نہیں رکھتے۔

ہم زمان ومکان اور حواس خمسہ کی قید توڑ کر دیگر دنیاؤں میں داخل ہو سکتے ہیں، ان کے متعلق شعور حاصل ہونے کا واحد راستہ روحانی دنیا ہے:

قرآن کے روحانی بے پناہ حیران کن اور تعجبات سے لبریز اسرار پر تن من دھن کو قربان کرتے ہوئے عشق شدید کی حدوں کو پہنچا ہوا غور فکر، تدبر، ایمان کی اتھاہ گہرائی، یقین کی بے پناہ قوت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ پر عجب ایمان، اس سے عجب تعلق،

بقول شاعر: عشق میں اب وہ بھی مقام آیا ہے …… روح چھدتی رہے اُف نہیں ہونے پائی

اور اس طرح کی منزل پر پہنچ کر حواس خمسہ کی قید ٹوٹ جاتی ہے، (روح) ذات ترقی کرتی ہوئی رب کے حضور حاضر ہو جاتی اور علم عرفان وحدت (اللہ کا علم) سے باذن اللہ بمطابق ظرف علم وعرفان کا پانی پینے لگتی ہے۔ تب کہیں جا کر جنت سے اس پست دنیا میں اترنے والی سزا اور اللہ کے امتحان وجانچ کا وقت ختم ہوتا ہے اور انسان فرشتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ پھر انسان کی رسائی ان دنیاؤں تک بھی اگر رب چاہے تو ہو جاتی ہے، جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بقول اقبالؒ خدا ان پر رحمتوں کی بارش کرے۔

زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں

…… ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

Marfat.com

مضمون نمبر 11

رزق طیب، پاکی پلیدی اور ہمارے حواس

ہر مخلوق خدا کے لیے الگ رزق ہے اس رزق کی پاکی پلیدی کے الگ پیمانے ہیں۔ جو رزق ہمارے لیے طیب ہے وہ ضروری نہیں کہ دیگر مخلوقات کے لیے پاک اور قابلِ استعمال ہوگا۔ پہلے تو Food Chain ہے کہ مختلف چیزیں درجہ بہ درجہ ایک دوسرے کو کھاتی اور ایک دوسرے کی بقا کا سامان بنتی ہیں۔ اس کے بعد ایک چیز کا رزق دوسری چیز کا Waste Material ہے جس طرح نباتات اور حیوانات میں آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تبادلہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہمیں کسی چیز سے بو آرہی ہو اور ہم اس سے فطری طور پر دور بھاگ رہے ہوں تو اس کے اندر کئی قسم کے بیکٹیریا اپنے کام میں مصروف اپنا رزق حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی حال کسی مردہ جسم میں ہمارے لیے تعفن اور اس میں پڑے ہوئے کیڑوں کے لیے مزے دار پاک اور طیب رزق کا ہے۔ کتوں کو دیگر ہمارے اعتبار سے گندی اور تعفن زدہ چیزوں کے علاوہ انسانوں کا فضلہ کھاتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے۔

تو پھر کیا یہ کتے کے لیے پاک و پاکیزہ نہ ٹھہرا۔ ہم جب پاکیزگی صفائی اور طہارت کا تصور کرتے ہیں یا طیب انسانی رزق کے بارے میں سوچتے یا محسوس کرتے ہیں تو ہم اپنے حواس کے مطابق ایسا کرتے ہیں کیونکہ انسان کے حواس کے مطابق اس کی ضروریات حیات ہیں۔ جس میں رزق بھی شامل ہے لیکن اسی پاکی پلیدی یا طیب ونجس کے پیمانوں کو ہم دیگر بے شمار مخلوقات پر لاگو نہیں کرسکتے۔ ان کے لیے طیب اور پاک وہ ہے جو وہ کھاتے یا استعمال کرتے ہیں، عین ممکن ہے ہمارا کھانا یا دیگر استعمال (خورد و نوش) کی اشیا ان میں سے کچھ مخلوقات کے لیے نجس اور پلید ہوں۔

اصل میں پاک، طیب اور حلال وہ رزق ہے جو ہمارے لیے صحت افزا، تندرستی کی علامت، خوراک کی ضرورت با احسن پوری کرنے والا اور ہمیں خوب لذیذ و مرغوب محسوس ہونے والا رزق ہو اور اس کے برعکس جو اشیا ہمیں بدبودار، بدذائقہ، اباس والی، تعفن زدہ یا ہماری کسی بھی حس کے اعتبار سے تکلیف دینے والی ہوں وہ ہمارے لیے نہیں ہوتیں۔ بلکہ کئی اشیا کی بدبو اور اس کے تصور ہی سے ہمیں الٹی ہونے لگتی ہے۔ یہ دراصل اللہ کی طرف سے ان اشیا کے مہلک اثرات سے بچنے کے لیے ہمیں فطری حواس کے ذریعے محفوظ رکھنے کا طریقہ ہے کہ ہم نہ تو انھیں کھائیں نہ ان کے قریب جائیں۔ لیکن دوسرے جانداروں کے پیمانے طیب ونجس کے اپنی نوع کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ۔

پاک ونجس کا کلیہ:

کوئی چیز بھی بذات خود پاک یا طیب نہیں ہوتی (خوراک ولوازمات حیات یعنی استعمال کی اشیا میں سے) بلکہ وہ

Marfat.com

فرد کہ جو اسے استعمال کر رہا یا کھا رہا ہے اس کے اعتبار سے وہ نجس یا طیب قرار پائے گی۔ ہم چونکہ انسانی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ہمارے واسطے پاک وطیب کیا ہے ہم جانتے ہیں یا پھر آسمانی کتب بشمول قرآن میں نشاندھی بھی کر دی گئی ہے اور کچھ اشیا جن کے من بھانے کی وجہ سے ہماری فطرت دھوکا کھا جاتی ہے ان ممنوعات سے بھی ہمیں آگاہ کر دیا گیا ہے، کہ یہ تم انسانوں کے لیے حلال و پاک نہیں ہیں، نجس ہیں۔ قرآن شریف کی تعلیمات انسانوں کے لیے بالخصوص اور جنات کے لیے بالعموم بھیجی گئی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ دیگر انواع میں سے بھی اگر کچھ مستفید ہوتی ہوں لیکن ہم علم نہیں رکھتے۔ اس لیے (نبی پاک ﷺ کو چونکہ رحمت اللعالمین کہا گیا ہے اس لیے امکان غالب ہے کہ یہ تعلیمات دیگر عالمین کے لیے بھی ہو سکتی ہیں) بالخصوص انسانوں ہی کو یہ ضابطۂ حیات عطا ہوا اور اس کی باقی تعلیمات کی طرح پاکی پلیدی کے پیمانے بھی انسانوں ہی کے لیے مقرر فرمائے گئے ہیں۔ ہمیں ہمارے اعتبار سے نجس، پلید اور گندی اشیاء کو کسی اور مخلوق خدا کے لیے رزق کہتے یا تصور میں لاتے ہوئے بڑی کراہت، اباہت اور شدید نفرت محسوس ہوتی ہے لیکن اشیا کی حقیقت بیان کرتے وقت ہمیں لامحالہ غیر جانبدار ہو کر دیکھنا پڑے گا۔ اسی لیے خدا فرماتا ہے کہ ''ہم نے کوئی چیز عبث پیدا نہیں کی''۔ اگر سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی میں مختلف مصنوعات کی بناوٹ کی بنا پر پیدا ہونے والا Waste Material بھی قدرت کے ریسائیکلنگ کی حکمت سے بھرپور طریق کی طرح Re-cyle کیا جا سکے تو ماحول میں آلودگی کی وجہ سے انسانی بقا کو درپیش خطرات کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اوزون کی تہہ کو پھٹنے سے روکا جا سکتا ہے اور سمندری حیات کو بچایا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ حرام کی کمائی سے خریدی ہوئی اشیا بھی ہمارے لیے مضر صحت ثابت ہوتی ہیں۔ مہلت تک صرف روحانی طور پر اور مہلت ختم ہونے پر جسمانی طور پر اور بیوی بچوں پر بھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض چیزیں اشخاص یا اقوام پر کسی حکمت یا سزا کی وجہ سے عارضی یا مستقل طور پر حرام قرار دے دی جاتی ہیں، خدا کی طرف سے۔ لہذا ثابت ہوا کہ بذاتِ خود کوئی بھی چیز پاک یا نجس نہیں ہوتی بلکہ یہ اپنے استعمال کرنے والے فرد کے لحاظ سے پاک یا نجس ٹھہرتی ہے۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 12

واقعہ معراج، محمد ﷺ، جبرائیلؑ، براق اور اللہ ورسول ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے کم فاصلے کی حقیقت اور مُلّا حضرات کے روایتی قصے کہانیاں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس جو کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی، پر عاشقانِ محمد ﷺ نے بہت کتب لکھیں۔ سیرتِ رسول ﷺ پر بہت ضخیم کتب جو کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں لکھی گئی ہیں وجہ ان کے لکھنے کی یہ نہ تھی کہ آپ ﷺ کسی تعارف یا آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کسی تعریف کے محتاج تھے بلکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جو شان بیان فرمادی اس کے بعد کسی مزید تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن جس جس نے اللہ سے اس کے کلام پاک سے اس کے رسول کریم ﷺ سے ایک حد سے بڑھ کر محبت کی جو عشق کی حدود کو چھونے لگی تو وہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات کی شان میں کچھ ہدیہ حسبِ توفیق پیش کرنے پر مجبور ہو گیا یہی وجہ ہے کہ ہر ملک وہر زبان میں جہاں قرآن پاک کی تفاسیر خوب سے خوب تر لکھی گئیں وہاں صاحبِ قرآن نبی آخر زماں ﷺ کی سیرت مبارکہ پر بھی بہت بہت کچھ لکھا گیا اور خوب لکھا گیا۔ لیکن اس محبت و عشق میں سرمست مخلصانِ دین نے جو جو کچھ تاریخ وروایات میں ملا بیان کر دیا۔ میں آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ آپ ﷺ کی شخصیت کے متعلق ضرور کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا۔ سر دست واقعہ معراج پر کچھ وضاحت کرنا درکار ہے۔ سو اصل موضوع کی طرف چلتے ہیں۔

واقعہ معراج ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کی گواہی قرآن مجید خود دیتا ہے۔ لیکن روایات میں اس کی جو منظر کشی کی گئی ہے بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہے وہ سب غلط اور من گھڑت قصے کہانیاں ہیں۔ مجھے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے قلبِ اقدس کو سینۂ اطہر چاک کر کے باہر نکالا گیا اسے آبِ زم زم یا آبِ کوثر سے غسل دیا گیا اور خوشبوئیں وغیرہ لگائی گئیں۔ فرشتوں نے یہ سب کیا، پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چھت پھاڑ کر آپ ﷺ کی خواب گاہ میں فرشتے آئے۔ آپ ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیا کو نماز پڑھائی اور امامت فرمائی پھر آپ ﷺ کو جبرائیلؑ براق جو کہ ایک جنتی جانور ہے پر بٹھا کر آسمانوں پر لے گئے پھر کئی آسمانوں پر سیر کے قصے وہاں آپ ﷺ کا مختلف اشیاء ومناظر کا دیکھنا اور مختلف انبیاءؑ کو ملنا۔ نماز کے احکام کا اس موقعہ پر ملنا پہلے پچاس نمازیں پھر حضرت موسیٰؑ کے مشورے پر بار بار اللہ کے پاس جا کر نمازوں کا پانچ تک کی حد مقرر ہونا اور اس سے زیادہ کم کروانے کا حضرت موسیٰؑ کا مشورہ ماننے سے آپ ﷺ کو شرمندگی محسوس ہونا اور اللہ پاک سے کیا گفتگو آپ ﷺ نے فرمائی اس کی تفصیلات کا بیان کرنا۔ یہ سب کچھ قصے کہانیاں اور اختراعات ہیں۔ ان کا

Marfat.com

حقیقت سے کوئی تعلق نہیں یہ مُلّا حضرات کی دکانداری چمکانے کے لیے ان کے پیش رووں نے صدیوں پہلے وقتاً فوقتاً اضافے کرتے کرتے مواد اکٹھا کر کے ان مُلّا حضرات کے لیے رکھ چھوڑا تا کہ یہ عوام الناس کے سامنے بیان کریں اور وہ سر دھنتے رہیں کیونکہ انسان فطری طور پر قصے کہانیاں پسند کرتا ہے۔انھی چیزوں نے اصل دین یعنی قرآنی تعلیمات ہم سے چھین لی ہیں اور ہمیں ہر معاملہ و مسئلہ کے لیے یہ قصے کہانیاں گھڑ دی ہیں اور مولوی حضرات ان میں اپنی مہارت وطرز ادا سے مرچ مسالے لگا لگا کر پیش کرتے اور اپنے اپنے فرقے کے لوگوں سے خوب داد پاتے ہیں۔

حقیقت کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ ''پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات آپ ﷺ کو لے گئی مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک'' اور پھر ارشاد پاک ہے افق پر دو دفعہ نظر آنے، ملنے، جھکنے اور جھکنے کی حتیٰ کہ فاصلہ رہ گیا دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم اور پھر پردے میں سے بات کرنے کا ذکر ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ ''پھر ہم نے ان سے (محمد ﷺ سے) باتیں کیں جو کیں''۔ بس قرآن پاک میں یہی کچھ بیان فرمایا گیا ہے جسے واقعاتی رنگ دے کر کیا سے کیا بنا دیا گیا ہے۔ ہمیں خالص قرآن فہمی سے جو مفہوم سمجھ آتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

واقعہ معراج کا مفہوم:

آپ ﷺ کا قلب اقدس پہلے سے پاکیزہ تھا اور آپ ﷺ شروع ہی سے ایک بلند مقام کے مالک تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا (گو کہ اللہ کے علم میں وہ آغاز کائنات یا اس سے ماقبل سے ہی نبی ﷺ تھے)۔ بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو راتوں رات مسجد حرام سے جہاں اس رات آپ ﷺ موجود تھے لے گیا مسجد اقصیٰ تک، جہاں اللہ نے آپ ﷺ کو بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں جن کا علم صرف نبی پاک ﷺ کو ہے اور وہ آپ ﷺ کی تعلیم کے لیے تھا اور انعام خداوندی تھا۔ ان نشانیوں کو معلوم کرنے کے ہم عامی و گناہ گار حامل نہیں ہو سکتے اس لیے ان کا ذکر قرآن پاک میں نہیں فرمایا گیا۔ البتہ یہ ایک معجزہ تھا کہ اس دور میں ذرائع سفر اتنے تیز رفتار نہ تھے کہ ایک رات میں اتنا طویل سفر ہو سکتا اور آپ ﷺ صبح سے پہلے واپس بھی تشریف لے آتے، یا چند سیکنڈ یا چند منٹ میں۔

دوسرے افق پر جھک آنے اور دو دفعہ آپ ﷺ سے ملنے کی بات اور وہاں دو کمانوں سے کم فاصلے سے اللہ کا پردے کے اندر سے آپ ﷺ سے گفتگو فرمانا بھی بالکل درست ہے لیکن کیا باتیں کیں یہ ہم نہیں جانتے اور نہ وہ ہمارے جاننے کی باتیں تھیں کیونکہ ان کو قرآن میں بیان کرنے سے اعتراض (پرہیز) کیا گیا ہے ''باتیں کیں جو کیں'' کی اصطلاح صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ باتیں ہمارے جاننے کی نہ تھیں یا ہم ان حکمتوں کے متحمل نہ ہو سکتے تھے ورنہ انھیں بیان فرما کر قرآن میں درج کر دیا جاتا۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ قرآن پاک ہر خاص و عام کے لیے ہے اس سے اپنی اپنی استطاعت اور ظرف

Marfat.com

کے مطابق ہر کوئی مستفید ہوسکتا ہے خاص لوگوں کے لیے اس میں بہت کچھ بہت خاص بھی ہے جو بڑے غور وفکر اور محنت و ریاضت نیز حد سے بڑھی ہوئی محبت جسے عشق کہتے ہیں (عشق کے بھی کئی درجے ہیں) سے حاصل ہوتا ہے اور یہ سب کچھ ہم امتیوں کو بہر حال حاصل ہوسکتا ہے لیکن نبی ﷺ کی شان، نبی ﷺ کی سہار، نبی ﷺ کا ظرف، نبی ﷺ کا مقام اور نبی ﷺ کی صلاحیت پھر اس سے بڑھ کر اُن پر خدا کا خاص فضل ورحمت ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے اندر نہ ہیں نہ ہوسکتی ہیں جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ظاہر ہے انبیاؑ کی صفات ہمارے اندر نہیں ہوسکتیں۔مثال کے طور پر موسیٰؑ کا اللہ کی ملاقات کو جانا اور نتیجہ میں جان گنوا دینا یا بے ہوش ہوکر گر پڑنا پھر دوبارہ زندہ ہوجانا یا ہوش میں آنا اللہ کے حکم سے۔یہ اس بات کی گواہی ہے کہ نبیؑ کوئی اور ہستی ہے انسان ہونے کے باوجود اس میں ایسے مخفی نورانی بھید مضمر ہیں جو اس کی شخصیت کو ہر ہر اعتبار سے عام انسان کی صفات سے ممتاز کرتے ہیں اور ظاہر ہے نبیؑ سب کچھ امت پر ظاہر نہیں کرتے نہ سب ظاہر کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔امت پر جو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے وہ وحی کی کتاب میں موجود ہوتا ہے۔وحی اللہ کی رسولؑ سے بات کو کہتے ہیں وہ کبھی کسی ذریعے سے ہوتی ہے کبھی کسی ذریعہ سے۔کبھی جبرائیلؑ کے ذریعہ سے کبھی براہ راست یا جیسے خدا چاہے۔جبرائیلؑ کی حقیقت و ماہیت، شکل وشباہت، نقش ونگار ہم نہیں جانتے۔ہمیں صرف یہی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوںؑ سے بات کرتا اور گفتگو فرماتا ہے۔ اللہ کی ہر ہر بات وحی ہوتی ہے حکمت وعظمت میں اعلیٰ مقام ہوتی ہے جو وہ اپنے نبیوںؑ سے کرتا ہے پھر ذرا سوچیں اللہ کی کتاب کیا ہوتی ہے؟ اللہ کی کتاب ان تمام وحیوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کسی نبیؑ کی امت کے لیے اپنے نبیؑ کی طرف بھیجتا ہے لیکن جو اللہ کا کلام کتاب میں شامل نہ ہو وہ صرف اور صرف نبی ﷺ کے لیے ہوتا ہے وہ عام لوگوں کو کہنے کی باتیں نہیں ہوتیں نہ ہی ان تعلیمات کے وہ کسی بھی صورت متحمل ہوسکتے ہیں۔اسی لیے میرا یہ استدلال ہے کہ واقعہ معراج میں جو باتیں نبی پاک ﷺ سے اللہ پاک نے فرمائیں وہ صرف نبی پاکؐ کے لیے تھیں، یہ جو حضرات مختلف من گھڑت احادیث وروایات کا سہارا لے کر کہتے ہیں کہ وہاں یہ یہ کچھ ہوا اور یہ یہ باتیں ہوئیں سب کچھ غیر مستند ہے۔

حقیقت محمد ﷺ و جبرائیل:

اس کے بعد آیئے ایک اور پہلو کی طرف ۔ہم جانتے ہیں کہ کسی شے کی حقیقت اس کی صفات میں مضمر ہوتی ہے ایک صفات کا مجموعہ جبرائیلؑ ہیں اور ایک صفات کا مجموعہ محمد ﷺ ہیں کون بڑھیا ہے؟ کیا آدمؑ کو بنا کر اللہ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم نہ دیا تھا کیا اس میں جبرائیلؑ نہ تھے کیا سجدہ اپنے سے اعلیٰ کو نہیں کیا جاتا۔ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ انسان میں گو کہ وہ اعلیٰ انسانی صفات پوشیدہ ہیں کہ جن کو اگر عبادت وریاضت وایمان وایقان سے جلا بخشی جائے تو انسان فرشتوں سے بلند ہوجاتا ہے لیکن ہر انسان ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت سافلین میں شمار ہوتی ہے۔ٹھیک ہے یہ تو درست ہے اور مان لیا لیکن جب حضرت محمد ﷺ کی بات آجائے تو بتایئے کہ آپ ﷺ کے اندر صفاتِ آدم کس مقام پر تھیں کیا آپ ﷺ کو

Marfat.com

اس بات کی ضرورت تھی کہ جبرائیل یا کوئی براق آپ کو اپنے پروں پر اٹھائے عرشوں پر جائے پھر اس کے بعد آگے کی منازل میں جبرائیل کے پر جلنے کی بات آئے اور آپ ﷺ خود تن تنہا پھر آگے تشریف لے جائیں۔ ایک قرآن کا اچھا قاری خوب جانتا ہے کہ اللہ کے قرب میں حاضر ہوتے وقت ہم بے شک افق کو کوئی بلند آسمانی مقام یا ساتواں آسمان کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اللہ پاک کے تشریف لانے کا ذکر ہے تو وہ مقام ظاہر ہے کہ بہت ہی بلند و بابرکت ہے۔ ہمارے تصور سے بھی زیادہ بابرکت اور عجب صفات لیے ہوئے لیکن وہاں جبرائیل یا براق کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت محمد ﷺ آدمیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے کہ آپ ﷺ تمام جن وانس اور فرشتوں (نبیوں کو چھوڑ کر کیونکہ ان کے مقامات کو خدا بہتر جانتا ہے) سے بشمول جبرائیلؑ افضل تھے اور آپؐ کو اللہ کے حضور کسی بلند مقام پر یا آسمانوں پہ جانے کے لیےکسی فرشتے کی یا براق کی ضرورت نہ تھی۔ اللہ نور ہے اور اس کا نبی ﷺ ان کے نور سے معمور پھر اس نورانی دنیا کو بھلا عقل کے قیدی اور اندھی تقلید کے غلام کیا جانیں۔

ایک آخری بات کہ آپ ﷺ جسم اطہر کے ساتھ آسمانوں پر گئے یا روحانی طور پر تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ انسانی روح جسے انسانی ذات بھی کہتے ہیں۔ بذات خود ہمارے اس مادی جسم ہی کی طرح ہو بہو اسی شکل و شباہت اور قد و کاٹھ یعنی عین یہی جسم اپنے اندر رکھتی ہے یعنی روح یا ذات کی یہی شکل ہوتی ہے۔ یہ دنیوی جسم کثیف مادی جسم ہوتا ہے جب کہ روح کا یا ذات کا جسم لطیف ترین مادی جسم ہوتا ہے یاد رہے کہ مادہ ٹھوس، مائع، گیس، حرارت، روشنی اور پھر اس سے آگے کئی قسم کی حالتوں میں لطیف در لطیف ہوتا چلا جاتا ہے جو ہمیں نہ نظر آسکتا ہے نہ ہم اس کثیف مادی جسم کے حواس کے ساتھ اس کا شعور حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ میرا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ اسی لطیف جسم کے ساتھ (جو کہ انسان کی اصل ہے) یعنی روحانی طور پر آسمانوں پر اٹھائے گئے یہ بہت گہرے بھید ہیں۔ اس روحانی جسم کو سفر کرنے کے لیے کسی سواری کی ضرورت نہیں ہوتی نہ کسی فرشتے کی اور پھر اس روحانی دنیا میں بھی مقامات و درجات میں فرق ہے۔ مقام محمد ﷺ الفاظ و بیان کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اتنا عروج کیا۔ اللہ نے آپ ﷺ کو اتنا بلند اٹھایا کہ شاید وہاں تک کوئی نہ پہنچا ہو۔ کیونکہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلے کی بات ہمیں قرآن و بائبل کسی اور کتاب میں کسی اور پیغمبر کے متعلق نہیں ملتی۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ ہمیں بہر حال پیغمبروںؑ کے مقامات متعین کرنے کا کوئی حق یا اختیار نہیں ہے۔ ان کے درجات کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہاں اللہ قرآن میں یہ ضرور فرماتا ہے کہ "ہم نے بعض کو بعض پر درجوں بلند کیا"۔ لیکن کن کو کن پر اور کس کو کس معاملہ میں کس پر کتنا درجہ بلند کیا ہم نہیں جانتے۔ اس لیے احتیاط اور خوفِ خدا کا تقاضا ہے کہ یہاں خاموشی اختیار کی جائے اور سب نبیوںؑ کا احترام دل و جان سے کیا جائے۔ البتہ حضرت محمد ﷺ بن ابراہیمؑ چونکہ ہمارے نبی ﷺ ہمارے امام ہمارے قرآن کو لانے والے اللہ کے پیارے محبوب ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر ہم ان سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور باقی سب نبیوںؑ سے بھی محبت رکھتے

Marfat.com

ہیں۔

کیا حضرت ابراہیمؑ سب انسانوں اور نبیوںؑ، رسولوں کے امام ہیں؟

اگر امامت کی بات ہو تو حضرت ابراہیمؑ سب کے امام نظر آتے ہیں کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تمام انسانوں کا امام قرار دیا ہے حمد ہو بے پناہ ربِ جلیل کے پاک نام کی اور درود و سلام ہو بے پناہ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بزرگ ابراہیمؑ پر آپ کے نیک آباء پر اور آپ کی تمام نیک اولاد اور ازواجؓ پر۔ آمین ثم آمین۔ تاہم دین کو مکمل کرنے والے رحمت عالمین، دو کمانوں سے بھی کم کا فاصلہ اتنا قرب الٰہی، ذکرِ محمدؐ کا اتنا بلند ہونا اور آپؐ پر اللہ کی رحمتیں دیکھ کر آپ کو امام انس و انبیا بلکہ امام دو جہاں، امام کائنات مانے بنا چارہ نہیں ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی شخصیت مبارکہ کا غیر جانب دارانہ تجزیہ:

میں بنیادی طور پر چونکہ ایک Thinker سوچنے والا اور غور کرنے والا شخص ہوں۔ اس لیے میں ایک دن بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کس طرح کسی انسان میں کوئی اور کسی دوسرے انسان میں کوئی صلاحیت وافر مقدار میں ہوتی ہے اور اسی طرح مختلف انسانوں کی صلاحیتیں اگر حالات سازگار ہوں تو مل کر کسی نظریہ پھر اس کی جانچ پڑتال پھر اس کی عملی صورت پھر اس کی بڑھوتری اور ثمرات کو جنم دیتی ہیں۔ جب میں یہ سوچ رہا تھا تو میرے ذہن میں کارل مارکس اور لینن وغیرہ کا تصور ابھرا، کسی نے سوچا کسی نے عملی جامہ پہنایا۔ میرے ذہن میں متعدد سائنس دانوں کے نام ابھرے جنہوں نے کسی شے کا بنیادی نظریہ پیش کیا اور پھر کئی دہائیوں میں کئی سائنس دانوں کی دن رات کی کاوشوں کے بعد کوئی نئی ایجاد ہوئی اور اس میں مزید اضافے ہوئے۔ اقبالؒ کا تصور پاکستان اور قائداعظم جناحؒ کی عملی جدوجہد آزادی یادوں کے دریچوں میں نمودار ہوئے۔ مختلف قوموں کے عروج و آزادی اور ترقی میں ان کے متعدد مدبروں کا حصہ اور انقلابی رہنماؤں کی تگ و تاز یاد آئی حتیٰ کہ کئی پیغمبروںؑ کے سال ہا سال اور کئی دہائیوں پر مشتمل وعظ و نصیحت کا خیال آیا اور نتیجہ میں بہت تھوڑے لوگوں کا ایمان لانا عمل میں آتا نظر آیا۔ ان رسلؑ میں کوئی ملک کے خزانوں کا مالک بنا، کوئی خوشحال تاجر تھا، کوئی زرہیں بناتا تھا۔ کوئی صرف دینی پیشوا تھا اور قابل عزت و احترام تھا۔ کسی کو صلیب دینے کی کوشش میں معاملہ مشتبہ ہوا، کوئی معبدوں میں عبادت و ریاضتوں میں مصروف اور بتسمہ دینے والا ہوا۔ کسی کے معجزوں سے لوگ متاثر ہوئے، کسی کو بیان کیے ہوئے عذاب کو آتا دیکھ کر اپنے چند ایمان لانے والوں اور اہل خانہ کیساتھ نزول عذاب سے پہلے ملک چھوڑنا پڑا، کوئی قوم کو لیے کئی دہائیوں تک دربدر رہا۔ الغرض بے شک نبیوںؑ اور رسولوںؑ نے جان جوکھوں میں ڈالی مشکلات، دکھ، درد اور بے شمار تکالیف لمبے لمبے عرصے تک برداشت کیں اور پھر مختلف شکلوں میں مختلف سطح کی کامیابیاں حاصل کیں۔ لیکن کسی بھی ایک شخص میں کم از کم میری رائے کے مطابق کہ جتنا علم میں رکھتا ہوں صلاحیتوں، فعالیتوں اور کامیابیوں کا وہ ارتکاز ساری تاریخ انسانیت میں نظر نہیں آتا جو محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں تھا۔

Marfat.com

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ باوجود اپنے ہی خاندان کی مخالفت کے، اپنے قبیلہ اور اپنے شہر کے لوگوں کی شدید مخالفت کے آپ ﷺ کامیاب ہوئے۔ پھر مدینہ میں یہودیوں کی شدید مخالفت اور ریشہ دوانیوں کے علاوہ محض 313 کے جتھے کے ساتھ جنگ بدر میں خود سے چار گنا زیادہ طاقتور دشمن کے خلاف میدان میں اتر پڑنا انھیں شکست دینا پھر دیگر جنگوں کے واقعات شدید کش مکش پھر آپ ﷺ کا اپنی حیات مبارکہ ہی میں کامیاب ہو جانا۔ مکہ کا فتح ہو جانا۔ دور و نزدیک کے عرب قبائل کا جوق در جوق آ کر اسلام قبول کرنا اور آپ ﷺ کی زندگی ہی میں عرب کی سرحدوں سے باہر اسلامی فوجی مہمات کا آپ ﷺ کی طرف سے روانہ کرنا اور مزید کامیابیاں حاصل ہوتے چلے جانا اور یہ سب کچھ محض 23 سال کے قلیل ترین عرصہ میں رونما ہوا۔ یعنی 23 سال قبل آپ عام انسان تھے (بظاہر) درمیانے قسم کی تجارت آپ کا پیشہ تھا نہ تو آپ ﷺ سردار تھے نہ رئیس نہ خزانوں کے مالک یا طاقتور بس اچھے گھرانے سے تعلق رکھنے والے عام انسان تھے۔ آپ ﷺ کے قبیلہ و خاندان کے پاس سرداریاں تھیں لیکن آپ ﷺ کے پاس تو نہ تھی نیز یہی قبیلے کے سردار سوائے حضرت عبدالمطلبؓ جو کہ آپ کے دادا تھے اور آپ کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت ابو طالبؓ کے جو آپ کے چچا اور آخر دم تک آپ ﷺ کے سر پر بفضل تعالیٰ سایہ بنے رہے (خدا ان کو بے پناہ و بے حساب اجر عطا فرمائے) باقی سب آپ ﷺ کے بدترین مخالف بن گئے تھے جن میں ابوجہل اور ابولہب پیش پیش تھے۔ میرا مقصد یہاں نہ تو آپ ﷺ کے پیدائش و بچپن کے حالات پر بحث کرنا ہے نہ آپ ﷺ کی جوانی سے پہلے وحی مبارکہ کے نزول تک کے زمانہ کو بیان کرنا ہے اور نہ اس کے بعد آپ ﷺ کی مکمل کامیابی اور رحلت شریف کے زمانہ کو زیر گفتگو لانا ہے بلکہ میرا موضوع سخن صرف اور صرف آپ ﷺ کی شخصیت میں مرتکز صلاحیتوں پر اظہار خیال ہے۔ ظہور اسلام سے قبل عربوں کی حالت اور ظہور اسلام کے بعد کی تمام تاریخ پر بے شمار کتب میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے نیز آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر بھی عاشقانِ محمد ﷺ نے اپنے لہو جگر اور آنسوؤں سے لبریز بے شمار گلدستۂ عقیدت پیش کیے ہیں۔ میں بھلا کس قابل ہوں کہ کچھ لکھوں یا اس میں اضافہ کروں۔ مجھے اپنی کم مائیگی، بے علمی اور نااہلی کا اعتراف ہے لیکن بہر حال خدا کی قسم میں عشق محمد ﷺ کی چھوٹی سی پھڑ پھڑاتی اور شعلہ جوالہ بن جانے کی تمنا سے بھرپور شمع دل میں ضرور جلائے ہوئے ہوں۔ محمد ﷺ آج بھی زندہ ہیں ان کا دربار عالی مقام آج بھی روضۂ اقدس اور عرش بریں پر لگا ہوا ہے میری شدید ترین خواہش ہے کہ کاش مجھ گناہ گار، سیاہ کار، نااہل و جاہل عاصی کو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہونے والی جلیل القدر شخصیات کے جوتے سیدھے کرنے انھیں اپنی پلکوں سے صاف کرنے اور چوم چوم کر ان کی گرد کو ہٹانے اور اپنی پیاس بجھانے ہی کی ڈیوٹی کمال مہربانی و عطائے رب العالمین اور رضائے رسول مقبول ﷺ سے مل جائے۔ میں اس سے زیادہ کا تو اہل نہیں اور اس سے آگے بڑھنا میرے اعتبار سے گستاخی ہے۔ تاہم اللہ و رسول ﷺ مہربان ہوں تو پھر شاید اس سے بڑھ کر ......قدم بوسی بھی نصیب ہو جائے۔

Marfat.com

میں لکھ رہا ہوں حضرت محمد ﷺ کی صلاحیتوں اور فعالیتوں کے متعلق تو آیئے دیکھیں ان کی ایک شخصیت میں کیا کیا کچھ مرتکز تھا۔ میں غیر مسلموں کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ محض میرے مسلمان ہونے کی وجہ سے ملمع کاری نہیں ہے بلکہ آپ اپنی یا ہماری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کیا یہ سب کچھ سچ نہیں ہے کہ۔

...... آپ ﷺ بہترین بچپن کے مالک تھے آپ ﷺ میں برے بچوں والی کوئی عادت نہ تھی۔ آپ ﷺ زیادہ تر تنہا رہتے، صفائی کا خاص خیال رکھتے، شرم وحیا کی تصویر تھے۔ ہمیشہ اچھی گفتگو فرماتے یا خاموش رہتے۔ عام بچوں میں زیادہ نہ گھلتے ملتے۔ آپ ﷺ کی جوانی بے داغ تھی یہاں بھی آپ ﷺ کی بچپن کی عادات پختہ ہوئیں۔ ہر طرح کے لہو ولعب سے کوسوں دور رہتے، میلوں ٹھیلوں اور تماشوں، عیش وطرب کی محفلوں، شراب، زن وغلط موسیقی جو کہ جذبات میں ہیجان پیدا کر کے انسان کو وقتی طور پر ہوش سے بیگانہ بنا دیتی ہے سب سے آپ ﷺ اوائل عمری ہی سے اجتناب برتتے بلکہ کوئی رغبت نہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نہایت شریف، سنجیدہ، ایماندار اور سچی وسچی جوانی کے حامل تھے۔ جس کی گواہی کئی واقعات دیتے ہیں۔ عملی زندگی میں آئے تو بہترین تاجر ثابت ہوئے ایماندار اور سچے تاجر کی شہرت پائی۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ جیسی بہترین زوجہ سے شادی ہوئی۔ اعلیٰ شوہر ثابت ہوئے۔ تاریخ میں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی ناراضی یا کسی قسم کی عدم مطابقت یا ہلکی سی رنجش کا بھی کوئی واقعہ درج نہیں، حالانکہ میاں بیوی میں کبھی نہ کبھی رنجش و ناراضی تو ایک معمول ہے۔ یہ درست کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی دیگر ازواج کے ساتھ رنجش کے کچھ واقعات ہوئے لیکن قرآن گواہی دیتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ کا کوئی قصور نہ تھا بلکہ ازواجؓ کی سوچ اور باہمی رنجشوں کی وجہ سے ایسا ہوا جو بعد میں ٹھیک ہو گیا اور آپ ﷺ کی کسی بھی زوجہ مطاہرہ نے آپ ﷺ سے دور یا الگ ہونا گوارہ نہ کیا۔ جس کا مطلب ہے کہ سب کی سب آپ ﷺ سے راضی تھیں اور آپ ﷺ کی زوجیت مبارکہ پر فخر کرتی تھیں۔ آپ ﷺ بہترین باپ تھے۔ آپ ﷺ کی تمام بیٹیوں کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ تاریخی واقعات اس کے گواہ ہیں اور آپ کی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ خاتون جنت تو آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کا گھر آپ ﷺ کے گھر سے متصل تھا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ﷺ فرطِ محبت میں کھڑے ہو جاتے اور جنگ اُحد میں آپ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر وہی فاطمہؓ برہنہ پاؤں تپتی ریت پر گھر سے دوڑتی ہر خطرے کی پرواہ کیے بغیر میدان جنگ میں آنسوؤں اور ہچکیوں میں ڈوبی ہوئی سب کو پیچھے چھوڑ کر پہنچ گئیں اور حضرت علیؓ شیر خدا جیسے اپنے شوہر عظیم کی مدد سے آپ ﷺ کے زخموں کی نگہداشت فرمائی۔

آپ ﷺ بہترین سپہ سالار تھے، بہترین مدبّر، بہترین جنگی حکمت عملی بنانے والے، بہترین تبلیغ کرنے والے، اعلیٰ ترین اخلاق وعادات کے مالک، بہترین ماہر اقتصادیات، ماہر عمرانیات، ماہر معاشیات، ماہر قانون دان، ماہر جج، ماہر منصف، امانت دار، قرض اصل سے زائد لوٹانے والے، قرض حسنہ دینے والے، دشمنوں پر بھی رحمت کرنے والے، معاشرے

Marfat.com

کے نباض، ماہر نفسیات، طبیب، حکیم، بہترین استاد و مبلغ، بچوں کے پسندیدہ، بوڑھوں اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والے، یتیم و بیوہ، محروم و معذور، مسافر و مسکین، مظلوم و مقہور سب کے سر پر ہاتھ رکھنے والے اور ان سب طبقوں اور گروہوں کے دل کی دھڑکن تھے۔ آپ ﷺ بہترین Thinker مدبر بھی تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے قومی ہیرو و لیڈر بھی تھے۔ ماضی حال و مستقبل کی خبریں باذن اللہ دینے والے بھی تھے۔ آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے، لعاب دہن سے زخم، بیماریاں و آنکھیں ٹھیک ہو جاتیں۔ دعا سے وقت نزع آسان ہو جاتا، رحمتوں کے بادل برسنے لگتے۔ قحط دور ہو جاتے، لوگ باذن اللہ بخشے جاتے، لوگ ہدایت پاتے، چڑھتے طوفان رک جاتے، آندھیاں تھم جاتیں، دریاؤں کے رخ بدل جاتے (یعنی حالات بدل جاتے) چاند دو ٹکڑے ہو جاتا، سورج واپس لوٹتا، آپکی جدائی میں ستون روتا، چٹان آپکی پیشانی مبارک کی ضرب سے احتراماً پچک جاتی۔ دودھ سے خالی بکریاں اور اونٹنیاں دودھ دینے لگتیں، تھوڑا سا سالن سینکڑوں کو پورا ہو جاتا۔ مسجد نبوی ﷺ کو ابدی مقام مل جاتا۔ آپ ﷺ کے دوبارہ نصب کیے ہوئے حجر اسود کو لوگ چومنے میں جان دے دیتے۔ آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کی حفاظت کے لیے وقت کے بادشاہ روضۂ شریف کے ارد گرد کئی میٹرک ٹن سونا چاندی اور سیسہ پگھلا کر ڈال دیتے کہ قبر شریف کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ آپ ﷺ کے غلام بالخصوص حضرت بلالؓ آپ کے عشق میں رو رو کر تقریباً اندھے ہو جاتے۔ آپ ﷺ کی لاڈلی بیٹی فاطمہؓ (میری روحانی ماںؓ میری آقاؓ) آپ ﷺ کی جدائی چھ ماہ برداشت نہ کر سکیں اور جان بعد از رحلتِ نبی ﷺ 6 ماہ کے اندر اندر بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دی۔ کیا کیا کہوں کیا کیا سناؤں قلم رکتی نہیں، خیالات ٹھہرتے نہیں۔

مجھے پامسٹری سے بھی دلچسپی ہے ہم جب کسی اہم دنیوی شخصیت کا ہاتھ دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس شخص کے ہاتھ میں مقدر نے کس قدر صلاحیتوں اور کامیابیوں کے خزانے خام حالت میں بحکم خدا لکھ دیئے ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ حکومت، طاقت، دولت، شہرت وغیرہ اس کے ہاتھوں میں مرتکز ہو گئی ہے اور وہ کوئی بہت بڑا شخص واقعی ثابت ہوتا ہے یہ تو ہے دنیوی اعلیٰ سے اعلیٰ شخصیات کی بات لیکن ''کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے'' کہ حضرت محمد ﷺ کا دست عظیم کیسا ہو گا کہ جن کی ذات ہزار جہات میں اس قدر شدید صلاحیتوں، خوبیوں، صفات اور فعالیتوں و کامیابیوں، شہرتوں اور عدیم المثل قوتوں کا ارتکاز تھا اور پھر ان میں بہترین توازن و تناسب بھی تھا۔ جبکہ اللہ و فرشتے خود آپ ﷺ کی تعریف فرماتے اور درود بھیجتے ہیں۔ علم پامسٹری کی رو سے عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی ایک فرد میں ضرورت سے زیادہ صلاحیتوں اور طاقتوں کا ارتکاز ہو جائے تو اسی نسبت و تناسب سے وہ ابنارمل ہوتا چلا جاتا ہے اور جوں جوں یہ ارتکاز بڑھتا ہے وہ شخصیت چونکہ اس کی متحمل نہیں ہو سکتی اس لیے وہ پاگل پن کی طرف راغب ہو جاتی ہے اور آگے چل کر وہ شخص بالکل پاگل بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ صلاحیتوں، فعالیتوں اور جوہروں کے ارتکاز کی ایک خاص حد (عام انسانوں میں) تک تو اعلیٰ شخصیات، ہیرو، انقلابی لیڈر یا

Marfat.com

جینیئس جنم لیتے ہیں لیکن اس سے جوں جوں آگے بڑھتے جائیں مختلف افراد مختلف حدود پر آ کے ان قوتوں کے خود میں ارتکاز کو سنبھال نہیں سکتے اور ابنارمل یا پاگل ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے کی حدود Super Natural شخصیت کی ہیں۔ مثلاً محقق و سائنس دان، ولی اللہ و صوفی لوگ، اور ان میں بھی مختلف مقامات و درجات ہیں اور پھر آگے نبیوںؑ و رسولوںؑ کی شخصیات ہیں جو اس مد میں اور اوپر ہیں اور ان میں پھر محمدؐ بن عبداللہ بن ابراہیمؑ رسول اللہ ہیں کہ صلاحیتوں اور صفات کا اس قدر فعالیت کے ساتھ اور توازن کے ساتھ ارتکاز اور پھر ان کا بہترین استعمال و کام بے شک رب العالمین کا اعلیٰ معجزہ اور نبی عظیمﷺ کو اعلیٰ ترین اللہ کے انعام کی عطا ئیگی ہے۔ کروڑوں درود و سلام ہوں، آپﷺ پر آپﷺ کے آباء پر اور آپﷺ کی اولاد پر۔

❀…❀…❀

Marfat.com

مضمون نمبر 13

عورت و مرد یا نر و مادہ در حقیقت ایک شے ہیں

میں نے جب سے اپنی شعوری زندگی کا آغاز کیا دنیا میں عورت و مرد سے متعلق بحث و مباحثہ سنا، اسکول و کالج میں بھی یہ بات وجہ نزاع ان تقاریری مقابلوں میں بنی رہی جن کا مقصد دونوں کو ایک دوسرے سے افضل ثابت کرنا ہوتا تھا۔ کوئی کہتا کہ "وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ" اور کوئی کہتا کہ "ہمت مرداں مدد خدا"۔ گو کہ مباحثہ ہمیشہ دونوں کے مل کر چلنے اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض با احسن وخوبی نبھانے پر ختم ہو جاتا۔ لیکن در حقیقت بات ہمیشہ درمیان میں اٹکی رہتی۔ مغرب ہو یا مشرق دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی دوڑ میں ہمیشہ شامل رہے۔ آج بھی جب کوئی نتیجہ کسی خاص امتحان کا آتا ہے تو لکھا جاتا ہے کہ لڑکے بازی لے گئے یا لڑکیاں میدان مار گئیں۔ گو کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں کوئی بھی ایک دوسرے کے بنا مکمل نہیں اور نہ آسودگی حاصل کر سکتا ہے یکا و تنہا رہ کر۔ لیکن پھر بھی یہ باہم کھینچا تانی جاری ہے۔ یورپ میں کچھ اور زیادہ ہے کیونکہ وہاں عورت کچھ زیادہ ہی آزاد ہو چکی ہے اور وقت آنے کو ہے کہ بچے پیدا کرنے کے لیے بھی وہ حکومت سے خصوصی گرانٹ اس مد میں حاصل کیا کریں گی۔

میں جو حقیقت بیان کرنے جا رہا ہوں وہ کچھ اور ہی ہے۔ وہ یہ کہ در حقیقت مرد و عورت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ در حقیقت ایک ہی ہیں۔ مرد میں پوری عورت موجود ہوتی ہے اور عورت میں پورا مرد موجود ہوتا ہے۔ حمل قرار پانے کے بعد کہ X + X مل کر عورت اور X + Y مل کر مرد ٹھہرتا ہے۔ لیکن بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی ان دونوں میں مرد و عورت موجود ہوتے ہیں اور کسی بھی وقت ہارمونز کی تبدیلی کی وجہ سے ان کی جنس تبدیل ہو سکتی ہے۔ گو کہ عادت یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا لیکن انسان کے دماغ کے اندر جو کہ کنٹرولنگ اتھارٹی ہے اس میں اس بات کی صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنی جنس تبدیل کر لے۔ عام حالات میں اس صلاحیت کو فریز کر دیا گیا ہے یا یوں کہیں کہ in active کر دیا گیا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کیسے اسے Active کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے۔ قرآن و بائبل بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آدمؑ سے ہی حوّا یعنی مرد سے اللہ نے اس کا زوج یا جوڑا یا عورت پیدا فرمائی۔ ہم اس حقیقت سے تو آگاہ نہیں کہ کیسے؟ لیکن ایسا ہوا ضرور ہے۔ اس بات کا ثبوت یہ بھی ہے کہ مرد کی چھاتیاں بھی عورت کی طرح ہوتی ہیں جبکہ مرد کے پاس ان کا کوئی کام یا جواز نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ نپل بھی موجود ہوتے ہیں لیکن غیر فعال ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہارمونز کے ردو بدل یا کمی بیشی سے مردانہ و زنانہ دیگر صلاحیتیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا مزید تحقیق سے یہ ثابت ہوگا کہ دونوں کے اندر دوسری جنس موجود ہوتی ہے اور شاید مرد کے اندر ایسا خصوصاً ہو کیونکہ اس کی گواہی قرآن بھی دیتا اور بائبل بھی دیتی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ بحث ختم کر دینا

Marfat.com

چاہیے کہ کون افضل اور کون کمتر ہے دونوں اس اعتبار سے ایک اور برابر ہیں۔لیکن چونکہ خدا نے ایک سے دو بنائے یعنی مرد سے اس کی عورت بنائی پھر دونوں میں صنفی خصوصیات الگ الگ پیدا کر کے باہمی کشش پیدا کی مرد کو کچھ فرائض سونپے اور عورت کو کچھ دوسرے فرائض سپرد کیے۔اسی طرح دونوں کے ملاپ سے نسل انسانی بڑھائی، ماں کے دل کو کچھ اور خصوصیات سے نوازا اور باپ کا دل کسی اور طرز کا بنایا۔باقی سب کچھ دنیا کے سامنے ہے کہ دونوں کس طرح زندگی گزارتے اور کس طرح مرد عورت اور بچے مل کر ایک فیملی یونٹ بنتا ہے۔

کیا تسخیر کائنات کی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے؟

مجھے یوں لگتا ہے کہ درحقیقت تسخیر کائنات کی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے کیونکہ فطرت نے اسے باقی جھمیلوں سے آزاد رکھا ہے، مرد عورت اور بچوں کا ایک معاشرتی یونٹ کیسے کام کرے گا؟

مرد عورت اور بچوں کا ایک معاشرتی یونٹ کیسے کام کرے گا؟

مرد کا کام ایک دفعہ عورت کے قریب جانے سے اگر وہ حاملہ ہو جائے تو ختم ہو جاتا ہے۔اس کے بعد وہ اپنے کام تسخیر کائنات کے لیے آزاد ہے۔یہ جو مختلف پیشے ہیں، روزگار ہیں، جنہیں ہم پیٹ پالنے، بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں، یہی اگر سمت درست رہے تو مل ملا کر تسخیر کائنات کا کام کرتے ہیں۔کسی بھی شعبہ سے متعلق فرد کے لیے متعلقہ ادارہ یا محکمہ تمام فیملی کی سہولیات مثلاً مکان، سکول، ہسپتال، تفریح گاہ، ڈاکخانہ، بینک، پولیس اسٹیشن، جمنیزیم، فلم تھیٹر، سمپوزیم وغیرہ وغیرہ سب کچھ اس لیے مہیا کرتا ہے کہ وہ فرد اس ادارے میں کام کر رہا ہوتا ہے۔اب ذرا غور کریں کہ کام تو ایک فرد (مرد) کر رہا ہے لیکن سہولیات ساتھ بیوی بچوں کو کیوں دی جا رہی ہیں؟ اس لیے کہ وہ فرد اکیلا مکمل یونٹ یا اکائی نہیں ہے بلکہ ہر کارکن تب ایک مکمل کارکن کہلا سکتا ہے جب اس کے بیوی بچے بھی اس کے ساتھ ہوں کیونکہ انسانی بود و باش اور بقاء نیز بقاء نسل کے لیے ایسا ہی ہونا ضروری ہے۔گو کہ آج کل عورت و مرد کی تمیز کے بغیر یہ یونٹ کام کر رہے ہیں یعنی کہیں عورت ملازم ہے اور اس کی وجہ سے دیگر فیملی کو فیملی یونٹ کی سہولیات حاصل ہیں اور کہیں مرد ملازم ہیں اور ایسا ہے۔

عورت کی ملازمت اور اس کی فطری ذمہ داریاں:

درحقیقت عورت کی ملازمت غیر فطری چیز اور نقصان دہ عنصر ہے۔عورت اس کام کے لیے نہیں بنی۔وہ ایک ہمہ وقت مصروف ہستی ہے۔فطرت اس کو ہر وقت بچے پیدا کرنے اور ان کو دودھ پلانے، ان کی نگہداشت کرنے پر لگائے رکھتی ہے۔پہلا بچہ ابھی شیرخوار ہی ہوتا ہے تو فطرت عورت میں شہوت کو ابھارتی ہے جو اگلے بچے کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔پھر اس کی پرورش و تعلیم و تربیت اور گھر داری کے کام۔جب کہ مرد کو فطرت محض ایک دفعہ یا چند دفعہ حمل قرار پانے تک عورت کے نزدیک آنے کی دعوت دیتی ہے۔جوں ہی حمل قرار پا جائے کم از کم فطرت پھر اسے فارغ کر دیتی ہے۔ہاں اس کا کام ہے

Marfat.com

کمانا، پیٹ پالنا اور تمام ضروریات پوری کرنا۔ اپنی بھی اور بیوی بچوں کی بھی۔ اگر تعیش کی زندگی اختیار نہ کی جائے تو مرد کا کمانا کافی ہے۔ کیونکہ عورت کے کمانے سے، گھر سے باہر نکلنے سے فطری تقاضے ادھورے رہ جاتے ہیں۔ عورت کو گھر سے باہر کی ذمہ داریوں کے لیے پیدا نہیں کیا گیا نہ ہی اس کی جسمانی بناوٹ اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ تسخیر کائنات کے کاموں میں حصہ لے۔ گو کہ اگر وہ مختلف قسم کے ذہنی اور ایک حد تک جسمانی تسخیر کائنات سے متعلق کاموں میں حصہ لے تو بے شک وہ بہت اچھے طریقہ سے انھیں نبھا تو سکتی ہے کیونکہ اس میں بھی ذہانت اسی درجہ سے موجود ہے جو مردوں میں۔ البتہ مردوں کے اعصاب عورتوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور اعضاء قوی ہوتے ہیں ان میں طاقت کہیں زیادہ ہوتی ہے لیکن ایسا کرنے سے عورت کے اپنے فرائض ادھورے اور نامکمل رہ جاتے ہیں۔ جب تک اس کی صحت ٹھیک ہے اسے فطری طور پر بچے پیدا کرنے چاہئیں۔ اب بچہ کو پیٹ میں لیے جس طرح ایک گائے یا بھینس ہل نہیں جوتی جاسکتی اسی طرح ایک عورت سے بھی ذہنی یا جسمانی مشقت کا کام نہیں لیا جاسکتا۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو یا خود بیمار پڑ جائے گی یا بچے کی نشوونما میں فرق آئے گا اور پھر گھر پر موجود چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال کے علاوہ گھر داری کے کئی کام ادھورے رہ جائیں گے۔ گھر عورتوں سے آباد رہتے ہیں، کھلے رہتے ہیں۔ عزیز و اقارت رشتہ داروں کا آنا جانا، ملنا ملانا، غمی خوشی ایک اعلیٰ معاشرت کو جنم دیتا ہے۔ گھر معاشرے کے بنیادی یونٹ ہیں اگر یہی غیر آباد ہو جائیں تو معاشرے کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی پختگی نہیں رہتی۔ معاشرہ مسافروں کی دنیا بن جاتا ہے اور گھر محض مسافر خانے کا کام دیتے ہیں۔

عورت کی معاشی حیثیت کا تحفظ اور ایک فیملی یونٹ کی انکم کی تقسیم:

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورتوں کے وسائلِ دنیا پر حقوق نہیں ہیں۔ کیونکہ مرد عورت اور بچے ایک معاشرتی یونٹ ہیں۔ اس لیے مرد کی تمام کمائی جو اسے اپنے کام سے حاصل ہوگی وہ سب پر برابر تقسیم ہوگی اور اس چیز کو قانونی حیثیت حاصل ہوگی۔ گو کہ ہمارے معاشروں میں مرد کا تنخواہ گھر لے جانا اور سب گھر کا Understanding سے چلنا، اور اس کمائی کا سب پر خرچ ہو جانا اصل میں یہی طریق ہے۔ لیکن اسے مزید ترقی دے کر اس مردانہ کمائی کو مرد عورت اور بچوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ تنخواہ Draw کرواتے وقت ہی سب کے حصے سب کو ہر ماہ یعنی ہر تنخواہ پر ملتے رہیں۔ یہی صورتحال کاروبار یا دیگر تمام قسم کی آمدن میں ہوگی۔ چونکہ ہر طرح کی انکم حکومت کی نگاہ سے ہو کر گزرے گی جس کا انکم ٹیکس دیا جائے گا اس لیے اسی وقت اس کے حصے میاں بیوی اور ہر ایک بچے پر الگ الگ تقسیم کر کے ان کے بینک اکاؤنٹس میں بھیج دیئے جائیں گے تاکہ فیملی میں کوئی بھی کسی قسم کے احساس محرومی یا کمتری کا شکار نہ ہو۔ یہ الگ بات کہ گھر کے خرچ کے لیے پھر سب لوگ اپنے اپنے خرچ کے تناسب سے حصہ ڈالیں گے۔ اس طریقہ سے انکم کا سب پر تقسیم ہو جانا کسی عدم مطابقت یا معاشی جھول کو باقی نہ رہنے دے گا۔ اگر کوئی کروڑوں کا بزنس کر رہا ہے تو وہ بھی اسی طرح ہر انکم ہر پرافٹ کے ساتھ تقسیم ہوتا جائے

Marfat.com

گا۔ چھوٹے بچوں کی گارڈین ماں ہوگی۔ ان کی نہ صرف انکم کے حصے 22 سال کی عمر تک ان کے اکاؤنٹس سے ماں کے دستخطوں سے نکلوائے جاسکیں گے بلکہ ان کی نگہداشت کی ہر طرح کی ذمہ داری قانوناً اور عملاً ماں کے پاس ہوگی۔ باپ گو کہ گھر میں موجود ہونے پر فطرتاً تحفظ فراہم کرے گا اور گھر سے باہر کی ذمہ داریاں نبھائے گا لیکن اصل ذمہ دار عورت ہوگی۔ کیونکہ فطرت نے بچے کو ماں کے ساتھ وابستہ کیا ہے باپ کے ساتھ نہیں۔ جانور جو 100% فطرت کے پابند ہوتے ہیں ان میں 90% مادائیں ہی اپنے بچوں کی کفیل ہوتی ہیں جبکہ ان کے باپ یا تو ساتھ ہوتے ہی نہیں یا شکار کرتے اور کفالت میں بچوں کی ماں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یہ سب کچھ شوقیہ یا مرضی کی بات نہیں ہے بلکہ فطرت نے جو ذمہ داریاں ساتھ لگائی ہیں وہ بہر حال نبھانی پڑتی ہیں اور وہ فطرت سے جتنا ہٹیں گے اتنا ہی حق سے دور ہوتے جائیں گے۔ اسلام کو اسی لیے دینِ فطرت کہتے ہیں کہ وہ فطرت کے قریب لے جاتا ہے۔ اسلام میں عورتوں کی کفالت اور بچوں کی کفالت مردوں کے ذمہ ہے۔ عورتوں پر گھر داری کی ذمہ داریاں ہیں اور مردوں پر گھر سے باہر کی۔ ظاہر ہے کمانا اور معاملات دنیا تمام کے تمام مردوں کے ذمہ ہیں چاہے جتنے بھی شعبۂ حیات ہیں سب مردوں کے ذمہ ہیں۔ یہ تسخیر کائنات ہے۔ معاشرے میں بے شمار شعبے ہیں جن میں بے شمار قسم کے Trade ہیں کام ہیں جو 90% مردوں کے کرنے کے ہیں اور انہی کو کرنے چاہئیں۔ معاشرے میں کچھ لوگ اور کچھ Trade تو ایسے ہیں جو معاشرے کو قائم رکھتے اور ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ جو ہر معاشرہ کچھ افراد اور کچھ Trade ایسے ہیں جو تسخیر کائنات میں حصہ لیتے ہیں۔ جیسے سائنس دان، مدبر، دانش ور، مہم جو لوگ، فلاسفر، مختلف علوم کے ماہر و محقق وغیرہ وغیرہ اور ان کی تحقیق کو عمل میں بدلنے والے لوگ۔ یہ ہے عورت اور مرد کی معاشی و معاشرتی برابری کا درست، فطری اور اسلامی طریقہ کہ عورت بچے پیدا کرے۔ ان کی تعلیم و تربیت و نگہداشت کرے۔ گھر داری سے متعلق سارے امور سنبھالے اور مرد روزگار اختیار کرے۔ گھر سے باہر کے معاملات سنبھالے اور تسخیر کائنات میں اپنا کردار سنبھالے۔ اب اس سے مراد یہ نہیں کہ عورت کولہو کے بیل کی طرح ہر وقت جتی رہے اسے کوئی لمحہ آرام و سکون کا نہ ملے۔ بلکہ اپنی انکم (خاوند کی انکم جو اسے اور اس کے بچوں کو بینک کے ذریعے ملے گی) کے مطابق اور اپنی حیثیت کے مطابق وہ نوکر چاکر رکھ سکتی ہے۔ گھر کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنا سکتی ہے۔ بنگلہ، کوٹھی، کار، جائیداد سب کچھ خرید سکتی ہے۔

آپ ذرا تصور تو کریں کہ ایک گھر کے 8 فرد ہیں دو خاوند بیوی اور 6 بچے (کیونکہ بچوں کی پیدائش پر پابندی نہیں لگائی جائے گی) اب جب خاوند کی کمائی کے آٹھ حصے ہونگے جن میں سے سات حصے بیوی کو قانوناً بذریعہ گورنمنٹ، بینک کے اکاؤنٹ سے ملیں گے (کیونکہ بچوں کی مکمل بلوغت اور تعلیم و تربیت و شادی تک ان کے اکاؤنٹ ماں Deal کرے گی) اور ایک حصہ خاوند کا ہوگا۔ تو ایسے میں خاوند کی معاشی بالادستی کہاں رہے گی۔ بلکہ عورت کا پلڑا کئی حصے بھاری ہو جائے گا۔ لیکن پھر اس کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین بھی بنانا پڑیں گے۔ کہ مرد کے حقوق کا استحصال شروع نہ ہو جائے۔ اقدامات ایسے کیے

Marfat.com

جائیں کہ تمام فیملی یونٹ پرسکون اور خوش وخرم زندگی گزارے تاکہ مرد اس فیملی یونٹ کے تعمیری کارکن کی حیثیت سے تسخیر کائنات میں فعال کردار ادا کر سکے۔

طلاق کی صورت میں اس فیملی یونٹ کے اثاثے کیسے تقسیم ہوں گے؟

اگر خاوند بیوی میں طلاق یا ناچاقی ہو جائے تو پھر کیا صورتحال ہوگی۔ اب بچے تو ان دو میاں بیوی کے ہیں اور یہ ایک فیملی یونٹ ہے۔ پہلے تو اس کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے سرتوڑ کوششیں حکومت و معاشرہ کی طرف سے ہونا چاہیں۔ کیونکہ اس سے ہٹ کر یہ یونٹ فطرت سے تھوڑا سرک جائے گا۔ اس طرح کی قانون سازی کی جاسکتی ہے کہ اس یونٹ کو توڑنے والے فرد چاہے میاں ہو یا بیوی کو بھاری جرمانہ کیا جائے۔ معاشرے میں سخت ناپسند کیا جائے، بچوں کی طرف سے ناراضی کا باعث ہو وغیرہ وغیرہ۔ یعنی بہت بہت حوصلہ شکنی ہو تاکہ طلاق کا تناسب معاشرے میں بہت کم ہو۔ اس کے بعد اگر یہ ناگزیر ہو ہی جائے تو پھر شادی کو گزرے دیکھا جائے کہ کتنا عرصہ ہوا ہے بچوں کی عمریں کیا ہیں۔ بیوی اس مد میں کتنا وصول کر چکی ہے اور بچوں کی ذہنی بلوغت (22 سال کی عمر) میں کتنا ٹائم باقی ہے نیز مرد کی سروس یا کام کرنے کی عمر کتنی باقی ہے ان سب چیزوں کا حساب لگا کر گورنمنٹ کا کام ہے کہ اپنے ماہرین کی مدد سے ایسا فارمولا بنوائے، کوئی ایسا ٹیبل یا گوشوارہ تیار کیا جائے جو مختلف عمروں میں مختلف بچوں کے ساتھ اگر دو میاں بیوی میں طلاق ہو جائے تو خاوند کے طلاق حاصل کرنے کی صورت میں اسے کتنے عرصہ تک کتنا Pay کرتے رہنا ہوگا اور عورت کے طلاق حاصل کرنے کی صورت میں اسے مرد کو کتنا واپس کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ خاوند سے عرصہ تک اس کی انکم کا حصہ مثلاً 6 بچے ہیں تو انکم کا 7/8 حصہ وصول کرتی رہی ہے۔ اب ظاہر ہے اگر 10 سال بعد طلاق ہوتی ہے تو عورت خاصہ حصہ خاصی رقم وصول کر چکی ہے گو کہ خرچ بھی ہوا ہے لیکن چونکہ بعد از طلاق بچے خاوند کی ذمہ داری ہے اس لیے ایسا Table بنانا پڑے گا کہ بیوی خاوند کو رقم واپس کرے تاکہ وہ بھی طلاق سے اجتناب کرے۔ اسے نفع بخش کاروبار نہ بنالے۔ نوٹ: چونکہ روزمرہ خرچ کے علاوہ اسی 7/8 حصہ انکم سے عورت نے مستقبل کے اخراجات کے لیے بچت بھی کرنا ہوتی ہے اس لیے Saving واپس کرنا ہوں گی تاہم حکومت مرد کو اس بات کا پابند بنائے گی کہ وہ ان Savings کو انھیں بچوں پر خرچ کرے اور حکومت کو حساب دے۔

مغرب میں عورت کی مادر پدر آزادی کے شاخسانے:

مغرب میں مرد و عورت کی تمیز ختم کرنے کے لیے ہر قسم کے شعبوں میں عورتوں کو زبردستی ٹھونسا جا رہا ہے تاکہ معاشی و معاشرتی برابری مرد و عورت کے درمیان قائم ہو سکے لیکن یہ اس مقصد کے حصول کے لیے مصنوعی اور تباہ کن طریقہ ہے۔ کیونکہ ہر شعبے میں عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی وجہ سے سب سے پہلے تو زناشوئی عام ہو جائے گی جو کہ وہاں عام ہو چکی ہے۔ اس کے بعد گھر بند ہو جائیں گے مسافر خانے بن جائیں گے۔ اولاد کی پرورش و تعلیم و تربیت والدین کی شفقت، پناہوں اور ممتا

Marfat.com

سے محروم ہو جائے گی وہ بھی مغرب میں ہو چکا ہے۔ وہاں پہ رشتوں کا تقدس اور ضرورت وافادیت ختم ہو چکی ہے۔ اب کوئی دن آتا ہے کہ عورت کا بیضہ اور مرد کا سپرم لے کر اسے کسی انکوبیٹر میں رکھ کر انسانی بچے پیدا کیے جائیں گے کیونکہ وہاں کی عورتیں بچے پیدا کرنے سے الرجک ہیں کیونکہ انھیں مرد بنا دیا گیا ہے ان میں عورت پن کا شعور ہی باقی نہیں رہا نہ انھیں اپنی ذمہ داریوں کا علم ہے نہ وہ ماں ہیں نہ بیٹی ہیں نہ بہن ہیں نہ بیوی ہیں۔ کیونکہ حرام کے بچے 50% سے تجاوز کر چکے ہیں اور آئندہ 20یا25 سالوں میں سب حرام کے بچے پیدا ہوں گے۔ وہ نکاح کو ایک اذیت ناک معاہدہ سمجھتے ہیں لیکن چونکہ اب وہ اس قدر آزاد ہو چکے ہیں کہ ایک مرد سو عورتوں کے پاس گئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور ایک عورت بھی زندگی میں کئی مرد بدلائے بغیر تسکین نہیں پاتی نہ ان کے پاس بچوں کے لیے وقت ہے نہ بچوں کو پتہ ہوتا ہے کہ ہمارے والدین کون ہیں۔ مستقبل میں تو شاید مغرب میں کسی بچے کو بھی اپنے والدین کا علم نہ ہو گا۔ مرد و عورت صرف شہوت کی غرض سے ایک دوسرے کے نزدیک آئیں گے لیکن بچے بوجھ سمجھ کر پیدا نہ کریں گے بلکہ بچے مشینیں پیدا کریں گی اور وہی انھیں پالیں گی۔ اب تو چلڈرن ہومز ہیں جن میں زندہ انسان نگہداشت کرتے ہیں لیکن جلد ہی کمپیوٹر یہ سب کام کریں گے۔ جب جذبات واحساسات کی موت ہو جائے گی تو پھر کیسی نسل تیار ہو گی دنیا پر کیسی تباہی آئے گی۔ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے بس یہ سوچیے کہ جنگل میں تو پیٹ بھرنے کے بعد جانور وحشت چھوڑ دیتے ہیں کل کی فکر نہیں کرتے نہ ہی بغیر بھوک کسی پر حملہ کرتے ہیں لیکن اس انسان میں جب جذبات اتنے قریبی رشتوں کے لیے بھی ناپید ہو جائیں گے تو پھر انسانیت اور انسانی قدروں کے لیے وہ کیا سوچے گا۔ صرف مادیت پسندی ہو گی۔ کوئی بھی دو فرد ایک دوسرے کے لیے یا تو مخلص نہ ہونگے یا اپنے مفاد کی حد تک برداشت کریں گے۔ جوں ہی مفاد ختم ہوا گلے کا گلا دبا دیا۔ کیا آپ آج مغرب کے تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ معاشرے کا سلوک دوسرے کمزور معاشروں سے نہیں دیکھ رہے۔ کیا یہ انسانیت سیکھی ہے انہوں نے۔ کس طرح غریب ممالک کی آبادیوں کے چیتھڑے اڑائے جا رہے ہیں، بم مار مار کر عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ افغانستان، عراق، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، کمبوڈیا، سری لنکا، افریقہ، عنقریب ایران و پاکستان (خوانخواستہ) اتھوپیا، لبنان اور اب باقی غریب ممالک اور کمزور ممالک کی باری ہے۔ بات یہاں ختم نہ ہو گی جب کمزور ملکوں کے عوام کے خون کے دریا سے یہ لوگ اپنی ہوس کو سیراب کر لیں گے تو پھر آپس میں لڑیں گے ان کی ہوس کبھی ختم نہ ہو گی پھر ایک دوسرے کو مار مار کر مریں گے۔ کیونکہ اُن کے گھر کے یونٹ ٹوٹنے سے، عورت کے گھر سے نکل جانے سے، بچوں کی تعلیم وتربیت کی قدرتی درس گاہیں یعنی ماں اور باپ کے ناپید ہو جانے سے، زنا بازی کے پھیلنے سے، شرم وحیاء کے ختم ہونے سے، برہنگی اور بے پناہ فحاشی کے پھیلنے سے اور رشتوں کے تقدس کے پامال ہونے جیسے گناہوں کی وجہ سے وہ قومیں درحقیقت اب وحشی تیار کر رہی ہیں۔ ٹھیک ہے اس وقت تک وہاں بڑے آداب Manners نظر آتے ہیں، بڑی ترقی دکھتی ہے، بڑی خوشحالی ہے، لیکن یہ صرف تھوڑا عرصہ ہے ایک طرف فیملی یونٹ

Marfat.com

ختم ہونے کے نتائج آئیں گے (کیونکہ ابھی 50% لوگ شادیاں اور اولاد کی پرورش کرتے ہیں) تو دوسری طرف غریب اقوام ختم یا مکمل مغلوب وغلام ہو جائیں گی۔اس کے بعد کرنے کو کیا ہوگا ان کے پاس صرف اور صرف ہوس کی بڑھوتری؟ پھر شکار ہونگے یہ ایک دوسرے کے ہاتھوں۔ کیونکہ ہوس کی کوئی حد نہیں۔ انسان جانوروں سے کہیں زیادہ گھٹیا، جاہل اور ظالم و جابر ہے یہ اسفل السافلین میں سے ہے۔اللہ فرماتا ہے میں نے اسے بڑا اعلیٰ بنا کر پھر اسفل ترین مقام پر گرادیا کہ اس سے گھٹیا کوئی شے نہ ہو اور پھر دیکھوں کہ یہ محنت وکوشش، جدوجہد وقربانی، خدا پرستی وانسان دوستی اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے کتنا کام لے کر اوپر اٹھتا ہے۔ یورپ گو کہ ترقی تو بہت کر رہا ہے کوئی شک نہیں لیکن قرآن سے جو 30% دوری ہے ان کی ہر ہر معاملہ میں تباہی کا باعث بن جائے گی اور ہماری تباہی کا باعث تو قرآن سے بیگانگی بن ہی چکی ہے کہ بہت جلد کوئی وقت آتا ہے جب ہم بنی اسرائیل کی طرح وقت کے فرعون کے ہاتھوں من حیث القوم غلام بن جائیں گے اور پھر نہ جانے کتنے قرنوں کتنی صدیوں یا کتنے ہزاروں سال اپنی غلامی پر ماتم کریں گے۔ آخر شاعر نے بھی تو سچ ہی کہا ہے کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہماری خواتین کی تعلیم وتربیت اور معاشرے میں فعال کردار ادا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

آیئے اصل موضوع کی طرف واپس چلتے ہیں، ہم باتوں باتوں میں مغرب پر تنقید اور ان کے، پھر اپنے انجام کی طرف نکل گئے اور اصل موضوع فوکس سے ہٹ گیا۔ اصل بات تو تقریباً مکمل ہو چکی لیکن کچھ وضاحتیں باقی ہیں۔خواتین کو کنوار پن کے زمانہ میں لڑکوں کی طرح خوب تعلیم حاصل کرنا چاہیے لیکن ان کی تعلیم میں گھرداری (ہوم اکنامکس) بچوں کی نشوونما، بچوں کی نفسیات، بچوں کی تعلیم وتربیت، شیر خواروں کی نگہداشت، بچوں کی بیماریوں سے متعلق تعلیم، بچوں کی ابتدائی طبی امداد، حمل کیسے قرار پاتا ہے، حمل قرار نہ پانے کی وجوہات، حمل کے بعد کے مراحل کا علم اور دیگر پیچیدگیوں کی تعلیم شامل ہونا چاہیے نیز مردوں کی نفسیات، شوہروں کو خوش رکھنے کے طریقے، گھر کو جنت بنانے کے متعدد طریقوں پر مشتمل تعلیم بھی ضروری ہے۔ الغرض ہر عورت کو حمل قرار پانے سے لے کر بچوں کی ذہنی بلوغت 22 سال کی عمر تک کے تمام عرصہ سے متعلق تمام امور کی اسپیشلسٹ ہونا چاہیے تاکہ بہترین نسل تیار ہو سکے۔ بے شک حکومت کی طرف سے ان امور میں رہنمائی اور مدد کے لیے کئی محکمے قائم ہوں گے لیکن بنیادی طور پر گھریلو یونٹ کی عورت ہی ذمہ دار ونگران ہوگی۔ تاہم مرد کے پاس ویٹو پاور ہو گی کیونکہ وہ نگران اعلیٰ ہے۔

بچوں کی نشوونما وغیرہ سے متعلق مندرجہ بالا سلیبس کو خواتین کی سولہ سالہ تعلیم میں درجہ وار تقسیم کر کے ان کی تعلیم کا لازمی حصہ بنایا جائے۔اس کے علاوہ دیگر ضروری مضامین اور دینی تعلیم بھی دی جائے تاکہ وہ ایک اعلیٰ ماں، سرپرست، گھریلو

Marfat.com

منتظم، دینی مبلغ اور جدید تعلیم سے آراستہ فرد معاشرہ بن جائے۔ گوکہ عام طور پر اسے نوکری پیشہ کاموں میں نہیں الجھایا جائے گا۔ لیکن چند ایسے شعبہ جات ہیں جن میں خواتین کا کام کرنا ناگزیر ہے مثلاً صحت کے شعبے، تعلیم کے شعبے، پولیس و جیل کے شعبے، ڈرامہ، اسٹیج و فلم کے شعبہ جات جہاں معاشرتی کلچر دکھانا ناگزیر ہوتا ہے یا پھر دیگر ناگزیر شعبوں میں بس اس حد تک کہ جہاں خواتین کی موجودگی خواتین ہی کو خدمات مہیا کرنے یا معاشرے کے لیے از حد ضروری ہو۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں۔ 80% خواتین گھروں ہی میں اپنی خدمات انجام دیں گی جو خواتین 20% گھروں سے باہر کام کرنے کے لیے جائیں گی ان کے گھروں کی دیکھ بھال کے لیے حکومت کی طرف سے کوئی ایسا طریقہ وضع کیا جائے گا کہ انھیں پہلی بات تو یہ کہ کم سے کم وقت کے لیے مثلاً صرف تین گھنٹوں کے لیے گھر سے باہر شفٹ ڈیوٹی پر تعینات کیا جائے گا اور دوسرے یہ کہ ان تین گھنٹوں میں بچوں اور گھر میں ان کی عدم موجودگی کے یا تو اوقات ایسے ہوں کہ وہ فارغ ہوں۔ شوہر اپنے کام پر اور بچے سکول میں ہوں۔ اس کے علاوہ شیر خوار بچوں وغیرہ کے لیے خصوصی Day Care Centre موجود ہوں جہاں ان کی نشو ونما اور تربیت میں کوئی کمی نہ رہے۔ اس کام کے لیے ایسی خواتین کو ترجیح دی جائے جو بچے پیدا کرنے کی عمر سے گزر چکی ہوں یعنی 40 سال سے زائد عمر رکھنے والی خواتین تاکہ چھوٹے بچے اور پیٹ کے بچے کم سے کم متاثر ہوں۔ میں نے اوپر خواتین کی تعلیم میں شوہروں کو خوش وخرم اور مطمئن رکھنے کی تعلیم کا ذکر بھی کیا ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ مرد اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ یہ دونوں کا کام ہے کہ اپنے شریک حیات کی خوشی کا خیال رکھیں۔

تسخیر کائنات کے لیے ہر فیملی یونٹ ایک فعال رکن مرد کی صورت میں مہیا کرے گا، تاہم بالواسطہ طور پر خواتین بھی اس میں شامل ہیں:

لیکن اصل نکتہ ہے تسخیر کائنات جو آدمی کو اللہ کے پیدا کرنے کا اصل سبب ہے۔ فیملی یونٹ کا قائم ہونا اور کھانا پینا، عیش ونشاط، غم وفکر، بچوں کی پیدائش و پرورش اور زندگی کے دیگر معمولات زندگی کو قائم رکھنے اور مسلسل نسل در نسل آگے بڑھاتے رہنے کے لیے ہیں۔ جب کہ اصل کام تسخیر کائنات کے لیے ہر فیملی یونٹ کی طرف سے ایک فرد جو کہ ''مرد'' باپ یا شوہر ہوتا ہے مہیا کرنا ہے۔ تاکہ معاشرہ مجموعی طور پر تسخیر کائنات میں اپنا کردار مسلسل ادا کرتا چلا جائے۔ باقی تمام شعبہ ہائے حکومت وسیاست، سیاحت، معیشت، معاشرت، بزنس وغیرہ وغیرہ اسی اصل ٹارگٹ تسخیر کائنات کے کل پرزے ہیں۔ ظاہر ہے معاشرے میں بے شمار قسم کے پیشے سے وابستہ لوگ ہونگے کیونکہ لوگوں کو زندگی گزارنے کے لیے بے شمار قسم کی اشیاء و خدمات درکار رہوتی ہیں۔ لیکن یہ سب لوگ اور پیشے معاشرتی مشین کے ناگزیر کل پرزے یا اجزائے ترکیبی ہوں گے جو کہ بالواسطہ تسخیر کائنات میں حصہ لیتے ہیں کیونکہ یہ سب مل ملا کر وہ ماحول اور معاشرہ پیدا کرتے ہیں جس میں سے آگے چل کر کچھ ایسے شعبے اور لوگ نکلتے ہیں جو تسخیر کائنات کے اصل کارکن ہوتے ہیں یہ کارکن سارے معاشرے میں بکھرے پڑے ہوتے

Marfat.com

ہیں یہ اس تمام معاشرتی عمل کے بعد جس سے کہ ایک معاشرہ فطری طور پر گزرتا اور خود کو قائم رکھتا اور آگے بڑھتا ہے اپنے اپنے شوق وصلاحیت اور ذہانت وفطانت اور کام کرنے نیز اس محیّر العقول کائنات کو کھنگالنے پرکھنے اور تسخیر کرنے کے لیے اپنے اپنے شعبوں میں قدرتی طور پر اور حکومت کی رہنمائی ومنصوبہ بندی نیز حوصلہ افزائی کی وجہ سے پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لوگ کسی معاشرے کے دماغ کی طرح ہوتے ہیں جس طرح دماغ میں بے شمار قسم کی الگ الگ صلاحیتیں اور ان کے کنٹرول کے لیے الگ الگ سسٹم ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے بھی کئی شعبہ ہائے تسخیر کائنات ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنے ایک خاص شعبے سے وابستہ ہوتا ہے ان میں بے شمار قسم کے سائنس دان، ماہرین فلکیات، ماہرین نباتات، ماہرین جنگلی حیات، ماہرین بحری یا سمندری حیات، ماہرین جغرافیہ، ماہرین عرض، ماہرین نجوم، ماہرین انسانیات، ماہرین فزکس، کیمسٹری، بیالوجی و دیگر ان کی شاخین، ماہرین کمپیوٹر و انٹرنیٹ، ماہرین جینیات، ماہرین تاریخ کائنات، ماہرین روحانیات، الغرض بے شمار قسم کے شعبوں اور تعلیمات اور سائنسز کے ماہرین شامل ہوتے ہیں جو مسلسل تسخیر کائنات کے لیے دن رات کام کرتے رہتے ہیں۔

اس نظریہ پر عمل کرنے سے دنیا کی ترقی کی رفتار کئی گنا بڑھ سکتی ہے:

اگر دنیا میں امن ہو جائے اور ہتھیاروں پر کھربوں ڈالر دنیا کو خرچ نہ کرنے پڑیں تو یقیناً یہ سارا پیسہ انسانوں کی خوشحالی اور تسخیر کائنات کی رفتار کو تیز کرنے میں بہت معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ یقیناً اس طرح سے انسان کی ترقی کی رفتار کئی گنا تیز ہو جائے گی۔ ابھی تو یہ صورتحال ہے کہ ایک مینڈک کنویں سے باہر نکلنے کے لیے دو قدم اوپر چڑھتا ہے سینکڑوں دیگر اسے جنگ وجدل کے ذریعے واپس کنویں میں پھینکنے والے ہیں۔ اس جنگ وجدل میں اس کے کنویں سے باہر نکلنے کی (تسخیر کائنات کی) رفتار کیا ہوگی اور اگر سارے مینڈک مل کر اجتماعی تدبیر واتحاد سے باہر نکلنے کی کوشش کریں تو رفتار کیا ہوگی اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے بیوی کے خاوند کو پرسکون رکھنے کی بات اسی غرض سے کی ہے کہ وہ جتنا مطمئن اور ذہنی طور پر Relax ہوگا اتنا ہی وہ انسانیت کی خدمت بہ احسن وخوبی انجام دے سکے گا اور اتنا ہی تسخیر کائنات میں اس کا کردار زیادہ فعال اور بھرپور ہوگا۔ اور اگر وہ گھریلو طور پر Upset یا پریشان رہے گا تو وہ اپنی پوری صلاحیت سے اپنا کام نہ کر سکے گا۔ نتیجہ یہ کہ معاشرے کا ترقیاتی عمل اور کائنات کا تسخیری عمل اسی تناسب سے متاثر ہوگا۔

یہ جدید قرآنی نظام دنیا کو حیرت زدہ کر سکتا ہے:

یقین جانیئے کہ اگر معاشرت کا بہتر قرآنی (جدید قرآنی) نظام رائج کر دیا جائے تو جتنی ترقی انسان نے گزشتہ کئی ہزار سال میں کی ہے صرف ایک صدی میں اس سے کئی گنا زیادہ ترقی کر سکتا ہے اور معاشرتی بیماریوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ اللہ کے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد قرآن میں اللہ کی عبادت بتایا گیا ہے۔ عبادت عبد کرتا ہے عبد کا مطلب ہوتا ہے غلام، حکم کا غلام۔ تو اللہ نے ہمیں کیا عبادت یا غلامی رب العالمین کرنے کا حکم دیا ہے؟ سارا قرآن پڑھ جائیے۔ جگہ جگہ غور وفکر کرنے کی

Marfat.com

دعوت ہے اور آسمان وزمین کے درمیان جو چھپے راز ہیں انھیں دریافت کرنے کا حکم ہے اشیائے کائنات کی حقیقت، ماہیت، افادیت کو معلوم کرنے اور ان سے مستفید ہونے کا حکم ہے تو پھر ہم کیوں نہ ایسی عبادت کریں۔ نماز تو ہمیں دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے سامنے اس لیے سجدہ ریز کرتی ہے کہ ہم اس کی حمد وثنا بیان کریں۔ صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کریں۔ انعام یافتہ لوگوں میں شامل کرنے کی اور سزا یافتہ لوگوں کے رستے سے بچنے کی دعا کریں اور نماز میں روزانہ پانچ مرتبہ تھوڑا تھوڑا قرآن دہراتے رہیں۔ ا ل م سے شروع کریں اور تواتر کے ساتھ نمازوں میں پڑھتے اور سمجھتے اور دہراتے جائیں حتیٰ کہ سورۃ والناس تک پہنچ جائیں اور پھر دوبارہ سے شروع کر دیں تا کہ اللہ کی تعلیم کو ہم بھول نہ جائیں۔ اللہ کی تعلیم یعنی قرآنِ خالص ہمیں پہلے بہترین معاشرت سکھاتا ہے پھر بہترین معاشرہ قائم ہو جانے کے بعد ایک طرف اسے قائم رکھنے کا حکم دیتا اور پھلنے پھولنے کا طریق سکھاتا ہے دوسری طرف پھر اشیائے کائنات جو اللہ نے اپنے جاہ وجلال کی نشانیوں اور انسان کی فلاح وبہبود نیز اس کی ذہانت کو جانچنے کے لیے بنائی ہیں ان پر مسلسل غور وفکر اور ان کی تسخیر کی دعوت دیتا ہے یہ ہے اصل اسلام جو دنیا وآخرت دونوں کو حسین ومتوازن بناتا ہے اور دونوں جہانوں میں مومنین کو کامیابی کی نوید سناتا ہے۔ انسان کو دنیا میں جنت سے نکلنے کے بعد محنت کی روٹی کھانے کا حکم ہے۔ ایسا قرآنی معاشرہ قائم ہونے کے بعد انسان ایسی تعمیری محنت کی روٹی کھائے گا جس میں صالح معاشرہ قائم کرتے ہوئے نفس انسانی کو بھی صراط مستقیم پر رکھے گا اور اس کے نیک اعمال میں متاع تسخیر کائنات بھی شامل ہو جائے گی جو انسان کو جانوروں سے ممتاز بنائے گی۔

تسخیر کائنات کا ایک مادی پہلو، ایک روحانی پہلو:

میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ تسخیر کائنات کا ایک مادی پہلو اور ایک روحانی پہلو ہے۔ دونوں طرح سے کائنات کی تسخیر درکار ہے۔ مادی پہلو کے طریق پر مغرب میں بہت عمل ہو رہا ہے ہمیں بھی تیزی سے اس دوڑ میں شامل ہو کر آگے نکلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ساتھ روحانی پہلو سے تسخیر کائنات میں حصہ لینا بھی از بس ضروری ہے اور اس کا طریق ہے قرآن کی آیات پر مزید غور۔ ان میں سے روحانی اسرار کی تلاش۔ راسخ ایمان کے ساتھ قرآن کی آیات پر گہرائی سے غور کر کے روحانی اسرار تلاش کیے جائیں مختلف قسم کے ورد و وظائف اختیار کیے جائیں۔ دماغ کے ان نہاں خانوں اور غیر فعال حصوں کو بیدار کیا جائے جو اپنے اندر حیرت ناک روحانی اثرات لیے سوئے پڑے ہیں۔ قرآن میں اعداد کیا کردار ادا کرتے ہیں اس پر غور کیا جائے۔ روزہ کی حقیقت کو جانا جائے کہ مسلسل بھوکا رہنے سے اور کم از کم کھانے پینے سے کس طرح مادی اجزائے زندگی کا غلبہ کم ہو کر روحانی حواس بیدار ہوتے ہیں اور وہ کیا جھماکے دار کام کرتے ہیں۔ قربانی کی حقیقت کو سمجھا جائے کہ یہ کیا کرامات لیئے ہوئے ہے۔ جب انسان اللہ کے نام پر اپنا سکھ، چین، آرام، مال، جان، بچے، رشتے، بیوی، ماں باپ، جسم کے اعضاء حتیٰ کہ جان قربان کرنے پر تُل جائے تو وہ کون سے روحانی دریچے ہیں جو یہ بازی کھیلنے کے بعد کھلتے ہیں۔

Marfat.com

اللہ کے رستے میں مسلسل مال خرچ کرنے میں کیا اسرار ہیں۔ غریب، یتیم، معذور، مسافر، بیوہ، ضرورت مند، حاجت مند، مظلوم، دردمند، قرض دار، غرض ہر محروم کی مدد کرنے سے معاشرتی فوائد کے علاوہ کیا روحانی اسرار فرد متعلقہ پر کھلتے ہیں دنیا سے مکمل قطع تعلق کر کے کٹ رہنے اور صرف اللہ اللہ کرنے یعنی اللہ ہی سے لو لگا کر اس ہی کا ہو جانے سے کیا مقامات ملتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب روحانی سائنسز کے اجزاء ہیں ان پر بھی بہت بہت کام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس طرح سے کائنات کے دور دراز مقامات تک نہ صرف اللہ کے فضل سے رسائی ہوگی بلکہ اللہ کے دیگر جہانوں اور عالمین سے بھی واقفیت وافادیت حاصل ہو سکے گی۔ نیز اس سائنس کی مدد سے بیماریوں، محرومیوں اور تکالیف کو دور کرنے کے لیے ان گنت شعبوں میں رہنمائی، ترقی اور خوشحالی حاصل ہوگی۔ لیکن یاد رہے کہ ان روحانی راہوں پر ہر کسی کو چلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ عام معاشرے کے 95% افراد اسی عام ڈگر پر چلیں گے۔ صرف 5% لوگ اس راہ پر چلیں گے اپنی اپنی باطنی صلاحیتوں اور اللہ سے عشق و محبت کی نسبت سے، اور وہ بھی اپنی ذمہ داریاں اگر شادی شدہ ہیں تو نبھانے کے بعد، بچوں کے بڑا اور معاشرے میں مدغم ہو جانے کے بعد اتنا استغراق حاصل کریں گے کہ دنیا سے کٹ سکیں۔ یا پھر ہزار میں سے کوئی ایک آدھ فرد جو شادی نہ کرے وہ جوانی میں ہی اس راستہ پر چل سکتا ہے اور یاد رہے کہ جوانی میں اس راستہ پر چلنے سے نتائج کئی گنا تیز رفتاری اور رفعت و عروج سے حاصل ہوتے ہیں لیکن پھر کیونکہ اسے اجتماعی طور پر اختیار کرنا تباہ کن ہے اور نتائج بھی نہ ملیں گے کیونکہ صرف ایک فیصد لوگ اس کام کے لیے فطری صلاحیت (فعالیت کے ساتھ) لے کر پیدا ہوتے اور ان میں سے بھی محض چند فیصد کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ میں Specialists کا ذکر کر رہا ہوں۔ ورنہ معاشرے کے ساتھ رہ کر اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے تو سب لوگ ایک خاص حد تک ترقی کر ہی سکتے ہیں۔ جو کہ ہر ہر مومن کا خاصہ ہے اور یہ ترقی بھی کوئی معمولی ترقی نہیں ہوتی۔ اوپر تو میں نے صرف ولی اللہ حضرات Spirtual Specialists کا ذکر کیا ہے۔ یاد رہے کہ اس مد میں خواتین بھی ترقی کر سکتی اور ولیہ بن سکتی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ عیسائیوں نے رہبانیت کی شکل میں اجتماعی طور پر اس کی پریکٹس شروع کی لیکن ناکام رہے یہ صرف انفرادی کام ہے۔

خواتین کو مردوں کے برابر تمام سہولیات، آسائشات اور حقوق حاصل ہوں گے:

ایک اور وضاحت ضروری ہے کہ خواتین کے جو گھروں میں رہنے اور گھریلو ذمہ داریاں نبھانے کا کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح یا ڈربے کی مرغیوں کی طرح گھروں میں بند کر دیا جائے بلکہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق وہ باہر ضروریات زندگی کے لیے آئیں جائیں گی (لیکن آوارہ گردی یا فحاشی کے لیے نہیں) ان کی صحت کی ضروریات کے لیے جمنیزیم ہونگے۔ سیر کے لیے الگ پارک ہونگے مرد و عورت کے مشترکہ پارکوں میں مناسب پردے کے ساتھ جاسکیں گی اور الگ پارکوں یا الگ جمنیزیم و ورزش گاہوں، Swiming Pools، کھیل کے میدانوں اور دیگر تفریح

Marfat.com

گاہوں میں لازمی طور پر جانے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ تاکہ مرد، عورت اور بچوں سب کی صحت اچھی رہے اور ذہنی ونفسیاتی صحت بھی قائم رہے۔ عورتیں اعلیٰ تعلیم تو تقریباً ہر طرح کی حاصل کرسکتی ہیں لیکن وہ کام بچوں کو تعلیم دینے اور تربیت کا کریں گی۔ کیونکہ ماں کی گود اور گھر پہلی اور بہترین درس گاہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اگلی نسل کو جو جینز والدین سے منتقل ہوں ان میں ماں کی طرف سے بھی ترقی یافتہ جینز منتقل ہوں۔ یاد رہے کہ افراد کی ذہنی ترقی کے ساتھ اگلی نسل تک بہتر جینز منتقل ہوتے ہیں والدین کی تعلیمات وافکار تو منتقل نہیں ہوجاتے لیکن ان کی تہہ میں کام کرنے والے جواہر پہلے سے ترقی یافتہ شکل میں اگلی نسل تک پہنچتے ہیں بشرطیکہ والدین یا آباء نے اپنی زندگیوں میں کوشش وکاوش سے انھیں ترقی دی ہو۔ کیونکہ اگر ماؤں کو Dull رکھا جائے گا تو بچے میں منتقل ہونے والی جینیاتی صلاحیت نصف رہ جائے گی اور انسانی ترقی کا سفر بھی آدھی رفتار پر پہنچ جائیگا۔ بچوں کی تعلیم وتربیت سے فارغ خواتین جو کہ عام طور پر 50 سال کی عمر سے زائد ہوں گی اگر شوق وجذبہ اور فالتو وقت رکھتی ہوں تو ان سے بہتر معاوضے کے عوض ملک وقوم کے لیے کام لیا جاسکتا ہے۔ گو کہ ان کی صلاحیتیں جوانی وڈمل age سے کم ہوجائیں گی لیکن اس اوائل عمر میں ان کی اپنی انتہائی قیمتی ذمہ داریوں کو مردوں کے کرنے کے کاموں کی بھینٹ کسی صورت نہیں چڑھایا جاسکتا ورنہ فطرت سزا دے گی اور یاد رکھیے فطرت کی سزا سے قومیں برباد ہوا کرتی ہیں۔ یاد رہے کہ خواتین کو ہر طرح کی سائنسی وتکنیکی تعلیم اس غرض سے دینا ضروری ہے کہ ایک تو اگلی نسل تک بہتر جینز پہنچ سکیں دوسرا وہ بوقت ضرورت مردوں کی جگہ یا ان سے مل کر کام بھی کرسکیں۔

طلاق کی وجہ سے ٹوٹنے والے گھریلو یونٹ کو نئے گھریلو یونٹس میں تبدیل کیا جائے گا:

لاکھ حوصلہ شکنی کے باوجود اگر طلاق کی وجہ سے کوئی گھریلو یونٹ ٹوٹ جائے تو حکومت مناسب طور پر ان کے دوسرے جیون ساتھی فوراً مقرر کرے (متعلقہ افراد کی مرضی سے) تاکہ ہر مرد وعورت کسی گھریلو یونٹ سے وابستہ رہے اور معاشرتی ترقی میں حصہ لے۔ محض بیکار پرزہ نہ بن جائے۔ اس کے باوجود کوئی دوسری یا پہلی شادی نہ کرنا چاہے تو اسے قانوناً مجبور نہ کیا جائے بلکہ ایسے افراد کو مناسب طریق سے معاشرے کے ترقیاتی کاموں میں ان کی طبیعت کے رجحان کے مطابق ضم کیا جائے۔

زیادہ اولاد پیدا کرنے کی سفارش کی وجہ:

زیادہ اولاد پیدا کرنے کی سفارش اس لیے کی گئی ہے کہ فطرت جب کسی کام کو کرنا چاہتی ہے تو اس کے پیچھے بہت خاص وجوہات ہوتی ہیں۔ جنہیں ہم نہیں جانتے۔ ممکن ہے مستقبل میں کسی بڑے حادثے میں لاکھوں یا کروڑوں انسانوں نے ختم ہوجانا ہو یا پھر فطرت چاہتی ہو کہ Manpower میں اضافہ ہو تاکہ تسخیر کائنات کا کام تیز ہوسکے۔ افراد معاشرے پر بوجھ تب بنتے ہیں جب وہ کارکن نہیں ہوتے محض بیٹھ کر کھانا چاہتے ہیں۔ جب ہر کوئی کام کرے گا تو وسائل میں اضافہ ہوگا۔

Marfat.com

نئے نئے وسائل خوراک واستعمال ڈھونڈے جائیں گے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ فطرت پیدا تو کر دے ایک کروڑ انسان جبکہ خوراک مہیا کرے 50 لاکھ انسانوں کی۔ دراصل وسائل رزق (یاد رہے کہ ہر شے کی طرح فطرت کا مالک وحاکم بھی اللہ ہی ہے) تو موجود ہوتے ہیں لیکن ہماری بہت بڑی تعداد ان کو حاصل کرنے کے لیے محنت نہیں کرتی۔ معاشرے کی ایک بڑی تعداد دوسروں کی کمائی پر عیش کرنا چاہتی ہے اور سرمایہ کا بڑا حصہ مختلف کام چوریوں سے ہڑپ کر جاتی ہے کام تو نہیں کیا جاتا یعنی یہ افراد پیداواری کارکن نہیں ہوتے لیکن سرمائے کو اپنا بنانے کے گر جانتے ہیں۔ جس کی وجہ سے خوراک و وسائل کی کمی لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کے سدباب کے لیے فیملی پلاننگ کی جاتی ہے۔ یہ دراصل مصنوعی اور غلط طریقہ ہے اس سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ بقائے انسانیت کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اصل طریقہ ہر فرد معاشرہ کو پیداواری کارکن بنانا اور خوراک و وسائل حیات کے نئے نئے طریق ومراکز دریافت کرنا ہے ابھی تو زمین بہت بڑی تعداد میں غیر آباد اور بنجر پڑی ہے جبکہ انسان تو کائنات کی وسعتوں میں دوسری دنیاؤں میں جا کر آباد ہونے کے پروگرام بنا رہا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہوگا جب انسان کی نسل خوب خوب بڑھے گی۔ لیکن بیکار، بھوک زدہ، جاہل اور زمین پر بوجھ قسم کی نسل نہیں بلکہ زمین کی اصل اولاد جو اس کی اصل وارث ہو، پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تاہم یاد رہے کہ ایک عورت سے صرف اتنے ہی بچے پیدا کیے جائیں جس سے اس کی صحت مکمل طور پر بحال رہے عام خواتین سے ایک تا چار بچے پیدا کرنے کی سفارش کی جاتی ہے۔

آیئے یوں مرد یا عورت کی برتری کی جنگ ختم کر کے فرشتوں سے افضل بنیں:

اصل سجدہ صرف اللہ کے لیے ہے باقی ہر طرح کا رکوع وسجود دوسرے کو خود سے برتر جاننا ہے جو تقویٰ میں بڑھوتری کی بنیاد پر ہے۔ ایمان کے ساتھ تسخیر کائنات بھی تقویٰ میں شامل ہے۔

لہٰذا مرد وعورت کی بحث اور جنگ وجدل کی بجائے دنیا میں امن پیدا کر کے انسان اپنے وجود کو فرشتوں کے لیے سجدہ کے قابل بنا سکتا ہے۔ اب فرشتوں کو انسان نظر اٹھا کر دیکھتا ہے پھر فرشتے انسان کو نظر اٹھا کر دیکھیں گے اور اللہ رب العزت کی بات سچ ثابت ہوگی جو اس نے فرشتوں سے کہی کہ "تم اس انسان کے متعلق وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں"۔

فرشتوں نے انسان کے اسی کردار کے خدشے کا اظہار اپنے رب کے سامنے کیا تھا کہ یہ دنیا میں خون خرابہ کرے گا اور فساد برپا ہوگا۔ گویا کہ یہ تخریب کرنے والا ہے۔ جبکہ اُس رب عظیم نے فرمایا کہ جو جوہر میں نے اس میں سمو کر اسے پستیوں میں گرایا ہے۔ جب یہ عروج پہ آیا تو پھر وہ جوہر ملاحظہ کرنا!۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 14

اسم اعظم اور سانس کی آمد ورفت

عرصہ ہوا لوگ اسم اعظم کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ کسی نے کسی لفظ کو اسم اعظم کہا اور کسی نے کسی آیت کو اسم اعظم قرار دیا۔ کچھ لوگوں نے ایک سے زائد الفاظ یا آیات رحمانی کو اسم اعظم گردانا یا کسی آیت و سورۃ قرآنی میں اس کی تلاش کا حکم لگایا۔ تاہم حتمی طور پر کوئی کچھ نہ بتلا سکا یا نہ بتلایا۔ جسے جو معلوم ہوا یا تو اس نے آگے کسی مصلحت کے تحت اسے عام نہ کیا یا شاید ان رموز کو عام کرنے کا حکم ہی نہ تھا۔ بہر حال حضرت سلطان باھوؒ اپنے بہت ہی پر اسرار صوفیانہ کلام میں جہاں رسمی عبادت اور مولویانہ شریعت کی گرہ کشائی کرتے ہیں وہیں اسم اعظم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ "اسی آتی جاتی سانس کا نام ہے اور کوئی شے نہیں ہے" اس بظاہر ہلکی سی عام بات میں انہوں نے بہت دھما کہ خیز انکشاف کیا ہے۔ ہندو یوگی اور تبت کے لامہ حضرات زمانہ قدیم سے سانس کی مشقوں کے ذریعہ طرح طرح کی انسانی خفیہ صلاحیتوں کے نکھارنے اور بڑھانے کی بات کرتے آئے ہیں۔ بلکہ اس پر کتب بھی لکھی گئی ہیں اور شاندار نتائج بھی حاصل کیے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ جنسی توانائی کو بچا کر رکھنے اور بے دریغ خرچ نہ کرنے کی سختی سے تلقین کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب اس توانائی کو ضائع نہیں کیا جاتا اور صرف بوقت ضرورت ہی استعمال کیا جاتا ہے تو یہ ہمارے جسم میں اسٹور ہوتی رہتی ہے۔ جہاں ایسا کرنے سے ہماری عام صحت قابل رشک ہو جاتی ہے اور بیماریاں ہم پر حملہ نہیں کرتیں وہیں مناسب مشقوں سے جن میں سانس کی مشقیں اور سر کے بل الٹا کھڑا ہونے یا سر کو کسی خاص آسن میں خاص زاویہ پر جھکائے رکھنے سے توانائی کا رخ دماغ کی جانب خصوصیت سے ہو جاتا ہے اور ایسے دماغی حصے فعال ہو جاتے ہیں جو ابھی سوئے ہیں جو ہماری ان پانچ حسوں کے علاوہ ہیں۔ جنہیں ہم حواس خمسہ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ مرد و عورت کو مثبت اور منفی پولز میں تقسیم ایک اکائی کے دو حصے کہتے ہیں۔ ایک مرد میں فعال ہے اور ایک عورت میں۔ لیکن درحقیقت یہ دونوں حصے ہر فرد یعنی ہر مرد و عورت میں ریڑھ کی ہڈی کی دونوں سروں پر موجود ہیں اور مختلف مشقوں سے جنسی توانائی ضائع ہونے سے روک کر اور پاکیزہ زندگی اختیار کر کے ہم ان ہر دو منفی اور مثبت پولز کو یکجا کر سکتے ہیں اور یہی یکجائی وہ شے انسان کو بنا دیتی ہے کہ اس کے اندر خاص کائناتی قوتیں ایک کمان کی شکل In the shape of command پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسی قسم کی فلاسفی مختلف مذاہب اور فلسفوں میں تھوڑے بہت فرق اور الفاظ کے ہیر پھیر سے موجود ہے۔

اسلام نے قرآن میں تو ایک فلسفۂ حیات پیش کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ کچھ خاص عبادات بھی بتلائی ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، قربانی، ذکر الٰہی وغیرہ ان کے ظواہر کے علاوہ زبردست باطنی اثرات و حقائق بھی ہیں جن کے متعلق

Marfat.com

میں نے گزشتہ صفحات میں کہیں کہیں ہلکے سے اشارے دیے ہیں۔ چونکہ ابھی میرے تجارب اس معاملہ میں خام ہیں اس لیے اس پر اگر اللہ نے چاہا اور زندگی نے وفا کی تو بعد میں تحریر کروں گا۔ سردست اتنا لکھ دوں کہ واقعی جنسی توانائی کو بچانا اور جسم میں ذخیرہ کرنا چاہیے کیونکہ اللہ نے عورت و مرد کے ملنے پر اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے پر ہر ہر جگہ فرمایا ہے کہ وہ جب بھی ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط کریں تو اللہ کا فضل تلاش کریں۔ اللہ نے جوان کے نصیب میں لکھا ہے وہ تلاش کریں۔ نیک اولاد کے لیے دعا کریں وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ اولاد کی غرض سے قریب آنے کی ضرورت ہے گو کہ اس طرح سے انھیں فطری باہمی سکون بھی حاصل ہوتا ہے اس لیے اس عمل کو باعث سکون واطمنان بھی کہا گیا ہے لیکن اس کا مطلب ومقصد اولاد پیدا کرنا ہی ہے اب آپ خود اندازہ کریں کہ عام طور پر ہر فرد کی ایک ہی بیوی ہوتی ہے وہ اپنی بیوی کے قریب ایک دفعہ یا چند دفعہ جائے اگر وہ بانجھ نہیں تو حاملہ ہو جائے۔ اس کے بعد نو ماہ پیٹ میں حمل کی وجہ سے اور وضع حمل کے بعد دو سال دودھ پلانے کی وجہ سے یعنی عام طور پر تقریباً تین سال کے بعد دوبارہ بیوی کے قریب جا سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو بھی اوسطاً وہ سال میں ایک ماہ چند دفعہ ہر بیوی کے قریب جائے گا۔ تو کیا فطرت نے اور اللہ نے اسے جنسی توانائی اسٹور کرنے کا موقعہ و حکم نہیں دیا۔ اس کے بعد خیالات کو پاکیزہ رکھنا۔ اسلامی طرز زندگی اختیار کرنا۔ پورے ایمان کے ساتھ عبادات بجالانا اور دوران نماز پورے انہماک کے ساتھ ایک تو خیالات کو جھٹک کر صرف ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ایک نکتہ پر توجہ مرکوز کرنا دوسرے طویل رکوع وسجود سے غیر ارادی طور پر دماغ کی طرف خون کا بہاؤ ہونا جس سے دماغ کے خاص حصوں کا بیدار ہو جانا۔ یہ سب کا سب یوگا کی مشقوں اور ناقص فلاسفی کو کہیں افضل طریقہ سے پورا کرتا ہے (یوگا میں ہمارے سجدہ کی پوزیشن کو ڈائمنڈ آسن کہتے ہیں)۔ اس کے علاوہ سانس کی مشقوں کا گو کہ عام مسلمانوں کے لیے کوئی حکم نہیں ہے لیکن صوفیاء نے اس پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔ کم از کم سانس کے ذریعے ذکر الٰہی کے مختلف طریق بیان کیے ہیں۔ سانس اندر کھینچنے اور باہر نکالنے کے طریقے اور ساتھ ذکر کا طریق لکھا ہے۔ سانس روک کر ذکر کرنے کا طریق بیان کیا ہے۔ لمبے اور گہرے سانسوں سے ذکر الٰہی بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے ارتکاز توجہ سانس کی مشق اور ذکر الٰہی یکجا ہو جاتے ہیں اور نماز فرض میں باقاعدگی اور ساتھ میں نوافل میں اضافہ کے ساتھ جہاں باقی فیوض حاصل ہوتے ہیں۔ وہاں رکوع وسجود سے دماغی خفیہ آلات کا خلاف عادت فعال ہو جانا بھی عمل میں آتا ہے۔ گو کہ ہمیں اس سارے عمل کا کوئی نصاب یا طے شدہ فلسفہ کہیں کتابی شکل میں نہیں ملتا نہ ہی مکمل اور بہترین حالت میں تعلیم کیا جاتا ہے تاہم اشارے بہت مضبوط اور واضح ہیں اور ان پر کام کر کے اس علم کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کم از کم ہم اتنا تو جان ہی گئے ہیں کہ یہ سانس صرف آکسیجن و کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر معمولی مقدار میں چند گیسوں کی آمدورفت ہی نہیں ہے بلکہ دائیں اور بائیں نتھنے کے سانس شاید شیطانی و رحمانی ٹیپ کے دو فیتے ہیں۔ جو ہمارے ایک ایک خیال، سوچ و عمل کو اپنے اندر لحہ بہ لحہ محفوظ کرتے جا رہے ہیں اور ہر آن ہر لحہ ہمارا ہر عمل اچھا یا

Marfat.com

برا اور ہماری ہر سوچ و نیت اچھی یا بری عرش پر اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہو رہی، اور محفوظ ہو رہی ہے جو قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ مختلف ذکر و اذکار اگر رحمانی ہیں تو دائیں نتھنے کے سانس سے اور اگر شیطانی ہیں تو بائیں نتھنے کے سانس سے ہمارے اوپر اثر انداز ہوتے ہیں اور ہمارے سانس کے ذریعے دوسروں پر اثر انداز ہوتے ہیں (جیسے دم کیا جاتا ہے) دائیں یا بائیں نتھینے کی سانس سے متعلق فلاسفی یوگا میں موجود ہے لیکن کسی اور طرح سے یہ میرے خیال کا حصہ بھی ہے۔ مجموعی طور پر انسانی سانس میں ذکر و اذکار سے رحمانی قوتوں کا پیدا ہونا بہر حال آزمودہ شے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص قرآنی آیات یا سورتوں کو مخصوص تعداد میں پڑھ کر پھونکنا یا کسی طرح کا کلام پڑھ کر پھونکنا اپنے اندر بہر حال زبردست اثرات رکھتا ہے بشرطیکہ ہمیں اس کے استعمال کا صحیح طریقہ پتا ہو اور کوئی استاد (پیر و مرشد) بھی میسر ہو۔ اسی سانس، اسی دم کو حضرت سلطان باھوؒ اسم اعظم فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''جو دم غافل سو دم کافر''۔ یعنی اللہ کے ذکر و فکر سے جو سانس غافل ہے وہی سانس کافر ہے۔ آگے آپ خود اندازہ لگائیں کہ حقیقت کیا اور کتنی ہمہ گیر ہے۔ یاد رہے کہ ہندو یوگی دائیں بائیں نتھنے کو بند کر کے یعنی جس کی ضرورت ہو اس نتھنے کو بند کر کے دوسرے کو کھلا چھوڑ کر مختلف بیماریوں کا علاج بھی کرتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ تبت کے لامے نسل در نسل کچھ سینہ بہ سینہ ایسے علوم رکھتے ہیں کہ مثلاً پڑھ کر پھونکنے سے ٹوٹی ہوئی ہڈیاں چشم زدن میں نہ صرف جڑ جاتی اور زخم غائب ہو جاتا ہے بلکہ متاثرہ فریق اٹھ کر پھر بھاگ سکتا ہے۔ اگر ہم دائیں بائیں نتھنے کے چکر میں نہ بھی پڑیں تب بھی سانس نہایت پر اسرار چیز ہے۔ اس کا ہماری نیت ہمارے ایمان و عمل اور ورد و وظائف سے گہرا باطنی تعلق ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 15

''تمام دنیا کی ایک زبان'' پر کچھ بحث

میں نے بین الاقوامیت پر بحث کرتے ہوئے گیارہ نکات میں اس نکتے کو بھی شامل کیا ہے۔ یہاں اس پر کچھ روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ مختلف علاقوں اور ممالک کی مختلف زبانیں صرف اپنی اپنی چھوٹی یا بڑی جغرافیائی وحدتوں ہی کے باسیوں میں تبادلہ خیالات کا باعث اور معاشرتی تعلقات کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جبکہ دوسری جگہ میں بسنے والے لوگ الگ زبان کی وجہ سے ان کے ساتھ معاشرت اختیار نہیں کر سکتے۔ جب ایک دوسرے کی زبان ہی سمجھ نہ آئے گی تو پھر Understanding یا معاشرتی ہم آہنگی کیسے پیدا ہوگی۔ پرانے زمانہ میں ذرائع آمد و رفت نہ صرف محدود، سست رفتار اور ناکافی تھے بلکہ رسل و رسائل آج کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر تھے یہی حال پیغام رسانی، نشر و اشاعت وغیرہ کا تھا۔ زمین کے ایک خطے کے بسنے والوں کو دوسری جگہ کے باشندوں کی کوئی خبر نہ ہوتی تھی ہر 20 میل کے بعد زبان کے لہجے میں فرق آجاتا تھا۔ تقریباً سو میل بعد زبان ہی بدل جاتی تھی مختلف چھوٹے بڑے صوبوں کی اپنی اپنی زبانیں ہوتی تھیں کسی ملک کا جغرافیہ یا حکومتیں تبدیل ہونے سے بعض اوقات زبانیں بھی دھیرے دھیرے تبدیلی اختیار کر لیتی تھیں چنانچہ اس طرح سے دنیا بھر میں سینکڑوں ہزاروں زبانیں وجود میں آئی تھیں۔ چونکہ سفر مشکل اور کٹھن تھا اس لیے ہر دوسرے کا کلچر، ثقافت، رسم، و رواج، طرز معاشرت و بود و باش بھی زبان کے ساتھ ساتھ مختلف ہوتا تھا اور یہ ابھی تک چلا آرہا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اب بڑی بڑی جغرافیائی وحدتوں پر مشتمل ممالک وجود میں آچکے ہیں اور میڈیا کی ترقی نیز ذرائع آمد و رفت کی برق رفتاری کی وجہ سے ہر ملک کی ایک الگ زبان بن چکی ہے گو کہ کسی ملک کے اندر علاقائی زبانیں بھی ہو سکتی ہیں لیکن کم از کم ایک قومی زبان بھی موجود ہوتی ہے۔ اس جغرافیائی وحدت کی ایک قومی زبان کی بنا پر کافی حد تک ثقافت و معاشرت میں بھی یک رنگی پائی جاتی ہے۔

آج جب کہ فاصلے سمٹ چکے ہیں ٹیلی فون، موبائل، TV، ریڈیو، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اخبارات و رسائل، مصنوعی سیاروں کے ذریعہ سے Live پروگرامنگ یعنی پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا اور تیز ترین سفری سہولیات وغیرہ کی وجہ سے نہ صرف پل پل کی خبریں دنیا بھر کے تمام ممالک میں پہنچ رہی ہیں بلکہ انسان ناشتہ، Lunch اور Dinner تین الگ الگ ممالک میں کر سکتا ہے۔ دنیا ایک Global village بن چکی ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں بین الاقوامیت کے دیگر اصولوں پر عمل ہونا ضروری ہے۔ جن کا ذکر اپنے مقام پر میں پہلے کر چکا ہوں وہاں دنیا بھر میں دھیرے دھیرے ایک ہی زبان نافذ کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بین الاقوامی زبان دنیا کے ہر شخص کے لیے جاننا ضروری ہو اپنی علاقائی زبان کے ساتھ۔ یہ درجہ وار پروگرام ہوگا۔ پہلے مرحلہ میں ہر ملک کی چھوٹی چھوٹی علاقائی زبانوں کی حوصلہ شکنی کر کے میڈیا پر بھرپور مہم کے ذریعے ایک صوبائی

Marfat.com

اور بعدازاں ملکی یعنی قومی زبان نافذ کی جائے۔ اگلے مرحلہ میں زیادہ چھوٹے ممالک کی زبانوں کا ادغام علاقے کے بڑے ممالک کی قومی زبان میں کیا جائے۔ تیسرے مرحلہ میں دنیا کی تین بڑی زبانوں یعنی عربی، انگریزی اور چینی زبان میں ان بڑی جغرافیائی وحدتوں کی زبانوں کو مدغم کر دیا جائے، چوتھے اور آخری مرحلہ میں کوشش کی جائے کہ ساری دنیا پر ایک ہی زبان نافذ ہو جائے تا کہ دنیا بھر کے تمام انسان ایک زبان بولیں اور سمجھیں اس طرح سے ثقافتوں کے ادغام میں مدد ملے گی۔ کدورتیں دور ہوں گی۔ Understanding بڑھے گی۔ ہر انسان دنیا بھر کے لٹریچر کو پڑھ اور سمجھ سکے گا۔ دنیا کے تمام ممالک کی تعلیم و ترقی سے کماحقہ مستفید ہو سکے گا۔ تبادلہ خیالات کے لیے فضا انتہائی سازگار ہو جائے گی۔ تمام دنیا کے انسانوں میں محبت پیدا ہو گی۔ رشتہ داریاں بنیں گی۔ انس وچاہت پنپے گی اور علاقائیت یا قومیت سے بڑھ کر بین الاقوامیت پیدا ہو گی۔ تعصب دور ہو جائے گا۔ رنگ نسل اور قوم پرستی کے جذبات ماند پڑ جائیں گے اور سب سے بڑھ کر اس سے صلاحیتوں کے عدم توازن کو دور کرنے کے لیے جن کراس شادیوں کی تجویز میں نے شروع کے صفحات میں پیش کی تھی ان میں بے حد مدد ملے گی۔

ایک سفارش:

عربی اور انگریزی بالترتیب دنیا کی دو بہت بڑی فصیح و بلیغ زبانیں ہیں۔ ان دونوں کو قائم رکھنے پر دل چاہتا ہے۔ عربی کو اس لیے قائم رکھنا ضروری ہے کہ یہ قرآن مجید کی زبان ہے اور سب زبانوں سے زیادہ فصاحت و بلاغت کی مالک بھی ہے اور انگریزی کو اس لیے قائم رکھنا ضروری ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ فی زمانہ بین الاقوامی زبان اور سائنس و ٹیکنالوجی کی زبان ہونے کی بنا پر بہت ہمہ گیریت کی حامل ہے۔ گو کہ بائبل کی اصل زبان تو آج کی تحقیق کے مطابق عبرانی تھی بلکہ توریت، زبور اور انجیل تینوں کی زبانوں میں فرق ہو سکتا ہے لیکن اہل مغرب کی بہت بڑی اکثریت کی چونکہ زبان انگریزی ہے اس لیے بائبل کی فی زمانہ زبان انگریزی ہی تصور کرنا پڑے گی۔ اس لحاظ سے بھی انگریزی اپنے پلڑے میں وزن رکھتی ہے لیکن چونکہ انگریزی میں بائبل کو ترجمہ کیا گیا ہے اور یہ Translated Bible ترجمہ شدہ بائبل ہے اس لیے اگر اہل یورپ معاملے کی نزاکت کو سمجھ کو بین الاقوامیت میں سچے دل کے ساتھ تعاون کریں تو اس کے عربی ترجمے کو رائج کیا جا سکتا ہے اور چونکہ قرآن اپنی اصل زبان و الفاظ میں واحد اللہ کا کلام فی زمانہ محفوظ ہے۔ اس لیے میری سفارش ہے کہ آخری مرحلہ میں عربی ہی کو دنیا بھر میں نافذ کر دیا جائے کیونکہ عربی کو قرآن کے ہوتے ہوئے دنیا سے کسی صورت ختم نہیں کیا جا سکتا ورنہ ہم اللہ کے اصل الفاظ و کلام سے محروم ہو کر صرف ترجمہ شدہ قرآن کے مالک رہ جائیں گے اور جب صرف ترجمہ رہ جاتا ہے تو الفاظ کے ہیر پھیر اور ترجمے کے فرق کی وجہ سے اصل روح کلام ربانی ختم ہو جاتی ہے اور پھر دھیرے دھیرے اصل کلام ہی بدل جاتا ہے۔ یہی کچھ کافی حد تک بائبل کے ساتھ ہو چکا ہے ورنہ بائبل بھی اللہ کا کلام تھا اور اس کا ایک ایک حرف سچا تھا۔ آج بائبل میں جگہ جگہ قیمتی موتی و جواہرات تو موجود ہیں۔ جن سے جوہر شناس افراد بے شک بصیرت حاصل کر سکتے ہیں لیکن اصل

Marfat.com

زبان جس میں وہ نازل ہوئی اس کے الفاظ مفقود ہو چکے ہیں اور یاد رہے کہ اصل الفاظ الٰہی میں بہت کچھ اسرار چھپے ہوتے ہیں۔ اصل کلام الٰہی کے بھید، اسرار اور حکمتیں تہہ در تہہ ہوتی ہیں۔ جنہیں صدیوں اور ہزاروں سالوں تک نئی نئی جہتوں اور صورتوں میں معلوم کیا جاسکتا ہے اور جس کی برکت کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ان الفاظ کے ماورائی اثرات و ترتیب میں عجیب کرشمے اور اعداد و شمار کے بندھنوں میں حیرتوں کے پہاڑ ہوتے ہیں۔ ان کے ورد و وظائف میں کئی دنیائیں منکشف ہوتی ہیں۔ الغرض اصل زبان میں وحی الٰہی اور کلام الٰہی کچھ اور ہی شے ہے کہ ترجمہ جسے ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس لیے میں نے عربی زبان کو آخر کار بین الاقوامی واحد زبان کے طور پر اختیار کرنے کی سفارش کی ہے کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔ تاہم بائبل کا مستند عبرانی وانگریزی ترجمہ ہر صورت محفوظ کیا جائے گا اور قرآن کی روشنی میں اس سے مستفید ہوا جائے گا۔ بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کی مذہبی کتب کا عربی ترجمہ محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اصل زبان (اگر میسر ہو سکے) کا متن بھی محفوظ کیا جائے گا تا کہ ان پر تحقیق کے بعد جہاں تک ممکن ہو ان سے مستفید ہوا جائے کیونکہ اللہ نے ہر امت اور ہر قوم میں اپنے نبیؑ اپنی وحی کے ساتھ بھیجے ہیں۔ ممکن ہے تحقیق سے اور مذاہب کی سچائیاں بھی سامنے آسکیں۔ تاہم یاد رہے کہ تمام مواد کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر کھرا کھوٹا الگ کیا جائے گا اور اگر اس میں کوئی کھوٹ نہ ہوگا تو وہ کلام عین قرآن کا عکس ہوگا۔ کیونکہ کلام الٰہی اپنے اصولوں اور نصوص کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور ایک ہی تعلیم انسان کو مرحلہ وار اور درجہ بہ درجہ دی جاتی رہی ہے جس کی تکمیل قرآن مجید میں کر دی گئی اور نبوت محمد ﷺ پر ختم ہوئی۔ تاہم اگر اس بات پر بوجوہ اتفاق رائے نہ ہو سکے تو پھر دنیا میں قومی اور علاقائی زبانیں تو رائج رہنے دی جائیں لیکن ایک بین الاقوامی زبان جس پر بھی سب اقوام کا اتفاق ہو جائے کو اختیار کرتے ہوئے تمام ممالک کے تعلیمی نظام میں لازمی زبان کی حیثیت سے نہ صرف پڑھایا جائے بلکہ ایک زبردست مہم اس زبان کے فروغ و استعمال اور آگہی کے لیے دنیا بھر میں چلا کر اس زبان کا ابلاغ ہر ہر فرد دنیا تک کیا جائے تا کہ وہ زبان دنیا کا ہر فرد بچپن ہی سے سیکھ لے اور بین الاقوامیت کے فروغ میں حصہ لے سکے۔

نوٹ: دنیا بھر کی ہر چھوٹی بڑی زبان کے لٹریچر میں انتہائی قیمتی علمی اثاثہ جات موجود ہوتے ہیں ان سب سے بلا تعصب مستفید ہونے کے لیے انھیں بڑی زبانوں میں ترجمہ کر کے ضرور محفوظ کر لیا جائے بلکہ ایسے ہر ایک مواد کو اصل زبان کے ساتھ بھی نمونہ کے طور پر محفوظ کیا جائے۔

قرآن کے حوالے سے ایک وضاحت اور یہی حتمی بات:

نوٹ: قرآن مجید میں لوگوں کی مختلف زبانوں کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے لہٰذا یہ سب قائم رہیں گی، صرف عربی وانگریزی کو سب اقوام کے لیے لازمی و بین الاقوامی زبانیں قرار دیا جائے۔

❀...❀...❀

Marfat.com

مضمون نمبر 16

کچھ عجائبات جنہیں میں نہ سمجھ پایا

بقول شاعر:

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

تو صاحب عقل کی باتیں بہت ہوئیں، ہم نے مذہبیات پر بھی بحث کی اور دنیا کی گتھیاں سلجھانے کی اپنی ناقص عقل کے مطابق گزشتہ اوراق میں کچھ نہ کچھ کوشش بھی کی۔

اب دل کی بھی سن لیجیے:

کہ اس کی اپنی نگری، اپنی حکومت، اپنی وزارتیں اور مشاورتیں ہیں۔ یہ جب تڑپتا ہے تو اس کو نہ مذہب دلاسہ دیتا ہے نہ فلسفہ اس کا دامن تھامتا ہے۔ آسمان خاموش اور زمین اجنبی بن جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی خوشی کو سہارا دینے کے لیے بعض اوقات اصول وقواعد دنیا اور منطق حیات بھی آگے نہیں بڑھ سکتے اور منہ چھپا لیتے ہیں۔ دل کی دنیا میں قاعدے اور ضابطے اپنی حقیقت کھو دیتے ہیں۔ آیئے دیکھیں دل کیا کیا کچھ چپکے چپکے محسوس کرتا اور عقل و مذہب کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفے کے در پہ دستک دیتا، آہ و فغاں کرتا اور بڑا واویلا مچاتا ہے لیکن اسے خاموش رہنے کا حکم ہے اور یہ بے چارہ ازل سے خاموش ہی چلا آرہا ہے یہ جب بھی گویا ہوا تب ہی اس پر کوڑا پڑا یا یہ سولی چڑھا ہے۔

یارو دنیا میں اتنی اونچ نیچ، قہقہے اور آنسو کیوں ہیں؟

یارو دنیا میں کہیں نوٹوں کے ڈھیر، ہیرے جواہرات کے صندوق وسائل حیات کے انبار خوبصورتیوں کے مینار، آسائشات حیات کے انبار، تکمیل خواہشات کے پہاڑ، طاقت کے کوہسار، نمائش کے بتان سنگار اور زندگی سے لبریز سبزہ زار کیوں ہیں۔ کیوں اس دنیا میں کوئی سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہوتا ہے اور کسی بچے کو کیوں آنسوؤں اور حسرتوں کی گھٹی پیدا ہوتے ہی پینا پڑتی ہے۔ غریب غریب کیوں پیدا ہوتا ہے معذور معذور کیوں پیدا ہوتا ہے۔ بیمار بیمار کیوں پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کسی بچے کو پیدا ہوتے ہی کینسر اور اس نوع کے دیگر موذی مرض گھیر لیتے ہیں۔ اس بچے کا گناہ کیا ہے جو اس دنیا پر آتے ہی خون تھوکنے لگتا ہے اور خون تھوکتے تھوکتے چند دن یا ماہ وسال گزار کا اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ایک ایماندار لیکن غریب شخص کے گھر میں ہر وقت بھوک کیوں بھنگڑا ڈالتی ہے۔ اس کی بیوی حسرتوں کی تصویر کیوں ہے اس کے بچے خواہشات سے دور

Marfat.com

کیوں پڑے بلک رہے ہیں۔ اس پر عرصۂ حیات تنگ کیوں ہے۔ آسائشاتِ حیات اس سے گریزاں کیوں ہیں۔ خوشی اس سے روٹھی ہوئی کیوں ہے بہاریں اس کے گھر کا رستہ کیوں فراموش کر دیتی ہیں۔ اس کے گھر میں رحمتیں کیوں نہیں برستیں۔ وہ زحمتوں کا گھر کیوں ہے۔ دوستو کبھی اس کی بیوی بغیر علاج تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہے کبھی اس کا کوئی بچہ ناکافی خوراک سے پیدا شدہ امراض کا نوالہ بن جاتا ہے۔ اے میرے قاریو مجھے بتاؤ اس کے لیے جائز ضروریاتِ حیات کے دروازے کیوں بند ہیں۔ وہ محنتی بھی ہے، ایمان دار بھی ہے، پرہیز گار بھی ہے، وفادار بھی ہے۔ پھر اسے زندہ رہنے کا حق کیوں نہیں دیا جاتا۔ اس دنیا کی بات تو جانے دیجئے کہ یہ ظالموں، حریصوں، کمینوں اور نفس کے پجاریوں سے بھری پڑی ہے لیکن خدا تو ان کا بھی ہے دنیا کو تو وہ چلا رہا ہے۔ ہر شے تو اس کے اختیار میں ہے۔ حاکمیت اعلیٰ تو اس کی ہے، پھر اس کی اس دنیا میں اتنا عدم توازن کیوں ہے۔ وہ اس قدر ظلم پر خاموش کیوں ہے۔ یقیناً ہر ہر کام میں اس کی حکمتیں پوشیدہ ہیں، ایمان اور عقل یہ ہمیں بتاتے ہیں لیکن دل تو دل ہے وہ یہ سب کچھ دیکھ کر دُکھتا اور چیخ و پکار کرتا ہے اس کا ہم کیا کریں اسے کہاں دفن کر دیں۔ ہم نے ضمیر تو دفن کر دیے، احساس بھی کفنا دیئے اور انسانیت کو بھی بھلا دیا لیکن دل سے پیچھا کیسے چھڑائیں کہ یہ ہر ہر دھڑکن کے ساتھ اس دنیا کے ان عجائبات پر ہزار ہزار سوال کرتا ہے ہم گو کہ اس کو بھی بے حسی سے مردہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب مردہ ہے کہ جب چاہتا ہے کفن سے سر نکال کر دنیا کے ظلم پر چیخنا چلانا اور اودھم مچانا شروع کر دیتا ہے عام آدمی کی بات تو بعد میں کریں گے آپ مجھے یہ بتائیں کہ اعلیٰ اخلاقیات سکھانے والے افراد، گروہ یا تہذیبیں انسان کی ان بدصورتیوں پر خاموش کیوں ہیں۔ یہ تقویٰ کے دعوے دار افرادِ معاشرہ اور مذہبی اشرافیہ کس طرح کوٹھیوں، کاروں، کارخانوں تعیشاتِ حیات، آسائشاتِ زندگی اور Bank balances کی مالک بن جاتی ہے جبکہ جس خدا کو یہ پوجتے ہیں اسی خدا کی مخلوق ایڑیاں رگڑ رگڑ کر انھیں چیزوں سے محرومی کی بنا پر ان کے دائیں بائیں دم توڑ رہی ہوتی ہے۔

مذہب کے ٹھیکیدار، سرمایہ داری نظام اور ظلم کو سہارا کیوں دیتے ہیں؟

کیا سرمایہ داری نظام کو سہارا دینے والے دنیا کے کسی بھی مذہب و نظریہ کے پیروکار علمائے دین و دنیا اس کا کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ باقیوں کو تو چھوڑیئے کیا اسلام اسلام کا راگ الاپنے والے مذہبی ٹھیکیداروں کے پاس اس کا کوئی علاج ہے وہ غور کریں کہ جب اللہ نے ضرورت سے زائد سب مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دے کر سرمایہ داری کی راہ ہمیشہ کے لیے بند کر دی تو پھر اسلام میں سرمایہ داری کو کیسے سہارا مل گیا۔ کیا امتِ مسلمہ ایک جسم کی مانند نہیں ہوتی کہ جس میں اسلامی روح ہوتی ہے جس طرح سے جسم کے کسی عضو کو زیادہ خون، کسی کو کم، کسی عضو کی ضروریات کیا، کسی کی کیا، کسی عضو کی کیا شکل، کسی کی کیا، کسی کا کیا کام کسی کا کیا، دماغ اس پر حکومت کرتا ہے۔ لیکن بے انصافی نہیں کرتا۔ ہر عضو کا خیال برابر رکھتا اور اس کی ضروریات پوری کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ دل سارے جسم میں خون کی ترسیل کرتا ہے لیکن ہر عضو اپنی ضرورت کے

Marfat.com

مطابق مستفید ہوتا ہے پھیپھڑے سارے جسم کو آکسیجن مہیا کرتے لیکن ہر عضو حسب ضرورت اس سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے جہاں کوئی عضو گڑ بڑ کرتا ہے تو ازنِ صحت بگڑ جاتا ہے اسے بیماری کہا جاتا ہے اور اس کا علاج کر کے اسے فوراً ہمارا جسم ٹھیک کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اگر بیماری سے صحت نہ ہوسکے تو انجام کیا ہوتا ہے بالآخر زندگی ہی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جسم مٹی میں جا ملتا ہے اور روح روٹھ کر کہیں اور جا ٹھکانا کرتی ہے۔ ثابت ہوا کہ جسم کے تمام اعضاء خوراک تو حسب ضرورت حاصل کرتے ہیں لیکن کام ودیعت شدہ صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔ جہاں انہوں نے خوراک یا ضروریات کو ضرورت سے زیادہ اسٹور کیا وہیں نظام بگڑا اور جہاں کسی عضو نے کماحقہ کام نہ کیا وہیں صحت میں خرابی پیدا ہوئی۔ یہ علاج و معالجہ کیا ہوتا ہے ہر عضو کو اس کی ضرورت کے عین مطابق غذا حاصل کرنے پر مجبور کرنا اور ٹھیک کام کرنے کی ترغیب دینا۔

اسلام تو ایک دین فطرت ہے، دولت کے ارتکاز کو روکتا ہے:

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے وہ بھی ہمیں اسی مثال کے مطابق زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے کہ کام تو کرو اپنی پوری صلاحیت و استعداد کے مطابق جو مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہے لیکن عوضانہ لو ضرورت کے مطابق، باقی اللہ کی راہ میں خرچ دو۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب ابھی اسلامی معاشرہ تشکیل پا رہا تھا ابھی حکومت قائم نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد حکومت قائم ہونا تھی اور اس نے اپنی اعلیٰ تشکیل کی طرف مسلسل سفر کرنا تھا۔ لہٰذا جب تک واقعی مومنین کی اسٹیٹ قائم نہ ہو جائے افراد فرداً فرداً دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور ضرورت مندوں تک اپنے ضرورت سے زائد وسائل حیات پہنچاتے رہیں گے تاکہ دولت کا ارتکاز نہ ہو اور جب اصل اسلامی ریاست (جس کی کوئی مثال حضرت عمرؓ کے دور حکومت کے بعد دنیا پر نظر نہ آئی) قائم ہو جائے تو افراد ضرورت سے زائد دولت و ثروت اور وسائل حیات کو حکومت کے پاس جمع کروا دیا کریں گے اور حکومت ان وسائل زندگی اور زر و جواہر کو ضرورت مندوں کے لیے استعمال میں لائے گی۔ اول تو کام صلاحیت کے مطابق اور مشاہرہ ضرورت کے مطابق ہوگا لیکن چونکہ یہ کمیونزم جیسا جبری معاشرہ نہ ہوگا کہ جہاں ریاست جبراً سب کچھ پر قبضہ کر لیتی ہے بلکہ انسان کی خوشی اور نیت سے ہی ایسا کیا جائے گا اس لیے یہ اسلامی فلاحی ریاست کا معاشرہ بن جائے گا۔ پھر غریب، مزدور، کارکن، دستکار وغیرہ وغیرہ کی تنخواہ اور مشاہرہ ڈاکٹروں، انجینئروں، تاجروں اور افسروں سے اتنا کم نہ ہوگا کہ ان کے گھروں میں بہاریں نہ اتریں بلکہ بادل ہر کسی گھر پہ برسے گا۔ بہار، خزاں، دکھ سکھ سب کا سانجھا ہوگا۔ سرمایہ داری کی لعنت اور کمیونزم کی گھٹن نہ ہوگی۔

صالح معاشرہ عجب ترقی کرے گا:

یہ صالح معاشرہ ایک عجب رنگ سے ترقی کرے گا۔ محبت اور بھائی چارے کی فضا ہوگی کسی کی بھی زندگی روگ نہ ہوگی۔ وسائل حیات تک سب کی رسائی ہوگی ہر طرح کا علاج ہر کسی کے لیے مفت ہوگا، اچھی سواری تھوڑے بہت فرق کے

Marfat.com

ساتھ سب کے لیے میسر ہوگی، انصاف سب کو برابر ملے گا، تحفظ سب کو برابر ملے گا۔ تعلیمی سہولیات سب کے لیے یکساں میسر ہوں گی۔ ہر طرح کی Services سب کے لیے Open ہوں گی۔ سرمائے کی غلط تقسیم کی بنا پر یہ دنیا جہنم ہے جب اس کا توازن درست کر دیا جائے گا، تو دنیا جنت بن جائے گی۔ پھر مزدور اور ساہوکار ایک نسبت سو (1:100)، یا ایک نسبت ہزار (1:1000) یا لاکھ کے فارمولے کے تحت سرمائے کے مالک نہ بنیں گے بلکہ تمام پیشوں، صلاحیت کاروں اور شعبہ جات حیات میں ایسا توازن زر اور تقسیم وسائل حیات پایا جائے گا کہ جو معاشرے کو حسن عطا کرے گا۔ پھر انسان اس قابل ہو سکے گا کہ فرشتے اسے سجدہ کریں اور کائناتی قوتیں اس کے سامنے جھک جائیں۔ اسی موقع کے لیے اقبالؒ نے فرمایا!

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

یہ تو تھی اسلام کے گوہر لاثانی سے انسان کی انسانیت کی تکمیل لیکن جہاں انسان کا بس ہی نہیں چلتا ایسے مناظر، ایسے لمحات، ایسے واقعات اور ایسے محسوسات بھی اس دل کو جھنجھوڑتے اور سوال کرتے ہیں:

ٹھیک ہے سرمائے کی منصفانہ تقسیم اور اسلام کے باقی ضابطۂ حیات سے بے شک زندگی کی بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں گی اور عمومی طور پر ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ اطمینان سے تسخیر کائنات کے عمل میں حسب استطاعت حصہ لے سکیں لیکن اس کے باوجود سوالات اٹھتے رہیں گے دل کی تشنگی کئی سوالوں کے جواب نہ پا کر بڑھتی رہے گی۔

دراصل ہم اس دنیا و کائنات اور اس کے معاملات کو جتنا سادہ سمجھتے ہیں یہ اتنے سادہ نہیں ہیں بلکہ یہ نہایت گنجلک، پیچیدہ ترین اور تہہ در تہہ معاملات ہیں جن کا جواب آج کے ترقی یافتہ انسانی ذہن کو نہ سائنس و فلسفہ یا منطق و تدبیر دیتے ہیں اور نہ ہی مذہب اور عقائد ان گتھیوں کو سلجھاتے نظر آتے ہیں جب تک کوئی ہمیں پھر سے سیدھی راہ پر نہ ڈال دے۔ آخر ہر مذہب و ملت میں کسی آنے والے نجات دہندہ کا انتظار تو لوگ صدیوں سے کرتے آ رہے ہیں۔ بہر حال دستیاب حالات میں جائزہ لیتے ہیں کہ دل کی دھڑکنیں کہاں کہاں زیر وزبر ہوتی ہیں۔

لاتعداد سوالات جن کا شاید کوئی جواب نہیں؟؟؟

سانپ پرندوں کے گھونسلوں سے ان کے ننھے منے بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے کھا جاتا ہے وہ انتہائی بے بسی سے بے چینی سے اڑتی اور چیختی چلاتی یہ منظر دیکھتی رہتی ہیں۔ یہی حال کئی قسم کے جانوروں کے بچوں کا ان کی ماؤں کے سامنے دوسرے خونخوار جانور کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کے بچے کو بھی ظالم انسان اس کی ماں کے سامنے چیر پھاڑ دیتے ہیں اور آسمان یہ تماشہ دیکھتا ہے لیکن خاموشی سے۔ بچہ ماں پہ ظلم اور ماں بچے پہ زندگی، آرام، چین آسائش، سکون سب نچھاور کر دیتی ہے اولاد اپنے سنہری مستقبل کے تانوں بانوں میں مصروف اور والدین ان کے انتظار میں زندگی ہار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہ صرف

Marfat.com

اولاد کی پیدائش کا باعث بنتے ہیں بلکہ لمحہ لمحہ زہر پھانک کر اولاد کو خوشیاں دیتے اور پروان چڑھاتے ہیں۔ ان گنت راتیں اپنے بچوں کو سکون کی نیند سلانے کی خاطر جو ماں آنکھوں میں کاٹتی ہے جب وہ زندگی کے آخری حصے میں آخری رات آخری سانسیں کینسر کے مرض میں گن رہی ہوتی ہے تو اس کی جوان تنومند اولاد اپنی اپنی خواب گاہوں میں مزے کی نیند سو رہی ہوتی ہے۔ جس بچے کی تعلیم و تربیت اور سنہرے مستقبل کے لیے باپ اپنی ہڈیاں چٹخا دیتا اور بال سفید کر دیتا ہے وہ بھرپور جوانی میں پہنچ کر اسے پیٹ کر گھر سے نکال رہا ہوتا ہے۔ ایک شخص بچپن میں یتیمی کی زندگی گزارتا، سٹریٹ لائٹوں میں بیٹھ کر پڑھتا لیکن اچھی نوکری سے محروم رہتا ہے مزدوری پہ مجبور کر دیا جاتا ہے۔ مہلک بیماری اسے اس وقت آن گھیرتی ہے جب اس کے دو تین بچے ابھی بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور بیوی سے بھی بوجوہ اسے کوئی سکون میسر نہیں آتا۔ اس کا نہ صرف یہ کہ علاج نہیں ہو سکتا بلکہ متعدی بیماری کی وجہ سے اس کی بیوی جلد ہی بچوں سمیت اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ احباب اور دوست کنارہ کر لیتے اور وہ ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے۔ لاش اس قدر متعفن ہو جاتی ہے کہ اسے اہل محلہ گڑھا کھود کر دبا دیتے ہیں یا میونسپل کمیٹی کے ملازم چوری چھپے اسے کسی گندے نالے میں پھینک آتے ہیں۔ کسی علاقے میں بھیانک زلزلہ آتا ہے ہزاروں لوگ مارے جاتے ہیں، لاکھوں یتیم بیوہ اور بے سہارا کھلے آسمان تلے موسموں کے رحم و کرم پہ ہوتے ہیں کہ مدد کے نام پر آنے والے لوگ ان کے گھروں کو لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ جوان بے سہارا لڑکیوں کو اٹھا لے جاتے ہیں، بچوں کو بیگار کیمپوں میں پہنچا دیا جاتا ہے اور امداد کے نام پر اکٹھا ہونے والا کروڑوں، اربوں روپے کا چندہ اور مال اسباب حکومت اور طاقت کے مراکز میں درجہ بہ درجہ تقسیم ہو کر بٹ جاتا ہے جس سے نئی نئی کوٹھیاں، شاندار گاڑیاں، جائیدادیں اور فیکٹریاں خرید لی جاتی ہیں۔ غریب بلک رہا ہے، مزدور مر رہا ہے، بیمار سسک رہا ہے مظلوم چیخ رہا ہے۔ ان کے گھروں میں اسی طرح کی قسمت و مقدر لیے بچے آئندہ نسل میں یہی سب کچھ Face کرنے کے لیے جنم لے رہے ہیں دوسری طرف لٹیروں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بچے پیدا ہوتے ہی اپنی ہتھیلیوں پر بہترین خطِ قسمت، خطِ شہرت، خطِ صحت، خطِ اقتدار، خطِ صنعت اور خطِ زندگی لیے زندگی کے سفر میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ یوں ہی نسل در نسل معمولی رد و بدل سے جاری ہے کہ کہیں کئی دہائیوں کئی صدیوں کے بعد جا کر شاید شاذ و شاذ کوئی گھرانہ یا طبقہ اوپر نیچے ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں حسرتوں، آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کو قہقہے، مسرتیں، آسائشیں، دولتیں اور طاقتیں اندھا دھند نگل رہی ہیں۔ کوئی خوشی کی تمنا میں زندگی ہار رہا ہے اور کسی کو راہ میں پڑی مل رہی ہے۔ بارشیں اور سیلاب غریبوں، محروموں اور مقہوروں کی بستیوں ہی کو کیوں نگل رہے ہیں یہ لاکھوں غریب بے سہارا لوگ ایمان دار اور انمول لوگ کیوں قدرتی آفات سے مر رہے ہیں۔ بیماری کا حملہ بھی ان پہ ہوتا ہے سیلاب بھی انھیں بہاتا ہے، بارشیں بھی انہی کے گھروں کو گراتی ہیں۔ آندھیاں بھی انہی کے جھونپڑے مسمار کرتی ہیں، عدالتیں بھی انہی کو سزائیں سناتی ہیں۔ پولیس سے بھی انھیں کی چمڑی ادھیڑتی ہے۔ غم و آلام بھی انھیں پہ حملہ آور ہوتے ہیں جبکہ لٹیرے، ظالم، کمینے، ذخیرہ

Marfat.com

اندوز، بنئے، موقع شناس، غدار قوم و وطن و ملک نہ صرف یہ کہ دولتوں میں کھیلتے اور تمام آسائشات حیات سے متمتع ہوتے ہیں بلکہ قدرتی آفات انھیں بچا کر گزر جاتی ہیں۔ عام طور پر نہ انھیں سیلاب ڈبوتے ہیں نہ انھیں مسلسل بارشیں تنگ کرتی ہیں نہ زلزلے سے وہ زیادہ متاثر ہو پاتے ہیں نہ جنگیں ان پر مسلط ہوتی ہیں نہ بیماریاں ان محلوں کو ویران کرتی ہیں اور نہ بدقسمتی ادھر منہ کرتی ہے۔ چلیں مانا کہ بہت سے چرند پرند اور درند محض اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے نہایت بے رحمی سے دوسرے جاندار کی جان کے درپے ہوتے ہیں۔ جنگلی بھینسے، بیل اور جھنڈ سے بچھڑے ہاتھی کے بچے کو خونخوار جنگلی کتے یا شیر و چیتے زندہ حالت میں ہی اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کے کھا جاتے ہیں اور اس کی وحشت و دہشت ناک آنکھوں سے زندگی سسکتے سسکتے دھیرے دھیرے رخصت ہو جاتی ہے۔ خونخوار درندے مزے لے لے کر زندہ ہرن کو چبا کر کھا جاتے ہیں۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب فطرت کی بے رحم طریق کی غذائی زنجیر سہی۔ لیکن شیرنی مادہ کے حصول کے لیے اس کے ننھے چھوٹے بچوں کو ہلاک کیوں کر دیتا ہے، خوبصورت عورت کے حصول کے لیے اس کے خاوند اور بعض اوقات بچوں کو کوئی انسانی بھیڑیا کیوں دھوکے سے موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ زخمی پرندے کا گوشت اس کے ساتھی پرندے ہی کیوں ٹھونگے مار مار کے کھانے لگ جاتے ہیں۔ آخر فطرت اتنی زیادہ سنگ دل کیوں ہے۔ حصول اقتدار، دولت و شہرت، زن و جائیداد کے لیے کیوں لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹ دیا جاتا ہے۔ اپنے محسنوں کو کیوں قتل کر دیا جاتا ہے کیوں باپ بیٹے کو، بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کو، بہن بہن کو اور خون اپنے خون کو مال و دولت دنیا اور چند روزہ اختیار و اقتدار کے لیے تہہ تیغ کر دیتے ہیں۔ حکمران اپنے دور اقتدار کی چند سانسیں بڑھانے کے لیے لاکھوں لوگوں کو کیوں خود ہی موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔ وفا بے وفائی کی بھینٹ کیوں چڑھ جاتی ہے۔ ہم اپنے وفادار ترین رشتہ داروں، ساتھیوں اور دوستوں کو کیوں مطلب نکل جانے پر ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں۔ قدم قدم پہ ساتھ دینے والوں کو ہم بلندی پہ پہنچ کے کیوں نیچے دھکیل دیتے ہیں۔ کبھی ہمیں جن لباسوں نے خوب زیب و زینت بخشی ہوتی ہے ہم انھیں پرانا ہو جانے پہ ان کی ٹاکیاں اور صافیاں کیوں بنا لیتے ہیں۔ کل جو تاج سروں پہ سجتا تھا آج وہ بوسیدہ ہو کوڑے کے ڈھیر پہ کیوں رکھا ہے۔ ہوا کو جوش دینے والے درختوں کے پتے کیوں خشک ہونے کے بعد اسی ہوا کے دوش پہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ گھنگرو پائل میں تو لوگوں کی جان تھا، اس سے جدا کیا ہوا کہ لوگوں نے اسے اپنی ٹھوکروں پہ رکھ لیا۔ ایک امیر کے کوڑے دان میں اتنی خوراک کیوں گل سڑ رہی ہے جتنی دس غریب گھرانوں کا خالی پیٹ بھر سکتی ہے۔ امیروں کے گھروں میں رشتوں کی لائنیں اور غریبوں کی بیٹیوں کے سروں میں بن بیاہے چاندی کیوں اتر آتی ہے۔ یہ رنگ، نسل، قومیت، معاشرتی مقام، معاشی حالت، فرقہ بندی، مذہب و ملت، ذات پات دو دلوں کو کیوں نہیں ملنے دیتے۔ خدا دلوں میں ایک دوسرے کے لیے شدید محبت ڈال کے انھیں ملاتا کیوں نہیں ہے۔ کیوں انھیں جدائی کے عذاب میں ڈال کر سکتا ہے۔ ماں سے اس کا بچہ کیوں چھین لیتا ہے۔ بچے سے اس کی ماں کیوں دور

Marfat.com

کر دیتا ہے۔ خدا لوگوں کو یتیم کیوں کر دیتا ہے بے سہارا کیوں کر دیتا ہے۔ کھیلنے کودنے کی عمر میں ہی بچوں کو غم روزگار کیوں لگا دیتا ہے۔ ان بچوں کے دلوں میں حسرتیں اور آنکھوں میں آنسو بھر کے خدا کو کیا ملتا ہے۔ وہ رب عظیم بڑھاپے میں اولاد عطا کر کے آخر چھین کیوں لیتا ہے۔ بوڑھے والدین کی اکلوتی اولاد کو کسی حادثے میں ہلاک کر کے ان بڈھوں کے مسلسل بہتے آنسوؤں سے آخر کیوں کھیلتا ہے۔ وہ قادر مطلق کسی شخص کے دل میں اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کی ان دیکھی زنجیریں ڈال کر پھر اسے غیر مرد کی بانہوں میں کیوں جھلا دیتا ہے۔ اِدھر محبت وفا کی بھٹی میں جلتی ہے اور اُدھر بے وفائی بانہیں بدلتی چلی جاتی ہے۔ پھر وہ مالک اس پہ اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس سزا کے بعد اس کی بیٹیوں کے گھر یکے بعد دیگرے اجاڑ کر اس کے لیے نئی سزا تجویز کرتا ہے بلکہ ان بیٹیوں کے گھروں کے اجڑنے کا ذمہ دار بھی اس باپ کو ہی ٹھہرا دیتا ہے وہ ابھی زخم ہی چاٹ رہا ہوتا ہے کہ بیٹے بھی نافرمان ہو جاتے ہیں۔ بیماریاں بھی اسے آلیتی ہیں۔ تنہائیوں سے تو اس کا ساتھ پرانا تھا کہ اب یاس اور ناامیدی بھی آن ڈھیرے جماتی ہے اور عبرت ناک موت کے وسوسے اس کا دل دہلاتے ہیں۔ مذہبی ٹھیکیدار دنیا میں جہاں جہاں بھی ہیں یہ دنیا کے لیے دین کیوں جھوٹے فتووں کی شکل میں فروخت کر دیتے ہیں۔ انصاف بکتا کیوں ہے۔ مجبوریاں برائے فروخت کیوں ہیں، حسن کی بولی کیوں لگائی جاتی ہے۔ سچ کا گلا کیوں دبایا جاتا ہے۔ حق کو باطل کیوں گھیرے رکھتا ہے بظاہر شیطان کی حکمرانی کیوں ہے۔ مادہ بچھو کے بچے ماں کے پیٹ سے اس کی آنتیں کھا کر اور پیٹ چیر کر کیوں جنم لیتے ہیں۔ جو جانور ہمیں عمر بھر دودھ پلاتے ہیں ہم بالآخر ان کے گلے پہ چھری کیوں پھیر دیتے ہیں۔ ساری جوانی جو گدھا ہمارا بوجھ اٹھاتا، ہمیں روزی مہیا کرتا ہے ہم اسے بوڑھا ہونے یا اس کی ٹانگ ٹوٹ جانے پر گھر سے کیوں نکال دیتے ہیں۔ نفسیاتی مریضوں، جذباتی عدم توازن کے شکار لوگوں اور غبی الذہن افراد کو ہم پاگل خانوں کے وحشت ناک ماحول میں مکمل پاگل ہو جانے کے لیے کیوں چھوڑ آتے ہیں۔ چاہے یہ ہمارے خون کو گرمانے، دل کو دھڑکانے اور خوشیوں کو مہکانے والے جان سے پیارے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ ہمارے پاس ان کا غم بانٹنے کے لیے وقت کیوں نہیں ہوتا۔ ہم صرف اپنے ہی لیے کیوں جیتے ہیں دوسروں کے لیے کیوں نہیں جیتے۔ پروانہ شمع پہ کیوں جل مرتا ہے، لیلیٰ کو مجنوں کیوں نہیں ملتا۔ سوہنی کیوں دریا کی بپھری ہوئی موجوں کی نظر ہو جاتی ہے۔ فرہاد سر میں تیشہ کیوں مار لیتا ہے اور ہیر کو زہر کیوں دے دیا جاتا ہے۔ آخر بے پناہ محبت کا انجام حسرت زدہ سولی پہ جھولنا کیوں لکھ دیا گیا ہے۔ نبی زادےؓ کا سر یزید کے نیزے پہ کیوں ہے۔ کہیں ابراہیمؑ کو آگ نہیں چھوتی، اسماعیلؑ کے گلے پہ چھری نہیں چلتی اور کہیں ننھے اصغرؓ کے حلق میں تیر ترازو ہو جاتا ہے اور رحمت اللعالمین ﷺ پر سواری کرنے والا حسینؓ مع اپنی تمام اولاد کے میدان کربلا کو شدید بھوک و پیاس کی حالت میں اپنے خون سے سرخ کر جاتا ہے۔ آسمان یہ سب دیکھتا ہے لیکن ٹوٹتا نہیں، زمین لرزتی نہیں۔ نبی زادیوں کے سروں سے چادریں نوچی جاتی ہیں لیکن سورج تاریک نہیں ہوتا اور دیکھنے والے لوگ اندھے نہیں ہوتے آخر کیوں؟ مسلمان، یہودی، عیسائی اور سب اہل کتاب ایک

Marfat.com

دوسرے کے سر کاٹ کاٹ کر پہاڑ تعمیر کر چکے۔ اس ایک اللہ کے ماننے والوں نے زمین کا خاکی رنگ بدل کر سرخ کر دیا۔ خون کے دریا بہا دیے تو آخر قیامت کیوں نہ آئی؟ امن کی مالا جھپنے والے ہندوازم، بدھ مت، اہل زرتشت، جین مت اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے زمین کے امن کو تہہ و بالا کر دیا تو کیوں بھونچال نہ آیا، کیوں سمندر خشکیوں پہ نہ چڑھ دوڑے اور کیوں ان پہ بجلی نہ گری۔ کچھ پھول صرف مزاروں کے لیے کیوں کھلتے ہیں کچھ دل صرف غموں کے لیے کیوں دھڑکتے ہیں، کچھ آنکھیں صرف آنسوؤں کے لیے کیوں کھلتی ہیں۔ کچھ عزتیں صرف لٹنے کے لیے کیوں ہوتی ہیں۔ کچھ خواہشیں صرف حسرتوں کا مزار کیوں بنتی ہیں، کچھ روحیں جسموں میں صرف جلنے ہی کی خاطر کیوں بسیرا کر لیتی ہیں، کچھ لوگ بغلگیر ہو کے دلوں میں خنجر کیوں اتار دیتے ہیں، کچھ لوگوں کی سانسیں دو دھاری تلوار کیوں بن جاتی ہیں، کچھ جگر سیخ پہ کیوں چڑھ جاتے ہیں کچھ دامنوں کے مقدر میں خالی رہنا کیوں لکھ دیا جاتا ہے۔ جن پتھروں کو ہم دھڑکنیں عطا کرتے ہیں وہ زبان ملنے پر ہم ہی پہ کیوں برس پڑتے ہیں۔ آشیانے کو جب آگ لگ جائے تو جن پہ تکیہ ہوتا ہے وہی پتے کیوں ہوا دینے لگ جاتے ہیں۔ جس مرمریں بدن پہ ہم جان دیتے ہیں اس کی روح کا رنگ کیوں کالا ہوتا ہے۔ تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف دیکھیں تو اپنے ہی دوستوں سے کیوں ملاقات ہو جاتی ہے۔ ہماری جان سے پیارے ہمارے سامنے زہر کیوں رکھ دیتے ہیں اور یہ منظر دیکھ کے زہر کھا لینے کو ہمارا دل کیوں چاہتا ہے۔ لوگ اس رنگ برنگ خوشبوؤں اور بہاروں میں بسی دنیا میں بالآخر خودکشی کرنے پہ مجبور کیوں ہو جاتے ہیں۔ صبر بالآخر کیوں ختم ہو جاتے ہیں۔ امیدیں زندگی بھر ساتھ دینے کے بعد کیوں ٹوٹ جاتی ہیں۔ جن حادثوں کے ذکر سے ہی جان جاتی ہو وہ وقت کی مجبوریوں میں کیسے گوارہ ہو جاتے ہیں۔ معصوم لوگوں کے ساتھ کیوں دغا بازیاں ہوتی ہیں۔ سفاک لوگوں کو سلامیاں کیوں دی جاتی ہیں۔ قسمت کی دیوی کچھ لوگوں پہ ہمیشہ مہربان اور کچھ لوگوں سے ہمیشہ گریزاں کیوں رہتی ہے۔ جسم کے عذاب کیا کم ہوتے ہیں کہ روح کے آزار اس سے بھی فروتر ہوتے ہیں۔ جان کے روگ کیا کم ہوتے ہیں کہ جان کنی کے لمحات بھی طویل ہو جاتے ہیں۔

میں اپنے دل کو بہت سمجھاتا اور فلسفہ حیات سے کئی جواب دیتا ہوں مگر وہ نہیں مانتا:

میں اپنے دل کو تو بہت سمجھاتا ہوں اور فلسفہ زندگی سے بڑے اچھے اچھے جوابات ڈھونڈ کر اسے پیش کرتا ہوں ہر بات کی کوئی نہ کوئی منطق بنا کے اسے سمجھاتا ہوں۔ مذاہب عالم سے فلسفہ کائنات نکال نکال اسے پیش کرتا ہوں، غرض اسے طرح طرح لوریاں دیتا، کہانیاں سناتا اور راگ الاپتا ہوں لیکن جانے خدا نے یہ کیا شے بنائی ہے کہ وقتی طور پر ہاں ہوں کہہ تو دیتا ہے لیکن اس کی تشنگی، حیرانگی، تجسس و تلاش اور اس کی آنکھوں میں بھرے سوالات ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے اور یہ کچھ عرصہ چپ سادھ لینے کے بعد پھر بولنے لگتا ہے اور کہتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں دنیا سے روٹھ جاؤں، زندگی مجھ سے روٹھ جائے، دھڑکنیں الوداع ہو جائیں اور میں مٹی میں جا ملوں۔ میرا کچھ علاج ڈھونڈ دو، میرے سوالوں کے کچھ ایسے جواب دے دو

Marfat.com

کہ میرے بعد اس مٹی سے جو دل بنیں ان کی حسرتنا کیاں مجھ سی نہ ہوں مرتے سمے ان کی آنکھیں یوں پتھرائی ہوئی نہ ہوں وہ تو چین سے جی سکیں، اطمینان سے مرسکیں اور پھر وہ یوں گویا ہوتا ہے جب کسی شب تیز آندھیاں چلتی ہیں تو صبح گھنے درختوں تلے معصوم چڑیوں کی لاشیں کیوں پڑی نظر آتی ہیں ان ننھی کمزور چڑیوں نے بپھرے طوفانوں کا کیا بگاڑا تھا۔ ٹرک نے ایک نوماہ کی حاملہ کو اسکے پیٹ کے بچے سمیت کیوں کچل دیا۔ بم دھماکوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں گھروں کے چراغ کیوں بجھا دیے۔ ایک مذہب کے لوگوں نے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا قتل عام کیوں کیا نہ معصوم بچوں پہ رحم کھایا نہ نازک عورتوں پہ نہ بوڑھوں کو بخشا نہ معذوروں اور بیماروں کو۔

کیا آسمانوں سے مذہب اس لیے نازل ہوئے کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹو، ذرا غور تو کریں مذہب ہے کیا شئے؟ ہم نے اسے بنا کیا دیا ہے؟

کوئی خدا کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے تو کوئی ہاتھ جوڑے۔ کوئی سینے پہ کراس بناتا ہے اور کوئی ماتھے پہ اُس کے نام کا ٹیکہ لگاتا ہے کوئی ڈھول کی تھاپ پہ ناچ کے رب کو راضی کرتا ہے اور کوئی مختلف قسم کے بھجن، اشلوک اور قوالیاں گا کے اسے منانا چاہتا ہے کوئی اس کے سامنے ادب سے کھڑا ہوتا ہے، کوئی جھکتا ہے اور کوئی سجدے میں گر پڑتا ہے کوئی اس کے نام پہ مال و دولت اور جانور قربان کرتا ہے اور کوئی خود قربان ہو جاتا ہے۔ ہم یہ سب اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں نجات مل جائے جنت مل جائے، غموں سے چھٹکارا مل جائے یا ہم خدا کے قریب ہو جائیں، بھگوان کی ہم پہ نظر ہو، مالک کی کرپا ہو، اصل میں انسان بہت خود غرض ہے۔ جیسے اس دنیا کے معاملات میں چھینا جھپٹی سے فوائد اپنی ذات کے لیے حاصل کرتا ہے، اسی طرح خدا سے بھی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے ذریعے کاروبار کرتا ہے کیونکہ اسے یہی بتایا گیا ہے کہ کتنی اور کیسی عبادت کا کیا ثواب اور فائدہ ہے۔ انسان دنیا میں بھی سب کچھ ہڑپ لینا چاہتا ہے اور آخرت میں کثیر حصہ چاہتا ہے۔ لیکن کتنے پاگل ہیں یہ سب مذہب زدہ لوگ جو یہ نہیں جانتے کہ مذہب تو انسانیت کا نام ہے اور انسانیت ہے کسی کے لیے کچھ کرنا، کسی کو کچھ دینا، ہر ہر لحہ اور ہر ہر سانس دوسروں کے کام آنا۔ خود کو خلق خدا کے لیے وقف کر دینا، بغیر کسی مذہبی، لسانی، نسلی، علاقائی، طبقاتی اور جغرافیائی تعصب کے۔ آپ جوں جوں اس میں ترقی کریں گے رب کے نزدیک ہونگے یہ ہی مذہب کا اول و آخر ہے، یہی تمام مذہبی کتب اور آسمانی ہدایات کا نچوڑ ہے اس کے سوا سب دھوکہ ہے، عیاری ہے، مکاری ہے اور مذہبی، سیاسی، معاشی، نسلی، طبقاتی، لسانی و جغرافیائی دکانداری ہے جس کا ایندھن ہم اور آپ سب بن رہے ہیں۔

میرے جواب پہ دل لحہ بھر کے لیے خوش تو ہوا مگر پھر حسرت سے آسمان پر ٹکٹکی باندھے رونے لگا:

میں نے جب اپنے دل کو اس کے اک سوال کا یہ جواب دیا تو وہ بڑا خوش ہوا، لیکن پھر حسرت سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا کہ جب سب دنیا پہ حکمرانی اس وحدۂ لاشریک اختیارات کی مالک ایک، ہستی کی ہے تو پھر ایسا ہوتا کیوں نہیں ہے کیا

Marfat.com

زمین انسانی وحیوانی خون کی اتنی پیاسی ہے کہ خدا ہزاروں لاکھوں سالوں سے اس کی مسلسل پیاس بجھا رہا ہے۔ کیا اس زمین کی صفائی کے لیے پانی کم ہے کہ قرن ہا قرن سے اسے خلق خدا کے آنسوؤں سے غسل دیا جا رہا ہے۔ کیا لوگوں کی سسکیوں، آہوں اور کراہوں کی موسیقی کائنات کی روح کو زیادہ مسحور کرتی ہے لیکن اب بھلا اس پگلے دل کو میں اس کا کیا جواب دوں۔ وہ پھر بولا اور کہنے لگا ایک بچہ کسی معمولی جرم میں ایک دفعہ جیل کیا گیا کہ اس کی ساری زندگی کوئی والی وارث نہ ہونے کی وجہ سے جیل میں گزر گئی وہ بچہ یورپ، امریکہ، افریقہ، ایشیاء، آسٹریلیا سب کے سب براعظموں اور ان کے ملکوں میں موجود ہے ان سے سوال پوچھتا ہے کہ میرے کھلونے کدھر ہیں، میرے ماں باپ کہاں ہیں، میرا خدا کون ہے، میری آرزوئیں، میری خواہشوں کی تکمیل کے پرستان کہاں کھو گئے۔ میری تعلیم وتربیت کا کیا بنا، میری جوانی کی امنگیں کون بھگا لے گیا، میری زندگی کو کس نے اسیر کیا، میرا بڑھاپا سلاخوں کے پیچھے کیوں گل سڑ رہا ہے۔ کیا کوئی جواب دے گا کیا خوبصورت محلوں، پرآسائش، خواب گاہوں اور حسن کی پناہوں میں سوئے لوگ کسی اور خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ کیا زمین پہ کئی قسم کے چھوٹے بڑے خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کی حکومت ہے جن میں کچھ ظالم اور کچھ رحم دل ہیں۔ کیا مختلف خدا آپس میں ازل سے نبرد آزما ہیں۔ اس دنیا کو دیکھ کر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس کے سوا کوئی عقیدہ دل کو مطمئن نہیں کرتا۔ اگر خدا واحد ہے، لاشریک ہے، تمام طاقتوں کا مالک اور ہر شے کا خالق ہے تو پھر اس کی اس دنیا میں تو ایسا کبھی نہیں ہونا چاہیے، اس کو تو اپنے بندوں کی مدد کے لیے آنا چاہیے، ظالم کا ہاتھ روکنا چاہیے، بے سہاروں کا سہارا بننا چاہیے، لیکن یہ کیا کہ وہ اپنے ہونے کا ثبوت نہیں دیتا۔ فلسفۂ وحدانیت گو کہ حق ہے اور ضروری ہے۔ لیکن!

وہ احد جس نے اپنی پہچان کے لیے یہ دنیا بنائی اس کی بدصورتیوں کو ختم کیوں نہیں کرتا؟

بہر حال یہ دل کی باتیں ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ وہ خدا جو کرتا ہے ٹھیک کرتا ہے، ایمان کہتا ہے کہ اس کے ہر کام میں حکمت تہہ در تہہ پوشیدہ ہے، اس نے اتنی بڑی کائنات چلانا ہے اس کا ہر کام ہر تخلیق ہر ثنائی عین حق ہے، اس کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں، اس کی بڑائی کی کوئی حد نہیں، وہ اس دنیا میں جتنا بڑا امتحان لیتا ہے، اگلے جہان میں اتنا ہی بڑا انعام دیتا ہے۔

دل کو آخری جواب! اُس کے قُرب کا راستہ معکوس ہے:

دنیوی قوانین قرب خدا سے مانع ہیں، یہاں کی سولی وہاں کا تاج ہے۔ دل کی ''ظاہری و دنیوی'' اور ''باطنی و حقیقی'' دو دنیائیں ہیں۔ مندرجہ بالا سطور میں دل کی ظاہری حالت اور محسوسات کا ذکر ہے لیکن دل کی اصل اس کی باطنی حالت ہے جسے ''قلب'' بھی کہتے ہیں۔ دل کے ظاہر اور اس کے باطن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان میں نسبت معکوس ہے ان کو جوڑیں تو یہ ایک دوسرے کو دور دھکیلتے ہیں۔ اس دنیا کی پیاس اور بھوک، غم اور دکھ، کرب اور اذیت، حسرت اور پریشانی، آہیں

Marfat.com

اور سسکیاں، اُس دنیا کی کامیابیاں وکامرانیاں ہیں یہ وہ خوارک ہے جو اگر پورے ایمان کے ساتھ وصول کی جائے اور صبر و توکل نیز محبت الٰہی کے ساتھ اسے ہضم کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ قربِ خداوندی کے در وا کرتی ہے۔ عشقِ حقیقی کی منازل کا ایندھن ثابت ہوتی ہے۔ یہاں سے خاص لوگوں کی باتیں اور خاص واردات شروع ہوتی ہے، جس کا ذکر عام لوگوں یعنی ظاہری دنیوی دل رکھنے والوں کے سامنے نہیں کیا جاسکتا ہے۔

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمدؒ کتیاں اگے دھرنی

Marfat.com

مضمون نمبر 17

خدا کون ہے؟ کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جو انسان کے ذہن میں ابتدائے آفرینش ہی سے پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس کے جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے انسان نے کبھی قدرتی مظاہر مثلاً سورج، چاند، سمندر، پہاڑ، صحرا اور دریا وغیرہ کو خدا تسلیم کیا اور کبھی قدرتی آفات مثلاً آندھی، طوفان کڑک وبجلی، زلزلے، سیلاب، آگ، جان لیوا مرض وغیرہ کو خدا کہا یا دیوی دیوتا سمجھا اور پھر یوں بھی ہوا کہ اپنے ہی ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھروں کو صنم بنالیا۔ مختلف طاقتوں اور قدرتوں کے بظاہر مختلف بت بنا کر بت خانوں کو رونق بخشی۔ البتہ اس تمام تر شرک و جہالت کے ساتھ ساتھ انسان شروع ہی سے کسی ان دیکھی ہستی کو ان سب سے بڑا اور مالک وخالق خدا کسی نہ کسی طور پر کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی ایمان و فلسفے کی روح سے ضرور مانتا رہا ہے۔ گو کہ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کا علم بذریعہ انبیاء کرامؑ انسان کو بخشا لیکن اپنی ہیئت، شکل وشباہت یا ہماری حسّوں کے ذریعہ محسوس ہونے والا اپنی ذات کا ادراک کسی کو نہ دیا۔ انبیاءؑ واولیاؒ سے کلام فرمایا لیکن انسانی آواز کے ساتھ کہ جسے سن کر انسان سمجھ سکے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کی قوم کی خواہش۔ دیدار پر فرمایا کہ "کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ مجھے دیکھ سکے"۔ پھر حضرت موسیٰؑ سے جب انہوں نے اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سامنے پہاڑ پر نگاہ کرو، اگر وہ میری ایک تجلی کو سہار کر اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، لیکن ربِ کریم کی عظیم ہلکی سی تجلی کو کہ جس پر ہم سب کی گردنیں نثار ہیں ایک جھلک کی صورت بھی پہاڑ برداشت نہ کرسکا اور جل گیا اور موسیٰؑ اپنے ساتھیوں سمیت جان سے فارغ ہوگئے یا یوں کہیئے بے ہوش ہو گئے۔ اللہ نے انھیں پھر زندہ کیا ہوش میں لایا۔ وہ ہوش میں آتے ہی بے اختیار سجدے میں گر گئے اور نہ صرف تسلیم کیا کہ اللہ کو دیکھنے کی سہار کسی شے میں نہیں بلکہ اپنی بات اور اقرار سے جو انہوں نے اپنی قوم کی ضد کی وجہ سے کیا تھا تائب ہوئے۔ جب معاملہ یہ ہے تو پھر ہم کیونکر خدا کو سمجھ سکتے ہیں۔ آیئے اس نکتے کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

میں نے اس نکتے پہ نہ صرف یہ کہ کافی سوچا اور غور وخوض کیا ہے بلکہ اس کی تہہ میں اترنے کی کوشش کی ہے اور اپنی تمام تر کوشش کے بعد صرف یہاں تک پہنچا ہوں کہ جو چیزیں، جو عجائبات، جو لمحات، جو جذبات، جو ادائیں، جو واردات یں اور جو جذبات ہمارے دل کو چھوتے اور چھو کر بھونچال لے آتے ہیں اور جس سے ہمارا یہ چھوٹا سا دل ایسی بے خودی میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ یہ کسی اور ہی گہرے سمندر میں جا غرق ہوتا ہے تو اسی کو خدا کی قربت، معرفت حسبِ توفیق، ادراک ربّانی یا کسی انسانی امکانی حدود تک تصوّرِ خدا کہا جاسکتا ہے یا بہر حال خدا کے نورِ عظیم کی کچھ جھلک کسی حد تک اس میں ضرور ہوتی ہے۔ میں اپنی مندرجہ ذیل بحث میں اسی کو خدا کہوں گا کہ یہ خدا تو نہیں ہے لیکن چونکہ خدا سے جدا بھی نہیں ہے اور میں امکانی حد تک خدا

Marfat.com

کے اتنا ہی قریب جا سکا ہوں لہٰذا اپنے محسوساتی خدا کی جھلک آپ کو بھی دکھانا چاہتا ہوں۔

چلئے خدا کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں:

انبیاءؑ ورسلؑ کی زندگیوں اور ان کی زندگی کے واقعات میں تو خدا جھلکتا ہی تھا لیکن ہم عامیوں کی زندگیوں میں وہ کہاں ہے؟ باپ کی شفقت میں خدا ہے، ماں کی ممتا میں خدا ہے، ظالم کو ظلم سے روکنے والے ہاتھ میں خدا ہے، سردی میں کانپتے ٹھٹھرتے فقیر پر جس نے لحاف ڈال دیا اس میں خدا، یتیم کی آنکھوں میں تیرتے آنسو جس نے خشک کر دیئے اس میں خدا ہے، بیوہ کی اجڑی مانگ میں صندور بھرنے والے میں خدا ہے، بوڑھے مزدور کو سہارا دینے والے، زخمی و بیمار کا علاج کرنے والے، اندھے کی لاٹھی بننے والے، معذور کا ہاتھ پاؤں بننے والے، طوائف کو سُدھار کر اس کا پتی بننے والے، غلام کو آزاد کروانے والے، قیدی کو رہا کروانے والے اور مایوس کو امید دینے والے میں خدا ہے۔ پیاسی زمین میں بارش کی بوندیں اللہ کا پیغام ہیں۔ شیر خوار کے رونے پہ ماں کے پستانوں سے دودھ کا ٹپکنا اللہ کی شان ہے۔ شدت کی گرمی میں درخت کا سایہ اللہ کی پہچان ہے۔ سخت سردی میں سورج کی حدّت رب کا بُرہان ہے اور کسی ڈوبنے والے کو ڈوب کر بچانے والا اللہ کا احسان ہے۔ رب شدّت غم میں بہنے والے آنسوؤں میں رہتا ہے، رب دل پہ لگنے والی چوٹ میں رہتا ہے، رب اس درد میں رہتا ہو جو جان سے عزیز لوگ آپ کے دل کو دیتے ہیں، رب ٹوٹے ہوئے دل میں رہتا ہے وہ اس آہ میں رہتا ہے جو اس حالت میں نکلے، وہ اس سسکی میں رہتا ہے جو اس وقت نکلے، وہ ان برستی آنکھوں میں رہتا ہے جو اس لمحہ جھڑی لگا دیں۔ یارو رب دل کی کرچیوں میں بستا ہے ان سے ٹپکنے والی لہو کی بوندوں میں رہتا ہے اپنوں کے دھوکے سے حیران نگاہوں کی حیرانگی میں آباد ہے رب ان لرزتے ہونٹوں میں رہتا ہے جو جوان بیٹے سے تھپڑ کھا کر ماں یا باپ کے بس میں نہیں رہتے۔ رب غریب کی بچی کی ان چیخوں میں رہتا ہے جو عزت لٹتے سمے بے اختیار نکل کے ماتم کریں، رب بھوکوں، ننگوں محتاجوں اور بے سہاروں کی اس ٹکٹکی بندی بے آس نگاہوں میں رہتا ہے جو نہ جانے کہاں کھوئی ہوتی ہیں اور پھر ایک نئے زاویے سے دیکھیں تو رب صبر میں ہے شکر میں ہے، ترس میں ہے رحم میں ہے معافی میں ہے برداشت میں ہے کسی کا قرض چکانے میں ہے کسی کا علاج کروانے میں ہے سہارا بننے میں ہے شفاء دینے میں ہے امید بننے میں ہے مرہم رکھنے میں ہے سایہ بننے میں ہے دعائیں لینے میں ہے اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے میں ہے کتنی عجیب بات ہے ایک طرف تو ہر طرح کے درد، تکلیف، اذیت آنسوؤں اور آہوں میں خدا ہے اور دوسری طرف حد سے بڑھے ہوئے آنسوؤں کو قہقہوں میں بدلنے اور نالوں کو گوہر مراد سے بھرنے میں بھی خدا ہی ہے۔ دعا کرو کہ یا تو تمہیں درد ملے کہ خدا تمہارے پاس رہے یا پھر کسی کے درد کی دوا بن جاؤ کہ خدا ساتھ رہے۔ رکوع و سجود اور قیام نماز، حالت صوم یا ادائے زکوٰۃ، طواف کعبہ یا سعی صفا و مروا، عمرہ یا حج، تسبیح یا ورد و وظائف، اللہ ھو کے نعرے میں سانس کی ضربیں دیر دل پہ، داڑھیاں یا ٹوپیاں، مسواکیں، یا ٹخنوں سے اونچی شلواریں، سبز پگڑیاں یا کلف لگی

Marfat.com

دستاریں، صلیب کے نشان یا ماتھے کے ٹیکے، گھر میں آگ کا ہمیشہ روشن رکھنا یا مظاہر قدرت کی پوجا، گیان دھیان لگانا یا آسن مارنا یوگا یا بپتسمہ، خاموشی یا چیخ و پکار، تلاوت قرآن یا دیگر مناجات مذہبی کچھ کام نہیں آتے اگر اعمال صالح اور وحدۂ لاشریک پر ایمان کے ساتھ دل میں درد نہیں ہے۔ اس کی چاہت میں دل بے قرار نہیں ہے اس کے عشق میں آنسوؤں کے طوفان نہیں ہیں، دل میں بے قراری اور روح میں ہیجان نہیں ہے اُس کی مخلوق پہ تُو مہربان نہیں ہے۔ یا تو تُو تکلیف اور اذیت میں بے قرار ہو کر اس کی حمد و ثناء کر اور آخری سانس تک کرتا رہ یا اس کی مخلوق کے درد کی دوا کرتے کرتے اس کی پیدا کی ہوئی جانوں کو شفاء دیتے دیتے جان دے دے اور ہر دو حالتوں میں اس ذاتِ عجائبات بے حد و کنار کے عشق میں جتا رہ حتیٰ کہ فنا ہو جا۔ ان سب راہوں پہ تمہیں خدا پل پل ملے گا ہر موڑ ہر قریہ خدا ہوگا۔ ہر دھڑکن ہر سانس میں خدا ہوگا ایک وقت آئے گا خدا تم سے مخاطب ہوگا کلام فرمائے گا۔ تیرے سوال کا جواب دے گا تجھ سے ہاتھ ملائے گا اور پھر اس کے اور تیرے درمیان کی واردات یا وہ جانے یا تو جانے۔

محترم قارئین خدا کو نہ کسی نے دیکھا نہ دیکھ سکتا ہے۔ ہمارا علم اتنا ہی ہے۔ لیکن خدا اور اس کے ہر بندے کے درمیان کچھ باتیں پرائیویٹ اور Confidential بھی ہوتی ہیں جو صرف خدا اور اس بندے کے درمیان ہوتی ہیں اس کے افشاء کی اجازت نہیں ہوتی۔ شریعت ظاہر پر لاگو ہوتی ہے اس کا قانون قرآن میں درج ہے باطن کے سفر اور اس کی منزلوں میں کسی کو خدا کہاں کب کیسے ملا یہ معاملات ہیں تو بہت دھڑلے کے لیکن یہ دل کا اور خدا کا معاملہ ہے اس میں زبان و قلم اور کسی تیسرے کی ماسوائے محرم راز کے کوئی گنجائش نہیں۔

❀..❀..❀

Marfat.com

یہ مرنے والے لوگ کہاں چلے جاتے ہیں

آیئے اس سوال کا جواب تلاش کریں۔ مذہبی نقطۂ نظر سے یہ دنیا امتحان گاہ ہے یہ وقفۂ حیات ہر نفس کی پرکھ ہے اور تمام زندگی امتحان کا دورانیہ ہے جبکہ بعد از مرگ اس پرچۂ حیات کے لیے روز قیامت ایک میزان قائم کی جائے گی جس میں اچھے اور صالح کام کرنے والے باایمان لوگ جنت میں جبکہ برے اعمال سرانجام دینے والے بے ایمان لوگ دوزخ میں پہنچائے جائیں گے۔ اس نظریہ میں کوئی شک اس لیے نہیں ہے کہ اس کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابوں بشمول بائبل وقرآن میں کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قیامت قائم ہونے سے قبل جو لوگ اپنی اپنی زندگیاں گزار کر اس دنیا سے ہزاروں لاکھوں سالوں سے رخصت ہو رہے ہیں یا آئندہ ہوں گے ان کی زندگی بعد از مرگ اور قبل از قیامت کس قسم کی ہوگی۔ ہمارے مذہبی پیشوا اس کو حیات برزخ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی طرح طرح سے تاویلات و مفاہیم مذہبی کتب بعض وضعی احادیث، تاریخ مذہب، روایات قدیم اور صوفیاء حضرات سے وابستہ کر کے ڈھونڈ لاتے ہیں اور خوب دھڑلے سے بیان فرماتے ہیں جبکہ اس کی حقیقت سے مکمل طور پر صرف رب تعالیٰ ہی واقف ہے۔ یہاں تک تو بات درست ہے کہ مہلت عمل آخری سانس زندگی پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد قیامت کے دن اس کے اعمال کے مطابق سزا و جزا ہوگی لیکن درمیانی وقفہ کے متعلق کوئی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا اور اس زندگی میں عام انسانوں کو بہت ہی کم علم دیا ہے اور خاص انسانوں کو درجہ بہ درجہ زائد علم تو ضرور دیا ہے لیکن ان کی زبانوں پر مہر خاموشی لگا دی ہے کہ اس کی حکمت کو یہی منظور ہے حالانکہ عین ممکن ہے کہ ہماری اس زندگی کے بعد کوئی اور قسم کی ایک یا ایک سے زائد زندگیاں بھی قبل از قیامت موجود ہوں اور ان کا مجموعی حساب روزِ قیامت لیا جائے اور پھر بعد از قیامت بھی حیات ہے جو یا تو ہمیشہ کے لیے یا پھر جب تک خدا چاہے۔ اللہ پاک مخاطب کی استعداد و استطاعت سے بڑھ کر علم اسے نہیں بخشتا۔ چونکہ اس زندگی میں ہم سے جو کچھ درکار ہے اس کا علم ہمیں دے دیا گیا ہے اور اس کی جزا و سزا کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے لیکن اگر اس سے اگلی زندگی قبل از قیامت کے لیے بھی کوئی طریق کار رکھا گیا ہے تو یقیناً اس کا علم بعد از مرگ دیا جائے گا جو کہ اس کا مناسب وقت ہوگا۔ ہم اپنی بحث کو بڑھانے کے لیے کچھ سچے واقعات کا ذکر کرتے ہیں، جو میرے علم میں ہیں ویسے تو اس طرح کے واقعات بے شمار ہونگے لیکن جو میرے تجربے میں آئے ان پر یقین کے ساتھ کہنا مناسب ہوگا۔

ایک عجیب و غریب اور یادگار واقعہ:

1947ء کی بات ہے، تقسیم ہند کے وقت ہزاروں لاکھوں خاندانوں کی طرح ایک وکیل صاحب کا خاندان بھی

Marfat.com

ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آ رہا تھا حسب معمول راستے میں لوٹا پیٹا گیا اور خاندان کے اکثر افراد تہہ تیغ کر دیے گئے، جن میں وکیل صاحب کی اہلیہ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر قتل ہوئیں، وکیل صاحب اپنے ایک چند ماہ کے شیر خوار بچے کے ساتھ کسی طرح سے جان بچا کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن دل زخم زخم، روح پاش پاش اور آنسوؤں کی جھڑیوں کے ساتھ۔ انھیں اٹک میں ضابطے کی کاروائی کے بعد ایک مکان دے دیا گیا۔ جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی اور زندگی کے تقاضوں نے ان کے گھر کا دروازہ پیٹنا شروع کیا تو انھیں فکر معاش ہوئی۔ وہ سند یافتہ وکیل تھے پریکٹس کر سکتے تھے، لیکن شیر خوار بچہ آڑے آ رہا تھا نہ کوئی رشتہ دار، نہ پرانا دوست، نہ ہمدرد کہ ان باتوں کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ ان کا جن لوگوں کے ساتھ ہلکا پھلکا تعلق قائم ہوا، ان میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق بھی شامل تھے۔ جو ان دنوں اٹک ڈگری کالج میں پروفیسر تھے۔ بہر حال موصوف وکیل صاحب اپنے شیر خوار بچے کے لیے حد درجہ پریشان تھے کہ اسے نہ تو ساتھ لے جا کر وکالت کر سکتے تھے نہ گھر اکیلا چھوڑ کر جا سکتے تھے۔ ان کا غم اتنا تازہ اور شدید تھا کہ بچے کو وہ کسی کے حوالے کرنے کے تصوّر ہی سے کانپ اٹھتے تھے۔ دن پہ دن گزرتے گئے لیکن مسئلہ کا کوئی حل نہ نکل سکا۔ حتیٰ کہ جو پونجی جیب میں تھی وہ بھی رخصت ہوئی۔ جب تمام کشتیاں جل گئیں اور کنارہ دکھائی نہ دیا تو ایک شب وکیل صاحب کو ان کی اہلیہ خواب میں ملیں، انہوں نے اپنے خاوند سے کہا کہ وہ جانتی ہیں کہ وہ بچے کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔ لہٰذا کہا کہ آپ صبح بے فکر ہو کر اپنی وکالت کی پریکٹس کے لیے کورٹ چلے جایا کریں اور بچے کو گھر چھوڑ جائیں وہ ان کی غیر موجودگی میں بچے کو دودھ بھی پلائیں گی اور اس کی دیکھ بھال بھی کریں گی۔ لیکن وہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کریں اور نہ مجھ سے ملنے کی کوشش کریں ورنہ وہ پھر کبھی نہ آئیں گی۔ بات عجیب سی تھی لیکن کافی سوچ بچار کے بعد وکیل صاحب بچہ کو گھر چھوڑ کر کمرہ اور گھر کو تالہ لگا کر کورٹ چلے گئے۔ دوپہر کو گھر لوٹے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بچہ نہ صرف یہ کہ بول و براز سے پاک اور صاف ستھرا لیٹا کھیل رہا ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ہشاش بشاش ہے اور بچے کا پیٹ دودھ سے بھرا ہے۔ اگلے دن پھر یوں ہی ہوا اور اس کے بعد تو یہ معمول بن گیا کہ وکیل صاحب صبح گھر سے بچے سے بے غم ہو کر یوں نکلتے کہ جیسے ان کی بیگم گھر پہ موجود ہوں۔ دن اور مہینے گزرنے لگے بچہ بڑا ہونے لگا تو ان کا دل اپنی بیوی کے لیے للچایا کہ اگر یوں ہو سکتا ہے کہ مری ہوئی ماں اپنے بچے کی دیکھ بھال کر سکتی ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ اپنے شوہر کو بھی پیار دے سکے۔ انھیں محلے والے پہلے ہی بتا چکے تھے کہ ان کے صبح کورٹ چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک برقعے والی عورت آتی ہے گھر کا دروازہ کھول کر اندر چلی جاتی ہے اور ان کے واپس لوٹنے سے کچھ دیر قبل ویسے ہی گھر کو تالا لگا کر رخصت ہو جاتی ہے۔ وکیل صاحب نے چونکہ خواب میں اپنی بیگم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ راز کو افشا نہیں کریں گے اس لیے انہوں نے حقیقت کا بیان کئی ماہ تک کسی سے نہ کیا اور لوگ اس عورت کو وکیل صاحب کی عزیزہ یا ملازمہ سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ لیکن جب وکیل صاحب کو وسوسوں اور لالچ نفس نے آن دبوچا تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ مرا ہوا بندہ لوٹ آئے اور یہ سب کچھ کر لے۔ خواب کی حد تک تو بات ٹھیک ہے لیکن عین ممکن

Marfat.com

ہے کہ کسی جیتی جاگتی عورت کو بھی ان کی اہلیہ خواب میں ملی ہوں اور وہ بچے کی دیکھ بھال کے لیے ان کی غیر موجودگی میں آتی ہو اور اگر واقعی ان کی بیگم ہی بذات خود آتی ہیں تو تب بھی یہ عقدہ کھلنا چاہیے اور ان سے ملاقات کی صورت نکالنا چاہیے۔ ان سوچوں کے وجہ سے وکیل صاحب سے آخر کار رہا نہ گیا اور انہوں نے اپنے قریبی دوستوں سے اس بات کا ذکر کر دیا لیکن نہایت قابل اعتماد صرف چند افراد سے جن میں ڈگری کالج اٹک کے پروفیسر ڈاکٹر برق صاحب بھی شامل تھے جن کے توسط سے یہ واقعہ ہم تک پہنچا جو کہ ایک نہایت ہی سچے اور کھرے انسان تھے۔ پروگرام بنا کہ جب اگلے دن وکیل صاحب کی اہلیہ گھر پہنچ جائیں تو وکیل صاحب اپنے بااعتماد دوستوں کے ہمراہ گھر واپس پہنچ کر تحقیق کریں اور پتہ چلائیں۔ چنانچہ حیرانگی اور بے یقینی کے ساتھ اگلے دن یوں ہی کیا گیا کہ جب وکیل صاحب کے صبح گھر سے چلے جانے کے بعد وہ عورت حسبِ معمول گھر پہنچ گئی تو کچھ دیر بعد وکیل صاحب بھی اپنے دوستوں کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئے، گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا یہ دراصل بیٹھک کا دروازہ تھا اور اسی کمرے میں وہ بچے کو چھوڑ کر جایا کرتے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا، پیٹا گیا لیکن جواب ندارد۔ آخر کار دروازہ توڑ دیا گیا اور یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ کمرے کے اندر برقعہ تو موجود تھا اور بچہ بھی لیکن وہاں کسی عورت یا کسی بھی نفس کا نام ونشان نہ تھا اور کمرے سے فرار کا اور کوئی راستہ یا ممکنہ ذریعہ نہ تھا۔ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اسی رات خواب میں ان وکیل صاحب کو انکی اہلیہ پھر ملیں اور کہا کہ آپ راز کو راز نہ رکھ سکے اور افشا کر دیا اب وہ اپنے بچے کو سنبھالیں اب وہ کبھی نہ آئیں گی اور اس کے بعد وہ واقعی کبھی نہ آئیں۔ اب وکیل صاحب کو بچے کی پرورش کے لیے کوئی اور بندوبست کرنا پڑا۔

یہ ایک واقعہ نہیں ہے:

اس نوعیت کا یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ اس طرح کے اور واقعات بلکہ بہت سے واقعات سے میں واقف ہوں جو حد یقین کو پہنچے ہوئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے ہمیشہ کے لیے ناپید نہیں ہو جاتے بلکہ ہمارے اردگرد اسی دنیا میں موجود رہتے ہیں جس کا ہمیں شعور نہیں ہوتا۔ ان کی دنیا ہماری دنیا سے الگ ضرور ہے لیکن مکمل طور پر خارج نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب مرنے والوں کی دسترس اس دنیا ہماری Six Senses کی دنیا تک نہ ہوتی ہو اور اس کے لیے کوئی خاص اہلیت یا قابلیت درکار ہوتی ہو۔ بہر حال اس کے لیے اذن الٰہی ضرور درکار ہے، روحوں کا ہم سے تعلق اور ہمارا ان سے تعلق رہتا ہے یا قائم ہو سکتا ہے۔ اب اگلی دنیاؤں میں کیا کیا کچھ ہے اور کیسا کیسا کچھ ہے۔ اس کے لیے کہنا، سننا، معلوم کرنا، بیان کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کام کرنے، محنت کرنے اور یقین کامل کے ساتھ عشقیہ جذبہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

راہ طلب میں جذبۂ کامل ہو جن کے ساتھ
خود ڈھونڈ لیتی ہے انھیں منزل کبھی کبھی

Marfat.com

مضمون نمبر 19

خیال اور حقیقت کا تعلق، کیا خیال کی طاقت اسے حقیقت بنا دیتی ہے Unbelievable

خیال عمل اور نتیجہ عام پہلو ہے۔ ایک چیز ہے ''خیال''۔ میں نے پچھلے صفحات میں خیال کی رفتار کا ذکر کیا ہے اور اس پر کام کرنے کی اہل دنیا کو دعوت دی ہے آئیں یہاں اسے کسی اور زاویہ سے ٹٹولیں۔ اس کے وجود کو معلوم کریں اور اس کی طاقت کا اندازہ کریں۔ ہم کبھی کبھی یوں ہی گم سم بیٹھے اپنے خیالوں کی دنیا میں غوطہ زن ہوتے ہیں، اکثر تنہائیوں میں ایسا ہوتا ہے اور اس دوران میں یا تو گزشتہ گزرے ہوئے ادوار میں وارد واقعات کے مناظر ہمارے ذہن کی اسکرین پر چل رہے ہوتے ہیں یا پھر ہم آنے والے دور کے ادھیڑ بن میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس دوران میں کئی منٹ گزر جاتے ہیں اور اگر ہمیں احساسات کی شدت کھینچے رکھے تو شاید منٹ گھنٹوں میں بھی بدلنے لگتے ہیں اور جب ہم ہوش کی دنیا میں واپس آتے ہیں تو ہم یہ دیکھ کر قدرے حیران ہوتے ہیں کہ اتنا وقت گزر گیا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی یہ عام معمول کی بات ہے اس میں کچھ خاص نہیں اور نہ ہم اسے کچھ خاص سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ارادہ واختیار سے مقررہ وقت پر اور روزانہ ہم ایسا کریں تو اسے ارتکاز توجہ کہتے ہیں اب ارتکاز توجہ کی کئی قسمیں ہیں۔ جیسے شمع بینی یا کسی ایک نکتے پر توجہ جمانے کی مشق کرنا جس کے الگ سے کچھ نتائج وفوائد ہیں لیکن ہم یہاں ان پر بحث نہیں کریں گے کیونکہ ان کا ذکر عمومی طور پر پہلے ہو چکا ہے اور اس علم کے لیے مارکیٹ میں خاصہ لٹریچر موجود ہے۔ ہم یہاں صرف ''خیال'' کی بات کریں گے۔ آپ نے کبھی سوچا کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی وجود میں آتا ہے وہ پہلے محض ایک خیال ہوتا ہے کسی نہ کسی کا خیال۔ اور یہی خیال کچھ چھانٹ پھٹک کے بعد حقیقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً کسی سے قرض لینے کا خیال، کسی سے شادی کرنے کا خیال، باہر گھومنے جانے کا خیال، کوئی عمارت تعمیر کرنے کا خیال، ایک اور بچہ پیدا کرنے کا خیال، کسی کو مارنے کا خیال، کوئی کاروبار شروع کرنے کا خیال، نیکی کا خیال، بدی کا خیال حرامکاری کا خیال کسی کی عزت اتارنے کا خیال، کسی کی عزت کرنے کا خیال، کوئی ایجاد کرنے کا خیال، کسی دریافت کا خیال، کوئی پیشہ اختیار کرنے کا خیال، غرض خیالات ہی خیالات اور بے شمار خیالات اور ان پر قائم ان پر تعمیر کردہ یہ دنیا اور دنیا کی ہر انسانی مساعی وکوشش کو ہم عمل اور ہمت وجرأت سے ایک شکل دے دیتے ہیں۔ ہر وقت ہر انسان کے ذہن میں بے شمار خیالات آتے ہیں ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ان پر توجہ دے اور اگر چاہے تو کسی مناسب خیال پر ضرورت وشوق کے مطابق عمل کرے۔ رحمانی اور شیطانی دنیا انہی خیالات کے توسط سے ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتی اور ہمارے اختیارات کے

Marfat.com

گھوڑوں پر سواری کرتی ہے۔ یہ خیالات آتے کہاں سے ہیں ان کا منبع کیا ہے کوئی خیال کسی کو کیوں آ جاتا اور کسی کو کیوں نہیں آتا اور کوئی بندہ کسی خیال کے تحت کیوں کچھ کر گزرتا اور کوئی کیوں گریز کرتا ہے یہ اور اس طرح کے ان گنت سوالات کے جوابات مکمل طور پر انسان ہنوز تلاش نہیں کر سکا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سب کچھ انسان ہی کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ تدبیر کے گھوڑوں کے آگے تقدیر نے کھایاں کھود رکھی ہیں اور کوشش و کاوش کے پرند کو قسمت کے تیر نے مار گرایا ہے اور کہیں منزل پر پہنچنا ہی تقدیر ٹھہرا اور ثمر اچک لینا ہی قسمت بن گیا یعنی خیال، کوشش عمل اور منزل کے درمیان کئی مرحلے ہیں اور سو سو طریقوں سے کوئی اپنی منزل پہ پہنچ جاتا اور کوئی منزل ہار دیتا ہے یہ تدبیر اور تقدیر کا وہ گورکھ دھندہ ہے جسے آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ بنا اذنِ الٰہی کے پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ یہ تو تھا خیال و سوچ کا عام فہم اور معلومہ پہلو۔

آیئے کچھ مخفی دریچوں کی طرف سفر کریں، سفر کے گیارہ طریقے کون سے ہیں؟

آپ بالکل ویران و سنسان جگہ پر بیٹھ جائیں۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں اپنے ذہن کو ہر طرح کے خیالات سے پاک کرنے یعنی نیوٹرل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کی کوشش کچھ بھی سوچنے اور کسی خیال کو ذہن میں لانے کی نہ ہو بلکہ اپنی توجہ کسی اور ہی دنیا کی طرف لگانے کی کوشش کریں یعنی کیا خود بہ خود آپ کو کچھ منظر یا مناظر دکھ رہے ہیں یا صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے آپ محسوس کریں گے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ کو ان دیکھے مناظر کی ہلکی ہلکی جھلکیاں بدل بدل کر کبھی کیا کبھی کیا دکھائی دیں گے اور ایک آدھ سیکنڈ ہی میں غائب ہو جائیں گی۔ لیکن توجہ کو مرکوز رکھنے اور مسلسل مشق کرتے رہنے سے یہ مناظر کئی سیکنڈوں اور منٹوں میں بدلتے جائیں گے آپ کو یوں لگے گا کہ آپ کوئی فلم دیکھ رہے ہیں یا آپ وہاں موجود ہیں۔ آپ بد دل ہوئے بغیر چاہے جتنی دھیرے بھی ترقی ہو روزانہ پہلے چند منٹ پھر زیادہ، پھر اور زیادہ وقت بڑھاتے جائیں لیکن تنہائی میسر آنا اور شور شرابے سے دور ہونا اور باقی حالات معتدل ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ سے بے خبر ہوں بھول جائیں آپ کون ہیں، کہاں بیٹھے ہیں اور کیوں بیٹھے ہیں۔ وقت کتنا گزرا ہے اور کتنا نہیں۔ بس خود کو ان مناظر میں مکمل طور پر محو کیے رکھیں۔ جب آپ کا جسم و ذہن مزید ساتھ نہ دے گا تو توجہ خود بخود ٹوٹ جائے گی۔ جوں جوں وقت اور دن گزریں گے نئے نئے مناظر نئی دنیاؤں کے ساتھ آن حاضر ہوں گے اور آپ کا واسطہ عجائبات سے پڑے گا یہ سفر کبھی ختم نہ ہو گا آپ کتنا سفر کرتے اور کتنا جانتے یا ترقی کرتے ہیں یہ آپ کے شوق و جنون اور آپ کے پاس وقت کی میعاد پر منحصر ہے اور آپ کی صلاحیت و کوشش پر Depend کرتا ہے۔ یاد رہے کہ نہایت مناسب و معتدل غذا یعنی متوازن اور کم غذا، متوازن نیند، متوازن عادات حیات اور صالح طبیعت کے ساتھ ساتھ نہایت متوازن جنسی رجحان بلکہ جنسی قوت کا جسم کے اندر اسٹور ہونا خوب کام آنے والی چیزیں ہونگی۔ کیونکہ صحت مند رزندگی و خیالات کے ساتھ ساتھ Sexual Energy آپ کے لیے خالص ایندھن کا کام کریں گے اور آپ خوب ترقی کریں گے۔ میرا مقصد یہاں آپ کو اس قسم کی مشق کروا کے محض مستفید

Marfat.com

کرنا نہیں ہے بلکہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ جن مناظر و جن دنیاؤں میں سفر کریں گے اور جو عجائبات یا علوم حاصل کریں گے وہ یقین جانیئے کہ محض خیالی دنیا نہ ہوگی بلکہ ایک کٹر حقیقت ہوگی جو سب کچھ واردات آپ دیکھیں یا محسوس کریں گے وہ کہیں نہ کہیں حقیقتاً موجود ہوگی جس سے آپ مستفید ہو سکتے ہیں آپ اُس دنیا میں جا سکتے ہیں، انھیں اپنی دنیا میں لا سکتے ہیں۔ یہ تقریباً یوں ہی ہے کہ جیسے کوئی تصویر باذن اللہ حقیقت بن جائے، کوئی مٹی کی مورت باذن ربانی زندہ ہو جائے۔ اس علم کی کوئی حد نہیں لیکن اس میں خاص ترقی بنا ایمانِ مکمل، عمل صالح، توکل حق اور اللہ کے سامنے زاری مسلسل کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ہے ایک قسم۔ دوسری قسم نیند میں بحالتِ خواب ترقی کی ہے۔ تیسری قسم نیند و بیداری کی درمیانی حالت میں ترقی کی ہے۔ چوتھی قسم ذکر الٰہی میں محویت میں ترقی سے ہے۔ پانچویں قسم آتی جاتی سانس کے ساتھ ذکر الٰہی سے ہے۔ چھٹی قسم آتی جاتی سانس کے ذریعہ محض توجہ ذاتِ وحدہٗ لاشریک سے ہے۔ ساتویں قسم حالت نماز میں محویت سے ہے اور حالت سجدہ سے ہے۔ آٹھویں قسم کسی بھی نبی اللہ سے بہت زیادہ محبت و اطاعت سے ان پر درود و سلام بھیجنے اور ان سے برائے راست علم حاصل کرنے کی خواہش شدید سے ہے۔ نویں قسم اولیاء اللہ سے اپنے مذہب کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوئے مستفید ہونے سے ہے (یہاں اولیاء اللہ سے استفادہ کا طریق ہے)۔ دسویں قسم اللہ کے کلمات میں سے کسی کلمے کے مسلسل ورد مقررہ وقت پر مقررہ تعداد میں اور ہر وقت کے ورد سے ہے۔ بشرطیکہ یا تو اُس پر یا تو خود بہ خود بفضل تعالیٰ یقین بڑا مضبوط ہو یا پھر کسی ولی اللہ یا نبی اللہ کی طرف سے ورد کے لیے کلمۂ مخصوصہ کی اجازت و ہدایت دی جائے اور گیارہویں کو سب سے آخری میرے خیال میں بہترین قسم عشق الٰہی میں نڈھال ہو جانے سے ہے کہ رب کی تلاش میں، رب کے خیال میں، رب کی پہچان میں، رب سے بات کرنے میں، ملاقات کرنے، قرب پانے میں، معرفت حاصل کرنے میں انسان اتنا اتنا اتنا بے تاب ہوتا چلا جائے کہ آنسو نہ ٹھہریں، قرار نہ آئے، چین نہ پائے کہ اپنے پرائے سے کٹ جائے ہر نفع نقصان کو بھول جائے حتیٰ کہ اپنی خوراک، نیند، صحت، زندگی اور تمام کشائش حیات سے بے تعلق ہو کر عشق الٰہی میں تڑپتا رہے تڑپتا رہے سسکتا رہے بلکتا رہے، یقین نہ ٹوٹے عمل نہ چھوٹے، ایمان نہ چھوٹے اور آس نہ روٹھے۔ چاہے سانسیں ٹوٹنے لگیں چاہے دھڑکنیں چھوٹنیں لگیں چاہے نگاہیں پتھرانے لگیں چاہے سبھی گھبرانے لگیں اس شخص متعلقہ کا عشق ہو کہ بڑھتا ہی چلا جائے۔ پھر اسے خدا اس راہ میں کون کون سی شراب معرفت پلاتا ہے کیا کیا علم و مرتبہ و مقام بخشتا ہے یہ کوئی تیسرا بھلا کیا جان سکتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ اللہ کے ولیؒ اور رسولؐ اپنے اپنے مقام کے مطابق کئی تہوں اور کئی پردوں کے اندر تک جھانک سکتے ہیں لیکن کچھ پردے اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں کوئی تیسرا نہ جھانک سکے اس کے علاوہ بھی اللہ کی معرفت کے بے شمار طریق اس کے علوم کے بے شمار سمندر، اس کے کلمات کے بے شمار خزانے اور اس کی عطاؤں کے لامحدود ذخائر ہیں۔ جو جتنی کوشش کرے باذن اللہ پالے۔

Marfat.com

کچھ خیال کی طاقت کی کرامات:

ہم بات کر رہے تھے خیال کی طاقت کی اور نکل گئے انتہائے خیال کی منازل کی طرف لیکن کیا کیا جائے ایک دوسرے یہ کڑیاں یوں جڑی ہیں کہ الجھے ہوئے ریشم کی طرح گڈ مڈ ہیں۔ معلوم نہیں پڑتا کہ کون سا علم یا اس کی قسم کہاں جدا ہوئے اور کہاں راستہ بدلا اور ہم کہاں نکل گئے۔ دراصل یہ گڈ مڈ ریشم کے دھاگے کا بہت بڑا کائناتی لچھا ہے جو الجھا پڑا ہے اور ہمیں اسے سلجھانے کے لیے ازل تا ابد زندگی ایک کے بعد دوسرے انسان کی شکل میں دی گئی ہے۔ بہرحال خیال کی طاقت کی طرف آیئے۔ اگر آپ کسی مضبوط اور ان مٹ خیال یا تصور کو قائم کریں اور اس پر رات دن کام کریں تو آپ اس شے کو آخر کار (اکثر اوقات) وجود میں لے آتے ہیں یہ تو عام فہم بات ہے لیکن کچھ تصورات عملی دنیا سے ہٹ کر صرف تصورات ہی ہوتے ہیں جن کو عملی جامہ پہنانا آپ کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس کی ایک مثال مصنوعی حمل ہے۔ کچھ خواتین ایسی بھی ہوتی ہیں جو کسی وجہ سے ماں نہیں بن سکتیں لیکن ماں بننے کی فطری خواہش رکھتی ہیں کچھ ذرا زیادہ خواہش رکھتی ہیں اور کچھ شدید یا شدید ترین خواہش رکھتی ہیں وہ ہر وقت اپنے ہونے والے بچے کے تصور میں گم رہتی ہیں اور خود کو حاملہ تصور کرنے لگتی ہیں۔ ان میں کسی خاتون کا تصور قدر شدید ہوتا ہے کہ جو حقیقی حمل کی غیر موجودگی کے باوجود مصنوعی حمل پیدا کر دیتا ہے خاتون متعلقہ کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اس کا پیٹ بڑھنے لگتا ہے ایسی صورت حال اس کے یقین میں بے پناہ اضافہ کر دیتی ہے اور وہ خود کو 100% حاملہ تصور کرتی ہے اس طرح سے کئی ماہ گزرنے کے بعد میڈیکل چیک اپ یا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صورتحال کی حقیقت کیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے خاتون کو شدید صدمہ تو پہنچتا ہے لیکن خیال و تصور کی طاقت کا ایک عجوبہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے جو کہ میڈیکلی ثابت شدہ بات ہے۔ اسی طرح سے تصور کی طاقت انسانوں کو بھی ایک دوسرے سے قریب یا دور لے جاتی ہے چاہے ان میں سے ایک فریق نیوٹرل بھی ہو۔ یہ عمل ہپناٹزم کے قریب یا اس کی شاخ سمجھیے۔ اسی طرح خیالات کی دنیا سے اگر آپ کسی تصوراتی ہستی، مقام، صورت حال وغیرہ وغیرہ کسی سے بھی اپنا انمٹ تعلق قائم کر لیں۔ اسے فارغ اوقات میں تصور میں جمائے رکھیں اور اپنی زندگی میں عملی طور پر لانے کی شدید خواہش رکھیں۔ اس کی جدائی یا فراق میں گھلتے رہیں اور ایک عرصہ اس میں گزار دیں تو وہ چیز آخر کار آپ کے پاس آ موجود ہوگی۔ یہ تصور سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آنا ہی ہوگا۔ بات کچھ سمجھ میں آئی۔ یعنی کہ خیال اور تصور کی دنیا محض خیال نہیں ہوتا یہ بھی مخفی حقیقتیں ہوتی ہیں جو کہ کسی کے بلانے، کسی کی ضرورت بن جانے، کسی کو چاہت شدید ہو جانے کے بعد حقیقی شکل اختیار کر کے آ موجود ہوتی ہیں۔ یہ بظاہر ناقابلِ یقین اور ناقابل عمل بے وقوفانہ بات نظر آتی ہے لیکن یقین جانیے ایسی ہزاروں لاکھوں بے وقوفانہ باتیں دراصل وہ حقیقتیں ہیں جن کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے اور جن کا ہمیں سائنسی یا فلسفیانہ ثبوت نہیں ملتا ہم انھیں تسلیم ہی نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان مذہبی کتب میں مرقوم معجزات کو بھی دل سے تسلیم نہیں کرتا۔ جبکہ یہ اٹل حقائق ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود آسمانی کتب میں کیا

Marfat.com

ہے۔ ارتکاز توجہ سے گھورتی نگاہوں سے بلب یا شیشہ توڑ دینا، فانوس یا پنکھا ہلا دینا۔ کسی کی نظر لگنے سے کسی کا بیمار پڑ جانا، خوبصورت شے کو کسی کا دیکھنا، محبت سے اور اس کا چکنا چور ہو جانا، اسی قوت سے کام لیتے ہوئے بادلوں کو گھیر لانا، بارش برسانا، آندھی چلا دینا یا کوئی طوفان روک دینا یا پیدا کر دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔ لیکن یہ بہت زیادہ مشق، صلاحیت، خلوص نیت اور تقویٰ و پرہیز گاری مانگتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کا استعمال صرف مثبت ہی نہیں ہوتا منفی بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا شیطانی استعمال کے لیے کسی تقویٰ پرہیز گاری کی ضرورت نہیں۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہر حال شیطانوں کو اختیار و مہلت دینے کے باوجود کچھ حدود و قیود کا پابند بنا دیا ہے جن سے آگے وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں بڑھ سکتے تبھی یہ دنیا صرف ایک خدا کے اختیار و ارادہ سے قائم ہے۔ ورنہ درہم برہم ہو جاتی۔ متقی لوگوں کے لیے حدود و قیود تو ضرور ہونگی لیکن ہماری عقل کے لحاظ سے وہ لامحدود ہی ہیں۔ اور ویسے بھی اہل تقویٰ لوگ رضائے الٰہی کے بنا کچھ نہیں کرتے، اگر کہیں بھول ہو جائے تو فوراً کوڑائے ربانی حرکت میں آجاتا ہے۔ جزا کی طرح ان کی سزا بھی سخت ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ اللہ کے لاڈلے لوگ ہوتے ہیں اور نیت کے پاک صاف اس لیے رب تعالیٰ ان پر مہر و فضل کی چادر پھر کسی نہ کسی طرح تان دیتا ہے لیکن انسان نما شیطان اللہ کے غضب سے کہیں بھی کبھی بھی ایک پل کے لیے نہیں بچ سکتے۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 20

کائناتی حرکات، وجود و عدم وجود، اعمال دنیوی، نیکی بدی اور گناہ و ثواب، بناؤ بگاڑ، تعمیر و تخریب، آنسوؤں اور قہقہوں کا عجیب پھر عجیب بے پناہ عجیب حیران کن گورکھ دھندا۔ رب کی عجیب شانیں اور تمثیلات

سچ تو یہ ہے کہ اس دقیق ترین، عجیب ترین، وسیع ترین اور مستور ترین موضوع پر کچھ لکھنے کے لیے ابھی تک نہ صرف یہ کہ انسان کا علم بہت زیادہ ناکافی ہے بلکہ سورج کو چراغ دکھلانے والا محاورہ بھی شاید یہاں ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ سورج اور چراغ کی شاید اعداد میں کوئی نسبت نکل سکے جبکہ اس عنوان اور ہمارے معلومہ علم کی تو شاید کوئی نسبت ہی نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی شکست تسلیم کر لیں اور جستجو کے لیے تجسّس کے تانے بانے فہم و ادراک کے موتیوں اور وقت کے دھاگے کے ساتھ بُننا ہی چھوڑ دیں۔ کیونکہ منزل انھیں ملنے کی امید ہوتی ہے جو کبھی سفر کا آغاز کریں۔ یاد رکھیں اللہ کا عجب قانون ہے کہ چاہے دس سال کی ٹھوکروں کے بعد بھی آپ نقطۂ آغاز ہی پر لوٹ آئیں لیکن اس ذات عجائبات کو یہ گوارہ نہیں کہ وہ آپ کا سفر رائیگاں کرے۔ اس کا قانون ہے کہ شدید محنت و لگن اور خلوص نیت کامیابی کی کنجی کو سمندر کی تہہ سے اپنی سمت کھینچ لیتے ہیں وہ اپنے بندے کو کبھی بھی نہ تو ناامید ہونے دیتا ہے اور نہ ہی اس کی محنت کا ادھار اپنے سر رکھتا ہے وہ غنی ہے اس کے خزانوں میں کسی شے کی کمی نہیں۔

اس عاجزانہ اعتراف کم مائیگی و بے علمی کے بعد خدا کی رحمت سے پر امید رہتے ہوئے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ میرے قلم کے حوصلے کے لیے دعا ضرور فرمائیے۔ اس دنیا میں کوئی بھی کام بغیر کسی حکمت کے نہیں ہوتا ہے آپ چھوٹے سے چھوٹے کام سے لے کر بڑے سے بڑے کام کی طرف نگاہ دوڑائیے آپ کسی کام کو بغیر وجہ کے نہ پائیں گے۔ بارش کیوں ہوتی ہے کیونکہ زمین پیاسی ہوتی ہے زمین پیاسی کیوں ہوتی ہے کیونکہ اس کے اندر لاکھوں نباتات وجود حیات کے لیے بے قرار ہوتے ہیں۔ لاکھوں جانداروں کی بقاء کا دارومدار اس پر ہے حتیٰ کہ جمادات بھی پانی کے مقروض ہوتے ہیں۔ زمین کی لاکھوں نباتات لاکھوں حیوانات کی زندگی کا سامان ہیں اور یہی حیوانات دوسرے حیوانات اور انسانوں کی زندگی کا سامان ہیں۔ بچے نے ماں کی کوکھ میں پلنا شروع کیا تو دودھ پستانوں میں بننے کا سامان حرکت میں آیا، بچہ رویا تو ناہی ماں کی چھاتیوں سے دودھ ٹپکنا شروع ہو گیا۔ بچے کی پرورش کے لیے والدین کے دل میں محبت و تڑپ پیدا ہو گئی۔ بچپن میں ماں لمحہ بھر بچے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ بچے کو ہر پل اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب بچہ تھوڑا بڑا ہو گیا تو سکول جانے کی عمر میں

Marfat.com

قدرت نے ماں کے دل میں کئی گھنٹوں کا صبر ڈال دیا بچے کی نوکری لگی تو کئی دن ماں سے دور رہنے لگا ماں کے دل میں صبر آ گیا۔ شادی کے بعد خود ذمہ دار ہو گیا والدین بڑے بچوں سے بے غم ہو کر چھوٹے بچوں پر توجہ دینے لگے، جب چھوٹے بچے بھی ذمہ داری کی عمر کو پہنچ گئے تو چونکہ والدین کا کام ختم ہو گیا اسلیے وہ دنیا ہی سے رخصت ہو گئے۔ ایک پھول کھلا اس سے کئی کیڑے مکوڑے مستفید ہوئے حتیٰ کہ ہوا نے بھی خوشبو کے لیے عطر چرا لیا اور اسے اٹھائے پھری کہ قوت شامہ والے اسے وصول کر لیں۔ شہد کی مکھی نے قریہ قریہ گھوم کر ہزاروں پھولوں پتوں پھلوں اور پھلواریوں سے شہد اکٹھا کیا اپنی نسل کی بقاء کے لیے بھی اور انسانوں کی شفاء کے لیے بھی۔ پرندوں کے انڈے اور بچے، جانوروں کے بچے انسانوں کے اگائے ہوئے اناج پھل و پھول اور بنائی ہوئی دیگر اشیاء گو کہ اپنے اپنے مقاصد کے لیے ہیں لیکن ان سب سے ان گنت مخلوق کا رزق اور شفاء وبقاء وابستہ ہے۔ کمزور، کمزور کیوں ہے؟ تا کہ طاقت ور کا نوالہ بن جائے۔ جانداروں کی موت کیوں ہے؟ تا کہ زمین ان مردہ جسموں سے طاقت پکڑے زرخیز بن جائے۔ بیمار بیمار کیوں ہوتا ہے؟ تا کہ خورد بینی جراثیم و وائرس خوراک حاصل کریں۔ دکھی دکھی کیوں ہوتا ہے؟ تا کہ اپنے اعمال کی سزا پائے، سکھی سکھی کیوں ہوتا ہے؟ تا کہ اپنے اعمال کی جزا پائے یا خدا کی ڈھیل سے اور گمراہ ہو جائے۔ آپ کو آپ کے بچے دکھ کیوں دیتے ہیں؟ کیونکہ کل آپ نے اپنے والدین کو دکھ دیے تھے آپ کے بچے لاڈلے کیوں ہیں شرارتی کیوں ہیں خودسر کیوں ہیں؟ بے ادب کیوں ہیں؟ کیونکہ آپ بھی کبھی ایسے ہی تھے۔ آپ مرتے مرتے بھی اپنی اولاد کی بقاء وفلاح کے لیے کیوں کوشاں ہیں؟ کیونکہ یہ آپ کے والدین کا آپ پر قرض ہے۔ آنکھ کیوں بنی ہے؟ کیونکہ روشنی موجود ہے کان کیوں ہیں؟ کیونکہ آواز موجود ہے ناک کیوں ہے؟ کیونکہ خوشبو یا بدبو موجود ہے۔ لمس کیوں ہے؟ کیونکہ چھونے والے موجود ہیں۔ دھڑکن کیوں ہے؟ کیونکہ دل موجود ہے اعضاء خوارک پانے کو موجود ہیں۔ دشمن کیوں ہے؟ کیونکہ دشمنی کے اسباب موجود ہیں۔ دوست کیوں ہے؟ کیونکہ دوستی کا سامان موجود ہے۔ قبر کیوں کھودی گئی؟ کیونکہ کوئی مر گیا۔ نیا جھولا کیوں بنا؟ کیونکہ کوئی جھولنے والا پیدا ہو گیا۔ ابوجہل کے سر پر تلوار کیوں چلی؟ کیونکہ محمد ﷺ آ گئے فرعون کیوں غرق ہوا؟ کیونکہ موسیٰؑ پیدا ہو گئے۔ یعقوبؑ کی آنکھیں کیوں رو رو کر سفید ہو گئیں؟ کیونکہ یوسفؑ کھو گئے۔ آیت کریمہ کیوں نازل ہوئی؟ کیونکہ یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ زمین کیوں لرزی؟ بجلی کیوں کڑکی؟ سمندر کیوں بپھرا؟ دریا کیوں چڑھ آئے؟ بیماری نے کیوں جان لبوں پہ کر دی؟ بیٹی کیوں اجڑ گئی؟ بیٹا کیوں مر گیا؟ تو بھوک سے کیوں تڑپا؟ تو پیاس سے کیوں لرزا؟ آنسوؤں نے، آہوں نے تیرے گھر میں کیوں بسیرا کر لیا؟ کاروبار کیوں ماند پڑ گیا؟ نوکری کیوں چلی گئی؟ خوشیاں کیوں رخصت ہو گئیں؟ اچھا وقت برے سے کیوں بدل گیا؟ تا کہ تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکے خدا کو جو اس کا حق ہے اس طرح سے یاد کر سکے۔ اس کی یاد میں رو سکے۔ تیرا دل قبول ہونے والی دعاؤں کے لیے جلے، مچلے، روئے پھٹے اور تو اپنے رب کے یوں قریب ہو جائے جیسے صبر ایوبؑ نے انھیں قریب کر دیا۔ نمرود نے آگ کیوں

Marfat.com

بھڑ کائی ؟ تا کہ رحمت خداوندی اسے سلامتی والی ٹھنڈک بنادے اور دیکھنے والوں کا ایمان بڑھے۔ سیلابِ نوحؑ کیوں برپا ہوا ؟ تا کہ ہر شریر اپنے انجام کو پہنچے۔ بارش کی پہلی بوندوں نے اپنی مہلک سے کیا پیغام دیا؟ کہ رحمت خداوندی پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لیے آن پہنچی۔ گالوں کی سرخی نے جوانی کا پیغام دیا۔ چہرے کی زردی نے بیماری کا سندیس بھیجا۔ سر کی چاندی اور بدن کی کمزوری نے بڑھاپے کا خط لکھا۔ شراب نے عقل کو رخصت کر دیا۔ مست خیال نے تمہیں شیطان بنا دیا تمہارے ہاتھ اور پاؤں بہکنے لگے۔ آذان پہ کان دھرا تو ہوش میں آئے، تلاوت قرآن نے انسان بنا دیا۔ نماز سے تم نے وجدان حق پایا اور سجدے نے تمہیں قرب ربانی سے سرفراز کر دیا اسی طرح دیگر ملنے والی ڈوروں کو دیکھیے۔

مثال ا...... زید نے بکر کے گھر چوری کی عمر نے اونے پونے داموں چوری کا مال خرید لیا۔ ارشد فرض شناس پولیس والے نے چور پکڑ لیا۔ جاوید SHO نے رشوت لے کر چور چھوڑ دیا۔ یہی چور کسی اور کے گھر سے چوری کر کے بھاگا لوگوں نے دیکھ لیا پیچھے بھاگے۔ چور نے جان بچانے کے لیے ایک فائر داغ دیا یہ اندھی گولی گلی سے گزرتے ہوئے رشوت خور SHO کے اکلوتے بیٹے کے سر میں اتفاقاً اتر گئی۔ اب اس تمثیل کے کرداروں کو فوکس کیجیے۔ زید نے بکر کے گھر چوری کیوں کی؟ کیونکہ زید عرصہ سے بے روزگار تھا سفید پوش تھا۔ بھیک نہ مانگ سکتا تھا علاقے کے بڑوں کے پاس گیا کسی نے کام نہ دلایا۔ مزدوری کے لیے گیا وہاں مزدوروں کا جم غفیر دیکھا جو شام تک مزدوری کے انتظار میں بیٹھ بیٹھ کر گھر چلے جاتے تھے۔ اس کے گھر کا چولہا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ بچے روٹی کپڑا مکان تعلیم مانگتے تھے۔ بیوی پیسے مانگتی اک عرصے کی غربت کی وجہ سے نوبت لڑائی جھگڑے اور طلاق تک پہنچی ہوئی تھی۔ آیئے دیکھیں بکر کے گھر چوری کیوں ہوئی بظاہر تو چور رات کو ان کے گھر کی دیوار پھاند کر پچھواڑے کے کمرے سے چوری کر رہا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بکر کی دکان تھی وہ سودا تولتے وقت ترازو میں ڈنڈی مارتا تھا۔ گھٹیا کوالٹی کی اشیاء کی قیمت اعلیٰ کوالٹی کے برابر چرب زبانی سے وصول کر لیتا تھا اور ٹیکس چور بھی تھا لہٰذا فالتو حرام کا نفع تو چوری ہونا ہی تھا اس طرح سے بکر گناہ گار بھی ہوا اور اس کے ہاتھ سے مال بھی جاتا رہا۔ عمر چوری کا مال خریدنے کا دھندا کرتا تھا خاصہ بڑا نفع لے کر بیچتا اس طرح سے خوب مال بنا لیا تھا کہ ایک دن معلوم ہوا اس کی بیوی جس سے اسے بڑا پیار تھا کینسر میں مبتلا ہے اس کی زندگی اندھیر ہو گئی اس نے ملک بھر کے اعلیٰ سے اعلیٰ ہسپتالوں سے مہنگا سے مہنگا علاج کروایا۔ لاکھوں لٹایا حتیٰ کہ اپنی کوٹھی اور گاڑیاں بھی گروی رکھ کے رقم حاصل کر کے علاج کے لیے جھونک دی لیکن اخیر لاڈلی بیوی مر گئی۔ اب عمر کے پاس ایک پرانا سا جھونپڑا ہے بن ماں کے تین بچے ہیں بیوی کے غم سے دھندا بھی چوپٹ ہے جو گزشتہ دس پندرہ سالوں میں کمایا تھا وہ تو گیا چلا گیا البتہ اس حرام کا گناہ اس کے سر اب بھی ہے جس کا حساب روزِ قیامت ہوگا البتہ طبیعت سنبھلتے ہی وہ پھر بچوں کے پالنے کو اسی دھندے پر چل نکلا ہے کیونکہ اسے ابھی تک بات سمجھ نہیں آئی۔ ارشد جس نے چور پکڑا تھا اور رشوت ٹھکرا دی تھی کیونکہ وہ نیک انسان تھا وہ گو کہ غریب ہے لیکن معلوم نہیں اس کے بچے کیوں سرکاری سکولوں میں پڑھنے کے

Marfat.com

باوجود بڑے لائق ہیں اس کی بڑی بیٹی کی شادی اچھے گھر میں ہوگئی ہے اور بیٹا نیک ہونے کے ساتھ ساتھ انٹر کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے پاس ہو کے وظیفہ ملنے پر بیرون ملک پڑھنے چلا گیا ہے بیوی نے اس کی کم کمائی کو کمال مہارت سے استعمال میں لاتے ہوئے گھر میں سب بنیادی ضروریات پوری کر رکھی ہیں۔ بلکہ اچھی خاصی سفید پوشی اور رکھ رکھاؤ قائم ہے یہ گھر جنت ہے سوچئے تو کیوں؟ جاوید SHO کو سات بیٹیوں کے بعد بڑھاپے میں نرینہ اولاد ملی تھی جو کہ ابھی بارہ تیرہ برس ہی کا ہوا تھا۔ جاوید نے عمر بھر خوب رشوت کی کمائی کی تھی اور بہت بڑا آدمی بن گیا تھا۔ بیٹیوں کو لاکھوں کے جہیز سے اٹھایا تھا لیکن دو کو طلاق ہوگئی تھی ایک کا خاوند دس سال سے بیرون ملک سے نہ لوٹا تھا معلوم ہوا کہ اس نے وہاں شادی کر لی ہے ایک بیٹی زیادہ پڑھ گئی تھی اعلیٰ افسر کی تلاش میں اس کی عمر ڈھل گئی البتہ دو بیٹیاں بڑے اعلیٰ گھرانوں اور مال دولت سے کھیلنے والوں میں گئی تھیں، انھیں حرام کی دولت والے سسرال بھی راس آ گئے تھے شاید ان کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہیں خدا صرف دولت دنیا دے کر آخرت سے ان کا حق ساقط فرما دیتا ہے اور دنیا میں ان کے لیے ڈھیل ہی ڈھیل ہے۔ ایک بچی پیدائشی معذور ہے اور سب سے چھوٹی ہے خیال تھا کہ بھائی اس کا سہارا بنے گا لیکن وہ تو اندھی لیکن بہت سیانی گولی کا نشانہ بن گیا۔ جاوید تھانیدار ایک زندہ لاش بن گیا۔ بیوی صدمے سے چل بسی۔ اب جاوید اکثر خلاؤں میں گھورتا رہتا ہے کبھی روتا کبھی کڑھتا ہے اور اللہ سے اس کی بے انصافی کا گلہ کرتا ہے (اللہ معاف کرے) وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک واقعہ سے کتنے لوگ وابستہ تھے۔ یہ تو محض ایک انتہائی ناکافی تمثیل ہے درحقیقت اللہ کے ایک کام کے پیچھے ہزاروں لاکھوں حکمتیں پوشیدہ ہیں جنھیں ہم کبھی نہیں جان سکتے کہ ہماری طاقت ہمارا علم و آگہی اور ہماری بساط ہی کیا ہے۔

مثال ۲...... ایک جہاز کریش ہوگیا۔ جہاز کے عملے سمیت 236 مسافر ہلاک ہوگئے۔ اس بات پر بہت تحقیق ہوئی کہ جہاز کیوں کریش ہوا۔ یہ تخریب کاری تھی یا جہاز میں کوئی تکنیکی خرابی کی وجہ سے ایسا ہوا۔ لیکن جہاز کے مسافروں کی زندگی کو کسی نے نہ ٹٹولا کہ کون کیا تھا کیا کرتا رہا اور کیوں ایک معین وقت پر یہ سب لوگ دنیا بھر سے اکٹھے ہو کر ایک ہی جہاز پر مرنے کے لیے آن سوار ہوئے۔ آپ یقین جانیئے کہ اگر اس قسم کی تحقیقات نہایت مہارت، احتیاط اور اعلیٰ پیمانے پر ہوں اور ان کی زندگیوں کا اول تا آخر سب ریکارڈ ڈھونڈ کھنگال کر اکٹھا کیا جائے تو نہایت چونکا دینے والے انکشافات ہوں۔ یقیناً کچھ لوگ معصوم اور بے گناہ بھی پائے جائیں گے لیکن ان کی اموات کے پیچھے بھی کمال حکمت ربانی کسی خضرؑ کی تلاش میں ضرور نظر آئے گی۔ ہاں ہم خضر نہیں اس لیے ہم کبھی نہیں جان سکتے تاہم روح موسیٰؑ سے بفضل تعالیٰ حصہ پانے والے نفوس کے کانوں میں کچھ خبریں ضرور پہنچیں گی۔ افسوس کہ ہم موسیٰؑ بھی نہیں اور روح موسیٰؑ کے متمنی بھی نہیں پھر راز دار ہم سے یہ راز کیسے کہیں۔ ہم تو دو سو سینتیسویں (237) مسافر ننھی شیر خوار بچی کے زندہ بچ جانے پر بھی حیران ہیں۔

مثال ۳...... ایک بچی کسی بہت ہی غریب گھر میں پیدا ہوئی۔ ماں باپ بہت نیک تھے اور بچی بھی نیک خصلت اور

Marfat.com

خوبرو تھی۔ میٹرک میں اعلیٰ نمبر لیے لیکن باپ میں ہمت نہ تھی کہ کالج میں پڑھا سکے آخر اسے باقی بچوں کا بھی خیال تھا بڑا بیٹا میٹرک کرنے کے بعد دو سال سے ملازمت کی تلاش میں تھا اور دو چھوٹے بچے بھی پڑھ رہے تھے۔ خاتون خانہ بہت ہی نیک سیرت اور نیک طینت تہجد گزار صابر و شاکر سگھڑ قسم کی بیوی تھی وہ اکثر راتوں کی تنہائیوں میں رب کے حضور روتی گڑگڑاتی اور اپنے گھر کی سلامتی، اولاد کی ترقی اور دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتی رہتی تھی۔ غربت کے باوجود اس گھر سے کوئی فقیر کبھی خالی ہاتھ نہ گیا تھا اور نہ ہی کبھی گھر میں کوئی اچھی چیز پکا کر اس نے اڑوس پڑوس بھجوائے بغیر اولاد یا میاں کو کھلائی تھی۔ پائی پائی جمع کر کے عید قرباں پر چھوٹے موٹے جانور کی قربانی کر ہی ڈالتی۔ اسے اپنی بڑی بیٹی سے قدرتی طور پر کچھ زیادہ ہی پیار تھا بیٹی بھی ایسی کہ خدا کا خاص تحفہ، گھر بھر کی جان اس میں تھی۔ اس کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا وہ اچھی تربیت کے ساتھ بڑا ہو رہا تھا اور آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا، کافی ذہین تھا، تاہم پڑھائی میں اچھے نمبر لینے کے باوجود کبھی پوزیشن نہ لی تھی۔ یہ بچہ معاشرے پر کافی غور کرتا رہتا تھا۔ یہ چھوٹا اسکالر نما ذہن رکھنے والا بچہ اپنے ساتھ کے بچوں کو دیکھتا کہ وہ اچھے اچھے سکولوں میں پڑھتے، اچھا لباس زیب تن کرتے، اچھے گھروں میں رہتے، گاڑیوں موٹروں میں گھومتے، پیسوں سے جیبیں بھری ہوتیں، زندگی کے لوازمات سے مزیّن ہوتے، سیر سپاٹے کرتے غرض ان دوسرے بچوں کی زندگی میں اسے بڑی جان نظر آتی اور اپنی زندگی و طرزِ حیات میں اسے کوئی خاص کشش محسوس نہ ہوتی۔ اس لیے اکثر وہ اپنے والدین سے اس قدر معیارِ حیات کے تفاوت پر طرح طرح کے سوال کرتا، اداس رہتا اور سوچتا رہتا۔ والدین اسے طرح طرح سے اللہ کی اس دنیا کی حکمتیں سمجھانے کی کوشش کرتے، مذہبی حوالے سے صبر شکر کا درس دیتے اور محنت و لگن سے پڑھ لکھ کر ترقی کرنے کی راہ دکھاتے۔ وہ یہ سب کچھ سن کر سر ہلا دیتا لیکن لاکھ سمجھنے اور چاہنے کے باوجود اس کا ذہن مطمئن نہ ہوتا اور وہ آسمان کو حسرت سے اکثر دیکھتا۔ اس کی نگاہوں میں رب کریم سے کہنے کے لیے شاید عجب قسم کے کئی سوالات بھرے ہوتے۔ یہ تھا اس گھر کا مختصر تعارف۔ اپنی بیٹی کے بہت اصرار اور رونے دھونے نیز تعلیم کے شوق کے پیشِ نظر والدین نے کسی نہ کسی طرح اسے کالج میں داخل کروا ہی دیا۔ وہ کالج جانے لگی۔ گھر سے کالج زیادہ دور نہ تھا۔ اس لیے وہ محلے کی چند لڑکیوں کے ساتھ پیدل ہی جایا کرتی تھی۔ وہ اب سیکنڈ ایئر میں تھی اور پری میڈیکل کی طالبہ تھی۔ ایک دن وہ کالج جا رہی تھی ہوا خاصی تیز تھی وہ کیونکہ پردہ دار برقعہ پوش بچی تھی اس لیے نقاب کو سنبھالنے کے لیے اس نے اس کا ایک سرا ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا کہ نقاب اڑنے نہ پائے تاہم اچانک ہوا کے ایک زوردار جھونکے نے اس کے ہاتھ سے نقاب چھین کر الٹ ہی دیا۔ اسی لمحے سامنے سے آنے والی بڑی شاندار گاڑی میں بیٹھے فرہاد کی نظر اس پر پڑی۔ نظر کیا پڑی کہ وہ معصوم چہرہ سیدھا اس کے دل میں اتر گیا۔ فرہاد ایک بزنس مین کا بیٹا اور بذاتِ خود بھی بزنس مین تھا۔ باپ کے لاکھوں کے بزنس کو اپنی محنت، لگن اور مہارت کے ساتھ کروڑوں میں تبدیل کر چکا تھا۔ عمر ابھی محض تیس (30) سال کی تھی۔ والدین کے اصرار کے باوجود اس نے اب تک شادی کی طرف توجہ نہ دی تھی اسے تو بس بزنس ہی

Marfat.com

سے فرصت نہ تھی۔ وہ ایک شریف النفس آدمی تھا اس لیے وہ اوباش امزاء کی طرح عیش وعشرت سے بھی کوسوں دور رہتا تھا۔ بہر حال اس نے جب سلمیٰ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے ذہن نے بڑی تیزی سے فیصلہ دیا کہ یہی لڑکی تمہاری محبت ہے اور اس کے دل نے اس پر مہر تصدیق بھی چند سیکنڈ ہی میں ثبت کر دی۔ جب خدا آسمانوں پر کوئی فیصلہ کر دیتا ہے تو انسان یوں ہی اس پہ عملدرآمد کرتا چلا جاتا ہے۔ اس نے جیسے تیسے معلوم کیا کہ سلمیٰ کون ہے کہاں رہتی ہے کیا کرتی ہے اور اس کے گھر والے کس قسم کے لوگ ہیں۔ اتفاقاً یہ مراحل بھی اس کی توقع کے مطابق اور امیدوں کے پیمانوں پر پورے اترتے ہوئے طے ہوتے گئے۔ پھر کیا تھا اس نے اپنے گھر میں اعلان کر دیا کہ شادی کرے گا تو صرف سلمیٰ سے۔ گھر والوں نے تھوڑی بہت دنیاداری سے کام لیا اور Status کے سوالات اٹھائے لیکن جلد ہی بیٹے کے فیصلے کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اگلے مراحل بخیر وخوبی طے ہوئے اور سلمیٰ دلہن بن کر فرہاد کے گھر پہنچ گئی اس نے نہ صرف سلمیٰ کی پڑھائی مکمل کروائی اسے ڈاکٹر بنا کر دم لیا بلکہ اس کی فیملی کو بھی اس طرح سپورٹ کیا کہ انھیں احساس ہی نہ ہونے دیا کہ وہ ان پر کوئی احسان کر رہا ہے۔ سلمیٰ کے بھائیوں کی تعلیم اور اپنے بزنس میں ان کو ایڈجسٹ کرنا اور پھر Independent بزنس میں کامیاب کروانا فرہاد کے بڑے کارناموں میں سے ایک تھا۔ بھلا کون سوچ سکتا تھا کہ محض چند سالوں کے بعد یہ غریب فیملی امیر اور خوشحال ترین لوگوں میں شمار ہونے لگے گی۔ اب سلمیٰ کے والدین اپنے بیٹوں کے ساتھ خوب سکھی اور پر مسرت زندگی گزار رہے ہیں۔ سلمیٰ کی ماں کا ایمان اس قدر بڑھ چکا ہے خدا کی ذات پر کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے یہ ہیں اللہ کے کام۔ گو کہ آپ کو یہ ایک افسانوی اور ڈرامائی تحریر محسوس ہو گی لیکن خدا کے کام تو اس سے بے پناہ زیادہ عجب اور حیران کن ہیں۔

آیات ربانی کا بحر بے کراں:

اگر اس طرح کی مثالیں دوں تو دنیا بھر کے کاغذ اور سیاہی ختم ہو جائے لیکن مثالیں ختم نہ ہوں۔ آخر اللہ نے یوں ہی تو نہیں فرمایا کہ اس کی آیات کے لیے دنیا بھر کے درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں نیز اتنے ہی اور بھی آجائیں تو اس کی آیات اس کی نشانیاں اس کے عجائبات، اس کا علم وحکمت، اس کی ذات کے عجب کام یعنی ہماری عقل وفہم سے کہیں ماوراء اس کی ''آیات'' کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ پھر اس حقیر کی حقیر سی کوشش سے یہ مثالیں کیونکر ختم ہو سکتی ہیں۔ آیئے اس سے آگے بڑھیں اور مزید ٹٹولیں کہ اس کی حکمت اس کے کارنامے کہاں کہاں کس کس طرح سے ہمیں دعوت حمد وستائش ربانی پر مجبور کر رہے ہیں۔

کبھی کوشش کیجیے کہ اپنے دل کی دھڑکن کو غور سے ایمان سے اور دھیان سے سن سکیں۔ آپ جب اس میں محو ہو جائیں گے تو یہ دھڑ دھڑ یا دھم دھم آپ کو دراصل اللہ ھو، اللہ ھو کے ردھم میں سنائی دے گی۔ عصر کے ٹائم پہ عام چڑیاں کسی بڑے اور گھنے درخت پر گروہوں کی صورت میں اکٹھی ہوتی ہیں اور پھر اپنی چوں چوں کے عجیب سے ردھم میں اللہ کی حمد بیان کرتی

Marfat.com

ہیں جو فضا میں عجیب سی رب تعالیٰ کی شان جلالیت پیدا کر دیتی ہے۔ اٹک شہر کے اک ایسے ہی درخت کے نیچے کھڑا میں اللہ کی شان پہ عش عش کر اٹھتا ہوں اور میرے دل سے اس خالق و مالک کی حمد وثنا کے ترانے نکل کر میری زبان کو محورقص کر دیتے ہیں۔ خوبصورت فلک بوس پہاڑوں، گلیشئر ز اور سرسبز و شاداب وادیوں، جھرنوں، آبشاروں، دریاؤں، محوسفر بادلوں، کڑکتی چمکتی بجلیوں اور خدا کے خوف سے تھرتھراتی زمینوں اس کے حکم سے گھومتے چاند، سیاروں، ستاروں اور کہکشاؤں وغیرہ کو جب میں دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا ہوں تو یقین جانیئے کہ یہ مجھے اپنی عجب شان کے ساتھ رب کی حمد بیان کرتے ہوئے اپنی سمت کھینچ لیتے ہیں۔ وہ کہاں اور میرا دل کہاں لیکن معلوم نہیں کیا عجب رشتہ ہے کہ جیسا دل کا دھڑکن کے ساتھ یا پیاسے کا پانی کے ساتھ۔ لگتا ہے اگر ہمارے دل نہ ہوتے تو یہ مناظر اور صاحب مناظر ہستیاں بھی نہ ہوتیں۔

چلئے ایک مرتبہ پھر رب کی شانوں کی سیاحت کے لیے نکلتے ہیں۔ جب گرمی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ حبس ہو جاتا ہے زمین تپ کر انگارہ ہونے لگتی ہے تو رب کی رحمت آن پہنچتی ہے، ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، بادل برستے ہیں اور ہر چیز کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ جب مادہ جوبن پر پہنچتی ہے تو مبست نر کہیں غائب سے نمودار ہو کر اسے سکون بخشتا اور بار آور کرتا ہے۔ جب فصل پک جاتی ہے کاٹ لی جاتی ہے جب بھوک لگتی ہے تو دانہ منہ تک ہزار شکلوں میں پہنچ جاتا ہے جب درد اٹھتا ہے تو دوا آن موجود ہوتی ہے جب طوفان اٹھتے ہیں تو کنارے اپنا دامن کھول دیتے ہیں اور زمین اسے سمیٹ لیتی ہے جب آندھیاں چلتی ہیں تو وہ اپنے دوش پہ خشک پتوں کو کھاد کے لیے اور بیجوں کو ان کے مقامات نمو تک پہنچانے کے لیے اٹھائے پھرتی ہیں۔ یہ آندھیاں یہ طوفان کسی کے لیے سزا اور کسی کے لیے جزا بن جاتے ہیں۔ زلزلے بعض اوقات دریاؤں اور سمندروں کا رخ موڑ دیتے بستیوں کو ویران اور ویرانوں کو بستیوں میں بدل دیتے ہیں۔ کسی کو خوفِ خدا، کسی کو سزا اور کسی کو زمین کی تہوں میں مدفون خزانوں سے آشنا کر دیتے ہیں۔ آگ اُگلتے آتش فشاں بھی زمین کے رازوں کو افشاں کر دیتے ہیں حتیٰ کہ زمینیں اور نئے سمندر بنا دیتے ہیں۔ چٹانیں اپنے اندر گزشتہ ہزاروں لاکھوں سالوں کی تاریخ کو فوسلز اور آثار قدیمہ کی شکل میں محفوظ کر لیتی ہیں۔ آواز کی لہریں ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ روشنی کی لہروں میں مناظر ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں گویا لمحہ گزرنے والی زندگی اور وقت کا مکمل ریکارڈ ان میں اول تا آخر محفوظ ہوتا جا رہا ہے نہ صرف یہ کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ نے عبث پیدا نہیں فرمائی بلکہ ہر چیز کے کئی کئی کام اور ہر کام میں کئی کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جنہیں ہم قیامت تک معلوم کرتے رہیں گے لیکن یہ کبھی ختم نہ ہونگی۔

ہم نے اب تک جو بحث کی ہے وہ بہت ادھوری، بہت محدود اور بہت ہی ناقص، تاہم سمجھ آنے والی ربانی حکمتوں پر مبنی تھی۔ آیئے اب نہ سمجھ آنے والی دنیا کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ جہاں ہم نابینا مسافر ہیں۔ چلیں ہاتھ میں ایک چھڑی لے کر بنا آنکھوں کے، بنا کانوں کے، بنا خوشبو کے، بنا لمس کے بنا چکھنے کے محض دل، وجدان اور ماورائے برہان ادراک کی مدد سے ٹٹولیں کہ وہاں کیا ہے کیوں ہے۔ کیسا ہے کہاں ہے، کب ہے اور کب نہیں ہے؟ ظاہر ہے اس دنیا میں بہت ٹھوکریں بلکہ

Marfat.com

ٹھوکریں ہی ٹھوکریں ہیں لیکن اگر ایک عرصے کی سیّاحی کے بعد چند موتی بے پناہ پتھروں کے ہمراہ ہاتھ لگ جائیں تو پھر بھی سودا مہنگا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی سمجھ نہ آنے والی بے شمار قدرتوں میں سے چند اور Super Human کے آنے کا وقت:

اس دنیا پہ ہمیشہ سے ظالم و جابر،، زانی و شرابی، جھوٹے و مکار، عیار و دغاباز کی حکومت کیوں ہے؟ سچ قیدی، حق زندانی اور جھوٹ و باطل کوتوال کیوں ہیں؟ انسان جب کسی علم وحکمت کا تراشیدہ ہیرا بن جاتا ہے تو وہ مر کے مٹی کیوں ہو جاتا ہے خدا کی اس دنیا میں باطل کے پجاری آخر کیوں ہمیشہ سے چھائے ہوئے ہیں حق کو سہارا دینے والے ہاتھ کہاں ہیں۔ حکمت ناپید اور مستور کیوں ہے۔ انسان کے صبح و شام کولہو کے بیل کی طرح کیوں بیت جاتے ہیں۔ اِدھر پیدائش اُدھر موت کیوں ہے۔ انسان فطرت اور لگے بندھے معمولات حیات کا قیدی کیوں ہے۔ اچھا بھلا شریف و نیک آدمی کیوں اندھا ہو جاتا یا موذی مرض کا مریض ہو جاتا ہے۔ کہیں قہقہوں کی بارش کہیں آنسوؤں کی یورش کیوں ہے۔ یہ سب کچھ اور اس طرح کے لاکھوں سوالات کے جوابات ہم نہیں جانتے اور اندھے کی لاٹھی کی طرح زندگی بھر ٹٹول ٹٹول کر حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جواب ندارد۔ دنیا بھر کی مذہبی، آسمانی کتب پڑھ جایئے، یہی ملے گا کہ فلاں قوم بہت گمراہ ہو گئی تھی یا فلاں قوم پر ظلم و جبر حد سے بڑھ گیا تھا۔ مظلوم و مقہور گڑگڑا، رو اور تڑپ رہے تھے کہ کوئی موسیٰؑ آیا کوئی عیسیٰؑ آیا کوئی تابندہ ستارہ محمد ﷺ چمکا۔ لیکن آج جتنا ظلم، جبر، درندگی اور سفاکی دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے کیا اس کے لیے کوئی ابراہیمؑ نہیں۔ جب خدا کا قانون ہے کہ پیاس حد سے بڑھی تو پانی آیا بھوک حد سے متجاوز ہوئی تو غذا پہنچی اور ظلم حد سے بڑھا تو خدا کی لاٹھی حرکت میں آئی تو پھر آج وہ لاٹھی وہ پانی وہ غذا کہاں ہے جو وقت مانگ رہا ہے جو خلق خدا کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ اللہ کا قانون ہے کہ خلاء نہیں رہ سکتا ہے۔ اسے پر کرنے کے لیے قوتِ ربّانی حرکت میں آ جاتی ہے تو آج خلاء کیوں ہے آخر کیوں اور کیسے؟ مجھے لگتا ہے کہ وقت کا ابراہیمؑ کسی بھی لمحہ کسی بھی وقت اُبھر کر سامنے آنے والا ہے۔ بے شک وہ رسولؐ یا نبیؑ نہ ہو لیکن خدائی تائید وحمایت سے Special Powers کا مالک ایک انتہائی Super Human ہوگا اور اس کا وقت یقیناً ہو چکا ہے۔ میرے فہم کائنات کے مطابق تو ایسا ہی ہے باقی اصل علم تو اس علیم وخبیر کو ہے۔

خوشیوں کے جواب میں غم ملنے کی وجہ کیا ہے۔ نیکی کا جواب برائی کیوں ہے۔ محبت کے جواب میں نفرت بھی ملتی ہے کیوں۔ ہیر کو رانجھا نہیں ملتا، سسی کو پنوں نہیں ملتا، لیلیٰ کو مجنوں نہیں ملتا، شیریں کو فرہاد نہیں ملتا، سوہنی کو مہینوال نہیں ملتا، صاحبہ کو مرزا نہیں ملتا آخر کیوں؟ حسینؑ کے سر پہ یزید کی تلوار ہے، منصور سولی چڑھتا ہے، شمس کی کھال کھنچتی ہے دیدہ ور خاک ہو جاتا ہے آخر کیوں؟ تنکا تنکا جوڑ کے کوئی نشیمن بناتا ہے کوئی اسے آگ لگا دیتا ہے اپنے دعا کرتے ہیں دل حیران ہے آخر کیوں؟ کوئی سردی یا گرمی یا بھوک یا ظلم سے مر گیا کوئی عیش کرتا ہے آخر کیوں؟

Marfat.com

کہتے ہیں یہ اور اس طرح کے ہزاروں لاکھوں بلکہ ان گنت سوالات کے جوابات علم لدنی میں ہیں، خضروی علم میں ہیں اللہ کے علم میں ہیں جنہیں انسان نہیں جانتا۔ تاہم اس علم کے لیے غوطہ خوری کرسکتا ہے۔ محنت و کوشش میں عمر لگا سکتا ہے کہ شاید یہ سچے موتی حاصل ہو سکیں لیکن جسے کوئی موتی ملا وہ اسی میں کھو گیا۔ پھر واپس ہی نہیں آیا کہ ہمیں بتاتا حقیقت کیا ہے۔ شاید ان پردوں ہی میں حقیقت و حکمت مستور ہے۔

ٹھیک ہے آسمانی کتابیں ہمیں بہت کچھ بتلاتی ہیں۔ لیکن خاص جگہوں پہ صرف اشارے ہیں اور بہت بہت کچھ تشنہ اور ادھورا ہے جسے معلوم کرنا ہے۔ میں بھی اس راہ کا مسافر ہوں گو کہ زندگی فرصت کم اور رکاوٹیں زیادہ دیتی ہے لیکن اللہ سے امید ہے کہ محنت رائیگاں نہیں فرمائے گا اور جلد ہم پر کرم کرے گا، پردے ہٹائیگا۔ ان شاء اللہ

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 21:

مجرم قوم پر حاکم بھی مجرم ہی مسلط ہوگا

بہت غور وخوض کے بعد معلوم نہ ہوا اور سوال سوال ہی رہے تاہم اک دن اچانک راہ چلتے سوال کا جواب آیا کہ ''مجرم قوم پہ حاکم بھی مجرم ہی مسلط ہوتا ہے'' یہ ہو نہیں سکتا (اللہ کی عام عادت کے مطابق) کہ قوم مجرمین کی ہو جیسے آج کل ہم 90% پاکستانی ہیں اور حکمران مومن وفرشتہ صفت بن جائے۔ اگر حسن اتفاق (اللہ کی اک ادا) سے ایسا ہو بھی جائے تو وہ حکمران بہت ہی جلد ہٹا دیا جائے گا کیونکہ قوم کو اپنے جرائم کے صلے میں آگ درکار ہوتی ہے اور مومن حکمران کے پاس جو آب شفاء ہوتا ہے وہ اس قوم مجرمین کا نصیبہ نہیں ہوتا لہٰذا جیسے تیسے ایسے مومن حکمران کو یا ہٹا دیا جاتا ہے یا اللہ اٹھا لیتا ہے (وفات یا شہادت) اور یہ قوم دنیا کی ہزار رنگی آگ میں بھڑنے کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے کیونکہ آخرت میں ان کے لیے ایک بڑا جہنم منتظر ہوتا ہے۔

اللہ کا عام عذاب چند مومنین کی موجودگی میں بھی قوم مجرمین کا رخ نہیں کرتا:

اب اللہ کی شان دیکھئے کہ گو کہ یہی قوم مجرمین فرداً فرداً اور قومی طور پر تو اپنے جرموں کی سزا سو سو طرح سے بھگتی ہی ہے لیکن اللہ کا بڑا عذاب جس سے ساری کی ساری قوم راکھ کا ڈھیر بن جائے چند مومنین کی موجودگی میں بھی نہیں آتا جب تک کہ انھیں بھی اس قوم سے الگ نہ کر دیا جائے۔ اس کی گواہی بھی قرآن دیتا ہے جب مسلمان بغیر حج وعمرہ کئے فتح مکہ سے چند سال پہلے محض اسی بنا پر واپس بھیج دیئے گئے تھے کہ مکہ میں موجود چند مومنین بھی اس عام لڑائی میں پس نہ جائیں جبکہ فتح مسلمانوں (اہل مدینہ مہاجر وانصار) کا مقدر بن چکی تھی۔

مجرم قوم کے سدھرنے کے لیے رسولؐ وولی اللہ کی دعائیں بھی کام آجاتی ہیں اور اسی طرح ان کے غرق ہونے میں ان کی بددعا کام کر جاتی ہے:

اب جبکہ ہر طرف مایوسی کا عالم ہو اور ساری قوم، قوم مجرمین بن چکی ہو اور اس بنا پر طرح طرح کے مصائب ناکامیوں اور عذابوں کا شکار ہو تو ایسے میں کسی رسولؐ خدا یا اس کے بعد اپنی حد میں کامل ولیؒ کی دعا قوم کی حالت بدل دیتی ہے اور ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ بہترین لیڈرشپ اور جوہر قابل اسی دیمک لگی قوم سے ابھر آتے ہیں، عوام میں حق کے لیے بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور انقلاب اپنی کسی نہ کسی شکل میں پیدا ہو کر حالتِ قوم وملک بدل دیتا ہے اور اگر رسولؐ یا کامل ولیؒ وقت بددعا کرے تو اس قوم پر بڑا عذاب آتا ہے، پھر کبھی آسمان چنگیز وہلاکو کے ذریعے کھوپڑیوں کے مینار دیکھتا ہے کبھی ہٹلر کے ذریعے جنگ کی بھٹیوں میں جلتے انسانوں کو دیکھتا ہے۔ کبھی طوفان نوحؑ کو دیکھتا ہے کبھی جنگ عظیم اول و دوئم میں

Marfat.com

کروڑوں انسانوں کو خاک وخون ہوتا دیکھتا ہے۔کبھی زلزلوں سے بین الاقوامی تباہی دیکھتا ہے کبھی سمندروں کا خشکیوں پہ چڑھ دوڑنا اور دریاؤں کا بپھرنا دیکھتا ہے۔کبھی وباؤں کی صورت لاکھوں، کروڑوں انسانوں کا چشم زدن میں مرنا دیکھتا ہے، کبھی ہوس زر وزن اور ملک وسلطنت کی بنا پر سروں کا بے تحاشا کٹ کٹ کر گرنا دیکھتا ہے حتیٰ کہ خدا اپنے پیاروں کی غلطیاں بھی معاف نہیں فرماتا ہے اگر وہ حد سے بڑھ جائیں اور اس کے رسولؐ کی کوئی بات نہ مان کر اس کی دل آزاری کریں۔یاد رہے کہ نبی پاک ﷺ نے وقت آخر کاغذ وقلم طلب فرمایا تھا تا کہ مسلمان ان کے بعد آپس میں متفرق نہ ہو جائیں اور آپ کچھ نصیحت و وصیت فرمانا چاہتے تھے لیکن آپ ﷺ کی اس فرمائش کو بے ہوشی مرض کی حالت کی فرمائش کہہ کر قابل اعتناء نہ سمجھا گیا۔ حضرت عمرؓ تو قرآن کو مضبوط ہاتھوں سے تھام کر کامیابی سے پل صراط سے گزر گئے لیکن باوجود عثمان غنیؓ کے اعلیٰ مقام کے ان ہی کے دور میں خاندان بنی امیہ میں اور دیگر مقتدر وخوشحال وقابلِ ذکر مسلمانوں میں زمین وجائیداد اور مال ودولت کا مرض جڑ پکڑ گیا اور شہادت عثمانؓ کے بعد آسمان نے نبی ﷺ کے حکم سے سرتابی کی سزا مسلمانوں پر غضب الٰہی کی شکل میں دیکھی۔تاریخ کے اوراق جنگ جمل اور جنگ صفین میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے آپس میں کٹ مرنے سے گرنے والے لہو سے قیامت تک سرخ رہیں گے اور صرف یہ نہیں بلکہ بنی امیہ کا دور زوال لاکھوں بندوں کا قتل بے دریغ، بنی عباس کا وقت زوال لاکھوں نفوس کا تہہ تیغ کیا جانا اور آج تک مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کے خون کا بہنا اور کروڑوں مسلم گھرانوں کا اس میں نہائے رہنا اسی دل آزاری کا نتیجہ ہے جو وقت وصال نبی پاک ﷺ کا حکم نہ مان کر کی گئی تھی جب آپ نے ناراضگی سے منہ پھیر لیا تھا۔

تو یہ ہیں اقوام پر دعا بددعا کے اثرات۔اگر کسی ایسی رعایا کسی دیگر عطا کی وجہ سے رب تعالیٰ مجرم قوم پر مہربان نہ ہو تو وہ اپنے کیے کا پھل بھگت کر رہتی ہے اور اسے اس کے بھیانک انجام سے کوئی بچا نہیں سکتا۔میں اپنی قوم کے جرائم دیکھتا ہوں اور اندازہ کرتا ہوں کہ ہر ہر طرح کے جرائم کا کینسر قوم کے ہر ہر عضو میں تہہ تک سرائیت کر چکا ہے اب کون سا وقت آتا ہے کہ موت کا فرشتہ جانے کون سا اللہ کا منتخبہ عذاب لے کر اس قوم پر نازل ہوتا ہے یا پھر کسی ولی کامل کی دعا سے یا اللہ کی کسی ان دیکھی حکمت کی عطا سے کوئی انقلاب رحمت خداوندی کی صورت ابھرتا ہے۔اللہ جانے اللہ خیر کرے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 22:

حقیقی حمد صرف اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہوگی۔ کسی بھی رسولِؑ خدا کی نعت ہو، اولادرسولؑ کے مناقب ومقامات بیان کیے جائیں، پنج تنؑ پاک کا ذکر پاک ہو یا بڑی سے بڑی ہستی ولی اللہ، ابدالِ حق یا قلندرِ وقت، غوث، قطب کوئی بھی ہو کہ جس کی زبان سے نکلی بات رب تعالیٰ اکثر اسی وقت پوری فرما دیتا ہو۔ کسی کا بھی ذکر ہو حمد وثنا کو ربِ واحد کی طرف منسوب کرنا بہت ضروری ہے ورنہ شرک در آئے گا

اللہ سے محبت کی وجہ سے بندہ ان لوگوں کی محبت میں بھی گرفتار ہو جاتا ہے جو اللہ کے محبوب ہوتے ہیں اور قرب الٰہی جنہیں اپنے اپنے مقامات کے لحاظ سے حاصل ہوتا ہے۔ بندہ ان کی محبت کے اظہار میں لب کشائی کرتا ہے تو یہ محبت کچھ ایسی آگ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے کہ جسے جوش کی ہوا جنگل میں لگی آگ کی طرح سلگائے اور بھڑکائے جاتی ہے اور اندھے پن سے ہر خاص وعام کو جلائے اور راکھ بنائے چلی جاتی ہے۔ لوگ اس کیفیت میں جو کلام لکھتے، پڑھتے یا سناتے ہوئے سر دھنتے ہیں اس میں اکثر حد سے گزرا ہوا کلام ہوتا ہے۔ گو کہ وہ بڑی معصومیت سے اس کلام کی تخلیق تجدید اور نغمگی کے مراحل طے کرتے ہیں اور اکثر ان اشعار کو بڑی مقبولیت بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن تھوڑا سا غور کریں تو شاعر حد کو پار کر کے شرک کے جہنم میں غیر ارادی اور نادانستہ قدم رکھ چکا ہوتا ہے۔ چونکہ عوام کی اکثریت تو کم فہم یا جاہل ہوتی ہے اور چند خاص مذہبی فرقوں کی طرف سے اسے سند قبولیت حاصل ہو چکی ہوتی ہے لہٰذا کسی کی کیا مجال کہ ان منظوم کلاموں، نعتوں، قوالیوں یا صوفیانہ موشگافیوں کے خلاف زبان کھول سکے۔ اگر کسی نے تردید کی تو اسے مخالف فرقہ کی طرف منسوب کر کے ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر یا گستاخِ رسول واولیاء اللہ قرار دے کر اس احتجاج کی فائل کو داخل دفتر کر دیا جاتا ہے۔ مجھے نہ صرف رسول پاک حضرت محمد ﷺ اور ان کی اولاد نیز پنج تن پاک وصحابہ رسول ﷺ سے محبت ہے بلکہ اولیاء اللہ سے بھی دلی محبت ہے عقیدت ہے اور میرا دل ادھر صرف اور صرف اس لیے کھچا ہوا ہے کہ انہوں نے رب پاک سے نہ صرف سچی محبت وعشق کیا ہے بلکہ اپنی زندگیاں اللہ کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں قربان کر دی ہیں۔ میں کسی صاحب مزار کے مزار کو اس لیے محبت سے بوسہ دیتا ہوں کہ وہ

Marfat.com

میرے رب کا عاشق ہے جب عشق مجازی میں محبوب کی گلیوں، راستوں، درودیوار بلکہ اس کے استعمال کی ہر شے سے بھی محبت ہو جاتی ہے اور انھیں بھی انسان چوم چوم کر آنکھوں سے لگاتا ہے تو پھر عشق حقیقی کا کیا عالم ہوگا۔ یہ جو ہم پیروں فقیروں کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں ان کے گھٹنوں کو پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہیں ان کا ادب یوں کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو حکم سمجھ کر دیوانہ وار عمل کرتے ہیں۔ اگر وہ ملاقات کی اجازت نہ دیں تو کئی کئی گھنٹے یا دن ان کے در پہ یا راہ میں پڑے رہتے ہیں۔ کسی زیارت کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنالیتے ہیں صاحب مزار کی طرف پشت نہیں کرتے اور اپنی تربت میں آرام فرما ولی اللہ کے مزار کی یوں عزت کرتے ہیں جیسے مسجد ومنبر یا عبادت گاہ کی کی جاتی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ پیر فقیر یا صاحب مزار خود کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے یا کوئی دیوتا، فرشتہ یا خدا ہے۔ بلکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ بھی ہماری طرح ایک انسان ہے اسے بھی خدا نے پیدا کیا ہے وہ بھی ہماری طرح خدا کا محتاج ہے۔ بغیر اذن الٰہی وہ ایک تنکا بھی نہیں توڑ سکتا نہ کچھ پیدا کرسکتا ہے یا نابود کرسکتا ہے ہم اس کی عزت صرف عاشق الٰہی کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ عشق الٰہی وہ چیز ہے جو لاشے کو شے بناتی ہے جو مٹی کو سونا اور سونے کو سہاگہ عطا کرتی ہے جو سیپوں میں موتی بھرتی ہے جو کوئلوں سے ہیرے بناتی ہے جو عدم کو وجود عطا فرماتی ہے۔ اب سوچنا اور طے یہ کرنا ہے کہ عشق الٰہی ہے کیا شے۔ نام تو اس کا بہت سنا ہے لیکن یہ جنس نایاب دستیاب کیسے ہوتی ہے۔ تو آیئے معلوم کریں کہ اس کی حقیقت اور منبع کیا ہے۔ یہ بہت ہی مشکل سوال اور بہت ہی نایاب گوہر بہت سادہ سی کنجی سے کھلنے والے سم سم کے قلعے میں بند ہے اور اس کا نام ہے ''اطاعت الٰہی''۔ بے حد و بے انداز اطاعت ربانی، ہر ہر سانس کا اطاعت یزدانی میں بسر ہونا۔ اب کیسے معلوم ہو کہ احکامات الٰہی کیا ہیں کہ جن کی اطاعت کی جائے تو قرآن خالص میں سب کا سب خزانہ موجود ہے اسے کھولو، پڑھو، غور وفکر کرو، تدبر کرو، سمجھو اور دل وجان سے ایمان لا کر کہ جس میں شک وشبہ کا شائبہ تک نہ ہو عمل کرنا شروع کردو اور عمل میں بڑھتے چلے جاؤ۔ پختگی اختیار کرلو اور سبقت لے جانے والوں میں سے ہو جاؤ۔ نہ ایمان کی کوئی حد ہے نہ عمل صالح کی کوئی حد ہے نہ سبقت لے جانے کی کوئی حد ہے اور اسی واسطے عشق الٰہی کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ وہ قرآن ہے جو نبی پاک ﷺ کے قلب اطہر پر اللہ پاک نے جبرائیل امینؑ کے ذریعے اور براہ راست اتارا۔ اسی نسبت سے عشق رسول ﷺ بھی اختیار کیا جاتا ہے اور مقام محمد ﷺ متعین ہوتا ہے اس سے آگے کے علوم کی جڑیں، قرآن مقدس اور قلب محمد ﷺ ہی میں ہیں۔ لیکن حسب توفیق الٰہی اور حسب عشق الٰہی اک عاشق کو اللہ سے حاصل ہوتے ہیں ان پر نہ کوئی بحث کرسکتا ہے نہ یہ زیر بحث لانے والے معاملات ہیں نہ الفاظ ان کے معنی ومفہوم کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ ہر کان سننے، ہر آنکھ دیکھنے اور ہر دل سہارنے کی سکت رکھتا ہے۔

ہمارا مقصد یہاں حقیقت عشق بیان کرنا نہ تھا ہمارا مقصد صرف اور صرف یہ حقیقت بیان کرنا تھا کہ جس وحدہٗ لاشریک کے عشق واطاعت کی بنا پر ان اولیاء اللہ کو یہ مقامات حاصل ہوئے ہیں ان اولیاء اللہ کی تعریف کرتے ہوئے ان کے

Marfat.com

مناقب ومقامات بیان کرتے ہوئے لازمی اور ہر صورت حمد کو رب عظیم کی طرف منسوب کرنا ہوگا۔ کسی ولی اللہ کسی رسولؐ کی تعریف ودرجات کے بیان کے ہر ہر نکتے کا اول وآخر اور ظاہر وباطن حمد باری تعالیٰ ہی ہوگا اور توحید الٰہی کو ہر منظوم کلام میں یوں سمونا ہوگا کہ متعلقہ ولی اللہ یا رسولؐ اللہ کی تعریف ومقام رب عظیم کی حمد وتوحید کی طرف منسوب ہوتا چلا جائے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ اس نکتہ ماسکہ کو ماننے اور ایمان رکھنے کے باوجود عملاً اس کی نفی کر دی جاتی ہے اور اکثر نعتوں میں قوالیوں میں مناقب علی المرتضیٰ یا مناقب اہل بیت بیان کرتے ہوئے یا اولیاء اللہ کی تعریف وتوضیح میں لکھے گئے کلام میں قلم حد سے گزر جاتے ہیں۔ خدائی صفات ان حضرات کو عطا کر دی جاتی ہیں اور توحید نیز حمد باری تعالیٰ کی قولاً اور فعلاً نفی کر دی جاتی ہے۔ یہ شرک ہے اور شرک ایٹم بم ہے، سب سے مہلک شے ہے اس سے بچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا توحید الٰہی پہ یقین رکھنا اور ایمان لانا ضروری ہے۔

لہٰذا یاد رکھیئے پھر یاد رکھیئے اور پھر یاد رکھ کر پلے باندھ لیجئے:

ہمیشہ جب بھی نعت لکھیئے یا پڑھیئے جب بھی ذکر اہل بیت ہو جب ذکر اولیاء اللہ ہو ان کے مقامات بیان کرتے ہوئے ساتھ میں اللہ کی حمد بیان کریں، اللہ کے حکم کا ذکر کریں، اللہ کی عطا کا بیان کریں اور وضاحت فرماتے جائیں کہ یہ محض اُس رب کی عطا ہے مرضی اور منظوری اس رب کائنات کی ہے وہ چاہے تو منظور فرما لے چاہے تو رد کر دے، کسی کی مجال نہیں کہ رب کے حضور زور دکھا سکے یا اپنی مرضی کر سکے سوائے اس یکتا کے اذن کے اور رضا کے۔

پھر یاد رکھیئے:

وہ یکتا ولاشریک گو کہ اپنے عاشق کی دعائیں قبول فرما لیتا ہے وہ اپنے اولیاء کے الفاظ کی لاج رکھتا ہے وہ اپنے قلندروں کے لیے بعض اوقات ان ہونی کو ہونی کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے رسولوںؑ اور ان کی نیک اولاد واہل بیت پر بڑا مہربان رہا ہے لیکن اس کے باوجود فیصلے کا اختیار صرف اور صرف اس لاشریک رب کے پاس ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنی کسی حکمت کی وجہ سے اپنے نبیوںؑ کی دعا بھی قبول نہیں کرتا اور یہی معاملہ ولیوںؒ کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ:

لوگ جب اولیاء اللہ کی باتیں پوری ہوتی دیکھتے ہیں چونکہ کسی کی باتیں 50% کسی کی 60% کسی کی 70% کسی کی 80% فیصد کسی 90% یا زیادہ پوری ہو جاتی ہیں تو لوگ ان کے دیوانے بن جاتے ہیں اب خدا پر ایمان کے باوجود خدا کی عملاً نفی کر دی جاتی ہے اور براہ راست ان ولیوں سے مانگنا شروع کر دیتے ہیں جبکہ ولیوں کی بات ان کی اللہ سے دعا ہوتی ہے وہ اکثر پوری فرما دیتا ہے اور کبھی رد بھی فرما دیتا ہے کسی حکمت کی بنا پر لیکن عوام الناس اس طرح سے شرک میں مبتلا ہو

Marfat.com

جاتے ہیں اور مشکل کشا و حاجت روا انہی پیروں فقیروں اور اولیاء اللہ کو سمجھنے لگتے ہیں (گو کہ آج کل اس قبیل میں اکثر دو نمبر قسم کے پیر پیسے اور وسائل بٹورنے کے لیے مختلف گدیوں پر بیٹھے ہیں یا طرح طرح کی دکانداریاں چمکا رکھی ہیں)۔ وہاں سجدے کرتے ان کے نام کے جانور ذبح کرتے، منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں مسلمان ہونے کے باوجود اللہ کی عملاً نفی کر دیتے ہیں اور سارے کے سارے انہی ولیوں کی طرف کھنچ جاتے ہیں۔

یاد رکھیے اور پلے باندھ لیجیے:

اللہ جس راہ سے ہدایت دیتا ہے وہیں سے بہت سوں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے ان مشرکوں کی مرادیں پوری کر کے انھیں گمراہ کر دیتا ہے کہیں بتوں سے مرادیں پوری کر کے بتوں کے پجاریوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور کہیں اور کسی Source کے ذریعے مرادیں پوری کر کے گمراہ کر دیتا ہے کیونکہ یہ لوگ ہوتے ہی بے ایمان ہیں ان کے دلوں میں اللہ کی توحید پر ایمان اور اس کی ذات و صفات پر ایمان ہوتا ہی نہیں صرف ملمع کاری ہوتی ہے جو ہلکے سے جھٹکے یعنی شرک کے پانی سے اتر جاتی ہے اور ان کا شرک واضح ہو جاتا ہے۔

صوفیاء کیا کرتے تھے:

صوفیاء کرام تبلیغ دین فرماتے تھے، بے دینوں کو دین کی دولت سے مالا مال فرماتے تھے ان کی دعاؤں سے لوگ فیض اور شفاء بھی پاتے تھے۔ ان کی کرامات سے لوگ نہ صرف ایمان لاتے تھے بلکہ وہ اپنی ہر کرامت کو صرف اللہ کی طرف منسوب فرماتے تھے کہ اللہ نے احسان فرمایا اور وہ اس کرامت کو دکھانے کے قابل ہوئے، اللہ نے احسان کیا کہ ان کی دعا سے کسی کو شفاء عطا فرمائی، اس طرح سے لوگوں کا ایمان راسخ ہوتا اور دیے سے دیا جلتا جاتا لوگ مسلمان ہوتے چلے جاتے اسلام پھیلتا رہا، اور یہی لوگ اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک لے کر گئے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو لوگوں نے ان کے مزار تعمیر کیے، یادگاریں بنائیں، اللہ نے انھیں عزت بخشی، لیکن یہ یادگاریں اللہ کی توحید کے پرستاروں کی یادگاریں تھیں۔ اللہ کی راہ میں زندگیاں کھپا دینے والوں کی یادگاریں تھیں۔ جہاں لوگ آج بھی ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں دعائیں کرنے اور ان ولیوں کے مزاروں سے توحید الٰہی کی برکات سمیٹنے آتے ہیں۔ آج یہاں جو لوگ آ کر ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں ان جیسا بننے کی توفیق مانگتے ہیں اور ان کے مزار کو انوار الٰہی کا مرکز سمجھ کر وہاں اللہ سے دعا مانگتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی دعائیں بھی ان کے لیے ان کی دعا میں باذنِ الٰہی شامل ہو جائیں گی انھیں جو کچھ رب اس طرح سے دے دیتا ہے وہ تو ہوا اللہ سے مانگنا۔ توحید الٰہی کو دل و جان میں بسا کر مرادیں مانگنا اور جو لوگ اللہ کی نفی کر کے صرف ان کے مزاروں پر ان بزرگوں سے مانگتے ہیں ان کی مرادیں اگر پوری ہو جائیں تو وہ ہوا اللہ کا ان کو ان کی گمراہی میں بڑھاتے چلے جانا۔ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے اور ایسے لوگ مشرک ہیں نادانستہ مشرک۔

Marfat.com

زندہ پیروں فقیروں کے کرنے کا کام:

جو پیر فقیر زندہ ہیں اور واقعی قربت الٰہی رکھتے ہیں اول تو وہ خود ہی لوگوں کے لیے ہدایت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں لیکن اگر کہیں ایسا نہیں ہے اور وہ منبع آزمائش الٰہی بنے ہوئے ہیں تو ان کو چاہیے کہ ان کے پاس جو بھی مریدین آئیں وہ ان کو بمطابق قرآنِ حکیم اور سنت رسول ﷺ زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کریں ان کی تعلیم وتربیت کریں، انھیں ہدایت کریں اور ان کے ایمان کی اصلاح وتجدید فرمائیں ان کے عقائد کو درست کریں اور ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کریں کہ ہر چیز صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر متعلقہ پیر فقیر کو کوئی مقام حاصل ہے تو محض اللہ کے احکامات پر چلنے اور عشق الٰہی کو حسب توفیق اختیار کرنے سے ہے۔ ان کی دعاؤں کو اللہ ہی ہے جو قبول فرماتا یا بوجوہ رد فرماتا ہے یعنی ذاتی طور پر کسی شے پر کوئی اختیار یا قدرت حاصل نہیں۔ اگر اللہ ان کی 99% باتوں کو بھی پورا فرما دیتا ہے تو یہ صرف اور صرف احکامات الٰہی پر تن من دھن سے زندگی نچھاور کر کے عشق الٰہی باذن اللہ کمانے کی وجہ سے ہے۔ اس کے سوا ان میں کوئی ذاتی خاصیت نہیں اور یہ ان کے مناقب صرف رضائے الٰہی تک ہیں وہ جب چاہے واپس لے لے۔ تاکہ لوگوں میں اللہ پر ایمان، اعمال صالح کی ترغیب اور احکام الٰہی کی اطاعت کا رجحان پیدا ہو اور انھیں یقین حاصل ہو کہ اصل خزانہ عشق الٰہی ہے۔ اطاعت رسول ﷺ ہے اور ہر دولت عطا کرنے والا، ہر حاجت پوری کرنے والا، ہر خواہش بر لانے والا اور ہر ناممکن کو ممکن بنانے والا وہ وحدہٗ لاشریک یکتا و بے نیاز ربِ عظیم ہے نہ کہ کوئی دیگر ذات۔

لوگ نقلی پیروں سے اور جعلی فقیروں سے ہوشیار رہیں:

آج کل ذہنی دباؤ کا دور دورہ ہے، محرومیاں و ناانصافیاں اور مظالم عام ہیں جتنے لوگ بے چارے آج پریشان ہیں شاید پہلے کبھی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والے جعلی پیر فقیر خوب سرگرم ہیں اور حقیقی اولیاء اللہ کے درباروں پر یا تو گدی نشین ہیں، سجادہ نشین ہیں، قبضہ گروپ ہیں یا اپنے پاس سے کسی قبر پر مزار کھڑا کر کے نئی نئی گدیاں بنا لی ہیں۔ لوگوں کے کمزور، ناقص اور گمراہ کن ایمان سے فائدہ اٹھا کر انھیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں اور کہیں کالے علم، کالے جادو، بنگال کے جادو، مصر کے جادو وسحر اور بظاہر سفید علم کے جال پھینک پھینک کر مخلوق خدا کی محرومیوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لوگ ایک کے بعد دوسرے اور پھر شاید تیسرے کے ہاتھوں لٹ رہے ہیں اور نہ تو انھیں کوئی پوچھنے والا ہے نہ روکنے والا، اور یہ ہاروت وماروت کی طرح لوگوں کے لیے آزمائش بنے ہوئے ہیں۔ خدارا ان لوگوں سے ہوشیار رہیے اپنے ایمان کی حفاظت کیجیے اور اعمال صالح اختیار کر کے قرآن مجید کے عین مطابق زندگی گزاریے۔ ہر طرح کی فرقہ بندی سے پاک، مولویوں کے فتووں سے الگ تاریخ، روایات یا احادیث قوی وضعیف ہونے کی بحثوں سے آزاد صرف اور صرف قرآن خالص کو پڑھیں، سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ آپ اس پر جس تیزی اور گہرائی سے پورے ایمان ولاریب طریقہ سے عمل

Marfat.com

کریں گے اسی تیزی سے اللہ کی مدد آپ کے پاس آن پہنچے گی۔ احادیث کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھیں۔ وہ رب آپ کے ہر ہر وقت ساتھ ہے اس کی مدد کے لیے مندرجہ بالا طریقہ سے عمل کیجئے اور بڑھتے ہی چلے جایئے۔ پھر دیکھیں اللہ کیسے ہر جگہ آپ کی مدد کو آتا ہے آپ حیران رہ جائیں گے کہ آپ جیسا گناہ گار عام سا شخص کس طرح سے اللہ والا بن گیا۔

وضاحت:

یہ روایتی ''اللہ والا'' ہونے کے تصور کو ذہن سے جھٹک دیجئے، کہ پائنچے ٹخنوں سے اونچے ہوں، جیب میں مسواک ہو، آنکھوں میں سرمہ ہو، سر پہ ٹوپی اور ہاتھوں میں تسبیح کے دانے ہوں، ہر وقت مصلّٰی پر بیٹھا رہے اور حق ہو کے نعرے لگا تا رہے۔ فقیری چوغہ پہن لے، بال بڑھا لے، سبز، کالے، زرد چولے پہن لے، سر پر پگڑ باندلے کسی مخصوص رنگ کا وغیرہ وغیرہ۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے ہمارے نبی پاک ﷺ کی زندگی فرمانِ عائشہ صدیقہؓ کے مطابق قرآن کا عملی نمونہ تھی اور بس، اور یہی وہ شے ہے جس میں سب کچھ ہے اس سے باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی کے اندر فرد و اقوام کا دنیوی اور اخروی عروج ہے اس سے ہٹ کر زوال ہی زوال ہے۔ مطلب یہ کہ عبادات تو بہت خوب ہیں بشرطیکہ اعمال بھی خدا کے حکم قرآنی کے مطابق اطاعت رسول ﷺ میں کیے جائیں۔ ورنہ بن عمل یہ عبادات نرا کھوٹ ہیں۔

میں اکثر بڑی دلچسپی سے صوفیانہ کلام سنتا ہوں، قوالیاں سنتا ہوں، لیکن!

یہی بات وجہ بنی میری یہ تحریر لکھنے کی کہ میں بڑی دلجمعی وعقیدت کے ساتھ صوفیانہ کلام اور قوالیاں یا نعتیں اور ذکر اہل بیت، ذکر علیؓ یا ذکر اولیاءؒ کے منظوم کلام سنتا ہوں اور لطف اٹھا رہا ہوتا ہوں کہ اس کے اندر شعراء، قوال یا مغنیہ حد سے گزر جاتے ہیں، پھر میں دل ہی دل میں اپنے اللہ سے گزارش کرتا ہوں کہ یا اللہ میں کلام کے اس حصے کا تو اقرار کرتا ہوں لیکن فلاں فلاں بات مشکوک ہے یا شرک کے احاطے میں داخل ہے۔ اس لیے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں ہر ہر طرح کے جلّی، خفّی، ظاہری یا باطنی شرک سے۔

نوٹ: بڑے صوفیاء نے جو خود کلام لکھا ہے وہ تو اعلیٰ کلام معرفت الٰہی ہے لیکن مریدوں نے حد کر دی ہے۔

اختتامیہ اور آخری گزارش:

میری ایسے تمام مکتبہ فکر سے ایسے تمام اسلامی فرقوں سے ان کے شعرا سے قوالوں سے اور نعت گو حضرات سے اور اہل بیت سے پنج تن پاک سے عقیدت رکھنے والوں سے اور اولیاء اللہ کے ماننے والوں سے پرزور اپیل ہے گزارش ہے کہ بہت بہت محتاط رہیں۔ جب بھی کوئی شعر یا نظم یا نعت رسول ﷺ یا مناقب اولیاء وغیرہ بیان فرمائیں یا حضرت علیؓ (میری جان اس شیر خدا اور اہل بیت پر اور محمد مصطفیٰ ﷺ پر قربان ہو) کا ذکر فرمائیں تو قرآن پاک کو دائیں ہاتھ میں تھامیں، توحید الٰہی کو دل میں بسائیں اور احکامات رب ذوالجلال کو دلوں کی دھڑکنوں میں بسائیں، سانسوں میں رواں رکھیں، پھر کوئی بات کریں

Marfat.com

تا کہ اللہ کی حمایت ونصرت بھی حاصل ہو اور متعلقہ نبیؑ، رسولؐ یا ولی اللہ کی دعائیں بھی برکات حیؑ وقیوم رب اول وآخر کا باعث بنیں ورنہ وقتی طور پر تو آپ جوش میں جانے کیا کیا کہہ پڑھ اور لکھ جائیں گے لیکن آپ وادیِ شرک کی اندوہناک و پر خطر آگ میں غیر محسوس طور پر جا گھسیں گے۔ جس کا شعور اگر رحمت ربانی متوجہ ہوگی تو بدیر زندگی ہی میں ورنہ بعد از مرگ حاصل ہوگا جب توبہ کی گنجائش بھی باقی نہ رہے گی۔

سنہری مشورہ:

باقی راستے بھی منزل پر پہنچاتے ہیں اور ان میں بھی بہت بہت ہیرے جواہرات پوشیدہ ہیں جو کہ توحید الٰہی ہی سے مزیّن ہیں لیکن ان کے ٹیڑھ اور بھول بھلیاں ہمیں بہکا دینے کے 90% امکانات لیے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ان راستوں کو چھوڑ کر اور پیری فقیری، مزارات، اور اولیاء اللہ کا سہارا چھوڑ کر صرف اور صرف برائے راست اللہ کا سہارا پکڑیں۔ قرآن خالص پر مکمل لاریب ایمان لائیں تمام احکامات پر پورے محبت اور ممکن ہو تو عشق کے ساتھ عمل کریں، توحید الٰہی کو کسی صورت ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ذات وصفات میں صرف خدا کو وحدہٗ لاشریک مانیں اور نبی آخرالزماں ﷺ کی حیات مبارکہ کو قرآن ہی کی عملی تصویر سمجھ کر قرآن ہی سنت رسول ﷺ کے طور پر اپنائیں تو کامیابی کے امکانات اگر توفیق الٰہی ہو تو 100% ہیں۔ اسی چیز کو نبی پاک ﷺ نے زمین میں چند آڑھی ترچھی اور ایک سیدھی لکیر کھینچ کر واضح فرمایا تھا کہ یہ سیدھا توحید کا راستہ بغیر کسی واسطہ کے رب تک جاتا ہے اور باقی راستے گو کہ وہیں جاتے ہیں لیکن پر خطر ہیں۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 23:

فلسفۂ حقوق وفرائض

گو کہ اللہ تعالیٰ شروع ہی سے اپنے نبیوں کے ذریعے افراد معاشرہ وکنبہ کے باہمی حقوق وفرائض کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہم تک پہنچاتا رہا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ قدیم مذہبی کتب تو ناپید ہوتی چلی گئیں اور روایات وتاریخ اور فلاسفہ یا علماء کی باتیں مذہب بن کر باقی رہ گئیں۔ اب بھی دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں طریق حیات پر روشنی ڈالی جاتی ہے ہمارا Topic چونکہ صرف حقوق وفرائض کے باب سے بحث کرنے سے متعلق ہے لہٰذا ہم صرف اسی تک محدود رہیں گے۔ قطع نظر اس سے کہ ہندومت، بدھ مت، جین مت، آتش پرست، یہودی، عیسائی یا مسلمانوں کے مذہبی نصاب میں اس پہ کیا روشنی ڈلتی ہے ہم نے یہاں حقوق وفرائض کے فلسفہ کو ایک Mathematical فارمولے کے طور پر سمجھنا ہے کیونکہ اس کے بغیر کبھی یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اپنی وحی میں ہر دور کے انسانوں کے لیے اس مسئلے کا بہترین حل پیش کیا ہے اور قرآن مجید حقوق وفرائض پر خوب روشنی ڈالتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قرآن جب نازل ہوا اس وقت کے حساب سے بات کی گئی، بعد میں جوں جوں معاملات میں تبدیلی آئے گی متعلقہ شرائط خود بخود تبدیل ہوتی جائیں گی۔ تاہم نئی شرائط طے کرنے کے لیے بنیاد وہی اصل نص قرآنی یا فلسفہ ہوگا اور وہ نئے حالات میں بھی رہنمائی فراہم کرے گا۔

اصل بحث کا آغاز:

کسی بھی معاملہ میں کسی بھی فرد یا افراد سے قوم یا اقوام سے جب آپ کچھ حقوق حاصل کرتے ہیں تو اسی نسبت سے آپ پر فرائض بھی عائد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ صاف سی بات ہے کہ اگر آپ نے کسی سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کے عوض اسے کسی نوع کا فائدہ پہنچانا آپ کا فرض بن جاتا ہے۔ فرض کریں آپ نے ایک کتا پال رکھا ہے۔ ایک گائے یا بھینس رکھی ہوئی ہے یا چند مرغیاں رکھی ہوئی ہیں۔ کتا اگر گھر کی حفاظت کرتا ہے رات کو چوکنا رہتا ہے تو اس کی روٹی پانی دیکھ بھال آپ پر حسب ضرورت فرض ہے۔ اسی طرح اگر گائے بھینس اچھا دودھ دینے والی اور اصیل ہے دودھ کی نسبت سے آپ سے چارہ حاصل کرنے کا اس کا حق ہے آپ کا فرض ہے کہ اس کی صحت وزندگی کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ مرغی انڈے دیتی ہے تو اس کا دانہ دنکا آپ کے ذمہ ہے اور پاک اشیاء کے گوشت کھال وتمام متعلقات پر آپ کا حق ہے۔ اگر آپ کسی جگہ تنخواہ پر ملازم ہیں تو جو کام آپ کو تفویض کیا جائے اسے انجام دینا آپ کا فرض اور آپ سے کام لینا مالک کا حق ہے۔ آپ نے شادی کی بیوی کے حسن و جمال سے مستفید ہوئے، شہوت جنسی حاصل کی، بچے پیدا کیے تو بیوی کی تمام ضروریات کو پورا کرنا مثلاً گھر، خوراک، پوشاک، دوا، تفریح وغیرہ وغیرہ آپ کا فرض ہے کہ جو آپ کا معیار زندگی ہے اس کے مطابق اسے اور بچوں کو بھی معیار زندگی بہم پہنچائیں۔

Marfat.com

بیوی کا کام ہے کہ آپ کی اطاعت (اللہ کے حکم کے اندر رہتے ہوئے) کرے گھر کے امور سرانجام دے، بچے پیدا کرے، انھیں پال پوس کر بڑا کرے۔ بچوں کی پرورش اور تربیت میں مرد حسبِ توفیق وحالات ہاتھ بٹائے اور ان کی تعلیم کا انتظام کرے۔ چونکہ مرد کو بیوی بچوں کی پرورش، خورد ونوش، لباس و پوشاک، چھت و چار دیواری اور دیگر تمام ضروریات زندگی کے لیے اکثر صبح سے شام تک باہر جان توڑ محنت کرنا پڑتی ہے اور اپنے کنبے کو محفوظ گھر اور اچھا حال و مستقبل دینے کے لیے حسب توفیق کام کرنا ہوتا ہے اس لیے گھر کے اندر کے تمام امور عورت کے ذمہ اور گھر سے باہر کے تمام کام مرد کے ذمہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے دنیا میں اکثر جگہ معاملات چل رہے ہیں۔ اب اگر مغربی معاشرے کی طرح عورت بھی روزگار اختیار کرتی ہے اور مرد کے شانہ بشانہ چلتی ہے تو دونوں کے حقوق و فرائض میں تقریباً برابری آجائے گی۔ اب اطاعت صرف عورت کا کام نہ رہے گا بلکہ دونوں باہمی احترام و یگانگت سے کام کریں گے اور دونوں کو ہر کام میں چاہے گھریلو ہو یا بچوں کو پالنے سے متعلق برابر حصہ ڈالنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں حقوق و فرائض بدل جائیں گے۔ مرد کو چونکہ قوی پیدا کیا گیا ہے عورت اور بچوں کی حفاظت تو بہر حال مرد ہی کو کرنا ہو گی اس لحاظ سے مرد کا ایک درجہ پھر بھی عورت پر بڑھا ہوا ہو گا اور عورت اور بچوں کو مرد کی اطاعت کسی نہ کسی حد تک بہر حال کرنا پڑے گی یا یوں کہیے کہ فیصلہ کن حیثیت مرد ہی کو حاصل ہو گی۔ تاہم یاد رہے کہ فطری طریق یہی ہے کہ مرد کام کریں اور عورتیں گھروں میں رہیں اس فطری طریق کو چھوڑنا نری تباہی، بے حیائی اور گھر بھر کی بے سکونی ہے اور اگر کوئی عورت خاوند کی دلی رضا مندی کے بغیر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر یا جذباتی Black mailing کر کے کوئی نوکری یا کاروبار اختیار کر لیتی ہے جس سے گھر کو مالی فائدہ تو ہوتا ہے لیکن ساتھ گھر بھر کی بے سکونی، خاتون خانہ کی کردار باختگی یا میاں بیوی کا لڑائی جھگڑا بھی در آتا ہے تو اس میں عورت قصوروار ہو گی اور وہ اپنے مرد پر معمول کے حقوق بھی برقرار نہ رکھ سکے گی کجا کہ اپنی کمائی کی وجہ سے نئے حقوق قائم کر سکے۔

پس یاد رکھیے:

حقوق و فرائض کا ساتھ چولی دامن کا ہے آپ کہیں بھی ہوں کچھ بھی کریں جب بھی اپنے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ آپ معاملہ کریں جو کہ اکثر قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے تو یاد رکھیں کہ آپ نے اس کے لیے کیا کیا ہے کہ آپ اس سے کسی کام یا عوضانے کی توقع رکھتے ہیں اور خوب سوچ لیجیے کہ کہیں آپ کی خدمات اس کے عوضانے سے کم تو نہیں ہیں۔ بس قدم قدم پر غور کرتے جایئے اور خوب توجہ رکھیئے کہ اپنا فرض ضرورت سے زیادہ ادا کر دیجیے جبکہ اپنا حق جتنا ہو سکے دوسرے پر چھوڑ دیجیے تاکہ احسان کے چند موتی آپ کے دامن میں آ گریں۔ احسان یہی ہے کہ دوسرے کا آپ پر حق نہ ہو اور آپ اس کے لیے کوئی خدمت سرانجام دیں اور جس خدمت کا عوضانہ وصول کر لیا وہ احسان نہ رہے گا۔

آج کل کے ہوس پرستی اور خود غرضی کے سیاہ دور میں تو معاملہ ہی الٹا ہے ہم کسی کے لیے اگر 10% کام کرتے ہیں

Marfat.com

تو ہیرا پھیری، چرب زبانی، مکاری ، ہوشیاری، عیاری ، منفی معاملہ فہمی سے اس کے عوض فائدہ %20، 30%............90% حاصل کر لیتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں۔ انہی غیر انسانی رویوں کی وجہ سے معاشرے میں آپا دھاپی بڑھتی جا رہی ہے۔ خلوص، محبت، بھائی چارہ، یگانگت، اجتماعی فلاح کے جذبات ناپید ہوتے جا رہے ہیں، دوسرے لفظوں میں معاشرہ گل سڑ رہا ہے۔

دیکھا آپ نے:

قرآنی اصول کتنے عمدہ ہیں مثلاً (۱) ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا۔ (۲) اپنے فرائض بخوبی ادا کرنا (۳) احسان کی روش اختیار کرنا (۴) اور حقوق وفرائض میں حسن توازن کو چھوڑ کر کیسے معاشرہ ناسور بن جاتا ہے۔

قرآن کے تمام اصول حسن حیات سے مزیّن اور خود قرآن حسن کا مرقّع ہے:

یہ تو میں نے محض ایک ''حقوق وفرائض'' کے اصول کو Focus کیا ہے اور وہ بھی صرف یہ بتانے کے لیے کہ اپنے شریک کار یا ساتھی و تعلق دار سے اس لیے شاکی نہ رہئے کہ اس نے آپ کا حق ادا نہیں کیا یا اپنا فرض ادا نہیں کیا بلکہ اس کسوٹی پر پرکھ کر دیکھئے کہ آپ کو اس پر اس قدر حق بھی حاصل تھا یا نہیں۔ اپنے عمل سے حق قائم کرنا پڑتا ہے تب اگلے کے فرض پہ نگاہ ہو سکتی ہے۔

نوٹ: قرآن کے اس طرح کے بے شمار اصول وضوابط ہیں کسی ایک کو بھی چھوڑ دیں، تو حسن معاشرت متاثر ہو جاتا ہے۔ ان کا حل پرانی فقہوں میں ہی تلاش نہ کریں بلکہ قرآنی اصولوں کے مطابق خود تلاش کریں فوراً جواب ملے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 24:

میاں بیوی کے درمیان عدم مطابقت، جھگڑا اور فتنہ و فساد اگر معمول بن جائے تو اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے کس طرف اشارہ ہے؟

دنیا میں جہاں اور بہت سے فسادات، ظلم و جبر اور فتنہ و آگ سے آئے دن تباہی و بربادی ہو رہی ہے اور امن دن بہ دن ناپید ہوتا جا رہا ہے وہاں گھروں کے اندر چین و اطمینان بھی ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان عدم مطابقت اس آگ کو بھڑکاتی اور شعلے اٹھاتی ہے۔

میں بہت ہی غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شادی کے بعد بغیر کسی واضح وجہ کے اگر میاں بیوی کے درمیان شروع ہی سے جھگڑا رہنے لگے، ان بن رہے، ناراضگی موقع بے موقع ہو۔ جب جب اس کو دور کیا جائے تب تب اور بڑھتی جائے تو یہ قدرت کی طرف سے اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ رشتہ ٹھیک جگہ نہیں جڑا اور فطرت رہنمائی کر رہی ہوتی ہے کہ انہیں جلد از جلد الگ ہو کر مرد و زن دونوں کو کسی اور جگہ نکاح کر لینا چاہیے۔ ہمارے ہاں یہ سوچ بہت عام ہے کہ رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں اور اگر ایک دفعہ بن جائیں تو انہیں توڑنا بالکل نہیں چاہیے۔ چاہے اس کے لیے آپ کو جو جتن بھی کرنا پڑے، زندگی جہنم بن جائے، تو بھی اسے نبھاتے جایئے اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اللہ نے رشتہ جوڑا ہے تو اسے توڑنا بالکل جائز نہیں۔ مختلف مذاہب میں اس رشتے کے توڑنے پر شدید قدغنیں ہیں۔ گو کہ اسلام نے بھی اس رشتے کو بات بات پر توڑنے کی حوصلہ شکنی کی ہے اور ممکن حد تک اسے نبھانے ہی کی تاکید کی ہے کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ کھیل تماشہ نہیں ہے یہ دو افراد کا نہیں بلکہ دو خاندانوں کا آپس میں سنگم ہے اور بچوں کی زندگیوں کا معاملہ بھی ہے کہ جو اختلاف سے قبل پیدا ہو چکے ہوں لیکن اسلام نے دونوں جانب کے معتبر لوگوں کو صلح کروانے کی ہدایت کے باوجود کہا کہ اگر مطابقت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو تو ان کے درمیان علیحدگی کروا دی جائے اور پھر اس کا ایک پورا طریقہ کار وضع کیا ہے۔

میں نے مذہبی، فلسفیانہ اور منطقی و تجرباتی انداز سے اس پر بہت غور و خوض کیا تو یہ نتائج سامنے آئے کہ اگر پہلے ہی دن سے یا دورِ آغاز ہی سے میاں بیوی کے درمیان ان بن رہنے لگے اور عدم مطابقت بغیر کسی وجہ کے راہ پا جائے یا وجہ ناقابل اصلاح ہو تو کچھ عرصہ یعنی چند ماہ تو حالات کا گہرائی سے جائزہ لینا چاہیے کہ شاید سمجھنے سمجھانے، عقل و خرد اور فہم و شعور سے یہ گتھی سلجھ سکے لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ دلوں کی میل دور ہی نہ ہو مطابقت پیدا ہی نہ ہو، بن ہی نہ آئے تو چاہے بظاہر اس اختلاف کی کوئی وجہ نظر نہ بھی آتی ہو تو اسے فطرت کی طرف سے ایک واضح اشارہ سمجھ کر فوری طور پر اس مرد و زن کو الگ ہو جانا چاہیے تا کہ ان کی

Marfat.com

زندگیاں اور مستقبل مستقل جہنم نہ بن جائے جس کی آگ میں ان کے بچے بھی ہمیشہ جلتے رہیں۔اس رشتے کا قائم رہنا نہ صرف ان دو افراد کی زندگیوں کو جہنم بنائے گا بلکہ ان کے بچے بھی والدین کے معمول کے جھگڑوں سے نفسیاتی مریض بن جائیں گے،ان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا،ان کے رشتے اور شادیاں کامیاب ہونے کا بہت کم امکان ہے۔اس جہنم میں جلتے ہوئے اور اس میں پل کر جوان ہونے والے بچے جہاں جہاں پہنچیں گے نئے جہنموں کو جنم دیں گے۔ان بے چاروں کا قصور نہیں ان کی تربیت ہی ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ زندگی کے مثبت رویوں کے ساتھ ان کی مطابقت بہت کم ممکن ہے۔

طلاق اور گھریلو بے سکونی سے بچنے کے لیے میری تجاویز یہ ہیں:

نمبرا...... سب سے پہلے تو یہ کہ جن دو افراد کے درمیان بطور میاں بیوی کے رشتہ استوار کرنا درکار ہے پہلے انھیں جائز و ممکنہ حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ میل جول رکھنا چاہیے۔انھیں زیادہ سے زیادہ ملنا جلنا چاہیے،ایک دوسرے کے گھر اکثر آنا جانا ہو،کسی تیسرے کی کچھ فاصلے کے ساتھ موجودگی میں اکثر باہر گھومنے پھرنے جائیں،سیر سپاٹا کریں،بے شک اکٹھے پڑھیں لکھیں۔غرض انھیں ایک دوسرے کی شخصیات کو سمجھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے۔ایسا منگنی کے بعد دو تین سال تک کیا جانا چاہیے۔کیونکہ چند دن یا ماہ سے ایک دوسرے کی شخصیات کے اکثر پہلو سامنے نا آئیں گے۔

نمبر۲...... ماہرین نفسیات سے ان کی شخصیات کا تجزیہ حاصل کیا جائے اور شادی کی صورت میں کامیابی کے نتائج کتنے فیصد ہیں معلوم کیا جائے۔

نمبر۳...... دست شناس حضرات سے مدد لے کر دونوں کی شخصیات کا تجزیہ کیا جائے کیونکہ پامسٹری بھی شخصیت کے رازوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ہم بہت کچھ بناوٹ کے پردوں میں چھپا جاتے ہیں لیکن ہاتھوں کی لکیریں جھوٹ نہیں بولتیں۔نیز شادی کی لکیروں سے مزید مدد ملے گی۔

نمبر۴...... دونوں کا میڈیکل کروایا جائے کہ وہ بنیادی طور پر شادی کے اہل بھی ہیں یا کہ نہیں۔میاں یا بیوی بعض اوقات اپنے ساتھی کی جنسی تسکین ہی کے مناسب حد تک اہل نہیں ہوتے یہ بھی جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔بعض دفعہ میاں یا بیوی میں سے کوئی اولاد پیدا کرنے کا اہل نہیں ہوتا یہ بھی ازدواجی زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔یا دونوں میں سے کسی میں ایسی خرابی ہو سکتی ہے کہ اولاد ذہنی یا جسمانی طور پر معذور،بیمار یا کسی لحاظ سے نااہل پیدا ہو۔ایسی صورت میں بھی اس رشتے کو OK کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا جا سکتا۔کسی پیچیدہ جذباتی یا نفسیاتی مرض کا شکار تو نہیں ہیں۔گہرائی سے جائزہ لیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۵...... ملک،قوم،مذہب،ثقافت،معاشرتی رسم و رواج،نسلی بُعد،زبان،رنگ،امارت و غربت،جغرافیائی و موسمی حالات وغیرہ کی وجہ سے بننے والی شخصیات مختلف و متصادم سوچ اور ضرورت کی مالک ہو سکتی ہیں۔ان چیزوں پہ گہرا فوکس متعلقہ سکریننگ کرنے والے ذمہ دار افراد کو کرنا چاہیے۔نوٹ: یہاں یاد رہے کہ جینز کے کراس کے لیے X کراس شادیوں کا ایک

Marfat.com

الگ پورا سسٹم ہونا چاہیے۔

نمبر۶...... اس سلسلے میں افراد کے جینز سے جینیاتی تجزیات بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ نیز ماورائی علوم Occult Sciences سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

نمبر۷...... اس تمام کام کے لیے باقاعدہ ایک وزارت اور اس کے تحت مختلف مندرجہ بالا معاملات سے متعلق شعبے اعلیٰ ماہرین وتجربہ کار اسٹاف کی صورت میں ہونے چاہییں۔

مندرجہ بالا سارے پراسیس سے گزر کر تمام شعبوں سے Fitness کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے ایک اعلیٰ درجاتی ماہر ٹیم اس بات کا فیصلہ کرے کہ انھیں شادی کی اجازت دی جائے یا کہ نہیں۔

اس طرح سے کافی حد تک کامیاب شادیاں انجام پانے کا امکان ہے۔ ان شاء اللہ۔ تاہم 100% کامیابی کی گارنٹی صرف اللہ ہی دے سکتا ہے لیکن انسان کا کام ہے ہر ممکن کوشش کرنا، باقی اللہ پہ چھوڑ دینا چاہیے۔ اس طرح سے نہ صرف گھر جہنم نہ بنیں گے، بلکہ بہتر نسل حاصل کی جا سکے گی۔ نفسیاتی وجذباتی اور جسمانی بیماریوں میں خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔

نوٹ: اس سب کوشش کے باوجود اگر کسی جوڑے کے درمیان اَن بَن یا عدم مطابقت کی فضا پھر بھی مستقل شکل اختیار کر لے تو انھیں فوراً الگ کر دینا چاہیے تا کہ یہ خود اور آنے والی ان کی نسل تباہ ہونے سے بچ سکے۔

اس ضمن میں اہم بات، عشق ومحبت کے جنون کا کیا علاج کیا جائے؟

اوپر کی تحریر کی حد تک تو ہم نے تمام مراحل قدرے آسانی سے طے کر لیے لیکن جہاں بات عشق محبت کے جنون میں مبتلا ہو جانے والے جوڑوں کی آ جائے وہاں سب کے سب قانون قاعدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ اس مشکل اور بظاہر ناقابل حل مسئلہ کا حل کیا نکالا جائے۔ ہمیں یہاں تک یہ اطمینان تو حاصل ہو گیا کہ اوپر دیے گئے حل کے مطابق 90% جوڑوں کے معاملات تو سدھرنے کے خاصے امکانات پیدا ہو گئے ہیں جو کہ محبت وعشق کی بجائے Realistic Approach کے تحت شادیاں کریں گے۔ گو کہ شادی محبت کے بغیر خوشی لا حاصل ہے۔ لیکن جب ان کی طبیعتوں میں اس قدر مطابقت ہوگی تو یقیناً ان کے درمیان محبت بھی پیدا ہو جائے گی اور وہ محبت بھری خوشحال زندگی گزاریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن یہاں ہمیں ان 10% جوڑوں کی بات کرنا ہے جو بغیر سوچے سمجھے پہلی ہی نظر میں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور پھر اگر حالات سازگار ہوں تو یہ محبت اندھا دھند بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس ضمن میں کچھ ضرب الامثال بھی مشہور ہیں، جو لوگوں کے صدیوں کے تجارب سے بنی ہیں۔ مثلاً (۱) محبت اندھی ہوتی ہے۔ (۲) عشق نہ پُچھے ذات۔ (۳) عشق سر چڑھ کے بولتا ہے۔ (۴) عشق کی چوٹ لاعلاج ہے۔ (۵) محبت کی دیوانگی۔ (۶) کسی کو لگن لگ جانا (۷) جوش محبت وغیرہ وغیرہ جیسی بیسیوں اصطلاحات، زبان زدِ عام ہیں۔

Marfat.com

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شدید محبت یا عشق ایک ایسا جذبہ ہے جس کا آج تک کوئی شافی علاج دریافت نہیں ہو سکا اور یہ کوئی سے جوڑے یا باہم دو افراد کے درمیان غیر محسوس طریقہ سے پنپ کر گہری جڑیں پکڑ لیتا ہے۔ لیکن ایسی محبت یا عشق جو ایک دوسرے کی شخصیات کو سمجھے بغیر محض دل کی کشش و چاہت کی وجہ سے اختیار کر لیے جاتے ہیں اور شادی کی صورت میں باوجود شدید محبت کے بوجہ ذہنی عدم مطابقت دونوں کی زندگیوں کو جہنم بنا دیتے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی ضروری ہے۔

اس کے علاج و تدارک کے لیے میری ان تجاویز پر غور فرمائیں:

نمبر ا...... معاشرے کے اندر اس قسم کے محبت و عشق کی حوصلہ شکنی کے لیے TV، پرنٹ میڈیا، انٹرنیٹ وغیرہ وغیرہ پر بھرپور مہم چلائی جائے، آئے دن اس موضوع پر مذاکرے، تبصرے، تجزیات وغیرہ TV پر دکھائے جائیں۔ اخبارات میں کالم نویس حضرات کردار ادا کریں۔ فلم و ڈرامہ میں ان کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ جیون ساتھی کے درست انتخاب کے لیے عوام الناس کو شعور دیا جائے awareness دی جائے۔ اندھی محبت اختیار کرنے کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا جائے اور حقیقی زندگی میں بے شمار لوگوں کی تباہ حال زندگیوں سے عبرت کے لیے خصوصی کہانیاں چھاپی جائیں۔ میڈیا پر پیش کی جائیں۔ غرض اس اندھے عشق کے حیات دشمن تمام سامان اور اس کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔ یقیناً اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

نمبر۲...... اس پر خصوصی ناول و افسانے لکھے جائیں۔ صحت مند محبت اور مثبت عشق کی حقیقت کو واضح کیا جائے اور منفی محبت و عشق بیمار کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے نیز یک رخی محبت و عشق کو بھی ایک نفسیاتی بیماری کے طور پر ثابت کیا جائے۔

نمبر۳...... عشق و محبت کے جائز و ناجائز مقامات سے آگاہ کیا جائے۔ اگر کسی دوسرے کا خاوند یا بیوی پسند آجائے تو اپنے نگاہ و قلب کو اس پلید خیال سے دور رکھنے اور اس کے نقصانات سے آگاہ کیا جائے۔ شعور دیا جائے کہ کہاں کن حالات میں اور کس وقت نگاہ و دل میں محبت کے جذبے کو بے لگام کرنا ہے اور کہاں کہاں لگام دینا ہے۔ ہماری نگاہ سے نیتوں کی مستی شروع ہوتی ہے۔ انھیں بے باک اور بے حرمت نہ ہونے دیں۔ دنیا میں بے شمار اشیاء ہمیں بہت پسند آجاتی ہیں، بشمول انسانوں کے تو کیا یہ سب کچھ ہمیں مل سکتا ہے یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں علم، تہذیب، اخلاق، مذہب اور تمدن یقیناً کچھ حدود و قیود کا پابند کرتا ہے۔ ہم جوں ہی اپنے جذبات کو، نگاہ کو، دل کو بے لگام کرتے ہیں ہم بھٹک جاتے ہیں۔ محبت و عشق کیا چاہتے ہیں، کسی Target کو حاصل کر لینا، اس کا جائز طریقہ شادی ہے۔ اب جب افراد کو کامیاب شادی اور خوشحال زندگی سے خوب خوب آگاہ کیا جائے گا اور اندھی محبت کے عملی نقصانات سے بھرپور مہم کے ذریعے بچنے کا شعور بخشا جائے گا تو اس سے یقیناً کافی فائدہ حاصل ہوگا۔ رہ گیا ناجائز طریق سے اس جذبے کی تسکین تو اسے اخلاقی و مذہبی طور پر کسی بھی معاشرے میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ گو کہ عملی طور پر یورپ میں آزاد خیالی نے اس ناجائز تعلق کو حقیقت کا روپ دے دیا ہے اور اس بات کا انسانوں کو موقع دیا

Marfat.com

ہے کہ جب کشش محسوس ہو تو جوڑے مل کر رہنے لگیں اور جب دل بھر جائے یا عدم مطابقت پیدا ہو جائے تو الگ ہو کر نئے ساتھی کی تلاش کی جائے لیکن تجربہ گواہ ہے کہ اس طرح سے صالح نسل حاصل نہیں کی جاسکتی اس عمل سے پیدا ہونے والے بچے نہ صرف ماں کی ممتا و پدرانہ شفقت سے محروم رہ جاتے ہیں بلکہ نفسیاتی بیماریوں کا بھی شکار ہو جاتے ہیں وہ ریاست کے اچھے نشوونما کے انتظام سے گو کہ ایک اچھی پیداواری انسانی مشینری تو بن سکتے ہیں لیکن اچھے اور مثبت رویوں سے آراستہ انسان نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ معاشی ترقی بھی حاصل کر رہا ہے اور تسخیر کائنات میں بلاشبہ ہم سے بہترین کردار ادا کر رہا ہے۔ لیکن اچھا انسان نہ بن کے جو کہ ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے والے افراد کی اولاد ہی ہو سکتی ہے، انسانیت کو تباہی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایشیائی اقوام اعلیٰ انسان پیدا کر رہی ہیں۔ ایشیائی اقوام کو بھی اس تمام بحث کے مطابق اچھے انسان پیدا کرنے کے لیے مندرجہ بالا طریقہ پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

اس طرح سے عشق و محبت کا بھوت سر سے اتار کر باقی ماندہ 10 فیصد افراد کو بھی راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر ان میں سے دو تین فیصد افراد عشق کے نشے سے باز نہ آئیں تو انھیں برداشت کیا جاسکتا ہے آخر ہم اور قسم کے نشوں میں مبتلا افراد کی مکمل اصلاح بھی تو نہیں کر لیتے۔ ہمیشہ کلیئے اور قاعدے اکثریت کی اصلاح کے لیے ہوتے ہیں۔

اصل عشق مجازی:

آخر میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ عشق سب سے ارفع و اعلیٰ جذبہ ہے مندرجہ بالا بحث میں اس عشق کی بات کی گئی ہے جس کا اختتام اجسام کے ملنے پر ہوتا ہے محبت و عشق اس کے بعد یا تو کسی نشے کی طرح ختم ہو جاتے ہیں یا جسمانی ضرورت کے ساتھ ساتھ قائم رہتے ہیں لیکن ذہنی عدم مطابقت کی وجہ سے زندگیوں کو جہنم بھی بنائے رکھ سکتے ہیں۔ تاہم عشق مجازی کا اصل مقام جسم کے ملاپ کی آرزو کے اندر جنسی ملاپ کی نفی لیے ہوئے ہوتا ہے یعنی ان کی یہ تو شدید تمنا ہوتی ہے کہ ہم ہر پل ہر لحہ ایک دوسرے سے بغلگیر رہیں، قریب رہیں، دو جسم اور ایک جان ہوں لیکن وہ چاہے صدیوں بھی ایک دوسرے سے لپٹے رہیں ان کے جنسی جذباتِ جسمانی بیدار نہیں ہوتے بلکہ یہ جنسی جذبہ عشق مجازی کے اعلیٰ ارتعاش میں مدغم ہو جاتا ہے۔ جدھر ان کی جسمانی جنسیت بیدار ہو کر انھیں ایک دوسرے سے بے پردہ کر دے وہاں عشق ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں آدمؑ و حوا کی طرح زوجین کو عشق کی جنت سے زمین کے جہنم میں اترنا پڑتا ہے۔ اس اصل عشق کی مثالیں ہیں۔ لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، سسی پنوں ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال وغیرہ۔

اک عجب بات:

کیسی عجیب بات ہے کہ جنھیں اس قدر شدید اور پاکیزہ عشق مجازی حاصل ہوتا ہے انھیں اک دوسرے سے ملن کی منزل کبھی زندگی میں حاصل نہیں ہوتی اور شاید یہ ملن نہ ہونا اور عشق کے دریا کا مرتے دم تک بپھرتے چلا جانا اور اسی عشق میں جل

Marfat.com

جل کر راکھ ہو جانا ان کی منزل ہوتی ہے۔

اس عشق کی ایک کم تر شکل اور بھی ہے:

ویسے تو عشق مجازی اک پاکیزہ روحانی رشتے ہی کا نام ہے لیکن خدا کی بے شمار قدرتوں میں سے ایک یہ بھی قدرت ہے کہ بسا اوقات محبت کرنے والے مل بھی جاتے ہیں۔ اس ملن کے بعد محبت کا کم نہ ہونا سال ہا سال کے بعد بھی بڑھتے چلے جانا، شادی اور جسمانی ملن و اولاد کے باوجود ان کا عشق بڑھتے رہنا، حقیقی محبت کی دلیل ہے لیکن چونکہ اصل عشق میں منزل ناپید ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ اس جسمانی ملن کے باوجود روحیں دور رہتی ہیں ان کی روحیں کبھی نہیں مل سکتیں نہ تو ان کی محبت مرتی ہے نہ یہ اک دوسرے سے دور رہ سکتے ہیں، نہ قریب رہ سکتے ہیں۔ دور رہیں تو عشق اندر سے شعلے مارتا و جلاتا ہے اس عاشق کا عجب حال ہوتا ہے اور قریب رہیں تو دنیوی معاملات کی وجہ سے ان کے درمیان اختلافات کے شعلے آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں۔ شدید ترین محبت کے باوجود محبوب کا رویہ، اس کی باتیں، اس کا سلوک آتی جاتی سانسوں کو دوھری دھاری کے خنجر سے چیرتا ہے، ایسے عاشق کو محبوب سے، اولاد سے، دنیا سے، احباب سے، دوستوں سے، رشتہ داروں سے کہیں سے سکون نہیں ملتا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر چھپ چھپ کر روتا ہے اس کا دل مسلسل جلتا ہے۔ اس کی سانسوں سے شعلے اٹھتے ہیں لیکن نہ کسی کو دھواں نظر آتا ہے نہ شعلے دکھتے ہیں۔ بلکہ دیکھنے والے اسے پرسکون پاتے ہیں، بے ستونوں کے آسمان کو کھڑا کر دینے والا رب ایسے عاشقوں کو دریا اور سمندر میں پیاسا رکھتا ہے بالآخر اس عاشق کی روح بھی اصل عاشقِ مجاز کی طرح پیاسی بے پناہ پیاسی ہی رب کے حضور حاضر ہوتی ہے۔ یہی اس کی منزل ہے۔ انعامات سے تو رب ہی واقف ہے لیکن انجام یہی ہے۔

ایک نکتہ کی بات:

آخر میں ایک خاص نکتہ بیان کرتا چلوں، کہتے ہیں اسی مجازی عشق پاکیزہ کی پیاس کا رستہ عشق حقیقی کو بھی چلا جاتا ہے۔ عشق حقیقی میں بھی ہر غرض و غایت سے مبّرا محض اک ہستی سے اس حد تک عشق ہو جاتا ہے کہ دنیا جہاں بے معنی اور اپنی ذات کی نفی ہو جاتی ہے اور عشق مجازی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ یہ مخلوق سے عشق ہے اور وہ خالق سے عشق ہے۔

میرے ناقص خیال سے اگر مخلوق سے عشق کے دوران خالق کی طرف دھیان چلا جائے جس کی وہ خلق شدہ ہے تو عشق عکس کی جانب سے اصل منبع ''خدا تعالیٰ'' کی طرف رخ اختیار کرتا ہے۔ پھر عکس یعنی مجاز جس میں وہ اب تک جذب تھا سے رخ حقیقت کی جانب مبذول ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے عشق مجازی جسے حضرت سلطان باھوؒ ''تِلکن بازی'' سے تعبیر فرماتے ہیں، اگر ''تِلکن'' یعنی پھسلن سے بچ جائے اور عاشق مجاز پھسل کر جنسی آسودگی کی راہ اختیار نہ کرلے، تو ممکن ہو جاتا

Marfat.com

ہے کہ بفضل تعالیٰ وہ عشق حقیقی کو پالے۔ چونکہ وہ پاکیزہ عشق مجازی میں واحد Target میں جذب ہونے کے فن میں مشاق ہو چکا ہوتا ہے اس لیے عام آدمی کی نسبت اسے عشق حقیقی میں کامیابی کے 99% امکانات ہوتے ہیں، بشرطیکہ رب تعالیٰ منظوری عطا فرمائیں۔ اس لیے تو کئی صوفیاء نے بھی مخلوق سے پاکیزہ عشق کی تاکید کی ہے۔

آخر میں ایک انتباہ!

لیکن یاد رہے کہ عشق مجازی بہت خطرناک راہ ہے، آپ گناہوں کی دلدل میں بھی پھنس سکتے ہیں میرے خیال میں اگر ممکن ہو سکے تو براہ راست اللہ سے ہی لو لگائی جائے۔ بے پناہ جاں فشانی، قربانی، صبر و استقلال، ایمانِ کامل اور رکاوٹوں، بہکاووں کے جمِ غفیر کے بعد اللہ نے قبول کیا تو عشق حقیقی حاصل ہو جائے گا۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ میری تحریروں میں ہر حق کو قائم رکھے اور بڑھائے اور ہر باطل کو مٹا دے اور مجھے معاف فرمائے۔ آمین!

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 25:

نسل آدم کا کسی سمت بڑھنا اور کسی رخ پہ مفقود یا مسدود ہونا۔ خدا کی زبردست حکمتوں میں ہماری مداخلت تباہ کن ہے

جب سے نسل آدمؑ وحوا، وجود میں آئی ہے یہ بفضل تعالیٰ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نسل انسانی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ نسل انسانی کی بڑھوتری کی رفتار کو اگر دیکھا جائے تو حضرت انسان کی عمر محض چند ہزار سال سے زیادہ کی معلوم نہیں ہوتی۔ یہ الگ بات کہ ماضی میں ایک بار یا بار بار ایسا ہوا ہو کہ آبادی کروڑوں، اربوں پہ پہنچ کر کسی بہت بڑے حادثے یا حادثات کا متعدد بار شکار ہوئی ہو جس کے نتیجہ میں زمین پر پھر سے چند ہزار نفوس باقی رہ گئے ہوں اور یہ سائیکل یوں ہی کئی بار دہرایا جائے۔ اگر اس مفروضے پر یقین کر لیا جائے تو انسان لاکھوں سال پرانا بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ دیگر تحقیقاتی ذرائع اس مفروضہ کے حق میں فیصلہ دیں۔ مثلاً جسمانی و ذہنی ساکھ میں تبدیلی و بڑھوتری کی رفتار یا جینیاتی تجزیاتی تحقیقات وغیرہ۔ بہر حال ہمارا موضوع بحث چونکہ یہاں پر مختلف ہے۔ اس لیے ہم اصل عنوان مضمون کی جانب رخ کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جنگوں، ہنگاموں، زلزلوں اور دیگر قدرتی آفات وغیرہ میں نیز مختلف بیماریوں یا وباؤں کی صورت میں دیکھتے ہی دیکھتے دنوں اور مہینوں میں کئی لاکھ، کسی جگہ کئی کئی سو یا ہزار اور بڑی آفت میں کئی کئی کروڑ لوگ یا پھر طوفانِ نوحؑ جیسے قدرتی Upset میں کل آبادی ہی لقمۂ اجل بن جاتی ہے اور چند سو یا ہزار نفوس باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر اک اور طرح سے غور فرمایئے تو چھوٹے چھوٹے حادثات میں بیماریوں سے لوگوں کا ہلاک ہو جانا۔ اک اور زاویہ سے معلوم کریں تو کسی کا بے اولاد رہنا کسی کا اولاد نرینہ سے محروم رہنا وغیرہ وغیرہ۔ بے شمار عوامل کی وجہ سے ہم سے ایسے مرد وخواتین مر کے جدا ہو جاتے ہیں جو آگے اپنی نسل باقی نہیں چھوڑ سکتے۔ اسی ضمن میں کئی قسم کا زنانہ و مردانہ بانجھ پن بھی آتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تین چار بہن بھائیوں میں ایک ایسا بھی ہوتا ہے جو یا تو کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا شادی نہیں کر سکتا یا بے اولاد رہتا ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کسی جوڑے سے آگے بیٹیاں ہی پیدا ہوتی ہیں، کسی میاں بیوی سے صرف بیٹے پیدا ہوتے ہیں۔ کسی گھر میں بیٹیاں، بیٹے برابر تعداد میں ہیں اور کسی گھر کی چھت کے نیچے بیٹیاں، بیٹوں سے نسبتاً زیادہ ہیں، کہیں پہ بیٹے زیادہ، جنس مخالف کم ہے۔ عام حالات میں ہم ان باتوں پر غور نہیں کرتے اور اسے معمولات زندگی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن قدرت کی حکمت آفرینی پر غور وتدبّر کی دعوت اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے کہ کائنات کے محرّکات پر غور وفکر کرو۔ بند گتھیاں کھولو اور تسخیر

Marfat.com

کائنات میں حصہ لو۔ یوں ہی کھا پی کر مر نہ جاؤ۔ جس طرح سے قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے اسی طرح سے اس عمل میں بھی جب ہر انسان اپنا اپنا حصہ ڈالتا ہے تو تسخیر کائنات کے عمل کو پر لگ جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہمارے عام انسان کو زندگی کے مقصد کی سمجھ ہی نہیں، وہ محض اس لیے پیدا ہوتا اور بڑا ہوتا ہے کہ اچھا کھا، پی، پہن اور برت لے۔ جنسی عمل میں حصہ لے، بچے پیدا کرے، بڑے کر کے ان کی شادیاں کرے اور مر جائے۔ یہ سب کچھ تو جانور بھی کرتے ہیں بقائے نسل کے لیے۔ لیکن نسل کے باقی رہنے کا بھی تو کوئی فائدہ ہوگا۔ مقصد ہوگا یا یہ ایسے بے مقصد کی مشق اور Recycling ہی ہے۔ نہیں یقیناً اس کا مقصد ہے اور وہ ہے تسخیر کائنات، کائنات کی وسعتوں میں ہر ہر شے کو معلوم کرنا، ہر ہر ذرے کے کام و کریکٹر کو معلوم کرنا اور تابع بنانا۔ اللہ پاک نے یہ جو کائنات کو الجھے ہوئے ریشم کے کائناتی Huge لچھے کی صورت میں ہمارے سامنے سلجھانے کو رکھا ہے اسے سلجھانا اور اس کے مالک یعنی رب لاشریک جیسے یکتا کاریگر کو ڈھونڈنا، تلاش کرنا ہمارا کام ہے ہماری پیدائش کا مقصد ہے۔

یہ تو ویسے ہی ذیلی بحث میں چند باتیں کی ہیں، اصل بات کی طرف واپس آتے ہیں۔ لگتا یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ پہلے کسی بحث میں گزر چکا ہے کہ آدمؑ وحوا یا ڈارون تھیوری کے مطابق پہلے سنگل خلیہ Single Cell میں کل جاندار آبادی کی ہر ہر نوع اور اس کی ہر ہر نسل و حرکت کو فیڈ کر دیا تھا۔ یہاں پر بحث انسان سے متعلق ہے تو ہم کہیں گے کہ آدمؑ وحوا کے اندر تمام تر نسل انسانی Feed تھی جو اپنے اپنے وقت میں مختلف شاخوں سے ہوتی، گزرتی ہوئی پروان چڑھنا تھی اور بڑھ رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اس حکیم و علیم ہستی نے جو کہ اس کا بنانے والا ہے۔ یوں ہی اسے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ نہیں دیا بلکہ وہ مسلسل اس کی کڑی نگرانی کر رہا ہے۔ کسی بہت بڑے حادثے میں اگر لاکھوں لوگ ایسے مر جائیں جو شادی شدہ نہ تھے یا بے اولاد تھے جیسا کہ اکثر افواج کے جوان ہوتے ہیں کہ Teen age یا اوائل عمری ہی میں بھرتی ہو کر اچانک کسی جنگ میں جھونک دیے جائیں، جنگ عظیم اول و دوئم کی طرح سے، وہاں ہلاک ہو جائیں یا کسی اور حادثے یا وباء وغیرہ میں مکس آبادی میں سے نوجوان یا بچے جنہوں نے اپنی نسل باقی نہ چھوڑی ہو یا ایسی ہی خواتین یا بچیاں وغیرہ، جوان حادثات میں مر جائیں یا ماری جائیں، سیلابوں میں بہہ جائیں یا ایسے افراد جو کسی وجہ سے شادی نہ کر سکے ہوں یا بے اولاد رہے ہوں جیسا کہ آج کل مختلف وجوہات کی بنا پر گھر گھر میں ایسے نوجوان لڑکے لڑکیاں بن بیاہے رہ جاتے ہیں۔ یا یورپ وغیرہ میں شادی نہ کرنے اور بچوں کی پیدائش و پرورش کے جھنجھٹ سے آزاد رہنے کا رجحان جو کہ آج کل خوب بڑھ رہا ہے۔ غرض اس طرح کے بے شمار عوامل، محرّکات و وجوہات کی بنا پر جب کسی فرد یا افراد کی نسل آگے نہیں چلتی تو ہم اسے معمول کی بات سمجھ کر اس پر غور ہی نہیں کرتے جبکہ یہ گہرے غور و فکر کا متحمل معاملہ ہے۔ سوچنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کے اندر مالک کی گہری حکمت و دانائی کام کر رہی ہے۔ جہاں اس نے آدمؑ و

Marfat.com

تو اسے اتنی بے شمار نسل انسانی پھیلائی کہ جس کی کوئی انت نہیں ہے وہاں۔

اس رب حکیم نے اس نسل میں باقاعدہ ایک گہرا اسکریننگ یا چھانٹی کا نظام بھی قائم کر رکھا ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ ''اگر ہم بعض (لوگوں) سے دیگر بعض لوگوں کو ختم نہ کر دیتے تو زمین پر بہت فساد پھیل جاتا''۔ یہاں پر لفظ ''لوگوں'' کا اضافہ میں نے کیا ہے سمجھانے کے لیے ورنہ اللہ پاک نے ''بعض سے بعض کو ختم کرنے'' کی وسیع اصطلاح استعمال فرمائی جس سے مراد لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور باقی حادثات و محرکات کے ذریعے ہلاکتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ و خضرؑ کے ہاتھوں ایک نوعمر لڑکے کے قتل کا واقعہ بھی ہے جس کی حکمت الٰہی سے متعلقہ بتلایا گیا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ناخلف ثابت ہونا تھا جبکہ اس کے والدین نہایت نیک لوگ تھے شاید کہ اللہ تعالیٰ انھیں نیک اولاد آئندہ عطا فرمائے۔ تو اس قسم کے حکمت سے پُر اشاروں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسل انسانی کے اِکا دُکا یا چند یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں انسان یوں ہی ہلاک نہیں ہو جاتے یا بے اولاد نہیں رہ جاتے یا شادیوں سے بغیر کسی مصلحت ربانی کے محروم نہیں رہ جاتے بلکہ اس کے پیچھے رب کریم کا پورا حکم اور کائناتی و دنیوی سکیم کارفرما ہوتی ہے۔ جہاں جہاں بھی ہم ضد لگا کر اس کے حکم سے روگردانی کریں گے اس کے پروگرام میں ناجائز مداخلت کی کوشش کریں گے وہاں وہاں ہمیں میجر Upsets کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ

خاندانی منصوبہ بندی Family Planning کا عمل:

گو کہ ملکی خوشحالی کے لیے اس پر عمل کیا جاتا ہے لیکن اس سے مرد و زن کے متوازن تناسب کو چھیڑا جا رہا ہے۔ معاشرے کے اندر کسی ایک جنس کی بہتات ہو سکتی ہے۔ کچھ خاص قسم کی قابلیتوں کی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ آنے والے حادثات میں نسل انسانی کی تباہی کے بعد بچنے والے انسانوں کے اندر re-development کے معاملہ میں سو قسم کے سقم ہو سکتے ہیں۔

کروموسومز یا جینز میں چھیڑ چھاڑ کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں؟

اسی طرح سے کروموسومز کے رد و بدل کے ذریعے نئی نوع کی پیدائش کی کوششیں یا جینز میں چھیڑ چھاڑ کے ذریعے Major Upsets کرنا، زندگی کو ہمیشگی دینے کی کوشش، خاص نسل انسانی پیدا کرنے کی کوشش، مختلف صلاحیتوں سے مزیّن الگ الگ طرح کے افراد کی جماعت پیدا کرنے کی کوشش، ہم شکل و ہم صفت Same Quality کے درجنوں انسان بنانے کی کوشش۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اس قسم کی تحقیقات کو ختم کر دیا جائے یا پابندی لگا دی جائے بلکہ اس میں بہت بہت محتاط رہنے کی

Marfat.com

ضرورت ہے کیونکہ یادرکھیں جو کچھ قدرت نے بنایا ہے اس میں ایک نہایت ہی ذہین ہستی کی ذہانت کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو اتنا بے حدوشمار اور متنوع اقسام کا علم بخش کر اشرف المخلوقات یا اکثر سے اشرف بنایا ہے۔ وہیں فرمایا ہے کہ ''ہم نے انسان کو بہت تھوڑا علم عطا کیا ہے'' اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ ہمیں خود کو خدا سمجھ لینے کا حق کس طرح مل سکتا ہے کہ ہم ہر سیاہ وسفید کے مالک ہونے کا دعویٰ کر دیں۔ یقین جانیئے کہ!

اس نہج پہ چلتے چلتے اقوام سابقہ بار بار تباہ ہوتی رہی ہیں:

یہ نہیں کہ آج کے انسان نے جتنی سائنسی ترقی کر لی ہے پہلے کبھی کسی زمانہ میں نہ ہوئی تھی۔ بلکہ ازمنۂ سابقہ میں حضرت انسان نے شاید کئی دفعہ ترقی کے بام عروج کو چھوا ہے لیکن پھر آسمان سے زمین پر گرا ہے اور ایسا گرا ہے کہ تقریباً صفر پر آ گیا ہے۔ سائنسی ترقی کے لیے مختلف قسم کی سائنسز ہیں ہوسکتا ہے کہ پہلے کسی اور سائنسی فیلڈ میں بے پناہ ترقی ہوئی، اک ایسی سائنس جس کا آج نام ونشان بھی نہ ملتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے بے حدوشمار پیدا کیے ہوئے اور پھیلائے ہوئے علم میں سے انسان جو کچھ پاتا ہے اس میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ اپنی حدود سے نکل کر خدائی حدود میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے وہیں یہ کوڑا لگتا ہے اور ایسا کہ بنا بنایا سب کچھ تہس نہس ہو جاتا ہے اور باقی رہنے والے شاید جنگلی دیہاتی قسم کے لوگ ہی ہوتے ہیں جہاں سے پھر اک نئی سائنس نیا ترقی کا دور نئی تہذیب جنم لیتے ہیں اور ہر دور کا انسان اسی غلط فہمی میں ہوتا ہے کہ ہم سے پہلے کبھی آسمان نے ایسی انسانی ترقی نہ دیکھی ہوگی۔ لیکن قرآن گواہی دیتا ہے کہ تم سے پہلے تم سے زیادہ ترقی یافتہ، زورآور، متمدن اور تمام شعبہ زندگی میں بڑھے ہوئے افراد واقوام تھے۔ انہوں نے حدود کا خیال نہیں کیا۔ اللہ پر ایمان نہ لائے نہ ہی احکامات الٰہی کی پابندی کی بالآخر تباہ وبرباد کر دئے گئے اور ایسے تباہ کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

ایک دعویٰ! ہم ماضی کی تہذیبوں سے متعلق صرف رائی برابر جانتے ہیں:

یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ماضی کے متعلق انسانوں کے دعوے بالکل غلط، نامکمل، ادھورے اور خود ستائشی پر مبنی ہیں۔ کچھ ماہرین مل کر ماضی کی انسانی تہذیبوں کی چھان بین کرتے اور نتائج اخذ کرتے ہیں تو دیگر ممالک کے چند ایسے ہی ماہرین کے سامنے پیش کر کے ان کی سچائی وحقائی کی سند حاصل کر لیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس پر چونکہ اور کوئی تحقیق تا حال موجود نہیں ہوتی اس لیے کئی دہائیوں تک اسے ہی سچ مانا جاتا ہے۔

کیا ستاروں کی حقیقت سے متعلق جدید سائنسی دعوے سچ ہیں؟

جدید سائنس کی روح سے یہ جورات کو آسمان پر ان گنت ستارے نظر آتے ہیں یہ درحقیقت ستارے نہیں بلکہ سورج ہیں ہر سورج کے گرد مختلف تعداد میں سیارے ہیں اور مختلف سیاروں کے مختلف تعداد میں چاند بھی ہیں۔ اب یہ ستارے کروڑوں، اربوں کی تعداد میں ہیں اور ہر ستارہ دوسرے ستارے سے کئی کروڑ میل، کئی لاکھ میل وغیرہ کے فاصلے پر ہے۔ نیز

Marfat.com

قریب کے لاکھوں ستاروں پر مشتمل ایک کہکشاں (Glaxy) ہوتی ہے، ایسی لاکھوں کہکشائیں ہیں جس طرح سے ہر ستارے (سورج) کا اپنا نظام شمسی ہے اسی طرح ہر کہکشاں کا بھی اپنا نظام کشش و دیگر عوامل ہیں اور یہ کائنات نہ صرف بے پناہ وسیع ہے بلکہ مسلسل حرکت میں بھی ہے۔

ضروری نہیں کہ یہ سب سچ ہو:

اب بات یہ ہے کہ ٹھیک ہے طاقت ور ترین دور بینوں کی مدد سے ستاروں کے حالات معلوم کیے گئے طاقتور ترین شعاؤں کی مدد سے فاصلے ماپنے کی کوششیں کی گئیں اور Astronomy پہ بہت کچھ تحقیق ہوئی لیکن ضروری نہیں کہ یہ لوگ سب کچھ ٹھیک کہتے ہوں۔ قرآن مجید میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا۔ یہ چراغ کوئی اور نہیں یہی ستارے ہیں۔ جو رات کو ٹوٹتے اور گرتے لپکتے بھی نظر آتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے خدائی معاملات کا پہرے دار بھی مقرر فرمایا ہے کہ جب شیاطینِ جن و دیگر اقسام وہاں سے کچھ اچک لے جانے کی کوشش کریں تو ان کے پیچھے شہاب ثاقب یا شہابیے لپکتے اور انھیں فنا کر دیتے ہیں۔ ہمارے سائنس دانوں کو تو یہ محض کچھ سائنسی اصولوں کے تحت ستاروں کی ٹوٹ پھوٹ لگتی ہے۔ یہ ضرور بہت بڑے بڑے چراغ (سورج نما) ہو سکتے ہیں لیکن ان کے مقاصد کچھ اور ہیں اور ان کے اوپر اور بھی چھ 6 آسمان ہیں جن کی ہنوز کوئی خبر سائنسدانوں کو نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مادی ستارے اور آسمان وغیرہ الگ ہوں اور روحانی آسمان و چراغ کوئی دیگر شے ہو۔

دراصل آج کی سائنسی ترقی کا مدار یعنی ''مادہ'' ہی غلط ہے:

آج کی تمام تر ترقی کا انحصار مادے پر ہے۔ ہوائی جہاز ہوں یا خلائی جہاز یا خلائی مشین وغیرہ سب کے سب مادی اشیاء سے بنے ہیں۔ مادے کی اس حالت میں اتنی سکت و رفتار کہاں کہ کائنات کی پہنائیوں کو اگلے کروڑوں سالوں میں بھی سر کر سکے۔ اس کے لیے تو اور سائنسز کو تلاش کرنا پڑے گا یعنی مابعد الطبیعاتی دنیا میں جانا پڑے گا۔ گو کہ طبیعات نے بھی بہت کام کیا ہے اور کر رہی ہے لیکن ہر ایک شے کی ایک حد ہوتی ہے اس سے آگے مابعد کی دنیا شروع ہوتی ہے اس لیے مابعد الطبیعات میں محنت کرنا ہوگی۔ مادے کو خاص قسم کی لہروں میں تبدیل کر کے سفر کے قابل بنانا پڑے گا اور کسی طرح سے ان لہروں کو خیال کی لہروں سے ہم آہنگ کرنا پڑے گا تا کہ مادہ خیال کی لہروں میں خود کو بدل کر دوبارہ مادی حالت میں واپس آسکے۔

ایک طرف مادی ترقی کو Reform کریں دوسری جانب ذہنی و روحانی سائنس میں محنت کریں:

ایک طرف تو مادے کو جدید ترین اشکال میں تبدیل کر کے ان حالتوں میں ذہانت اور ذہانت میں کنٹرول ڈال کر آگے بڑھانا ہوگا اور دوسرے طرف صرف اور صرف انسانی ذہن سے متعلق سائنسز کو ترقی دینا ہوگی۔ جیسا کہ میں نے کسی پچھلی بحث میں لکھا ہے کہ یہ مختلف علوم ہیں جن کا تعلق صرف انسانی ذہن سے ہے مثلاً علم الیقین، علم الخیال، علم الوجدان، علم الاوراد،

Marfat.com

علم الجناتِ (متنوع اقسام)، علم المستقبل، یا ماضی بینی بلکہ ماضی یا مستقبل کے زمانہ میں روانگی کا علم، علم النفی زمان و مکاں، علم الروح (حقیقت روح مراد ہے)، علم الارواح (دیگر ارواح سے روابط کا علم مراد ہے)، علم البعد الموت (یعنی مرنے کے بعد اگلی دنیاؤں کے مراحل)، علم القبل از پیدائش (اس سے مراد یہ ہے کہ انسان خاص علم کے ذریعے اپنی پیدائش سے قبل جہاں جہاں اس نے قیام کیا، ان پشتوں کا حال معلوم کرسکتا ہے، نیز آگے اس کی نسل کدھر سفر کرے گی معلوم کرسکتا ہے اور ان ادوار میں جاسکتا ہے)، علم التبادلہ زمان و مکاں (یعنی انسان اک زمان و مکاں سے دوسرے زمان و مکاں میں جاسکتا ہے) غرض کہاں تک لکھوں علم ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ دراصل بے شمار علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر دنیا کے سب سمندر سیاہی بن جائیں اور سب درخت قلمیں بن جائیں اور اتنے اور بھی لے آئیں تو اللہ کی آیات، اللہ کی نشانیاں ختم نہ ہوں۔ اب خود اندازہ لگائیں کہ آخر اللہ پاک نے اگر اس کا عشر عشیر بھی انسان کو عطا کرنے کے لیے راہیں کھلی رکھی ہوں تو علم ہم سے سنبھالے نہیں سنبھلتا اور نہ ہی اس کا کسی صورت احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بجائے Family Planning کے ذریعے نسل انسانی کو مسدود و محدود کرنے کے اسے خوب پھیلایا جائے لیکن صرف روٹی توڑنے والے زمین پر بوجھ قسم کے لوگ نہیں۔ بلکہ ہر فرد کارآمد Productive ہو، جدید سائنسی طریق پر اچھا کارآمد، کارکن، ذہین نسلیں بہتر جوڑوں سے حاصل کی جائیں، انھیں پھیلایا جائے، بڑھایا جائے، نکمے اور بے صلاحیت جوڑوں کو صرف معاشرتی ضرورت کے مطابق ہی بچے پیدا کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ ہر فرد وسائل مہیا کرنے والا ہو۔ ابھی تو بے شمار زمین و سمندر بے کار پڑے ہیں۔ ابھی تو ہمیں اور سیارے اور دیگر دنیائیں بھی آباد کرنا ہیں۔ جتنے زیادہ اعلیٰ ذہین و فطین انسان پیدا ہوں گے انسان اتنی تیزی سے متنوع قسم کی ترقی کرے گا ہماری پشتوں میں بہت بڑے بڑے انسان سوئے پڑے ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدان محوخواب ہیں ایسی ایسی سائنسی ترقی لیے ہوئے جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ انھیں دنیا پر آنے سے نہ روکیں بلکہ جلد از جلد دنیا پر لائیں۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ وہ کھائیں گے کیا یقین جانیے وہ اپنے لیے ایسی ایسی نئی خوراک متعارف کروائیں گے جس کے متعلق آپ کچھ نہیں جانتے۔ ہاں جہاں جہاں نسل انسانی کی چھانٹی Screening کی ضرورت ہے۔ اس کی جس بھی تناسب سے تلفی کی ضرورت ہے وہ کام قدرت خود کرے گی۔ جب قدرت بچوں کی پیدائش میں اتنی مستعد ہے تو وہ نکمے انسانوں اور نکمی قوموں کی تلفی میں بھی اتنی ہی چست ہے۔ یہ مت سوچیے کہ دنیا پر نکمے، نکھٹو، غیر پیداواری، غیر فعال اور بیمار و معذور قسم کے لوگ بہتات میں ہو جائیں گے۔ قطعاً ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جس انسان کا جسمانی مدافعاتی نظام ٹھیک کام نہ کرے اسے کوئی نہ کوئی بیماری آن دبوچتی اور چٹ کر جاتی ہے۔ کیا یہ قدرت کا انتظام نہیں؟ اسی طرح سے دھرتی پر بوجھ قومیں اور نسلیں بھی قدرت کسی نہ کسی محرک سے مٹا دیتی ہے۔

Marfat.com

یاد رکھیں آپ جس تیزی کے ساتھ آبادی کو بڑھائیں گے اسی تیزی کے ساتھ نکمے لوگ اور قومیں تلف ہوتی جائیں گی:

آپ جس تیزی کے ساتھ انسانی نسل کو بڑھائیں گے اسی تیزی کے ساتھ نکمے لوگ اور قومیں تلف ہوتی جائیں گے۔ اسی تیزی سے نئی نئی بیماریاں یا قدرتی آفات پھیل کر Unfit لوگوں کا صفایا کرتی جائیں گی۔ ہمیں بظاہر بڑے حسین، جوان اور باصلاحیت بچے، مرد وزن یا بوڑھے لوگوں کو مرتا ہوا دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا ہے ہم آسمان سے شکایت کرتے ہیں اللہ سے سوال کرتے ہیں اور اس کی وجہ نہیں سمجھ سکتے تو بہت روتے دھوتے، افسوس کرتے اور لاشیں اٹھاتے ہیں۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ حقیقی رب، کہ جو خالق کل ہے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی تنکا بھی نہیں ہل رہا نہ کوئی شے اس کے علم یا حکم یا نگاہ سے لمحہ بھر کے لیے بھی غائب ہے۔

جب ہم یہ جان گئے ہیں تو پھر یہ بھی جان جایئے کہ وہ بہت ہی بڑا خلیق، علیم، سمیع وبصیر، مصوّر، حکیم اور داناء ہے:

اس دنیا و کائنات میں بہت ہی بڑی کہ جہاں عقلیں گم ہو جائیں، منصوبہ بندی سے حکمت و دانائی سے اور فیصلہ کن اتھارٹی سے اللہ رب العزت معاملات دنیا و کائنات چلا رہا ہے۔ نسلیں بنا اور مٹا رہا ہے۔ نئی نئی مخلوقات پیدا فرما رہا ہے اور کئی سابقہ انواع کو مٹا رہا ہے۔ یہ جو مصنوعی طریقہ سے مختلف انواع کو باقی رکھنے کی کوششیں یورپ میں ہو رہی ہیں بیکار ہیں۔ انھیں بالآخر مٹنا اور ان کی جگہ نئی انواع کو آنا ہے۔ ابھی انسان میں بھی بایالوجیکل Changes آنا ہیں اور باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 26:

دل دریا سمندروں ڈونگھے

دل دریا سمندروں ڈونگھے — کون دلاں دیاں جانڑے ھو
چودان طبق دلے دے اندر — تنبو وانگن تانے ھو

عظیم محرم راز حضرت سلطان باھوؒ کے اس کلام پر غور کریں یا اقبالؒ کے ''من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی'' والی بات کو مرکز نگاہ بنائیں بہر حال ان صوفیوں نے اور دیگر صوفیاء نے جو اشارے دیے ہیں ان پر فکر و تدبّر کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو ظاہری دنیا ہے ہماری حواس خمسہ کی دنیا اس سے باہر بھی کئی دنیائیں آباد ہیں۔ جن کا ہمیں علم نہیں ہے، میں اس پر پہلے بھی لکھ چکا ہوں اس میں کچھ مزید باتیں شامل کرتے ہیں۔

ایک واقعہ: بونے قد کے جنات کی تقریب میں ہم بن بلائے مہمان:

رات بہت ہو چکی تھی پہاڑی جنگلی راستہ پر جیپ ہچکولے کھاتی ہوئی محو سفر تھی۔ سامنے تا حد نگاہ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ جیپ کی ہیڈ لائٹس سے آگے کچھ نظر نہ آتا تھا کہ یکدم دور سے روشنیاں دکھنی شروع ہوئیں۔ جیپ جوں جوں روشنیوں کے قریب ہوتی گئی روشنیاں واضح اور واضح ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ جیپ ان سے چند گز کے فاصلے پر پہنچ کر رک گئی کیونکہ سامنے راستہ پر اور دائیں بائیں باقاعدہ کوئی شادی بیاہ کی تقریب جاری تھی، دیگیں پک رہی تھیں۔ طرح طرح کے کھانوں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ جن سے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ کھانا کھانے لگے۔ بالکل انسانوں کی کسی تقریب کی طرح یہ چھوٹے چھوٹے بونے قد کے جنات کی تقریب شادی تھی۔ وہ ہماری موجودگی سے بے خبر تھے۔ ہمارا جی چاہا کہ ہم چل دیں لیکن ہم رکے رہے اور جیپ کے اندر ہی ان کا نظارہ کرتے رہے کہ معاملہ بڑا دلچسپ تھا۔ گاڑی کی لائٹس ہم پہلے ہی بند کر چکے تھے۔ گاڑی بھی بند کر دی۔ دل چاہا کہ ہم بھی اس تقریب میں شامل ہو جائیں اور کھائیں پیئیں، لیکن ساتھیوں میں سے کسی نے منع کر دیا۔ بہر حال کچھ دیر بعد ناچ گانا اور کھانا سب ختم ہوا۔ تقریب تقریباً اختتام پذیر ہو گئی پھر یک دم سب لائٹس اور سب مناظر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ہر سو اندھیرا ہو گیا۔ جیپ اسٹارٹ کی گئی گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس آن کی گئیں۔ لیکن وہاں تو دور دور تک کچھ تھا ہی نہیں، جیسے کہ یہاں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ قطعاً کوئی نشان تک نہ ملا جس سے ثابت ہوتا کہ یہاں چند منٹ پہلے کوئی اتنی بڑی تقریب ہوئی ہو۔ ہم حیران بھی تھے اور پریشان بھی تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ جنات ابھی تھے ابھی کہاں چلے گئے نہ صرف وہ خود غائب ہو گئے بلکہ ان کا بے شمار شادی سے متعلقہ ساز و سامان اور مہمانوں کی گہما

Marfat.com

گھی سب کچھ چشم زدن میں غائب ہوگیا۔ یہ کیا تھا؟ دیکھئے ہم جس طرح سے اس زمین پر آباد ہیں اسی طرح سے بے شمار جانور، چرند، پرند اور درندے بھی اس زمین پر آباد ہیں لیکن ہم ان ہزاروں، لاکھوں اقسام کے جانوروں کی انواع کو اپنے انہی حواس خمسہ سے دیکھ، سن اور محسوس کر سکتے ہیں بلکہ وہ ہماری بقاء کے بھی ضامن ہیں۔

ہمارے حواس خمسہ کی دنیا کے علاوہ other Senses کی دنیائیں بھی زمین پر موجود ہیں:

لیکن حواس خمسہ کی senses والی اس بے پناہ وسیع وعریض اور خوبصورت زمین یا دیگر دنیا میں other senses رکھنے والی بے شمار مخلوقات بھی آباد ہیں۔ مثلاً ہماری زمین پر متعدد اقسام کے جنات بھی آباد ہیں۔ جن کا کاروبار حیات بالکل ہماری ہی طرح سے جاری وساری ہے۔ ان کے مختلف پیشے ہیں، تعلیم گاہیں ہیں، ٹرانسپورٹ ہے، کارخانے یا فیکٹریاں ہیں۔ غرض سب ہماری طرز پر جاری وساری ہے اور اسی زمین پر ہے لیکن ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ہے۔ نہ تو ان کے کاروبار حیات میں ہم مزاحم ہو سکتے ہیں نہ وہ ہمارے معاملات میں عام طور پر دخل دے سکتے ہیں۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟

یہ ہے حواس کی دنیا۔ ایک ہمارے حواس کی دنیا ہے ایک ان کے حواس کی دنیا ہے۔ بعض اوقات کبھی کبھار Onceina Blue Moon ہم ان کی خبر حاصل کر لیتے ہیں جیسے کہ میں نے نیچے واقعہ بیان کیا۔ اب یہ کیسے ہوا کہ ہمارے حواس نے ان کا ادراک صاف صاف وقتی طور پر حاصل کر لیا۔ یہ ہم نہیں جانتے اسی طرح سے جنات بھی کچھ Special حالات وشرائط میں انسانی حواس کی دنیا میں داخل ہو کر کچھ کردار ادا کرنے کے قابل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان کی خبر ہے اور انھیں ہماری۔ لیکن اصولی اور عمومی طور پر ہماری دنیا ان کے حواس کی دنیا سے الگ تھلگ اور محفوظ ہے۔

کیا جن وانس کے علاوہ دیگر حواس کی مالک مخلوقات کا وجود بھی ممکن ہے؟

اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ اسی زمین پر دیگر حواس رکھنے والی مخلوق ہمارے دائیں بائیں ہمارے درمیان آباد ہے۔ یعنی جنات وغیرہ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اور بھی اس طرح کی کئی مخلوقات اسی زمین پر آباد ہوں اور حواس کے فرق اور تنوع کی بنا پر باہم ہم سب کو ایک دوسرے کا ادراک حاصل نہ ہوتا ہو۔ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے اور ایسا ہوگا بھی۔ اب دیگر سیاروں اور دیگر نظام شمسی سے متعلق زمینوں کی طرف دھیان کیجئے جہاں سے حضرت انسان ہو آیا ہے اور جہاں ابھی نہیں جا سکتا ہے کہ وہاں پر بھی other senses والی ایسی بے شمار مخلوقات ہو سکتی ہیں جن کا ہمیں شعور نہ ہو اور ہمارے حواس ان کا ادراک نہ کر سکتے ہوں اور یقیناً ایسا ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بے شمار زمین اور آسمان ویسے ہی عبث پیدا نہیں کیے۔

حالت خواب میں ہم دیگر دنیاؤں اور حواس میں داخل ہو جاتے ہیں:

اب حالت خواب یعنی نیند کی حالت کی طرف آیئے۔ جب ہم نیند میں چلے جاتے ہیں تب ہماری حواس کی دنیا

Marfat.com

معطل ہو جاتی ہے۔ جونہی یہ معطل ہوتی ہے ہم دیگر حواس کی دنیا میں چلے جاتے ہیں۔ اس دنیا اور اس دنیا کے درمیان آڑ (پردہ) ہے۔ اِدھر کی خبر اُدھر اور اُدھر کی خبر اِدھر عام طور پر نہیں آتی جاتی لیکن کبھی کبھی آنکھ کھلنے پر کچھ خبریں یاد رہ جاتی ہیں جنہیں ہم خواب کہتے ہیں۔ جنہیں ہم خواب کہتے ہیں یہ اُس دنیا یا اُن دنیاؤں کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ دراصل یہ ایک دریائے وحدت ہوتا ہے جس میں ہم نیند کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔

صوفیاء اس میں ترقی کرتے ہیں:

اور یہ لوگ حالت نیند کے علاوہ بھی اپنی مرضی و ارادہ سے مختلف ریاضتوں اور اوراد کی مدد سے بفضل تعالیٰ اس دنیا میں حسب استطاعت محدود دخل رکھتے ہیں۔ جتنی کوئی ترقی کرتا ہے اس پر نئی دنیائیں اور علم و عرفان کے نئے در کھلتے ہیں۔ لیکن یہ ایک سمندر ہے بے حد و کنار وسیع سمندر، اس کی اتھاہ گہرائیوں سے بڑی پیرا کی اور لمبے غوطے کے بعد کوئی موتی نکالا جا تا ہے اور یہاں موتیوں کی نہ ختم ہونے والی بے حد وسیع، عقل گم کر دینے والی کانیں ہیں۔ کوئی جتنی محنت کرتا ہے پالیتا ہے۔ لیکن سمندر سے چند قطرے یا چلّو بھر پانی۔ اس سے زیادہ کی کسے توفیق ہے۔ ہاں اپنے نبیوں کو اللہ ولیوں سے آگے لے جاتا اور عجائبات زیادہ دکھاتا ہے کہ ''نگاہ نہ حد سے بڑھی نہ بہکی''۔ یہ معراج کے واقعہ کی بات ہے۔ ان کی تو خیر بات ہی نرالی اور مقام ہی اور ہے۔

اب دل کے چودہ طبقوں کی طرف آیئے:

صوفیاء نے چھ یا سات یا از حد چودہ طبقات دل کی دنیا کے بیان فرمائے ہیں۔ میرے ناقص خیال کے مطابق یہ چودہ الگ الگ حواس کی الگ الگ دنیائیں ہیں۔ جن تک اپنے دنیوی حواس کو معطل کر کے صوفیاء ریاضتوں اور اوراد کے بعد پہنچ پائے ہیں۔ یہ یقیناً بہت بڑی کامیابی ہے کہ اپنے حواس سے نکل کر چودہ دیگر حواس میں داخل ہونا، دسترس حاصل کرنا بلکہ ان دنیاؤں کی کمال درجے کی شہریت بھی حاصل کر لینا۔ یقیناً ان دنیاؤں کے بے شمار عجائب ہوں گے۔ محیر العقول معاملات و وارداتیں ہوں گی اور ناقابلِ یقین کامیابیاں و مقامات ہوں گے۔ لیکن میرے تخیل کی پرواز کہتی ہے کہ یہ طبقات چودہ تک محدود نہیں ہیں۔ یہ تو شاید ہماری گنتی اور شمار کے مطابق بے شمار ہوں۔ ان کے متعلق بنانے والا ہی جانتا ہے کہ ان کا حد و شمار کیا ہے۔ میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ جب وہ وحدہٗ لاشریک رب عظیم و خبیر، عجائبات کا پروردگار ہمارا خالق و مالک میرے اور آپ کے دل کا بادشاہ، قلم کا مالک، جس کے خیال اور تصور سے ایسا لطف و سرور آتا ہے کہ جس سے باہر آیا نہیں جا سکتا جو واقعی بادشاہ ہے جو کشش کی انتہا ہے جو لطف کی انتہا ہے۔ جو حسن کی انتہا ہے۔ جو نور کی انتہاء ہے، جو اس ہی کی قسم کہ میں نہیں جانتا کن کن بے انتہاؤں کی انتہا ہے۔ جب اس کی کوئی حد نہیں انتہا نہیں جس کا ہم ادراک کبھی کسی بھی طرح نہیں کر سکتے تو اس کے طبقات و تخلیقات کی بھلا کیسے کوئی انتہا ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

حاصل بحث:

مختصراً حاصل بحث یہ کہ ہمارے حواس کی دنیا کے باہر بے حد و شمار دیگر حواس کی دنیائیں ہیں جن کے ادراک کے لیے دن رات کوشش کرنا چاہیے اور ہمیں اپنے حواس کی مدد سے یہ جو بے حد و کنار کائنات نظر آتی ہے جسے ہم مادی یا مرئی دنیا کہتے ہیں اس پر غور و فکر کرنا ہی چاہیے لیکن اصل دنیا باہر نہیں بلکہ اندر ہے۔ اپنے دل پر غور بہت ضروری ہے۔ اندر جھانکنا چاہیے، دل کی دنیا کو ٹٹولنا چاہیے۔ جو کچھ باہر دکھتا ہے اس سے بے شمار گنا اور بے شمار کچھ تو اندر ''من کی دنیا'' میں ہے۔ اسے کھوجنا چاہیے اس زندگی میں جتنا کچھ کھوج لیجیے وہی کافی ہے۔ یہ کاروبار حیات یہ دنیا کے معاملات یہ دنیا کی مصروفیات، ضروریات، کشش وغیرہ وغیرہ یہ سب اندر کی اصل بے حد و کنار دنیاؤں پر لگے تالے ہیں۔ دبیز پردے ہیں، یہ سب حقیقت تک پہنچنے کے لیے راہ کی رکاوٹیں ہیں یہ ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتے بلکہ اس سمت ہم جو ترقی حاصل کرتے ہیں یہ اس کو روکتے اور تنزلی کی طرف دھکیلتے ہیں۔ اگر ایک فقرے میں کہوں تو یوں کہ ''باہر کچھ نہیں ہے جو ہے اندر ہے''۔ دل کے اندر، من کے اندر، روح کے اندر۔

یاد رکھئے! رب باہر نہیں اندر ہے۔ علم بھی اندر سے باہر آتا ہے:

رب کو باہر ڈھونڈتے ہو، وہ تو شاید اندر ہی ہے۔ علم اندر سے باہر آتا ہے۔ باہر سے اندر نہیں جاتا۔ تاہم باہر بھی وہ ہے، اندر بھی وہ، اللہ ظاہر، اللہ باطن، اللہ اول، اللہ آخر، میں کچھ نہیں جانتا اللہ ہی سب جانتا ہے۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 27:

فوت شدہ لوگ، بھوت، خواب میں ملنے والے حضرات وغیرہ کہاں ہیں؟

گزشتہ سیر حاصل بحث کے بعد کچھ سوالات تشنہ رہ جاتے ہیں کہ مندرجہ بالا لوگوں کی دنیا کہاں ہے آخر یہ مرنے والے لوگ کہاں چلے جاتے ہیں اور یہ جو مرے ہوئے لوگوں کے بھوت کبھی کبھار کسی کو نظر آتے ہیں یہ کیا معاملہ ہے۔ یہ لوگ خوابوں میں کیسے آجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بہت کچھ کہانیاں مشہور ہیں کہ فلاح روح یا بدروح فلاں جگہ پر رہتی ہیں۔ فلاں مکان میں آسیب ہے۔ بھوت ہے پھر آگے کئی کہانیاں ہوتی ہیں کہ اس کے ساتھ فلاں ظلم ہوا تھا، اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ فلاں زیادتی ہوئی تھی۔ اس کی محبت اسے نہیں ملی اس وجہ سے وہ بھوت اس کا پیچھا کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ نیک روحوں کو بھی گھروں میں کبھی کبھار دیکھا گیا ہے۔ یہ سب معاملات کیا ہیں، کوئی انھیں وہم کہتا ہے، کوئی انھیں توہمات کہتا ہے، کوئی انھیں دماغ کا خلل یا دماغی بیماری یا نفسیاتی مرض قرار دیتا ہے تو کوئی بھوت بیان کرتا ہے۔ ہر مذہب و ملت میں تقریباً اس سے ملتی جلتی کہانیاں یا واقعات تو ضرور بیان ہوتے ہیں لیکن ان کی وجہ اور حقیقت کسی کو کما حقہ آج تک سمجھ نہیں آسکی ہے۔ آیئے کھوجتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیا ہے، کیسے ہے اور کیوں ہے؟

میں نے پچھلے صفحات میں بحث کی ہے کہ ہمارے حواس کی دنیا انہی حواس خمسہ سے متعلق ہے جسے ہم five senses کہتے ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک چھٹی حس کی بات کی جاتی ہے جو آنے والے واقعات کے لیے وجدانی کیفیت سے سرشار ہوتی ہے اور بس۔ اگر ان حواس کو معطل کر دیا جائے تو انسان کو چاہے اس کا دل دھڑک بھی رہا ہو clinically dead تصور کیا جاتا ہے کیونکہ محض سانس کی آمدورفت کو زندگی نہیں کہا جاسکتا۔

حواس خمسہ والا مادی بندہ مرتا ہے اصل بندہ روح میں موجود رہتا ہے:

جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کے ان پانچ حواس کی دنیا کو قائم رکھنے والا مرکز و محور انسانی جسم ختم ہو جاتا ہے تاہم وہ خود نہیں مرتا۔ انسان کی روح تو زندہ رہتی ہے۔ اسے شاید موت کبھی نہیں آتی، چونکہ یہ ''امراللہ'' ہے۔ ہاں اس کی دنیا بدل جاتی ہے اس کے حواس بدل جاتے ہیں زمان و مکاں کے پیمانے شاید بدل جاتے ہوں۔ لیکن روح مرتی نہیں ہے۔ باقی زمینوں یا آسمانوں سے اس کا کیا یا کس طرح کا تعلق ہے یہ تو اور بات ہے لیکن اس زمین ہماری زمین کے ساتھ اس کا تعلق رہتا ہے، گھروں بازاروں سے بھی تعلق رہتا ہے۔

یہ روحیں اس زمین پر بھی آباد ہیں ان کی اپنی دنیا ہے:

جس طرح جنات وغیرہ کی اپنی دنیا ہے لیکن خاص حالات میں انسان اور جن ایک دوسرے کی دنیاؤں میں عمل دخل

Marfat.com

رکھتے ہیں اسی طرح سے یہ فوت شدہ لوگوں کی روحیں بھی کچھ خاص حالات میں انسانی دنیا میں نہ صرف عمل دخل رکھتی ہیں بلکہ ہم بھی ان کی دنیا میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ جو کبھی کبھی فوت شدہ لوگوں کی جھلک گھروں یا نئے پرانے مکانوں میں دیکھی جاتی ہے اور بھوت کہا جاتا ہے یہ انہی لوگوں کی دنیا کا کوئی عکس اُدھر سے اِدھر آ جاتا ہے۔ اسی طرح سے ہم اِدھر سے اُدھر خواب میں پہنچ جاتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بہت گہرے راز ہیں ان سے پردہ ہٹانا جائز نہیں ہے لیکن سمجھانے کے لیے اتنی بات کافی ہے جو کر دی ہے۔ مولانا رومؒ اس سے آگے کی بات کے لیے ٹھیک ہی خاموش رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔

معلوم نہیں اس زندگی سے آگے کتنی زندگیاں اور ہیں اور کون کون سی دنیائیں ہیں:

ہمیں اس کا علم عمومی طور پر نہیں دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لیے عوام الناس کے لیے جو علم اتارا ہے اس میں اس سے آگے کی بات نہیں بتلائی کہ اس کے بعد کیا ہے؟ ہاں اس دنیا میں کیئے کا حساب ضرور دینا ہے۔ تمثیلی انداز میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے لیکن جنت سے مراد خوشیاں، اطمینان، انعامات، خوشحالیاں اور سرور ہے۔ جبکہ دوزخ سے مراد اذیت، تکلیف، کرب درد، دکھ، نا ختم ہونے والا کسی بھی طرح کا عذاب مسلسل ہے۔ خواہشوں کی ناکامی اور درد ہے۔ تمنائے بے کار ہے، غرض اذیت ہی اذیت ہے۔ اب اس جنت و دوزخ کا طریقہ یا پیمانہ کیا کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ عین ممکن ہے کہ موت کے بعد اگلی دنیا میں نیک وسعید روح کو اپنی کمائی کے مطابق زندگی میسر آئے اور بدکار و ظالم و گناہ گار روح کو اپنی کمائی کے مطابق اذیت ناک اور سسکتی زندگی اور حالات زندگی میسر آئیں۔ دراصل اللہ پاک نے چونکہ خود انسان کو تخلیق کیا ہے اور کس مقام پر انسانی ذہنی سطح کیا ہے بھلا اس ''خبیرِ مُطلق'' سے زیادہ کون جانتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ذہنی سطح کے مطابق جو کہ 1400 سال پہلے تھی علم دیا ہے، دنیا و آخرت کا۔ آج بھی گو کہ انسان نے بہت سی مادی ترقی کر لی ہے لیکن ذہنی ترقی کوئی خاص نہیں ہوئی کہ اپنے حواس سے باہر دور تک دیکھ سکے۔

حاصل بحث روح کا تعلق بعد از مرگ زمین سے، نیند، اونگھ اور ہوش میں دیگر دنیاؤں سے، اور اسی زندگی میں جنت و دوزخ دیکھنا محسوسات کے ذریعہ:

حاصل بحث یہ کہ انسانی روحوں کا تعلق مرنے کے بعد بھی اس زمین کے ساتھ رہتا ہے۔ شاید وہ یہیں آباد بھی ہیں۔ یہ الگ بات کہ اس زمان و مکان سے آزادی کے بعد ان کا تعلق اور دنیاؤں کے ساتھ کتنا کیا اور کہاں کہاں ہوتا ہے۔ حالت خواب یا اونگھ میں ہمارا ان سے رابطہ ہو سکتا ہے حد تو یہ کہ وہ ہمیں جیتے جاگتے اس ہی دنیا میں گھومتے پھرتے ہمارے ہوش و حواس میں بھی نظر آ سکتے ہیں اب انھیں وہاں کیسی راحت یا عذاب ہے یہ وہی جانتے ہیں۔

آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس زندگی میں بھی لوگ جنت اور دوزخ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں یعنی کسی کی زندگی

Marfat.com

دوزخ ہے بظاہر جنت دکھتی ہے اور حقیقت میں اس پر انتہائی عذاب گزر رہا ہوتا ہے۔ اس بندے کی زندگی کا اک اک پل دوزخ میں گزر رہا ہوتا ہے اور بعض اوقات کسی کی زندگی بڑی مشکل، کٹھن اور غریب الملکی میں گزر رہی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ جنت کی طرح کی راحت محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر بازاروں میں گھومتے پاگلوں اور فٹ پاتھ پر پڑے حقیقی فقیروں (فراڈیے نہیں) کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں کہ وہ محسوسات کی کون سی دنیا میں ہیں، جنت میں یا دوزخ میں۔ بس اللہ کی اللہ ہی جانے، لیکن راز ہی راز ہیں اور یہ راز بڑے دراز ہیں۔

Marfat.com

گناہ وثواب کا فلسفہ (No Sin, No Pain)

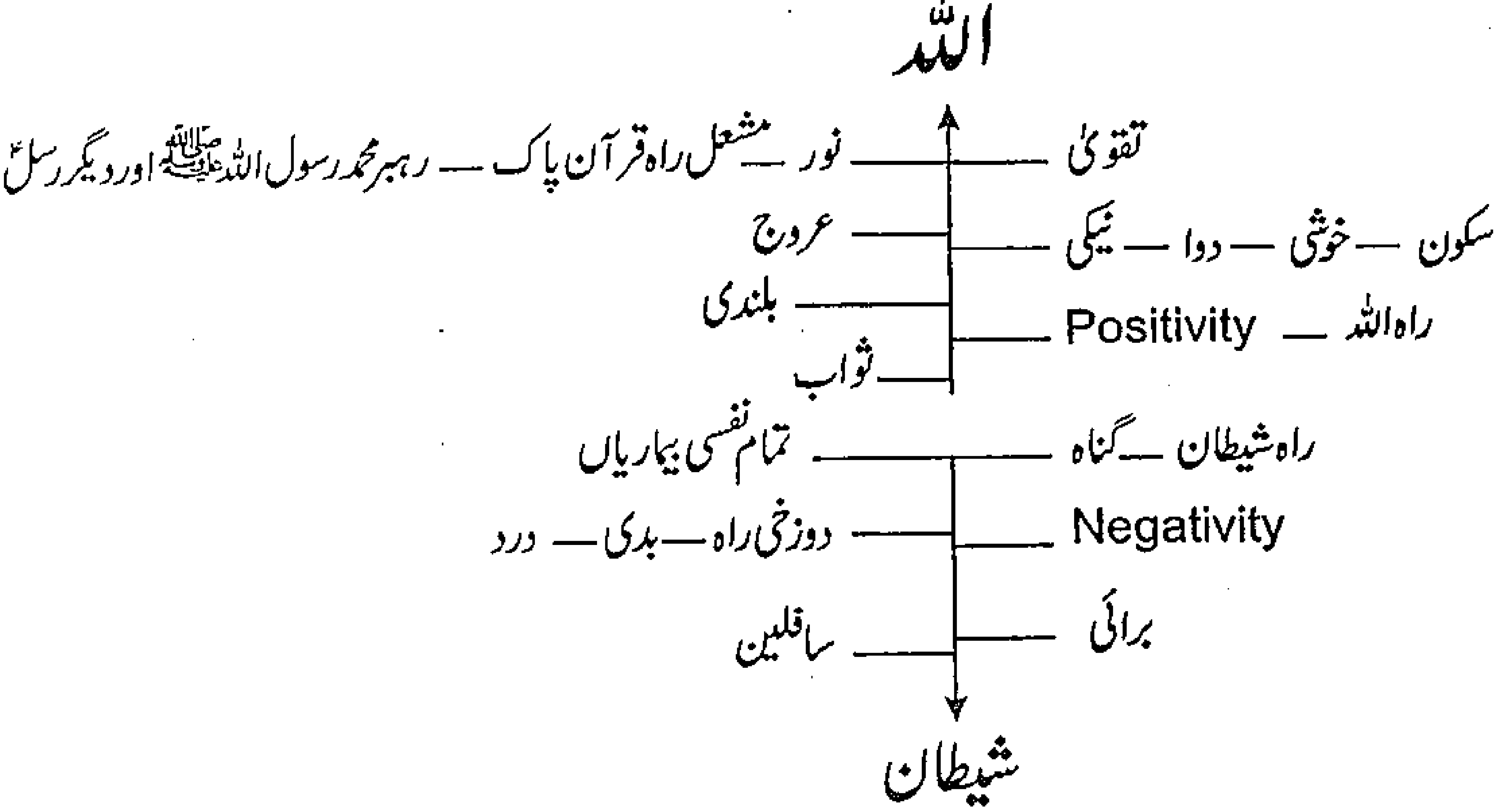

کل میرے ذہن میں جھماکہ ہوا اور سنی سنائی باتیں یقین میں بدل گئیں۔ قرآن کی باتیں حق الیقین ہو گئیں۔ سنیئے ذرا غور سے سنیئے دو راستے ہیں۔ ایک اللہ کا راستہ ایک شیطان کا راستہ۔ ان ہی کے درمیان سب دنیا جھول رہی ہے۔ قرآن نے کتنی بڑی بات مختصر آیت میں فرما دی کہ "تمہیں جو خوشی، سکون یا فائدہ پہنچتا ہے وہ رب کی طرف سے ہے" آیت مبارکہ کے اندر اک جہان آباد ہے۔ میں نے اوپر ایک ڈرائنگ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے عروج و زوال کا فلسفہ کام کرتا ہے۔ یعنی ہر طرح کی Positivity اللہ کی راہ ہے اور ہر طرح کی Negativity شیطان کی راہ ہے۔ اول الذکر عروج ہے آخر الذکر زوال ہے۔ Positivity یعنی مثبت رخ پر اللہ ہے اور Negativity یعنی منفی رخ پر شیطان ہے۔ یہ دونوں Positive and Negative Pole، ہر انسان اور ہر ذی روح کے اندر موجود ہیں اور اپنے اندر کشش رکھتے ہیں۔ انسان کو نیوٹرل نقطہ یا Point پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کے اندر محفوظ تو دونوں رخ حیات ہیں لیکن اس کی پیدائش نیوٹرل نکتہ پر ہے۔ ٹھیک ہے پیدائش کا گھرانہ، ماحول، تعلیم کے ذرائع، موروثی اثرات، جینیاتی ترغیبات اور بزرگوں کا نسلی تعلق، جسمانی اور روحانی طور پر اس پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں لیکن ہر شخص کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور دے رکھا ہے اور صحیح یا غلط کی تمیز کرنے کی sense رکھتا ہے۔ اب وقت پیدائش تو وہ نیوٹرل ہوتا ہے لیکن اس کے بعد دوران پرورش و تعلیم اس پر مختلف عوامل اثر انداز ہوتے ہیں لیکن ان کی اثر پذیری میں خرد کا اپنا عمل دخل سب سے زیادہ یا یوں کہیں کہ مرکزی ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو موسیٰ

Marfat.com

قبل از وحیِ الٰہی فرعون کی گود میں پرورش پانے کے بعد اس سے اور اس کی قوم سے مایوس کیوں ہوتے۔ ابراہیمؑ قبل از وحی الٰہی کیوں آذر کے گھر پیدا ہونے کے باوجود قدرت کے کرشموں پر غور کرتے اور سدھارتھ المعروف مہاتما بدھ کیوں شاہی محل سے بیزار و ویرانوں کا رخ کرتے۔ بے شمار مثالیں ہیں۔ یہ سب صرف پیغمبروں سے واسطہ نہیں ہیں بلکہ عام انسان سے لے کر خاص لوگوں تک یہی ایک اصول کارفرما ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ پاک نے کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں فرمائی۔ سب کے لیے ہدایت اور گمراہی کے دروازے کھلے ہیں۔ کوئی چاہے کفار کے گھر پیدا ہو یا نام کے مسلمانوں کے گھر یا پیغمبروںؑ اور اولیاءؒ اللہ کے گھر سب کے لیے ہر طرح کے options موجود ہیں۔ اب ان options کو وہ اختیار کیسے کرتا ہے یہی اس کا امتحان ہے۔

ایک نور کی راہ ہے جو اللہ تک لے جاتی ہے اس راہ کے راہبر عقل و شعور تو ہیں ہی لیکن ساتھ اللہ پاک کے وعدے کے مطابق پیغمبرؑ حضرات بھی ہیں جو وحی الٰہی لے کر مختلف زمانوں مین آتے رہے اور خلق خدا کو مستفیض فرمایا اور آخر میں محمد ﷺ آئے جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں اور دین مکمل فرمایا اور کتابِ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لی۔ تمام عالمین کے لیے تمام دنیا جہاں کے لیے انھیں راہبر و رحمت مقرر فرمایا۔ یہ راستہ مثبت ہے یہ راہِ اللہ ہے، تقویٰ و طہارت کی راہ ہے۔ راہبر آخر محمد ﷺ ہیں اور اس کا ہدف رب تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک اور نور قدیم ہے۔ جبکہ دوسری راہ شیطان تک لے جاتی ہے۔ اس میں تمام نفسی کمزوریاں اور بیماریاں ہیں، غلط سوچ و کردار ہے، نفس پرستی ہے، خود فریبی و خودنمائی ہے، گناہوں کی نہایت خوبصورت دلدل ہے۔ برائی ہے، بدی ہے، درد و تکالیف ہیں، غم اور پریشانیاں ہیں۔ جسمانی و روحانی امراض ہیں۔ ہر طرح کی Negativity ہے، راہ سافلین ہے وغیرہ وغیرہ۔ ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لیے قانون و قواعد بنا رکھے ہیں جن کے مطابق عمل کرنے سے نفع یا نقصان کافر و مومن دونوں کے لیے ایک جیسا ہے ان کا تعلق مادی اور روحانی دونوں دنیاؤں سے ہے۔ آپ کے سامنے کی بات ہے وہ اقوام جو خدا تک کو نہیں مانتی یا محض علامتی طور پر تسلیم کرتی ہیں اور احکام ربانی کی پرواہ نہیں کرتیں (نعوذ باللہ) لیکن ان کی مادی ترقی آسمانوں سے باتیں کرتی دکھتی ہے اور وہ ظلم و جبر پر بھی مختار ہیں، کیوں؟ اس وجہ سے کہ وہ قرآن کے حکم ''تسخیر کائنات'' پر کم از کم مادی طور پر عمل پیرا ہیں۔ ٹھیک ہے باقی حکم عدولیوں کی وہ سزا پائیں گی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے اس دنیا میں ہمیں نیوٹرل حالت میں اعمال کے امتحان کے لیے بھیجا ہے اور ان کا اجرا گلے جہان میں ملے گا۔ لیکن صرف اگلے جہان کی بات نہیں ہے۔ اس جہان میں بھی جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔ تبت کے لاموں کے ہاں ایک Saying بہت سننے کو ملتی ہے "No Sin, No Pain"، گناہ و ثواب کا اس سے مختصر فلسفیانہ بیان شاید ممکن نہ ہو۔ اب آیئے طے کرلیں کہ Sin کیا ہے؟ اور Pain کیا ہے؟

بھائیو! ہر برائی، ہر سستی، ہر کام چوری، ہر باطل راہ ہر ہڈ حرامی، جھوٹ، دغا و فریب، ذخیرہ اندوزی، چغلی، کینہ، خیانت، اقرباء پروری، ناجائز سفارش و رشوت، خود غرضی، نفس پرستی، خواہش پرستی، ظلم، زیادتی، بے حسی، بے غیرتی، بزدلی، حقائق

Marfat.com

سے چشم پوشی، جہاد زندگی سے فرار، حکم الٰہی سے اغماض، ہوس پرستی، زنا، جوا، شراب، نوشی، رنڈی بازی، لواطت، کم تولنا، ملاوٹ، دو نمبری اور بے شمار قسم کے جرائم یاNegativity سب Sin ہے کسی کا ہلکا سا دل دکھانا ہو یا لڑائی جھگڑا اور قتل وغارت گری ہو سب کے سب گناہ یاSin ہیں اور یہ اللہ کا عجب قانون ہے کہ Sin اگلے جہان میں تو ہمیں دوزخ میں پہنچا ئیں گے ہی لیکن اس جہان میں بھی ہمیں جتنی قسم کی پریشانی، دکھ تکلیف یا اذیتیں ملتی ہیں سب کی سب گناہوں کے سبب ہوتی ہیں۔ جو ہم اپنی زندگی میں بچپن سے لے کر آخری سانس تک کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے اثرات آپ کے بچوں اور نسلوں تک جاتے ہیں چونکہ بچوں یا نسلوں میں اپنے آباء کے کرتوتوں کا عکس اکثر پایا جاتا ہے اس لیے ان تک اثرات آتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی نے اپنی اصلاح نہ کر لی ہو۔ اسی طرح سے Positive کام جسے آپ ایمان حق وعمل صالح کہتے ہیں جن کے اندر ہر ہر طرح کے اچھے کام اور اچھی سوچ آتی ہے حتیٰ کہ سوچ وخیالات تک اچھے ہوتے ہیں اور اس کی معراج یہ کہ وحی الٰہی کے مطابق زندگی بسر ہوتی ہے تو کوئی Pain دکھ تکلیف زندگی میں نہیں رہتی۔

اے دنیا والو! اگر تم نے کبھی کوئی Negative کام نہیں کیا، نہیں سوچا، نہیں چاہا اور تمہارا ایمان Positivity پر ہے جس کی انتہا نورِ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ Positivity کیا ہے؟ یہ نور کی راہ، نیکی کی راہ ہے۔ یہ ہی تو اللہ کی راہ ہے۔ چونکہ انسان صرف اپنے عقل وشعور سے مکمل Positivity کا ادراک حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی وسعت اور پہنائیوں اور عمق تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے وحی الٰہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاں جہاں بھی انسان نے محض اپنی دانائی سے Positivity کی تشریح کرنا چاہی ہے کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھائی ہے اور بہک گیا ہے اسی وجہ سے راہ غلط پر بالآخر چل نکلا ہے جس کے ڈانڈے جا Negativity سے ملتے ہیں اور غیر محسوس طریق پر وہ گناہ کی خوبصورت دلدل میں اتر جاتا ہے۔ یہیں سے Pain اور دکھ درد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر اسباب وعلل، عمل ورد عمل کے نہایت دبیز پردے پڑے ہیں۔ آپ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ حقیقت کیا ہے۔ آپ کے گھر میں چوری کیوں ہوئی، آپ کو کسی نے کیوں مارا ہے، آپ پر فلاں ظلم کیوں ہوا ہے، آپ بیمار کیوں پڑتے ہیں، آپ معذور کیوں ہوئے ہیں، آپ کی عزت کیوں نیلام ہوئی ہے، آپ کو فلاں ناکامی یا نقصان کیوں ہوا ہے، آپ فلاں کامیابی حاصل کیوں نہیں کر سکے، فلاں شخص کیوں قتل ہو گیا ہے، فلاں ڈاکہ کیوں پڑا ہے، آنسو کیوں گرے ہیں، آہیں کہاں سے آئی ہیں، درد کہاں سے اٹھا ہے، دراصل جب آپ محض اپنے عقل وشعور سے غور کرتے ہیں تو آپ کو اسباب وعلل تو نظر آتے ہیں اور آپ زندگی بھر سعی کرتے ہیں سر توڑ کوشش بھی کرتے ہیں لیکن یہ سلسلہ خوشی وغم آپ کے ساتھ رہتا ہے اور کبھی تو صرف غم دکھ، درد ہی ساتھ نبھاتے ہیں آپ کی لاکھ کوششوں اور کمال درجے کی کوششوں کے باوجود کامیابی اور خوشی آپ کے گھر دستک نہیں دیتی۔ تمام وسائل دنیا کے باوجود سکون میسر نہیں آتا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے سونے چاندی کے انباروں کے باوجود آپ کو خطرناک مرض آ گھیرتا ہے آپ جانبر نہیں ہو سکتے آپ اپنے بچے کو نہیں بچا سکتے۔ بادشاہ پھانسی چڑھ جاتے ہیں، فرعون دریا میں ڈوب مرتا ہے، نمرود کے کان میں مچھر گھس جاتا

Marfat.com

ہے، ابولہب سسک سسک کر مرتا ہے، ابوجہل سر کٹوانے کی خواہش کرتا ہے، خزانوں کا مالک زمین میں دھنس جاتا ہے آخر یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ اسباب وعلل سب کچھ نہیں ہوتے۔ یہ عمل ورد عمل تو مادی دنیا کے قانون کے مطابق اپنا پھل دیتے ہی ہیں لیکن اصل قانون جسے قانون مکافات عمل کہتے ہیں وہ دبیز پردوں کے پیچھے چھپ کر کام کیے جا رہا ہوتا ہے آپ کو قطعاً نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کن کن Negative اعمال کی پاداش میں گناہوں کی سزا اسی دنیا میں بھگت رہے ہیں جبکہ اصل عذاب تو آگے روز حشر بھی دیکھنا ہی ہے۔

یقین جانیے:

میں نے اپنی آنکھوں سے بہت ہی قریب سے یہ حقائق دیکھے ہیں اور مجھے عین الیقین حاصل ہے کہ اگر آپ گناہ نہ کریں، اعمالِ صالح ایمانِ حق کے ساتھ ہمیشہ کرتے رہیں تو متذکرہ بالا مصائب سمیت کوئی بھی کسی بھی قسم کی تکلیف یا دکھ آپ کو نہیں چھو سکتا۔ آپ کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتے مقرر فرما دیتا ہے۔ تمام اسباب اور خواص اشیاء کے قوانین گو کہ حق ہیں لیکن ان کی لگام اللہ کے ہاتھوں میں ہے کہ کبھی بھی گناہوں سے پاک اللہ کے بندے کو نقصان نہیں دیتے۔ نہ آگ، نہ ہوا، نہ ڈاکو، نہ زہر، نہ تلوار، نہ گولی، نہ ٹینک، نہ میزائل، نہ آندھی، نہ طوفان، نہ ظالم، نہ جابر، نہ بادشاہ، نہ کوتوال، نہ ایکسیڈنٹ، نہ اپنا نہ پرایا نہ کوئی بھی کبھی بھی کسی بھی قسم کا نقصان دے سکتا ہے۔ ہاں تقدیر الٰہی حق ہے، حکم ربی حق ہے، قضاء حق ہے، اللہ کا امتحان و آزمائش حق ہے، یہ اپنے نیک بندوں پر خدا جب چاہے لا سکتا ہے اور لاتا ہے۔ ان کے درجات میں اضافے کے لیے آزمائش ہوتی ہیں۔ جس طرح سے آپ ایک نہایت اعلیٰ پروڈکٹ بناتے ہیں پھر اس کی آزمائش کرتے ہیں جس کا result سب سے اچھا ہو وہ سب سے مہنگا بکتا ہے۔ آپ جتنا بھی مضبوط کاٹن یا لوہے کا رسہ بنالیں بالآخر خاص حد تک قوت لگانے سے وہ ٹوٹ جاتا ہے یہ ہی اس کی مضبوطی کا درجہ کہلاتا ہے جس کے مطابق پھر اس پر بوجھ ڈالا جاتا ہے اور اسے اسی حوالے سے Quality کا درجہ دیا جاتا ہے۔ نبی پاک ﷺ اور اصحابؓ بہترین لوگوں اور متقی ترین نفوس میں سے تھے۔ لیکن جنگ بدر میں ان کا امتحان لیا گیا جب وہ بالآخر پکار اٹھے کہ ”کب آئے گی اللہ کی مدد“۔ تو پھر مدد آ گئی اور ان کے درجے ان کے لیے مقرر ہو گئے۔ جنگ اُحد میں اصحاب نبی ﷺ کا سخت امتحان ہوا پھر اس حساب سے درجے مقرر ہوئے۔ شروع میں جنگ کے لیے ساتھ دینے والے سامنے آئے اور بہانے باز سامنے آئے، منافق کھل گئے پھر ابتداء میں سب جم کر لڑے جب دشمن پسپا ہو گیا تو کچھ کے نفس نے مال غنیمت کا لالچ کیا حکم اللہ و رسول ﷺ کو وقتی طور پر پس پشت ڈال دیا۔ فوراً اللہ کی لاٹھی پہنچی اور دشمن آ سر پر سوار ہوا، بڑا جانی نقصان ہوا۔ مسلمان بھاگ بھاگ کر بدحواسی کے عالم میں جان بچانے لگے۔ اس میں نبی رحمت ﷺ کا بھی سخت ترین امتحان تھا لیکن آپ ﷺ میدان میں اکیلے بھی ڈٹے رہے اور اللہ سے دعا جاری رکھی بھلا جب ایمان سلامت تھا۔ اعمال سلامت تھے تو نبی پاک ﷺ کو شکست کیسے ہوتی۔ صحابہؓ کو آواز دی، سب تو لوٹ کر نہ آ سکے

Marfat.com

لیکن درجنوں جاں نثار باوجود زخمی ہونے کے آپ ﷺ کو زندہ پا کر تیزی سے نہ صرف لوٹے بلکہ آپ ﷺ کو اپنے حلقے میں لے لیا اور پروانوں کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دشمن کا سارا زور اسی جگہ حملہ پر مرتکز تھا کیوں؟ اس لیے کہ اللہ نے درجے مقرر فرمانا تھے۔ اس میں سخت امتحان تھا سو دشمن اپنے مقصد یعنی قتل محمد ﷺ میں (نعوذ باللہ) کامیاب نہ ہو سکا جب امتحان مکمل ہو گیا تو اللہ نے دشمن کے دل میں خوف ڈال دیا وہ کام ادھورا چھوڑ کر چلتا بنا۔ اب اس ساری صورتحال میں سینکڑوں اصحاب نبی ﷺ کے سینکڑوں درجے مقرر ہوئے یہ بہت راز کی باتیں ہیں تاہم جان رکھیئے کہ گناہ نہ ہوں تو نقصان نہیں ہے۔ اللہ درجے بلند کرنے یا ایمان چیک کرنے کے لیے امتحان کرے تو جس نے جتنے نمبر لیے اتنی بڑی کامیابی ہے۔ حتیٰ کہ عناصر کو خدا آپ کا غلام بنا سکتا ہے۔ بندے کو روح اللہ بنا سکتا ہے۔ کلمۃ اللہ بنا سکتا ہے۔ خلیل اللہ بنا سکتا ہے۔ کلیم اللہ بنا سکتا ہے صفی اللہ بنا سکتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ بنا سکتا ہے۔ خضر راہ بنا سکتا ہے، آگ کو سلامتی والا کر سکتا ہے۔ سمندر کو پھاڑ کر خشک راہ بنا سکتا ہے یہ تو خیر نبیوں کی باتیں ہیں آپ کیا جانیں کہ ولیوں یعنی اپنے خاص بندوں کی دعاؤں سے وہ کیا کیا کچھ معجزے یا کرامتیں کر سکتا ہے پس "No Sin, No Pain"

اختتامیہ:

درج بالا بحث سے ہمیں معلوم ہوا کہ راستے دو ہیں ایک رحمانی دوسرا شیطانی۔ رحمٰن کا رستہ نورٌ علیٰ نور ہے اور شیطان کا رستہ اندھیریوں پر اندھیریاں ہے۔ اگر آپ رحمانی ہیں تو کوئی آپ کو لاکھ چاہے ضرر نہ دے سکے گا اور اگر آپ شیطانی ہیں تو کوئی لاکھ چاہے آپ کو ضرر سے بچا نہ سکے گا۔ تاہم بہت ہی کم ایسا ہے کہ آپ رحمانی ہی ہوں اور شیطان سے مکمل طور پر بچ جائیں ایسے لوگ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ اکثر اُدھر اور اِدھر کے بیچ میں لوگ آباد ہوتے ہیں اسی لیے کبھی آباد ہوتے ہیں کبھی برباد ہوتے ہیں کبھی خوش ہوتے ہیں، کبھی دکھی ہوتے ہیں خوشی غم ہم نے خود زندگی کا لازمی حصہ بنا لیے ہیں۔ حقیقت میں خوشی کی راہ اور ہے اور غم کی راہ اور ہے۔ کیونکہ ہماری استعداد میں مکمل نور کا رستہ ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے ممکن بہت کم ہوتا ہے اس لیے اولیاء اللہ کم ہوتے ہیں زیادہ تر لوگ جنت و دوزخ کے درمیان جھول رہے ہیں۔ یہ ہی فلسفہ گناہ و ثواب ہے۔ ادھر ہی سے شفاعت نبی ﷺ کی آخرت میں بھی ضرورت پڑتی ہے اور یہیں سے اللہ کے بخشنے پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ گو کہ بخشنا تو پھر بھی اللہ ہی نے ہے ہم لاکھ کوشش کر لیں وہ توفیق نہ دے تو ہم اپنے پلڑے میں رائی برابر نیکی بھی نہیں رکھ سکتے ہیں لیکن چونکہ وہ رحیم و کریم ہے اس لیے وہ اپنے بخشنے کے اختیار کے علاوہ بھی اپنے بندوں کو ایسی توفیق دے دیتا ہے کہ وہ اللہ کو نہ صرف راضی کر لیں بلکہ انعام و اکرام اور شاباش کے مستحق ہو جائیں۔ آخر میں یاد رکھیں کہ شفاعت نبیؐ پر تکیہ کر کے اس زندگی میں لاپرواہی سے گناہ کیے چلے جانا کل کچھ فائدہ نہ دے گا نبی پاک ﷺ بھی اللہ کی اجازت ہی سے شفاعت فرمائیں گے اور اللہ نے قرآن میں جو جو شرائط بخشش حکم فرمائی ہیں وہ پورا کرنا بہرحال ضروری ہے اور جن کو جہنم کا پیام ہے ان کا جہنم دیکھنا بھی ضروری ہے۔ البتہ رب کے قوانین کمال و بے بہا ہیں۔ نہیں معلوم

Marfat.com

کہ کس قانون کے تحت کس کو بخش دے اور کس کے تحت کسی علامہ کو جہنم میں ڈال دے۔

یاد رکھیں:

راہِ نور میں عجب منازل، عجب سرمستیاں، عجب سرور ہیں، ادھر آ کر تو دیکھیں کہتے ہیں کہ

''جس نے نور معرفت کا ایک گھونٹ بھی پی لیا پھر دنیا کی کسی سوغات کو درخور اعتناء نہیں سمجھتا''

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 29:

آدمؑ وحوّا پر ایک خاص زاویے سے نظر

حقیقت کیا ہے یہ تو رب ہی بہتر جانتا ہے لیکن قدیم وجدید علما نے اپنے تئیں قصۂ آدمؑ وحوّا کو سلجھانے کے لیے پیدائش آدم اور جنت تا زمین کئی مضامین قائم کیے ہیں اپنی اپنی عقل وسمجھ استعمال کی ہے۔ اس ضمن میں مجھے تا حال خصوصی طور پر عین وعین تو رب تعالیٰ نے آگاہی نہیں بخشی اور دعا ہے کہ رب تعالیٰ کرم فرمائیں۔ تاہم ذہن اس طرف جاتا ہے کہ آدمؑ کو مٹی سے تخلیق فرما کر ان میں روح پھونکی رب تعالیٰ نے اور اس ایک جان سے پھر کسی طور پر ان کا جوڑا بھی بنایا۔ اس وقت ان کے جسدِ خاکی کو زمین پر ہی تخلیق فرمایا، تاہم وہ حالت خواب میں تھے۔ ابھی انہوں نے زمین پر آنکھ نہ کھولی تھی اور حالت خواب میں اپنے رب کے پاس حاضر تھے۔ جب اللہ پاک نے فرشتوں سے کلام فرمایا اور تخلیق آدم سے متعلق گفتگو فرمائی پھر حکم سجدہ دیا۔ پھر شیطان کی حکم عدولی اور راندہ جانا۔ پھر آدمؑ اور مائی حوّا کو جنت میں رہنے کا حکم اور اک خاص درخت سے دور رہنے کی ہدایت۔ پھر شیطان کا بہکانا اور آپ کا ہمیشہ کی زندگی پانے کے لیے بہکاوے میں آکر اس درخت سے کھا لینا۔ پھر اللہ کا عتاب اور ناراضی۔ پھر آدمؑ کا معافی مانگنا اور غلطی تسلیم کرنا۔ پھر اللہ کا جنت سے نکل جانے، نیچے اُتر جانے کا حکم اور اس سے قبل آدمؑ وحوّا کا اپنے آپ کو ننگا محسوس کرنا اور شرم کی جگہ چھپانا یا ڈھانپنا۔ اس تمام ماجرے کے بعد آدمؑ کی آنکھ کھلی۔ انھوں نے خود کو زمین پر پایا۔ ساتھ میں مائی حوّا صاحبہ بھی نیند سے پہلی دفعہ بیدار ہوئیں دونوں میاں بیوی نے زمین پر زندگی کا آغاز کیا اور یوں نسل انسانی بڑھنے اور پھیلنے لگی۔ یہ ہزاروں لاکھوں سال پرانی داستان ہے۔ پس اللہ کے وعدے کے مطابق اسی نسل آدمؑ سے نبیؑ ورسولؑ بھی بنائے جاتے رہے جنھیں وحیِ الٰہی ملتی رہی اور خیر وشر میں تمیز سکھائی گئی۔ ساتھ میں ایک مخلوق اور جسے اللہ نے آگ کی لپٹ سے پیدا فرمایا یعنی جنات اور ان کی تمام اقسام وغیرہ بھی زمین پر آباد کی گئیں۔

ایک نگاہ پیدائش آدم اور ڈارون تھیوری پر:

سنگل خلیہ کے پہلے جاندار کا زمین پر پیدا ہونا بھی آدمؑ کی مثل ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ یہی آدمؑ ہوں پھر اس سنگل خلیہ نے خود سے الگ کر کے اپنے جیسا ایک اور مکمل جاندار بحکم ربی بنا دیا یہ سلسلہ جانے کب تک چلتا رہا کہ جب Male and Female یا آدمؑ وحوّا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیدائش کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کی شکل وشباہت کا ذکر نہیں کیا۔ ڈارون تھیوری کے مطابق تو یک خلیہ جانداروں سے کثیر خلوی جاندار پیدا ہوئے نر مادہ پیدا ہوئے ان کی بے شمار اقسام پیدا ہوئیں۔ نباتات، آبی جاندار، خشکی کے جانور، پرندے وغیرہ جنگلی جانوروں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے بندروں تک اور ان کی کئی اقسام تک پہنچا پھر گوریلے بنے پھر انسان بنا۔ اس طرح سے بے شمار انواع کے جاندار نہ صرف زمین پر پھیل گئے بلکہ

Marfat.com

اپنی اپنی نسل کو قائم رکھنے کے لیے Reproductive process پر عمل کرتے رہے۔ کئی قدیم انواع ناپید ہوتی گئیں۔ کئی جدید انواع نے جنم لیا Survival of the Fittest کا قانون جاری ہوا۔ اس طرح زمین نہ صرف آباد ہوئی بلکہ اپنے اندر چھپے بے شمار کمالات کو ظاہر کرنے لگی اور اب تک کر رہی ہے۔ مطلب یہ کہ عین ممکن ہے وہ یک خلوی جاندار ہی حقیقت میں آدمؑ ہو اور اس سے اس کا Female پارٹ بنا ہی حوّا کا بنا ہو۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اسی یک خلوی پہلے جاندار کے اندر تمام تر مخلوقات مع آدمی کے بند تھیں اور ان کی ارواح بھی اسی کے اندر Feed تھی اور ہر شے کے جینز اور کروموسومز وغیرہ اسی کے اندر مخفی تھے۔ تو پھر کیا اللہ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ اسی کے اندر سے آدمؑ کی روح کو جنت میں حاضر کر کے کلام فرماتے اور مائی حوّا کی روح کو حاضر کرتے۔ (یاد رہے کہ روح کے ساتھ ہمارا یہی جسم لطیف حالت میں موجود ہوتا ہے جو ہمیں خواب کی حالت میں گھومتا پھرتا ملتا ملاتا نظر بھی آتا ہے) یہ کہانی کچھ یوں ہی نظر آتی ہے۔ چونکہ اس زمین کی حیات کی معراج آدمؑ ہی تھے اس لیے آدمؑ و حوّا کی ارواح کو حاضر فرمایا گیا اور سوال و جواب ہوئے یہ بھی یاد رکھیں کہ اللہ کے ہاں ماضی و حال اور مستقبل کچھ حیثیت نہیں رکھتے سب کچھ آن واحد میں اس کے ہاں حاضر ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ اللہ پاک ہماری نیند کی حالت کو موت کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "نیند کی حالت میں سب ارواح ہمارے پاس حاضر ہوتی ہیں پھر جس کی زندگی باقی ہوتی ہے اسے ہم لوٹا دیتے ہیں اور جس کی باقی نہیں ہوتی اسے واپس نہیں لوٹاتے"۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی لوگ حالت نیند ہی میں مر جاتے ہیں۔ رات کو سوئے صبح اٹھے ہی نہیں۔ لہٰذا ہم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ڈارون تھیوری اگر درست ہے تو ایسا بھی ممکن ہے تاہم اگر یہ تھیوری درست نہیں بھی تو بہر حال آدمؑ مٹی ہی سے بنائے گئے ہیں تو پھر باقی فلسفہ تخلیق آدم جو میں سمجھ سکا ہوں شاید درست ہو۔ جبکہ حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے میں نہیں جانتا۔

شیطان روح کا حصہ یا روح میں سرایت ہے:

اب ایک اور خاص بات پر غور کر لیں کہ جب شیطان نے سجدہ سے انکار کیا اور راندۂ درگاہِ ربانی ہوا تو اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی یعنی جب تک نسل انسانی آباد ہے تب تک کی مہلت مانگی اور کہا کہ میں ان میں سے اکثر کو بہکا دوں گا۔ اللہ نے فرمایا ماسوائے ان کہ جو میرے خاص بندے ہوں اور اللہ پاک نے اسے مہلت دے دی اور فرمایا کہ میں تجھ سے اور تیری ذریّت سے جہنم کو بھر دوں گا۔ چنانچہ غور فرمائیں کہ اس وقت روح آدم حاضر تھی اب روحِ آدمؑ پر شیطان کو دسترس دینے کے لیے اس روح میں سرایت کرنے کی اجازت بخش دی گئی تا کہ وہ اپنا کام کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اندر رحمانی روح تو ہے ہی لیکن شیطان یا اس کی روح بھی سرایت کی ہوئی ہے۔ اصل میں تو انسانی روح اور شیطانی روح دو الگ الگ تشخص کی حامل چیزیں ہیں لیکن شیطان کو تا قیامت اور تا دم نسل انسانی اسے بہکانے کا اختیار دے کر روح انسانی میں سرایت کے لیے رہنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ چنانچہ اب صورتحال یہ ہے کہ جس طرح اک روح انسانی سے آگے بے شمار ارواح

Marfat.com

انسانی اور جسد آدم تشکیل پائے ہیں اسی طرح سے شیطانی روح بھی ہر نئے پیدا ہونے والے مرد وعورت کی روح کا تادم اول و آخر حصہ رہتی ہے اور اپنا کام نہایت مہارت سے کرتی ہے آخر ابلیس بھی تو کچھ ایسا زعم رکھتا تھا کہ اس نے دعویٰ کیا۔ گو کہ اللہ کے علم کے سامنے تو اس کی کچھ حیثیت ہی نہ تھی اب ہم نورالٰہی کی راہ پر چل کر ہی اس سے محفوظ رہ سکتے ہیں جوں ہی اس سے ہٹیں گے شیطان ڈسے گا۔ جس طرح سے ایک تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں جس طرح سے رات اور دن ملے ہوئے ہیں جس طرح سے دھوپ اور چھاؤں ملے ہوئے ہیں اسی طرح سے انسانی روح کے اندر شیطانی روح ملی ہوئی ہے یہ چولی دامن کا ساتھ ہے اس سے چھٹکارہ نہیں ہے۔ آپ کسی درخت کے سائے میں بیٹھیں جہاں جہاں سے پتے کم ہونگے شاخیں فاصلے پر ہونگی یعنی سائے کا انتظام ناکافی ہوگا وہاں وہاں دھوپ داخل ہوگی اسی طرح سے بارش کے دوران چھت جہاں جہاں کمزور ہو گی وہاں وہاں سے ٹپکے گی۔ بالکل اسی طرح سے جہاں جہاں پر انسان وحی الٰہی کی خلاف ورزی کرے گا وہاں وہاں شیطان فوراً عمل دخل غیر محسوس طریقہ سے دکھائے گا اور آدمی کو اچک لے گا۔ کرنے اور کہنے کو تو آدمی خود ہی سب کچھ کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کی روح میں سرایت کیا ہوا ذریّت شیطانی اسے غیر مرئی و غیر محسوس طریقہ سے ترغیب دے رہا ہوتا ہے۔ اسے ہمارے نفس کی کمزوریوں کا علم ہے یہ جانتا ہے کہ مٹی کا بنا آدم مادی اشیا و عناصر پر کتنا فریفتہ ہے۔ اس مادی بُت کو مادے کی ہوس قدرتی بات ہے۔ شیطان ہر جائز ناجائز طریقہ سے اس کشش کو بڑھاتا ہے گناہ اس میں پٹرول یا ایندھن کا کام کرتے ہیں آپ نے جو جو کام بھی غیر محسوس طریقہ پر وحی کے خلاف اور شیطان کے اکسانے پر نفس کی خوشی وتسلی کے لیے کیے وہ سب گناہوں میں شامل ہیں اور یہ گناہ ہی شیطان کا ایندھن ہیں۔ ان سے شیطانی ذریت جو روح میں سرایت ہے خوب پھلتی پھولتی ہے خوب تن ومند اور طاقتور ہو جاتی ہے۔ اس کو دل پہ سیاہ دھبہ کہتے ہیں کہ ایک گناہ سے اک دھبہ لگا اور گناھوں کی بڑھوتری سے کرتے کرتے بالآخر دل سیاہ ہوگیا۔ شیطان چھا ہی گیا۔ اب آپ کے دلوں پر، کانوں پر، آنکھوں پر مہریں ہیں اب آپ کو وحی الٰہی کا پرتو بھی نہیں پہنچ سکتا اب آپ کے اور وحی کے بیچ میں پردہ دبیز سے دبیز تر ہوگیا ہے۔ اب آپ کو لاکھ دلیلوں اور برہانوں کے باوجود سمجھ نہیں آتی۔ حتیٰ کہ اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں بھی اثر نہیں کرتیں۔ آپ ظالم جابر، قاہر، بے حس، بے ضمیر، چور، ڈاکو، خائن، زر پرست، مطلب پرست، جواری، قاتل بلکہ کرائے کے قاتل اور جانے کیا کیا بن جاتے ہیں۔ یہ گناہ جب انتہائی حد تک آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں تو پھر ہر Positivity ہر نیک عمل ہر وحی الٰہی پر مبنی ہدایت آپ سے روٹھ جاتی ہے آپ پر کچھ اثر نہیں کرتی حتیٰ کہ آپ کو مہلت تک رخصت جو حاصل تھی ختم ہو جاتی ہے پھر کوئی بیماری، کوئی دکھ، کوئی اذیت حسب گناہ آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور دوسرے جہان میں عذاب آپ کا منتظر ہوتا ہے۔ وہاں آپ کی روح میں سرایت کیا ہوا ذریت شیطانی بھی جلے گا اور آپ کی روح بھی جلے گی مگر عذاب سے فرار ممکن نہ ہوگا۔

جینز میں رحمانی و شیطانی روح کے اثرات:

Marfat.com

ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ یہ کوئی پکا قانون قاعدہ تو نہیں ہے اچھے سے برا اور برے سے اچھا پیدا ہوتا رہتا ہے لیکن اکثر اچھوں کی اولاد اچھی اور بروں کی اولاد بری ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے جینز کے اندر ہماری پچھلی نسلوں کے رحمانی و شیطانی کمائے ہوئے اثاثے منتقل ہو جاتے ہیں اگر پچھلی نسلوں نے شیطان ذریت کو اپنی روحوں میں خوب پرورش کیا ہے مضبوط و توانا کیا ہے تو وہ اگلی نسل میں شیطانی راہوں پر چلنے کے امکانات خوب روشن پائیں گے اور اکثریت چلے گی بھی۔ اسی طرح سے نیک لوگوں کی اولاد بھی اکثر اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں شیطانی ذریت کو نحیف و کمزور اور مریل حالت میں پاتی ہے۔ انھیں نیکی کی جانب رغبت رہتی ہے اور اکثر نیک ہوتے ہیں۔ گو کہ پیدائش کے وقت سب بچے نیوٹرل تو ہوتے ہیں نہ بد نہ نیک اور انھیں اختیار ہے کہ نیکی کا رستہ اپنائیں یا برائی کا۔ شیطانی راہ چلیں یا رحمانی لیکن جس طرح سے مرغی کا بچہ پانی کے کنارے ٹھٹھک کر رک جاتا ہے اور بطخ کا بچہ پانی میں کود جاتا ہے۔ اس طرح سے نیکوں کی اولاد اور بدوں کی اولاد میں فرق ضرور ہوتا ہے اب نیکوں کی اولاد کو بد ہونے کے لیے زیادہ محنت بدی میں کرنا پڑے گی اور بدوں کی اولاد کو نیک ہونے کے لیے نسبتاً زیادہ محنت نیکی میں کرنا پڑے گی۔ راستہ تو پھر بھی کھلا ہے لیکن امکانات کم و بیش ہوتے ہیں۔ آپ کو نوحؑ کی دعا یاد ہو گی جب انھوں نے دعا کی کہ ''یا خدایا ان میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑ کہ ان کی ذریت میں سے بھی ایسے بد ہی پیدا ہوں گے'' اور صالحین کو کشتی پر سوار کر لیا گو کہ ان صالحین کی پشتوں سے کچھ گمراہ نکلے تھے۔ لیکن اکثریت اک عرصہ تک اس لیے صالح رہنے کا امکان تھا کہ وہ صالحین کی اولاد میں سے ہونے تھے۔ شیطان کا کھیل تو ازل سے ابد تک چلتا ہی رہے گا۔ کبھی انسانی روح پر وہ غالب آئے گا کبھی وحی کی رہنمائی میں انسانی روح غالب آئے گی۔ امید ہے یہ کشمکش بالآخر خیر کے غلبہ پر منتج ہو گی اور پھر قیامت حکم الٰہی سے برپا ہو گی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔

جنات ان کی انواع و اقسام، سایہ وغیرہ اور انسانی روح کی ذریّت سے اس کا تعلق:

انسانی ذریّت یا روح میں سرایت مخلوق کے لیے میں نے ''جن'' کی اصطلاح استعمال کی ہے لیکن بہتر ہے اسے ''سایہ'' کہیں کیونکہ یہ جنات سے الگ ایک اور ہی شے ہے۔

ایک بہت ہی Confusing سوال ہے کہ یہ جنات یا سایہ وغیرہ نسل در نسل کیسے ساتھ چلتے ہیں۔ انسانوں کی نسلوں کے؟ یہ بھی اک بڑی عجیب بات ہے مگر حقیقت ہے کہ اگر جن یا سایہ کسی انسان کے ساتھ ہو جائے تو اسے تو وہ زندگی بھر متاثر رکھتا ہی ہے لیکن آگے اس کی اولاد میں بھی منتقل ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کے نکاح میں ساتھ چلا جاتا ہے یعنی جن یا سائے کی ذریت انسان کی ذریت میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور وہ مخصوص انسان اور اس کی بعض اولاد یا اولادیں اس سے متاثر رہتی ہیں۔ یہ بات بھی میرے تجربے میں آ چکی ہے۔ عجیب اور بے حد عجیب معاملہ ہے۔ اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بھی روح اور جینز میں سرایت کرنے کی صلاحیت کا معاملہ لگتا ہے۔ یہ جنات نیک بھی ہوتے ہیں یعنی وحی الٰہی کو ماننے والے اور بد

Marfat.com

بھی ہوتے یعنی منکرو کا فرنیز ہماری طرح برائے نام مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ان کی زندگیاں بھی ہمارے ساتھ ملتی جلتی ہوتی ہیں البتہ ان کی اصل آبادیاں ہمارے علاوہ اسی زمین پر ہماری آبادیوں میں بھی اور اکثر بیابانوں، ویرانوں پہاڑوں اور غیر آباد جگہوں پر اور ساحلوں پر ہوتی ہیں لیکن یہ اپنی زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کی زندگیوں کو بھی زبردست طریقے سے متاثر کرتے ہیں منفی اور مثبت دونوں طرح سے۔منفی طرز پر تو انسانوں کی زندگی کو اجیرن کرتے ہیں۔ازدواجی زندگی برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انسان کے معمولات میں دخل دے کر اس کی زندگی کو اس کی ترجیحات کو اس کے معاملات کو متاثر کرتے ہیں حتیٰ کہ اسے بیمار کردیتے ہیں بسا اوقات جان سے مار دیتے ہیں۔جس طرح سے ہم انسان دوسرے انسانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اسی طرح سے جنات بھی ہم انسانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ خواتین سے جنسی اختلاط بھی رکھتے ہیں اور بعض مردوں کے ساتھ ان کی جن عورتیں اختلاط جنسی رکھتی ہیں یہ عمل نیم خوابی کی کیفیت میں ہوتا ہے اور اسے اکثر خواب ہی سمجھا جاتا ہے۔اسے حقیقت نہیں سمجھا جاتا۔لیکن اس طرح سے انسانی حمل میں جناتی حمل بھی شامل ہوجاتا ہے دوسرے لفظوں میں انسانی نطفے میں جناتی نطفہ بھی مل جاتا ہے اور اگلی نسل گو کہ انسان کی ہوتی ہے لیکن ساتھ میں مخفی طور پر جنوں کی بھی ہوتی ہے نیا پیدا ہونے والا بچہ یا بچی بظاہر تو انسان ہی ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ یعنی اس کی روح میں جناتی بچہ بھی سرایت کیے ہوتا ہے وہ اپنا الگ تشخص بھی رکھتا ہے اور اپنی جنوں کی فیملی میں بھی زندگی گزارتا ہے لیکن ساتھ میں متعلقہ انسان کے ساتھ یا اس کی روح کے ساتھ بھی زندگی بھر رہتا ہے۔اگر اسے کسی طرح سے اس سے الگ کرنے کی کوشش کی جائے تو اکثر متعلقہ شخص کی موت واقع ہوجاتی ہے۔کیونکہ اس بندھن کا کھلنا زندگی کے دوران یوں ہی مشکل ہوتا ہے جیسے جسم و روح کا اک دوجے سے الگ ہونا ناممکن ہے۔بس جس طرح سے نیند کی حالت میں روح جسم سے الگ ہوجاتی ہے اور نیند کو جتنا طویل کیا جاسکے یہ الگ رہتی ہے (گو کہ پھر بھی Hot Line پر رابطہ رہتا ہے) اسی طرح سے عارضی طور پر جناتی ذریت کو بھی Special حالات میں متعلقہ فرد سے الگ کیا جاسکتا ہے لیکن مکمل علیحدگی بڑی ہی مشکل ہے۔اگر کوئی ماہر فن یا ولی اللہ ایسا کر بھی دے تو متعلقہ شخص کی شخصیت نارمل نہیں رہتی یا بہرحال شخصیت بکھری سی جاتی ہے۔چونکہ اس انسان کی روح اور جناتی روح آپس میں اکائی کے لحاظ سے زبردست کشش رکھتی ہیں۔جب جوہر میں کوئی چیز شامل ہوجائے تو اسے جوہر سے الگ کرنے کے باوجود اس کی کشش اپنی اصل کی طرف رہتی ہے۔جس طرح سے زمین سورج کے گرد آج بھی چکر لگاتی ہے۔بہر حال اس سے آگے اللہ ہی کو علم ہے یا جسے رب تعالیٰ نے علم دیا ہو میں زیادہ اندازہ نہیں کرسکتا۔

البتہ یہ بھی خیال رہے کہ کچھ تو مخلوقات یوں سرایت شدہ ہوتی ہیں ''جنھیں میرے خیال سے 'سایہ' کہا جاتا ہے یہ ایک الگ ہی شے ہے'' لیکن یہ کسی کسی کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے سب کے ساتھ نہیں ہوتا۔زیادہ تر جنوں سے کام لینے کے لیے انھیں مختلف طریقوں سے قابو کیا جاتا ہے اور پھر ان سے نفع یا نقصان کے لیے کام لیا جاتا ہے۔اس طرح سے بھی جنات کو

Marfat.com

انسان کے پیچھے لگا کر ان کی زندگیوں کو متاثر بلکہ تباہ و برباد کیا جاتا ہے اوراسی طرح سے جنات سے بہت سے نفع جات بھی اٹھائے جاتے ہیں سینکڑوں قسم کے کام لیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب قیامت برپا فرمائیں گے تو تمام جن وانس کو حاضر کیا جائے گا اور فرمایا جائے گا کہ ''اے جن وانس تم نے ایک دوسرے سے بہت فائدے اٹھائے ہیں آؤ اب حساب دو اپنے اعمال کا'' تو اس وقت ہر ظلم وزیادتی چاہے رائی برابر ہو اس کا حساب لیا جائے گا اور عذاب ہوگا۔ اسی طرح سے بھلائی کا صلہ ملے گا ایک دوسرے کی کی گئی نیکیوں کا صلہ ملے گا بشرطیکہ کسی تیسرے کو ان کے آپس کے برتنے کا نقصان نہ ہوا ہو اور ان کے معاملات حکم الٰہی سے متجاوز اور حدود اللہ کو توڑنے والے نہ ہوں۔ انسان جنات کو تعلیم قرآنی و ربّانی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح سے جنات بھی انسانوں کو جملہ علوم ربانی دے کر مستفید کر سکتے ہیں۔ یہ بڑے ہی گہرے راز ہیں اللہ کے حکم سے فرشتے اور دیگر نیک ارواح اللہ کے نیک بندوں کو تعلیم دیتے ہیں علم وحکمت سکھاتے ہیں۔ اللہ کا ذکر سکھاتے ہیں۔ اپنے ساتھ ذاکر بناتے ہیں بلکہ اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں، آیات،، کلمات، مشاہدات اور نئے جہانوں کو باذن اللہ، بحکم اللہ انسان پر ظاہر فرماتے ہیں۔ اللہ نے توفیق دی میں نے لکھ دیا باقی ان کے عمق سے ان کی مکمل حقیقت سے وہ خود ہی واقف ہے میں کچھ نہیں جانتا۔
اللہ سے پھر دعا ہے کہ ہر حق بات لوگوں تک پہنچے اور ہر باطل مٹ جائے کسی تک نہ پہنچے اور اللہ مجھے معاف فرمائے۔ آمین!

Marfat.com

مضمون نمبر 30:

روح کی دنیا لطیف سے لطیف تر۔ مادی دنیا کثیف سے کثیف تر۔ روحانی دنیا کی طرف رب کی کشش بڑھتی جاتی ہے۔ مادی دنیا کی طرف شیطان کی کشش بڑھتی جاتی ہے

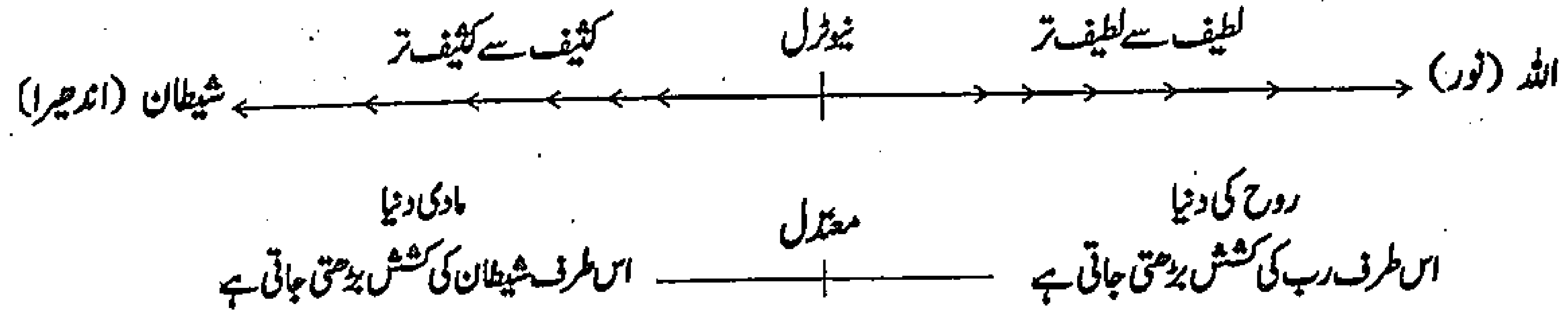

ہم نے پچھلے صفحات پر اس پر بحث کی ہے۔ لیکن اک اور زاویہ سے مختصراً اسے سمجھ لیتے ہیں۔ ایک چیز کثافت ہے اور ایک چیز لطافت۔ مادہ کثیف ہے اور روح لطیف ہے۔ ان کا جوڑ رب تعالیٰ نے ہمارے امتحان کے لیے اور دنیا آباد کرنے کے لیے لگا دیا ہے۔ جسم ہمیں مادی دنیا کی طرف کھینچتا ہے۔ زمین حقیقت میں اس انواع واقسام کی اشیائے دنیا کی اور زندہ اشیا کی بھی ماں ہے جس سے تمام کی تمام living and non living things پیدا ہوئی ہیں۔ ہمارے نفس کے اندر مادے اور روح کا جوڑ لگایا گیا ہے۔ مادہ مادے کے لیے شدید کشش رکھتا ہے عناصر اپنے قسم کے عناصر کی طرف جھکتے ہیں ہر شے اپنی اصل کی طرف کشش رکھتی ہے۔ اب دنیا کے اندر خورد و نوش کی اشیا سے لے کر تمام تر پرانی نئی اشیا مادے ہی سے بنی ہیں جو کسی نہ کسی طرح ہمارے استعمال کے لیے ہیں۔ حتیٰ کہ نر و مادہ کی اک دوجے کی جانب کشش بھی اک ایسی اصل کی طرف کشش ہے۔ جس سے ان دونوں کو پھاڑ کر الگ کیا گیا ہے یہ دونوں opposite sex ایک ہو جانا چاہتے ہیں اور تجربہ گواہ ہے کہ جنسی اختلاط کے دوران یہ ہوش وحواس کھو کر ایک دوجے میں مدغم اور گم ہو جاتے ہیں۔ چاہے تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی لیکن ایسا ہی ہوتا ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ ہمیشہ یہی حالت قائم رہے۔ لیکن جس شے نے یہ کشش قائم رکھی ہوتی ہے جب وہ مادہ بہہ جاتا ہے تو وقتی طور پر یہ حالت ٹوٹ جاتی ہے اور یہ مادہ بھی اپنے دیگر نصف part ہی کی طرف بہتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شے اپنی اصل کی طرف کشش رکھتی ہے۔

اسی طرح روح بھی اپنی اصل کی طرف کشش رکھتی ہے یعنی نور کی طرف اور پھر نور کی لطافت کی انتہا ربِ لاشریک کی طرف۔ یہی وجہ ہے کہ جوانی میں مادے کے غلبے کی وجہ سے بہت کم ممکن ہوتا ہے روح کی طرف بہتر سفر کیا جا سکے۔ عام طور پر

Marfat.com

لوگ مڈل age میں اس قابل ہوتے ہیں یا بڑھاپے میں اس قابل ہوتے ہیں کہ روح کی دنیا، مذہب، دین یا رب کی طرف سفر کرسکیں۔ البتہ اگر جوانی میں مادی کشش کو توڑ کر روح کی طرف توجہ دی جائے تو یہ سفر بہت زیادہ سرعت سے ہوتا ہے اور طویل فاصلہ روح کی دنیا کا طے ہوتا ہے۔ کہنے سے مراد یہ ہے کہ آپ کو کہ دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور آپ کے ساتھ نفس موجود ہے، خواہشات موجود ہیں، یہ دنیا آپ ہی کے لیے ہے لیکن اگر اس پر صرف مناسب حد تک ہی توجہ دی جائے اور روح کی دنیا (جو کہ امرالٰہی ہے) کی طرف نسبتاً بہتر توجہ دی جائے تو سفر آسان اور سمت درست ہو جاتی ہے۔ وحی الٰہی کی روشنی میں نفسی خواہشات کو کنٹرول کر کے جتنا زیادہ سے زیادہ آپ تقویٰ اختیار کریں گے آپ کے نفس سے مادی کشش یعنی کثافت چھٹتی جائے گی اور آپ لطافت کی سمت بڑھتے جائیں گے۔ یعنی آپ کی روح لطیف سے لطیف تر ہوتی جائے گی۔ مادے کی قید ٹوٹتی جائے گی۔ نور لطیف ہے پھر اس کے درجے ہیں بے شمار، آپ جوں جوں قرآن کو اپنی زندگی میں اپنے لہو میں شامل کرتے جائیں گے۔ جتنا زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کرتے جائیں گے آپ لطیف سے لطیف تر ہوتے جائیں گے۔ اگر اللہ پاک توفیق دیں تو محض چند سالوں میں آپ خدا کے حضور میں اس قدر لطیف روح کے ساتھ حاضر ہو سکیں گے کہ جو اللہ پاک کے نور کے حضور حاضر ہو سکے گی۔ ظاہر ہے ہم پھر بھی رب کو دیکھ نہ سکیں گے کیونکہ ہماری لطافت اس قدر تو نہ ہوگی لیکن یہ اتنی بڑی کامیابی ہوگی کہ جس کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ تقویٰ ہمارے اندر لطافت بھرتا جاتا ہے اور تقویٰ نام ہے قرآن پر ایمان و عمل کا۔ اب جتنا زیادہ سے زیادہ کوئی قرآن کا ہو جائے گا اتنا زیادہ متقی اور لطیف نور والا ہو جائے گا۔ اتنا زیادہ رب کے قرب میں پہنچ جائے گا۔ بشرطیکہ صاحب قرآن نبی پاک محمد ﷺ سے بھی شدید محبت و احترام رکھے۔ اسی طرح سے جو جتنا زیادہ مادی دنیا سے کشش رکھے گا اتنا ہی زیادہ اس کی روح کثافت میں لپٹی رہے گی اور اس کی خواہشات بڑھتی جائیں گے۔ دنیا میں تو وہ بڑی ترقی کرے گا ہر مادی شے کے انبار اکٹھے کرے گا لیکن نور سے، رب سے دور سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔ اسی لیے اللہ فرماتا ہے کہ "دنیا و آخرت دونوں مانگو۔ صرف دنیا نہ مانگو" اور جو آخرت ہی طلب کرے گا اور اس طرف پورا جھکا ہو اس نے بہت نفع کا سودا کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کام کا پختہ ارادہ کر لیا جائے۔

روحانی دنیا اور لطافت کی طرف سفر کا طریقہ کار:

اس کے لیے طریقہ کار یہ ہوگا کہ ایک تو دنیا سے بے رغبتی پیدا کرے اور دوسرے اللہ سے محبت و رغبت پیدا کرے۔ لیکن ایسا محض چاہنے سے نہیں ہوتا اس کے لیے اللہ کی طرف سے توفیق بہت ضروری ہے۔ جب خدا توفیق دیتا ہے تو قدرتی طور پر دل میں اللہ کی محبت جاگتی ہے اور پھر بندہ جوں جوں کوشش کرتا ہے اس راہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آپ اپنے دل میں نہ تو رب کی حقیقی محبت پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی نور کی راہ پر روح کی دنیا کا سفر طے کر سکتے ہیں۔ آپ بس ایک کام کر سکتے ہیں کہ اللہ پاک سے اس مقصد کے لیے دعا کرتے رہیں، کوشش کریں دل و جان سے دعا مانگنے کی۔ گو کہ دعا بھی تب ہی مانگے گا

Marfat.com

جب دل میں کوئی معمولی سے معمولی چنگاری باقی ہوگی اس کے بغیر یہ بھی ممکن نہیں۔مگر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر لوگوں کے دلوں میں کوئی نہ کوئی چنگاری ضرور موجود ہوتی ہے۔ جسے راکھ چھپائے رکھتی ہے پس تھوڑی سی کوشش سے چند پھونکیں مار کے یعنی معمولی سی توجہ سے یہ راکھ اڑ جائے گی اور چنگاری چمکے گی۔اپنے ننھے سے وجود کے ہونے کی خبر آپ کو دے گی۔تب اللہ سے دعا مانگنا شروع کر دیں اور ہو سکے تو ٹوٹی پھوٹی ہی سہی نماز شروع کر دیں پھر یہ کرتے رہیں۔آپ محسوس کریں گے کہ کچھ عرصہ بعد آپ اس راستہ پر ترقی کرنے لگے ہیں یعنی عبادت میں کچھ ہلکا سا لطف آنے لگے گا جو بعد میں بڑھتا جائے گا۔اب قرآن پڑھنے پہ دل کرے گا۔قرآن سیکھنے کی خواہش پیدا ہوگی، پھر آپ چل پڑیں گے بس دعا کرنا نہ چھوڑیں۔جب آپ قرآن سیکھ لیں پڑھ لیں تو پھر اس پر غور و فکر کرنا شروع کریں۔اس کی آیات کے ترجمہ وتشریح پر غور کریں۔خاص کر ترجمہ پر غور کریں کیونکہ تفاسیر میں علماء کا اختلاف رائے بھی ہے جو آپ کے دل پر بوجھ ڈالے گا اور قرآن کے متعلق آپ کو شک شُبے میں مبتلا کرے گا۔ایک عالم کچھ تشریح کرے گا اور دوسرا جیّد عالم کوئی اور مفہوم نکالے گا اور آپ سوچ میں پڑ جائیں گے کہ یہ کیا معاملہ ہے بلکہ بعض علما تو ایسا ایسا مفہوم کئی مقامات کا بیان کریں گے کہ جس سے آپ کو خود بھی اختلاف ہوگا۔اس طرح سے وہ کتاب جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں۔اس میں محض متنوع قسم کے مفہومات کی وجہ سے شک شُبے کو ابھرتا دیکھیں گے اور علما کے اس رویے کی وجہ سے نوجوان نسل تو نعوذ باللہ مذہب ہی سے بیزار ہو چکی ہے۔اس لیے میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ یا تو آپ خود عربی زبان قرآن فہمی کے لیے سیکھیں جو کہ ہر مسلمان کو سیکھنا چاہیے یا پھر صرف اور صرف کوئی اچھا ترجمہ لے کر پڑھیے۔گو کہ ترجموں میں بھی کچھ فرق ہوتا ہے لیکن بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔چونکہ آپ نے روح کی دنیا میں سفر کرنا ہے اس لیے بہتر ہے احمد رضا بریلویؒ کا ترجمہ شدہ قرآن بازار سے لے لیں اور اسے پڑھیں کیونکہ تصوّف کی طرف بریلوی مسلک کا رجحان زیادہ ہے (لیکن یاد رہے کہ اس مسلک میں بعض علما، بعض مقامات پر شرک میں داخل ہو جاتے ہیں، اس سے پرہیز کریں)۔صرف ترجمہ قرآن پڑھنے سے (بریلوی مسلک) شرک کا کوئی امکان نہیں کیونکہ احمد رضا بریلویؒ صاحب نے ترجمہ میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی، بہت محتاط اور اچھا ترجمہ ہے۔اکثر قرآن آپ کو ترجمہ سے سمجھ آ جائے گا۔محض کسی کسی مقام پر تفسیر یا تشریح کی ضرورت پیش آئے گی۔اس کے لیے بہتر ہے کہ اگر آپ عربی نہیں جانتے تو ایک ایک تفسیر قرآن کا معتبر قسم کا سیٹ ہر مسلک یعنی بریلوی مسلک، دیوبندی مسلک، اہل حدیث مسلک، اور شیعہ مسلک کا رکھ لیں اور جہاں ضرورت پیش آئے ان کا تقابلی مطالعہ کر لیں۔آپ خود حقیقت کو سمجھ جائیں گے حق کیا ہے اس کے لیے آپ کا دل گواہی دے گا۔نیز حق کے سمجھنے کے لیے اللہ سے خوب دعا فرمائیں وہ بہت کریم ہستی ہے ضرور حق بتلا دے گا۔عام لوگ اگر اتنا وقت بھی نہ دے سکیں تو احمد رضا بریلویؒ کے ترجمہ قرآن پر جو ساتھ ساتھ مشکل مقامات کی وضاحت کے لیے حواشی لکھے گئے ہیں انھیں ہی پڑھ لیں اگر امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر "تدبیر قرآن" پڑھ سکیں تو بہتر ہے۔ان کے اُستاد محترم حمید الدین

Marfat.com

فراخیؒ کی تفصیلی تفسیر مطالعہ کرسکیں تو موتیوں کی لڑی ہے۔

جب قرآن کو ایمان وعمل میں راسخ کر چکیں تو دنیا سے واجبی تعلق رکھیں دلی نہیں:

جب قرآن کو ایمان وعمل میں بفضل تعالیٰ شامل کر چکیں تو پھر دنیا سے واجبی تعلق تو رکھیں کہ یہی دنیا داری ہمارا امتحان ہے لیکن دلی تعلق نہ رکھیں دنیا و آخرت میں اعتدال کے لیے قرآن فہمی ہی کافی ہے تاہم نبی پاک ﷺ کے بعد اگر کوئی شاہکار دیکھنا ہو تو زیادہ سے زیادہ سیرت عمر فاروقؓ کا مطالعہ فرمائیں۔ انھوں نے قرآن پاک کو اپنے خون میں اور روح میں بسانے کی پوری کوشش فرمائی تھی۔ جب قرآن سے محبت کو دیکھنا ہو تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے لگاتار بہتے آنسوؤں پر نگاہ فرمائیں، سخاوت کا نمونہ دیکھنا ہو تو عثمان غنیؓ کو دیکھیں اور اگر دین کی طرف جھک جانے، فقر اختیار کرنے اور حُب نبی ﷺ کو دیکھنا ہو تو حضرت بی بی فاطمہؓ بتولِ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ پر نگاہ فرمائیں۔ ان کے ساتھ فقر وعلم کے شاہ نبی پاک ﷺ سے نسبت روحانی رکھنے والے حضرت علی کرم اللہ کے مقام کو دیکھیں اور اہلِ بیت کو دیکھیں۔

آہستہ آہستہ کھانا کم کرتے جائیں، نیند کم کرتے جائیں، گفتگو کم کرتے جائیں، چند ماہ وسال کے بعد خود کو صرف اتنے کھانے، سونے، بولنے پر لے آئیں کہ آپ زندہ رہ سکیں بغیر کسی محتاجی کے۔ اس طرح سے مادی قید ٹوٹتی جائے گی۔ مادہ یعنی مادی جسم انسانی کیا مانگتا ہے، من پسند کے انواع واقسام کے کھانے، دولت کے انبار، وسائل کے خزانے، لمبی نیند، چرب زبانی سوان سب سے پرہیز کرتے جائیں۔ وقت آہستہ آہستہ یہ آ جائے گا کہ نہایت سادہ سا دال روٹی صبح شام ایک ایک چپاتی، نیند چوبیس گھنٹے میں دو تین گھنٹے رہ جائے گی، کلام کرتے آپ کو کوئی دیکھے گا نہیں، ہاں جب کلام کریں تو اس میں اللہ کی تعریف شامل ہو، ہر بات کو اللہ کی طرف منسوب کرتے جائیں۔ آپ کی گفتگو بھی تبلیغ دین اور عشق الٰہی سے معمور ہو، ہر ہر بات سے ربانی بات نکال کر گفتگو کریں یا خاموش رہیں اور اشارہ سے کام چلائیں۔ ایک وہ وقت بھی آتا ہے بفضل تعالیٰ کہ آپ کو مادی خوارک کی ضرورت ہی نہیں رہتی محض نور الٰہی ہی آپ کا پیٹ بھر دیتا ہے۔ نہ نیند کی ضرورت رہتی ہے ہر وقت آپ اللہ کے حضور رہتے ہیں یعنی بیداری اور نیند برابر ہو جاتے ہیں اور بغیر گفتگو سے آپ کی بات اگلے تک پہنچ جاتی ہے زبان کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ سب آگے کے مقامات ہیں پھر اس سے آگے اور بھی بے شمار مقامات ہیں یہ نور کی راہیں ہیں خفیہ راہیں، پردے کی باتیں ہیں۔ اس سے آگے صوفیا نے گفتگو سے منع فرمایا ہے۔ اس سے آگے گفتگو کا مقام بھی نہیں ہے۔ اس سے آگے مشاہدات ہیں قلبی وارداتیں ہیں، اس سے آگے عام لوگوں کو کچھ بیان کرنے سے کوڑا لگتا ہے جو پاس ہوتا ہے وہ بھی نہیں رہتا، بلکہ سخت سزا ملتی ہے۔ اس سے آگے جو ہے وہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو پھر غائب پر ایمان نہیں رہتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہتا تو سب مسلمان ہوتے، ایک اُمت ہوتے لیکن اللہ جو چاہے کرے۔ یعنی رب تعالیٰ اس مادی جہاں میں جہاں پر ہر طرح کے امکانات ہیں مادی کشش ہے، فوری فائدے اور لذتیں ہیں، خواہشات کی تکمیل کے بے حد لذیذ مزے ہیں، مادی

Marfat.com

بہاریں اپنے جوبن پر ہیں جو کہ دہریے اور کافر کی بھی عین دسترس میں ہیں بلکہ ان کے لیے زیادہ راستے کھلے ہیں۔ ان کے مواقع زیادہ ہیں کیونکہ اللہ انھیں گمراہی میں اور ڈھیل دیے جاتا ہے۔ ان کے لیے صرف اس دنیا کی زندگی کے انعام ہیں۔ اس لیے خوب بارش کی طرح برستے ہیں۔ لیکن اگلے جہان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، جہنم ان کا منتظر ہے کیونکہ انھوں نے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مفادات لوٹے ہیں۔

اختتامیہ:

لہٰذا یہ نور کا رستہ چل کر دیکھیں، بقول ایک صوفی بزرگ کے ''جس نے نور حقیقی کا ایک نوالہ چکھ لیا وہ دنیا کے نوالے سے ہزار گنا بہتر ہے''۔ تاہم پہلے اس نور کے اک نوالے تک پہنچنے کے لیے راستے کے تمام مقاماتِ کشش نفس سر کرنا ہوں گے۔ کہیں پر بھٹکنا نہیں ہوگا، نہ ''نور'' تک پہنچنے سے قبل کسی مقام پر بسیرا کرنا ہوگا بلکہ چاہے جتنا بھی اچھا مقام ہو اسے چھوڑ کر آگے بڑھنا ہوگا۔ یاد رکھیں ''نور کی راہ'' میں مادی قید سے آگے بھی کئی مقامات ہیں جن سے آپ کے درجے بنتے ہیں۔ ان مقامات پر پوری استقامت سے قرآن کو دائیں ہاتھ میں تھامے، نبی پاک ﷺ کی محبت کو دل میں بسائے، عشق الٰہی میں آگے بڑھتے جائیے۔ کہیں رکنا نہیں، تا دم آخر بڑھتے ہی جائیے کہ مقامات نور کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ جتنی ترقی کریں گے یہاں اور اگلے جہاں میں اتنے ہی بلند درجے پر فائز ہوں گے۔

❁...❁...❁

Marfat.com

مضمون نمبر 31:

شعائرالہی، اللہ کی نشانیاں، اللہ کے انعامات اور ان میں چھپے راز

آج ایک بڑے ہی اہم موضوع پر اللہ پاک کے خاص فضل وکرم سے قلم اٹھانے کا وقت آیا ہے۔ ایسے لوگوں سے متعلق جو اللہ کے بندے ہیں اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ قربانیاں پیش کرتے ہیں، اس کی آزمائشوں پر پورے اترتے ہیں، اس کے لیے اپنا گھر بار، دھن دولت، بیوی بچے، عزیز واقارب، سکھ چین، غرض اپنی پیاری سے پیاری متاع کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اللہ کے حضور پیش کر دیتے اور اللہ کے حکم پر ہنس کر آگ میں کود جاتے ہیں۔ پھانسی پر جھول جاتے ہیں، کھال کھچوا لیتے ہیں، گردن کٹوا دیتے ہیں، زہر کا پیالہ پی لیتے ہیں، لخت جگر پر چھری چلا دیتے ہیں، فرزند پر کوڑے تا وقت مرگ برسا دیتے ہیں، آنکھیں نکلوا لیتے ہیں، دل چھلنی کروا لیتے ہیں، جگر کباب بنوا لیتے ہیں، مہلک واذیت ناک ترین امراض کو گلے لگا لیتے ہیں نہ گلہ کرتے ہیں نہ انکار کرتے ہیں بلکہ کانٹوں پر چل کے، آگ پر لیٹ کے، نیزے پہ چڑھ کے، حمد باری تعالیٰ دل کی گہرائیوں سے ادا کرتے رہتے ہیں اس طرح کی بے شمار مثالیں دنیا میں اپنے اپنے وقت میں گزری ہیں۔ ہم تو شاید اللہ کے ایسے بندوں کے متعلق 1 فیصد بھی نہیں جانتے۔ یہ جو مثالیں انبیا واولیائے کرام اور متعلقین عبد الٰہی ہم جانتے یا پڑھتے سنتے ہیں یہ تو گنتی کے اعتبار سے ان کا عشر عشیر بھی نہیں کہ جس بے پناہ تعداد میں عاشقان الٰہی نے اپنے رب کے حضور ایک سے ایک بڑھ کر اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے اور عشق الٰہی کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔

مرکزی نکتہ:

آج کی بحث کا مرکزی نکتہ شعائر الٰہی ہیں۔ جب انسان اللہ سے اس درجہ محبت وعشق کرتا ہے تو باقی تو اللہ پاک اسے جو انعام واکرام عطا فرماتے ہیں، درجات بلند فرماتے ہیں اور کیا کیا کچھ مخفی خزانے عطا فرماتے ہیں علم وعرفان کے یہ تو اس کا متعلقہ بندہ اور وہ رب کائنات خود ہی جانتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک کی شان دیکھیے کہ وہ رہتی دنیا تک اپنے کچھ بندوں کی نشانیاں باقی رکھتا ہے انھیں وہ شعائر الٰہی کہتا ہے۔ اللہ پاک کو جب اپنے کسی بندے کی کوئی خاص ادا پسند آجاتی ہے، جب وہ کسی کو آزمائش پر پورا اترتا دیکھ کے راضی ہو جاتا ہے، جب وہ کسی کی کسی خاص قربانی کو اک خاص ادا سے قبول فرمالیتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اسے انعام واکرام سے نوازتا ہے بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے اسے برکت عطا فرما کے حکمیہ طور پر باقی رکھتا ہے؟

کیا آپ جانتے ہیں:

کہ یہ صفا ومروہ کیا ہے؟ یہ میدان عرفات کیا ہے؟ یہ مزدلفہ کیا ہے؟ یہ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی ﷺ کیا ہے؟ یہ کوہ طور کیا ہے؟ یہ وادی طویٰ کیا ہے؟ یہ خانہ کعبہ کیا ہے؟ یہ بیت المقدس کیا ہے؟ یہ غار حرا کیا ہے؟ یہ غار ثور کیا ہے؟ یہ کوہ صفا

Marfat.com

کیا ہے؟ یہ جبل رحمت کیا ہے؟ یہ منیٰ کیا ہے؟ یہ عیدالاضحیٰ کی قربانی کیا ہے؟ یہ رمضان کے روزے کیوں ہیں عیدالفطر کیا ہے؟ یہ ذوالحج کے ماہ مبارک کے پہلے دس دن کیا ہیں؟ یہ محرم کے دس دن کیا ہیں؟ یہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ یہ شب معراج کیا ہے؟ یہ نبوی ﷺ داڑھی کیا ہے؟ یہ اولیائے اللہ کے مزار صدیوں سے باقی کیوں ہیں، یہاں اتنی رونق کیا ہے؟ یہ جنت البقیع کیا ہے؟ یہ میدان بدر کیا ہے؟ یہ حضرت امام حسینؑ اور اہل بیت کے غم میں ہر سال محرم کے دس دن کا سوگ و ماتم کیا ہے؟ عیسوی نشانیاں کہاں کہاں اور کیا کیا ہیں؟ بیت المقدس کے اردگرد کے میدان میں کیوں کیا کیا برکات ہیں؟ اولیائے اللہ کے مزاروں سے کسی اک شے کی شفاء کی برکات کیوں ہمیشہ جاری رہتی ہیں؟ یہ صلیب کیوں مقدس ہے؟ اقبالؒ کا مزار بادشاہی مسجد کے صحن میں کیوں ہے؟ مزار جناح کیوں باقی ہے؟ یہ گنگا وجمنا کے تقدس کی حقیت کیا ہے یہاں اشنان کرنے کی تاریخ کس ولی اللہ سے جاملتی ہے؟ یہ سکھوں کا پنجہ صاحب بمقام حسن ابدال کیا ہے؟ مہاتما بدھ کا نام کیوں باقی ہے؟ سقراط کا نام کیوں تاریخ میں سنہرے حروف میں درج ہے؟ کیوں اللہ نے بعض پیغمبروں کے نام اور کام قرآن ودیگر کتب آسمانی میں ذکر فرما کے امر کر دیے ہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام محمود کیا ہے؟ درود شریف برائے محمد ﷺ وتمام انبیاء ورسل واولیا وصالحین کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے؟ نورالٰہی سے لبریز قلب مسکن جبرائیل کیوں ہے؟ اصحاب انبیؑا کے نام کیوں زندہ رہتے ہیں؟ یہ اولیا کی چلہ گاہیں، محدود عرصہ کے لیے پڑاؤ کے مقامات یہ انبیا کی متعدد نشانیاں، اشیائے استعمال حتیٰ کہ موئے مبارک اور عکس نعلین تک کیوں محفوظ رہ جاتے ہیں؟ ان کے پسندیدہ رنگ ڈھنگ کیوں امر ہو جاتے ہیں؟ آخر کیوں ایسا ہوتا ہے؟ کیوں؟ کس لیے؟ کس وجہ سے؟ یہ نبیوں کی سرزمین اسرائیل نقشے پہ کیوں پھرا ابھر آئی ہے؟ ابھی تو معلوم نہیں کیا کیا اور کون کون سی نشانیاں اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے اور کہاں کہاں اپنے پیاروں کی یاد میں محفوظ کر رکھی ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا اصحاب کہف کا قرآنی واقعہ کہ جب ان کے متعلق معلوم ہونے پر مقامی لوگوں میں سے کچھ نے کہا کہ ہم یہاں یادگار تعمیر کریں گے، کچھ نے کہا کہ ہم یہاں مسجد تعمیر کریں گے۔ ایسا کیوں تھا کہ رب تعالیٰ وہاں ان کی یاد میں مسجد یا یادگار تعمیر کروانا چاہتے تھے (اور سب سے بڑھ کر بہترین یادگار مسجد یا عبادت گاہ ہی ہے)۔

آپ نے یقیناً اس قسم کی باتوں پر کم ہی غور کیا ہوگا اور آپ کے پاس ان پہ غور کرنے کا وقت کہاں ہے۔ آپ نے تو زیادہ سے زیادہ ان شعائر الٰہی کو مذہبی فرائض سمجھ کر نبھایا ہوگا اور رضائے الٰہی چاہی ہوگی۔ اس میں کلام نہیں کہ بطور مذہبی فرائض وحکم رسولؐ کے نبھانا اور احکامات الٰہی پر سر تسلیم خم کرنا بہت بڑی بات ہے اور برکات الٰہی ورضائے الٰہی کا باعث ہے لیکن ان کی حقیقت معلوم کرنا بھی بہر حال انسان کا فرض ہے۔ ایسا کرنے سے آپ شعائر الٰہی کے فلسفے سے واقفیت حاصل کر سکیں گے اور معلوم کر سکیں گے کہ اللہ کی راہ میں زندگیاں کھپا دینے سے اللہ کے لیے سب کچھ کر گزرنے سے اور اللہ کے احکام میں انتہائی سبقت لے جانے سے انسان کو کیا ملتا ہے یا مل سکتا ہے۔

Marfat.com

آیئے اب ان اٹھائے گئے سوالات میں سے چند ایک کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

صفاومرواہ اور آب زم زم:

جب حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہ محترمہ اور ننھے اسماعیلؑ کو بحکم ربی مستقبل کے مکہ معظّمہ کی بیاباں سرزمین پر چھوڑ آتے ہیں اور بچے کی پیاس سے بے تاب ہو کر ہاجرہؑ بی بی ام اسماعیلؑ دونوں پہاڑیوں کے درمیان بے تابانہ دوڑتی اور ان پر چڑھ کر پانی تلاش کرتی ہیں تو یہ ادا اللہ کے حضور امر ہو جاتی ہے سو آج بھی عمرہ و حج کرنے والے اس سنتِ زوجۂ ابراہیمؑ کو بحکم الٰہی ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح سے ننھے اسماعیلؑ جہاں پیاس کی شدت سے روتے ہوئے ایڑیاں زمین پر رگڑتے ہیں وہاں اک پانی کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے، جسے مائی صاحبہ کہتی ہیں زم زم یعنی ٹھہر جا ٹھہر جا سو اس کا نام زم زم پڑ جاتا ہے یہ آج تک اس سرزمین کے پیاسوں کو سیراب کر رہا ہے اور نہایت شفا بخش، زود ہضم اور غذائیت سے پر، بابرکت پانی ہے جس کو وہ مقام ملا کہ لوگ دنیا کے کونے کونے سے عمرہ و حج کے لیے آتے اور یہ پانی ساتھ سوغات کے طور پر لے جاتے ہیں۔

کعبہ شریف:

یہ دنیا میں سب سے پہلا اللہ کا گھر ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق اسے پہلے بھی تعمیر کیا جاتا رہا تاہم بعد میں حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ مل کے تعمیر کیا۔ تاہم قرآن میں اس کی تعمیر کا ذکر صرف حضرت ابراہیمؑ ہی سے منسوب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنے محبوب بندے ابراہیمؑ کی بار بار کی متعدد آزمائشوں کے بعد انھیں اس قدر پسند فرمایا کہ تمام انسانوں کا امام بنا دیا اس لیے خانہ کعبہ کی زیارت اور وہاں عبادت کی غرض سے سال کے بارہ مہینے عمرہ کے لیے ہزاروں لاکھوں لوگ ہر وقت دنیا کے کونے کونے سے آ کر اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ تعداد رمضان شریف میں لاکھوں کو پہنچ جاتی ہے اور حج کے موقع پر اس ساری پاک سرزمین اور اس کے گرد و نواح کو انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے حکم فرمایا، ابراہیمؑ کے مصلاً کو (مقام عبادت کو) مقام عبادت بناؤ۔ دیکھیے اللہ نے سب انسانوں کے امامؑ موحد اکبر کو کیا عزت بخشی ہے۔ پھر صرف حکم نہیں فرمایا بلکہ وہاں عبادت کا بڑا مقام ہے، بڑی برکات ہیں، یعنی کہ انتہائی برکات اگر دل و جان سے اپنے گناہوں کی معافی بوقت عمرہ و حج مانگی جائے اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کا پکا ارادہ اللہ کو گواہ بنا کر کیا جائے تو اللہ توبہ قبول کرنے اور گناہ معاف کرنے پر قادر ہے، وہ معاف فرماتا ہے۔ یاد رہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں پیدائش اور اسلامی انقلاب برپا کرنا اور کعبہ شریف سے شدید محبت رکھنا اور اس کا پھر سے قبلہ قرار پانا، برکات ابراہیمیؑ کے ساتھ ساتھ سونے پر سہاگہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ گویا مکہ شہر کی بنیاد اور خانہ کعبہ کی تعمیر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے لیے اللہ کا انعام تھا اور مکہ شہر کا امر ہو جانا، خانہ خدا کا رحمت عالم بن جانا محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ کا انعام ہے۔

مدینہ منورہ:

Marfat.com

کون نہیں جانتا کہ مدینہ منورہ کی شہرت نبی پاک محمد ﷺ کے روضہ اقدس کے وہاں موجود ہونے کی بنا پر ہے۔ مسجد نبوی کا مقام محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا انعام ہے۔ کیونکہ یہ آپ کے پیغام حق کا مرکز تھی اور اب بھی آپ اسی مسجد میں آرام فرما ہیں۔ اس مسجد کو دنیا کی تین بڑی برکت والی مساجد میں اللہ تعالیٰ نے شامل فرمایا ہے جو عمرہ و حج کے لیے جاتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ و مدینہ منورہ ضرور جاتا ہے۔ یہ محمد ﷺ کا مقام محمود ہے جہاں رہتی دنیا تک لوگ آپ کا نام لیتے رہیں گے، درود بھیجتے رہیں گے۔ روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دیتے رہیں گے۔ مسجد نبوی میں نمازیں پڑھتے رہیں گے اور محمد ﷺ کے مقام مصلاً کو مقام اعلیٰ حاصل رہے گا۔ نبی پاک ﷺ کا مقام محمود عرش پر تو ہے ہی، زمین پر مدینہ منورہ و مکہ مکرمہ ہے۔ حقیقت میں مکہ مکرمہ کے اندر خانہ کعبہ ہے اور خانہ کعبہ کے اندر روضۂ رسول ہے اور روضۂ رسول میں محمد ﷺ ہیں اور محمد ﷺ کے قلب اطہر میں رب عظیم ہیں۔ انبیا و رسل اور صالحین کے قلب درجہ بہ درجہ ملے ہوئے ہیں ان کے درمیان خفیہ راہیں ہیں، دروازے ہیں اور نور الٰہی سے یہ سب روشن ہیں۔ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی ذات اور اللہ کا نور موجود ہے۔ اللہ کل کائنات اور بے حد ماورا کائنات ہر ہر شے ہر ہر دنیا ہر ہر زمانے غرض سب کچھ پر محیط ہے۔ درحقیقت یہ قلب ذات ربانی ہی ہے جس میں سب کچھ بند ہے۔ یہ محیط کل ہے کسی نبیؑ یا ولی کے قلب کو جتنی وسعت و درجہ ملتا ہے وہ اتنا ہی قلب الٰہی میں دور تک سفر کرتا چلا جاتا ہے اور ذات الٰہی کے عجب عجب عرفان و آیات دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔

بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ:

بیت المقدس، قبلہ اول محمدی زمان کے لحاظ سے کہلاتا ہے جبکہ حقیقت میں یہ قبلۂ دوم ہے۔ اسے سلیمانؑ نے تعمیر کیا اور کروایا تھا۔ اس کے گردونواح بڑی پاک و بابرکت وادی اور میدان ہے۔ یہ پیغمبروںؑ کی سرزمین ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا قبلہ ہے۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے چونکہ تمام جید و دیگر سب پیغمبرؑ آئے تھے اور اسی سرزمین میں مدفون ہیں محو استراحت ابدی ہیں اس لیے یہ بڑی ہی بابرکت جگہ ہے اس کے حصول کے لیے یہودیوں اور مسلمانوں میں کئی خونریز جنگیں ہو چکی ہیں یہ باری باری دونوں کے قبضۂ مجازی میں آتا رہا ہے۔ اب یہودیوں ہی کے پاس ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے نبیوںؑ کا انعام ہے اور اللہ کا اک راز ہے۔ انتہائی عبادت یہاں پر بھی کی جاتی ہے۔ یہاں پر موجود مسجد اقصیٰ دنیا کی تین بابرکت مساجد میں سے ایک ہے۔ بمطابق قرآن مجید اگر ادھر اللہ کے نبیؑ عبادتیں، ریاضتیں، چلے نہ کرتے اور حضرت داؤدؑ کی دعا سے حضرت سلیمانؑ اسے تعمیر نہ کرتے تو یہاں کچھ نہ ہوتا بے شک رب نے چاہا تو یہاں قبلہ بنایا۔ بہت بڑی عبادت گاہ، بڑے مقام و مرتبے والی بنائی لیکن یہ اپنے پیغمبروںؑ ہی کی شانیں بڑھانے کے لیے انعامات کے لیے ان کی نشانی باقی رکھنے کے لیے بنائی ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے وہ ہر جگہ پر ہے۔ جدھر منہ کرلو جدھر خیال لے جاؤ، جہاں نگاہ کرلو رب ہی رب ہے۔ رب کے اعتبار سے کائنات کا ذرہ ذرہ قبلہ ہے کیونکہ ذرے ذرے میں رب ہی تو ہے اس کا حکم اور اس کا اذن ہے۔

Marfat.com

کوہ طور:

کوہ طور کی شہرت حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کے حوالے سے آسمانی کتب میں مذکور ہونے کی بنا پر امر ہو چکی ہے۔ موسیٰؑ نے وہاں اللہ کی کتنی کتنی کیا کیا عبادت کی اور چلّے کیئے، اللہ سے ہم کلام ہوتے رہے، کتاب الٰہی توریت عطا ہوئی اور پھر بنی اسرائیل کو الٰہی جلوے کا بہت ہی ہلکا سا عکس دکھلایا گیا کہ جس سے سب ختم ہو گئے، طور جل گیا، دوبارہ زندہ کیئے گئے۔ کیا طور آج بھی اللہ کے بندے موسیٰؑ و ہارونؑ کی یاد کو تازہ نہیں کرتا، کیا یہ اللہ کا انعام اپنے بندے موسیٰؑ کے لیے نہ تھا کیا بابرکت نہ ہو گیا پورا پہاڑ۔ کیا اس پہاڑ کو بنی اسرائیل پر بلند نہ کیا گیا۔ یہودیوں اور تمام اللہ کو ماننے والی اقوام کے لیے نشانی نہ بن گیا یہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔

نبوی داڑھی:

داڑھیاں تو لوگ ابتدائے افرینش ہی سے رکھتے آ رہے ہیں بلکہ یہ فطری طور پر ہر مرد کے چہرے کا حصہ ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک کو رہتی دنیا تک سب مسلمانوں میں جاری و ساری کر کے آپ ﷺ کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا گیا کہ آج بھی جو سنت نبوی ﷺ سمجھ کر سنت کے مطابق داڑھی بڑھائے اسے برکات محمد یہ ﷺ پہنچتی ہیں۔ بشرطیکہ ایمان و عمل میں قرآن مجید پر قائم ہو۔ یہ بھی اللہ کی نشانیوں سے ہے، اس کے اندر بھی عجیب اسرار ہیں۔ اس کا تعلق علم و حکمت محمد یہ ﷺ سے ہے، عشق محمد ﷺ کا چمکتا دمکتا موتی ہے جس سے عرفان الٰہی کو زینہ جاتا ہے۔ آج کل کے مسلمانوں کی طرح ایمان وعمل سے عاری اور محض شیو کا خرچہ بچانے کے لیے یا فیشن کے لیے داڑھی نہ بڑھا رکھی ہو۔ بندر کی داڑھی اور انسان کی داڑھی، پھر انسان کی داڑھی اور مسلمان کی داڑھی میں بڑا فرق ہے اور مسلمان کی داڑھی کو نسبت محمد یہ ﷺ حاصل نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

سکھوی داڑھی:

ایک داڑھی سکھوں کی داڑھی ہے۔ اس کا تعلق نانک صاحب سے ہے جنھیں گرونانک بھی کہتے ہیں وہ اللہ کے بہت اعلیٰ پائے کے ولی تھے۔ پکے موحدّ تھے ان کی تعلیمات مسلمان صوفیہ سے متاثر نظر آتی ہیں۔ تصوّف میں بلند مقام پر فائز تھے۔ مکہ مدینہ میں حاجیوں کے ساتھ حج کیا تھا۔ دربار نبی ﷺ پر حاضری دی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کے 4 طویل سفر پیدل کیے تھے۔ دنیا بھر کے بڑے بڑے پیغمبروں اور اولیا اللہ کے درباروں پر بلا مذہبی تفریق کے حاضری دی تھی۔ کیونکہ ہر مذہب درحقیقت اللہ کی جانب سے ہی اس کا کوئی رسولؑ لے کر آیا تھا۔ جو دراصل اسلام ہی تھا اس کے نام مختلف تھے، طریق عبادت مختلف تھے، رسولؑ مختلف تھے، تعلیمات بنیادی تو ایک ہی تھیں جزوی تعلیمات میں اور احکامات میں وقت کے تقاضوں اور متعلقہ اقوام کے حوالے سے تھوڑا تھوڑا فرق تھا۔ نانک صاحب کے طویل سفروں، ریاضتوں اور عبادات میں محویت کی بنا پر داڑھی قدرتی طور پر بڑھتی چلی گئی۔ جسم کے دیگر بال بھی شاید بڑھتے رہے ہوں۔ ان کی توحید کی تعلیمات تو بھلا دی گئیں لیکن

Marfat.com

سکھوں کی داڑھی مونچھیں وغیرہ اور نانک صاحب کا لباس پگڑی وغیرہ نشانی امر ہوگئی جواب بھی ہے۔

اصحاب کہف کی یادگار:

اصحاب کہف نے بادشاہ وقت کی شرک سے متعلق تعلیمات ماننے سے انکار کر دیا اور پہاڑوں پر آ کر پناہ لی، اللہ سے حفاظت کی دعا کی۔ 309 سال تک غار میں سوتے رہے جب آنکھ کھلی تو یہی سمجھے کہ شاید دن بھر سوئے ہیں۔ کھانا لینے شہر گئے تو سب کچھ بدل چکا تھا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تو ان کے معتقد ہوئے۔ یقیناً تعلیمات ربّانی بھی ان سے حاصل کی ہوں گی، اک قوم کی اصلاح ہوئی ہوگی۔ ان کا قیام باقی حیات اسی غار میں رہا ہوگا۔ ان کی وفات اسی غار میں ہوئی۔ چاہے تو اسی دن واپس آ کر فوت ہوگئے، چاہے باقی زندگی گزار کر فوت ہوئے تاہم لوگوں نے ان کی یادگار اور مسجد وہاں تعمیر کی، اللہ نے ان کی قربانی قبول کی اور رہتی دنیا تک ان کی یادگار اور واقعہ اصحاب کہف قرآن میں درج کر کے امر کر دیا۔

جبل رحمت:

یہاں چاہے تو آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی ہو چاہے تو کشتی نوحؑ یہاں آ کر لگی ہو۔ مؤخر الذکر زیادہ قرین قیاس ہے یہ بھی اللہ نے نوحؑ کی نشانی رہتی دنیا تک کے لیے باقی رکھی۔ اس جگہ کو برکت عطا کی۔ آج بھی ہزاروں لوگ روزانہ وہاں جا کر اللہ سے دعا کرتے ہیں، یہ کیا تھا؟ یہ حضرت نوحؑ کا خود کو اور اہل خانہ کو کشتی میں سوار کر کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پانی کے سمندر کے حوالے کر دینا تھا۔ اللہ پر بہت بڑا توکل اور ایمان کامل تھا ورنہ لوگ کہاں کہاں نہ بھاگے تھے اور کس کس چوٹی پر نہ چڑھے تھے۔ سواسے بھی اللہ نے اپنے پیارے پیغمبرؑ کی ساڑھے نو سو سال کی عبادت و تبلیغ کے صدقے انعام کے طور پر دنیا میں باقی رکھا، جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

میدانِ بدر:

محض 313 صحابہؓ محمد رسول اللہ ﷺ کا صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا اور کفر کے سامنے ڈٹ جانا۔ حق و باطل کا پہلا ٹکراؤ۔ مال تجارت والا قافلہ چھوڑ دینا اور گردنیں کٹوانے کی راہ اختیار کرنا محض اللہ کی رضا کے لیے۔ اللہ کو یہ ادا ایسی پسند آئی کہ میدانِ بدر کو رہتی دنیا تک کے لیے ایک نشانی بنا کر باقی رکھا۔ اس بابرکت جگہ پر یقیناً دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

ذبیح عظیم سنت ابراہیمی: (مقامِ مِنا)

ذبیح عظیم سنتِ ابراہیمیؑ میں ہر سال لاکھوں کروڑوں جانوروں کا ایک ہی دن میں خون بہنا، قربانی ہونا، صدیوں سے یادگار کا باقی رہنا۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیمؑ سے ان کے بڑھاپے کی پیاری اولاد حضرت اسماعیلؑ کی قربانی اللہ تعالیٰ نے طلب فرمائی۔ باپ بیٹے دونوں نے قربانی پیش کی، باپ نے چھری اسماعیلؑ کی رضامندی سے ان کی گردن پر چلا دی۔ اللہ

Marfat.com

نے وہاں روک دیا اور قربانی بغیر اسماعیلؑ کے ذبح ہوئے قبول فرمائی اور اللہ پاک اتنے خوش ہوئے، راضی ہوئے کہ اسے رہتی دنیا تک بطور جانوروں کی قربانی کے سب دین ابراہیمیؑ والے موحد مسلمانوں اور اہلِ کتاب میں جاری رکھا جو جاری رہے گی اور نہ صرف جاری رکھا بلکہ بوقت قربانی جو دعا کی جائے رب تعالیٰ قبول فرمانے پر قادر ہے۔

صلیب:

صلیب اللہ کی راہ میں عیسیٰؑ کے بے پناہ دکھ اٹھانے اور انھیں پھانسی دینے کی کوشش میں ناکامی کی نشانی ہے اور بابرکت ہے، باقی ہے جس طرح اسماعیلؑ ابراہیمیؑ قربانی بغیر ذبح کے قبول ہوئی یہی واقعہ عیسیٰؑ سے پیش آیا۔ عین پھانسی کے وقت بغیر پھانسی قبولیت ہوئی معاملہ مشتبہ ہوگیا۔

اختتامیہ:

اسی طرح سے جنھیں ہم مناسک حج وعمرہ کہتے ہیں۔ یہ میدان عرفات، یہ عشرۂ حج، یہ روزے، یہ نماز، یہ مختلف طریق عبادت، یہ مہاتما بدھ کی یادگاریں، یہ گرونانک کا پنجہ صاحب اور حوض حسن ابدال، یہ فقیروں کی یادگاریں، یہ رام وکرشن کی یادگاریں، یہ تبت کے سادھو، یہ انڈیا کے یوگی، یہ سب اور بے شماران کے علاوہ کسی نہ کسی اللہ سے عشق کی بازی کھیلنے والے کی نشانیاں ہیں۔ جنھیں اللہ نے، خدا نے، بھگوان نے، God نے، ایشور نے اور ہر زبان میں اللہ کے جتنے ہزاروں لاکھوں ان گنت نام ہوسکتے ہیں وحدۂ لاشریک ہستی نے ہمیشہ کے لیے یا جب تک وہ چاہے تب تک کے لیے آنے والوں کے واسطے نشانی کر دیا ہے۔ گو کہ ان نشانیوں ان شعائر الٰہی کے پیروکاروں، ان آیات خداوندی کے پجاریوں سے حقیقت گم ہو چکی ہو، کلی طور پر یا جزوی طور پر وہ حقیقت حق سے نابلد ہی ہوں لیکن یہ نشانیاں بہر حال قائم ہیں۔ جس نے جو کمائی کی وہ ذرہ برابر بھی ہوضائع نہیں جاتی اور جب وہ اس قابل ہو کہ لوگ بھی یاد رکھیں تو اسے لوگوں میں بھی باقی رکھا جاتا ہے جو صرف اپنی ذات کے لیے عبادت کرتے ہیں انھیں خاص معیار تک پہنچنے کے بعد اپنا درجہ عرفان الٰہی مل جاتا ہے لیکن جو اپنے ساتھ ساتھ اک خلق خدا، یا جم غفیر کو بھی ہدایت پہنچاتے، نصیحت کرتے اور متاثر کرتے ہیں ان کے نام ونشان درجہ بدرجہ باقی رہتے ہیں۔ ان پر اللہ بھی سلامتی بھیجتا ہے، راضی ہوتا ہے، ان کی عزت افزائی فرماتا ہے اور ان کی تعریف باقی رکھتا ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر، بھول کر، صرف اللہ سے عشق کرو، اس کی مخلوق کی اصلاح میں جیون مٹا دو:

وہ تمھیں رہتی دنیا تک باقی رکھے گا، وہ تمھیں امر کر دے گا۔ قرب الٰہی کی دولت بے بہا اس کے علاوہ ملے گی۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔ آمین!

Marfat.com

مضمون نمبر 32:

سب کچھ مٹی پانی سے پیدا ہوتا ہے اور پھر مٹی پانی ہی کو لوٹ جاتا ہے۔ دراصل مٹی + پانی = زمین، گویا زمین سے آنا ہے اور زمین ہی میں جانا ہے۔ اک طلسم ہوشربا ہے جو جاری وساری ہے۔ روح رنگ برنگ لباس بدلتی ہے۔ نیز فلسفہ وحدت الوجود پر بحث اور حقیقت تک رسائی کی کوشش

آج اس زمین، دھرتی، ماں، پرتھوی، The Earth، اس سیارے اور اس Plannet کے متعلق لکھنے کو جی چاہ رہا ہے کہ جس پہ ہم سب بستے ہیں۔ جو صدیوں سے، قرنوں سے آباد ہے۔ عجب بات ہے کہ اس ہی گول مٹول سیارے زمین ہی سے اللہ پاک نے پانی کو آسمانوں پر اٹھایا اور برسایا پھر یہاں رنگ برنگ حیات پیدا فرما دی۔ وہ اسے موت دیتا ہے پھر زندہ کرتا ہے اور یہ سلسلہ نہ جانے کب سے چل رہا ہے اور کب تک چلتا رہے گا۔ ہم یوں ہی پیدا ہوتے اور مٹتے رہیں گے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ مٹی ہی سے پیدا ہوتا ہے اور مٹی ہی میں مل جاتا ہے۔

آفرین ہے، مرحبا، الحمد للہ، بے پناہ حمد اس مالک کی کہ جس نے یہ عجب معجزہ فرمایا ہے۔ آپ اگر غور کریں تو اس زمین پر کیا کیا گل کاریاں اور حیرت انگیز اشیا کی پیدائش نہیں ہے۔ اگر پھولوں کو دیکھیں تو کتنے ان گنت ڈیزائن اور رنگوں میں ڈھل ڈھل کر یہ خالق کی صفات بیان کر رہے ہیں۔ نباتات کی بے شمار اقسام اپنے اندر عجیب وغریب امکانات لیے ہوئے دنگ کرنے کے لیے قائم ودائم ہیں۔ جانوروں کا کوئی شمار نہیں، ہر اک دوسرے سے الگ تھلگ اپنا بایولوجیکل میکازم لیے بے پناہ متنوع اقسام میں ڈھلے ہوئے یہ چرند، پرند، درند اور حشرات الارض۔ اللہ رے اللہ تیری قدرتوں، تیری کاریگریوں اور تیری صفات کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ کوئی مور کو دیکھ کے کہہ سکتا ہے کہ اس خوبصورت ترین مخلوق کو کہ جس کے پروں میں حسن کی دنیا آباد ہے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایسے ایسے پیارے پرندے کہ دل چاہتا ہے کہ ان کو کوئی ہلکی سی گزند نہ پہنچے، نزاکت، لطافت، اور حسن ورنگ کے مرقع ہیں۔ اہل یورپ اور مشرق ومغرب کے وہ سب لوگ جو زمین کے حسن کی تخلیقات پر غور وفکر کے لیے زندگیاں کھپا رہے ہیں۔ خدا انھیں سلامت رکھے کیا کیا کچھ قدرت کے راز ہم پر عیاں نہیں کرتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ہر ہر خلق کی زندگی گزارنے کے طریقے سلیقے سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ ان کے کارآمد ہونے کی ہمیں اطلاع دی ہے۔ کیا کیا نئے نئے علم وجود میں آ گئے ہیں۔ تتلی ہی کو لیں چٹکی بھر مٹی پر میں قربان جاؤں، مالک نے کیا کیا رنگ کس کس

Marfat.com

ترتیب سے نکالے ہیں کہ ٹیکسٹائل انڈسٹری اس سے ڈیزائن حاصل کر رہی ہے۔ پھر انسان کی بنائی ہوئی بے حد وشمار مصنوعات اور لگژریز ان کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کہنے کو انسان نے لیکن حقیقت میں خدا ہی نے انھیں بھی بنایا ہے۔ کہ زندگی، عقل وفہم، ذہانت اور قوت اختراع وایجاد تو اسی مالک وحدۂ لاشریک کی عطا کردہ ہے۔ خیالات اور اچھوتے تصورات تو اسی کی جانب سے آتے ہیں کہ ہم ایجاد و دریافت اور مختلف فن کاریوں کے قابل ہوتے ہیں۔ محنت انسان کرتا ہے اور اس کی توفیق بھی اللہ ہی دیتا ہے ورنہ بغیر توفیق کے نکموں کی بھی دنیا میں کمی نہیں ہے۔

میرا یہاں تحریر کا مقصد اللہ تعالیٰ کی زمین پر تخلیقات سے متعلق کوئی مقالہ لکھنا نہیں ہے کہ اس مقصد کے لیے بندوں نے بہت بہت خوبصورتی سے قلم کی لاج رکھی ہے اور اتنا کچھ لکھا ہے کہ جسے قرنوں تک پڑھا جا سکتا ہے۔

میرا مقصد اس زمین سے رنگ برنگ حیات ومصنوعات کا وجود میں آجانے کا معجزہ اور اس پر غور وفکر کرنا ہے۔ میں نظر کو خیرہ کرنے والی سائنسی وتکنیکی ترقی کو دیکھتا ہوں تو مجھے ہر چیز کی حقیقت مٹی نظر آتی ہے۔ میں جب کسی جدید ماڈل کی گاڑی کو، کسی خوبصورت خاتون کو، کسی بہت پیارے بچے کو، کسی بادشاہ کو، کسی اعلیٰ عہدے پر متمکن شخصیت کو، کسی متاعِ غرور کو، کسی محل کو، کسی شاہی حسن کے مرقع کو، کسی نہایت وجیہہ مرد کو، کسی حسین پرندے کو، کسی سبک رفتار گھوڑے کو، چیتے کو، شیر کو، ہرن کو، کسی دل کو لبھانے والے پھول کو، کسی شعلہ بیان مقرر کو، کسی علم کے پہاڑ فرد کو، کسی نہایت اعلیٰ فنکار، گلوکار، اداکار کو، کسی نہایت عزیز رشتے کو، ماں باپ کو، بہن بھائی کو، بیٹے بیٹی کو، محبوب بیوی کو غرض جس جس کو بھی دیکھتا ہوں مجھے سب کچھ مٹی نظر آتا ہے۔ دیکھیے یہ کیسے عجائبات ہیں ان سب کی حقیقت پہلے مٹی تھی اور بعد مرنے کے پھر مٹی ہو جاتی ہے۔ دراصل یہ مٹی ہی ہے کہ جسے رنگ برنگ دھنگ کرنے والے لباس پہنا کر پھر بالآخر مٹی کر دیا جاتا ہے۔ گو کہ ہر شے کی اصل تو روح ہے جو امر ربی ہے اور باقی رہتی ہے۔ پس مٹی میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ بس ان کرتی ہے اور وقت مقرر پر مٹی کو مٹی میں ملنے کے لیے چھوڑ کر چلتی بنتی ہے۔ تو کیوں نہ سب کچھ کو مٹی ہی سمجھا جائے۔ جبکہ مصنوعی طور پر سب کچھ ہے ہی مٹی۔ ہمارے خیالات، ہماری خواہشات، ترجیحات، اعمال، نیتیں اور تمام امور عمر بھر مٹی سے کھیلتے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے پردے پڑ جاتے ہیں ہم ان کو بے شمار اشیاء کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ مثلاً ایک عورت جب برقعہ پہن لیتی ہے تو ہمیں سیاہ گاؤن ہی سرتا پاؤں نظر آتا ہے۔ حقیقت میں اندر کوئی اور ہستی ہوتی ہے۔ اسی طرح مور بھی ایک پردہ ہے شیر بھی ایک پردہ ہے۔ خوبصورت دکھنے والی تتلی بھی اک پردہ ہے، گھوڑا پردہ ہے، کار پردہ ہے، قلم پردہ ہے، دوات پردہ ہے۔ غرض دنیا میں پردے ہی پردے ہیں بے حد و شمار پردے ہیں۔ یہ ہمارے حواس کے اندر اللہ کا حکم جاری وساری ہے کہ ہمیں یہ تمام کائنات بشمول زمین بے پناہ خوبصورت اور بے پناہ وسیع وعریض رنگ وروشنی کا عجائب سے بھرا مرقع نظر آتی ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے حواس ہی اس کی حقیقت ہیں اگر یہ نہ ہوں تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اسی نتیجہ پر ارسطو بھی پہنچا تھا اسی نتیجہ پر میں بھی پہنچا ہوں اس لیے اس نے

Marfat.com

کہا تھا کہ!

''میں یہ جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا'':

جب کسی شے کی حقیقت ہی کچھ نہیں محض طلسم ہے تو پھر جاننا کیا اور کیسا جاننا؟ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ بھی موجود نہیں۔ ایک جانب تو ثابت ہوا کہ زمین کے لحاظ سے ہر شے کی حقیقت مٹی ہے اور مٹی نے اللہ کے حکم سے بے پناہ رنگ و روپ دھار رکھے ہیں جو بالآخر پھر مٹی ہوتے ہیں اور پھر پیدا ہو کر نئے نئے روپ دھارتے ہیں۔ قیامت تک کہ جب زمین و آسمان لپیٹ لیے جائیں گے ختم کر دیے جائیں گے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دوسری طرف یہ سمجھ لیجیے کہ سب کچھ ساری کائنات حقیقت تو ہے لیکن اس کی حقیقت کی بنیاد ہمارے حواس ہیں۔ ہمارے حواس کے باہر کچھ نہیں ہے۔ جب تک کسی شخص کے حواس قائم ہیں یہ کائنات ہے، جب حواس گم ہو جائیں یہ کائنات نہیں ہے، کم از کم اس کے لیے نہیں ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص شخص کے لیے حواس کی گم گشتگی کے بعد تو کائنات باقی نہ رہے گی چونکہ اسے اس کا شعور نہ رہے گا لیکن باقی زمینی حیات بشمول انسانوں کے لیے تو کائنات ہمیشہ سے ہے اور وقت مقرر تک رہے گی۔ فرض کر لیجیے کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے حواس بشمول بقیہ تمام حیات ارضی کے حواس کے یک لخت کام کرنا چھوڑ دیں، گم ہو جائیں تو پھر کیا یہ کائنات موجود ہوگی؟ آپ کیسے ثابت کریں گے کہ یہ کائنات موجود ہے۔ کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے حواس گم ہونے کی صورت میں باقی افراد کائنات کے ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں لیکن اگر سب کے سب افراد کے حواس یک دم گم ہو جائیں تو کائنات کہاں جائے گی۔ اس کا وجود کیسے ثابت ہوگا۔ پھر باقی حیاتِ ارض کے حواس کو بھی بشمول چرند، پرند، درند، نباتات و حشرات الارض و دیگر اگر معطل یا گم کر دیا جائے تو کائنات کہاں جائے گی کہاں سے ثابت ہوگی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ کیا فرق پڑے گا وہ تو ایک حقیقت ہے وہ قائم رہے گی۔ بے شک اسے دیکھنے اور محسوس کرنے والا کوئی ہو یا نہ ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے بات سمجھنے کی ضرورت ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''میں اک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں سو میں نے کہا کُن (ہو جا) تو وہ فیکون (ہو گئی)''۔ یعنی یہ کائنات بن گئی آگے پھر اس کے مراحل ہیں کہ یہ 6 دنوں میں مکمل ہوئی اور ساتویں دن اللہ پاک نے عرش پر استوا فرمایا اور وہ تھکا نہیں، یعنی ساتویں دن اللہ پاک کا عرش عظیم اپنے مقام پر قائم و دائم ہو گیا۔ گو کہ قائم تو اس کی ذات ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی لیکن کائنات کی پیدائش اور ترتیب کے بعد نظم و نسق کائنات کا منبع و محور عرش عظیم ذات الٰہی ٹھہرا۔ یہ وہ مرکز ہے جہاں سے تمام کائنات کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ احکامات صادر ہوتے ہیں۔ قوانین و قواعد بنتے ہیں، بدلتے ہیں، اگر پہلے بن چکے ہیں تو اپنے اپنے وقت پر لاگو ہوتے ہیں یہ ایک نہایت محیّر العقول خودرو Automatic نظام ہے جو لفظ و حکم ''کُن'' سے ہی وجود میں آ کر چل رہا ہے۔ تاہم عرش عظیم سے مسلسل اس کی بقاء تا انتہا کا نظام جاری و

Marfat.com

ساری ہے۔

نکتہ:

اب بات یہ ہے کہ اس سب کائنات کی تیاری اور بقا تا انتہا کا کام حواس یا شعور کے اندر ڈالا گیا ہے۔ اس کی حقیقت شعور یا حواس ہیں۔ پہلے دن کا بچہ مکمل انسان ہونے کے باوجود شعور کی اس سطح پر ہوتا ہے کہ اسے دنیا بھر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ شعور کی انتہائی ابتدائی شکل ہے۔ اس وقت اس کے لیے یہ دنیا جہاں اور زمین و آسمان و دیگر کائنات کیوں وجود نہیں رکھتیں؟ کیونکہ اس کا شعور ان کا ادراک نہیں رکھتا اس لیے اس کے لیے کائنات ہے ہی نہیں۔ وہاں سے اس کے شعور کی پرورش دھیرے دھیرے شروع ہوتی ہے جوں جوں شعور ترقی کرتا ہے ادراکات ترقی کرتے ہیں اور بالآخر وہ ایک باشعور شخص تمام کائنات کے معلومہ حقائق رکھنے والا عاقل بالغ شخص بن جاتا ہے۔ اس سے قبل جب وہ ماں کے پیٹ میں سانس لے رہا تھا اور ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اس وقت تو پیدائش کے فوراً بعد حواس نے چند رنگ و روشنی کے حقائق ادھورے ادھورے دیکھے تھے وہ بھی نہ تھے۔ وہاں تو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس وقت گو کہ وہ زندہ تھا اس کا جسم و ذہن کام کر رہا تھا۔ لیکن وہ تھا کہاں؟ اس وقت کائنات کہاں تھی؟ ثابت ہوا کہ کائنات اس وقت تھی ہی نہیں جب وہ پیدا ہوا اور نہایت آہستگی کے ساتھ اس کے حواس نے شعور نے ترقی شروع کی تو کائنات اس کے لیے وجود میں آتی چلی گئی۔ پھر بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی حتیٰ کہ اس کے لیے قائم ہوگئی۔ اب سب مخلوق خدا کو رحموں میں تصوّر کرو تو کائنات کہاں جائے گی؟ کائنات عدم میں چلی جائے گی یہ وہ مقام ہوگا جب اللہ اک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ پھر جب خلق کی پیدائش ہوئی وہ رحم مادر سے باہر آئی تو کائنات وجود میں آنا شروع ہوئی اور دھیرے دھیرے 6 ادوار میں قائم ہوگئی۔ خلق کی شیر خوارگی سے لے کر پختہ شعوری عمر تک کے 6 ادوار کہ جب اس کا شعور علم و آگہی کی انتہا پر پہنچ جائے۔ یہ تو خلق کی پیدائش سے شعور حاصل کر کے کائنات کا ادراک حاصل کرنے کی اک مثال ہے۔ درحقیقت وہ واحد زندہ خلیہ جو سب سے پہلے وجود میں آیا تھا۔ جس سے آگے حیات ارضی چلی ہے جو اک سے دو ہوا پھر ہزاروں، لاکھوں اقسام کی مخلوقات و انواع میں تبدیل ہوتا چلا گیا اور جو درحقیقت آدمؑ ہے۔ جس سے اللہ نے کلام کیا تھا۔ اسے جنت میں ٹھہرایا تھا اس کی بیوی کے ساتھ پھر دنیا پر بوجوہ بھیج دیا۔ یہ سب اک شعوری مکالمہ تھا روحانی وجود تھا آدم کا۔ اللہ نے اس واحد خلوی اول ترین جاندار سے جو کہ سب حیات کا باپ ہے آدم کی روح کو نکالا اور اس کی بیوی کی روح کو اس سے پیدا کر کے نکالا۔ ان سے مکالمہ فرمایا اور فرمایا کہ میں آدم کو پیدا کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے اپنی رائے دی، شیطان نے اپنا اعتراض ظاہر کیا۔ آدم کو بیوی کے ساتھ جنت میں رہنے کی اجازت ملی پھر غلطی ہوئی زمین پر بھیجا گیا۔ لیکن یہ کوئی بنے بنائے آدمؑ و حوا زمین پر نہیں آ گئے بلکہ یہ قرنوں اور زمانوں میں تخلیق کے اک پورے نظام کے بعد وجود میں آئے یعنی ڈارون تھیوری کے مطابق یا شاید اس سے ملتے جلتے کسی طریقہ سے تاہم یک خلوی جاندار اول جو کہ سب زمینی حیات کا باپ ہے اسی کی پیٹھ

Marfat.com

میں تمام حیات ارض کو اللہ نے کمال بے حد وحساب کمال درجہ کی صناعی سے اٹھا رکھا تھا، ضم کر رکھا تھا۔ بعد میں اپنے وقت پر آدمؑ وحوا کا وہ جوڑا پیدا ہوا جس سے نسل انسانی قائم ہوئی۔ تمام حیات زمینی چونکہ آدم ہی کا حصہ ہے۔ اصل میں سب ایک ہیں سب طرح کی مخلوقات کا باپ پہلا زندہ خلیہ ہے اس اعتبار سے تمام زندہ مخلوق ایک جان سے بنی ہے جو لاکھوں کروڑوں انواع واقسام اور قالبوں میں ڈھلتی چلی گئی ہے یہ سب اصل کے اعتبار سے ایک ہے۔ اللہ نے اس پہلے زندہ سیل کی جب تخلیق فرمائی تو اس کے اندر شعور کے ان گنت درجے زمانوں اور معیار کے لحاظ سے اور انواع واقسام کے لحاظ سے محفوظ کر دیے تمام کے تمام مخفی وخوابیدہ حالت میں فیڈ تھے سوائے اس شعور اول کے جو Activate کیا گیا۔ اس پہلے یک خلوی جاندار میں جب اللہ تعالیٰ نے اس یک خلوی پہلے جاندار کے اندر تمام زندہ مخلوقات کو مع ان کے شعور کے فیڈ کیا تو اسی وقت کائنات وجود میں آ گئی کیونکہ یہ سب کی سب کائنات اسی شعور اول میں خوابیدہ حالت میں فیڈ کی گئی تھی۔ کائنات کے جو موجودات ہیں نظر آتے یا محسوس ہوتے ہیں یہ دراصل تب سے ہمارے لاشعور میں فیڈ تھے جنہیں میں خوابیدہ حالت میں موجود کہہ رہا ہوں۔ لاشعور میں تمام کائنات اک اکائی کی حیثیت رکھتی ہے اس لاشعور کو پہلے زندہ خلیہ سے بھی قبل پہلے کائناتی ذرہ میں فیڈ کر دیا گیا تھا اور چونکہ مادہ درحقیقت روشنی ہے جس کے اندر کئی رنگ ہیں اور روشنی کی اصل نامعلوم نور ہے۔ اس لیے یہ درحقیقت ساری کی ساری کائنات اسی نامعلوم نور میں فیڈ تھی۔ یہ نور اللہ کا ذہن تھا، اللہ کا شعور تھا۔ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا جس سے صرف وہی واقف تھا جسے ہم خدا کہتے ہیں۔

لیکن خوب خوب سن لیجیے اور یاد رکھیے:

کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اک الگ ہستی کامل ہے اس کی بے حد وشمار نورانی صفات ہیں۔ اس کے نور کی کوئی حد نہیں ہے وہ مرکز نور، محور نور اور منبع نور ہے اور اکیلا ہے، واحدہٗ لاشریک ہے الگ ذاتی حیثیت کا مالک ہے۔ تاہم اسی کے نور ازلی سے یہ تمام کائنات اور حواس اور وہ بے حد وحساب دنیائیں وکائناتیں وحواس درحواس کے لامتناہی سلسلے پیدا ہوئے ہیں۔ جس سے ہم واقف ہیں یا ابھی تک واقف نہیں ہیں۔ یقیناً ہم بے حد وحساب دنیاؤں اور بے حد وحساب حواس سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن اس کائنات کی کہ جس میں ہم رہتے ہیں شاید حقیقت یہی ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس کے بخشے ہوئے شعور سے لکھ رہا ہوں اسی مالک کا احسان عظیم ہے کہ اگر حقیقت تک رسائی کی کوشش کو اپنے حکم کے ساتھ بارآور کر دے ورنہ میری تحریریں جل جائیں اور کبھی کسی تک نہ پہنچیں کہ میں انسانوں کو حقیقت کی راہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہوں، بہکانے اور گمراہ کرنے کی سعی نہیں کر رہا۔ اللہ میری تحریروں سے حق کو قائم رکھے، باطل کو مٹا دے کہ باطل ہے ہی مٹنے والا اور مجھے معاف فرمائے۔ میں تو بڑا صاف نیت ہوں، محنت وکوشش اور تدبر وتفکر سے بڑی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کاش میرا ہاتھ رب کے حکم سے چلے اور قلم ہر بے حکمی سے محفوظ رہے، شیطان کی ملاوٹ سے محفوظ رہے یا

Marfat.com

رب کریم یوم حشر سرخرو فرمانا۔شرمندہ نہ فرمانا کہ تو جانتا ہے میں بڑی صاف نیت سے تقویٰ کی روشنائی سے لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یا رب العالمین صدقہ صالحین کا اسے قبول فرما لے اور صدقہ اپنی کبریائی کا اس سے اپنی مخلوقات کو مستفید فرما اور نئی راہیں نئی جہتوں کیساتھ دکھا اور نیک ناموں میں شمار فرما۔ آمین ثم آمین!

نظریہ وحدت الوجود کی اصلاح:

اس مقام تک پہنچ کر بڑے بڑے صوفیہ اور محرم راز مختلف مذاہب کے روحانی مدبروں اور فقیروں کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور نظریہ وحدت الوجود کو غلط سمجھا گیا ہے۔ مندرجہ بالا طریقہ سے گو کہ تمام کائنات وحدت الوجود ہے اور اللہ کے نور ازلی ہی سے اس کے حکم پر وجود میں آئی ہے اور ہر شے کے اندر اس کا نور اور اس کا حکم جاری و ساری ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان اپنے اندر کے مخفی خزانے کو ایمان و تقویٰ کے اوزاروں سے کھود کر دریافت کر لیتا ہے اور نور حق تک یا اس کے کسی نہ کسی درجے تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو کائنات اس کے لیے تسخیر ہو جاتی ہے۔ اس کا حکم نورِ حق کے وحدت الوجود سمندر میں ضم ہو کر اثر کرنے لگتا ہے ناممکن ممکنات بن جاتے ہیں۔ لیکن تب وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ سب کچھ باذن اللہ واحد ذات لاشریک ہستی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ خود گو کہ نور میں ضم ہو چکا ہے اور اس کا حکم اثر کرتا چلا جا رہا ہے لیکن یہ درحقیقت اللہ کا حکم ہے جو اس کی زبان سے جاری ہو کر اثر کر رہا ہے اور تب تک کر رہا ہے جب تک رب چاہے۔ اس لیے اصل اللہ کے بندے جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو مکمل خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور صرف وہی کچھ بولتے ہیں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے نا تو وحدت الوجود کی نورانی برکات کی وجہ سے کچھ اپنے پاس سے چاہتے ہیں نہ بولتے ہیں۔ ہاں ان سے جو کوئی دعا کے لیے التجا کرتا ہے اس پر نگاہ کرتے ہیں اگر رب منظور فرمائے تو بولتے ہیں کہ ایسا ہو جائے گا ورنہ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ اپنے زعم میں کچھ نہیں کرتے اگر کبھی بھی وہ اپنے پاس سے کوئی حکم جاری کریں تو فوراً تلوار پڑتی ہے اور ان کا سر تن سے جدا ہو جاتا ہے چاہے پھانسی لگائے جائیں، چاہے جلائے جائیں، چاہے کسی بھی اور طریقہ سے اس دنیا سے اٹھا لیے جائیں۔ لیکن ایسا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مقام پر پہنچ کر خود کو سنبھالنا بڑا مشکل ہے جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہاں پہنچ کر کوئی تو ایک چپ اختیار کر لیتا ہے اور کبھی نہیں بولتا، کوئی (سکر) نیم بے ہوشی کی حالت اختیار کر لیتا ہے۔ اس دنیا سے تعلق کئی ماہ و سال کے لیے کاٹ کر بقیہ زندگی پوری کرتا ہے، کوئی اشارے سے زیادہ بات نہیں کرتا، کوئی ظاہراً حواس کھو دیتا ہے اور کوئی کوئی حواس میں قائم رہ کر ولی اللہ کا کردار ادا کرتا اور خلق خدا کی اصلاح کرتا ہے لیکن خود کو کبھی بھی پوری طرح ظاہر نہیں کرتا اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اس مقام پر پہنچ تو جاتا ہے لیکن اس کے متعلق اس کے گھر والوں کو بھی کبھی علم نہیں ہوتا لیکن چونکہ اس کی زبان کیمیا ہو جاتی ہے اس لیے وہ بھی کم سے کم دنیاداری میں حصہ لیتا ہے کوئی گوشہ نشینی یا عبادت و ریاضت میں بسر کرتا ہے۔ کوئی جنگلوں، پہاڑوں اور ویرانوں میں چلے جاتے ہیں ایسی حالت میں اگر وہ کسی دیوار پر بیٹھ کر بھی اپنی نیم بے ہوشی کی حالت میں کہہ دیں

Marfat.com

کہ چل گھوڑے بھاگ تو دیوار یقین کیجیے بھاگ پڑتی ہے۔لیکن یہ ان کا آخری وقت ثابت ہوتا ہے اور وہ انتقال فرما جاتے۔ کیونکہ اللہ کی کائنات کے راز افشا کرنے کے لیے نہیں ہیں۔

قرآن مجید کے اندر حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ:

قرآن مجید کے اندر حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی مثالیں موجود ہیں کہ حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ کی معیت میں تین واقعات میں ان کا ساتھ دیا اور بعد میں بتایا کہ یہ میں نے خود نہیں کیا، اللہ کے حکم سے ایسا کیا ہے۔سو اللہ کے اصل ولی سوائے اللہ کے حکم کے کچھ نہ کرتے ہیں نہ بولتے ہیں اور نہ خود کو خدا سمجھتے ہیں۔نعوذ باللہ۔اسی طرح حضرت عیسیٰؑ اللہ کے حکم سے جو حکم فرماتے، ہو جاتا لیکن وہ خدا نہ تھے۔خدا کے بندے اور رسولؑ تھے تاہم دیکھیے اور سمجھیے یہ بڑا باریک نکتہ ہے کہ جب تک اللہ نے چاہا ان کا ہر حکم پورا ہوتا رہا۔حتیٰ کہ مردے بھی زندہ ہوئے اور مٹی کے پرند بنا کر ان میں جان بھی ڈال دی اللہ کے حکم سے۔لیکن جب اللہ نے نہ چاہا تو اپنے لیے بھی کچھ نہ کر سکے۔ان کی قوم نے انھیں انتہائی اذیتیں دیں، پھانسی دینا چاہی، بہت بہت زیادہ دکھ دیا، کرب میں مبتلا کیا کہ کوئی انسان کبھی برداشت نہ کر سکے لیکن وہ چونکہ اللہ کی مرضی و رضا سے آگاہ تھے۔ انہوں نے اس سے سرِ موہ بھی سرتابی نہ کی۔حالانکہ اللہ نے انھیں سب کچھ کرنے کی قدرت دے رکھی تھی اور چاہتے تو لمحہ بھر میں ان کے منکرین کو کیا کچھ نہ ہو جاتا لیکن ایسا کرنے سے وہ یک دم نور سے اندھیریوں میں چلے جاتے۔شیطانی راہ کے مسافر بن جاتے۔شیطان کو بھی تو بڑی دسترس حاصل ہے۔جب ہر شے اللہ کے نور سے تخلیق ہوئی ہے اس سے باہر کچھ ہے ہی نہیں تو یقیناً شیطان بھی اس سے باہر تو نہیں ہے لیکن یہ اللہ کے نور کا وہ مقام ہے جہاں سے اندھیریاں اور جہنم تخلیق ہوئے ہیں ۔یہ اللہ کے نور ہی میں سمائے ہوئے ہیں لیکن باوجود اس کے اس سے الگ بھی ہیں یہ نور کے وہ حصے ہیں جو سزا بن جاتے ہیں۔ تمام جادو، سحر اور شیطانی علوم کی تسخیرات کا جہان یہی ہے وہ بھی نور تک رسائی حاصل کرتے ہیں لیکن نور کے اس سمت رسائی حاصل کرتے ہیں جدھر نور اندھیریوں سے جڑا ہے۔ایک سیدھا رخ ہے، ایک الٹا رخ ہے۔پس یہ تصویر کے دو رخ ہیں ایک سیدھا ایک پشت ہے الٹا رخ ہے۔الٹے رخ میں بھی ممکنات پر دسترس ہے لیکن یہ تمام شیطانی رخ ہے شیطانی دسترس ہے۔ اس رخ کے ذریعے جو کام سرانجام پاتے ہیں وہ جہنم کا پیٹ بھرنے کے لیے شیطان کو ملی ہوئی مہلت کی بنا پر انجام پاتے ہیں۔ آخر شیطان نے بھی تو اللہ تعالیٰ سے بغاوت اپنے علم الٰہی ہی کی بنا پر کی تھی وہ جانتا تھا کہ اسے اپنے علم نور سے اللہ نے بے شمار علم دے رکھا ہے اسی لیے وہ آدم کے اندر پوشیدہ ممکنات کو کافی حد تک جانتا تھا۔اس لیے اس نے مہلت مانگی اور کہا کہ میں اسے اور اس کی ذریت میں سے اکثر کو گمراہ کر دوں گا۔بھلا رب نہ چاہے تو کوئی کیا گمراہ کر سکتا ہے لیکن رب تعالیٰ نے اسے دسترس دے دی مہلت دے دی اور وہ وحدت الوجود کائنات میں دسترس رکھتا ہے لیکن یہ نور الٰہی میں اللہ کی مہلت کی وجہ سے رہتے ہوئے اندھیروں کی سمت سفر کرنے کا راستہ ہے۔

Marfat.com

اللہ کے جو بندے نورالٰہی تک پہنچ کر اس کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہیں وہ تو حزب اللہ میں رہتے ہیں اور جو ملحوظ نہیں رکھتے وہ حزب الشیطان میں چلے جاتے ہیں۔ خود کو شیطان کی طرح باعلم بااختیار اور خدا کا قائم مقام یا خدا سمجھ لیتے ہیں۔ شیطان اگر خدا ہی کو خدا سمجھتا تو اس کی جرأت تھی کہ حکم سے سرتابی کرتا۔ سو اس طرح سے۔

فلسفہ وحدت الوجود اس حد تک ٹھیک ہے کہ:

تمام مخلوقات اور تمام کائنات کا اصل اور تمام دنیاؤں کی حقیقت نور الٰہی ہے لیکن نور الٰہی اللہ کی صفات اور احکامات سے مزیّن ہے اس کا مرکز و منبع اللہ کی ذات ہے۔ یہ کائنات کی اتھاہ گہرائیوں تک اور بے شمار پہنائیوں تک پھیلا ہوا بے حد و حساب نور ہے جس سے سب کچھ وجود میں آیا ہے بذات خود ذات الٰہی نہیں ہے۔ جس طرح سے سورج سے نظام شمسی میں موجود تمام سیارے اور زمین کی سب حیات زندہ ہے مستفید ہو رہی ہے، روشنی حرارت اور بقا حاصل کر رہی ہے لیکن خود سورج نہیں۔ اسی طرح سے اللہ کی ذات پاک وحدہٗ لاشریک ہے منبع و مرکز نور ہے باقی کائنات اس کے نور سے بنی ہے زندہ ہے اور جب تک وہ چاہے قائم ہے اور جب اس کا حکم آئے گا اس کا نور واپس یا جیسا وہ چاہے گا سمٹ جائے گا، شکل اختیار کرے گا اور جنت و دوزخ قائم ہونگی۔ حساب کتاب ہوگا۔ جن وجودوں نے جن ارواح نے اندھیریاں خریدی ہیں وہ اندھیریوں کے مسافر دوزخ کے مکین ہونگے اور جنہوں نے نورانی راستے وحی الٰہی کے مطابق طے کیے ہیں وہ جنت میں مقیم ہوں گے اور بعد از حیات کی دنیاؤں کا سفر شروع ہوگا۔ جس کے متعلق اللہ ہی کو علم ہے۔ یا اللہ پاک پردے ہٹا دے اور جو نہیں جانتا ہوں وہ مجھے سمجھا دے علم و حکمت و عمل صالحہ عطا فرما۔

نکتہ اصلاح عقیدہ تثلیث عیسائیت و پیری مریدی:

اب متذکرہ بالا بحث کے بعد میرے خیال سے عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث یعنی تین خداؤں کے عقیدے کی اصلاح ہو جانا چاہیے اور انھیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ عیسیٰؑ کی حقیقت کیا تھی۔ وہ کس طرح سے اللہ کے اک نبیؑ اور رسولؑ اور بندے تھے۔ ان کے اندر خدائی احکام کے اثرات کس طرح سے کام کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اس واقعہ صلیب تک عیسیٰؑ کو پہنچانے سے کیا منشاء تھی۔ اللہ تمام بنی نوع انسان کو اک انسان کی آخری حدِ عروج بتلانا چاہتے تھے اور اللہ اور بندے میں کیا فرق ہے وہ بھی سمجھانا چاہتے کہ کس طرح سے جب اللہ کا حکم ساتھ تھا تو عیسیٰؑ سے معجزات سرزد ہوتے رہے اور بعد ازاں اللہ نے چاہا تو عیسیٰؑ کو آزمائش میں امتحان میں ڈال دیا اور وہ اپنے لیے کچھ کر سکے نہ خود کو حالات کی ستم ظریفی سے بچا سکے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ کی منشا و رضا کیا ہے اور اللہ کا حکم و رضا ہو کر رہتا ہے۔ یہیں سے اللہ میں اور اللہ کے نور تک پہنچے ہوئے بندے میں کہ جس سے معجزات یا کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں (اپنے اپنے مقام و مرتبے کے مطاق) میں کیا فرق ہے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریمؑ چونکہ نہایت برگزیدہ ہستی تھیں۔ انکی اپنی پیدائش بھی والدہ کی منت ماننے کے نتیجہ میں ہوئی تھی اور

Marfat.com

عیسیٰ کی پیدائش بھی معجزاتی تھی۔ یعنی بغیر باپ کے روح القدس سے اللہ نے انھیں پیدا فرمایا اور اسے تشبیہ دی آدمؑ کی پیدائش سے کہ وہ بھی ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ پھر انھیں ایسے معجزات عطا فرمائے کہ سوائے خدا کے کسی کو ایسے اختیارات اس سے قبل حاصل نہ ہوئے تھے۔ اس لیے لوگ انھیں ہی انسانی شکل میں خدا سمجھ بیٹھے اور کہا کہ انسانوں کے گناہوں کا کفارہ خود ہی خدا نے عیسیٰؑ کی شکل میں صلیب پر چڑھ کر ادا کر دیا ہے لہٰذا اب گناہ کیے جاؤ بخشے جاؤ گے اور یہیں سے عیسائی گمراہ ہو گئے۔ میں نے جو تشریح اس مضمون کی ذیل میں اللہ کے بندے کی نور میں ضم ہونے سے متعلق کی ہے۔ اس سے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ عیسیٰؑ کا معاملہ کیا تھا۔ رہ گیا یہ نظریہ کہ انھیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا ہے یہ معاملہ بھی غلط ہے۔ ان کے صلیب دیئے جانے کا معاملہ مشتبہ ہو گیا تھا یعنی وہ باوجود لوگوں کی پوری کوشش کے اور بے پناہ اذیت اٹھانے کے ان سے پھانسی کے ذریعے شہید نہ کیے جا سکے تھے بلکہ وہ بچ گئے چاہے تو ان کی جگہ کوئی اور صلیب دیا گیا ہو چاہے انھیں صلیب دی گئی ہو لیکن ان کی جان باقی رہی ہو اور جب انھیں متعلقہ غار میں جا کر ڈال دیا گیا تو وہاں وہ ہوش میں آ گئے یا رب چاہے تو دوبارہ سانس بھی چلا سکتا ہے، زندہ بھی کر سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہی کہا جائے گا کہ از روئے قرآن وہ انھیں پھانسی نہ دے سکے تھے آخر وہ اللہ کے بہت بڑے کلمہ تھے نشانی تھے روح القدس تھے۔ بہرحال جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے اس کے بعد اپنے خاص حواریوں اور اپنی ماں سے ملاقات کی اور اس کے بعد وہاں سے ہمیشہ کے لیے ہجرت کر کے چلے گئے۔ آج بھی کشمیر کے اندر عیسیٰؑ کے آ کر آباد ہونے اور یہاں اللہ کے بہت بڑے معجزوں والے بندے و نبیؑ کی حیثیت سے ان کی شہرت باقی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وفات پائی اور ان کی روح اللہ کی طرف بعد از انتقال اٹھائی گئی۔ اللہ کے حکم سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچے تو یہ بھی اٹھانا ہی ہے تاہم واضح کر دوں کہ آسمانوں پر اٹھانا یعنی کسی اور جہان میں لے جانا بھی اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اگر ایسا بھی ہوا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خدا ہیں بلکہ اللہ کی روح اللہ کا نور ہیں اور اس طرح اللہ کے نورانی بندے ہیں۔ جیسے میں نے پہلے بحث کی ہے۔ تاہم یہ درست ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے بہت ہی زیادہ نور الٰہی تک رسائی حاصل کی تھی۔ اللہ جب خود رسائی دینے والا ہو کسی نبیؑ کا انتخاب کرے اور اسے اتنا زیادہ عروج عطا کرے تو بھلا اس سے کس کو انکار کی مجال ہے لیکن وہ خدا نہ تھے۔ خدا کے نہایت ہی برگزیدہ اور کامل نبیؑ تھے اور عدیم المثال معجزوں کے اعزاز سے مزین تھے۔ ان پر ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں درود و سلام ہوں۔

ولی اللہ حضرات پیر فقیر:

اب رہ گیا معاملہ ولی اللہ حضرات کا تو ان کا معاملہ بھی اپنی سطح کے مطابق اور درجات کے مطابق یہی ہے۔ انھیں چاہیے کہ جب ان سے کرامتیں سرزد ہوں۔ جب اشیائے کائنات پر انھیں دسترس حاصل ہو جائے اور وہ جو کہیں یا چاہیں وہ با اذن الٰہی ہو جائے تو نہایت نہایت محتاط رہیں اور لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کریں۔ کسی بھی چیز کو اپنی طرف منسوب نہ

Marfat.com

کریں بلکہ حضرت خضرؑ کی طرح اللہ کی طرف منسوب کریں ورنہ وہ شرک پھیلانے کا موجب بنیں گے اور انھیں معلوم نہ ہوگا کہ وہ شیطانی راستہ پر چل پڑے ہیں وہ ولی اللہ ہونے کی بجائے ولی الشیطان ہو گئے ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ شرک اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی سے زیادہ باریک وخفیف شے ہے۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ایسے افراد کو آگے جا کر المناک انجام کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر روز حشر ان کا انجام شیطان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوگا۔ ولی اللہ کو چاہیے کہ صرف لوگوں کے لیے اگر رب کی رضا دیکھے تو دعا کرے ورنہ خاموش رہے لوگوں کی حاجات دینے والا نہ بنے۔ اگر 90% لوگوں کی حاجات اس سے پوری ہو جائیں تو تب بھی لوگوں کو بار بار سمجھائے کہ میں کچھ نہیں ہوں سب اللہ کی ذات ہے وہ نہ چاہے تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے سب حاجات مانگو۔ میں بھی اسی کے در کا بھکاری ہوں اور منگتا ہوں۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے یہ مقام عطا فرمایا ہے۔ اگر اللہ کی رضا کے خلاف کوئی مافوق الفطرت طریقہ سے خرق عادت کے طور پر کام کسی شخص سے سرزد ہو تو چاہے وہ لوگوں پر خود کو ولی اللہ یا پیر فقیر ظاہر کرے۔ درحقیقت وہ اولیائے شیطان میں سے ہے ایسے لوگ شیطان کے دست و بازو ہیں ان کے اندر شیطانی طاقتیں شیطان کے توسط سے کام کرتی ہیں کیونکہ شیطان کو روز حشر تک مہلت ہے۔ لیکن باطل بالآخر مٹنے والا اور حق قائم رہنے والا ہے۔ اگر معمولی نیکی اختیار کرے تو اس پر شیطانی طاقتیں اثر نہ کر سکیں گی بلکہ حق کی قوت اثر انداز ہوگی اس کے برعکس اگر گناہ گار ہے تو اس کے گناہ کی نسبت سے اس پر شیطانی طاقتیں اثر انداز ہوں گی، حق اثر نہ کرے گا۔ اس لیے ہر ایسے شخص کے ایمان وعمل اور شب و روز کو گہرائی سے جانچیے، پرکھیے اور تو لیے پھر فیصلہ کیجیے کہ ولی اللہ ہے اور کرامتیں رکھتا ہے یا شیطان کا ساتھی ہے اور شیطان استدراج رکھتا ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 33:

حق کے راستے کا کلیہ واحد اللہ ذات وصفات میں + نیک اعمال خالص وحی الٰہی کی روشنی میں + روز حساب اعمال کی جوابدہی کے لیے

حق کا راستہ = کلیہ = واحد اللہ + روز حساب + نیک اعمال

↓ ذات وصفات میں

↓ اعمال کی جوابدہی

↓ وحی الٰہی کی روشنی میں

آج کل دنیا میں اس بات کا بھی واویلا مچا ہوا ہے کہ کون سا دین یا فلسفہ حیات درست ہے اور کتنا درست اور کون سا غلط ہے اور کتنا غلط ہے۔ دنیا کسی ایسے فارمولے یا کلیے قاعدے کی تلاش میں ہے جہاں سب دنیا کے مذاہب اکٹھے ہو سکیں۔ لیکن باوجود ہزاروں اسکالرز کی محنت وکاوش کے کوئی راستہ نظر نہیں آتا چونکہ ہر مذہب والوں کا ایمان ہے کہ وہی درست ہیں باقی سب باطل ادیان ہیں۔ تو چلیے تلاش کرتے ہیں کہ اس کا حل کیا ہے؟

اس مضمون کے شروع ہی میں، میں نے ایک مختصر سا فارمولا دیا ہے جو کہ تمام ادیان کی اصل ہے، محور ہے اور جس کے گرد اکثر ادیان بھی کہ جن کا تعلق وحی الٰہی سے ہے حتیٰ کہ انسانوں کے بنائے ہوئے مختلف فلسفے اور Idiologies بھی اس سے بالآخر انکار نہیں کر سکتے۔ بڑے بڑے سائنس دان اور مدبّر لاکھ غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوئی تو ہے جس نے اتنی بے بہا ذہانت سے یہ تمام نظام ہستی نہ صرف پیدا کیا ہے بلکہ بڑی مہارت سے چلا بھی رہا ہے۔ ضرور کوئی واحد سینٹرل کمانڈ ایسی ہے جو سب کائنات کو اتنے توازن اور کمال مہارت سے پروان چڑھا رہی ہے اور اپنے انجام کی سمت لیے جا رہی ہے۔ چاہے اس کا نام جو بھی رکھ لو لیکن ہے یہ کوئی واحد سپر طاقت ہی جو بغیر اپنی اجازت کے کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتی۔ تو یہ مسئلہ حل ہوا کہ اپنی ذات میں اور صفات میں وہ واحد رب ہے جس کے سوا کوئی اختیار واقتدار کائنات کا مالک نہیں ہے۔ اس دنیا کے ہزاروں فلسفوں کو چھانٹ ڈالیے سینکڑوں انسانی قوانین کو دیکھ ڈالیے کہیں بھی جزا وسزا کے بغیر ایک اچھی زندگی اور باضابطہ و پرسکون حیات کا تصور آپ کو نہ ملے گا۔ یعنی اعلیٰ کارکردگی پر انعام اور غیر تسلی بخش کام پر سرزنش نیز کام بگاڑنے یا جرائم کرنے پر سزا آپ کو ان فلسفوں اور قوانین کا لازمی جز نظر آئے گا۔ اس کے علاوہ سب مذاہب بھی اس پر کسی نہ کسی طرح سے متفق ہیں لہٰذا روز حشر کہ جس میں اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور جنت ودوزخ وقوع پذیر ہوں گے، کا مسئلہ بھی حل ہوا۔

Marfat.com

اس کے بعد تیسرا اہم نکتہ نیک اعمال یا ٹھیک کام کرنے کی ترغیب اور غلط کاموں سے پرہیز اور ان پر اس دنیا میں بھی جزاء وسزا کا مقرر رہونا ہے۔ اب اس نکتہ کو کھنگالیں تو یہاں پر بھی دنیا بھر کے مذاہب وفلسفے اور قوانین متفق ہیں کہ ہمیشہ ٹھیک کام ہی کرنا چاہیے اور جرائم سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نیز ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی مدد کرنا چاہیے۔ پھر اختلاف کہاں پر ہے، اختلاف کیا ہے؟

اگر ان تین نکتوں کو دنیا بھر کے انسانوں کے لیے لازمی قرار دے دیا جائے تو امن قائم ہوسکتا ہے اِس دنیا اور اُس دنیا یعنی بعد از مرگ کی زندگی دونوں جنتی ہوسکتی ہیں۔

غلط تصورات کا عذاب:

مصیبت یہ ہے کہ ساری دنیا اپنے اپنے مذاہب اور عقیدوں سے متعلق غلط تصورات میں قید ہے اس سے باہر نکلنا ہوگا۔ سب سے پہلے اسلام کو لیں۔ اللہ پاک خود قرآن میں فرماتے ہیں جو شخص شرک سے بچتا رہے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھے، روز حشر میں حساب کتابِ اعمال پر ایمان رکھے اور نیک اعمال کرے تو وہ جنتی ہے اور یہی اسلام ہے، یہی اصل یہودیت ہے، یہی اصل عیسائیت ہے، یہی اصل ہندومت ہے، سکھ مت ہے، بُدھ مت ہے، جین مت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ہر ہر مذہب وفلسفہ کی عمارت انہی تین اصولوں، نکتوں یا ارکان ایمان پر کھڑی ہے اگر اس کے علاوہ اور جزیات نہ بھی ہوں تو یہ نجات کے لیے اور دونوں جہانوں یعنی اس دنیا اور مرنے کے بعد کی زندگی دونوں کو جنت بنانے کے لیے کافی ہے۔

ذات کیا ہے؟ صفات کی مرکزیت:

ایک شخص کا نام عارف ہے وہ ایک انسان ہے، مرد ہے۔ اس کے بعد اس کی ایک شخصیت ہے Personality ہے۔ اب اس کی شخصیت کے سینکڑوں، ہزاروں عناصر ہیں، رخ ہیں، صفات ہیں، شاید یہ عمق میں جائیں تو لاکھوں ہوں تاہم یہ بات تہہ ہے کہ ان لاکھوں صفات کے مجموعے کا نام ہی ''عارف'' ہے۔ اب جب بھی عارف کا تصور کیا جائے گا تو انسان اور مرد ہونے کے علاوہ اس کا قدبت، نقش ونگار اور خصائل سمیت اس کی جس قدر بھی صفات سے آپ واقف ہیں ان کا مجموعہ آپ کے سامنے آجائے گا۔ بظاہر تو عارف کا چہرہ آپ کے سامنے آئے گا لیکن حقیقتاً وہ ان بے شمار صفات کا مرقع ہوگا جو اس میں موجود ہیں۔ اب اگر یہ سب کی سب صفات کسی اور ذات میں ڈال دی جائیں تو بالکل اس ہی جیسا Same Personality رکھنے والا دوسرا شخص پیدا ہو جائے گا۔ جیسا کہ آج کل جینیٹکس پر کام کرنے والے سائنس دان کوشش کر رہے ہیں یا پھر ایک بیضے کا ایک سپرم سے بار آور ہونے کے بعد بعض اوقات دو حصوں میں بٹ کر دو same بچے پیدا کر دینے کا عمل ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایسے جڑواں بچوں میں ہر ہر چیز کی حیرت ناک حد تک مشابہت ہوتی ہے نہ صرف شکل وصورت کی بلکہ طبیعت اور صفات میں بھی Resemblance ہوتی ہے، یہاں تک کہ ان کی قسمت

Marfat.com

ومقدر بھی بہت ملتے جلتے ہوتے ہیں۔تو مقصد یہ کہ ذات دراصل صفات کے مجموعے کا نام ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور ان بے حد وشمار اور بے حد متنوع اقسام صفات کے مجموعے کے مرکز کو ذات کہا جاتا ہے جو ان صفات کی حامل ہوتی ہے اور کنٹرول کرتی ہے۔

خدا کی ذات:

خدا اک ایسی ہستی ہے جو بے پناہ اور بے حد عجب صفات کا مالک ہے جو ہمارے احاطۂ تصور سے بھی باہر ہیں۔ان صفات کا وہ مالک ہے اور نہ صرف مالک ہے بلکہ خالق بھی ہے پس اک ایسی ہستی کو جو اپنی مرکزیت میں یہ بے بہا صفات کے انمول و بے انتہا خزانے لیے ہوئے ہے جس کے تعین یا ذکر سے قلم عاجز ہے، ہم خدا کہتے ہیں ہر ہر مذہب وفلسفے میں اس کا کوئی نہ کوئی نام ہے۔

نبی ورسولؑ کی ذات:

اسی طرح سے آگے چلیں تو ہر وہ شخص جو اللہ کی طرف سے مقرر ہو اور جس کا تعلق براہ راست اللہ سے قائم ہو جائے نیز جسے اللہ کی طرف سے ہدایات کا ایک مجموعہ عطا ہو جائے اسے ہم نبیؑ ورسولؑ کہتے ہیں۔ نیز نبیؑ ورسولؑ باقی اعلیٰ انسانی صفات میں بھی انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے اور خوب توازن لیے ہوتا ہے۔پس ہر وہ متعین شخص جو ان صفات کا مالک ہو وہ نبیؑ ورسولؑ ہوتا ہے۔

ولی اللہ،صوفیاء،فلاسفر،مدبّر،محقّق،سائنس دان،فنکار وغیرہ وغیرہ:

یہ سب کے سب افراد بھی اپنی ذات میں کچھ صفات مشترکہ طور پر رکھتے ہیں۔ان شراکتِ صفات کے اعتبار سے ہم انھیں کسی خاص گروہ میں شامل کرتے ہیں یہ الگ بات کہ باقی کئی صفات ہر ہر گروہ کے افراد میں مختلف ومتنوع بھی ہوتی ہیں۔ لٰہذا مقصد یہ کہ ان کی شخصیات ان کے اندر صفات کی مرکزیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

ہر مذہب میں خدا اور سول بھی ہیں،فلسفۂ آخرت بھی ہے پھر آخر معاملہ کہاں بگڑتا ہے؟

...... ہر مذہب وفلسفہ میں اللہ کی شناخت اعلیٰ ترین مالک وخالق ہستی کی ہے۔

...... ہر مذہب وفلسفہ میں نبیؑ ورسولؑ کی شناخت اللہ کے پیغامبر اور قوم کے نجات دہندہ کی ہے۔

...... ہر مذہب وفلسفہ میں جزا وسزا کا تصور موجود ہے اور روزِ حشر پر ایمان ہے۔

پھر آخر معاملہ کہاں بگڑتا ہے؟

معاملہ یہاں بگڑتا ہے کہ لوگ صفات کو چھوڑ کر ناموں میں الجھ جاتے ہیں۔ ہر مذہب وملت نے اپنا الگ خدا اور اس کا

Marfat.com

الگ نام بنا رکھا ہے۔ بے شمار زبانوں میں اللہ کے بے شمار نام ہیں۔ جنہیں وہ پوجتے ہیں جبکہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ فرماتا ہے جتنے اچھے نام ہیں وہ سب ہی میرے نام ہیں۔ یعنی اسی وحدۂ لاشریک ہستی کی بے حد وشمار صفات کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ایک ہے لیکن اس کے نام بے شمار ہیں۔ اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ اس کے صفاتی نام تو بے حد وشمار ہیں جو اس کی الگ الگ بے حد وشمار صفات کو ظاہر کرتے ہیں جن کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کا ذاتی نام ہر ہر مذہب وملت میں ایک ہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام دنیا اس واحد ہستی کو اس کی بے حد وشمار صفات کے اعتبار سے پہچانتے ہوئے واحد ہستی مانے اور یہ سمجھ لے کہ چونکہ زبانیں بہت زیادہ ہیں اس لیے ہر زبان میں اس ہستی مطلق کا کوئی ایک نام اس کی ذات کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم اس ہستی کے محض نام کو نہیں پوجتے بلکہ اس کی ذات کو پوجتے ہیں۔ جو بے حد وشمار صفات کا مجموعہ ہے اور اس کی شناخت کے لیے اس کا ایک نام رکھ لیتے ہیں۔ سو سب لوگ اس بات کو سمجھ لیں کہ اس واحد ہستی کو پوجیں، ناموں میں نہ الجھیں اس کا کوئی بھی اعلیٰ ترین نام رکھ لیں۔ چاہے اسے کوئی بھی نہ جانتا ہو، صرف آپ نے ہی دل میں رکھ لیا ہو۔ یقین جانیے اس نام کے ورد سے اور اس کی عبادت کرنے سے بھی وہی نتائج پیدا ہوں گے جو معروف ناموں سے ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ اس نام کو آپ اسی وحدۂ لاشریک بے حد وشمار صفات کی مالک ہستی سے وابستہ کریں اور اس کے احکام پر دل وجان سے عمل کریں۔ اس طرح سے ایک خدا دنیا کے لیے مشترک ہو جائے گا اور بے شمار ناموں سے واحد ہستی کی شناخت پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔

اسی طرح سے اس بات کو سمجھ لیں کہ اللہ فرماتا ہے ''ہم نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں'' ان کا کام اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچانا تھا اور عملی طور پر انھیں زندگی پر لاگو کر کے دکھانا تھا، سو انہوں نے ایسا کیا۔ اب اپنے اپنے نبیوں کی پرستش کرنے کی بجائے اس مشترک پیغام پر ایمان لائیں جو ان سب نے دیا جس کا لب لباب یہ تین ارکان ایمان ہیں۔ جن سے میں نے آج کی بحث کا آغاز کیا ہے۔ اگر ان پر قائم رہا جائے تو کسی اور شے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن مسئلہ ایک اور جگہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ طے کرنا ہوگا کہ نیک یا اچھے اعمال کیا ہیں اور برے اعمال کیا ہیں:

اب بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ نیک اعمال یا برے اعمال کی تشریح آسان نہیں۔ ویسے تو بہت بہت کچھ نیک و بد اعمال پر تو تمام دنیا کا اتفاق ہے لیکن اس کے باوجود انسان نے جن مختلف تہذیبوں کو جنم دیا ہے ان میں بد و نیک اعمال کی وضاحت مشکل ہوگئی ہے۔ مثلاً یورپ میں کسی عورت سے ملتے وقت مرد کا اس کے ہاتھ یا گال پر بوسہ دینا ان کی تہذیب کا حصہ ہے۔ جب کہ مشرق میں یا اسلامی دنیا میں اسے سخت برا عمل سمجھا جاتا ہے اور بات قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح جدید تہذیب اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اپنے ملک وقوم کے ساتھ وفادار رہو لیکن غیر اقوام کو ہر حیلے بہانے سے لوٹو کھسوٹو اور موقع ملے تو ان کا خوب خون چوسو۔ پس کوئی نہ کوئی ملمع کاری کرلو اور دنیا کو اپنے حق پر ہونے کا یقین دلا لو۔ بلکہ یہی طریقہ

Marfat.com

عام زندگی میں افراد کے درمیان بھی ہے کہ موقع ملے تو فائدہ اٹھاؤ اور اس کے علاوہ بے شمار قسم کے cultural differences ہیں اور اقدار میں متضادانہ بُعد ہے۔ اب ان کا حل کیا ہے؟

حل صرف وحی الٰہی ہے:

جب انسان خود نیکی اور بدی کی تشریح کرنے بیٹھتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ کیا شے نیکی ہے اور کیا شے بدی ہے یا ٹھیک کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ تو وہ بحیثیت انسان کبھی بھی اعلیٰ ادراک، انصاف، علم و حکمت اور ہدایات کا ہر غلطی سے پاک مجموعہ وغیرہ حاصل نہیں کرسکتا نہ ہی انسانوں کے نفوس انھیں ایسا کرنے دیتے ہیں۔ یہ ایک سے بڑھ کر ایک خواہش رکھنے والا انسان گناہوں سے لذت حاصل کرنے والا پتلا، دوسروں کا حق مار کر فخر کرنے والا غاصب اور دوسروں کو کچل کر اس ظلم پر غرور کرنے والا آدمِ خاکی بھلا کیا خود نیک و بد کا معیار مقرر کرے گا۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ تمام قوانین و قائدے بنانے والا انسان یا اقوام جب خود انھیں روندنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو بلا جھجک انھیں روند دیتے ہیں۔ جوں ہی طاقت کا توازن بگڑا طاقت ور نے کمزور پر ظلم شروع کر دیا۔ لہٰذا ایسے میں سوائے وحی الٰہی کے کوئی راہ نجات کی، خوشحالی کی، امن کی اور پرسکون زندگی کی نہیں ہے۔

میرا مشاہدہ ہے:

کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون قاعدوں کی نسبت وحی الٰہی کے پیروکاروں کے اندر نیک و بد کے پیمانے انتہائی حد تک مشترک ہیں۔ آپ بے شک تمام مذہبی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں ان کے اندر بالعموم اور دینِ ابراہیمؑ کے پیروکاروں میں بالخصوص نیکی و بدی کی اقدار مشترک نظر آئیں گے۔ نیکی، اچھائی یا Positivity کو سب مشترکہ طور پر تسلیم کریں گے اور اختیار کرنے کا حکم مانیں گے اور اسی طرح بدی، برائی یا Negativity کو سب مشترکہ طور پر غلط کہیں گے اور اسے بھی تسلیم کریں گے اور اختیار نہ کرنے کے احکام کی پابندی کرنے کے لیے کہیں گے۔ یہاں پر بھی فساد اگر ہے تو صرف ادیان کے ناموں پر ہے کہ یہ یہودیت ہے، یہ عیسائیت ہے، یہ بدھ مت ہے، یہ سکھ مت ہے، یہ جین مت ہے، یہ ہندو مت ہے، یہ اسلام ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ درست ہے کہ ان میں اکثر ادیان اپنی اصل حالت پر قائم نہیں رہ گئے ہیں مثلاً سکھوں کے گرونانک صاحب نے توحید کی اور نیکی کی تعلیم دی۔ بعد کے نسل در نسل گروؤں نے سکھ مت تشکیل دے کر اصل نانک صاحب کی اعلیٰ ربانی تعلیمات کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ یہی کچھ ہندو مت کے ساتھ ہوا وہاں پر بھی توحید اور نیکی کی تعلیم بدل کر بعد کے ادوار کے مذہبی رہنماؤں نے کرتے کرتے بُت کدے تعمیر کر لیے اور فرشتوں کو دیوی دیوتاؤں کے روپ میں رام سے چھوٹی طاقتیں اور اس کا خاندان سمجھنے لگے اور پانی، ہوا، بجلی، سمندر، دریا، پہاڑ، زلزلہ، اندھیرا، اجالا، سورج، چاند وغیرہ سب دیوتا بن گئے جبکہ ان سب کی طاقتوں کے پیچھے خدا ہی کا حکم کام کر رہا تھا بجائے مرکز کو پوجنے کے جو اللہ ہے انہوں نے اجزاء کو

Marfat.com

بھی پوجنا شروع کر دیا۔ ٹھیک ہے اس وقت انسان کے ذہن نے ترقی ہی اتنی کی تھی۔ پھر مذہبی رہنماؤں نے ہر ہر مذہب کے پیروکاروں کی سادگی سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور مذاہب کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے اپنے مقاصد و مفادات حاصل کیے۔ دولت، عزت اور اقتدار حاصل کیے رکھا اور لوگوں کو بہکاتے اور اپنا محتاج بناتے رہے۔ جیسے آج کل پیر فقیر لوگوں کو لوٹ رہے ہیں ایک نمبر فقیر تو لاکھوں کروڑوں میں ایک ہے جسے پیسے، عزت وشہرت سے کوئی غرض نہیں اور دو نمبر پیر بے شمار ہیں جو کسی بڑے بزرگ کی قبر پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو لوٹ کھسوٹ رہے ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ کہ مختلف مذاہب کے ناموں کو پوجنے کی بجائے تمام مذاہب نیکی اور بدی point out کر کے اس پر متفق ہو جائیں اس کے لیے تمام مذاہب کی کتب سے بالعموم اور بائبل وقرآن سے بالخصوص مدد لی جاسکتی ہے۔ سب چھانٹ پھٹک کے بعد میرا ایمان ہے کہ ساری دنیا اگر تعصب نہ رہے تو قرآن کو سو فیصد درست مذہبی کتاب اور Latest وحی الٰہی اور تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ پائے گی۔ بہر حال بائبل بھی درست ہے تمام تعلیمات درست ہیں صرف انجیل میں لفظ باپ کو خدا کے معنوں میں اور بیٹے کو رسول کے معنوں میں لینے کی ضرورت ہے۔ تاہم قرآن کو درست وغلط کی پرکھ کے لیے کسوٹی بنانا ضروری ہے کیونکہ یہ واحد کتاب ہے جو اپنی اصل زبان اور کلام میں محفوظ ہے۔ بائبل باوجود درست ہونے کے اپنی اصل زبان اور اصل الفاظ سے محروم ہے اسی وجہ سے اس کے اندر جھول ہے اور اس کے اندر اصل آسمانی کتب کے تراجم کے علاوہ تاریخ بھی شامل کر دی گئی ہے۔

اختتامیہ:

پس قرآن مجید پر ایمان لائیں اور احکام پر عمل کریں تو یہ تو ایک مکمل code of life اور ہدایات کا لاریب مجموعہ ہے۔ اس کی آیات میں حکمت واسرار اور بڑے خزانے ہیں۔ لیکن دنیا کو اک نکتے پر لانے کے لیے اللہ نے جو مختصر ترین طریقہ قرآن میں بتلایا ہے وہ انہی زیر بحث تین نکات پر مبنی ہے۔ یعنی وحدۂ لاشریک خدا+ روز آخرت پر ایمان کہ جس میں ہر طرح کے عمل کے حساب سے جزا وسزا ملے گی+ نیک اعمال کا اختیار کرنا اور برے اعمال کر ترک کرنا۔

ساری دنیا ان تین باتوں پر زبانی حد تک متفق ہے اگر اس پر ایمان بھی رکھے اور عمل بھی کرے تو سارا مذہبی فساد و اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور دنیا پر امن وسلامتی کا بول بالا ہوگا۔ آخرت بھی سدھر جائے گی۔ اگر دنیا کسی ایک الہامی کتاب پر متفق نہیں بھی ہوتی تو نیکی وبدی کے اصول و پیمانے چونکہ تمام مذہبی کتب میں ایک ہیں اور میرے بیان کردہ نکات بھی سب میں موجود ہیں سو ان پر متفق ہو کر جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 34:

حسن ازلی، چھپا ہوا خزانہ جو ظاہر ہوا اور حسن کائنات ہوا، ہر ہر شے کا حسن

دل ہمیشہ کی طرح جل رہا ہے لیکن شاید اس ٹوٹے ہوئے چورا چورا زخمی فریادی اور حسرت زدہ دل ہی سے اللہ کی راہوں کو رستے جاتے ہیں شاید یہی دل کی شدید ٹیسیں حقیقت ازلی کے دروازے کھولنے کے لیے چابی کا کام کرتی ہیں۔ اللہ کے بھی کیا عجب بھید ہیں۔ بربادیوں میں عجب آبادیاں، آنسوؤں کی انتہاؤں میں عجب سکون آور دوائیں ہیں۔

سوچتا ہوں اس زمانے میں اس دنیا اور اس میں ہونے والی عجب حسین چیزوں اور ذی حیات مخلوقات بشمول بے حد پیارے انسانوں کے بارے میں کہ یہ کہاں سے آئے اور کہاں چلے گئے۔ کتنے حسین تھے، کتنے پیارے تھے ان کی ہر ہر ادا، ان کی آواز، ان کی باتیں، ان کے قہقہے، ان کے اعضائے جسمانی اور روئیں روئیں کا حسن، کوئی ایک تو نہیں کروڑوں، اربوں ان گنت قسم کے ان گنت حسن و ادا کے مرقعے، پھر سیرت و کردار کے انوکھے سپوت، ان کے کارناموں، ان کی کارگزاریوں، ان کے صبر و برداشت، ان کی بہادریوں، ان کی جرأتوں، ان کے عمل پیہم، ان کے یقین محکم، ان کی قربانیوں، ان کے ایمانوں، ان کے امتحانوں، ان کی آزمائشوں، ان کی سردھڑ کی بازیوں، غرض بے حد و بے شمار متنوع و انوکھی صفات و کردار کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کیا یہ انسان تھے، کیا انسان بھی ایسے ہو سکتے ہیں، کیا یہ انسانوں کے بس کی بات ہے۔ پھر ان جواہر نایاب کا مر جانا، مٹی میں مل جانا اور ان کی جگہ نئے لوگوں کا پیدا ہونا، نئی مثالیں قائم کرنا ہر اک دوسرے سے مختلف لیکن بڑھ چڑھ کر سیرت و کردار کا حسن، پھر دوسری طرف صورت و جسم کا حُسن۔ کتنے کروڑوں، اربوں حسین مٹی میں مل گئے، کتنے روز پیدا ہو کر پروان چڑھ رہے ہیں کہ نظریں ان کی تاب نہیں لا سکتیں، دل ان کے حُسن کے تیر سے گھائل اور دنیا ان کے حسن کی غلام، کوئی معشوق، کوئی عاشق، معشوقوں کی بے وفائیاں اور بے پرواہیاں، عاشقوں کا دل پہ ہاتھ رکھ کے رُلنا، ذلیل ہونا اور ہتھ بندھے غلامیاں کرنا۔ ماضی کی پہاڑ جیسی شخصیات اپنے اپنے شعبے کے چھپے و ظاہر حسین کوئی شکل صورت کے حسین کوئی دیگر صفات کے حسین، کون تھے، کہاں گئے؟ مٹ گئے مٹی ہو گئے پھر اگلی بہار میں نئی نئی صفات والے حسین لوگوں نے جنم لے لیا ابھی ان کے حسن سے محسوسات رکھنے والے سیر نہ ہوئے تھے کہ ان کا حسن اجڑ گیا اور کھنڈر میں بدل گئے اور کھنڈر مٹی میں بدل گیا۔ خاک جہاں سے اٹھی تھی عجب حسن کرشمہ ساز دکھا کر record پر آ کر پھر وہیں جا خاک ہوئی۔ یہی حال اتنے بے شمار بے حد پیارے پرندوں کا ہے، حشرات الارض کا ہے، جانوروں کا ہے، سمندری مخلوقات کا ہے، سمندر کی پہنائیوں میں ایسے ایسے حسن کے مرقعے بن اور مٹ رہے ہیں کہ آنکھ دیکھ لے تو ساکن ہو جائے۔ یہ سب عدم سے وجود میں آ رہے ہیں اور پھر موت سے ہم آغوش ہو کر مٹی و پانی میں مل رہے ہیں۔ یہی حال بے حد و شمار نباتاتی حسن کی انتہاؤں کا ہے، مٹی سے نکل کر مٹی

Marfat.com

اور پانی کو کھا پی کر کیا عجب حسن کی انوکھی داستانیں لکھ رہے ہیں۔ نئی نئی داستانیں آنکھ اور دل ان کی بھی تاب نہیں لا سکتے پھر دیکھتے دیکھتے یہ بھی مُرجھا جاتے، سوکھ جاتے اور مر جاتے ہیں روزانہ ہر ہفتہ، ہر ماہ، ہر سال نئے نئے پھول، پھل، فصل، درخت، سبزہ زار بے انت نباتاتی حسن کے اچھوتے شاہکار پیدا ہو اور ختم ہو کر مٹی میں مل رہے ہیں۔ دریا چشمے، آبشاریں، جھرنے، جھیلیں، سمندر، ساحل، پہاڑ، چٹانیں، ریگستان، چٹیل میدان، موسموں کی آمد و رفت، سورج، چاند، ستارے، سیارے اور ان کی بے حد و شمار دنیاؤں میں معلوم اور نامعلوم بے انداز بے حد و کنار حسن ہر لمحہ پیدا ہو رہا ہے، پروان چڑھ رہا ہے، بہاریں دکھا کر حیران کر رہا ہے اور پھر کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی وقت مٹ رہا ہے۔

یہ حسن کیا ہے؟ یہ اک چھپا ہوا خزانہ تھا:

ویسے تو یہ اک گورکھ دھندہ نظر آتا ہے لیکن ایک حدیث قدسی میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں اک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں ظاہر ہوں، سو میں نے فرمایا کن (ہو جا) تو فیکون (ہو گیا) یعنی یہ سب کائنات بن گئی۔ چنانچہ اس ''چھپے ہوئے خزانے'' کا اظہار ہو گیا۔ اس کی ذات بے پناہ صفات، بے حد و کنار، حسن اور بے حد و کنار جہتوں سے ظاہر ہو گئی۔ لہٰذا ہر ہر شے کی تمام تر مثبت صفات اللہ پاک کی طرف نسبت رکھتی ہیں اور منفی صفات کا بھی گو کہ خالق وہی ایک خدا ہے لیکن نسبت شیطان کی طرف رکھتی ہیں۔ جہاں جہاں اس ذات قدیم نے اختیار دیا اور جس جس طرح کا اختیار دیا (جس سے ہم بہت ہی کم واقف ہیں) اس کی منفی صفات شیطان کی طرف نسبت رکھتی ہیں اور جہاں اختیار نہیں ہے، شیطان کی مداخلت نہیں ہے وہاں منفی صفات یعنی اندھیریاں ''نور'' یعنی مثبت صفات کو متمیّز کرنے، ظاہر کرنے، قائم رکھنے، وجود بخشنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ مثلاً اندھیرا روشنی کے وجود کے اظہار کے لیے ضروری تھا۔ خزاں بہار کے وجود کے لیے ناگزیر تھی اور قبح (بدصورتی) حسن کے وجود کے لیے ضروری تھا۔ ہر شے میں اعلیٰ و مثبت صفات اللہ کی ودیعت کی ہوئی ہوتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کی صفات جاری و ساری ہوتی ہیں۔ جہاں جہاں جو جو شے دل کو چھوتی، آنکھوں کو خیرہ کرتی اور واہ واہ کے کلمات تحسین اور حمد باری کو دلوں اور زبانوں پر بے ساختہ جاری کرتی ہے وہ کوئی بھی شے ہے۔ اس میں اللہ پاک کا جلوہ اس کی نورانی صفات کا پرتو اور اس کے حسن ازلی کا کوئی ذرّہ اس حد تک رونما ہوتا ہے کہ جسے دل اور آنکھ اور دیگر محسوساتِ انسانی یا مخلوقات برداشت کر سکیں اور کوہ طور کی طرح جل کر راکھ یا ریزہ ریزہ نہ ہو جائیں۔

وحدت الوجود مکتبۂ فکر پر پھر بحث:

وحدت الوجود، مکتبۂ فکر رکھنے والے شاید اسی لیے ہر شے کو اللہ کے وجود کا حصہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے باہر کچھ بھی نہیں ہے، ہر شے اس ایک خدا سے الگ ہو کر وجود میں آتی ہے اور اسی میں جا ملتی ہے۔ لیکن بات اتنی آسان نہیں ہے جتنی یہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ حقیقت گو کہ رب تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن میرے خیال کے مطابق یوں ہے کہ مندرجہ بالا بحث

Marfat.com

کے مطابق گوکہ ہر ہر شے میں ''حسن ازلی'' اللہ پاک کا ہی کارفرما ہے تاہم وجودی اعتبار سے تو وہ بلا شرکت غیرے ہے ہی اس کی ملکیت اور تخلیق جس میں اس کا حسن ظاہر ہے۔ لیکن صفاتی اعتبار سے جن کا تعلق اختیار وارادے سے ہے گوکہ وہ بھی توفیق الٰہی ہی سے وجود پذیر ہوتا ہے لیکن خلق کی نیت، اختیار، ارادہ، عمل، محنت، قربانی اور عمر بھر کی کارستانی کا تعلق اس کے ذاتی اختیار کی وجہ سے اس سے جڑا ہوا ہے اس لیے تمام با اختیار مخلوق ان کے نفس، ان کی ذاتیں اس کی ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے حسن ازلی، اس چھپے ہوئے خزانے اللہ پاک سے اپنی اختیاری زندگی میں جو مثبت صفات مستعار لی تھیں وہ جلوہ گر ہونے کے بعد اسی خدا کی جانب واپس لوٹ جاتی ہیں۔ مادی وجود واپس مٹی میں مل جاتا ہے (جو اللہ کی مخلوق وملک ہے)۔ لیکن انسان اور تمام اختیاری مخلوقات کی ''ذات'' اپنی روحوں کے ساتھ بعد از موت بھی برقرار رہتی ہیں۔ اللہ کی صفات اللہ کو لوٹ گئیں، شیطان کی صفات شیطان کو لوٹ گئیں، مٹی مٹی میں مل گئی۔ پانی پانی میں مل گیا۔ لیکن اختیار سے مزین مخلوق کی ذات ہر ہر نفس کی ذات اپنی روح کے ساتھ بعد از مرگ اپنے عرصۂ حیات ارضی کے ریکارڈ کے ساتھ جواب دہی کے لیے اور سزا و جزاء کے لیے برقرار رہی۔ جس طرح سے دنیا کی زمین، جائیداد، پوشاک، زر و جواہرات اور انسان کے بے شمار تصرفات دنیا میں رہ گئے گوکہ عارضی طور پر انسان کو ملے تھے۔ اسی طرح سے وجودی اور صفاتی وصف بھی اللہ کو لوٹ گئے تمام خوبیاں اور تمام حسن جس میں وہ ذات پاک جلوہ گر تھی واپس لوٹ گئے۔ شیطان کی ملاوٹیں اس کو لوٹ گئیں۔ وہ بھی بری صفات کی شکل میں ہماری ذاتوں کے اندر اظہار پذیر تھیں اور مادی وجود مٹی ہو گیا۔ لیکن ہماری ذات، ہمارا نفس، اپنی روح اور عرصہ حیات کے ریکارڈ کے ساتھ باقی رہ گئے۔ اس لیے ''فلسفۂ وحدت الوجود'' کو اس ڈھنگ سے سمجھیں تو سمجھ آ جاتی ہے کہ اللہ اور بندے میں کیا تعلق ہے اور اس کی دیگر مخلوقات میں اور اس ذات قدیم میں کیا پیوند ہے نیز فلسفہ حیات اور جزا سزا کیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ:

جس طرح سے کوئی گاڑی بے شمار طرح کی راہوں پر محو سفر رہ کر کبھی حصول مٹی، بدبوؤں، ٹوٹی پھوٹی راہوں، کچے راستوں، گڑھوں، گلیوں، بازاروں، گندے پانیوں، زمینی نجاستوں اور سوخرابیوں سے اور کبھی پکی سڑکوں، خوشبوؤں، باغوں، چمنستانوں، پھلواریوں، محلوں، کوٹھیوں، حسن کاریوں اور ہوش ربا سحر بانیوں سے گزرتی اور ہر گرم سرد سہہ کر ہر طرح کی چوٹیں سہار کر، ہر طرح کے موسموں اور ہر ڈھنگ کے حالات سے نبرد آزما ہو کر بالآخر منزل پر پہنچتی ہے اور وہاں اس کی overhalling کر کے اسے ہر طرح کی آلائشوں سے جو کہ اس کے سفر کی گواہ تھیں پاک کر دیا جاتا ہے اور اسے سفر سے چلنے سے قبل جیسی تھی ویسی حالت میں لایا جاتا ہے نہ اس کے ساتھ راہوں کی خوشبو رہتی ہے نہ بدبو۔ عین اسی طرح سے انسان اور سب مخلوقات حاضر ہوں گی۔ تفویض شدہ تمام صفات واپس لے کر صرف ان کی ذات اپنے وجود کے احساس اور یادداشت کے اقرار کے ساتھ حاضر ہو جائے گی اور جواب طلبی کے بعد بمطابق اعمال اجر دیا جائے گا۔

Marfat.com

زندگی بعد از موت اور دیگر دنیاؤں کی زندگیاں اگر کوئی ہوں:

اب یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ حساب کتاب کے بعد ہمیں جنتی و دوزخی محسوسات تو عطا ہوں گے ہی لیکن یہاں پر جن صفات سے ہم نے اپنی روحوں کو یا ذاتوں کو بار آور کیا وہ ہمیں وہاں پھر حاصل ہو جائیں گی اور ان کے مثبت صفات ہونے کی صورت میں ہماری روح مزید فعال اور تناور ہو کر اگلے جہاں کی زندگی میں اپنا کردار ادا کرے گی اور منفی صفات والی روح اپنا الگ کردار ادا کرے گی یا پھر وہاں نئی دنیا اور نئی ہی صفات اور نیا taste نئی زندگی کے ساتھ ملے گا۔ یہ سب اللہ پاک جانتا ہے ہم کچھ نہیں جانتے۔

جو لکھا ہے ہم تو وہ بھی نہیں جانتے لیکن چونکہ اللہ پاک سے بہت دعا کر کے اس کی موجودگی میں لکھا ہے اور یقین ہے کہ اس کی توفیق سے لکھا ہے لیکن چونکہ شیطان کو بھی قیامت تک مداخلت کا اختیار ہے۔ اس لیے دعا ہے کہ شیطان کی مداخلت والی تحریر مٹ جائے اور خالص حق با توفیق الٰہی باقی رہے تا کہ مخلوق گمراہ نہ ہو بلکہ راہ مستقیم پکڑ لے۔ آمین!

Marfat.com

مضمون نمبر 35:

شعریت، ردھم، موسیقیت، قافیہ ردیف، اوزانِ کلام، دھن کی ترتیب، سات سُر، صوتی لہریں، پاکیزہ کلام اور اس ڈھنگ میں ہدایت واصلاح نیز وزن و بحر میں اوراد ووظائف

زمانہ قدیم سے مندرجہ بالا میدان میں علمی آگہی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ بھلی بری، پسندیدہ ناپسندیدہ، خام، ابتدائی، ادھوری، تجربات کی بھٹی پر چڑھی ہوئی اور زینہ بہ زینہ ترقی کرتی ہوئی یہ علمی آگہی ہر دور میں ہر زبان میں اور ملک وقوم یا معاشرے میں موجود رہی ہے۔ اس کا وجود کیوں قائم ہوا؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی کئی وجوہات ہیں ہم یہاں موسیقی کی تعلیم کے لیے یا اس پر بطور آرٹ لکھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ہاں البتہ یہ ضرور جاننے کی کوشش کریں گے کہ ایک طرف تو نثر سے ہٹ کر شعریت ہمیں پسند کیوں ہے؟ اور دوسری طرف موسیقی روح کی غذا کیوں سمجھی جاتی ہے؟ دراصل انسانی فطرت ہے کہ اسے اپنے جذبات کے گہرے اور دیرپا اظہار کے لیے کوئی ایسا ذریعہ درکار ہے کہ جو اس کے احساسات کو زیادہ سے زیادہ گہرائی کے ساتھ بیان کر سکے۔ سو اس مقصد کے لیے نظمیہ انداز بیان اس کی ضرورت ہے اور اس شاعرانہ ادا میں موجود نغمگیت اور موسیقیت مل کر اس کی روح کے تار چھیڑتے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مناسب کلام، آواز، سُر، لے، ردھم، شعریت، نغمگیت، موسیقیت، مخصوص بحروں اور اوزان میں ڈھل کر جب صوتی لہروں کے ذریعے فضا میں بکھرتے ہیں تو جو کان رکھتا ہے، احساس رکھتا ہے، دل رکھتا ہے، دل کے تار رکھتا ہے، یہ لہریں اس کی روح میں اترنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ اپنے اپنے ظرف، شوق، طلب، جھکاؤ، رجحان اور روح کی پیاس کی بات ہے کہ کسی کے مادی دنیا کے خمار میں اضافہ ہوتا ہے۔ کوئی شراب وشباب کے لیے اسے زینہ بناتا ہے۔ کہیں حسینوں کے جسم اس پر تھرکنے لگتے ہیں اور مادی حسن کے عاشقوں کی آنکھیں خیرہ کرتے ہیں۔ تو کہیں المیہ شاعری اور غزل وغم ناک گیت اور موسیقی کی مخصوص تانیں محبوب کی جدائی و بے وفائی میں عاشق ناشاد کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگا دیتی ہیں اور دل کی دھڑکنیں درہم برہم ہونے لگتی ہیں۔ لیکن دوسری سمت عشق حقیقی کے مسافر قوالی اور صوفیانہ کلام میں سر دھنتے نظر آتے ہیں اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے ان کی روح پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ وجد میں آجاتے ہیں۔ اپنے ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے بھی کہیں اور کھچ جاتے ہیں وہ جھومنے لگتے ہیں۔ جیسے سانپ بین پر جھومتا ہے وہ بھی وجد میں جھومتے ہیں۔ پھر انھیں ''حال پڑنے'' لگتا ہے۔ پہلے ان کے بازوؤں میں، پاؤں میں، جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے پھر بازو ہلتے ہیں، سر ہلتا ہے پھر ایک وقت

Marfat.com

آتا ہے وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ناچنے لگتے ہیں۔ اسے اصطلاح میں ''دھمال ڈالنا'' کہتے ہیں۔ کچھ لوگ تو خود پر موقعہ محل کی مناسبت سے یہ حال خود طاری کر لیتے ہیں۔ یہ شوقین، دنیا دار اور معتقد حضرات ہوتے ہیں یا اک رسم کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن کچھ وہ ہوتے ہیں کہ جن پر یہ ''حال'' خود بخود طاری ہو جاتا ہے، ایک بے خودی ہوتی ہے، ان کا اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رہتا۔ عجب وجد و حال طاری ہو جاتا ہے۔ قوال، کوئی صوفیانہ کلام، قلندرانہ کلام، موسیقی کی مخصوص سروں پر ڈھول کی خاص تھاپ پر پڑھنے یا گانے والا جب خاص تکرار کرتا ہے۔ بار بار مخصوص مصرعوں کو جو ہم وزن ہوتے ہیں جن میں جوش بھرا ہوتا ہے۔ جن کو قوال نے مغنیہ نے مخصوص طبلہ اور موسیقی کے آلات کے ساتھ اٹھالیا ہوتا ہے دوہراتا ہے تو اس خاص تکرار میں روح کو کوئی ان دیکھی طاقت کھینچ لیتی ہے۔ ظاہری حواس معطل ہونے لگتے ہیں۔ حقیقت و معرفت، حکمت و عشق کی جانب ایک شاہراہ ادھر سے بھی جاتی ہے۔ عشق الٰہی اور معرفت حق نیز بحر حقیقت کی جانب کھلنے والے بہت سے دروازوں میں سے یہ بھی ایک دروازہ ہے۔

الفاظ اپنے اندر مختلف اسرار اور طاقتیں رکھتے ہیں ان کو ادا کرنے سے خاص قسم کی فریکوینسی کی خاص صوتی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اشعار، ان کی لہریں، اوزان، قافیہ ردیف، ردھم، سُر، لے، موسیقی اس کے سُر، راگ، طبلے کے مختلف انداز اس کی تھاپ کی فریکوینسی یہ سب کچھ اپنے اندر نا قابل بیان اثرات رکھتے ہیں یہ بھی ایک بہت بڑا علم و آگہی کا دریا ہے۔ جس کے بارے میں ہم بہت ہی کم جانتے ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ مخصوص قسم کے راگوں سے آگ لگائی جاسکتی ہے۔ بارش برسائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح سے اور بھی بے شمار قسم کے کام ہو سکتے ہیں۔ غلط نہیں کہتے یہ ایک باضابطہ علم ہے لیکن ہماری دنیا کے لوگ اس کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں، اس پر بھی بہت زیادہ تحقیق اور محنت کی ضرورت ہے۔ ایک طریقہ تو try try again کا ہے۔ جس پر لاکھوں سالوں سے انسان چل کر ترقی یا تنزلی اختیار کر رہا ہے۔ دوسرا طریقہ مخصوص قسم کے کلمات کو ورد وظائف کو دہرا کر کائناتی طاقتوں سے براہ راست مدد مانگنے اور علم و آگہی حاصل کرنے کا ہے۔ ایسا کرنے سے بے شمار ایسی طاقتیں جو ہماری مدد کرنے کے لیے آتی ہیں۔ ہمیں مستفیض بھی کرتی ہیں اور سزا بھی دیتی ہیں۔ تمام مذاہب، فلسفوں اور علمی طریقوں میں کچھ قدریں ضرور مشترک ہیں اور وہ یہ کہ کائناتی طاقتیں دو طرح کی ہیں عرف عام میں ایک شیطانی طاقتیں ہیں جو بظاہر شیطان کے تحت کام کرتی ہیں اور دوسری رحمانی طاقتیں جو براہ راست حکم الٰہی پر کام کرتی ہیں۔ اب بہت زیادہ متنوع اقسام علوم ہیں، مشقیں ہیں، طریقے ہیں جو ان کائناتی طاقتوں سے کام لینے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور یہ طاقتیں انسان کے لیے خدمات سرانجام دیتی ہیں اور نا قابل یقین حد تک عجیب و غریب صلاحیتیں اور فعالیتیں رکھتی ہیں اور ایسے ایسے کام کر سکتی ہیں۔ ایسے ایسے علوم و فنون کے متعلق بتلا سکتی ہیں، سکھلا سکتی ہیں جن کے بارے میں عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب بات یہ ہے کہ شیطانی طاقتیں جو کہ شیطان کے تحت کام کرتی ہیں اور شیطان کو مہلت ربانی کی بنا پر جو طاقت حاصل ہے، دسترس حاصل ہے

Marfat.com

وہ ان طاقتوں کے ذریعے اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن چونکہ حق بالآخر باطل پر غالب آنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے اس لیے جو لوگ حق کا راستہ اختیار کرتے ہیں اپنا عقیدہ، ایمان ویقین درست رکھتے ہیں اور اعمال درست اختیار کرتے ہیں۔ ہمیشہ صحیح راستے کا انتخاب کرتے ہیں اسے ہی صالحیت یا نیکی اختیار کرنا کہتے ہیں، تو ایسے لوگوں کا یہ کائناتی شیطانی طاقتیں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جس طرح سے کمزور حصہ سے چھت ٹپکتی ہے، کمزور شخص پر بیماری حملہ کرتی ہے یا کوئی بھی کمزور چیز شکار کر لی جاتی ہے اسی طرح سے غلط ایمان ویقین اور غلط کام و اعمال اختیار کرنے سے ہمارے اندر وہ کمزوریاں اسی نسبت سے پیدا ہونے لگتی ہیں اور یہی منفی اعمال کے دروازے ہیں یا بیرونی حفاظتی جھلی ہے جس میں سے شیطانی کائناتی طاقتیں اندر گھس آتی ہیں اور ہمیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ یاد رکھیں مختصر فارمولا ''No Sin No Pain''۔ بہر حال یہ کائناتی طاقتیں ہم پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مختلف اقوام و معاشروں میں ان کے اپنے مذہب و کلچر کے مطابق مقامی زبانوں میں ایسے الفاظ، فقرات، کلمات، گیت، بھجن، مذہبی گیت، موسیقی، ڈھول کی تھاپیں، کسی قانون قاعدے کے تحت موجود ہوتے ہیں جو ان کے لیے اس قسم کا کام کرتے ہیں۔ ان کی تکرار سے انھیں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں یقین بھی بہر حال اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع و عریض علم ہے جو دنیا بھر کے انسانوں کے تجربات اور قدیم مذاہب کی بگڑی ہوئی شکلوں میں کہ جن کلمات میں اثرات ہیں، دنیا میں بکھرا پڑا ہے۔

اہم نکتہ کہ جس کے لیے یہ سب لکھا:

ہم جانتے ہیں کہ علم موسیقی کی تعلیم دینا یا اس فن کی باریکیوں پر گفتگو کرنا یا شعر و شاعری کے نکات و وظائف بیان کرنا یہاں ہمارا مقصود نہیں ہے۔ ہم نے یہ سب بحث اپنا مخصوص مقصد حاصل کرنے کے لیے چھیڑی ہے اور وہ یہ کہ گو کہ قرآن پاک کو شاعری قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی نبی پاک ﷺ کو شاعر فرمایا گیا ہے بلکہ اس کی سختی سے تردید کی گئی ہے اور اسے شاعری سے ممتاز اعلیٰ و ارفع کلام الٰہی اور آپ ﷺ کو اللہ کا نبی اور رسول ﷺ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس تردید اور اعلان کا مقصد یہ ہے کہ یہ کلام محمد رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہے اور نہ ہی آپ شاعر ہیں کہ اسے اپنے پاس سے لکھ لاتے ہیں اور نہ کسی عام و خاص شاعر کا کلام ہے کہ وہ ایسا کلام یا اس کی ایک آیت بھی لکھ سکے یا چند سورتیں بھی لکھ کر لے آئے بلکہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بڑا عزت والا، حرمت والا، معتبر، ہر عیب سے پاک اور مکمل حق کا احاطہ کیے ہوئے ہے جسے باطل چھو بھی نہیں سکتا۔ تاہم ہم جب اس تمام ایمان کے ساتھ کہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کلام کو اللہ کا کلام ہی تسلیم کرتے اور بصد عقیدت و احترام پڑھتے اور فلاح کا رستہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں، اقتداء میں، پیروی میں، اختیار کرتے ہیں تو ہم محسوس کیے بنا نہیں رہ سکتے کہ بے شک قرآن کسی جن و انس یا مخلوق کی شاعری تو نہیں ہے لیکن یہ اللہ کا کلام بھی سادہ نثر میں نہیں ہے۔ اس میں نظمیہ کلام کی آفاقی اور خدائی صفات پائی جاتی ہیں، جن کا پایہ اتنا بلند ہے کہ کوئی خلق ایسا کلام لکھنے کی کسی صورت استعداد ہی نہیں رکھتی لیکن اس کے اندر ردھم ہے موسیقیت ہے، قافیہ ردیف کے انسانی اصول نہ سہی لیکن اس وقت کے عربی کلام کے مطابق انسانی دسترس سے بلند و بالا اعلیٰ و ارفع ترین

Marfat.com

خصوصیات موجود ہیں۔

لہٰذا جب اس کی تلاوت کی جائے تو نثر یہ انداز سے نہ کی جائے بلکہ اس کے وزن، ردھم اور موسیقیت کو لازمی طور پر برقرار رکھتے ہوئے تلاوت کی جائے۔ اس کے اثرات انتہائی اعلیٰ درجے کے ہوں گے جو اپنے اندر بڑے گہرے، پُرحکمت اور پراسرار اثرات لیے ہوئے ہوں گے اور اگر اسے بغیر اس خاص طریقہ کے پڑھنے کے ویسے ہی نثر یہ انداز میں حُسن تلاوت کے بغیر بے ڈھنگے انداز میں اڑا کر یا غلط طریقہ سے پڑھا جائے تو اس کے وہ اثرات نہ ہوں گے۔

یہی طریقہ مختلف قسم کے ورد و وظائف کے لیے بھی ہوگا کہ جو آیات یا سورتیں ورد کرنا یا وظیفہ اختیار کرنا مقصود ہوں ان کو اس کی مخصوص بحر اور وزن کے ساتھ متعلقہ ردھم اور لے میں تلاوت کرنا ضروری ہوگا۔ کسی قسم کا ورد بھی خاص وزن کے بغیر اختیار نہ کیا جائے مثلاً اگر ''اللہ ھو'' کا ورد کرنا ہے تو اس کا خاص وزن اور ردھم قائم کیا جائے اور ہمیشہ اسی وزن پر ورد کی مسلسل تکرار جاری رکھی جائے اگر وزن کو برقرار نہ رکھا گیا کبھی کس وزن پر، کبھی کس وزن پر ورد کرتے رہے تو متعلقہ نتائج حاصل نہ ہوں گے گو کہ ثواب تو بہر حال حاصل ہوگا لیکن یہ گہری علمی بحث ہے۔

تکرار لفظی اپنے اندر گہرے اسرار رکھتی ہے:

تکرار لفظی یا مخصوص فقروں کی، کلمات کی، آیات کی، ان کے اپنے خاص وزن پر ہمیشہ اسی ردھم پر مستقل تکرار اپنے اندر معجزے رکھتی ہے۔ اصل میں اس کی مسلسل مشق کریں کہ متعلقہ وزن، ردھم، اور ''لے'' کی یکسانیت کے ساتھ مخصوص فریکوینسی اور صوتی لہروں کی خاص لمبائی، وقفہ، زور اور گہرائی اک تسلسل سے جاری رہے حتیٰ کہ سانسیں لینے کے لیے بھی تسلسل نہ ٹوٹے بلکہ سانس کو یوں چلائیں کہ تسلسل اُس خاص فریکوینسی اور صوتی لہروں، ردھم نیز مخصوص اتار چڑھاؤ کے ساتھ قائم رہے، قطعاً ٹوٹنے نہ پائے، چاہے تو سانس روک کر کریں اور جب سانس لیں تو یوں لیں کہ سانس بھی گھوم جائے اور تسلسل یا صوتی لہروں کے اشکال پر بھی ذرہ برابر فرق نہ پڑے۔ یہ سب مشق سے آئے گا۔ ذہن ہر طرح کے خیالات سے خالی کر کے ''لا'' کے مقام پر ایک نکتہ پر مرکوز رکھ کر بس لاشعور میں تصور رکھیں کہ ''وہ'' آپ کو کہیں نہ کہیں سے دیکھ رہا ہے۔ آپ اس کی نگاہ کی نگرانی میں ہیں۔ یہ تصور لاشعوری طور پر ہونا چاہیے ورنہ ذہن تو آپ کا ہر تصور وخیال سے چاہے وہ ماضی کا ہے، حال کا یا مستقبل کا خالی ہونا ضرری ہے۔ بس اس حالت میں مندرجہ بالا طریقہ سے ورد کیے جائیں ایک ہی حالت میں زیادہ سے زیادہ دیر تک۔ یہ جو گننے کے لیے کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ وقت کا اندازہ ہو سکے۔ ہاتھ تسبیح کے دانوں پر بے دھیانی میں چلتا رہتا ہے اور گنتی ہوتی رہتی ہے۔ انسان کو اندازہ ہوتا ہے کہ میں 100 یا 1000 دفعہ یا کسی بھی تعداد میں کتنی دیر میں فلاں ورد کر لیتا ہوں۔ اصل میں حکم ورد کثیر کا ہے آپ جتنی دیر کر سکیں کیا کریں۔ جذب اور شوق جس وقت تک ساتھ دے جب طبیعت اکتانے لگے، جذب گھٹنے لگے یا کوئی اور حرج واقع ہونے لگے چھوڑ دیں۔ یوں ورد کا وقت حسب شوق وجذب بڑھا گھٹا سکتے ہیں۔ آگے

Marfat.com

آہستہ آہستہ اس کے اثرات سامنے آنے لگیں گے۔ اللہ کی طرف سے ایک وقت آئے گا کہ حق کی کائناتی قوتیں رہنمائی کریں گی۔ اگلی منزلیں رب کی نگرانی میں طے ہوں گی، ان شاء اللہ۔ اگر کسی استاد کی نگرانی کسی ولی کامل کی نگرانی کسی صاحب فن اور صاحب ایمان کی نگرانی حاصل ہو تو اچھی بات ہے۔ ورنہ خود کوشش کریں۔ اگر جذبہ سچا ہوا تو ان شاء اللہ تعالیٰ بالآخر کامیابی ہو گی۔ تاہم ہمارا مقصد یہاں پر اس علم کے متعلق بحث تھی عملی نگرانی یا مشق کرانا نہ تھا۔

مرکزی نکتہ:

آخر میں ایک مرتبہ پھر صاف طور پر وضاحت کر دوں کہ لوگ میری مندرجہ بالا بحث پر عمل تو اپنے اپنے وقت اور انداز میں صدیوں سے کر رہے ہیں پھر اس گفتگو کا مقصد کیا تھا تو جان رکھئے کہ محض عمل کرنا اور کسی شے کا علم رکھتے ہوئے ٹھیک طریقہ سے عمل کرنا دو متضاد چیزیں ہیں۔ اہل اسلام میں موسیقی اور شاعری کے متعلق بڑی بحثیں، مناظرے اور ٹکراؤ ہوتے رہے ہیں۔ جس نے مختلف مکتبۂ فکر اور فرقوں کو جنم دیا ہے۔ اس آج کی تحریر سے صدیوں کے اس جمود کو توڑنا مقصود تھا جو شاعری اور موسیقی کے متعلق ہمارے ہاں منفی انداز در آیا ہے۔ اس پر فنی سائنسی، فلسفیانہ اور علمی بحث مقصود تھی کہ موسیقی اور شعریت کی حقیقت و افادیت کیا ہے۔ شیطان اس سے ہمیں کس سمت لے جاتا ہے اور رحمانی راہیں اس سے کیونکر وا ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تکرار لفظی، کلماتی یا آیاتی کا کیا انداز و طریقہ ہے اور اس کے کیا مخصوص اثرات ہوتے ہیں۔ دیگر مذاہب، معاشروں، اقوام اور زبانوں سے اس کا کیا تعلق ہے۔ کیوں کلام پاک پڑھنے سے مخصوص فوائد حاصل نہیں ہوتے اور یہ کہ ورد و وظائف کیوں بہتر طور پر بعض اوقات اثر نہیں کرتے بلکہ اکثر تو اثر کرتے ہوئے نظر ہی نہیں آتے۔ آخر میں ایک اور بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ شیطانی علوم و فنون سے فائدہ اٹھانے کے لیے تو آپ کو محض گناہگار ہونا چاہیے جو کہ آج کل ہر کوئی ہے۔ مزید بھی بغیر کسی محنت کے کشش نفس، حُب مال و دولت و جاہ ثروت اور خواہشات کا اسیر ہو کر ہو سکتا ہے لیکن رحمانی علوم و فنون سے مستفید ہونے کے لیے جو کہ اصل، خالص، مستحکم، صراط مستقیم کے حامل اللہ کے حکم و رضا سے لیس اور فتح و نصرت کا دائمی علم لیئے ہوئے ہیں تو اس کے لیے ایمان و یقین کامل اور عمل بمطابق قرآن کے صالح ہونا ضروری ہے اور یہ صالحیت ہمیں محض تنگ نظر، متعصب اور کم علم، مذہب زدہ شخص نہیں بناتی بلکہ اکیسویں صدی کا کامیاب عارف اور علوم جدیدہ کا امام مومن بناتی ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 36:

آج ایک مرتبہ پھر اپنی سوچ کے زاویوں، احساسات، جذبات، ادراکات اور احتسابات سے متعلق تھوڑی گفتگو

ساتھیو مجھے کبھی بھی اپنے وجود سے متعلق حقیقتاً کوئی بڑے دعوے کرنے کا گمان نہیں گزرا۔ اپنی ان تحریروں کے آغاز میں، میں نے اپنے ان احساسات کا ذکر کیا تھا جنہوں نے مجھے یہ سب لکھنے پر مجبور کیا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ میری تحریروں کو بے شک کوڑا کرکٹ سمجھیے لیکن اس کوڑا کرکٹ سے اپنے کام کی چیزیں ضرور تلاش کیجئے کہ شاید چند موتی جو میرے ادراکات میں جڑ دیے گئے ہوں۔ اس کوڑے کے ڈھیر میں کہیں بکھرے آپ کی طلب کے مطابق آپ کو مل جائیں۔ آج پھر اس ضمن میں تھوڑی بات کرنا ہے۔

محترم قارئین شروع سے طبیعت کے لکھنے پڑھنے کی طرف مائل ہونے کی بنا پر الحمدللہ کافی کچھ مطالعہ رہا اس میں مطالعہ ادب بھی شامل ہے۔ دنیائے علم کے بڑے ادیبوں اور شعراء کو، دانش وروں اور فلسفیوں کو کچھ نہ کچھ پڑھنے کا موقع ملا۔ میری شخصیت کا جھکاؤ ہر اس سمت تھا جہاں پر اور جس میدان میں دل کے تار چھڑتے ہوں، احساس و جذبہ کی گہرائی موجود ہو، حقیقتوں کا اظہار خوبصورت اور عین حقانیت کے ساتھ کیا گیا ہو۔ میں نے اپنے اندر اس قسم کا ادیب اور شاعر بھی کہیں چھپا ہوا پایا جو کہ اظہارِ حقیقت کے لیے بے چین تھا۔ وہ معاشرے کے مسائل پر، غم والم پر، حالات کے جبر پر، انسان کے قہر پر اس کے اندر شیطانیت پر، گھر گھر بکھری کہانیوں پر، ہر دل و نفس کی الگ الگ داستانوں پر، مذہب کے نام پر کی گئی قہر سامانیوں پر، اپنوں کے مظالم پر، غیروں کے واروں پر، معاشرتی نفسیات، انسانی نفسیات اور اس کی جہتوں پر، مزاج پر، حالات سفر پر، دنیا کی بے پناہ خوبصورتی پر، عورتوں کے نازک اور رومانوی جذبات پر، جنسی اور sex کے کرداروں پر کہ فرائیڈ نے تو نکتہ محرکہ ہی اسے قرار دیا ہے۔ سرمائے کے محرکات پر کہ جس پر مارکس نے معاشرے کے رخ متعین کیے، دنیا کے سٹیج اور ڈرامہ پر کہ جس کے ذریعے شیکسپیئر نے سماج کی نبض ٹٹولی، گوئٹے کے طریق پر کہ جس نے شیطان کو دنیا کے محرکات ورنگا رنگی کا مرکز اولی قرار دیا۔ جس سے متاثر ہو کر اقبال نے بھی ابلیس و آدم جیسی نظمیں لکھ ڈالیں لکھنا چاہتا تھا یا میں نطشے جیسا کوئی فوق البشر پیدا کرنے کی کوشش کرتا یا ٹالسٹائی کی طرح کوئی War and Piece لکھنے کی کوشش کرتا اور اس کے ساتھ ساتھ کسانوں، محنت کشوں کے لیے تحریریں لکھتا۔ یا تین ہزار سال پیچھے جا کر ہومر کی ''Eliade & Urasi'' جیسے شاہکار لکھنے کے راز معلوم کرتا یا فرانس کے ''Balzak'' کی طرح ناولوں کے انبار لگاتا۔ کزن بیٹی جیسے المیہ ناول لکھتا۔ کزن پونا، عصری زندگی کے مناظر،

Marfat.com

درباری زندگی کے مناظر جیسے ناول لکھ کر کم از کم اپنے زمانے کے شاہ و گدا اور معاشرے کی منظر کشی کرتا یو موپساں کہ جسے افسانے کا باوا آدم بھی سمجھا جاتا ہے اس کی طرح دل کی دھڑکنیں درہم برہم کرنے کے لیے ''نیکلس'' لکھتا، ''دھاگے کا ایک ٹکڑا'' لکھتا اور طوائفوں کے کردار کو اپنی تحریروں میں پینٹ کرتا۔ یا روس کے ''Yanchov'' کی طرح ڈرامے لکھتا اور چھوٹی بڑی کہانیاں لکھ کر دکھ درد اور غم و الم کے واقعات عوام پر منکشف کرتا۔ نیو یارک (امریکہ) کے میلول کی طرح Typee لکھتا کہ جس میں اس نے اگر آدم خوروں کے متعلق یادداشتیں لکھی ہیں تو میں یقیناً اس سے ملتے جلتے سینکڑوں موضوعات کو اپنے تجربات سے گزار کر تحریر کا حسن عطا کرتا یا اس کے ناول ''Bili Bid & Mili Dick' کی طرح کے شاہکار لکھ کر شہرت حاصل کرنے کی کوشش کرتا یا انگلینڈ کے ڈکنز کی طرح ''گریٹ ایکسپیکٹیشنز'' اور "Tale of Two Cities" جیسے بہترین ناول لکھ کر دیر تک لوگوں میں زندہ رہنے کی کوشش کرتا یا منشی پریم چند کی طرح دیہاتیوں اور مذہبی کلچر کے ماروں پر افسانے لکھتا یا منٹو کی جنس و شراب کو موضوع بناتا یا راشد الخیری کی طرح مصور غم بن جاتا یا حالی کی طرح کوئی ''مدو جزر اسلام'' لکھتا۔ سرسید کی طرح اصلاحی مضامین لکھتا، اکبر الہ آبادی کی طرح آسان فہم اصلاحی شاعری کرتا، میر کی طرح درد کا مرقع بن جاتا۔ انیس و دبیر کی طرح مرثیہ پر زور آزمائی کرتا، کوئی ''حکایات سعدی لکھتا'' کوئی بانگ درا لکھتا ''بوستان و گلستان'' لکھتا، حفیظ جالندھری کی طرح تاریخ اسلام کو منظوم کر دیتا، قومی ترانے اور گیت لکھتا۔ کوئی ''مقدمہ شعر و شاعری'' لکھتا ''مضامین آزاد یا نیرنگ خیال'' لکھتا، داستان گوئی کو فن بناتا، مثنویوں پر زور آزمائی کرتا، قتیل شفائی، عدم، احسان دانش، احمد ندیم قاسمی، فراز، فیض کی طرح دورِ رواں کی نبض پر ہاتھ رکھتا، ن م راشد کی طرح نظم مبرا کے جوہر دکھاتے دکھاتے خدا کو بھول جاتا۔ افلاطون، ارسطو، کانٹ، ہیگل، روسو وغیرہ کی طرح فلسفہ کے ذہنی و مادی صحراؤں کے سفر اختیار کرتا، غریبوں اور پسے ہوئے لوگوں کے لیے کوئی تحریک چلاتا اور ظلم کے خلاف لڑتے ہوئے جان دے دیتا۔ پھانسی چڑھ جاتا یا کسی قوم کو لے سرخرو ہوتا اور اس کا قائد بن جاتا کہ جو چیز دہائیوں بعد پھر انہی گدھوں اور کرگسوں کے ہتھے چڑھ جاتی جو اسے پہلے نوچ رہے تھے۔ سقراط کی طرح یقین مانیے کہ بازاروں اور چورستوں پر کھڑے ہو کر لیکچر بھی دے سکتا تھا۔ لیکن پھر زہر کا پیالہ پی کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا۔ میں رومیؒ کی شاگردی میں اقبال نما بننے کی کوشش بھی کر سکتا تھا کہ حافظ عطار، غزالی، فارابی، رازی، ابن عربی کے فلسفہ عجم میرے علم کو مہمیز دیتے اور اسرار و رموز لکھ کر میرا علمِ خصوصی خواص کو دعوتِ فکر دیتا حتیٰ کہ رومی کی مثنوی سے مستفید ہو کر میں ایک چھوٹا سا رومی بھی بن سکتا تھا کہ حکمت کے اسرار و رموز کو لے کر چلتا اور جہاں گرہ کشائی کا وقت و موقع آتا وہاں خاموش ہو جاتا کہ اس سے آگے پر جلتے ہیں۔ اس سے آگے بجلی گرتی ہے اس سے آگے اجازت نہیں ہے۔ دنیا بھر کے صوفیائے کرام چاہے وہ کسی بھی مذہب و فکر و فلسفہ سے تعلق رکھتے ہوں محض اشارے کنائے پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنی تحریروں میں اس سے آگے نہیں جاتے یا پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ (امام ربانی) کے مکتوبات کی طرح اتنی مشکل اصطلاحات و زبان استعمال کرتا جو سمجھنے کے لیے ان کی روح سے رابطہ قائم کرنا پڑے اور اس میں بھی

Marfat.com

اتنے ابہام ہیں کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا لیکن میں نے سوچا کہ کسی نے بھی آج تک روگ انسانیت، خون ریزی، ہوس پرستی، سرمائے کی تباہ کاری، ظلم کے صدا بہار پودے، آہوں، سسکیوں، حسرتوں، غم وآلام زمانہ، جگر پاشیوں، دل شکنیوں، عظیم تباہ کاریوں، تہذیبوں کے بار بار تباہ ہونے، احساس مروت کی موت، شیطانوں کی زور آوری، نیک نفوس کے کچلے جانے، حق کے مار کھانے اور باطل کے سر چڑھ کر بولنے، فطرت کے ظلم، قدرتی آفات کے محروموں پر قہر، بے انصافی، تقسیم رزق و تقسیم وسائل کی مضوعی بے اعتدالی وغیرہ جیسے ان گنت مسائل کا کوئی حل پیش نہیں کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مندرجہ بالا اور مذکورہ افراد نے کچھ نہیں کیا یا میں ان جیسا یا ان سے بہتر کام کر سکتا ہوں بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مندرجہ ومذکورہ بالا تمام اہم شعبوں اور ایسے معاملات کہ جن پر دل کے تار چھڑتے ہیں، دل سے ہوک اٹھتی ہے اور بہت کچھ ہمیشہ لکھنے لکھانے کی ضرورت رہتی ہے میں ان پر ہمیشہ سے لکھنا چاہتا تھا، لکھنا چاہتا ہوں۔ میرے اندر کئی قسم کی صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی ہیں یہ تو عمل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ وہ کس پائے کی ہیں، خام ہیں؟ خستہ ہیں؟ نامکمل ہیں؟ تشنہ ہیں یا کسی میں کاملیت کی خُوبھی ہے۔ تاہم اس سب کچھ کے میرے من میں شور مچانے اور چیخنے چلانے کے باوجود میں نے انھیں اس لیے دبا دیا ہے کہ یہ سب کچھ لکھنے پڑھنے والے ان میدانوں کو سر کرنے والے ان شعبوں میں نام پیدا کرنے والے بڑے بڑے نام، بڑے عظیم لوگ ہمیشہ سے ہر دور میں ہر شعبے میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن جو شعبہ، جو میدان بظاہر سُونا و ویران پڑا ہے (گو کہ اس میدان میں بڑی ہی گہما گہمی ہے لیکن اُدھر کی بات اِدھر نہیں آتی اس لیے سُونا ہے) اس کے لیے مجھے کچھ بفضل خدا کرنا ہے۔ جہاں صوفیا خاموش ہو گئے ہیں اس سے آگے ان شاء اللہ تعالیٰ جانا ہے۔ رومیؒ جہاں پر جا کر پر جلنے کا ذکر کرتے ہیں اس سے آگے توفیق ربانی اور رحمت یزدانی سے امام انسانی ابراہیمؑ اور رحمت عالمانی محمد ﷺ کی دعائے خاص سے جانا ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا شعبوں کے لیے وقت نہیں ہے زندگی کی مہلت بہت کم ہے مجھے روندنے اور روکنے کے لیے حالات کا جبر ہم رکاب ہے، دل اور ذہن پر تیروں کی بارش جاری ہے اور شیطان اپنی پوری فوج اور لاہ ولشکر کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹا ہوا ہے۔ ان حالات میں بفضل تعالیٰ حقیقت کائنات، حقیقت خدا و بندہ، حقیقت ظلم و جور، حقیقت عدل و بے عدلی، حقیقت حیات و ممات، حقیقت حواس، حقیقت جہانِ دیگر، حقیقت عرش و کرسی، حقیقت فقر و مومنیت، حقیقت جنت و دوزخ، حقیقت شیطان و رحمٰن، حقیقت ملائک و ارواح، حقیقت تصوّف و طریقت و حقیقت کامل، حقیقت آفتاب و ماہتاب و نجوم، حقیقت وسعتِ خلاء، حقیقت لاء، حقیقتِ نُور ربّانی، حقیقت خوشی و غم اور حقیقت فساد و امن معلوم کرنے اور حتیٰ الوسع عام کرنے کی کوشش ہے۔ دعا ہے اللہ کوشش قبول فرمائیں اور وہ عشق عطا فرمائیں کہ جو نہ صرف میری منزلوں کو آسان کر دے بلکہ قبل از دمِ آخریں منزل مراد تک پہنچا دے۔ اقبالؒ کی خودی بھی عشق ہی ہے، محبت مصطفیٰ ﷺ بھی عشق ہی ہے۔ آتش نمرود کا ٹھنڈا ہونا عشق ہی ہے۔ اسماعیلؑ کے گلے پر چھری نہ پھرنا عشق ہی ہے یہی عشق کے انعامات ہیں ورنہ عشق تو سر تا پیر حق کے نشے میں چُور تا دم آخریں منزل مراد کی طرف مسلسل بڑھتے رہنے اور مر مر کے جینے و جی جی کے

Marfat.com

مرنے کا نام ہے۔ دعا ہے کہ ایسے عشق سے اللہ کے فضل سے انسانیت کے لیے ایسی شمعیں روشن کر جاؤں کہ جو اصل میں رب تعالیٰ ہی روشن فرمائیں لیکن توفیق مجاز بندۂ خاکِ پائے محمد ﷺ کو حاصل ہو۔ خاک پائے ابراہیمؑ آنکھوں کا نور بن جائے۔ تا کہ سسکتی اور تڑپتی انسانیت اصل معراج انسانی کو پہنچ سکے اور شیطان کا راج دنیا سے ختم ہو جائے۔ آج دل یوں گویا ہوا کہ گویا نظم سی بن گئی!

تیری دنیا میری دنیا

جدھر دیکھتا ہوں شیطانوں کی دنیا
جدھر رخ کروں بے ایمانوں کی دنیا
الٰہی تجھے سجدہ کرنا ہے جس میں
کہاں ہے وہ کعبہ اماموں کی دنیا
من کی پلیدی حجوں سے نہ جائے
عُمرے کرے لاکھ غرضوں کی دنیا
غریبوں کو جھڑ کے یتیموں کو مارے
فرعونوں، یزیدوں، ہامانوں کی دنیا
نچوڑے لہو خوب محنت کشوں کا
ملکوں، نوابوں. یہ خانوں کی دنیا
محروموں، بیماروں لاچاروں کو کھائے
امیروں، کبیروں، وڈیروں کی دنیا
سسکتی، تڑپتی، پھڑکتی ہی جائے
حسرت. زدوں، غم کے ماروں کی دنیا
ہر بندہ غلط، ہر ادا ہے نرالی
یہ چوروں، لٹیروں، فراڈوں کی دنیا
زور آور ہیں سب بدمعاش اور غنڈے
کمینوں، خبیثوں، رئیسوں کی دنیا
مسکینوں معذوروں کے وارث مریں جب

Marfat.com

دکھاوے کو آئے دکھاوؤں کی دنیا
نظام سیاست، معیشت، ثقافت
تراشی ہوئی سب مجازوں کی دنیا
ذہانت، فطانت، متانت یہی ہے
نحیفوں کو لوٹے قانونوں کی دنیا
وکالت ، دلالت یہ چرب زبانی
سچا کرے خود کو جھوٹوں کی دنیا
غرض ہی غرض ہے، ہوس ہی ہوس ہے
کہاں ڈھونڈیں یا رب قرآنوں کی دنیا
مادی ترقی ہے فخر زمانہ
روحانی ترقی ہے خوابوں کی دنیا
آسائش، تکلّف کا میلہ لگا ہے
تھرکتے بدن یہ حسینوں کی دنیا
زانی، جواری، طوائف، شرابی
یہ مجلس شوریٰ، ایوانوں کی دنیا
امانت، دیانت، شرافت، صداقت
غلاموں ، کنیزوں، حقیروں کی دنیا
تہذیبوں کا ٹکراؤ ہونے لگا ہے
یہ اپنی پسند کے فلسفوں کی دنیا
ایٹمی ، جراثیمی، کیمیائی قیامت
خرابوں کی دنیا عذابوں کی دنیا
سمجھ جا اے انساں وقت کی نزاکت
نہ کر خود کشی چھوڑ ناگوں کی دنیا
پوجا، نمازیں، عبادت، کتابیں

Marfat.com

بنا عمل ہے سب سرابوں کی دنیا
ہنر مند و مزدور، جگر پاش و جانباز
مقام ان کا اعلیٰ ، شاہینوں کی دنیا
لکھاری و شاعر، ادیب و مصوّر
دانش، تدبّر، بہاروں کی دنیا
مسخّر کریں نئی دنیائیں جو وہ
علیموں، حکیموں، فہیموں کی دنیا
الٰہی مسیحا عطا کر ہمیں بھی
بشارت ، ہدایت، میناروں کی دنیا
مجھے بھی یہ توفیق بخشے اگر تو
بدل دوں حیوانوں، شیطانوں کی دنیا
کروں اس میں پیدا جہاں تازے تازے
جڑ سے اکھیڑوں چنگیزوں کی دنیا
محنت کی دیوی کو عزت دلاؤں
اُجالوں غریبوں کسانوں کی دنیا
مٹاؤں فرق، حکم تیرے میں لاؤں
ملاؤں ، امیروں فقیروں کی دنیا
شادی کراؤں میں شاہ و گدا کی
یکجا کروں پست و بالاؤں کی دنیا
جینز مقدّر، لکیریں و قسمت
نئے رشتے ناطے، اچھنبوں کی دنیا
قریب کے رشتوں پہ پہرہ لگاؤں
ہلا دوں میں شرقوں و غربوں کی دنیا
مذہب کی حقیقت سے پردہ ہٹاؤں

Marfat.com

دکھے سب کو پنڈت و ملاؤں کی دنیا

سب نبیوںؑ، رسولوںؑ کا حلقہ بناؤں

الٰہی یہ سورج ﷺ ، سیاروںؑ کی دنیا

منوّر ہیں تجھ سے تُو خود سے منوّر

یہ نُور ننھے ننھے تو نُوروں کی دنیا

بھکاری ہوں میں بھی تیری روشنی کا

سراپا تجلی، تو جلوؤں کی دنیا

عطا ہو وہ نورانی بارش دائم

محمد ﷺ کی چادر، غلاموں کی دنیا

میں تیری حضوری میں دائم رہوں اب

افشا ہو مجھ پہ وہ رازوں کی دنیا

میرے یوم جنم پر، وقت مرگ پر

راضی ہو تیرے اعجازوں کی دنیا

قبر کی ہو مٹی علاج مصیبت

شفایاب ہو، بے سہاروں کی دنیا

زبان و قلم ہوں تیری راہ پہ حاضر

لوحِ محفوظ پر ہو نگاہوں کی دنیا

ڈھونڈوں، نکالوں، سنبھالوں، اٹھا لوں

زبوروں، انجیلوں، قرآنوں کی دنیا

تازہ کروں معرکہ حق و باطل

حیدرؓ، صدیقوںؓ، فاروقوںؓ کی دنیا

مُلّا و صوفی، راہب و یوگی

پنڈت ، گُرو، کج نگاہوں کی دنیا

عشق الٰہی ہے خود کو مٹانا

Marfat.com

لٹانا، چرانا یہ ریزوں کی دنیا
ریشے جسم کے ہوں مرہم سبھی کی
چمڑی ادھیڑے جہادوں کی دنیا
حُبِّ الٰہی ہے خُونِ جگر میں
آساں نہیں ہے یہ خاصوں کی دنیا
شعائر ربّانی ہیں زندہ دلیلیں
بیت المقدس وہ کعبوں کی دنیا
وہ موسیٰؑ کی لاٹھی وہ دمِ عیسیٰؑ
حکم خدا اور مسیحوں کی دنیا
صحرائے گرم میں وہ ایڑی رگڑنا
زم زم نکلنا ایمانوں کی دنیا
وہ نقشِ رُخ جبرائیلؑ کدھر ہیں
اضطرابوں ، تلاشوں وہ غاروں کی دنیا
وہ زور قلم، وہ فصاحت عرب کی
معجزائے قرآنی ، رسولوںؑ کی دنیا
انگشتِ مصطفیٰ ؐ میں پانی کے دھارے
چاند دو ٹکڑے، اشاروں کی دنیا
سوکھے تھنوں سے ہُوا دودھ جاری
ادب اونٹنی کا یہ شاہوں کی دنیا
علیؓ ، فاطمہؓ اور یٰسینﷺ کی صُورت
رنگ کربلا ہے حُسینوںؓ کی دنیا
مقام صحابہؓ متعین ہو کرنا
اُحد ہے کسوٹی، حلقہ والوں کی دنیا
گھیرے محمدﷺ کو کٹ کٹ گرے تھے

Marfat.com

ترتیب شہادت مقامون کی دنیا
بحث ہے عبث، خلافت پہ لوگو
معیارِ تقویٰ نہیں ہے یہ شاہوں کی دنیا
مقامِ بلند تھا، خلفاء کا لیکن
حُبِّ محمد ﷺ بطُولوںؓ کی دنیا
عشقِ محمد ﷺ میں گُھل گُھل کے جینا
سانسوں کی گنتی، مہینوں کی دنیا
سب مدعیان خلافت پہ سبقت ہے اُس کو
محمد ﷺ کی بیٹیؓ بہشتیوں کی دنیا
خراج عقیدت اے جُزوؓ رسول ﷺ
میرے خوابوں، خیالوں، نگاہوں کی دنیا!

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 37:

حقیقت نفس کشی

روحانیات میں مختلف مذاہب، اقوام اور علاقوں کی فلسفیانہ تعلیمات میں ایک اہم ترین چیز نفس کشی ہے۔ نفس کشی کی تعلیمات کی بے شمار اقسام ہیں۔ طرح طرح کے چلے ہیں جو کرنے سے واقعی فرد متعلقہ کو خاص طاقتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس پر میں نے ایک مرتبہ پہلے بھی بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ شیطانی اور رحمانی طاقتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اگر نفس کشی رحمانی تعلیمات کے زیر اثر اختیار کی جائے تو وہ خیر ہی خیر ہے لیکن اگر شیطانی فوائد کے لیے اختیار کی جائے تو بالآخر گھاٹا ہی گھاٹا اور تباہی ہی تباہی ہے۔ گو کہ وقتی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اور علوم مکس ہو کر یہ ایک الگ ملغوبہ بناتے ہیں جو ہماری آج کی بحث سے خارج ہے۔

دیگر مذاہب میں نفس کشی کی بگڑی ہوئی شکلیں:

قارئین دنیا میں بے شمار نبیؑ آئے اور سب ایک ہی تعلیم حقانی وقت کی ضرورتوں کے مطابق تھوڑے رد و بدل مگر توحیدی روح کے ساتھ لے کر آئے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان تعلیمات کو بگاڑ دیا گیا یا یہ بگڑ گئیں۔ انہی تعلیمات میں "نفس کشی" کی تعلیمات بھی تھیں جو بگڑ کر کچھ کا کچھ ہو گئیں۔ اصل نشانہ نفس انسانی بنا۔ نفس لوامہ کو بجائے مسلمان کرنے کے اسے سراپا شیطان سمجھ لیا گیا اور اپنے آپ کو طرح طرح کی مصیبتوں، تکالیف، اذیتوں اور اندوہناک درد والم کے سپرد کیا جانے لگا۔ کسی نے بغیر آنکھ جھپکائے سورج کی طرف دیکھنا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اندھا ہو گیا۔ کسی نے خود کو زنجیروں سے جکڑ لیا اور 20 سال یہ حالت طاری رکھی۔ کوئی ایک ٹانگ پر کھڑا ہو گیا۔ کسی نے یخ ٹھنڈے دریا میں کمر تک ڈوب کر چلہ شروع کر دیا اریچے والا دھڑ بالآخر مار لیا، کسی کو دریا بہا لے گیا۔ کئی مزاروں پر ایسے ولیوں کی واپسی کا آج بھی انتظار ہو رہا ہے۔ کسی نے الٹا لٹک کر چلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ دماغ کی نسیں پھٹ گئیں۔ کسی نے یوگ میں طرح طرح کے چلے مشقیں اور مشقتیں کیں۔ کسی نے صحرا میں بیٹھ کر آگ تاپنی شروع کر دی۔ کسی نے سانس بند کرنے کا طریق اپنایا اور کسی نے تادم مرگ روزہ رکھا۔ کسی نے عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ کسی نے دنیا کی تمام نعمتوں کو اس راہ میں خیر آباد کہہ دیا۔ کسی نے اپنا ماس گال لیا۔ کسی نے جسم میں کیڑے ڈال لیے۔ کسی نے آنکھوں میں سلائیاں پھیر لیں۔ کسی نے زندگی بھر کپڑے نہیں پہنے۔ کسی نے جوتوں کو رخصت دے دی۔ کوئی ہمیشہ گنجا رہنے لگا۔ کسی نے یہ وطیرہ اپنایا کہ لوگ اسے پیٹتے اور ذلیل کرتے رہیں، کوئی جان بوجھ کے پاگل بن گیا اور لوگوں کے پتھر کھانے لگا۔ کسی نے سر کے بال اتنے بڑھائے، گندے رکھے کہ جوئیں پڑ گئیں اور اتنی بڑھیں کہ سر میں کاٹ کاٹ کر اسے ادھ موا کر دیا۔ کسی نے پسوؤں کے لیے اپنا جسم وقف کر دیا۔ کسی نے کھانا پینا اتنا کم کر دیا کہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔

Marfat.com

کسی نے برفانی چوٹیوں پر چلہ کشی اختیار کی۔ کسی نے جنگلوں، ویرانوں اور پہاڑوں میں دنیا ترک کر کے زندگی گزار دی۔ کوئی اپنا سب کچھ لٹا کر چھوڑ کر بعض حالتوں میں اپنوں کو مار کر ذبح کر کے حق کی تلاش یا شکتی حاصل کرنے نکل کھڑا ہوا۔ الغرض اس میدان میں بے حد و شمار نئی نئی، عجیب و غریب، ناقابل فہم و یقین اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اذیت ناک چلوں اور زندگیوں کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب ڈھونگی تھے یا سب کے من میں کھوٹ تھا یا سب ہی گمراہ تھے یا شیطان کی راہوں پر سب کے سب چل رہے تھے بلکہ بہت سوں کا جذبہ صادق ہوگا۔ بہت سے لوگ راہ حق کے مسافر ہوں گے، سچے عشق الٰہی کے متلاشی ہوں گے۔ کیونکہ ایسے جان لیوا اور اذیت ناک، طویل و بے حد صبر آزما چلے کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ لیکن انہی میں یقیناً بہت سے گمراہ بھی ہوں گے۔ اپنے نام و نمود، بڑے پن، شہرت و نیک نامی اور ستائش کے لیے بھی اس میدان میں آگئے ہوں گے۔ انسانی نفسیات بہت زیادہ پیچیدہ اور تہہ در تہہ الجھی ہوئی ہر آن، ہر لمحہ، نئی جہت اور نیا رنگ اختیار کرنے والی ہے اور مکمل طور پر کبھی نہ سمجھ آنے والے منہ زور دریا کی مانند ہے۔ لہٰذا کب کیوں اور کیسے کسی نے یہ راہ اذیت اختیار کی اس پر بحث ہمیشہ تشنہ ہی رہے گی۔ لیکن ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ بے شک نفس کشی کے اندر بڑے اسرار ہیں، شکتیاں ہیں اور پوشیدہ علوم سے لبریز طاقتیں ہیں جو بعض اوقات ایسے لوگوں کے تابع ہو جاتی ہیں اور مختلف نفس کشوں کو مختلف طور سے ان کے علم و عقیدہ اور کوشش و ہمت کے مطابق مستفیض کرتی ہیں۔ لیکن یقیناً سب کے سب اس میں اس حد تک کامیاب نہیں ہوتے اور راستے ہی میں لٹکے رہتے ہیں۔ تاہم بغیر وحی کی روشنی کے کبھی بھی کسی بھی میدان میں صراط مستقیم ہاتھ نہیں آسکتی لہٰذا ضروری ہے کہ وحی الٰہی سے جو کہ دیگر کتب کے علاوہ قرآن پاک میں اپنے اصل وجود کے ساتھ موجود ہے مدد و رہنمائی لی جائے۔ سو چلیے اس ضمن میں قرآن ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے اس کا لب لباب جاننے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں۔

اعتدال و توازن کا نام حسن ہے۔ قرآن کائنات کی ہر چیز کی طرح انسان کی صفات موجودہ اور تمام امکانی صفات کو حسن عطا کرتا ہے اور راہ اعتدال و توازن کا سبق دیتا ہے۔ نیز زندگی کے ہر میدان میں گناہ و ثواب، خیر و شر سیدھی اور کج راہوں کی تمیز سکھاتا اور تعلیم دیتا ہے۔ ہمارا نفس ایک منہ زور گھوڑا ہے۔ شیطان کی اسے ہر وقت بن مول اور بظاہر انمول خدمات حاصل ہیں۔ زندگی کے بے شمار معاملات میں ہمیں رہنمائی کی ضرورت ہے بظاہر تو ہمیں دنیوی معاملات کی اونچ نیچ اور کاروباری یا پیشہ ورانہ پختگی کے بعد کسی مزید رہنمائی کی ضرورت نہیں رہتی اور ہم ایک کامیاب، ناکام، عام طرز زندگی والا یا بے حد کامیاب انسان اپنے اپنے دنیوی معاملات کو سدھار کر اور راہ حیات میں مادی ترقی کر کے کہلاتے ہیں۔ جس سے ہمارے بیوی بچے، والدین، رشتے دار اور زیادہ سے زیادہ دوست احباب ہم سے خوش و مطمئن ہو جاتے ہیں اور معمول کے خوشی و غم کے ساتھ ہماری زندگی قہقہوں اور آنسوؤں کے درمیان گزرتی چلی جاتی ہے۔ ہم انسانیت کا ایک حصہ ہیں۔ اپنے

Marfat.com

حصے کی مادی زندگی گزار کے زمانے کے تقاضے نبھا کر ترقی یا تنزلی میں اپنا حصہ ڈال کر زندگی کی اگلی منزلیں اگلی نسلوں کے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں یہ ہے ہماری زندگی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ لیکن آپ نے ضرور سوچا ہوگا کہ یہ سب تو حیوان بھی کرتے ہیں پھر آپ ان سے ممتاز محض اپنی زندگی کو پر آسائش بنانے اور حیوانوں سے زیادہ ذہین ہونے کی وجہ سے ہیں، ٹھیک ہے انسان نے اپنی ذہانت کی وجہ سے بہت سی مادی، اخلاقی اور مشینی ترقی کی ہے (لیکن یہ الگ بات کہ اندر سے وہ اب بھی حیوان ہی ہے) تاہم اگر وہ وحی الٰہی کی روشنی میں زندگی گزارے تو جو اسے معلوم نہیں ہے اور بار بار کے تجربات اور ٹھوکروں کے بعد الٹا سیدھا سیکھتا ہے وہ کہیں بہتر، کامل اور غلطی سے پاک طریقہ سے براہ راست وحی الٰہی سے سیکھ سکتا ہے۔ ہم بحث کو اپنے نکتۂ مخصوص پر مرتکز کرتے ہیں۔

نفس کشی کا مفہوم نفس کو کچلنا اور مسلسل سزا دینا نہیں ہے۔ نفس کو جزاء سزا خدا تعالیٰ کی جانب سے اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں ضرور ملے گی۔ ہمارا کام قرآن پاک کو دل و جان سے خوب غور و خوض اور تدبر و تفکر کے ساتھ ایمان و یقین کے ساتھ بار بار پڑھنا اور سمجھنا پھر اس پر عمل کرنا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ اسے روزانہ مطالعہ میں لانا اور گہرے غور و فکر کے لیے مخصوص وقت دینا ضروری ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ اب آپ آزاد نہیں ہیں آپ کے ہاتھوں اور پاؤں میں ان دیکھی قرآنی زنجیریں ہیں یہ زنجیریں دراصل جنت کی تصویریں ہیں۔ بہر حال اب ہر ہر کام، ارادہ، سوچ، خیال، رشتہ داروں کے ساتھ حتیٰ کہ غیروں کے ساتھ، دشمنوں کے ساتھ بے حد و بے شمار رشتوں ناطوں میں اور dealings میں آپ کو ہر ہر لمحہ قرآنی تعلیمات آڑے آئیں گی۔ آپ کو شیطان سوسو وسوسوں، دلیلوں، بہانوں اور نقابوں میں آکر بہکائے گا۔ آپ کا نفس ان بہانوں اور دلیلوں میں پناہ ڈھونڈنے کے لیے ہمیشہ بے چین ہوگا، تڑپ رہا ہوگا۔ کہ مجھے آزاد چھوڑ دو کیونکہ شیطانی راہ بڑی ہی پُر کشش پُر آسائش، پر آرائش اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں زندگی کے رنگ و بُو خوب گہرے دکھتے ہیں۔ ہمیں شیطان جو عینک لگاتا ہے ہمارا نفس یہ عینک اتار کر قرآن کی عینک لگانے سے ہمیں ہر ہر طریقہ سے ڈگمگاتا ہے، روکتا ہے حتیٰ کہ شریعت و طریقت کے لبادے اوڑھ کر جب حملہ کرتا ہے تو ہم بالآخر آسانی سے اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اب مُلّا و واعظ اور گدی نشین پیر بھی ہماری پشت پر ہے اور صدیوں کی کارفرمائیوں سے شیطان نے نہ جانے کس کس رستے سے ہماری شریعت کے نام پر اسلامی تعلیمات میں گمراہی کی راہیں ہمیں سونپ دی ہیں۔ جنھیں بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ ہم چلتے ہیں اور اپنے کسی ظلم و زیادتی یا گمراہی کے کام کو غلط تصور نہیں کرتے کیونکہ اب دو رکعت کے اماموں، واعظوں، پیروں اور شریعت کے نام پر گمراہی کے ملغوبوں نے ہمیں اپنی بین پر مست کر لیا ہے۔ ادھر ہمارا نفس لوّامہ بھی خوب پل پل کر موٹا تازہ ہو رہا ہے اور ادھر نمازیں، حج اور زکوٰتیں ہمیں یقین دلا رہی ہیں کہ تم جنت کے لیے امیدوار ہو۔ دوزخ تم سے کوسوں دور ہے۔ شریعت میں سب کچھ تو ظاہر ہے غلط نہیں ہے لیکن جو رخنے سازیاں ہیں یا کی گئی ہیں وہ ہمیں دوزخ میں پہنچانے کے لیے کافی ہیں تاہم اس

Marfat.com

ناقص شریعت پر بھی کون سا ہم پورا پورا عمل کرتے ہیں بلکہ بندہ بشر ہے، گناہ تو ہو ہی جاتا ہے۔ صغیرہ کے ساتھ کبھی کبیرہ بھی ممکن ہے، ہم نعتیں پڑھنے والے ہیں، حضور کے عاشق کہلاتے ہیں، چونکہ ختم درُود پکواتے، نعتیں پڑھتے پڑھاتے، محفل سماع منعقد کرواتے یا اس میں آتے جاتے ہیں، ٹوپیاں پہن کر تھوڑی دیر خوب سر ہلاتے ہیں، کبھی آنسو بھی نکال لاتے ہیں۔ پس ہم یوں عاشق رسول ﷺ ہیں اور شفاعت محمدی ﷺ کے حق دار ہیں جب سارا جہاں بخشا جائے گا تو بھلا ہم کیسے گناہوں میں پکڑے جائیں گے ضرور رسول اللہ ﷺ دوزخ سے بچالیں گے یہ ہے فلسفۂ بخشش و دورحاضر کا فلسفۂ مسلمانی۔

اسی قسم کے فلسفۂ ہائے مذہب بلکہ اس سے کہیں گئے گزرے باقی مذاہب میں بھی رائج ہیں، اسی لیے غلط قسم کی بھکی ہوئی اور نام نہاد تعلیمات مذہب سے ضرور نفس کشی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ذرا خالص قرآن کو ایمان ویقین سے مطالعہ میں لائیں باقی شریعت کے سارے ستون نظرانداز کر کے قرآن کو گہرے غور وفکر کے ساتھ، نیک نیتی کے ساتھ، خوف خدا کے ساتھ، ایمان کی گہرائی کے ساتھ سمجھ لیجیے اور سمجھنا معمول بنالیجیے۔ ساری زندگی پھر اس پر عمل کرنے نکلیے، خدا کی قسم نفس کشی نہیں اصلاح نفس کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنا پڑے گی۔ اس میں مزید منزلیں بڑھتی جائیں گی۔ فرائض کے بعد سنت کی باری، پھر نوافل کی صرف رسمی نماز میں نہیں بلکہ زندگی کی ہر ہر راہ میں اس طرح سے جو نفس لوامہ کی اصلاح ہوتی ہے تو نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور آگے کی منازل بھی ہیں، یوں اللہ راضی ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ دریا میں کاغذ ڈالتے ہیں، اللہ کے نام پر تو دریا کناروں سے باہر تک چھلکتا ہوا بہتا ہے۔ اس سے قبل ہر سال ایک کنواری لڑکی ذبح کر کے اس میں ڈالی جاتی تھی۔ دیکھیے ان نومفتوحہ غیر مسلموں میں حضرت عمرؓ کو کیا مقام حاصل ہوا۔ اصلاح نفس لوامہ سے، قرآنی نفس کشی سے۔ لیکن اس نفس کشی میں ہم دنیا سے فارغ نہیں ہوتے بلکہ اسے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ کیونکہ یہی تو اولاد آدم کی سزا وامتحان ہے، اس دنیا میں اتارا جانا۔ اگر ہم اس سے چھپ جائیں تو کل خدا کو کیا جواب دیں گے۔ دنیا کے اندر ساری زندگی والدین، زوجین، اولاد، رشتہ دار اور اپنے بہن بھائیوں اور دیگر افراد میں برت کر جو کامیاب واپس لوٹا، خدا کے حضور وہی سرخرو ہے اور یہ کامیابی ہے صرف اور صرف قرآن کے اندر۔

قرآن کی اصلاح نفس (نفس کشی) جو مومن تیار کرتی ہے اس کے اشارۂ ابرو سے ناممکنات، ممکنات میں بدل جاتے ہیں یہ تو اصلاح نفس ہے تمام تعلیمات قرآنی سے سیراب مومن، قرآن کا مومن ہے۔ محمد ﷺ کا علیؓ ہے۔ اسلام کا فاروقؓ ہے۔ واقعہ معراج کا صدیقؓ ہے۔ فاطمہؓ کا حسینؓ ہے۔ فاصلوں کا اویس قرنیؒ ہے۔ اماموں کا ابوحنیفہؒ غوثوں کا غوثِ اعظمؒ۔ قلندروں کا شہبازؒ ہے، رومیؒ کا تبریزؒ ہے، مجددوں کا الف ثانیؒ ہے، عاشقوں کا ابراہیمؑ ہے۔ میسور کا ٹیپوؒ ہے، اقبالؒ کا مرد مومن ہے، فقیروں کا سرسید ہے، وہ مادوں پر حکم ہے اور روحوں کی عظمت ہے کہاں تک لکھوں مومن کی کوئی حد ہو تو لکھوں۔ اقبال اسی لیے کہتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

Marfat.com

لہٰذا یہ ''نفس کشی'' والا نکتہ تو حل ہوا کہ جس کے غلط استعمال میں ایک دنیا مبتلا تھی۔ آگے چل کر کچھ اور اہم نکتوں پر بحث بھی کریں گے، ان شاء اللہ۔ کہا جا سکتا ہے کہ خالی فلسفیانہ بحث بغیر مثالوں کے ادھوری ہوتی ہے اس لیے آئیے اب قرآنی تعلیم سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں فرمودات ربانی کا معنوی مفہوم:

خواتین سے مخاطب ہو کر: ''تم اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو''

مردوں سے فرمایا: ''تم اپنی نگاہیں نیچی رکھو''

''زنا بہت بری چیز ہے اس کے قریب بھی نہ جانا'' چلیے سب سے پرکشش چیز جنسی کشش پر پابندی لگی اس پر عمل، زندگی بھر کے لیے اصلاح نفس کا درس ہے۔ ''اللہ کو جھوٹے لوگ پسند نہیں وہ جھوٹوں سے نفرت فرماتا ہے''۔ جھوٹ ہمارے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ جب اس پر عمل کریں گے تو معلوم ہوگا کہ کتنی بڑی اصلاح نفس ہے۔ ارشاد باری ہے ''بے حیائی کے کاموں سے بچو''۔ ''اور ہر قسم کے فواحش سے بچو''۔ ''جو اپنے لیے پسند کرتے ہو دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرو''۔ والدین کا احترام کرو جب بوڑھے ہو جائیں تو ان کے سامنے اُف تک نہ کہو''۔ ''پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھو''۔ ''رشتے والے زیادہ قریب ہیں ان کے دکھ سکھ کے ساتھی بنو''۔ ''بیویوں کے حقوق کا پورا خیال رکھو''۔ ''اگر ان سے علیحدگی بھی ہو جائے تو حسن سلوک سے زیادہ سے زیادہ دے کر انھیں رخصت کرو، جو دے چکے ہو واپس نہ لو''۔ ''بیویاں خاوند کے سوا دوسرے کی طرف نگاہ نہ کریں خاوند ان پر حاکم ہیں ان کا ہر شرعی حکم مانیں''۔ ''ہر طبقے ہر رشتے ہر فرد کے حقوق و فرائض کا مکمل خیال رکھیں''۔ ''اپنی ضرورت کے علاوہ سب مال غریب، مسکین، گداگر یعنی مانگنے والے سائل، بیوہ، یتیم، معذور اور ہر طرح کے ضرورت مند پر خرچ کریں''۔ ''اپنے پاس مال بچا بچا کر نہ رکھیں مال کے ڈھیر تمہارے کسی کام نہ آئیں گے''۔ ذخیرہ اندوزی نہ کریں پرندوں سے سبق سیکھیں جو کل کی فکر نہیں کرتے ہر ذی روح کو خدا روز اس کی روزی دیتا ہے تمہیں بھی دے گا''۔ نبی ﷺ کا ہر حکم مانیں، احترام کریں، ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کریں کہ کہیں تمہارے عمل ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو''۔ اب نبی ﷺ کے حکم میں قرآن کا حکم اور بمطابق قرآن حدیث کا حکم شامل ہے۔ چوری چکاری سے پرہیز اور اس کی سخت سزا ہے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھیں روز حشر پر ایمان رکھیں۔ نبی ﷺ کی حقانیت پر ایمان رکھیں۔ فرشتوں پر ایمان رکھیں۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھیں۔ خدا سے بن دیکھے ڈریں یہ وہ اصلاح نفس ہے جو سب سے بڑی چیز ہے۔ بیویوں میں انصاف کریں ورنہ اگر اللہ سے ڈرو تو ایک ہی بیوی رکھو۔ بیٹوں کے ساتھ ساتھ بیٹیوں سے بھی برابر کی محبت و شفقت برتو۔ غلاموں، لونڈیوں یعنی آج کے دور کے نوکر چاکر اور ملازمین چاہے گھریلو ہوں چاہے فیکٹری کارخانے دفتر یا کسی بھی جگہ کے ہوں ان سے اچھا سلوک کرو۔ ان کی اجرت بہتر مقرر کرو اور وقت پر ادا کرو۔ نیز کچھ اپنے پاس سے زیادہ بھی دو۔ ان کی فلاح و بہبود، علاج معالجے خوشیوں اور غموں کی فکر کرو کہ خدا نے یہ تمہارے ذمہ کر دیا ہے۔ اولاد کی اصلاح و تربیت اور

Marfat.com

تعلیم و پرورش کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ نوکروں کے ساتھ اپنے برابر سلوک کرو۔ آقا و غلام قانون و عدل میں برابر ہیں۔ کسی بڑے چھوٹے، عربی عجمی، یعنی ملکی و غیر ملکی، گورے و کالے، سرخ و سفید، خوش شکل و بدصورت، ایک نسل یا دوسری نسل، ذات پات، کام کاج نیز کسی بھی طرح سے ایک انسان کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ سوائے اس میرٹ کے کہ کون زیادہ اللہ کے قرآنی احکام کی پابندی کرتا، اس طرح ایک دوسرے کی عزت و مقام بلند ہوگا۔ سالی سے، بیٹی سے، بہن سے، ماں سے، سوتیلی ماں کی بیٹی سے، سوتیلے باپ کی بیٹی سے، سوتیلی ماں سے، دودھ شریک بہن بھائی سے، گھر میں رہنے والی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔ نوکرانیوں پہ بری نگاہ جائز نہیں ہے۔ بلوغت کی عمر پہ پہنچنے کے بعد ہر اس عورت کا مرد سے پردہ ہے جس سے نکاح جائز ہے۔ ہر طرح کا ظلم و زیادتی حرام ہے۔ اقرباء پروری حرام ہے۔ محض اپنی پسند سے کسی کو ترجیح دینا جبکہ اللہ کے احکام اور قرآنی تعلیم میں وہ بڑھا ہوا ہو حرام ہے۔ بڑوں کا، امام کا، گھر کے سربراہ کا، فیملی کے سربراہ کا، دینی سربراہ، افسران ملکی و قومی، اور حکمران وقت کا احترام اگر وہ قرآن کے احکام کی پابندی کرتے ہوں تو فرض ہے۔ خاوند کا احترام یا جو بھی تمہارا کفیل ہے۔ اس کا احترام ضروری ہے۔ نیت و خیال کی برائی سے بچو کہ بعض خیال بھی گناہ ہیں۔ توکل الٰہی اختیار کرو۔ مجازی سہاروں پہ نہیں بلکہ رب پر بھروسہ کرو۔ آؤ تو سب پر سلامتی بھیجو دعا دو اور جاؤ یا کسی کو بھیجو تو رب کے حوالے کرو۔ ہر کام کا ارادہ کرتے ہوئے ان شاء اللہ کہو اور ایمان رکھو کہ اگر اللہ نہ چاہے تو یہ کام کبھی نہ ہو سکے گا۔ کبھی بھی فخر و غرور اور تکبر نہ کرو۔ ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرو اسے اپنی صلاحیت کوشش، محنت سے منسوب کرنے کی بجائے اللہ کی عطا، اس کی نعمت و رحمت اور فیاضی و رزّاقی سے منسوب کرو۔ اپنے علم، اپنے فن، اپنے ہاتھوں پاؤں پر بھروسہ نہ کرو رب پر بھروسہ کرو یہ سب چیزیں گو کہ وسائل ہیں ہم ان ہی سے کام لیتے ہیں لیکن درحقیقت یہ پردے ہیں اصل کام کرنے والا کام بنانے والا وہ وحدہٗ لاشریک مالک ہے۔ شراب نہ پیو، شباب پر نگاہ نہ کرو، جوا نہ کھیلو، کہانت پر نہ یقین رکھو، مستقبل کا حال جاننے کی کوشش نہ کرو اگر خام ہو کامل نہیں ہو تو بہک جاؤ گے۔ شیطانی طریقوں سے دوسروں پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہ کرو۔ سحر و جادو اور ٹونے ٹوٹکے، تعویذ گنڈے، جنتر منتر تنتر، گرہوں میں پھونکنا اس طرح کے سب کام گو کہ علم ہیں لیکن یہ تمہاری آزمائش ہیں ان سے بچو۔ انھیں اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اپنے فائدے کے لیے کسی کا نقصان قطعاً نہ کرو۔ ملاوٹ نہ کرو۔ کھوٹا مال نہ بیچو۔ مال کے نقص سے خریدار کو آگاہ کرو۔ ہر چیز میں اعتدال اختیار کرو۔ میانہ روی اختیار کرو۔ سخاوت کرو مگر اسراف نہ کرو نہ ہی کنجوسی کرو بلکہ درمیان کی راہ اختیار کرو۔ سب بچوں، دوسروں کے بچوں کسی بھی ملک و قوم، مذہب و ملت کے بچوں سے محبت کرو کہ وہ معصوم ہیں، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کا اور کمزوروں کا اور جو نہ لڑیں، ہتھیار رکھ دیں حالت جنگ میں ان کا بھی احترام کرو انھیں نقصان نہ پہنچاؤ۔ کسی بھی کمزور اور نہتے پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے کرو، اپنے نفس کی خواہشات کے لیے اور چاہتوں کے لیے نہ کرو، سوائے جائز اور ضروریات کے یہ بھی اللہ کے حکم میں رہ کر پوری کرو۔ نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرو

Marfat.com

،رو، گڑگڑا ؤ اللہ سے حاجات مانگو، کسی پیر، فقیر، یوگی، پنڈت، ملا، راہب، ولی، کرامت دکھانے والے، بتوں اور مرادیں عطا کرنے والے سے کچھ نہ مانگو، نہ انھیں کچھ دینے کے قابل سمجھ کر خدا کی خدائی میں شریک کرو۔ ہر ہر طرح کے شرک سے بچو۔ توحید خالص سب سے بڑا خزانہ ہے اسے ہمیشہ دل و جان سے چاہو، اس پر عمل کرو بھروسہ کرو۔ ہر تکلیف میں اللہ پر بھروسہ کرو، صبر کرو، ہر افتاد پر صبر کرو، زندگی کے مسائل پر صبر کرو۔ جہاں تک جائز طریقہ سے ممکن ہو کوشش کرو۔ نتیجہ خدا پر چھوڑ دو اس کے ہر ہر فیصلے پر صبر کرو اسے دل سے مان لو۔ بہت بڑے نقصان ہونگے، جان سے پیارے عزیز، مال و دولت، جائیداد حتیٰ کہ عزت آبرو چھن جائے گی دعائیں بے اثر رہیں گی لیکن ایمان نہ ڈگمگائے، اسے اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کرنا ہوگا۔ اپنی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے قرآن میں موسیٰؑ و خضرؑ کا قصہ پڑھ لو۔ نفس کو منہ زوری سے بچانے کے لیے اس کی عزیز متاع اللہ کی راہ میں خرچ کرو کسی جانور سے زیادہ محبت ہوگئی ہے، اللہ کی راہ میں قربان کردو۔ بیٹا بڑا عزیز ہے جہاد پر بھیج دو، شہید ہو جائے اللہ کا شکر ادا کرو۔ بیوی بڑی عزیز ہے، دیکھو جہاں جہاں اللہ کی راہ میں حائل ہو رہی ہے اس کی پرواہ نہ کرو، خدا کے حکم پر چلو زیادہ پریشان کرے طلاق دے دو۔ اس ایمان پر کہ اللہ اس سے اچھی بیوی دینے پر قادر ہے یہی حکم خاوند کے معاملہ میں ہے۔ کوئی فیکٹری، کارخانہ، کوٹھی، محل، زمین جائیداد، باغ کسی قسم کی متاع حیات جب زیادہ عزیز ہونے لگے یا دل میں غرور کو ابھارے اسے راہ اللہ قربان کردو، غرباء میں تقسیم کردو۔ کسی شخص یا چیز میں کوئی ایسی خوبی نظر آئے کہ وہاں جا کر حاجات مانگی جائیں اسے جڑ سے اکھاڑ دو کہ یہی تو شرک ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے درخت کٹوا دیا تھا۔ اپنی ذات پر ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دیں خود ہمیشہ ناقص شے لیں دوسروں کو بہتر پیش کریں، خود بھوکے رہ کر بھی دوسروں کو کھلائیں، اپنی ضرورت پس پشت ڈال کر دوسروں کی ضروریات پوری کریں۔ کبھی کسی کا دل نہ دکھائیں، سوائے اس کے کہ وہ خلاف قرآن مطالبہ کرے یا عمل کرے۔ نماز پڑھیں، پابندی اختیار کریں، راتوں کو اٹھ اٹھ کر نماز پڑھیں، دھیرے دھیرے طویل قیام و رکوع و سجود کریں۔ نیند قربان کریں ایک حد تک کہ دن کے معاملات بھی چل سکیں اور عبادت کریں۔ ہر کام قرآن کے مطابق کریں اور عبادت بندگی الٰہی سمجھ کر کریں یہی بندگی ہے یہی اصل عبادت ہے نماز تو اقرار ہے، اصل عبادت مصلّے سے اتر کر شروع ہوتی ہے۔ یتیم، بیوہ، کمزور، حاجت مند، لاوارث، محکوم، مظلوم، کمتر، مسافر، دردمند، غم زدہ اور ہر ہر طرح کے حاجت مند کے لیے گولی کی طرح پہنچیے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ مدد کیجیے گو کہ اپنے لیے بچا لینا یا اپنی ضرورت کا خیال کرنا اس کی اجازت ہے۔ لیکن اگر اپنا تن من دھن سب کا سب بھی ان راہوں میں لٹا دیں تو اللہ سے محبت کی کوئی حد نہیں ہے۔ البتہ آپ کے بیوی، بچوں، والدین، رشتہ داروں کا حق آپ پر مقدم ہے ان کے حقوق ان سے چھین کر حاجت مندوں میں تقسیم نہیں کر سکتے لیکن جائز اور ضرورت کی حد تک محدود کر کے تقسیم کر سکتے ہیں۔ رزق حلال اپنی محنت کوشش خون پسینے سے کمائیں۔ ہر ہر طرح کے رزق حرام سے بچیں۔ ہر طرح کی شہوت سے بچیں، مثلاً شہوت جنسی، شہوت دھن، شہوت نظارہ، شہوت سماعت، یعنی بصری و سمعی شہوت، شہوت

Marfat.com

احساس، شہوت شامہ، شہوت ہوس مال وزر، شہوت اقتدار وحکم، شہوت شہرت وتعریف، شہوت خود پرستی، شہوت غرور تکبر، شہوت قوت وجلال وغیرہ وغیرہ اس طرح کی بے شمار شہوات ہیں جو ہمارے نفس کو بڑی عزیز ہیں اور غیر محسوس طریقہ سے ہمارے روز مرہ زندگی میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں۔ ان سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ اب اتنی مثالوں پر اکتفا کریں ورنہ قرآن تو ایک سمندر ہے۔ لکھتے جایئے لکھتے جایئے عُمر بیت جائے اس کی ہدایات، اس کی تعلیمات، اس کے علوم واسرار کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتے نہ عاشقوں اور پیاسوں کی پیاس کبھی بجھتی ہے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اصل اصلاحِ نفس یا نفس کشئی قرآن کتنی مشکل ہے جو ایمان والوں پر جوں جوں ان کا ایمان بڑھتا جاتا ہے آسان ہوتی چلی جاتی ہے نہ ایمان کی بڑھوتری کبھی رکتی ہے نہ اصلاح نفس کا عمل کبھی رکتا ہے ہاں ایک وقت آتا ہے کہ ہمارا نفس لوّامہ اصلاح یافتہ ہو کر نفس مطمئنہ میں تو بدل جاتا ہے لیکن اس انتہائی مقام سے اوپر کی منازل میں نئی دنیا کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے وہاں مومنین میں ایک دوسرے پر راہ اللہ میں سبقت لے جانے والوں کی بات ہے۔ ان سبقت لے جانے والوں کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ اس طرح سے عمل کرتے ہوئے اصلاح نفس کریں تا کہ آپ کے اندر وہ صلاحیت وایمان پیدا ہو جائے کہ آپ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، آپ کی زبان اللہ کی زبان، آپ کا عمل اللہ کا عمل بن جائے پھر ہر چیز بظاہر آپ کے مگر حقیقت میں اللہ کے ہاتھ میں موم ہو جائیگی، مطیع فرمان ہو جائے گی۔ اب ہوائیں، بادل، پانی، سمندر، دریا، چرند، پرند اور دیگر معاملات آپ کے اشاروں پر چلیں گے لیکن اب آپ اپنے اندر موجود نہیں ہوں گے آپ کا نفس شیطان کے نکلتے ہی براہ راست اللہ کے ہاتھ مین چلا جائے گا۔ ایسے تمام مومنین بین الکائناتی، بین النواعی اور بین الحرکاتی نشریاتی رابطوں میں واحد سسٹم میں منسلک ہو جاتے ہیں یہ سب بیک وقت اللہ وحدہٗ لاشریک کے ہاتھ میں ہوتے ہیں یہ اس کے حکم سے بولتے ہیں۔ اس کے حکم سے کام کرتے ہیں اس کی کسوٹی یہ ہے کہ کبھی بھی ایک مومن (فقیر) دوسرے مومن کے الٹ یا اس سے مختلف بات منہ سے نہیں نکالتا۔ ہر ایک کے منہ سے اللہ کا حکم جاری ہوتا ہے اگر ایک نے امریکہ میں کچھ کہہ دیا تو دوسرا پاکستان میں اس کے خلاف نہ بولے گا چاہے آپ اسے صدارت کی پیشکش کر دیں، اگر بول پڑا تو ''بلعم باعور'' کی طرح (کہ جسے موسیٰؑ کے خلاف بولنے کے لیے بار بار کہا گیا اور اس نے موسیٰؑ کے خلاف بددعا کی)۔ فوراً راندہ درگاہ ہو جائے گا۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی پورے ایمان ویقین کے ساتھ توفیق دے۔ آمین، پس یاد رکھیں اصل نفس کشی قرآنی نفس کشی ہے اور یہی اصلاح نفس بھی ہے۔ یہ آغاز مضمون میں بیان کردہ تمام غیر اسلامی نفس کشیوں سے کہیں زیادہ مشکل وکٹھن مگر تعمیری، فلاحی اور قرآنی نفس کشی ہے جسے اصطلاح میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔ اسلام کا دل ایمان ہے اور دھڑکن تہذیب ہے نفس ہے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 38:

عالم محسوسات کی اس دنیا میں سزاؤں اور جزاؤں کا فلسفہ اور اس کی حقیقت کو جاننے کی اپنی سی کوشش

روز حشر پر ہمارا ایمان ہے۔ سزا و جزا کا عقیدہ ایک حقیقت ہے جس کی تمام آسمانی کتابیں تصدیق کرتی ہیں۔ بشمول قرآن مجید لیکن ساتھ ہی ساتھ میں اس دنیا میں سزاؤں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اگلے جہاں کی سزاؤں کا تو ہم صرف اس دنیا میں علم ہی رکھتے ہیں پورے یقین کے ساتھ۔ لیکن اس دنیا کی سزاؤں کو ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ آج زیادہ تر انہی پر بات کرنا مقصود ہے۔ دراصل خوشی غم، سکون بے سکونی، اضطراب، بے چینی، احساس حسن و قبح، احساس نظارہ، احساس سماع، درد تکلیف، اذیت، جدائی، فراق، وصال، جمال، مختلف اور متنوع شہوات محفل، تنہائی، یادیں اچھی یا بری، اچھے برے یادگار واقعات، کسی کی گفتگو، کسی کے کہے ہوئے چند کلمات، چند باتیں، کوئی ایک لفظ، مٹھاس، کڑواہٹ، راحت، آرام، بے آرامی، نیند، بے خوابی، خواب، خواہشات، ادھوری تشنہ یا تکمیل خواہش، اچھا برا وقت، فلمیں، ڈرامے، پروگرام، افسانے، کہانیاں، ناول، لطیفے، ناٹک، مزاح، طنز یا طعنے، عزت بے عزتی بے آبروئی، کسی کی زندگی یا موت، بیماریاں، نفسیاتی مسائل، جنون، پاگل پن اور اس طرح کی بے شمار چیزیں جو ہماری زندگیوں کا حصہ ہوتی ہیں یا ہم دوسروں کی زندگی میں ان کے عمل دخل کو دیکھتے ہیں۔ ان سب کا تعلق ہماری قوت احساس سے ہوتا ہے۔ یہ ہماری محسوسات ہوتی ہیں جو ان میں یہ سب کے سب رنگ بھرتی ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ ہماری محسوسات جو اور جس طرح کا رنگ اس میں بھر دیں وہی حقیقت ہے۔ یہ نہیں کہ ہم جیسا چاہیں اس میں رنگ بھر سکتے ہیں ہاں کسی نہ کسی حد تک صحت مند سوچ اور مثبت فکر اور نفسیاتی اعتدال، اشیاء کے اندر حسن پیدا کرنے اور انہیں ہماری زندگی کے لیے سود مند بنانے میں مدد ضرور کرتے ہیں۔ لیکن ہم کلی طور پر اپنے احساس کو اپنے پسند کے رنگ دینے میں مختار نہیں ہیں۔ جہاں تک نفسیات کا تعلق ہے۔ اسے Possitive thinking میں بدلا تو جا سکتا ہے، لیکن مکمل تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شخص الگ نفسیات کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی زندگی سے متعلق مختلف عوامل مل کر اس کی خاص نفسیات ترتیب دیتے ہیں۔ جینز کا اثر بھی ہوتا ہے اور حالات و واقعات کا بھی اس طرح سے اس کی ایک مخصوص شخصیت ترتیب پاتی ہے اور زندگی بھر پھر بھی اس کے اندر کچھ نہ کچھ تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے چنانچہ بچپن سے بڑھاپے تک یا یوں کہیں کہ مہد سے لحد تک یہ عمل جاری رہتا ہے۔ اس کی شخصیت ہر لحظہ تبدیلی کے عمل سے گزرتی رہتی ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ عمل اتنا slow ہوتا ہے کہ

Marfat.com

ہمیں محسوس نہیں ہوتا لیکن متعلقہ شخص سے زیادہ عرصہ بعد ملنے والے لوگ اس تبدیلی کو محسوس کر لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی درست ہے کہ شخصیت یا نفسیات کے کچھ بنیادی عناصر شروع سے آخر تک وہی رہتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہم یہاں یقیناً نفسیات پر سیر حاصل بحث کرنے نہیں بیٹھے، ہمارے موضوع کے ساتھ جتنا تعلق تھا اس کے مطابق ہم نے وضاحت کر لی ہے۔ وہ اس لیے کہ مختلف لوگوں کے مختلف حالات و واقعات میں محسوس کرنے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایک چیز ایک بندے کو غم دیتی ہے تو وہی چیز دوسرے کو خوشی دے سکتی ہے۔ کوئی ایک صدمے کی بات کو معمولی حیثیت دیتا ہے دوسرا اسے زیادہ محسوس کرتا ہے تو کوئی تیسرا اسے دل کے ساتھ لگا کر زندگی بھر یا لمبے عرصے تک کا روگ بنا لیتا ہے یہی حال خوشی کے معاملہ میں ہے کوئی کسی شے کے حصول سے خوش ہوتا ہے دوسرا اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے تو تیسرا ایسا شخص یا خاتون بھی ہو سکتے ہیں کہ جو اس خوشی میں کھو کر ہی رہ جائیں اسی "حاصل" کو زندگی کا سرمایہ سمجھ لیں اور اس کو پوجا کی حدوں میں شامل کر لیں وہ شے نظروں سے اوجھل ہوئی نہیں اور وہ بے چین و بے قرار ہوئے نہیں۔ پس مختلف لوگ اسی طرح سے زندگی کے مختلف معاملات متضاد یا متفرق رویے رکھتے ہیں۔ ہمارا موضوع عمرانیات بھی نہیں ہے لہٰذا ہم یہاں اتنا جاننے پر اکتفا کرتے ہیں کہ لوگوں کی محسوسات اور رویوں میں فرق ہوتا ہے اور بعض اوقات، بعد المشرقین بھی ہوتا ہے۔

آیئے اب اپنی سزاؤں، جزاؤں کی طرف چلیں۔ چونکہ ان کا تعلق بھی محسوسات سے ہوتا ہے اس لیے ہم جن سزاؤں سے واقف ہیں کہ کسی کو پیٹنا، الٹا لٹکا دینا، قید کر دینا، دیگر اذیت کے طریقے اختیار کرنا، آگ سے جلانا، نا قابل خوردنی اشیاء کھلانا پلانا، کوڑے لگانا، وغیرہ وغیرہ یہ سب وہ سزائیں ہیں بشمول پھانسی چڑھانے کے جو ہمیں کوئی جرم کرنے کی صورت میں دنیوی قانون کے مطابق ملتی ہیں۔ جسے دوسرے بھی دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں اور ان میں مدعی، وکیل یا جج کے توسط سے کمی بیشی ہو سکتی ہے معاف بھی ہو سکتی ہیں گو کہ یہ بھی سزائیں ہیں اور جو خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے ذریعے ہمیں ملتی ہیں وہ بھی سزائیں ہیں جو کہ کبھی بظاہر بے گناہ کو بھی مل جاتی ہیں لیکن بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جس طرح خدا نے بنا ستونوں کے اتنا بڑا آسمان کھڑا کر دیا ہے بغیر کسی ظاہر رابطے کے اتنی بڑی کائنات چلا رہا ہے اسی طرح سے وہ ہمیں بے شمار خوشیاں اور غم اور سزائیں و جزائیں بغیر ظاہری مادی وسیلوں کے دے رہا ہے۔ جن پر ہمارا اختیار نہیں ہے۔ ہمارا کوئی بس نہیں چلتا۔ دوسروں کے لیے بظاہر اس چیز میں کوئی زیادہ دکھ درد کی بات نہیں ہوتی لیکن ہمارا احساس اسے اپنے لیے سزا بنا لیتا ہے دوسرے لفظوں میں خدا اسے ہمارے لیے سزا بنا دیتا ہے۔ اس شے کو اس طرح محسوس کیئے بنا ہمارے پاس چارہ نہیں ہم اس میں عرصہ دراز تک بعض اوقات ساری زندگی جلتے کڑھتے اور شدید اذیت اٹھاتے ہیں لیکن کسی کو کانوں و کان خبر نہیں ہوتی۔ ہمارا جسم سلامت ہوتا ہے، ہمارے عزیز رشتہ دار موجود ہوتے ہیں، ہمارا کاروبار یا سروس جاری ہوتی ہے، ہمارے اردگرد زندگی معمول کے مطابق چل رہی ہوتی ہے۔ ہم بھی اس زندگی کے معمولات نبھا رہے ہوتے ہیں لیکن اندر ہی اندر ہمیں وہ

Marfat.com

احساس کھائے جارہا ہوتا ہے ہم تنہائیوں میں بیٹھ کر خوب روتے ہیں کبھی گھٹ گھٹ کر کبھی اکیلے میں چلا چلا کر لیکن ہمارے پاس نہ تو اس کا کوئی حل ہوتا ہے نہ ہم کسی کو اپنا غم دکھ یا درد سمجھا سکتے ہیں نہ ہی share کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جس پر بیتے وہی جانتا ہے، دوسرا جان ہی نہیں سکتا وہ تو اسے بھلا چنگا سمجھتا ہے۔ اگر وہ چیخ چیخ کر بھی لوگوں کو اپنا دکھ بتانا چاہے تو کوئی اس کے دکھ کو نہ سمجھ سکے گا اور کہے گا یہ پاگل ہے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ جس کی وجہ سے اس نے روگ دل کو لگایا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ جس کی وجہ سے آپ کو وہ روگ لگا ہے وہ بھی اسے سمجھ نہیں سکے گا۔

آیئے اب کچھ ایسے دکھوں، ایسی سزاؤں کی بات کریں، پہلے ایسی تکالیف کی بات کرتے ہیں جنہیں لوگ دیکھ سکتے ہیں اور کسی حد تک سمجھ سکتے ہیں۔ آپ سے اظہار ہمدردی کر سکتے ہیں گو کہ اس کا آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا مثلاً بیماریاں طرح طرح کی موذی بیماریاں کچھ تو وہ جن سے آپ معمول کے مطابق تکلیف اٹھا کر صحت مند ہو جاتے ہیں اور کچھ وہ جو لمبی ہو جاتی ہیں تاہم کچھ ایسی ہیں جو ساری زندگی ساتھ چلتی ہیں اور بالآخر جان لے کر رخصت ہوتی ہیں شاید اگلے جہاں میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ کئی طرح کے بخار اور ٹائیفائیڈ، کئی طرح کی کھانسی اور ٹی بی۔ آج کل ٹی بی کی بڑی اقسام ہیں۔ گردوں کی بیماری بعض اوقات بالآخر جان لیوا بھی ہوتی ہے۔ جگر کی بیماریاں، یرکان، ہیپاٹائٹس B،A اور C اس میں مریض جتنا عرصہ مبتلا رہتا ہے بڑی اذیت اٹھاتا ہے بالآخر کئی لوگ مر جاتے ہیں، آنکھوں، کانوں اور ناک کی بیماریاں۔ جلد کے بے شمار قسم کے امراض جو اذیت ہی اذیت ہیں معدے کی بیماریاں کہ تکلیف کے ساتھ ساتھ ہر چیز کھانے سے پرہیز لذت دہن موقوف، منہ کی بیماریاں، دانتوں کی بیماریاں، دل کی بیماری بعض اوقات تو طول پکڑ کر ہر لمحہ موت کے دھڑکے میں بدلی رہتی ہے۔ جان لیوا ثابت ہوتی ہے اذیت حاصل رہتی ہے۔ شوگر یعنی ذیابیطس خاموش قاتل بندے کو اندر ہی اندر سے باوجود دوائیاں کھانے کے کھوکھلا کر دیتی ہے اور قوت مدافعت ماند پڑ جاتی ہے۔ ایڈز جس میں تمام مدافعاتی نظام درہم برہم ہو کر بالآخر انتہائی اذیت ناک موت سے ہمکنار کرتا ہے۔ مختلف قسم کی رسولیاں خصوصاً دماغ کی رسولی زندگی بھر شدید سر درد کا باعث بنتی ہے آپریشن میں بھی جان جانے کا خطرہ 80% ہوتا ہے۔ مرگی کے دورے کہ چلتے پھرتے آپ گر جاتے ہیں ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے ہیں تشنج سا ہو جاتا ہے سانس تیز ہو جاتی ہے جہاں گریں چوٹیں آتی ہیں، خصوصاً چہرہ تو چوٹیں کھا کھا کر کٹ پھٹ کر بگڑ سا جاتا ہے۔ دوسرے اس کے علاوہ دماغ بھی ٹھیک کام نہیں کرتا۔ ایسا شخص عام طور پر شادی بھی نہیں کر سکتا معمول کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ساری زندگی کا روگ ہے کوئی مکمل علاج ابھی تک موجود نہیں ہے۔ دیگر بے حد پیچیدہ دماغی امراض، اینگزائٹی، بے چینی، نروس سسٹم کی بیماریاں، سوتے میں چلنا اور گرنا چوٹیں کھانا، وہم، وسوسے، جن بھوت دکھنا، چیخنا چلانا نہ دن کو چین نہ رات کو نیند، اذیت ہی اذیت، گلڑ نکل آنا بدصورتی کے عذاب میں مبتلا ہو جانا۔ عورتوں کا گنجا ہو جانا، بدصورت ہو جانا۔ پھیپھڑوں کے امراض، سانس کی بیماریاں، دمہ وغیرہ، پتے کا درد، ریڑھ کی ہڈی کے امراض کہ چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے معذوری، زندگی اور موت

Marfat.com

کے درمیان لٹکے رہنا، اس کی شروعات کمر درد سے ہوتی ہے۔ سوزاک، جریان دیگر جنسی اور آلات تناسل یا اندام نہانی یا رحم کے امراض۔ جنسی ابنارملٹی، زوجین کا ایک دوسرے کو مطمئن نہ کر سکنا اور جیون ساتھی کے سامنے احساس شرمندگی کی اذیت۔ بانجھ پن اولاد کو ساری زندگی ترستے رہنا، طعنے سننا۔ ساری زندگی کی ناقابل بیان اذیت، لنگڑا پن، ٹانگوں سے معذوری، ہاتھوں کی معذوری، اندھا پن، سماعت کا خاتمہ، گونگا پن، ہکلانہ، نکسیر چلتے رہنا مستقل اور زیادہ بطور بیماری کے۔ عورتوں کا لیکوریا، جس سے نسوانی حسن کا ستیاناس ہو جاتا ہے ایسی عورت کی اذیت کا احساس وہ خود ہی کر سکتی ہے۔ کینسر آج کا لاعلاج مرض اور سب سے زیادہ اذیت ناک مرض اس کی بے شمار قسمیں ہیں ہر ہر جسمانی عضو کا کینسر موجود ہے۔ حتیٰ کہ بون کینسر اور خون وجلد کا کینسر بھی موجود ہے اس کا علاج انتہائی تکلیف دہ ہے۔ موت کے انتظار میں پہلے اپنے جسم کو آپریشن کے لیے بار بار ڈاکٹروں سے کٹواتے رہنا اور ہائی اینٹی بائیوٹکس سے بھی ہائی پوٹینسی کی ادویات کہ ان کے کھانے سے منہ کا ذائقہ زہر کی طرح ہو جائے، ہونٹ سوکھے ہوئے، پپڑیاں جمی ہوئی اور ہاضمے کا برا حال، ساتھ ساتھ مرض کا اضافہ سال دو تین پانچ سات سال جب تک جیئے گا انتہائی اذیت اللہ پناہ، اللہ توبہ کسی کو یہ مرض نہ لگے۔ اذیت کا سمندر ہے۔ اس طرح انتہائی اذیت ناک موت اور حسرت زدہ موت کا شکار ہونا اور اس کے علاوہ متعدد اور بے شمار ایسے امراض جن کا ذکر یہاں طویل بیان کی بنا پر نہیں ہو سکتا ایسے ایسے امراض کہ جو ایک دوسرے سے بڑھ کر اذیت ناک ہیں۔ طویل ہیں، فالج جیسے امراض اللہ توبہ سخت اذیت اور سخت محتاجی اور بعض اوقات سال ہا سال تک پڑے رہنا بعض اوقات عزیزوں کا کتے سے برا سلوک کرنا اور بے شمار امراض جن کی اذیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں ایسے سخت ترین امراض جو دنیا میں جہنم ہوتے ہیں بھگت کر اس دنیا سے جاتا ہے اس کی اگلے جہان کی سزاؤں میں کچھ تخفیف ہو جاتی ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔

اب آیئے ایسی اذیتوں کی طرف جنہیں زیادہ تر آپ خود ہی محسوس کرتے ہیں، جلتے ہیں، کڑھتے ہیں، روتے ہیں، چلاتے ہیں لیکن کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ ایسی تکالیف اور اذیتوں کی ان گنت قسمیں ہیں اتنی کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں جتنے انسان ہیں اتنی ہی ان غموں اور اذیتوں کی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کسی کا جوان یا کسی بھی عمر کا بیٹا مر جائے یا مارا جائے یا گم ہو جائے یوں ہی کسی کا بھائی، بیٹی، بہن، ماں باپ کوئی ایسا رشتہ دار یا دوست جسے وہ بڑا چاہتا ہو۔ بیوی یا خاوند، محبوب یا محبوبہ تو ان غموں کو سہنے والوں سے پوچھیے اپنے اپنے محسوسات کے مطابق وہ کس دوزخ نما اذیت سے گزرتے ہیں کچھ تو بے چارے پاگل یا دیوانے ہو جاتے ہیں۔ ان کی تکلیف بے حد و حساب ہے اگر کوئی محسوس کر لے۔ محبوب یا محبوبہ کی بے وفائی اس پر تو شعراء نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اس سے دیوان کے دیوان بھرے پڑے ہیں اور عملاً لوگوں کو آپ نے اس اذیت سے گزرتے یا پاگل ہوتے دیکھا ہوگا۔ کبھی محبوب پاس رہتے ہوئے بھی صدیوں کے فاصلوں پر ہوتا ہے کبھی شادی شدہ جوڑوں کی ان بن زندگی کو جہنم بنائے رکھتی ہے ان میں کئی ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں سے کسی فریق یا دونوں

Marfat.com

کی واقعی کچھ غلطیاں ہوتی ہیں جن کی وہ اصلاح نہیں کر سکتے بلکہ غلطی کو مانتے ہی نہیں، اس کا ادراک ہی نہیں کر سکتے اور کبھی درحقیقت ان کے درمیان وجہ نزاع کوئی خاص معاملہ ہی نہیں ہوتا بس مزاج کی عدم مطابقت نفسیاتی ٹکراؤ، نفسیاتی مسائل گھروں کو جہنم بنائے رکھتے ہیں۔ ویسے تو ہر میاں بیوی میں تھوڑی یا زیادہ محبت ہوتی ہی ہے یا شادی کے بعد دھیرے دھیرے پیدا ہو جاتی ہے لیکن بعض جوڑے ایک دوسرے سے واقعی حقیقت میں محبت کرتے اور ٹوٹ کر ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ جب ان میں محبت کی گہرائی کے باوجود مزاجوں کی عدم مطابقت پیدا ہوتی ہے تو اس جہنم سے بڑی جہنم شاید اور کوئی نہ ہو یہ ایک دوسرے کو چھوڑ بھی نہیں سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتے۔ جدائی کا جہنم الگ عذاب ہوتا ہے اور قربت کا روگ الگ مصیبت بن جاتا ہے اس مسلسل درد کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کئی لوگ ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور خودکشی کر لیتے ہیں یوں اگلے جہان کے لیے بھی مجرم ٹھہرائے جاتے ہیں بغیر جنازے کے انھیں کھڈا کھود کر دفنا دیا جاتا ہے کہ خودکشی ہر مذہب میں حرام اور قانون کی نظر میں جرم ہے۔ نفسیات کی زبان میں پاگل پن ہے، اگر بچ جائے تو ایسے افراد کے لیے جیل یا پاگل خانہ ہوتا ہے۔ اللہ رے تیری دنیا۔ کبھی پاگل خانوں کا دورہ کریں، بڑے بڑے پاگل خانوں میں جائیں ہر پاگل کی الگ داستان ہے، اتنی بھیانک، اتنی انوکھی، اتنی درد بھری کہ آپ سن نہ سکیں، کلیجہ منہ کو آتا ہے جب سنیں ان داستانوں بھری زندگی والے پاگلوں کو۔ بالآخر پاگل خانہ مقدر ہوتا ہے جہاں کسی کو مشقت بھی کرنا ہوتی ہے کسی کو بجلی کے شاک لگائے جا رہے ہوتے ہیں کسی کو باندھ کر رکھا گیا ہوتا ہے کوئی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے ان میں جوان عورتوں کے ساتھ پاگل خانے کے عملے کے ساتھ ملی بھگت کر کے معاشرے کے مخیرّ بدمعاش اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں وہ پاگل تو ہوتی ہی ہیں پھر بھلا ان کی کس نے سننی ہوتی ہے یوں ہر روز اپنی اصل سزا کے ساتھ یہ نئی ''سزائے عمر بھر بے آبروئی'' ان کو اور اذیت دیتی اور پاگل بناتی ہے۔ ایسا زنانہ جیلوں اور نوعمر لڑکوں کے ساتھ مردانہ جیلوں میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں غریب کی کوئی نہیں سنتا اور معمولی جرم میں یا بدقسمتی یا اپنی خطا کی وجہ سے کسی بھی جرم میں ایک مرتبہ جو جیل گیا وہ ان عذابوں سے بھی گزرتا ہے۔ ان پاگلوں کی داستانوں پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ آپ کا جیون ساتھی جو آپ کا محبوب یا محبوبہ بھی ہے وہ کسی اور کا ہو جائے نہ اسے چھوڑ سکیں نہ مار سکیں نہ رقیب سے جان چھڑا سکیں کہ آپ کو آپ کا محبوب عزیز ہے۔ ہر حال میں عزیز ہے اور اسے کوئی اور عزیز ہے یا اس کو باری باری کئی لوگ عزیز ہوتے چلے جاتے ہیں تو آپ کیا کریں گے اس اذیت کو بھی صرف اذیت سہنے والا ہی جانتا ہے یہ بھی انتہائی اذیتوں میں سے ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ جسے چاہتے ہیں وہ آپ کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھے آپ کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہ کرے زندگی بھر ایسی ایسی باتیں آپ سے کہے کہ جس سے آپ کے دل پر چھریاں چلیں آپ لاکھ صفائیاں دیں، منتیں کریں، جتن کریں کوشش کریں لیکن وہ آپ کے دل کو اپنے دانتوں میں چباتا ہی رہے نہ اسے چھوڑ سکیں نہ اس کے ساتھ سکون سے رہ سکیں نہ اس سے دور جا سکیں۔ تنہائیوں میں روئیں، رب تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے بھی عمر گزر جائے لیکن کوئی شنوائی نہ

Marfat.com

ہو کیا ایسے شخص یا خاتون کی اذیت کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ بہار آئے اور گزر جائے۔ پھول کھلیں اور ہر سو خوشبو بکھیر کر رخصت ہو جائیں اس کے اردگرد ہزاروں خوشیاں ناچ رہی ہوں لیکن وہ زبردستی مسکراتا ہو، اس کے اندر کی دنیا تاریک ہو بھلا ایسے شخص کا کوئی درد کیا جان سکے گا یہ دنیا میں جہنم کی ایک قسم ہے۔ کسی کی اولاد نافرمان ہو گستاخ ہو، جنہیں ماں نے نو ماہ مصیبتیں جھیل کر پیٹ میں رکھا پھر شیر خوارگی میں اسے دودھ پلایا اپنی ہڈیاں کھوکھلی کی ہوں اس کے بول و براز اپنے ہاتھوں سے مہینوں سالوں صاف کیے ہوں ساری ساری رات بچے کے ساتھ ان گنت راتیں جاگ کر گزاری ہوں اس کی بیماری سستی میں فکر و فاقے میں رہی ہو۔ اس کے ماں باپ نے خود بھوکا رہ کے کم کھا کے کم پہن کے اپنے جیون کے بہترین دنوں کی ہزاروں خوشیاں بچوں پہ قربان کر کے انھیں پالا ہو باپ نے زندگی بھر کڑی محنت و مشقت کر کے رزق بچوں کی خاطر مہیا کیا ہو بعض مائیں بھی رزق کے لیے دربدر ہوئی ہوں۔ کئی جوانی میں بیوہ یا مطلقہ ہو جانے والی ماؤں نے اپنی جوانی اولاد کے نام کر کے دوسری شادی سوتیلے باپ کے ظلم سے بچنے کے لیے یا باپ نے بیوی کے مرنے پر یا علیحدگی پر سوتیلی ماں کے ظلم سے اولاد کو بچانے کے لیے دوسری شادی نہ کی ہو اور ان صورتوں میں اولاد کو بمشکل پالا پڑھایا لکھایا اور اچھا مستقبل دیا ہو۔ کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ ایسی اولاد جب والدین کی نافرنان ہو جائے اور گستاخ ہو جائے والدین بڑھاپے میں ان کے ظلم کا شکار ہوں یا انھیں گھر سے نکال دیا جائے یا انھیں ڈانٹا پیٹا جائے تو ان کے دل پر کیا گزرتی ہے ان کے باقی کی زندگی کے ماہ و سال کس جہنم میں گزرتے ہیں؟ نہیں اس کا اندازہ سوائے ان کے کوئی نہیں کرسکتا اور ایسی سزا یا امتحان کو کوئی محسوس نہیں کرسکتا جو وہ چپ چاپ اپنی آگ میں جل کر گزارتے ہیں۔ عزیز و اقارب میں ہنستے تنہائیوں میں روتے ہیں ان کی آہیں آسمانوں کو ہلاتی ہیں لیکن دنیا کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ غریبوں، مقہوروں، محتاجوں کی بیٹیاں گھر بیٹھے بوڑھی ہو جاتی ہیں بوجہ جہیز کی عدم دستیابی یا معاشرے میں کم حیثیت کے انھیں کوئی بیاہتا نہیں ان کے والدین یا ان کے اپنے دکھ کو کوئی کیا جانے کہ جو وہ ساری زندگی ساتھ لے کر جیتی ساتھ لے کر مر جاتی ہیں۔ بعض حالتوں میں والدین کی موت کے بعد کوئی بڑا بھائی یا خصوصاً بہن اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو پالتی پوستی ہے ان کے مستقبل سنوارتی ہے جب وہ سب اپنی اپنی دنیا میں شادیوں کے بعد گم ہو جاتے ہیں تو اپنے یا اپنی محسن کو بھول جاتے ہیں اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں بے عزتی کرتے ہیں دھکے دیتے ہیں اس بڑے بہن بھائی نے چونکہ چھوٹوں کی خاطر اپنا گھر بھی نہیں بسایا، شادی بھی نہیں کی ہوتی اس لیے اب وہ بے سہارا دربدر ہو جاتا یا جاتی ہے۔ اس کے غم کو کوئی جان سکتا ہے یہ بھی ایک جہنم کی سی سزا ہے نہ جانے کس جرم کی سزا؟ آپ کسی کو چاہتی ہیں وہ کسی اور کو چاہتا ہے آپ اس کے پیچھے دل سے دیوانی ہیں لیکن وہ کسی اور کا ہے کسی اور سے شادی کر لیتا ہے آپ نے اسے زندگی کے لیے روگ بنا لیا ہے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ ایسا مردوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے ان کے دکھ کے جہنم کو کون جان سکتا ہے زندگی بھر کی سزا۔ وہ کسی اور کی بانہوں میں کھیلتا ہے یا کھیلتی ہے آپ کے دل پہ دودھاری خنجر پل پل چلتا ہے۔ زندگی کے پچاس ساٹھ

Marfat.com

سال کیا یہ سزا کم ہے؟ آپ کا کوئی معذور بچہ ہے بچی ہے جو چار پائی ہی سے نہیں اٹھ سکتا۔ بعض گھروں میں تو ایک سے زیادہ معذور بچے دیکھے گئے ہیں والدین normal بچوں کے جو دکھ اٹھاتے ہیں ان بچوں کا دکھ ان سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے Normal بچے شیر خوارگی کے بعد خود کو سنبھال لیتے ہیں کچھ حد تک پھر لڑکپن میں آ کر کافی حد تک Independent ہو جاتے ہیں اور جوان ہو کر آپ کی ذمہ داری نہیں رہتے۔ لیکن ایسے معذور بچے کیا شیر خوارگی کیا لڑکپن کیا جوانی کیا باقی عمر جب تک والدین زندہ ہیں کہ بڑھاپے کی ایسی منزل میں بھی جسے ضعیفی کہتے ہیں جب والدین اپنے وجود سے بھی عاجز آئے ہوتے ہیں یہ بچے والدین کی ذمہ داری میں رہتے ہیں ایسے والدین کے دکھ، اذیت، مشقت اور جس جہنم سے وہ گزرتے ہیں اسے اللہ ہی جانتا ہے ایک طرف انھیں زندہ رکھنے کے لیے شیر خوارگی والی عمر جیسی خدمات عمر بھر مہیا کرنے کا دکھ اور دوسری طرف معذور اولاد کو بوجہ معذوری دکھ میں حسرت زدہ و مجبور دیکھنے کا دکھ کہ جس کے لیے وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے ان کی اذیت کیسا جہنم و سزا ہے۔ یہ ہم اور آپ کیا جانیں پھر ایسے معذوروں کے اپنے دکھ کو بھلا کوئی کیا جان سکتا ہے لمحہ بہ لمحہ اذیت اپنے دیگر بہن بھائیوں و ہم جولیوں، ہم عمروں کی زندگی کو دیکھنا، زندگی کے بے شمار رنگ ڈھنگ، امنگیں، آرزوئیں، جذبات اور امیدیں جن سے بچے گزرتے ہوئے بڑے ہوتے ہیں پھر جوانی کی ان گنت رعنائیاں، خماریاں اور لن ترانیاں اس چار پائی پر پڑے معذور کے دل میں بھی کیا کیا کچھ خیال نہ گزرتے ہوں گے یہ سب جذبات اس کے اندر بھی موجود ہوں گے لیکن ٹوٹی ہوئی امید ہمیشہ کی حسرت، آنسو، افسوس سب ارمانوں کا خون اس کی زندگی کے خاص اثاثے ہوتے ہیں آپ سوچیے وہ جتنی زندگی جیئے گا اس کی سزا کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے جبکہ جرم بھی معلوم نہیں کیا جہنم نہیں ہے؟ اور پھر مقدر کے عام ظلم کی طرف آیئے غریبوں، مزدوروں، چھوٹے کسانوں، جھونپڑی والوں، ٹھیلے والوں، گداگروں (جو پیشہ ور نہ ہوں) اور وسائل حیات سے محروم دیگر طبقات کو دیکھیے کہ بچپن ہی سے ان لوگوں کے گرد حسرتوں، نا امیدیوں، لاچاریوں خستہ دامنیوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہوتے ہیں ایسے بچے دوسرے کھاتے پیتے گھرانوں کے بچوں کو ان کی زندگی کے رنگ ڈھنگ کو ان کے خورد و نوش ان کے زرق برق کپڑوں کو، کوٹھیوں کاروں کو، تعلیمی اداروں کو اور بڑے ہونے کے بعد کامیاب زندگیوں کو کس حسرت سے دیکھتے ہوں گے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے بچے اگر محنت و ہمت سے کام لیں تو اپنا جیون بدل سکتے ہیں لیکن یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں سوائے سینکڑوں میں سے کسی ایک کے کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ ان کے راستوں میں بے شمار قدرتی اور معاشرتی رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں اس کلاس کو کوئی اوپر نہیں آنے دیتا نہ ہی ان میں سے اکثر کو ترقی کا شعور ہی ہوتا ہے اور نہ ہی حکومت اور سرمایہ داران کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کچھ کرتا ہے اسے تو سستی لیبر درکار ہے وہ تبھی ملے گی کہ یہ محروم و محکوم کلاس اور مجبور تر حالت میں موجود رہے تاکہ اسے دس مزدور ضرورت ہوں، محنت کش ضرورت ہوں تو کام کے خواہش مند ایک ہزار کھڑے ہوں تاکہ اپنی مرضی کی اجرت پر سرمایہ دار انھیں مزدوری دے۔ اصل پرافٹ سرمایہ دار لے جائے اور مزدور کے حصے میں دو وقت کی روٹی اور

Marfat.com

حسرت کے سوا کچھ نہ آئے۔ چنانچہ یہ لوگ دنیا کے کروڑوں اربوں لوگ جس جہنم میں زندگی گزارتے ہیں اسے بھلا کون جان سکتا ہے یہ کیسی سزا ہے کہ جرم اس کا بھی معلوم نہیں؟ جب کوئی غریب کی بات کرتا ہے سرمایہ دار کو ہدف تنقید بناتا ہے تو اسے کمیونسٹ کہہ دیا جاتا ہے یہ کمیونزم کی، مارکس ازم کی بات نہیں ہے یہ تو ایک المیہ ہے جس کا کوئی حل ہونا چاہیے اس کا حل بے شک کمیونزم بھی نہیں ہے کیونکہ سرمائے کی اپنی value ہے اسی کی investment اور گردش سے دنیا کی تعمیر و ترقی جاری ہے اور بغیر اچھے صلے اور کھلی دوڑ کے انسانی فطرت کے مطابق ترقی ممکن نہیں ہے لیکن کوئی توازن تو قائم کیا جا سکتا ہے کم از کم ظلم تو نہ کیا جائے۔ ایک حد مقرر کی جائے کہ جو انسانی معیار حیات کی آخری حد ہو اس سے نیچے کسی فرد کے status کو نہ جانے دیا جائے اور وہ status ایسا ہو جس میں رہتے ہوئے کم از کم بنیادی ضروریات زندگی اچھے معیار کے ساتھ ہر کسی کو حاصل ہوں۔ حسرت و ظلم کا خاتمہ ہو غریب کا بچہ بھی اچھے سکول میں مناسب گھر میں اور بہتر ماحول میں رہ سکے متوازن خوراک و پوشاک استعمال کر سکے اور اس کی عزت نفس نہ صرف بحال رہے بلکہ آگے بڑھنے کے سب دروازے اس پر کھلے ہوں۔ یہ تو صرف چند مثالیں ہیں ایسے ہزاروں لاکھوں، کروڑوں جہنم نئی نئی نہ دکھنے والی مگر زندہ درگور کرنے والی سزاؤں کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ اس دنیا میں بے شمار جنتوں کے ساتھ ان گنت جہنم بھی موجود ہیں جو علم لدنی کے تحت خضرؑ کی قلمرو میں خدائی حکمت سے کام کر رہے ہیں۔

Marfat.com

مضمون نمبر 39:

خواہشوں کے جال

مارکس نے نظریہ پیش کیا کہ دنیا کی حرکت کا منبع سرمایہ ہے یہی تمام تر انقلابات زمانہ کے پیچھے محرک عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سرمایہ تو بہت بعد کی بات ہے۔ اصل منبع حرکتِ زمانہ تو خواہش ہے جس نے آدم کو جنت سے نکلوایا اور ابلیس کو شیطان بنوایا۔ نہ آدم منع شدہ پھل کھانے کی خواہش کرتا، نہ ابلیس آدم سے بہتر ہونے کی خواہش کے زعم میں غرور کرتا۔

اندازہ لگایئے خواہش کی کارفرمائی کہاں تک ہے یعنی شاید الف سے ے تک۔ ہر وقت ہمارے دل و دماغ پر ہزاروں خواہشات کا غلبہ رہتا ہے ہم کچھ کو focus کر کے سوچتے اور پھر کسی ایک پر عمل کے لیے چل پڑتے ہیں کبھی یوں بھی ہوتا ہے اِدھر خیال دل میں آیا اُدھر خواہش پوری کرنے دوڑ پڑے لیکن شاید آپ نے کبھی کم ہی سوچا ہوگا کہ زندگی کی تمام حرکت اور دنیا کا تمام حسن و فتح انہی خواہشات کے دم قدم سے قائم ہے۔ کیسے؟

اِدھر خواہش پیدا ہوئی سیر کریں قدم بڑھایا پھسل گئے ٹانگ ٹوٹ گئی۔ نہیں تو سیر کرتے کسی سُندر ناری سے ملاقات ہوئی آنکھیں چار ہوئیں، آپ بہک گئے یا نتیجہ شادی رہا۔ کوئی راستے میں گہرا دوست بنا کہ زندگی کا سرمایہ ثابت ہوا یا دوستی کے نام پر دھوکا دے گیا یا دوستی رشتہ داری میں بدل گئی۔ یا ابھی چلنے ہی تھے کہ دو بندوں کو لڑتا دیکھ کر چھڑوانے دوڑے اسی دوران آپ کی پسلیاں بھی ٹوٹ گئیں یا زندگی بھر کے لیے اپاہج ہو گئے۔ دیکھئے ایک خواہش کی تکمیل میں ہزاروں امکانات بند پڑے ہیں۔

خوبصورت عورت کی خوبصورتی آپ کے لیے جال بنی اس پر فریفتہ ہو گئے بڑی کوشش سے شادی کر لی۔ آپ کو اس سے محبت ہو گئی لیکن یہ کیا اس کے تو اور بھی یار تھے۔ آپ کے لیے زندگی بھر کا غم بن گیا نہ چھوڑ سکتے ہیں نہ رکھ سکتے ہیں یا خوبصورت عورت بدزبان، بدلحاظ نکلی اس نے آپ کی زندگی جہنم بنا دی آپ تباہ ہو گئے بچے پیدا ہو گئے اب آپ انھیں نہیں چھوڑ سکتے لیجئے آپ برباد ہو گئے۔ آغاز کیا تھا حسن کو بانہوں میں بھرنے کی خواہش۔ خواہش پیدا ہوئی ایک خوبصورت کوٹھی بنوائیں دورانِ تعمیر پانچویں منزل کی چھت کے معائنے کے وقت آپ چھت سے گر گئے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی لیجئے ساری زندگی کے لیے بستر پر پڑ گئے یا ویل چیئر مقدر ٹھہری۔ ازدواجی زندگی کے قابل نہیں رہے بیوی نے کسی اور سے شادی کر لی بچہ بھی ساتھ لے گئی اب آپ تنہائی کا منہ دیکھیں اور سوچیں کہ یہ کیسے ہو گیا کیا یہ ایک خواب ہے۔ شراب و شباب خواہشات کے

Marfat.com

مرکز ٹھہرے خوب پوری ہوئیں بالآخر کئی بیماریوں نے آن گھیرا۔ جگر بیکار ہو گیا پڑے سسکتے ہیں کہ موت آئے لیکن وہ بھی دھیرے دھیرے آتی ہے۔ معدہ بیکار ہو گیا 10 سالوں سے اُبلی چیزیں کھاتے ہیں ہر ذائقے سے پرہیز ہے کہ کہیں السر سرطان نہ بن جائے۔ سگریٹ کے دھوئیں کے بگولوں کو خواہش بنایا لاکھ چاہا چھوڑ دوں لیکن سگریٹ طلبی کی خواہش غالب رہی کینسر ہو گیا۔ اب حسرتوں کا مزار ہیں جو ایک دن آپ کو حقیقی مزار میں جا سونا ہے۔ خواہش کی بیٹا بڑا آدمی بن جائے۔ ساری زندگی اس کے لیے کھپا دی سب سکھ قربان کر دیے۔ بیٹا بڑا آدمی بن گیا ایکسیڈنٹ ہوا مر گیا آپ اب زندہ لاش ہیں یا بیٹے نے بڑا آدمی بن کر آپ کو دھتکار دیا اب آپ فقیر ہیں گلی گلی روٹی مانگتے ہیں بڑھاپے سے کمر دوھری ہے آنسوؤں سے آنکھوں کی بینائی جا رہی ہے ہر ٹھوکر پر اپنی اس اک خواہش کو کوستے ہیں کہ کاش سب کچھ بیٹے کے لیے داؤ پر نہ لگا تا کچھ بڑھاپے کے لیے بچا لیتا۔

خواہش پیدا ہوئی کہ پیسہ بھی ہے، جاگیر بھی ہے، عزت بھی، نوکر چاکر بھی، سب وسائل حیات ہیں چلیں سیاست کی وادی میں داخل ہوں کہ دماغ ادھر خوب چلتا ہے دنیا بھر کی سیاست اور تاریخِ سیاست کھنگال ڈالی بالآخر اپنی سیاسی جماعت بنا لی قسمت مہربان تھی بڑی پذیرائی ملی چند سالوں میں ملک کے وزیرِاعظم بن گئے ساری دنیا غلام، شہنشاہوں سے تعلقات، آنکھ کے اشارے سے ایک دنیا میں ہلچل مچ جائے لیکن بالآخر صرف تھوڑے سے عرصہ میں حکومت کا تختہ الٹا آپ جیل میں، مخالفین نے مقدمہ بنوایا اب آپ پھانسی پر جھول رہے ہیں آپ کی قبر اتنی تنہا ہے کہ اس کے قریب آنے کی بھی کسی کو اس وقت تک اجازت نہیں جب تک آپ کا جسم گل سڑ کر مٹی میں نہ مل جائے یا آپ کی قسمت نے خواہشوں نے آپ کو شہنشاہ بنایا پھر ایک وقت آیا کہ آپ ملک بدر ہیں کوئی ملک آپ کو پناہ نہیں دیتا در بدر ہو کر مر گئے مزار کا پتہ نہیں کہ کہاں ہے۔

خواہشوں کے جال کیا ہیں؟ کیوں ہیں؟ یہ تو محض چند مثالیں ہیں ساری دنیا خواہشوں کے خوبصورت جالوں میں لپٹی ہوئی ہے ہر خواہش کے سامنے ایک جال بچھا ہے ان جالوں میں بے شمار جال شیطان نے اپنی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پھیلا رکھے ہیں بڑے بڑے خوبصورت اور پیچ دار جال بے انداز رنگوں کے دلکش جال، دل کو موہ لینے والے، آنکھوں کو خیرہ کرنے والے جال دنیا کے جال، دنیا داری کے جال پھر غلط مذہب کے لبادے میں بڑے مضبوط جال۔ یقین جانیے 90% لوگ ان جالوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور باقی 10% خدائی جالوں میں لگتے ہیں ان میں اگر 10 درجے فرض کر لیئے جائیں تو ہر ایک فیصد ایک درجے کے جال میں لگتے ہیں پھر دوسرا پھر تیسرا حتیٰ کہ دسواں درجہ آخری درجہ کے اللہ کے عاشقوں کا ہے۔ یقیناً آپ سوچیں گے شیطان کے جال تو بے حد و شمار ہیں اور سمجھ بھی آسکتی ہے کہ وہ کیا اور کیسے جال ہو سکتے ہیں لیکن یہ رحمانی جال کیا ہیں؟ آیئے ان پر بات کریں۔ رحمانی جال اس کام میں کود پڑنے کو کہیں گے جس میں آپ اپنا نقصان محض اللہ کا حکم بجالانے کے لیے کر لیتے ہیں مثلاً کسی غریب کی اتنی مدد کرنا کہ خود کو خطرے میں ڈال لینا۔ کسی کے لیے اپنا تن من دھن

Marfat.com

داؤ پر لگا دینا۔ اپنا کاروباری یا سرمائے کا نقصان کر کے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود بیمار رہ کر دوسروں کا علاج کروانا، خود غم اٹھا کر دوسروں کے غم دور کرنا۔ اپنا مستقبل تباہ کر کے کسی کا مستقبل سنوارنا۔ اپنی عزت گنوا کر کسی اور کی عزت بنائے رکھنا، کسی کی خوشی کے لیے اپنے پیار کی قربانی دینا، لوگوں سے غم لے کر انھیں خوشیاں بانٹنا، جو ٹھوکریں ماریں ان کے پاؤں کے نیچے ہاتھ رکھنا، جو آپ کی کھال کھینچ لیں ان کی حفاظت کرنا، ان کی سلامتی کے لیے کوشاں رہنا۔ حق کی خاطر مار کھانا، اذیت اٹھانا، سولی چڑھ جانا، انسان اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے خود کو وقف کر دینا۔ اس کی بھی بے حد و شمار مثالیں ہیں یہ خدائی جال ہیں ان میں ہم اپنے نفس کی خواہش کی وجہ سے نہیں پھنستے نفس تو ہمیں ان کاموں سے دور بھگاتا ہے بلکہ ان میں ہم اللہ سے محبت کی وجہ سے اس کے حکم کی وجہ سے اس سے عشق کی وجہ سے جان بوجھ کر پھنستے ہیں، اس کا فضل سمیٹتے ہیں۔

اگر لمحہ لمحہ شیطانی جال اس خوبصورت دنیا کی وجہ سے ہماری حسوں پر جادو کرتے ہیں تو ہر ساعت رحمانی جال بھی ہمیں اپنی سمت بلاتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے جال ہمیں شکار کر لیتے ہیں۔ شیطانی جال غیر محسوس اور ان گنت طریقہ سے ہمیں شکار کرتے ہیں تاہم رحمانی جالوں میں ہم خود جان بوجھ کر پھنستے ہیں آخری دم تک ہمارا نفس رحمانی جال سے بچنے کے لیے ہمارے اندر چیخیں مارتا ہے کہ مجھے رحمانی جالوں سے تکلیف ہوتی ہے مجھے ان سے دور لے جاؤ اور شیطانی مزے مجھے بڑے مرغوب ہیں وہ میرے قریب لاؤ لیکن اللہ کا بندہ نفس کو ان جالوں میں پھنسا کر خود کو سرخرو کر لیتا ہے۔

دنیا میں ہر ہر قدم پر جال ہی جال ہیں۔ ہر نوالہ، ہر حرکت، ہر سوچ و خیال، ہر ہر کام ایک یا دوسری طرح کا جال ہے اور یہ سب جال خواہشوں کی حکمرانی میں کام کرتے ہیں۔ آپ جیسا کریں گے ایسا پائیں گے۔ اگر آپ نے دنیا میں ترقی کے لیے دن رات محنت کی ہے تو ان شاء اللہ وہ ضرور آپ کے قدم چومے گی لیکن اگر آخرت کے لیے کام کیا ہے تو آخرت حاصل ہوگی۔ اگر دین و دنیا دونوں کے لیے کوشاں ہیں تو دونوں میں کامیاب و سرخرو ہوں گے۔

نوٹ: شیطانی جالوں اور رحمانی جالوں دونوں میں کامیابی کے لیے صرف اور صرف قرآن کو خوب خوب غور و فکر، تدبر و تفکر اور شوق و عشق سے پڑھیئے سمجھئے اور عمل کیجئے اس کے علاوہ اور کوئی key نہیں ہے۔ خود عربی سیکھ کر سمجھیں بڑا ضروری ہے، کہیں طرح طرح کے ترجموں سے آپ کنفیوز نہ ہو جائیں، میں نے جو اوپر مثالیں دی ہیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جائیں کہ اگر میں نے کسی خواہش پر عمل کے لیے کوئی قدم بڑھایا تو کہیں ایسا نہ ہو جائے ویسا نہ ہو جائے۔ نہیں بلکہ قرآن اور صرف قرآن کی رہنمائی میں زندگی گزاریں، انتہائی Positive and Balanced Life اور مثبت طور پر پوری کوشش کر کے باقی نتائج خدا پر چھوڑ دیں یقیناً یہ بے شمار جال آپ کی ہر کسی کی زندگیوں کو بے انتہا متاثر کریں گے۔ نفع و نقصان، خوشی و غم، تباہی و سرفرازی اور کبھی دکھ ہی دکھ، غم کے دریا دے جائیں گے کبھی خوشیوں کے انبار لگا

Marfat.com

دیں گے۔خدا نے ہماری زندگی گزارنے کے لیے بہترین اصول وقواعد مقرر کیے ہیں قرآن پاک میں لیکن قسمت ومقدر کسی قانون قاعدہ کا پابند نہیں ہے اس کی اپنی دنیا اور اپنے نرالے کام ہیں۔اس لیے آپ کے پاس ان جالوں کا علاج اتنا ہی ہے کہ آپ کو قرآن کا مفہوم از بر ہو جب جب جو جو مواقع آئے آپ اپنی زندگی میں قرآن کی رہنمائی میں چلیں باقی زندگی آپ کو کن حالات سے گزارتی ہے اس کے لیے صبر کریں چاہے تو خوشیوں میں نہائے رہیں چاہے خوشیوں سے نا آشنا غموں میں چُور رہیں۔اپنی پوری جائز کوشش کے بعد نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں۔ہم بڑی حد تک اپنے ارادہ وکام کا اختیار رکھتے ہیں اسی سے دنیا چل رہی ہے لیکن ایک پوشیدہ ہاتھ بھی ہماری زندگیوں میں بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ہمیں ان جالوں میں پھنس کر ہنستے ہوئے یا روتے ہوئے زندگی گزارنی ہے کیوں کہ ''ہم بڑے قادر ہیں اپنے جالوں کے قید خانوں کے اندر''۔(عنکبوت) مکڑی کا جالا اس کی دنیا ہے جس میں وہ دوڑتی پھرتی ہے بڑی مختار ہے لیکن درحقیقت اپنے جالے کی قیدی ہے کہ اس جال سے باہر وہ بھی محفوظ نہیں۔

ہمارا معلومہ علم انتہائی محدود اور ناقص ہے، ابھی دین ودنیا میں اور خدا کی خدائی میں بہت کچھ معلوم کرنے کے قابل ہے۔ابھی تو ہم ایک اندھے کنویں میں ہیں جس کے باہر بے حد وشمار علم وآگہی ہماری منتظر ہے اور کنویں کی منڈیر پر جس ،فزیکل لاء، توارث، مُلّا، پنڈت، اور روایات ورواج لٹھ لیے پہرہ دے رہے ہیں کہ کوئی باہر نہ نکلے۔لیکن ہمیں یہ تمام رکاوٹیں توڑ کر بالآخر باہر نکلنا ہے اور اس محیّر العقول کائنات نیز دیگر حسوں سے متعلق دنیاؤں اور کائناتوں کو تسخیر کرنا ہے فتح کرنا ہے۔ہمیں ان تمام جالوں اور چالوں کا مقابلہ نسل در نسل کرنا ہے ہمیں کسی بھی صورت بفضل خدا ہار نہیں ماننا ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 40:

فطرت اور جبلّت کی اَن دیکھی زبردست طاقت

مختلف نقاطِ حیات وممات اور کائنات پر غور وفکر کی عادت کی بنا پر آج ذہن فطرت وجبلت کی عجیب وغریب حرکات کی طرف مائل ہوا، میں نے محسوس کیا کہ جس بات پر سب سے زیادہ ہماری فطرت و جبلت زور دیتی ہے وہ بقائے حیات ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی قسم کا جاندار زندہ رہنے کے لیے ہر ہر طرح کے جتن کرتا ہے اور اسی طرح سے موت سے بھاگنے کے بھی جہاں تک بس چلے ہزار جتن کرتا ہے۔ پہلے جائز طرح سے کوشش کرتا ہے اگر جائز کوششیں کامیاب نہ ہوں یا مواقع موجود نہ ہوں تو جائز کو پھلانگ کر ہر ہر طرح کی ناجائز کوشش سے اپنی بقاء کو یقینی بناتا ہے۔ یعنی اپنی بھوک مٹانے کے لیے اور ماحول کی ستم ظریفی سے یا شدت سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر ہر طرح کی کوشش نہ صرف کرتا ہے بلکہ اپنے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے اپنی اپنی عقل وخرد کے مطابق پوری سعی خالص اختیار کرتا ہے۔ ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد جب وہ بلوغت کو پہنچتا ہے تو یہاں پر بھی ایک مرتبہ پھر وہی بقائے حیات والے اصول بقائے نسل کے لیے بھی فطری طور پر دہرائے جاتے ہیں یعنی ہر ہر جائز ناجائز طریقہ سے صنف مخالف سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے گویا کہ یہی زندگی کا مقصد اولین ہے۔ اس ضمن میں انسان وحیوان میں کوئی خاص تمیز نہیں ہے۔ اگر آپ عام پالتو جانوروں کی زندگی پر غور کریں تو جب ان کے ملاپ کا وقت آتا ہے نر و مادہ دونوں اور خصوصاً نر اس لگن میں اندھے ہوئے ہوتے ہیں حتیٰ کہ انھیں اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں رہتی، میں نے اکثر بکروں، بھینسوں، بیلوں اونٹوں وغیرہ کو ڈنڈوں کی پرواہ نہ کرتے دیکھا ہے وہ بری طرح پٹ کر بھی اپنے جنسی مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ کتوں کو بری طرح پتھر کھا کر بھی اسی لمحہ پلٹ کر اپنی مادہ کی طرف رجوع کرتے دیکھا ہے۔ گدھوں کی مثال دوں تو میں نے گدھوں وگھوڑوں کو بڑی بڑی دیر تک اپنی مادہ کا پیچھا کرتے اور مسلسل منہ پر دولتیاں کھاتے دیکھا ہے۔ یہی حال سب چرند، پرند، درند اور حشرات الارض کا ہے کہ وہ اس جذبے کے لیے خطرناک حد تک اندھے ہوتے ہیں۔ اب حضرت انسان کی بات کریں تو کون نہیں جانتا کہ انسان کو جنت سے نکلوانے والا جذبہ محرکہ ہی جنسی تسکین تھا۔ پہلے زندگی کی بقاء کے لیے بھوک مٹانا اور دیگر ماحولیاتی موافقت پیدا کرنا۔ اِدھر سے اطمینان حاصل کر کے ہی جنسی تسکین کی طرف مائل ہو جانا۔ مختلف خطۂ زمین اور مذہبی واخلاقی رواج وروایت کے مطابق مرد وعورت کے جوڑے تو ان کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی بنائے جاتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی لاکھوں، کروڑوں مرد و زن جنسی تعلق قائم کرتے اور نبھاتے ہیں بلکہ نئے نئے تعلق قائم کیئے جاتے ہیں۔ ایک ایک مرد کے کئی کئی عورتوں کے ساتھ اور ایک ایک عورت کے کئی کئی مردوں کے ساتھ تعلقات ریکارڈ کیئے گئے ہیں۔ ان تعلقات کی وسعت فریقین کی جسمانی وجنسی قوت ومزاج اور معاشی خوشحالی پر محیط ہوتی ہے

Marfat.com

لیکن جہاں تک کسی کا بس چلتا ہے اور وہ خود کو فطرت کے سپرد کرتا ہے تو لمحہ بھر کی دیر نہیں کی جاتی۔ انسانوں میں بھی خود کو انتہائی خطرہ میں ڈال کر یہ تعلقات نبھاتے اکثر دیکھا گیا ہے بلکہ ہر سال دنیا میں بے شمار قتل اسی رغبت جنسی کی بنا پر حاسدین یا ورثاء کی جانب سے کیے جاتے ہیں تاہم مرد و زن اس جذبہ محرکہ کے ہاتھ میں موم کی گڑیا کی طرح کھیلتے اور مرتے مارتے رہتے ہیں لیکن پیچھے نہیں ہٹتے، مذہب و فلسفہ اور اخلاقیات نے اس ضمن میں کئی قسم کی پابندیاں لگا رکھی ہیں انھیں اکثریت بظاہر ملحوظ بھی رکھتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ underground صورت حال یکسر مختلف ہے اور کئی حیلوں، بہانوں سے ایک سے زیادہ مرد و خواتین ایک دوسرے سے ہر لمحہ تعلقات قائم کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں حتیٰ کہ مختلف وجوہات کی بنا پر جب جنس مخالف میسر نہیں آتی تو ہم جنس پرستی شروع ہو جاتی ہے اس طرح بھکی ہوئی سمت میں جنسی تسکین کی جاتی ہے۔ مُشت زنی کی جاتی ہے، مصنوعی طریقوں سے مرد و زن جنسی تسکین کرتے ہیں ان کے اندر فطرت نے جو امانتِ حیات ڈال رکھی ہے اسے بار بار ہمہ وقت جسم سے الگ کرتے رہتے ہیں یہ الگ بات کہ امانت صحیح مقام یعنی رحم مادر میں پہنچ پاتی ہے یا ضائع چلی جاتی ہے۔ لیکن فطری جذبہ اندھا دھند اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ جبلت مسلسل ایسا کرواتی ہے اور جب تک ذی روح ایسا کر نہ لے اسے چین نہیں آتا، سکون نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ نیند نہیں آتی۔ میں نے جب فطرت کے اس اولین جذبہ پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ مذہب و اخلاق نے اچھی معاشرت کے لیے گو کہ کچھ حدود و قیود کم از کم انسانوں میں لاگو تو کر رکھی ہیں لیکن فطرت بہر حال یہ چاہتی ہے کہ زندگی جب تک حکم ربی ہے ہر ہر حالت میں قائم رہے حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی اس جذبے کو فطرت اپنے فرض سے رخصت عطا نہیں کرتی۔

ماں کا جذبہ ممتا اور باپ کی پدرانہ شفقت و محبت:

ماں کا جذبہ ممتا اور باپ کی پدرانہ شفقت و محبت کیا ہے؟ اولاد کو زندہ رکھنا، پال پوس کر جوان کرنا، بہتر مستقبل دینا کس لیے؟ اس لیے کہ فطرت زندگی چاہتی ہے بقاء حیات چاہتی ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں میں بھی اپنے بچوں کے لیے ان کی بقائے حیات کے لیے اپنی جان لڑا دینے کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔ تو گویا ثابت ہوا کہ بقائے حیات سب سے ضروری فطری جذبہ ہے اسے کبھی بھی کسی بھی صورت روکا نہیں جا سکتا۔ اسی لیے مذہب نے بھی ہمیشہ شادی کو فرض قرار دیا ہے اور family planning یا تخفیف تعدادِ بچگان کی مخالفت کی ہے۔ میرا آج کا topic فطرت و جبلت کو یہیں تک محدود رکھنے سے متعلق تھا۔ گو کہ فطرت و جبلت زندگی کے بے شمار معاملات کا احاطہ کرتے ہیں لیکن میرا مقصد ان وسعتوں میں کھو جانا نہیں ہے صرف اسی ایک نقطہ کو بیان کرنا مقصود تھا۔

بعد از بقائے حیات:

اب جب زندگی اس قدر سخت قدرت کے اصولوں پر عمل درآمد کے بعد قائم و دائم کر دی گئی تو یقیناً اس کا کوئی مقصد

Marfat.com

بھی ہوگا۔ ہاں اس کا مقصد ہے، تسخیر کائنات، فطرت کے گہرے رازوں کو معلوم کرنا علم کے سمندر سے موتی نکالنا، نامعلوم کو معلوم کرنا، ان دیکھی دنیاؤں کی جانب سفر کرنا اور مسلسل آگے بڑھتے چلے جانا۔ اندھی تقلید کو چھوڑ کر نئی دنیائیں اور امکانات تلاش کرنا۔ جس نے زندہ رہ کر اس دوڑ میں حصہ نہ لیا اس نے زندگی کو گویا ضائع کر دیا۔

ایک ہی نر و مادہ کی مشترکہ نسل پر اکتفا کی بجائے جوڑیاں بدلاتے رہنے سے جینز کے کراس ہونے کی رفتار بڑھ جائے گی اور نتائج شاندار مل سکتے ہیں:

ایک ہی نر و مادہ کی مشترکہ نسل پر اکتفاء کی بجائے چاہیے کہ جب وہ اپنے بچوں کو جوان کر لیں اُن کے حالات تقاضہ کریں وہ مزید اکٹھا نہ رہ سکیں اور ممکن ہو سکے تو پھر دیگر کسی نر یا مادہ کے ساتھ جوڑی بنائیں یوں زیادہ سے زیادہ جینز کے کراس ہونے سے بہتر انسانی نسلیں سامنے آئیں گی اور جو ترقی لاکھوں سالوں میں ہونا ممکن ہوگی وہ محض دہائیوں یا سینکڑوں سالوں میں ممکن ہو سکے گی۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ موجودہ خاندانی قدرتی نظام اور اس کے تقدس کو پامال کیا جائے لیکن جہاں جوڑیاں کوشش کے باوجود بے اتفاقی کی وجہ سے قائم نہ رہ سکیں تو وہاں زندگی جہنم بنانے کی بجائے انھیں تبدیل کر کے نئی جوڑی تو بنائی جا سکتی ہے۔ میرا مقصد والدین اور اولاد کے جذبات پر بلڈوزر چلانا نہیں ہے صرف یہ نکتہ بیان کرنا ہے کہ جہاں حالات اجازت دیں اور تقاضا کریں وہاں نئی جوڑیاں نکاح کے بندھن میں بندھ کر آگے بڑھیں تاکہ کم از کم اس قدرتی طریقہ سے جینز کے کراس ہونے میں مدد مل سکے۔

فطرت کیا کیا کھیل، کھیل رہی ہے:

گو کہ مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے اچھی معاشرت کے یہ چیز خلاف ہے کہ عورت اپنے خاوند کے سوا کسی دیگر مرد کی اولاد بھی پیدا کرے لیکن اس قسم کے بچے ہر ہر معاشرے میں کثرت سے موجود ہوتے ہیں، جن کے متعلق کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اپنے قانونی باپ کی اولاد نہیں ہیں لیکن ازل سے ایسا ہوتا آیا ہے اور ہو رہا ہے یہ ایک بہت بڑا راز ہے اور ایسے بچے راز میں رہتے ہوئے انسانی شعور کی ترقی میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں جو کوئی نہیں جانتا۔ میں اس قسم کی practice کو جائز قرار نہیں دے رہا نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہوں چونکہ اس پر عمل درآمد سے معاشرے میں ابتری اور امن و امان کے مسائل اور معاشرتی مسائل جنم لیں گے اور مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن اگر اس قسم کی practice کو قانونی شکل دی جائے اور ایک سے زیادہ نکاح عمل میں لائے جائیں جو کہ اسلام میں جائز ہیں مردوں کے لیے تاہم خواتین بھی (اگر انہیں اتفاقاً طلاق ہو جائے) طلاق کے بعد دیگر شخص سے دیگر بچے پیدا کرنے کے لیے شادیاں کریں تو اسے اخلاقی و مذہبی جواز حاصل ہو جائے گا۔ یقین جانیے کہ قدرت ایسے بہت سے کام کر رہی ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہیں، ہم نے کبھی غور نہیں کیا۔ کسی کی طلاقیں کروا کر دیگر لوگوں کے ساتھ نکاح کرواتی ہے کسی کے جوڑے کو موت کی وادی میں اتار کر دیگر نکاح کرواتی، کہیں شہوتیں

Marfat.com

یوں ابھرتی ہیں کہ کسی کو کانوں وکان خبر نہیں ہوتی اور پرائی اولادیں اوروں کے گھروں میں پل رہی ہوتی ہیں۔فطرت اپنا کھیل کھیل رہی ہے۔ ہمارا کام ہے کہ اس معاملہ میں بھی اور اس طرح کے بے شمار معاملات میں فطرت پر غور کریں وہ کیا چاہتی ہے اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی بجائے نئے قانون قاعدے، روایات ورواجات اور قدروں کو جنم دیں۔یعنی بعض اوقات اور آج کل کے معاشرے میں زیادہ تر میاں بیوی میں ازدواجی زندگی جہنم بنی رہتی ہے اکٹھے رہنے کی کوششیں بار آور نہ ہوں تو زندگی کو جہنم نہ بنائیں طلاق دے یا لے کر ساتھی بدل لیں ایسے میں قدرت اور فطرت کی یہی منشا ہوتی ہے۔

اگر آپ مذہب پر غور کریں اس کی گہرائی میں اتریں تو اس کے اندر اس قسم کے امکانات واصولی نقطے موجود ہیں ان کی تشریح کی ضرورت ہے ان کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ انبیاء کی سنت پر عمل کر کے ان کے طریق پر نئی اصلاحات متعارف کروانے کی ضرورت ہے reforms۔ بنیادی اصول تو وہی رہیں گے۔اللہ کی قائم کردہ حدود و قیود کو تو نہیں توڑا جا سکتا لیکن ان اصولوں کو بنیادی نقطوں کو، محور بنا کر بڑھایا، پھیلایا اور نئی اصلاحات کے لیے یقیناً استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوچیں اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دے دی جائیں تو وہ کسی دیگر مرد سے شادی کے بعد ہی سابقہ شوہر سے دوبارہ بعد از طلاق شادی کر سکتی ہے، یہ کس طرف اشارہ ہے؟ پھر مُتعہ اور مُدّتی نکاح کس طرف اشارہ کرتے ہیں؟ مرد یا خواتین جب دوسرے علاقوں یا ملکوں میں جاتے ہیں تو وہاں مُتعہ یا مُدّتی نکاح جینز کے تبادلے اور ٹرانسفر کا کام کرتے ہیں جبکہ ہمارے علماء کے پاس سوائے فتووں کے اور علم کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ بجائے اسلامی تاریخ سے ایسے نکات نکال کر ان پر پریکٹس کرنے کے ہم نے ان پر پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ یہ زنا نہیں ہے بلکہ زنا کی روک تھام کا ایک قانونی طریقہ ہے۔آج دنیا بھر کے ہر ہر ملک وقوم میں زنا عام ہے کہیں ظاہراً قانونی اجازت کے ساتھ اور کہیں قانوناً ممانعت ہونے کے باوجود در پردہ یہ بیماری عام ہے۔ یہ گناہ عظیم ہے اس سے پیدا ہونے والے بچوں کا کوئی والی وارث نہیں یا یورپ میں اب حکومتیں وارث ہیں لیکن اگر آپ کچھ ماہ وسال کے لئے بوجہ ملازمت یا دیگر مجبوری کے کہیں گھر سے دور بیوی سے دور چلے گئے ہیں اور وہاں آپ نے نکاح کر لیا ہے تو کیا حرج ہے چاہیئے کہ اسے ساری زندگی نبھائیں تاکہ بچوں کو والدین کی محبت وسرپرستی حاصل ہو سکے تاہم اگر ممکن نہ ہو تو مجبوراً اک عرصہ کے بعد طلاق کی صورت میں بچے باپ کی ذمہ داری تو بنیں گے لاوارث نہ ہوں گے تاہم گھنٹہ بھر یا چند دن کی لذت کے حصول کے لیے نکاح جائز نہیں یہ زنا ہی کے زمرے میں آئے گا۔اللہ تعالیٰ نے مستی نکالنے کے لیے نہیں بلکہ سکون کے لیے، حصول اولاد کے لیے اور میاں بیوی کے معاشرتی تعلقات کے لیے نکاح کا حکم دیا ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 41:

پراسرار علوم اور اپنی بے چینی و لاعلمی پر اک نظر

جوں جوں گھڑی کی ٹک ٹک اور دل کی دھم دھم نیز سورج کا طلوع وغروب میری زندگی کے سفر کو تیزی سے سمیٹ رہا ہے میرے اندر زندگی کے فضول ضائع ہو جانے کا احساس اور اندر کی بے چینی بڑھتی جا رہی ہے یہ بھی احساس ہے کہ تخریبی بائیوٹیک قوتیں مجھے دوسرے جانداروں کی طرح اندر ہی اندر سے کھائے جا رہی ہیں۔ جانے کب اور کس لمحے یہ مجھے کام کرنے سے روک دیں۔ میرا جسم و ذہن و نظر جواب دے جائیں اور بیماریاں یا حادثات آ موجود ہوں۔ میں اس وقت سے پہلے پہلے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن جہالت کے اندھے کنویں سے کیوں کر نکلوں کہ جس میں انسانیت پڑی سسک رہی ہے، کچھ سمجھ نہیں آتا۔ زندگی کے حالات و واقعات جذبات اور وقت کو الجھائے رکھتے ہیں یہ تہہ در تہہ جال کہیں نکلنے نہیں دیتے تاہم کوشش فرض ہے جو ہوش وحواس کے قائم رہنے تک ان شاء اللہ کروں گا۔

الفاظ واعداد کی پراسرار طاقتیں:

آیئے اب کچھ کام کی بات کریں۔ کائنات کے اندر جس طرح بے شمار ان دیکھی قوتیں خفیہ طور پر کام کر رہی ہیں اور علوم کے سمندر مستور اور تہہ در تہہ ہیں۔ اسی طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ الفاظ واعداد کی پراسرار طاقتیں بھی اپنے اندر بڑا کچھ مخفی کیے ہوئے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ اور اعداد بھی وحی الٰہی ہی کے ذریعے اترے ہیں۔ انھیں محض ایجاد یا دریافت نہیں کر لیا گیا۔ کیا یہ عجب نہیں ہے کہ تمام آسمانی کتب جب اپنے اصل الفاظ و زبان کی درست ترتیب میں اتریں تو ان کے ظاہری معانی و مفہوم تو اپنے اندر اعلیٰ اخلاق و معاشرتی اور روحانی تعلیمات و اقدار لیے ہوئے تھے ہی کہ جن کی بنیاد پر حق و باطل کا علم ہمیں ملتا ہے اور ہدایت و گمراہی کے راستے نہ صرف سمجھ آتے ہیں بلکہ روز حشر اور اس دنیا میں بھی ان پر عمل کر کے جزاء وسزا قائم ہوتے ہیں اور ہوں گے، لیکن اس کے علاوہ ان الفاظ الہامی کی زبردست ترتیب اور الفاظ و جملوں کی خاص نشست ان کے اندر نہایت پراسرار اثرات سموئے ہوئے ہے گو کہ یہ اپنے تقدس کی بنا پر روحانی اثرات رکھتے ہیں۔ لیکن خدا کا کوئی کام بھی کسی قانون قاعدے اور حسن توازن کے بغیر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان الہامی کلمات کا ورد و تحریر نہایت زبردست اثرات دکھاتا ہے اور روحانی دنیاؤں کے در کھول دیتا ہے۔ ایک طرف الفاظ ہیں اور دوسری طرف ان کی عددی طاقتیں بھی ہیں یہ بے شک ایک زبردست طاقت اور علیم وخبیر ہستیؑ واحد ولاشریک کا باندھا ہوا حساب و انداز ہے۔ اسی لیے علامہ عنایت اللہ المشرقیؒ خدا تعالیٰ کو نہایت ہی زبردست حساب دان قرار دیتے ہیں چونکہ علامہ مشرقیؒ خود ایک نہایت جینیئس حساب دان تھے اور انہوں نے کائنات پر ریاضی کے قوانین کے تحت غور کیا تو وہ حیران رہ گئے یہ الگ بات کہ قدرت کے رازوں سے پردہ ہٹنے کا وقت

Marfat.com

ابھی نہ آیا تھا جس کی بنا پر علامہ مشرقی ؒ کائنات کا ریاضیاتی تجزیہ وتحقیق کرتے کرتے سیاست و مذہب کی دنیا میں کھو کر اپنے اصل ہدف سے ہٹ گئے۔ حروف ابجد، الف، ب، پ وغیرہ بے شمار زبانوں کی جڑ ہیں یہ اردو، فارسی، عربی کے علاوہ اور بھی بہت سی زبانوں میں مستعمل ہیں پھر اگر انہوں نے ان الفاظ تہجی کو تبدیل کر دیا ہے تو ان کی آوازوں کو تو تبدیل نہیں کر سکتے۔ آپ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں کو اردو میں لکھ سکتے ہیں، چاہے معنی ان کے اپنی ہی زبانوں کے حساب سے متعین ہوں گے لیکن ان کی آوازوں کی ادائیگی ہماری زبان میں ممکن ہے۔ اسی طرح دیگر زبانوں میں بھی ان آوازوں کی ادائیگی کافی حد تک ممکن ہے جن میں عربی بھی شامل ہے۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ الف سے ے تک مختلف حروف کو بے شمار ترتیبوں سے جوڑا اور توڑا جا سکتا ہے۔ زبان بندی کرنے والوں نے اسی جوڑ توڑ سے بے شمار زبانیں مع معنی وادائیگی تلفظ ترتیب دی ہیں یہ ایک نہایت زبردست علم ہے کہ جس پر گو کہ بہت زیادہ کام ہو چکا ہے اور ہزاروں لاکھوں الفاظ بن چکے ہیں لیکن ابھی اس میں بہت بہت گنجائش باقی ہے۔ مثلاً اگر آپ اردو ہی کا لغت اٹھا کر بیٹھ جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ جتنے الفاظ بن سکتے تھے بنے ہوئے الفاظ کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں اور اس کے بعد اگلی بات یہ کہ ان بنے ہوئے الفاظ کے روحانی و باطنی پہلوؤں سے عوام الناس مکمل طور پر بے خبر ہیں، زبان کو محض اظہار خیال اور گفت وشنید کا ذریعہ ہی سمجھا جاتا ہے کوئی شک نہیں کہ ہر طرح کی بولیاں اور لسانیات کا بنیادی کام تو یہی ہے لیکن ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے کسی بھی زبان کا ظاہر یہی اظہار خیال ہے اور باطن میں پراسرار علوم یوں جاری ہیں جیسے زمین کی سطح پر دنیا بسی ہو اور زیر زمین معدنیات اور پانی کے دریا مستور ہوں۔ یہ علوم چونکہ ہر عام آدمی کے لیے open نہیں کیے جا سکتے اس لیے انھیں نہ صرف اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا بلکہ افراد جو کہ ان رازوں کے کسی نہ کسی حد تک محرم تھے یا ہیں، انہوں نے بھی ان رازوں کو پوشیدہ رکھا بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ انہی باطنی علوم پر کائنات کھڑی ہے، اور دنیا کا نظام کھڑا ہے۔ یہ وہ سمندر ہیں جس کی سطح پر اس کائنات کے بحری بیڑے رواں دواں ہیں یا یہ وہ فضا ہے جس میں کائنات کے جہاز محو پرواز ہیں۔ اسرار ہی اسرار اور تہہ در تہہ اسرار ہیں، حیرانگی ہی حیرانگی ہے۔ بہر حال ہمیں ان الفاظ کو حروف کی ترتیبیں بدل بدل کر بنانا چاہیے اور ان کے ورد و وظائف کر کے تجربات کرنا چاہئیں، اسی طرح سے مختلف فقرے چاہے بامعنی چاہے بے معنی و مہمل بنانے چاہئیں اور ان کے اوراد و وظائف کے تجربات کرنا چاہیے، کچھ عجب نہیں کہ دھماکہ خیز علوم وفنون اور دنیاؤں سے پردے اٹھیں۔ اس سمندر کی تہہ سے قیمتی موتی نکلیں۔ یہ سسکتی اور تڑپتی انسانیت کہیں چین پائے، ہو سکتا ہے کہ محرم راز افراد ان خفیہ علوم سے فائدہ اٹھا کر انسانیت سے اس کے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ رہے ہوں، ہو سکتا ہے Cause and Fact کے ظاہری کلیوں کی تہہ میں یہ پراسرار علوم کوئی اپنا کھیل کسی کا آلہ کار بن کر کھیل رہے ہوں۔ اصل میں دنیا پر حکمرانی تو علم ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں علم کے حصول کی دعوت دی ہے اور اس دنیا میں free hand دیا ہے۔ یہ دنیا میں جو اتنی ناانصافی، ظلم و زیادتی، قدرتی آفات کی تباہ کاریاں، اموات اور قتل و غارت گری نظر آتی ہے کہ مزدور،

Marfat.com

غریب، معذور، محنت کش، غم زدہ، دردمند، محروم، کمزور وغیرہ پر ہی مزید قیامتیں ٹوٹتی ہیں یوں نظر آتا ہے کہ جیسے خدا کہیں موجود ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ قدرتی آفات سیلاب، آندھیاں، زلزلے، جنگیں، دہشت گردیاں، تباہ کاریاں یہ سب بھی انہی کمزور طبقات کے حصے میں آتی ہیں کہ جن پر صرف خدا کا کنٹرول سمجھا جاتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان سب معاملات کو ان خفیہ اور پراسرار علوم کے ذریعے سے شیطانی سوچ رکھنے والے محرم راز لوگ چلا رہے ہوں۔ آخر شیطان کو روزِ حشر تک مہلت ہے اور وہ بھی بڑی ہی زیادہ علمی دسترس کا اختیار رکھتا ہے۔ ان حروف کی عددی طاقتیں بھی معین ہیں پھر ریاضیاتی خفیہ اسرار در اسرار کا ایک بڑا ہی دقیق و بلیغ گہرا علم کا دریا ہے۔ یقین، توجہ اور ارتکاز کی نہایت پراسرار قوتیں ہیں۔ گو کہ سب سے افضل، حقیقی اور حق پر مبنی تو تقویٰ سے بھرپور واحد مختار و مالک ہستی لاشریک پر یقین بے انتہا رکھنے والی انسانی قوت ہی ہے۔ لیکن ایسے انسان کم ہیں بہت کم اور صرف انہی کے لیے اللہ کے پاس پناہ ہے۔ ان پر شیطانی قوت اپنے علوم کے ذریعے اثر نہیں کر سکتی، باقی سب دنیا ان شیطانی قوتوں کی لپیٹ میں ان نہایت پراسرار مخفی علوم کے ذریعے سے ظاہری و باطنی ہر دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شیطانی ٹولہ اپنے علوم کے ذریعے دنیا پر تباہی و بربادی مسلط کر رہا ہو، دنیا بھر کے وسائل لوٹ رہا ہو اور انسانیت و زندگی کا خون پی رہا ہو اور ہم اسے خدا کی رضا سمجھ کر صبر و شکر سے سہہ رہے ہوں۔

آیئے قدم بڑھایئے اور ان خفیہ و پراسرار علوم کو کھنگال ڈالیے، آپ ان پر رحمانی نکتہ نظر سے نگاہ حق سے کام لیتے ہوئے تحقیق و تلاش کے لیے چھا جایئے۔ انھیں سحر و جادو یا کالے علم سمجھ کر دور نہ ہو جایئے، ہر وہ علم کالا علم اور کالا جادو ہے جو شیطانی انداز میں استعمال ہو یا شیطانی طریق پر حاصل ہو اور ہر وہ علم رحمانی ہے جو حق پر استعمال ہو حکم خدا کی قیود و حدود میں استعمال ہو اور انہی حدود میں رہتے ہوئے حاصل ہو سکے۔ یقین جانئے یہ نہایت خفیہ و باطنی علوم یہ سب پراسرار اور گہرے راز اصل میں بندہ مومن کی میراث ہیں جن کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دعوت دی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ ہے اس کے علم و حصول کے لیے انسان کو قرآن مجید میں دعوت نہیں دی ہے۔ کیا اس سب کا مالک مجازی انسان کو اور اپنی مخلوقات کو قرار نہیں دیا ہے۔ کیا اپنے علم میں سے انسان کو علم دینے کی بات نہیں فرمائی ہے، کیا غائب و باطن کے علوم میں سے جتنا اللہ چاہے انسان کو علم دینے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ کیا آنکھیں، کان اور دل کے استعمال کی دعوت نہیں ہے۔ کیا عقل کے استعمال کی دعوت نہیں ہے، کیا انسانی صلاحیتوں کی افضلیت کی بنا پر فرشتے ساجد آدم نہ ٹھہرے تھے۔ جب فرشتوں کے علوم سے بھی آگے اے انسان تمہارے علمی مقام ہیں تو کیوں اندھے کنویں سے جہالت کی تہوں سے نکلنے کی اجتماعی و انفرادی کوشش نہیں کرتے ہو جبکہ میرے خیال کے مطابق شیطانی فکر رکھنے والے انسان اس پر بہت کام کر رہے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ ساری دنیا اس وقت انہی شیطانی قوتوں کے خونی پنجوں میں جکڑی بری طرح کراہ رہی ہے۔ کاش انسانوں کے اعمال تقویٰ کے اُس معیار پر ہوتے کہ جس مقام پر اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے۔ میری اپیل ہے کہ

Marfat.com

اپنے ایمان و اعمال کو اس حد تک درست کرلو کہ کم از کم متقی کہلا سکو، right man کہلا سکو۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ تم ایک خالص روحانی آدمی ہی بن جاؤ یہ تو اس کی آخری حد ہے کہ جہاں خدا کا نور تمہیں اپنی جان افزا لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ کم از کم ہر ٹھیک کام کرو اور غلط کام چھوڑ دو۔ اپنے نفس کی اندھی غلامی چھوڑ دو۔ خود غرضی، لالچ اور اپنی ذات کو پوجنا چھوڑ دو۔ پہلے دوسروں کے لیے بعد میں اپنے لیے سوچو۔ خدا کا اور یوم حساب کا ڈر رکھو۔ ایک خدا کو تسلیم کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم دوسرے خداؤں یا دیوتاؤں یا قوتوں کو مانتے ہو یا نہیں ایک خدا کا مطلب یہ ہے کہ بس اس کی بات اس کے حکم پر گردن رکھ دو۔ جدھر خدا کا حکم آجائے اس سے آگے نہ بڑھو۔ تمام مذاہب عالم کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے اور جتنا ہو سکے ان ظاہری و باطنی علوم کو کھنگال ڈالو۔ جس سے جتنا بن پڑے تحقیق کرے اور دنیا و زمین کا اقتدار ان شیطانی قوتوں سے چھین لو۔ پراسرار اور خفیہ علوم کے سمندر کی تہوں میں اتر جاؤ اور شیطانوں کو یہاں سے مار بھگاؤ کیونکہ اللہ فرماتا ہے جب حق آجاتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے، باطل حق کا مقابلہ کبھی نہیں کرسکتا۔ ہم صرف اپنی بداعمالیوں، جہالتوں، سستیوں، کم علمیوں، کوتاہیوں، کاہلیوں، غلط ایمان اور غلط فکر و نظر کی بنا پر اس دنیا میں بھی جہنم میں ہیں اور اس دنیا میں بھی کوئی اچھی امید نہیں رکھتے۔ دنیا پر جن شیطانوں کا قبضہ ہے اور جو ہماری چمڑی ادھیڑ رہے ہیں ہمیں زندہ درگور کررہے ہیں یہ خدائی قانون کے مطابق ہے۔ ہمارے اعمال تو ناقص ہیں ہی اس دنیا میں شیطان اور انسان کو free hand دینے کا نتیجہ بھی ہے۔ خدا کی رحمت کی بارش تو شیطان کے پنجے کو گاہے بگاہے ڈھیلا کرتی ہی ہے ہمارا بھی فرض ہے کہ کوشش کریں ہاتھ پاؤں ماریں۔ کنویں سے نکلیں اور ان علوم کو تسخیر کر کے باطل پر حق کو غالب کردیں۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 42:

اور جب شیطان نے مجھے چاروں شانے چت کر دیا! شیطان و رحمن اور گناہ وثواب کے فلسفے پر اک اور زاویہ نگاہ

آپ بھی اس عجیب سرخی پر حیران ہوں گے لیکن جب بات ہی حیرانگی کی ہو تو بھلا کوئی کیونکر حیران نہ ہوگا۔ حال ہی میں تمام تر علم و آگہی اور فلسفہ دانی نیز الٰہیات و ایمانیات کے سفر کے باوجود مجھ پر اس حقیقت کا زبردست انکشاف ہوا کہ ہم لاکھ کوشش کریں لیکن شیطان اور تقدیر کے چنگل سے نہیں نکل سکتے۔ آپ دن رات کی کوشش سے تقویٰ کا ایک مضبوط چھوٹا بڑا کوئی سا بھی محل تعمیر کریں۔ شیطان و تقدیر کے ہاتھوں میں ایسے پتھر ہیں کہ وہ اس محل کو جب چاہیں چکنا چور کر دیں، یوں کہ جیسے یہ محل شیشے کا تھا۔ آپ کی لاکھ کوشش کے باوجود کوئی عمل ایسا آپ سے سرزد ہو جائے گا کہ جو محنت اس تقویٰ کے محل کی تعمیر میں ہوئی وہ بھی ضائع چلی جائے گی۔ سوائے خدا کی رضا و خوشنودی کے اور اس کی منظوری کے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ تمام اعمال و کردار محض پردے ہیں۔ اچھا برا بننے کی تمام تر توفیق خدا کی طرف سے ہے۔ اگر نبیؑ یا فرشتہ خدا نے تخلیق کیا ہے تو کیا شیطان خدا نے تخلیق نہیں کیا؟ اگر نبیؑ و فرشتہ خدا کا مامور کیا ہوا ہے تو شیطان خدا کی اجازت و رضا کے بغیر اتنی بے پناہ طاقت و حکمت سے خدا کی اس کائنات کو طے شدہ طریقہ سے اپنے کردار کی موجودگی میں آگے بڑھانے کا باعث نہیں بن رہا ہے۔

میرے خیال سے ہم خدا اور شیطان کے فلسفے کو اب تک سمجھ ہی نہیں سکے ہیں۔ اکثر مذہبی علماء، فضلاء اور اولیاء وصوفیا چاہے وہ کسی بھی مذہب سے متعلق ہوں اس فلسفے کو تسلی بخش اور قابل عمل طریقہ سے بیان کرنے اور سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ ایک طرف خدا جیسی مقتدر ہستی کا احترام و خوف اور دوسری طرف شیطان سے نفرت اور گریز نے انھیں حقیقت سمجھنے سے باز رکھا ہے اور جو حقیقت کسی حد تک سمجھے ہیں وہ خاموش ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے زبان تھوڑی بہت کھولی ہے وہ پھر خود نہیں رہے، سُولی، تلوار کی دھار یا ان دیکھی مقتدر طاقت نے انھیں منظر سے ہٹا دیا ہے۔ لیکن یوں جئے جانے کا کیا فائدہ۔ میں نے اسی راہ کا انتخاب کیا ہے جس میں سُولی کو چومنا پڑتا ہے، سر دینا پڑتا ہے، موجودہ فلسفوں کے مطابق مذہب اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ مستور راز ظاہر کرنے کے لیے ان تہوں سے موتی نکالنے کی ضرورت ہے جن کے پہرے پر ایک سے ایک بڑھ کر خطرناک بلائیں، زبردست قوتیں اور عفریت مقرر ہیں (یعنی سخت پہرے لگے ہیں)۔ لیکن سسکتی تڑپتی انسانیت بلکہ زندگی اور کائنات کے مسائل مجھے اس سمت سفر کا حوصلہ دیتے ہیں۔ پہلے جو بات چل رہی تھی اس پر آیئے۔ جب سب کچھ خدا کے حکم و ارادہ سے ہے تو ہم آخر کیا کر سکتے ہیں۔ سنیئے ایک چیز حق ہے ایک چیز کا نام ہے باطل۔ حق کا ایندھن نیک اعمال ہیں

Marfat.com

اور باطل کی رگوں میں گناہوں کا خون رواں ہے۔ جس طرح سے برقی رَو مثبت اور منفی تاروں کے بغیر عمل میں نہیں آتی اسی طرح سے یہ کائنات اس میں موجود معاملات اور زندگی کی گہما گہمی بھی بغیر گناہ وثواب مثبت ومنفی اعمال وکردار کے حرکت میں نہیں آسکتے۔ ہمارے نیک اعمال وکردار جنہیں ہم تقویٰ کہتے ہیں ایک جانب ہماری سکورنگ Scoring کرتے ہیں اور ہمارے گناہ ومعصیتیں جنہیں ہم شیطانی متعلقات کہتے ہیں دوسری جانب ہماری سکورنگ Scoring کرتے ہیں، کوئی بھی فرد چاہے انسان ہے یا کوئی اور جاندار حتیٰ کہ بظاہر بے جان مخلوق اس قانون سے مبرّا نہیں ہے۔ اسی گناہ وثواب یا مثبت ومنفی اعمال کا حساب روز حشر ہوگا اور جزاوسزا کا تعین ہوگا۔ ہمیں اپنے گناہوں سے اور معصیتوں سے مایوس ہوکر تقویٰ یا نیکی کی راہ کو ترک نہیں کر دینا چاہیے۔ ٹھیک ہے کوشش ضرور کریں کہ آپ سے ایک بھی گناہ سرزد نہ ہو لیکن آپ ایسا نہیں کرسکیں گے تاہم گناہ کی سکورنگ Scoring کم سے کم اور ثواب یا نیک اعمال کی سکورنگ زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کریں۔ یہی کش مکش حیات ہماری زندگی بلکہ دنیا کی اصل ہے تمام کائنات میں تعمیر وتخریب اور کشش وگریز کا قانون یوں ہی جاری وساری ہے۔ جب اپنے بے پناہ تقویٰ اور کوشش وسعی کے باوجود مجھے شیطان نے چت کردیا تو میں کچھ طویل لمحات کے لیے مایوس ہوگیا۔ لیکن پھر غور وفکر کے بعد ایک بہت بڑا راز مجھ پر منکشف ہوا جس کا یہاں بیان جاری ہے۔

آدمؑ وحوا میں شیطانی ورحمانی دو روئیں ہمہ وقت چل رہی ہیں اس دلدل کے بعد عرفان حق تعالیٰ ممکن ہے:

ہمارے اچھے اعمال اور برے اعمال اپنے اپنے اندر متحارب ومخالف قوتیں رکھتے ہیں جو ہر ہر لمحہ ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہیں، ہمارے برے اعمال سے حاصل شدہ قوتیں ہمارے جسم وروح کو ہر لمحہ گھائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نیک اعمال ہمارا دفاع کرتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کے مدافعاتی نظام اور بیماریوں کے حملہ آور جراثیمی نظام کی طرح ہر وقت ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں اب ہم یہ تو نہیں کرسکتے کہ جراثیموں کو دنیا سے ناپید کردیں۔ فرض کریں اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو پھر ہمارا جسمانی دفاعی نظام خود بخود ختم ہوجائے گا۔ نتیجتاً زندگی رک جائے گی ہم ختم ہوجائیں گے اس لیے زندگی کے لیے تعمیر وتخریب ضروری ہے۔ ثواب ونیک اعمال جو کہ تقویٰ کی پیداوار ہیں ان کی existence کے لیے گناہ یا شیطانی اعمال ضروری ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر شیطان نہ ہوتا تو آدمؑ وحوا کو زمین پر اتارا ہی نہ جاتا نہ یہ دنیا بنتی نہ تمام انسان اور انسان سے متعلق بے شمار رنگ برنگ کشائش حیات پیدا ہوتے۔ جب آدم وحوا کے اندر رحمانی وشیطانی دو روئیں ہمہ وقت چل رہی ہیں یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ ایک رو بالکل کٹ جائے جوں ہی ایک رو کٹے گی زندگی ختم ہوجائے گی یہ حواس خمسہ کی زندگی باقی نہ رہے گی۔ یہ جو صوفیاء واولیاء اللہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی ترقی کہ جسے عرفان ذات حق تعالیٰ یا انتہائی معرفتِ ذات خداوندی کہا جاتا ہے یا اللہ کی ذات میں فنا ہوجانا جسے کہتے ہیں جب کوئی شخص اس مرتبۂ اعلیٰ پر پہنچتا ہے تو وہ واپس ہمارے اندر نہیں آسکتا۔ اس ''سکر'' یا جذب کی حالت سے وہ جس قدر وجتنی دیر یا وقفہ کے لیے واپس آتا ہے اتنا اس

Marfat.com

میں شیطانی اثر باقی ہوتا ہے۔ جب شیطانی اثر یا منفی قوت مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے وہ خدا کے نور میں جذب ہو جاتا ہے وہ کبھی بھی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لیے بھی واپس مروجہ حواس میں نہیں آ سکتا۔ اللہ نے فرمایا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے ''کن'' فرمایا اور ''فیکون'' یہ کائنات وجود میں آ گئی۔ سب کا سب کچھ خود رب تعالیٰ ہی کے اندر موجود تھا، غیر اللہ تو کسی شے کا وجود سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ تمام تعمیر و تخریب تمام Possitive تمام Negative تمام ترزحمانی و شیطانی قوتوں کا مالک اور محور و منبع حق تعالیٰ کی ذات خود ہے ہر شے اس کے وجود پاک سے ہے لیکن تمام تخریب تمام شیطانی قوتیں تمام Negatives مکمل طور پر اس کی ذات واحدہٗ لاشریک میں inactive حالت اور سکون کی حالت میں ہیں، یعنی ان کا ہونا اس کے وجود کے اندر نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ انھیں خود کو ذرّہ برابر بھی ظاہر کرنے یا یہاں تک کہ اپنی ذات کے شعور کی اجازت بھی نہیں ہے۔ جبکہ تمام possitive خیر، حق، اثباتیات، جواہر تقویٰ دوسرے لفظوں میں خیر مُطلق ہر لحہ اس کے اندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ یہ بے شمار اقسام کے انوار ایک نور میں گم ہیں۔ جیسے ہمارے کمزور اذہان کے لیے سورج کی روشنی میں سب رنگ گم ہو کر سفید روشنی زبردست آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی کی مثال سما سکتی ہے بالکل اسی طرح لیکن یہ چند رنگوں کا مجموعہ وہ بے حد و شمار بے پناہ صفات و ممکنات کا مجموعہ جو عقل و خرد میں سما نہیں سکتے۔ ان انوار کا منقلب نور ہے۔ پھر نورٌ علیٰ نور ہے۔ یہ ہماری اور ہر ہر شے کی اصل ہے۔ ہم تمام تر محنت و کوشش کے بعد اس نور میں واپس چلے جاتے ہیں، لاکھوں کروڑوں میں سے کوئی ایک فرد اس مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے یہ مکمل ''سُکر'' کی کیفیت ہوتی ہے اس میں جب اور جونہی شیطانی Negative تار مکمل inactivate ہوتی ہے یا اس آخری حد کو پہنچ جاتی ہے جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے تو یہ زندگی پانچ حواس کی زندگی کی ڈور کٹ جاتی ہیں۔ اسے ''وصل حق'' کہتے ہیں اس کے نیچے بے حد اور بے شمار مقامات سعید ہیں جو درجہ بہ درجہ ہیں۔ پس قانون یہی ہے کہ جس نے جتنا زیادہ اپنے شیطان یا Negative رو کو غیر فعال کر لیا اس نے اتنا زیادہ تزکیۂ نفس کر لیا۔ تمام آسمانی کتابیں، تمام انبیاء کی یہی تعلیمات ہیں۔ قرآن مجید میں موجودہ دور میں سب سے زیادہ مکمل و شفاف طریقہ سے ان تعلیمات کا ذکر ہے۔ لیکن انسانوں کی ذہنی سطح کے مطابق خطاب و بیان ہے اور وہ بھی 1400 یا 1500 سال پہلے کے انسان کا ذہنی معیار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پھر اللہ پاک کے مخاطب تمام سطح کے اذہان ہوتے ہیں، انداز بیان میں اوسط ہوتی ہے۔ بین السطور معنی میں سمندر آگہی رواں ہوتا ہے حسب توفیق اس میں سے موتی نکالے جاتے ہیں لیکن نا تو سب نکالنے والے اصل موتی نکال سکتے ہیں نہ سب جواہر شناس ہوتے ہیں نہ سب غوطہ خور اور نہ سب دم کو قید لگانے والے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ کو جتنا جس پر جب ظاہر کرنا منظور ہوتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔

اصل بات یہاں سے چلی تھی کہ ہم گناہ یا Negative اعمال سے جب بچ نہیں سکتے مکمل طور پر تو پھر کیا کریں

Marfat.com

(یہ عوامی سطح کی بات ہو رہی ہے) تو اس کا جواب یہی ہے کہ گناہ، باطل، برے اعمال negative acts سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرتے رہیں۔ ایک لاکھ مرتبہ گناہوں سے گرنے پر بھی کوشش ترک نہ کریں، مایوس نہ ہوں، کوشش جاری رکھیں اور دوسرے طرف گناہوں کی موجودگی اور ان سے بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اچھے اعمال possitive acts اور ممکنہ تقویٰ کی کوشش جاری رکھیں۔ نتیجہ کے طور پر آپ کا ثواب بینک اور گناہ بینک اکاؤنٹ بنتا رہے گا گناہ بینک اکاؤنٹ اس دنیا اور اس دنیا میں آپ کے لیے سزاؤں و بلاؤں کا بندوبست کرے گا۔ اس کی Ratio گناہوں کے حساب سے ہے اور دوسری جانب ثواب و نیک اعمال کا بینک اکاؤنٹ آپ کو ان بلاؤں و سزاؤں سے بچانے کا بندوبست کرتا رہے گا۔ پس یہ ٹھنڈے و گرم پانی کی Ratio والا معاملہ ہے۔ گناہ پانی کو کھولائیں گے ثواب اس نسبت سے یخ بستہ پانی ملائے گا۔ اس دنیا میں بھی خیر و شر مقابل ہیں، انفرادی طور پر بھی اجتماعی طور پر بھی اور اس دنیا میں چونکہ پیچھے سے رسد بند ہو جائے گی لہٰذا فوراً کمپیوٹر پر فیصلہ کا حساب ہو جائے گا۔ جس کا اعلان روز حشر جب سب امتحان سے گزر کر حاضر ہو جائیں گے تب کیا جائے گا اور میدان پر سب کچھ سامنے دکھایا جائے گا۔

لیکن ایک بات یاد رہے۔ شرط یہ ہے کہ اپنی طرف سے باطل، گناہ، معصیت، برے اعمال سے بچنے کی پوری کوشش کرتا رہے حسب توفیق حسب ہدایت کوشش جاری رکھے یہ نہیں کہ اندھا دھند گناہ بھی کرتا جائے اور بے خوف ہو جائے اس امید پر کہ جو بے حد و شمار نیک اعمال کر رہا ہوں میرے گناہوں کو نگل لیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہے، جب آپ کو ہدایت نصیب نہ تھی تب کی اور بات ہے۔ جب ہدایت مل گئی توبہ کر لی راہ حق معلوم ہو گئی پھر حتی الوسع کوشش کریں، جان بوجھ کر گناہوں کی جانب نہ جائیں۔ تاہم شیطان باجود اپنی کوشش کے گناہ کروا دے تو اور بات ہے پھر گناہ پر پچھتاوا تو پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ پس شیطان کے بہکانے پر توبہ ٹوٹے تو پھر توبہ بار بار آخری سانس تک جب تک کہ موت نظر نہ آنے لگ جائے تب تک توبہ کی اجازت ہے۔ لیکن آپ خود گناہ و ثواب یا توبہ توڑنے اور توبہ کرنے کو پلان plan کر لیں کہ شیطانی باطل کے مزے بھی باوجود حق کی senses رکھنے کے اٹھانا چاہیں تو ایسا ممکن نہیں ہے۔ ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے یہ منافقین ہیں، دوزخ میں سب سے نچلے درجے کے مکین۔ المختصر حق کے لیے بار بار ہزار بار لاکھوں بار کوشش کریں، گناہ چاہے جتنے بھی جتنی مرتبہ بھی جیسے بھی سرزد ہوں، مایوس نہ ہوں۔ اس کش مکش میں زندگی جھونک دیں پھر آخر میں دیکھیں کیا بنتا ہے اور نیکیوں کی نیک اعمال کی بھرپور کوشش کریں۔ پھر درجہ بدرجہ مقامات ہیں، دوزخ و جنت دونوں کے دیکھیں آپ کہاں پہنچتے ہیں لیکن دعا میں بڑی ہی زیادہ کوشش کریں کہ بغیر توفیق الٰہی کے بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال سے یہ فلسفہ اب بھی ادھورا ہے۔ پھر کچھ علم اترا بارگاہ خداوندی سے تو بات آگے بڑھاؤں گا۔ ورنہ مجھے اپنے جہل سے کب انکار ہے اور اپنی علمیت کا کب دعویٰ ہے۔ بس جو ہے سب اللہ کی ذات ہے باقی کچھ نہیں ہے۔ لیکن ٹھہریئے کچھ اور پیغامات آ رہے ہیں جو میں نے فنا فی اللہ اور

Marfat.com

عرفان حق کا قانون اوپر بیان کیا ہے اس سے اللہ کے نبیؑ کیسے مستثنیٰ ہیں۔ یہی تو عام انسان اور مامور منجانب اللہ، رسولؐ یا نبیؑ میں فرق ہے کہ نبیؑ و رسولؐ کو بشر و نُور دونوں حالتوں میں بقائے حیات حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ نورِ مطلق حق تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے جبکہ باقی انسانوں کو یہ حالت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن رب تعالیٰ کی جانب سے خبر آ رہی ہے کہ نہیں کچھ انسان نبیوںؑ اور رسولوںؐ کے علاوہ بھی ایسے ہوتے ہیں جنہیں یہ بشر و نور کی دونوں کیفیتیں حاصل ہوتی ہیں، لیکن ان کی زبان پر مہر ہوتی ہے وہ اس کا اظہار کبھی نہیں کرتے اگر ذرہ بھر اظہار کریں تو زندگی سے فوراً فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہ آگے کی باتیں ہیں خواص کی باتیں ہیں، عوام کے لیے نہیں ہیں۔ ان میں بڑی بڑی گہرائیاں، تنوع، عمق اور بھول بھلیاں ہیں، مقامات ہیں ان راہوں کے جتنے مسافر ہیں شاید اتنے ہی ان راہوں کے الگ الگ تجربات ہیں، اقسام ہیں، لیکن سب کی روح اور کلیہ قاعدہ اور فلسفہ وہی ہے بشر سے نور تک کا سفر۔ علم تو سمندر ہے، پھر اللہ کا علم تو بے حد و بے کنار ہے۔ چند سطریں اس کے لیے نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن جوں جوں اترے گا لکھوں گا، جو کچھ لکھا ہے اس میں بڑی جزیات پر لکھنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً انسانی فلاح کے لیے مادی ترقی میں حصہ ڈالنے والوں کا کیا مقام ہے۔ یورپین اقوام free sex countries اور قوم پرستوں کا کیا مقام ہے۔ تمام مذاہب کا منبع و محور کیا ہے تمام فلسفوں، تمام دینوں، تمام ایقانوں و ایمانوں کا ایک belief یا آخری سچ یا universal truth کیا ہے۔ اصل میں حق یا خدا ہے کیا؟ اور باطل یا شیطان ہے کیا؟ اور پھر سب سوالوں سے بڑا سوال کہ خدا یا نور مطلق کیا ہے اس کی ابتداء، ماہیت، انتہا و حقیقت کیا ہے ماورائے حقیقت کیا ہے؟

کچھ اضافی بحث:

جہاں تک یورپی، امریکی، افریکی، آسٹریلوی یا دیگر ایشیائی و مشرق وسطیٰ کی اقوام یا یوں کہیں کہ ساری دنیا کا تعلق ہے گناہ و ثواب Positive and Negative کا فلسفہ سب پر برابر لاگو ہے۔ ان کے اعمال کے مطابق اثرات مرتب ہو رہے ہیں، ہوتے رہیں گے۔ دراصل زنا کیا ہے کہ متعلقہ عورت یا مرد پر آپ کا حق تھا یا نہیں۔ چوری کیا ہے کہ متعلقہ شے پر آپ کا حق تھا یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ضروری نہیں کہ حق کی پہچان کے لیے کوئی چارٹر یا مذہبی کتب سے باریک بینی سے تلاش کیا جائے کہ فلاں معاملہ میں حق کیا کہتا ہے بلکہ انسان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت ہے۔ رحمان و شیطان انسان کے اندر ہیں اور ہمارا دل ہماری روح کسوٹی ہے، لیکن چونکہ ہمارا نفس لوّامہ ہمیں ہماری اغراض و شہوات کی بنا پر شیطان کی مدد سے اندھا بنا دیتا ہے اس لیے ہم حق کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ لیکن غور کریں تو ہمارے اندر کہیں گہرائی سے حق کی شناخت کی آواز آ رہی ہوتی ہے یہ الگ بات کہ منفی رو کی طاقت اسے ہمارے گناہوں یعنی برے اعمال کے ایندھن کی بنا پر دبائے ہوئے ہوتی ہے۔ چونکہ ہر کسی کے لیے بذات خود اس گہرے فلسفہ کی ماہیت و حقیقت کو معلوم کرنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے آسمانی مدد آتی ہے اور انبیاء و رُسل مستقل آسمانی کتب کے اندر خصوصی ہدایات منجانب اللہ ہمیشہ کے لیے رقم کر جاتے ہیں جو کہ خدا کی طرف سے ہمارے

Marfat.com

لیے ایک نعمت عظیم ہوتے ہیں تا کہ کسی بھی وقت ہم اپنی زندگی کا جائزہ اس کسوٹی کی مدد سے لے سکیں۔ تمام اقوام اور دنیا کے تمام انسانوں کے کردار و اعمال کو اسی حق و باطل اور دنیا کے تمام انسانوں کے کردار و اعمال کو بھی اسی حق و باطل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور اس کے مطابق جزاء و سزا مقرر ہوگی۔ اگر کوئی قوم اپنی قوم کے افراد کے لیے رحمت ثابت ہوا اور اگر دیگر اقوام کے لیے بغیر قصور کے زحمت ثابت ہو تو من حیث القوم ظالم ہوگی۔ پہلے جزاؤں کی بارش پھر سزاؤں کی یورش ہوگی۔ تمام انسانیت کو one unit سمجھنا ہوگا اور ایک گروہِ حق ''حزب اللہ'' ہوگا۔ بغیر مختلف اقسام کے مذاہب کی قیدوں کے اور دوسرا گروہِ باطل ''حزب الشیطان'' ہوگا۔ ہر انفرادی یا اجتماعی کام کو حق و باطل کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور سزا و جزاء کا قانون لاگو ہوگا۔

خدا کی حقیقت، ماہیت اور خدوخال کیا ہیں؟

اکثر مذاہب اور خود اسلام کے ماننے والے خدا کی ذات پر غور و خوض کو جائز قرار نہیں دیتے اور کفر کے فتوے لگانے لگ جاتے ہیں لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ یہاں محاورہ لاگو ہوتا ہے۔ ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے''۔ ''انگور کھٹے ہیں''۔ جب ہم اپنی محدود عقل و فہم سے اس ماورائے عقل ہستی کو جان اور پہچان نہیں سکتے تو اس کی ماہیت و حقیقت کو کیا بیان کریں گے۔ اس واحد و یکتا ہستی کو جاننا یا پہچاننا حرام نہیں ہے۔ ہر ہر دور کے ذہین و فطین انسانوں نے اس کے لیے بڑی کوششیں کی ہیں اور الٰہیات کے دفتر کے دفتر سیاہ کیے ہیں تاہم کچھ خاص معلوم نہیں کر سکے۔ جو برمودا ٹرائی اینگل میں گیا، جو بلیک ہول میں گیا، جو کسی دیگر ستارے کے مدار میں گیا، تو وہ ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔ وہ مُڑ کے نہیں آیا، تو وہ کیسے بتائے کہ وہ جہاں گیا تھا وہ کیسا اور کیا تھا۔ اسی طرح جو خدا کے انتہائی وصل میں گیا وہ مڑا ہی نہیں تو ماہیت و حقیقت کیا بیان کرے گا اور جو گنتی کے چند نفوس مڑے ہیں۔ ان کے لبوں پر خدائی تالا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ اس نور یکتا کا ایک لمحہ کا احساس ایسا ہے کہ دنیا بھر کے خزانے دے کر اگر اگلا لمحہ مل سکے تو انسان ضرور لے لے گا۔ اس نور کی کوئی مثال کوئی تمثیل ہے ہی نہیں تو وہ دوسروں کو کیسے سمجھائیں۔ وہاں الفاظ معذور ہیں، زبان مفلوج ہے، بیان گم ہے، عقل فنا ہے، بصیرت ناپید ہے، بصارت بے زبان ہے، پھر کیا خبر آئے سوائے اس عجز کے کہ ''ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے'' اور مشورہ ہے کہ اس خدائے یکتا کو اس کی تخلیقات اور قدرتوں اور کارناموں سے پہچانو۔ ہاں میں کبھی اتنا آگے بڑھا تو شاید بتوفیق الٰہی کچھ بیان کرسکوں۔

ایک اور وضاحت:

میرے گزشتہ بیان کہ منفی روپا شیطان وجود کے نور میں فنا ہو جاتا ہے کا مطلب یہ نہیں کہ بندہ خدا بن جاتا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کی انفرادیت اور ذات اگر قائم رہے گی تو تعدّد لازم آئے گا ایسی صورت میں انتہائی قرب کے باوجود خدا اور بندے کا وجود الگ رہیں گے۔ لیکن اگر یہ تعدد اور دوئی برقرار نہ رہے تو پھر ماسوائے اللہ کی ذات واحد کے دوسری

Marfat.com

ذات یا بندے کی ذات باقی ہی نہ رہے گی دوبارہ وہی صورت ہو جائی گے کہ جب رب تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھا دیگر کچھ تھا ہی نہیں۔ اب اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے مجھے علم نہیں دیا کہ میں کچھ کہہ سکوں۔ ''فلسفہ وحدت الوجود'' کی گواہی بغیر علم کے میں نہیں دے سکتا۔ البتہ حضرت مجدد الف ثانیؒ امام ربانی کی طرح بندہ وخدا میں بے انتہاء قربت کے باوجود تخصیص وبُعد اور رب تعالیٰ کی یکتائی کا قائل ہوں۔ گو کہ طبیعت مکمل وحدت کے فلسفے پر جاتی ہے لیکن ''ادب'' نہیں مانتا۔ جب آگے علم ملا اور اظہار کی قوت بھی، تو بیان کروں گا۔ گو کہ میری عقلِ تنہا اور بے رسا سے زیادہ الہام ذاتِ یکتا پر میرا انحصار ہے لیکن جب تک اِس الہام کی شفّافیت کو وہ مقام حاصل نہ ہو جائے کہ جس پر قلب گواہی دے کہ یہ ہی حق ہے میں حتمی بیان نہیں دے سکتا۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 43:

اک طلسم ہوشربا/ خیر وشر مجسم مگر کیسے؟ ایک فلسفیانہ نظر

آج کافی دنوں بعد پھر کچھ اترا۔ سوسپرد قلم ہے۔ مزید گہرائی میں اتر کر دیکھا تو نظر آیا کہ خدا اس پار ہے اور اس ساحل پر جہاں ہم ہیں۔ درمیان میں وسیع وعریض، ہیبت ناک، ٹھاٹھیں مارتا ہوا، آلام ومصائب، درد وغم، کرب وبلا سے بھرا سمندر ہے۔ اس دنیا کے مادے یا مٹی کو شیطان کے پانی سے گوندھ کر پیدا کیا گیا ہے ہم جوں جوں مادی زندگی سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں، ہمیں شیطان کا قرب حاصل ہوتا چلا جاتا ہے اور نہایت غیر محسوس طریقے سے ہم اس دنیا کی دلدل میں اپنی ضروریات سے بڑھ کر اپنی خواہشات اور ہوس کی وجہ سے دھنستے چلے جاتے ہیں اور یہ چکا چوند اور اس کا سحر اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک سانس کی ڈوری ٹوٹ نہیں جاتی یا ہم مادی دلدل سے روح کی پاکیزگی کی سمت باہمت سفر شروع نہیں کر دیتے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بنا کر جس جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا وہ اس کی ضرورت کے لیے کافی تھی۔ ایک ایسی حد تھی جہاں روح کے ساتھ وہ تعلق قائم رہ سکتا تھا۔ جس کا ایک سرا انسان اور دوسرا اللہ تعالیٰ سے ملا ہوا تھا۔ لیکن ہوس نے انسان کو وہ حد توڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ ہر بے اعتدالی اور ہر ہوس کو شیطان سے کرنٹ ملتا ہے تحریک ملتی ہے۔ انسان کے ذہن وروح کے اندر بہت سے سسٹم کام کر رہے ہیں اور ان کی کچھ حدود وقیود بھی ہیں جونہی بندہ ان حدود کو کراس کرتا ہے دوسرے سسٹم اور اس کے قواعد وضوابط میں داخل ہو جاتا ہے۔ مذہبی دنیا میں جو تمثیل بیان کی جاتی ہے وہ ہم سب نے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تقریباً تمام مذاہب میں پڑھ اور سن رکھی ہے لیکن اس کی تفصیل وتشریح میں محض اندازے اور قیاس آرائیاں ہیں کہ وہ جنت کیا تھی؟ کون سا پھل کھانے یا کس درخت کے پاس جانے سے منع فرمایا گیا تھا اور پھل کھا لینے کے بعد کون سی دنیا میں اتر جانے کے لیے فرمایا گیا تھا اور کیونکر حواس میں یہ تبدیلی آئی کہ انسان نے خود کو ایک نئی نگاہ سے دیکھا اور خود کو ننگا پایا یا شعورِ مادی شخصیت حاصل ہوا۔ تصوّر ''مَیں'' اور ''تُو'' حاصل ہوا اک دوجے سے اپنے اعضاو جوارح چھپانے کی ضرورت پیش آئی۔ پھر اک دوجے کو دشمن کہا گیا۔ کیا وہ دشمن آدم وحوا تھے، ان کی نسل تھی یا انسان وشیطان؟ اور پھر انسان کو دوبارہ وہ امن وسکون کی جنت کہ جس کے لیے انسانی حواس ہی مختلف تھے کیسے حاصل ہوگی۔ اللہ کے اس پیغام کی روح کیا ہے کہ جس پہ عمل کرنے سے یہ منزل حاصل ہو سکتی ہے۔ ان تمام سوالات میں بے حد ابہام پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مختلف مذاہب اور ان کے مختلف فرقے الہامی کتب موجود ہونے کے باوجود کیا سے کیا تشریح یا تشریحات کرتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ کسی کو اصل حقیقت کا بہت ہی کم علم ہے۔ چلیے آج اس فلسفے کو سائنسی انداز میں عمل کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھتے ہیں کہ کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

تمثیل نمبر۱: اسلم ایک عام سے لوئر مڈل کلاس کے گھرانے میں پیدا ہوا ہے اور پل بڑھ کر جوان ہوا ہے گو کہ اس نے ضروری تعلیم حاصل کر لی ہے اور کسی قسم کی چھوٹی موٹی نوکری یا کاروبار کا اہل ہو گیا ہے لیکن وہ اپنے ماں باپ کے Status یا اپنی کلاس سے مطمئن نہیں ہے وہ ترقی کرنا چاہتا ہے، بڑا آدمی بننے کا خواہش مند ہے۔ اسی وجہ سے چھوٹی موٹی نوکری کرنے کی بجائے وہ اپنے حلقے میں پیش کئے جانے والے گلی محلے کے ناٹک میں حصہ لینے لگتا ہے کہ شاید میں کبھی اس توسط سے فلمی دنیا کا ہیرو بن جاؤں اور بڑا آدمی بن سکوں۔ جب کچھ ایکٹنگ کی سن گن ہو جاتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے۔ تھوڑے دھکے کھانے کے بعد قسمت یاوری کرتی ہے (یا امتحان شروع ہوتا ہے) تو اسے فلم میں چانس مل جاتا ہے اور ترقی کے زینے پہ زینے طے کرتا ہوا چوٹی کا اداکار اور فلمی ہیرو بن جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ اسی نسبت سے ایک ایک کر کے انسانی قدریں بھی اس سے رخصت ہو جاتی ہیں وہ ترقی کے لیے ہر طریقہ اختیار کرتا ہے۔ ہیرا، پھیری، منافقت، کینہ، حسد، رشوت، سفارش، زنا، شراب، دوسروں کو کچل کر آگے بڑھنا، دوسروں کے جذبات کی پرواہ نہ کرنا۔ دکھاوا، حرام خوری، محسن کشی، والدین کی نافرمانی، اپنے پیار کی توہین اور اس جنس کے درجنوں خصائل اس کے تمام اعلیٰ ظرفی کے پیمانے توڑ دیتے ہیں اور وہ بظاہر ایک کروڑ پتی معزز و معتبر و محترم VVIP لیکن باطن میں ایک شیطان و درندہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر کو رخصت کر دیتا ہے اور ہر اس مقام سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتا ہے جہاں اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑ سکے، پھر اک موڑ آتا ہے اس کے سامنے ایک مڈل کلاس کی لڑکی کا قتل ایک پارٹی میں کچھ امیر کبیر خاندان کے لڑکے غرض پوری نہ ہونے پر کر دیتے ہیں۔ کوئی قتل کی گواہی نہیں دیتا وہ یعنی اسلم بھی قتل کی شہادت دینے سے انکار کر دیتا ہے لیکن اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑتا ہے وہ اسے سلانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن شاید نیکی کے رستے پر چلنے کے لیے کسی اپنے کی دعا کام کر جاتی ہے کہ وہ اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس لڑکی کے قاتلوں کے خلاف گواہی دینے پولیس اسٹیشن چلا جاتا ہے، پھر کیا تھا۔ قاتل چونکہ انتہائی اعلیٰ کلاس سے تھے ان کی سیاسی و مالی طاقت کے سامنے وہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ سو اس پر طرح طرح کے الزام میڈیا کے ذریعے لگائے جاتے ہیں اس کے اسکینڈلز TV و اخبار کی زینت بننے لگتے ہیں۔ اس پر غنڈوں کے حملے ہونے لگتے ہیں۔ اس پر بے شمار الزامات کی بھرمار کر دی جاتی ہے۔ اس کے کیریئر کو برباد کر دیا جاتا ہے۔ پروڈیوسرز و فلم ساز اسے نہ صرف مزید فلمیں نہیں دیتے بلکہ پرانے کنٹریکٹ بھی کینسل کر دیتے ہیں۔ عوام اس کے خلاف جلوس نکالتے ہیں اس کے گھر پر پتھراؤ ہوتے ہیں۔ اس کے گھر والے معاشرے میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتے۔ سکول سے اس کے بچے کو گھر سے بیوی کو اٹھا لیا جاتا ہے باپ کو شدید زخمی کر کے ماں کے قتل کی دھمکی دی جاتی ہے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے کرپٹ ہیں۔ سچ پر اس کا ساتھ کوئی نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ قتل ہونے والی لڑکی کے گھر والے دباؤ میں آ کر کیس واپس لے لیتے ہیں اور صلح کر لیتے ہیں۔ یہ شخص اسلم حق کی گواہی دینے پر مکمل طور پر برباد ہو جاتا ہے اس سارے بکھیڑے میں مال و دولت اور نام و ناموس تباہ ہو جاتے ہیں بیوی کی عزت تار تار ہو جاتی ہے، بیٹا معذور کر دیا جاتا

Marfat.com

ہے۔ گوکہ وہ آخر دم تک حق کا ساتھ نہیں چھوڑتا لیکن وہ آسمان سے زمین پر بلکہ فٹ پاتھ پر آجاتا ہے۔

تمثیل نمبر۲: ایک شخص محمد سلیم محنت و کوشش سے جج بن جاتا ہے۔ سرکاری تنخواہ سے بیوی بچوں کو معاشرے میں باعزت مقام نہیں مل سکتا۔ رشوت خوری سے اپنوں کے تمام خواب پورے کرتا ہے۔ کوٹھی، کار، پجارو، لگژریز سب مل جاتا ہے معاشرے میں باعزت مقام ہر بڑی محفل میں دعوت، ایلیٹ کلاس کا حصہ بن جاتا ہے۔ آسمان سے دھن دولت، عزت و مقام اور پاورفل مقامات کی بارش جاری ہے کہ اللہ کی اصل رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ خواب میں متقی و پرہیز گار و مشفق باپ سے ملاقات ہوتی ہے۔ باپ کی آنکھوں میں حسرت و یاس اور ناراضگی دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتا ہے اسے باپ کی نصیحتیں و تربیت یاد آنے لگتی ہے۔ باپ کی افسرانہ غربت و خودداری یاد آتی ہے۔ ماں کا گھر پہ جان نچھاور کرنا اور پسینہ بہانا یاد آتا ہے۔ اس کی دنیا بدل جاتی ہے وہ جاگ اٹھتا ہے، خواب غفلت ٹوٹ جاتا ہے وہ دل ہی دل میں رشوت نہ لینے اور گناہوں سے توبہ کا اللہ سے عہد کرتا ہے۔ بڑے لوگوں کے کرپشن سے متعلق کیس، مقدمات قتل اور ریاستی ہیرا پھیریوں نیز قومی غداریوں کے کیس اس کی عدالت میں اس امید پر لگائے گئے ہیں کہ relief ملے گا۔ رشوت سے درندے چھوٹ جائیں گے وہ میرٹ پر فیصلے کرنے لگتا ہے، سارا ملک ہل جاتا ہے۔ عوام کو ان فیصلوں کی کیا ہوش وہ تو روزی روٹی کے مصائب میں مصروف ہیں اور جو چند فیصد مڈل کلاس کے لوگ میڈیا سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ فیصلوں کو سراہتے ہیں، جج کی شہرت اچھی ہوگئی ہے۔ لوگ دعائیں دینے لگتے ہیں تاہم جج صاحب پر اب رشوت کے الزام لگنے لگتے ہیں۔ گڑھے مردے اکھیڑے جاتے ہیں، جوڈیشل کونسل کے ذریعے عہدے سے ہٹا دیا جاتا ہے، نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد پچھلی اسلم والی مثال کے کئی ہتھکنڈے آزما کر جج صاحب کی زندگی کو ناسور بنا دیا جاتا ہے یعنی آخر اپنے آخری دور میں جو فیصلے نہایت اعلیٰ کلاس کے امیروں، کبیروں، سیاست دانوں، جرنیلوں اور بیوروکریٹس و جاگیرداروں اور ظالموں کے خلاف جج صاحب جاتے جاتے دے گئے تھے ان کا خمیازہ تو بھگتنا ہی تھا۔ سو جج صاحب اور ان کی فیملی برباد کر دی جاتی ہے۔ مال و دولت اور عزت و ناموس لوٹ لی جاتی ہے بلکہ جج صاحب کو ذہنی مریض بنا کر پاگل خانے بھجوا دیا جاتا ہے اور بیوی بچے و لواحقین نشان عبرت بنے بیٹھے ہیں۔

تمثیل نمبر۳: چلیے نہایت اعلیٰ حلقے یعنی بادشاہوں سے مثال دیتا ہوں۔ ایک شخص نہایت امیر گھرانے کا چشم و چراغ جس کا نام سلیمان ہے ایک جاگیردار کا بیٹا ہے۔ ولائت پڑھا اور وہاں کی یونیورسٹیوں سے بین الاقوامی سیاسیات و قانون کی ڈگریاں لے کر وطن واپس پلٹا ہے، ملک میں مارشل لاء جاری ہے وہ بھی اثر و رسوخ استعمال کر کے حکومت کا وزیر بن جاتا ہے مارشل لائی صدر کے نہایت قریب اس کا وزیر خارجہ بن جاتا ہے۔ بڑا ذہین ہے فطین ہے جینئیس ہے، ملک و بیرون ملک بھی لوگوں کو اپنی خداداد قابلیت سے مسحور کر دیتا ہے۔ اس کا اپنے صدر سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ صدر اسے عہدے سے ہٹا دیتا ہے وہ عوام کی عدالت میں جانے کا فیصلہ کرتا ہے اور مارشل لاء کے خلاف جلسے جلوسوں کی قیادت کرتے ہوئے نئی سیاسی جماعت

Marfat.com

بناتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑا مقبول ہو جاتا ہے اور عوامی قائد کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ پارٹی اتنی طاقت پکڑتی ہے کہ مارشلائی صدر کو عام انتخابات پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور مسٹر سلیمان انتخابات ملک کے مغربی حصے میں جیت جاتے ہیں۔ پہلے سے جاری سیاست اور سازش کی بنا پر دشمن ملک سے جنگ شروع کر دی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں آدھا ملک دشمن کے کنٹرول میں جا کر ایک الگ آزاد ریاست بن جاتا ہے۔ مشرقی حصہ ملک الگ ہو جاتا ہے جہاں کوئی اور لیڈر جیتا تھا۔ بہر حال باقی ماندہ ملک کا اقتدار مسٹر سلیمان کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ مسٹر سلیمان اپنی خداداد قابلیت و ذہانت سے اس تباہ حال اور شکست خوردہ قوم و ملک کو ایک نئی امید و حوصلہ دیتے ہیں اور اپنے مختلف معاشی انقلابی اقدامات اور کامیاب خارجہ پالیسی سے ترقی کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ تباہ حال تیسری دنیا کی سیاست کو نیا رخ دیتے ہیں۔ لیڈر شپ مہیا کرتے ہیں، ان کے ذہنوں سے زنگ اتارتے اور تعصب کی عینک ان کی آنکھوں سے ہٹاتے ہیں۔ ایٹمی ری ایکٹر لگاتے اور سائنس دان مہیا کرتے ہیں اور ملک تیزی سے ترقی کرنے لگتا ہے۔ انھیں اندرونی و بیرونی سازشوں کا سامنا ہے انھیں ہر دو طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں کہ اگر روایتی ظلم اور ملک دشمن سیاست سے ہٹ کر سیاست کرنا نہیں چھوڑو گے تو نشان عبرت بنا دیئے جاؤ گے۔ اندر کے قومی ناسور، فوجی غدار، بین الاقوامی غنڈہ ریاستوں سے اپنے ذاتی مفادات کے لیے گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں۔ جن جاگیرداروں سے زمین اور جن سرمایہ داروں اور کارخانے داروں سے کارخانے چھین کر غریبوں کو دیئے گئے تھے۔ سب مخالف ہو جاتے ہیں۔ حکومت کے خلاف سرمایہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ سلیمان کے قریبی ساتھی بک جاتے ہیں، جرنیل خرید لیے جاتے ہیں، حکومت کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے۔ غریبوں کی امید ٹوٹ جاتی ہے۔ مسٹر سلیمان کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کٹھ پتلی حکمران بننے اور غریب کا ساتھ چھوڑنے نیز قومی مفادات کا سودا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بیرونی سپر پاورز کی اطاعت اختیار کرنے سے انکار کرتے ہوئے تیسری دنیا کے پسے ہوئے ممالک کو لیڈر شپ فراہم کی تھی۔ انھیں ترقی کرنے کا ڈھنگ و آہنگ سکھایا تھا اور ترقی یافتہ ممالک جوان کی شاہ رگوں سے خون اپنے خونی دانتوں کے ذریعے چوس رہے تھے۔ ان کے خونی جبڑوں سے تیسری دنیا کو آزاد کروانے کی کوشش کی تھی یہ جرم اتنا شدید تصور کیا گیا کہ پہلے تو مقدمہ قتل میں پھنسا کر دو سال تک مقدمہ چلایا گیا پھر سال بھر کال کوٹھڑی کی نہایت تکلیف دہ اور توہین آمیز زندگی مسٹر سلیمان کے حصے میں آئی اور اس کے بعد پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ بلکہ غالب امکان ہے کہ پھانسی کی رات پہلے ہی تشدد سے انھیں ہلاک کر دیا گیا تھا کہ نشان عبرت بنانا کوئی آسان کام تو نہ تھا۔

تمثیل نمبر ۴: آیئے ایک عام آدمی common man کی مثال کی طرف۔ ایک عام آدمی، ایک عام سرکاری ملازم گریڈ 7 کا سرکاری کلرک عبدالرحمٰن بھی اچھی ہی تعلیم و تربیت سے پلا بڑھا تھا لیکن حالات کے تند و تیز طوفان کے منہ زور تھپیڑوں (آزمائشوں) نے اسے اپنے سرکاری منصب پر ایماندارانہ روش تادیر اختیار کیے رکھنے سے روک دیا اور وہ رشوت خوری کے دھن چکر میں پڑ گیا۔ اب اسے جسم و جاں کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے اور بیوی بچوں کی جائز ضروریات کے لیے کڑھنا

Marfat.com

اور ٹار چر ہونا نہ پڑتا تھا بلکہ اس کی ضروریات نہ صرف پوری ہو رہی تھیں بلکہ اس نے سائیکل سے موٹر سائیکل پھر کار کی طرف اور دوسری سمت کرائے کے تنگ و تاریک کوارٹر سے اپنے چھوٹے سے گھر اور بعد ازاں ایک درمیانہ درجے کی کوٹھی کی سمت سفر طے کر لیا تھا۔ اب بچوں کے علاج معالجہ کے لیے اور خوشی غمی پر جانے کے لیے اسے شرمندگی نہ ہوتی تھی بلکہ ہر وقت بینک میں ایک مناسب رقم رکھی رہتی تھی۔ زندگی سکون سے گزرنے لگی تھی۔ بیوی نے بھی جھگڑنا چھوڑ دیا تھا اڑوس پڑوس، گھر اور سسرال میں عزت میں اضافہ ہوا تھا۔ یہ ایک درمیانے درجے کے محکمہ کا کلرک تھا اور حسرت کرتا تھا کہ کاش انکم ٹیکس، ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن، پولیس، تحصیل آفس، DC آفس، پٹوار خانہ، اکاؤنٹ آفس، ریلوے، پی آئی اے، ضلع کچہری یا اور کسی زیادہ نفع بخش (بڑھوتری و رشوت) محکمہ میں ملازم ہوتا آخر ایجوکیشن کے محکمہ کا انتخاب ہی اس نے کیوں کیا۔ یوں ہی گزرتی گئی۔ کئی مرتبہ اسے ایمانداری و دینداری کا دورہ پڑا۔ کسی وعظ پہ کان دھرا۔ کبھی بھول بھلا کے خدا رسول ﷺ کی بات کان پڑی۔ کسی اخلاقی درس کا تھوڑا سا اثر ہوا یا پھر کسی اخبار، رسالے یا TV ڈرامے و فلم نے ضمیر جھنجھوڑا تو تھوڑی دیر کے لیے اندر تبدیلی آئی مگر پھر بچوں کے بیمار و پژمردہ چہرے، آنسو، حسرتیں، بیوی کی سسکیاں، طعنے، جھگڑے، والدین کا کوسنا۔ لوگوں کی حقارت بھری نگاہیں اور مستقبل کی اندوھنا کی یاد آئی تو ذہن کے اس حصے کو ایک لمبی بے ہوشی کا انجکشن دے کر سلا دیا اور سوچا کہ میں تو صرف اپنی ضروریات پوری کر رہا ہوں اصل رشوت و حرام خوری تو یہ دیگر محکموں کے کلرک و افسران کر رہے ہیں۔ جن کے کروڑوں اربوں کے اثاثے بن رہے ہیں۔ میں نے جو 20 یا 30 لاکھ حاصل کیے ہیں یہ میری ضرورت ہے۔ اس طرح سے اس کی ساری زندگی گزر گئی، بیٹے بیٹیاں پڑھ پڑھا کر شادی بیاہوں کی منزل سے بھی گزر گئے لیکن عبدالرحمٰن نے اپنے اور اپنی بیوی کے لیے پنشن و بقایات کی رقم اور کچھ دیگر تحفے تحائف جن میں ایک پلاٹ بھی شامل تھا، بچا لیے تھے کہ وہ اولاد کا دست نگر نہ ہونا چاہتا تھا، مل ملا کر تیس چالیس لاکھ کے اثاثے و نقدی اب بھی اس کے پاس تھے۔ جس کی وجہ سے بیٹے بیٹیاں مطیع و فرمانبردار تھے۔ آخر غرض جو تھی کیوں نہ ہوتے۔ ایک دن اس پر بھی رحمت ایزدی نے جوش مارا بچپن کا زمانہ یاد آیا کہ جب صبح صبح قرآن ناظرہ پڑھا کرتا تھا۔ نماز کی رسم ادا کیا کرتا تھا۔ دل میں ٹیس اٹھی، کسک پیدا ہوئی جھجکتے شرماتے جانے کس طاقت نے وضو کروا کے مصلّے پر کھڑا کر دیا نماز اکا دکا سے بڑھ کر چار وقتی ہوئی، اک دن فجر کے وقت کسی حاجت جسمانی کے لیے آنکھ کھلی، فارغ ہوا تو مؤذن اذان دے رہا تھا جو سیدھی دل میں اترنے لگی، نیند کا خمار غائب ہو گیا جانے کون سی طاقت اسے مسجد لے گئی نماز ادا کی۔ آج اس کی کیفیت عجیب تھی وہ حیران تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے وہ تو کبھی بھی اتنا مذہبی نہ تھا وہ تو سیدھا سادہ سا عام رسمی مسلمان تھا اور بس۔ بہرحال وہ گھر آیا تو جانے کون اُسے سیدھا قرآن پاک تک لے گیا۔ 30 سال بعد پہلی مرتبہ قرآن پاک کھولا۔ بچپن میں اچھا ناظرہ قرآن کی قرأت کرنے والا تھا دھیرے دھیرے پڑھنا شروع کیا، معلوم نہیں کہاں سے جوش پیدا ہوتا چلا گیا کہ سورۃ بقرہ کے کئی رکوع تلاوت کرتا چلا گیا۔ عقیدت و احترام سے چوم کر رکھنے ہی والا تھا

Marfat.com

کہ اندر سے آواز آئی اے رحمٰن کے بندے تم نے کیا پڑھا؟ تمہارے رب نے تم سے کیا فرمایا؟ تم نے کیا سمجھا کیا پڑھا؟ دل کے اس سوال پر ٹھٹھک کر رک گیا اور قرآن پاک کو پھر شروع سے ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا جوں جوں پڑھتا گیا جانے کیا وقت تھا کیا ماحول کونسی طاقت، کس شے کا غلبہ کہ سب کچھ اس کے اندر چلا گیا رقت اس بھرپور طریقہ سے طاری ہوئی کہ جیسے دریا بپھر گیا ہو سمندر جوش مار رہا ہو وہ پڑھتا گیا اور سسکیاں بھر بھر کے بلک بلک کر بچوں کی طرح روتا گیا۔ اس حد تک کہ جسم و جاں کا رشتہ قائم رہنا مشکل ہو گیا۔ روح پرواز کرنے کو تیار ہوئی اس نے پر کھول دیئے کہ اچانک رحمت جوش میں آئی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کا نروس سسٹم ٹرپ کر گیا، وہ گہرے سکون میں چلا گیا، روح چلی تو گئی مگر بے ہوشی و گہری نیند کی وجہ سے عارضی طور پر واپس آنے کے لیے جیسے ہر سونے والے سے ہر نیند میں بچھڑ جاتی ہے۔ مگر جن کی زندگی باقی ہو ان کے پاس لوٹا دی جاتی ہے۔ ہوش میں آیا تو دن چڑھ آیا تھا، زندگی کے وہی معمولات تھے، کچھ نہ بدلا تھا مگر وہ بدل گیا تھا۔ اس کا دل تائب ہو چکا تھا بیوی کو سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا کہ میں جو کر چکا ہوں وہ وقت تو واپس نہیں لا سکتا ہاں جو پاس ہے وہ اللہ کی راہ میں وقف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ ''جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے سب کا سب راہ اللہ میں دے دو''۔ میں اولاد کے تمام فرائض سے فارغ ہو چکا ہوں۔ حج اس مال سے کرنا جائز نہیں ہے کہ اس میں حرام حلال سب ملا ہوا ہے اور پھر حلال کیا میں تو ہمیشہ فرائض منصبی سے غفلت برتتا رہا ہوں، خدا جانے میرا کوئی نوالہ حلال تھا بھی کہ نہیں بہر حال میرا بقیہ تیس چالیس لاکھ غرباء کا حصہ ہے یہ میرا مال نہیں پرایا مال ہے، اللہ کا مال ہے، اسی کے حوالے کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ کی پناہ! ''بڑھیا رہ جانے والوں میں سے ہو گئی''۔ اس نے یہ سن کر ایک کہرام مچا دیا کہ اولاد اور بیوی یعنی ورثاء کا حصہ غرباء میں کہاں جا سکتا ہے دس جگہ سے فتوے اکٹھے کر لائی، اولاد کو رونی صورت بنا کر سامنے بٹھا دیا اور خود ہاتھ جوڑ کر زندگی بھر کی خدمت کا صلہ مانگا۔ علماء نے آنکھیں دکھائیں کہ یوں تو کافر بھی نہیں کرتا۔ لیکن جس کا دل ہی حق کی جانب پھر گیا ہو وہ کب کسی کی پرواہ کرتا ہے اس نے سب کے سامنے زندگی کی رام کہانی کہی کہ کس طرح رشوت و حرام خوری کو عزت و وقار اور زندگی کی ضرورت و زینت بنائے رکھا اور اسی رقم سے بچوں کی شادیاں اور سینکڑوں ضروریات مع تعلیمی ضروریات کے پوری کیں۔ اگر یہ ضروریات حرام کی کمائی سے پوری نہ کی جاتیں تو کیا جائز پنشن یا بقایاجات کی رقم اس قدر تھی کہ یہ ضروریات پوری ہو جاتیں اور پھر اتنی رقم بچ بھی رہتی، اور آخر میں کہا کہ چونکہ میں اپنی جائز کمائی سے کہیں زیادہ بیوی بچوں پر خرچ کر چکا ہوں اس لیے یہ بقیہ کے اثاثے میں غریبوں کی نظر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ویسے بھی میرے نہیں ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ غریبوں کی نظر کر دینے پر بھی میں کسی ثواب و اجر کا منجانب اللہ مستحق تو نہیں ہوں گا تاہم شاید رب تعالیٰ مجھے معاف فرما دے آخر وہ رحیم و کریم ہے۔ ایک آدھ عالم حق نے عبدالرحمٰن کو حق بجانب ٹھہرایا لیکن فتویٰ فروشوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن اپنی رشوت ستانی کا خود ذمہ دار ہے، اس کی سزا اس کے بیوی بچوں کو نہیں مل سکتی لہٰذا مال جائز ہے یا ناجائز یہ اللہ جانتا ہے یا تم خود جانتے ہو۔ ہم وراثت کے شرعی قوانین کے مطابق

Marfat.com

تمہارے ورثاء کو اس ورثہ سے مستفید ہونے کا حق دار سمجھتے ہیں۔ بات پھیل چکی تھی عبدالرحمٰن نہ صرف گلی محلے اور اڑوس پڑوس میں راشی و حرام خور کے طور پر مشہور ہو گیا بلکہ جب معاملہ اس کے دفتر اور محکمہ اینٹی کرپشن تک پہنچا تو اس کی نئی نئی انکوائریاں کھل گئیں۔ عبدالرحمٰن کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا کئی مقدمات قائم ہوئے، جو عرصہ دراز تک چلتے رہے۔ عبدالرحمٰن چونکہ سچ و حق کا پیامبر بن چکا تھا اس نے اپنے سب گناہوں کا اقرار عدالت کے روبرو کر لیا۔ اس کے گھر والوں نے اس کا ساتھ محض رسمی طور پر ہی نبھایا، کچھ رقم سرکاری خزانے میں جمع ہوئی بقیہ ورثاء نے بانٹ لی اور عبدالرحمٰن جیل میں عرصہ 17 سال تک چکی پیستا رہا۔ 77 سال کی عمر میں رہائی پا کر جب گھر آیا تو معلوم ہوا کہ بدنامی کے خوف سے اسے کوئی بیٹا بیٹی اپنے گھر رکھنے کو تیار نہیں اس کی بیوی اس دوران مر چکی تھی۔ آج کل عبدالرحمٰن کسی اجنبی شہر میں بس اڈہ کے اک ہوٹل میں برتن دھوتا ہے چونکہ بینائی بہت کم ہے اس لیے تحریری کام یا منشی گیری نہیں کر سکتا۔ اسے روٹی اور چھت اور جسم پر چند چیتھڑے میسّر ہیں اس کے بوڑھے ہاتھوں میں مسلسل پانی کے استعمال سے ورم سے آ رہے ہیں آج ہی ہوٹل کے مالک کی ان پر نظر پڑی ہے اسے معذرت کر کے کام سے فارغ کر دیا گیا ہے کہ وہ اب کام کے قابل نہیں رہا وہ اب آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں کیساتھ بس اڈہ کے برآمدے میں بیٹھ گیا ہے۔ اس کے ہاتھ تسبیح کے دانوں پر تیزی سے چل رہے ہیں اتنے میں ٹن کی آواز آئی اور اس کے قریب ایک روپے کا ایک سکہ کسی مسافر نے پھینک دیا۔ اب وہ اک فقیر ہے راہ حق کا فقیر۔

بیان کردہ تمثیلات و فلسفے کی توضیح:

آیئے اب بیان کردہ فلسفے کی توضیح و وضاحت کی طرف رخ کرتے ہیں۔ بیان کردہ مثالوں میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح شیطانی راستوں پر فتح و کامرانی کے ڈنکے، مال و دولت کے انبار، عزت و حشمت کے مینار اور تکمیل خواہشات کے شیریں چشمے بانہیں کھولے آپ کے منتظر ہیں۔ زندگی کتنی حسین ہے، کیسا سکون و عیش ہے اور کس طرح سے زمانہ آپ کا غلام ہے محبت آپ کی اسیر ہے۔ حکومتیں آپ کے جنبش ابرو کی منتظر ہیں اور دوسری طرف راہ حق کتنی کٹھن ہے کتنی مشکل ہے بلکہ ناممکن نظر آتی ہے یہ وہی آلام و مصائب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جس کے اُس پار خدا سے ملاقات ہے قرب الٰہی ہے، رضائے حق ہے اور اس ساحل پر کہ جہاں آپ کھڑے ہیں بظاہر شیطان کی حکومت ہے۔ شیطانی کشش اتنی شدید ہے اور شیطانی نظام اتنا مضبوط ہے کہ بغیر خود کو لٹانے کے چرانے کے، کٹوانے کے، مروانے کے، زخم پہ زخم کھانے کے، لرز لرز جانے کے "طویل زندگی کے سفر کے" آپ اُس پار نہیں اتر سکتے، آپ کے سامنے پڑے سفر حیات میں وقت کے سمندر میں آپ کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک اژدھا، بچھو، سانپ اور دیگر شکاری گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ اس راہ حق کے سمندر میں اللہ کی طرف سفر شروع کریں گے تو اس سفر کے کلیے قاعدے یوں ہی آپ پر لاگو ہوں گے جس طرح سے مندرجہ بالا چاروں مثالوں میں لاگو ہوئے ہیں اور جوں ہی آپ سمندر سے واپس قدم کھینچیں گے اور شیطان کے پاؤں پکڑ لیں گے دوبارہ وہی

Marfat.com

عیش و آرام اور انعام و اکرام کی سحر زدہ بارش شروع ہو جائے گی چاہے ہزار مرتبہ اِدھر آئیں، اُدھر جائیں۔ یہی قانون قاعدہ رہے گا۔

نوٹ: میں نے اپنی تحریر کردہ مثالوں میں ہر دو انتہاؤں کا ذکر کیا ہے یا شیطانی انتہا یا رحمانی انتہا (اندازاً) اک جانب گناہگاری کی انتہا ہے۔ جس میں یہ دنیا شاندار اور اگلی دنیا ہلاکت خیز ہے دوسری جانب تقویٰ کی انتہا اور ایمان کی بہتات ہے جس میں اس دنیا میں کرب و بلا اور اگلی دنیا میں انتہائی سرفرازی و اعلیٰ مقامات ہیں۔ لیکن سب لوگ انتہاؤں پر تو نہیں ہوتے 90% لوگ ان کے درمیان کسی نہ کسی درجے پر موجود ہیں۔ پس اگر نقطہ الف کو رحمانی اور نقطہ ے کو شیطانی تصور کر لیا جائے اور نقطہ ے سے سفر کا آغاز کیا جائے یعنی اِس دنیا کی کشش سے اُس دنیا کی کشش کی طرف تو آپ جن جن حروف تہجی کے نکات پر جتنی جتنی دیر ٹھہریں اس نسبت سے آپ کا مقام متعین ہوگا اور اسی نسبت سے آپ شیطانی یا رحمانی ہیں اسے مزید بہتر طریقہ سے سمجھنے کے لیے ایک سے سو تک کی گنتی کے سفر سے ہی سمجھا جا سکتا ہے اگر ساحل سمندر کے نکتہ نمبر 1 پر شیطان ہے تو سمندر کے اُس پار نکتہ 100 پر رحمٰن ہے اور درمیان میں بقایا درجے یعنی کہ 98,99,100......50,51,5......1,2,3۔ اس طرح سے ہیں۔ آپ مادی دنیا کی کشاکش کے جتنے قریب ہیں اتنا ہی شیطان کے قریب ہیں اور مادی کشش سے جتنے دور ہیں روح کے قریب ہیں، خدا کے قریب ہیں (اللہ فرماتا ہے ''اور ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی''۔ یا ''ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی''۔ مندرجہ بالا مثال میں ایک سے سو تک کے مثبت نمبر رحمانی ہیں جبکہ ایک سے سو تک منفی نمبر شیطانی ہیں۔ اسی اعتبار سے آپ کے درجے ہیں۔ رحمانی یا شیطانی۔

شیطانی نمبرز	رحمانی نمبرز
-100..............................-1	+1..............................+100

نیوٹرل

ضروری وضاحت:

اس فلسفہ سے یہ مراد نہ لیں کہ یہ دنیا قابل نفرت ہے اور آپ تارک الدنیا ہو کر بیٹھ جائیں بلکہ اس سے مراد راہ حق ہے اور راہ حق اللہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے قرآن پاک میں بھی شفافیت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اور تمام تہذیبوں کی جڑ میں پائی جاتی ہے یہ الگ بات کہ تمام مذاہب و ادیان اور اخلاقی اقدار میں اس کی حقیقت کو اصل کتابوں میں دیگر علوم شامل کر کے بدل دیا گیا ہے۔ اس مادی دنیا کی گو کہ تمام نعمتیں تمام انسانوں کے لیے ہیں لیکن صدیوں ہزاروں سالوں کا تجربہ شاہد ہے کہ ہمیشہ دنیا پر شیطانوں کی حکومت رہی ہے اور رحمانی عاشق پستے رہے ہیں آج بھی یہ ظلم دنیا میں جاری ہے اور جب تک خدا چاہے گا اسی ظلم و بربریت کی کسوٹی پر ایمان و عمل پرکھا جائے گا خدا تو ظالم نہیں ہے مگر

Marfat.com

ظالموں کے ظلم کے ذریعے ایمان والے پرکھے جاتے رہیں گے۔ شاید جب ظلم زمین پر ایک خاص حدتک بڑھ جاتا ہے تو کوئی موسیٰؑ فرعون کی سرزنش کے لیے آتا ہے جس سے سسکتی انسانیت مختصر عرصہ کے لیے سکھ کا سانس لیتی ہے لیکن پھر یہی چکر شروع ہو جاتا ہے۔

اختتامیہ:

آج عرصہ دراز کے بعد اس دنیا کے فلسفہ حکمرانی و محکومی اور حق و باطل کی کش مکش کو ایک نئے زاویئے سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے میں ایک نئے انداز سے یہ بات سمجھ سکا ہوں کہ شیطان کو اس دنیا کی چکا چوند اور مادیت پرستی میں کیا حیثیت حاصل ہے اور قرب خداوندی کی راہ میں کون سے جان جوکھوں کے امتحان، آزمائشیں اور آلام و مصائب کے پہاڑ اور کون سی بظاہر نا قابل عبور رکاوٹیں ہیں۔ جنہیں حجابات الٰہیہ کہیں تو بہتر ہے یہ جو بے شمار حجابات الٰہیہ کا ذکر کیا جاتا ہے یہ یہی راہ کے پہاڑ ہیں اس عملی زندگی کے آلام و مصائب، درد وغم، دل کو چھلنی کرنے والے تیر، کانٹے، زخم، چُھریاں جو دل پر چلیں اور اسے ریزہ ریزہ کر دیں، اسے بھون دیں وہ آتش کے پہاڑ، اس کو پنجہ استبداد سے نچوڑنے والے ہاتھ، اپنوں پرایوں کے ظلم، زمانے کے ظلم وستم، بیماری واذیت کے کربناک لمحات، محبت کے غم میں راکھ دل، عشق کی آتش میں خاکستر قلب وغیرہ، جب دل خوب باریک سے باریک تر پیستا ہے یا جل کر اس کی خاک اڑتی ہے تو اس میں سے حسب استطاعت نور رحمانی جلوہ افراز ہوتا ہے اور جتنے پردے اور جتنے حجات اٹھ گئے ہوں اتنا قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ حق کیا ہے ''قرآن مجسم'' اور باطل کیا ہے ''قرآن سے فرار''۔ میں نے جتنا فلسفہ بیان کیا ہے قرآن پر عمل کر کے دیکھیں ماسوائے انبیاء کے یا اُنکے ہم عصروں کے زمانہ کے باقی ہر دور کے نتائج یہی ہیں۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ حق اپنے قربانی دینے والوں کے نام سے قائم رہا ہے اور باطل کے ساتھ ٹکرا کر لٹتا پٹتا رہا ہے مگر اپنے وجود کو منواتا رہا ہے باطل کا شیطانی نظام ہمیشہ حاکم رہا ہے۔ ہاں کوئی کوئی ربانی و آفاقی شخصیت بھی اس ترتیب کو تبدیل کرتی رہی ہے۔ کیا ہم انھیں ولی اللہ کہیں گے؟ ہاں انھیں یقیناً خدائی تائید حاصل ہوتی ہے لیکن پھر عرصہ دراز تک یوں ہی ظلم و جور کی حکمرانی اور حقانیوں کی آزمائشوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ جو میں نے اوپر نکتہ 'الف' سے 'ے' یا 1 سے 100 کے سفر کا ذکر کیا ہے۔ یہی دوزخ و جنت کے درجے ہونگے۔ شاید منفی ایک سے منفی سو تک دوزخ اور مثبت ایک سے سو تک جنت کے درجے۔ یعنی دوزخ کی آخری تہہ نمبر 100- اور جنت کی انتہاء نمبر 100+ باقی درمیان کے درجے مثلاً 1- تا 10- معمولی ترین سزا ہے اور درجہ 1+ تا 10+ معمولی ترین جنت محض گزارہ لائق جنت۔ باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

نوٹ: یہی اصل تصوف ہے۔ حق کی راہ میں لٹنا پٹنا ہی صوف ہے اور ان آنسوؤں اور آہوں میں اللہ اللہ کرنا اور حق کی گواہی دینا پھانسیوں پہ جھول جانا، صلیبیں چوم لینا، آتش نمرود میں کود جانا، اُحد میں نبی پاک ﷺ کے گرد کٹ کٹ کے گرنا،

Marfat.com

قدم قدم پہ جہادِ زندگانی میں حصہ لینا ہی صوفیوں کا مقام ہے۔اس کے علاوہ اس سے ہٹ کر سب فراڈ اور ڈھکوسلا بازی ہے۔ خدائی راہ نہیں ہے باقی مختلف ذہنی، جسمانی نام نہاد روحانی علوم کافر و مومن کی تمیز سے مبرّا سب کے لیے کھلے ہیں۔ان سے استفادہ کر کے اثر انداز ہونے والے تمام حضرات مادی دنیا کے پجاری ہیں چاہے ان کا تعلق اسلام سے جوڑیں یا دیگر مذاہب سے حقیقت میں ان کا تعلق سفرِ حق اور حق تعالیٰ کے قرب سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کی تہہ میں شیطان کے بچھائے ہوئے نہایت باریک و غیر محسوس جال ہیں جو نظر تو نہیں آتے مگر قرآن کی کسوٹی پر پرکھتے ہی اپنی حقیقت بیان کر دیتے ہیں۔ یہ ہی سب شرک ہیں اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں شرک اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی سے زیادہ پوشیدہ چیز ہے اس کا علاج صرف اور صرف اللہ کا کلام ہے جو تمام اور بے شمار الہامی کتب کی اصل تہہ میں موجود ہے اور صاف و شفاف طریقہ سے قرآن کے اصل عربی متن میں محفوظ ہے۔اگر اسے عربی ہی میں سمجھا جا سکے تو ٹھیک ٹھاک سمجھ آجاتا ہے تاہم ترجموں اور تفاسیر میں کچھ جھول موجود ہیں تاہم comparative study یہاں کام کرتی ہے۔اصل بات نیت و خلوص ہے اگر تائب ہو کر خلوص نیت سے گڑگڑا کر راہ حق کی گزارش ربِ قدوس سے آنسوؤں کے مسلسل نذرانوں کے عوض کی جائے تو وہ رحمٰن و رحیم ہے کسی بھی طرح رہنمائی فرما دیتا ہے۔

آخری وضاحت:

مادی و ذہنی علوم بھی بے انتہا ہیں ان پر research اور کائنات پر تحقیق کا ہمیں حکمِ الٰہی ہے۔لہٰذا انھیں پڑھنا سمجھنا اور دنیا سے آگے نکل جانا بھی راہِ حق والوں ہی کا اثاثہ ہے لیکن اسے محض اپنی ذات یا اقرباء یا قوم کے لیے مخصوص کر لینا ہوس کے دائرے میں آ کر شیطانی کھیل کا حصہ بن جاتا ہے اور انسانیت کے لیے انھیں عام کر دینا اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے پیش کر دینا قربانی و ایثار کے جذبے کے تحت راہِ حق کی جانب سفر کو مہمیز دیتا ہے۔باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

❁...❁...❁

Marfat.com

مضمون نمبر 44:

مذہبیات، مروجہ اخلاقیات واقدارِ معاشرت سے ہٹ کر محض 'فطرت Nature' پر غور و فکر اور اس کے حیران کن، عجیب و غریب اور عقل و شعور سے ماوراء کام، چھپے راز، لامتناہی رازوں کی دنیا!

جب ہم فطرت کے کارناموں پر غور و خوض کرتے ہیں تو عجیب و غریب قسم کے حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں مثلاً جو پچھلے صفات پر جینز سے متعلق توارثی خصوصیات کے تقسیم ہو کر اگلی نسلوں تک پہنچنے کی بات کی گئی تھی اور اس کے لیے تجاویز دی گئیں تھیں۔ Nature اس ضمن میں کیا کام سرانجام دیتی رہی ہے ذرا غور فرمائیں۔ تاریخ انسانی میں ایسے حکمران اور امراء وفضلاء ہو گزرے ہیں جن کے حرم میں درجنوں بیویاں یا لونڈیاں موجود رہتی تھیں۔ اس طرح سے ایک خاص صلاحیت کے جینز اگلی پیڑھیوں تک بڑی سرعت سے پہنچتے رہے ہیں۔ کہیں تو کسی غریب و جاہل یا گنوار کو ایک بیوی بھی میسر نہیں ہوتی اور کہیں درجنوں بلکہ بعض حالات میں سینکڑوں میسر ہوتی ہیں۔ ہم اخلاقی اعتبار سے غور کریں تو یہ بے اعتدالی، ظلم یا بے انصافی دکھتی ہے لیکن فطرت کو اخلاقیات سے غرض نہیں وہ اپنے فیصلے خود کرتی ہے۔ آپ جانوروں کو دیکھ لیں وہاں بھی کمزور درجنوں سینکڑوں نر محض خواہش ملن کے ہی اسیر رہتے ہیں جبکہ مضبوط، طاقتور اور باصلاحیت نر بے شمار ماداؤں سے ملاپ کرتے اور اپنی نسل کو توانا و باصلاحیت انداز میں آگے بڑھاتے ہیں سو انسانی دنیا میں بھی ایسا ہی ہے گو کہ ہم نے اخلاقی سوسائٹیاں بنا لی ہیں اور اکثر نروں یعنی مردوں کو بیویاں مل جاتی ہیں۔ لیکن تاریخ ایسی بظاہر بے اعتدالیوں سے بھری پڑی ہے جہاں خوبصورت صحت مند اور باصلاحیت خواتین کو زور آور، طاقت ور، قسمت کے دھنی اور بڑے عہدوں پر فائز مردوں نے اپنے اپنے حرموں کی زینت بنائے رکھا بلکہ کمزوروں سے بسا اوقات چھین کر بھی کوئی اچھی عورت لے گئے۔ بظاہر یہ ظلم ہے لیکن فطرت اسے ظلم نہیں سمجھتی وہ اسے طاقتوروں کا حق سمجھتی ہے۔ بعض جگہوں پر بلکہ یوں کہیں کہ ہر دور میں بے شمار خواتین اگر معاشرتی اقدار یا دیگر مجبوریوں کی بنا پر خود کو کسی غریب، لاچار، کم صلاحیت کے مالک عام شخص سے بطور بیوی جوڑے بھی رکھتی ہیں تو ان کے تعلقات مضبوط اور باصلاحیت مردوں کے ساتھ در پردہ قائم رہتے ہیں۔ یورپ وغیرہ میں تو اب پرانی اقدار دم توڑ رہی ہیں اور اکثر مرد و زن کو اپنے جیون ساتھی کے علاوہ دوسرے مردوں یا عورتوں سے تعلقات جنسی قائم کرنے کی عام اجازت ہے۔ کئی ایسے بادشاہ یا امیر قوم ہو گزرے ہیں جہاں تقریباً ہر عورت کو شادی سے پہلے بادشاہ یا قوم کے طاقت ور ترین فرد سے جنسی ملن کرنا ضروری و لازمی تصور کیا جاتا تھا اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کو خصوصی اعزاز و مراعات حاصل ہوتی تھیں۔

Marfat.com

پھر زمانہ دراز تک مفتوحہ اقوام کی جوان، خوبصورت وباصلاحیت لاکھوں عورتوں کو لونڈیاں بنا کر جنسی تسکین کا ذریعہ بنایا جاتا تھا اور مردوں کو غلام بنا کر ان سے مشقت کا کام لیا جاتا تھا یعنی فطرت ناکام مردوں کو مشقت پر تو لگاتی ہے لیکن جنسی ضروریات پوری کرنے کی اجازت نہیں دیتی جبکہ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر دنیا و ملک کو فتح کرنے والوں پر جنسی خزانے لٹانے کے لیے تمام دروازے کھول دیتی ہے۔ آج کے دنیا کے تمام معاشروں میں ایسا ہو رہا ہے بے شمار بچے اس مد میں پیدا ہو رہے ہیں۔ ہمارے ایشیائی گھرانوں کی مضبوط اقدار کے باوجود کئی گھرانوں میں ایسے بچے آ رہے ہیں ہم جنہیں جائز بچے مذہبی یا اخلاقی طور پر کہتے ہیں۔ وہ رفتہ رفتہ نسبتاً کم ہوتے جا رہے ہیں اور عرف عام میں ناجائز اولاد بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن فطرت ایسا کر رہی ہے مذہب اس سلسلے میں جو بھی کہے فطرت کو اس سے غرض نہیں ہے وہ اپنے طور پر آبادی کو بڑی تیزی سے کراس یا مکس کر رہی ہے۔ جینز تیزی سے کراس ہو رہے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں ذہانت بڑھ رہی ہے، صلاحیتیں نکھر رہی ہیں اور انسان کی ترقی کی رفتار تیز ہو رہی ہے۔ ہمارے معاشروں پر تو پھر کئی پردے پڑے ہوئے ہیں لیکن مغربی دنیا کی بڑھتی ہوئی ذہانت وفطانت اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمارے معاشروں میں بھی اگر بغیر کسی ڈر یا ہتک عزت کے دوستانہ ماحول میں، سروے کیا جائے تو ہزاروں کی تعداد میں کوئی ایک ہوگا جس نے بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت سے زندگی میں ایک مرتبہ بھی جنسی تعلق قائم نہ کیا ہو۔ اس کو ہمارے معاشرے میں ''ناڑے کا پکا یا سچا کہتے ہیں''۔ مشہور ہے کہ کسی بہت بڑے ولی اللہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ میری نماز جنازہ صرف وہ شخص پڑھائے گا جو ناڑے کا سچا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ رحلت فرما گئے تو ہزاروں لاکھوں کے مجمع میں سب کو سانپ سونگھ گیا اور کوئی بھی جنازہ پڑھانے کو نہ نکلا۔ اس مجمع میں سینکڑوں علماء وفضلاء بھی شامل تھے۔ بالآخر ایک درویش نے جنازہ پڑھایا۔ اس واقعہ سے اپنے معاشرے کا اندازہ فرما لیجئے۔ جب ہمارے معاشروں میں مردوں کے یہ حالات ہیں تو کیا عورتیں سب کی سب پارسا ہوں گی۔ نہیں قطعی نہیں، بلکہ مردوں ہی کی نسبت عورتیں بھی جنسی بے راہ روی کا اپنی زندگیوں میں کبھی نہ کبھی شکار ہو جاتی ہیں لیکن چونکہ ان کی ازدواجی زندگی متاثر ہونے کا خدشہ ہوتا ہے اس لیے مرد تو اپنے ان رازوں سے پردہ اٹھا دیتے ہیں لیکن عورتیں ان رازوں کو لے کر قبر میں اترتی ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ دنیا بھر کے تمام معاشروں میں فطرت اس طرز پر مرد و عورت کے ایک سے زیادہ مرد و عورت کے ساتھ اختلاط کی بنا پر ایک گھر میں دو دو تین تین یا بسا اوقات کئی کئی مردوں کے بچے ایک باپ کی اولاد کہلواتے ہوئے پال رہی ہے۔

تاریخ انسانی میں بے شمار اقسام کی اخلاقیات، مذہبیات اور اقدار معاشرہ پروان چڑھتی اور مٹتی و بدلتی رہی ہیں۔ لیکن فطرت اپنے کھیل میں اپنے کام میں پوری ذہانت و دیانت سے لگی رہی ہے اور لگی ہوئی ہے۔ یہ سب لکھنے سے میرا مقصد زنا یا جنسی بے راہ روی کو جائز قرار دینا یا اس کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں ہے یقیناً انسانی ایمان و یقین کے مطابق ایسا نہیں ہونا چاہیے لیکن بہت سے دیگر کاموں کی طرح کہ جنہیں مذہباً اور اخلاقاً نہیں ہونا چاہیے لیکن فطرت انھیں جاری و ساری رکھے ہوئے ہے یہ

Marfat.com

بھی جاری وساری ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جسے بطور fact کے بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح سے کسی طرح کا ظلم نہیں ہونا چاہیے، بدیانتی، خیانت، جھوٹ، فریب، مکاری، سیلابوں سے تباہی، آندھیوں سے نقصان، زلزلوں سے ہلاکتیں، زورورں کا کمزوروں کو ہڑپ کرنا، بے انصافی، تشدد، دھشت گردی، کمزور افراد و اقوام کو طاقتور افراد و اقوام کا مغلوب کرنا اور غلام بنانا، ان سے جانوروں کی طرح سلوک کرنا، جانوروں کے ساتھ ظلم وزیادتی، آنسوؤں، دکھوں اور آہوں کے پہاڑ نہیں ہونے چاہئیں۔ دل نہیں پھٹنے چاہئیں۔ کلیجے نہیں چیرنے چاہئیں۔ آنکھوں کو سکتہ نہیں ہونا چاہیے۔ اپنوں سے گردنیں نہیں کٹنا چاہئیں۔ لوگوں کو بھوک، پیاس اور بیماریوں وغموں سے نہی مرنا چاہیے۔ کہیں خوشیوں کے شیریں چشمے اور کہیں کرب کے کوہ عظیم نہیں ہونا چاہئیں۔ کہیں زندگی حقیقت اور کہیں زندگی فسانہ نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کی ہر سانس میں مسرت کسی کی ہر سانس میں اذیت نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کے پیدا ہوتے ہی منہ میں سونے کا چمچہ اور کسی کو مرتے دم تک زہر کے گھونٹ نہیں ملنے چاہئیں۔ کسی کی مہد میں بھی کانٹے اور کسی کی لحد پہ منوں پھول نہیں ہونے چاہئیں۔ کسی کے ہاتھ میں تلوار اور کسی کی گردن سے خون کے فوارے نہیں ابلنے چاہئیں۔ غریب، یتیم، محروم، کمزور و مجبور کی عزتوں کی قیمتیں نہیں لگنی چاہئیں۔ مجبوریاں نہیں بکنا چاہئیں۔ لاچار ناری کو کوٹھے کی زینت نہیں بننا چاہیے۔ زنا بالجبر نہیں ہونا چاہیے۔ خرگوش و ہرن جیسے بے ضرر جانور کہ جن کے سینگ تک نہیں ہوتے ان کو شیروں چیتوں اور درندوں کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہیے۔ کم زور و ملائم گھاس کو پاؤں کے نیچے نہیں کچلا جانا چاہیے۔ آسمانی بجلی گرنے سے غریب کی کٹیا نہیں جلنا چاہیے۔ دہکان کے تیار کھیت کو آگ نہیں لگنا چاہیے۔ سرمایہ دار کے پنجہ استبداد میں غریب وکمزور مزدوروں کی ہڈیاں تڑاخ تڑاخ کی آواز سے نہیں ٹوٹنی چاہیے۔ دنیا کو سرمایہ داری کی آکاش بیل میں نہیں مرجھانا چاہیے۔ ایٹم بم نہیں گرنا چاہیے۔ کیمیائی و جراثیمی ہتھیار استعمال نہیں ہونا چاہئیں۔ الغرض بے شمار کچھ نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ہمارے عقل وشعور کے مطابق شیطان یا دوزخ کا وجود ہونا چاہیے۔ لیکن جان لیجئے کہ فطرت اپنی تمام تر ذہانت وفطانت، گہری بصیرت ودانائی،، بے پناہ اور ماورائے عقلِ انسانی، شعور اور بے پناہ پیچیدہ اور پیچ در پیچ وظائف میں مصروف ہے۔ فطرت کی ایک حرکت، ایک کام، ایک پیغام یا ایک راز کے اندر رازوں کی ایک پوری دنیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں فطرت کے کام inter linked ہیں یہ ایک ایسا مکڑی کا جالا ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے یہ ایسا puzzle ہے جس سے ہم نہ باہر نکل سکتے ہیں نہ اسے پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔ پس تسلیم ہی کر سکتے ہیں اسی لیے صبر وشکر کو ایمان کے جواہر میں شامل کیا گیا ہے اور رضائے الٰہی کو رضائے بندہ الٰہی سمجھنے والے ہی محرم راز ہوئے ہیں۔ عقل وخرد کے فلسفے گو کہ شعوری دنیا کی جان ہیں۔ لیکن یہ مادی دنیا کے کھیل تماشوں کے لیے ہیں زندگی کی بھول بھلیاں ہیں۔ درحقیقت ہم خشک پتوں اور خس وخاشاک کی مانند ہیں۔ جنہیں فطرت کے دریا کی باشعور اور ذہین لہریں اپنے کنٹرول کرنے والی اتھارٹی کے حکم پر جانے کس منزل کی جانب اٹھائے لیئے جارہی ہیں۔ اللہ فرماتا

Marfat.com

ہے جہاں جاؤ میری حکمرانی ہے تم جتنی چاہے کوشش کرلو اس کی حدود سے باہر نہ نکل پاؤ گے۔ یہ وہی فطرت کا جال ہے جس کا سفر اربوں سالوں میں بھی مکمل نہیں ہوسکتا۔ چند روز و شب مستعار رکھنے والا انسان اس کی سیاحی کیا کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کائنات کی ہر شے سفر میں ہے اور سائنس دان بھی کہتے ہیں کہ یہ بے پناہ وسیع و عریض خلا کے اندر کائنات کی ہر شے اپنے اپنے محور کے گرد چکر لگانے کے ساتھ ساتھ کسی انجان منزل کی جانب بھی رواں دواں ہے۔ بہر حال مطالعہ فطرت ایک بڑی دلچسپ شے ہے۔ ہمیں فارغ اوقات میں اس مطالعہ میں اپنا حصہ ضرور ڈالنا چاہیے۔ انسان جب فطرت کے وظائف کی کچھ پہچان کرنے لگتا ہے تو رضائے الٰہی جیسی کٹھن بات سمجھ میں آنے لگتی ہے اب وہ بجائے خوشی و غم کی کشتیوں میں ہچکولے کھانے کے بے نیازی اور فقر کے دروازے پر دستک دینے لگتا ہے۔ ہر شخص، گروہ یا نوع کے لیے مخصوص حواس اور دنیائے ہوش کو مدنظر رکھتے ہوئے راہیں ترتیب دی گئی ہیں۔ قوانینِ معاشرت و شہریت و عبادت بنائے گئے ہیں اور ہر دیگر نوع کے لیے یا شعوری گروہ کے لیے یہ قوانین مختلف ہیں ان کے وظائف ان کی دنیائیں ہی مختلف ہیں جن کا باقیوں کو علم نہیں ہوتا۔ اگر تو نوع ہی دیگر ہے تو پھر تو ہم زیادہ غور و فکر نہیں کرتے لیکن اپنی ہی نوع کے دیگر انسانی گروہوں کو ہم اگر بس لگے تو جینے نہیں دیتے۔ ہم ہابیل کو قتل کر دیتے ہیں، ہم نبیوں کو سنگسار کرنا چاہتے ہیں چیر ڈالتے ہیں۔ ہم اماموں کے جسموں کو کوڑوں سے اُدھیڑ دیتے ہیں ہم شمس تبریزؒ کی کھال کھینچ لیتے ہیں ہم سقراط کو زہر پیش کرتے اور منصورؒ کو پھانسی چڑھاتے ہیں اولاد محمد ﷺ اور خونِ حسینؓ میں الگ سے اک نور کی بنا پہ اسے کربلا میں کاٹ ڈالتے ہیں تاہم اک چنگاری کو بچانے والا بچا لیتا ہے اور اس سے اس نور کو تو باقی رکھتا ہے لیکن اس کا نشان کہیں نہیں ملتا۔ یعنی بے شمار بظاہر سیدزادوں یا دیگر انسانوں میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ نور کہاں ہے، کس پشت یا کس کوکھ میں ہے، عیسیٰؑ کی طرح اسے بھی مشتبہ کر دیا گیا اس میں مالکِ فطرت کی عظیم حکمتیں ہیں اور تو اور خود موسیٰؑ بھی خضرؑ کے کاموں پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ بے شمار معاملات میں ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور، اور کھانے کے اور ہیں۔ ظاہر کے قانون اور ہیں باطن کے طریق اور ہیں۔ شریعت کے قوانین اور ہیں طریقت کے اور، پھر حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ بقول حضرت سلطان باہو۔

شریعت دے دروازے اُچے، راہ فقر دا موری ھُو
مُلا ملوانے لنگن نہ دینے، جیہڑا لنگھدا اچوری ھُو

یہ کہنے کو عام بات نظر آتی ہے لیکن اس کے اندر عظیم محرم راز نے بڑی ہی پراسرار بات کہی ہے۔ یہ فطرت کی وہی بھول بھلیاں ہیں جن کو کوئی جان نہیں سکتا اور جو جتنا جان لیتا ہے وہ اتنا ہی خاموش ہو جاتا ہے۔ یہ فقر کا قانون ہے اسے توڑنے والا اس دنیا سے فوراً پردہ کر جاتا ہے کیونکہ ان قوانین کو ظاہر کی دنیا پر کھول دینا نظامِ دنیا میں خلل ڈالنے کے برابر ہے۔ مندرجہ بالا بحث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ظلم و زیادتی کا ذکر مقصود ہے۔ اصل میں فطرت جو کچھ بھی کرواتی یا کرتی ہے اس میں بے

Marfat.com

شمار حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ بظاہر دنیا کے بے شمار کاموں میں کسی چیز کو ظلم سمجھا جاتا ہے کسی کو احسان کہتے ہیں کوئی بے انصافی تو کوئی انصاف کہلاتا ہے، کسی شے کو خوشی کسی کو غم کہتے ہیں، کسی چیز کو درد و اذیت کسی کو راحت و سکون کہتے ہیں۔ کسی شے کو بددیانتی، خیانت اور ہیرا پھیری کہتے ہیں تو کسی کو ایمانداری، امانت داری اور پرہیز گاری کہتے ہیں۔ اس دنیا میں کسی بات سے آنسو گرتے ہیں اور کسی سے قہقہے بکھرتے ہیں۔ کوئی ہیرو دکھتا ہے تو کوئی زیرو نظر آتا ہے کوئی کار آمد اور کوئی نکما ہوتا ہے کسی کی قبر پر بھی محبت کرنے والوں کے ہجوم اس کی قبر کو بوسے دے رہے ہوتے ہیں اور کوئی اپنی زندگی میں لوگوں کی محبت کو ترستا مر جاتا ہے۔ کوئی صحرا میں سیراب ہوتا ہے اور کوئی سمندر میں پیاسا مر جاتا ہے۔ کوئی گوہر یکتا ساری زندگی قید خانے میں گزار دیتا ہے تو کوئی پستیوں سے اٹھے ہوئے پتھر میناروں پہ جگہ پاتے ہیں۔ یہاں جو کام کرتا ہے اسے چھٹی نہیں ملتی اور جو نکما ہے اسے چھٹی ہی چھٹی ہے۔ طوطے کی میٹھی میٹھی باتیں اس کو تمام آزادیوں اور پر بہار زندگی سے کھینچ کر پنجرے کا قیدی بنا دیتی ہیں اور اس کی فریادوں سے اس کا مالک خوش ہوتا ہے۔ پھول کی خوبصورتی اور بھینی بھینی خوشبو اسے باغ سے اور زندگی سے رخصت کر دیتی ہے۔ درخت کا قوی پن اسے آری سے چرواتا ہے، اونچے اٹھنے والے گھاس کی گردن کاٹ کر برابر کر دی جاتی ہے۔ لیاقت پابہ زنجیر اور جہالت مسند افروز ہوتی ہے۔ کمینوں کے پاس دولت اور سخیوں کے جیب اکثر خالی دیکھے گئے ہیں۔ کتے جیسے وفادار نجس اور عام انسان جیسے بے وفا پاک ٹھہرائے جاتے ہیں یہاں بے شمار دھوکے اور احساسات کی کئی پرتیں ہیں ہر پرت کی اک اپنی دنیا ہے جس سے ہم ناواقف ہیں لیکن فطرت خوب واقف ہے میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بے حد و شمار معاملات یا اشیاء یا موجودات یا احساسات یا واردات جو ہوتے ہیں وہ دکھتے نہیں اور جو دکھتے ہیں وہ ہوتے نہیں۔ فطرت کے عظیم راز ہیں، فطرت جو کرتی ہے اسے کرنے دیں، جو ہوتا ہے اسے ہونے دیں، مزاحمت نہ کریں تو بہتر ہے آپ کی مزاحمت بھی گو کہ فطرت کا حصہ ہے تمام اعمال اور رد اعمال گو کہ فطرت کا حصہ ہیں اور آپ ہوائے فطرت کے دوش پہ اڑنے والے ذرّات ہیں۔ اپنے تئیں کچھ آزادانہ اختیار بظاہر رکھتے بھی ہیں لیکن در حقیقت آپ فطرت کے قیدی، مُہرے اور ہتھیار ہیں یہ عجیب گورکھ دھندا ہے جسے سوائے خالق فطرت کے کوئی مکمل طور پر نہیں جانتا تاہم جو جتنا جانتا ہے اتنا ہی خاموش اور بے حس و حرکت ہے۔ شاید عظیم محرم راز لوگوں نے اسی لیے خود کو فطرت کے حوالے کر دیا تھا اور کر رہے ہیں وہ فطرت کے منہ زور، عجیب و غریب، عقل سے ماوراء، حاکم و مقتدر اور اصل فاعل دریا کی لہروں پر خود کو بے حس و حرکت اور ساکن چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ جدھر چاہے بہا لے جائے وہ بہتے جاتے ہیں کوئی مزاحمت کوئی رد عمل کوئی اختیاری حرکت حتیٰ کہ کوئی ارادہ بھی نہیں کرتے اور اپنے خیال کو 'لا' پہ نفی ذات پر مرکوز رکھنے کی ہمیشہ مشق کرتے ہیں جب وہ اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر کہنے والے کہتے ہیں کہ آگے اصل حقیقت دھیرے دھیرے دکھنے لگتی ہے جسے محسوس کیا جا سکتا ہے محسوس کروایا نہیں جا سکتا۔ آگے الا اللہ کا سمندر حیرت در حیرت و ہزار حیرت ہے۔

Marfat.com

پھر کچھ اپنے بارے میں! فطرت اپنی راز افشانیوں پر مجھ سے لڑنے لگی ہے:

ابھی تو بات آدھی بھی نہیں ہوئی اس فائل میں جتنے کاغذ نتھی ہیں ان کے نصف پر ہی پہنچا ہوں کہ جسم کو اندر سے دیمک نے چاٹنا شروع کر دیا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ جس بائیں ہاتھ سے لکھتا ہوں اس پوری بائیں سائیڈ کو جیسے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ پاؤں سے سر تک بائیں سائیڈ فارغ ہو رہی ہے۔ خصوصاً پھیپھڑے اور دل متاثر ہیں۔ معلوم نہیں کتنا وقت اور ملتا ہے۔ شاید فطرت کو اپنی زیادہ راز افشانی پسند نہیں ہے یا پھر فطرت سے لڑتے لڑتے اس کے رازوں کو اس سے حاصل کرنے کی یہی ریت ہے کہ کون کتنا بہادر ہے؟ کون اللہ کی آیات پہ کتنا غور وفکر کن کن حالات و مراحل اور خوشی و غم اور بیماری و سستی اور پہاڑ جیسی رکاوٹوں کے باوجود کرتا ہے اور کون کب تھک کے گرتا ہے۔ دعا ہے کہ حسینؓ بن علیؓ کی طرح آخر دم تک وقت نزع تک اللہ کی دعوت فکر وتقویٰ کو نبھاؤں۔ ویسے کہاں وہ عالی مقام اور کہاں میں خاک نشین گدا اور نصیب کا کالا سیاہ۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 45:

بے شمار عالمین، بے شمار دنیائیں! اسی زمین و آسمان میں بسنے والوں کے بے شمار عالم۔ مخصوص حواس و محسوسات کی تبدیلی سے دوسرے عالموں میں داخلہ

راہیں مسدود و دبیز پردے راہ میں حائل نیز ہر اک نوع کی اپنی دنیا

ویسے تو یہ موضوع کچھ زیادہ نیا نہیں ہے اس پر پہلے بھی بات ہو چکی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے پاس اب مزید کچھ کہنے کو موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر عنوانِ مضمون سے ظاہر ہے کہ ویسے تو بے شمار کرّوں پر سیاروں، ستاروں، خلاؤں، ہواؤں اور کائنات کی بے حد و شمار پنہائیوں میں بے حد و شمار عالم و دنیائیں آباد ہیں جن کا ہمیں کوئی علم ہی نہیں ہے کیوں کہ خود اللہ کی ذات پاک فرماتی ہے کہ ''میرے بے حد و شمار علم میں سے بہت تھوڑا سا علم انسان کو دیا گیا ہے'' تو ظاہر ہے کہ ہمارا کُل علم ہی اللہ کے علم کے سامنے بے حد و شمار قلیل اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ یہ انسانی علم کا شمار اللہ پاک کی نسبت علم سے ہے کیونکہ یہ قلیل علم بھی انسانی اعتبار سے پورا ایک سمندر ہے لوگ گو کہ بفضل تعالیٰ علم کے اس سمندر کی کئی لہروں سے سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن انسان کو عطا کیا گیا سمندرِ علم بھی اتنا گہرا اور وسعت والا ہے کہ دریاؤں جتنا پانی پینے سے بھی اس میں کمی نہیں آتی یعنی علمی دنیا بہت ہی معمولی سی طے ہوتی ہے اور زندگی دنیا اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ تاہم کوئی کتنا گہرا اترا یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بہر حال اب اصل موضوع کی جانب آتے ہیں اور علمی دنیا کا سفر چند گام اور طے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ جو ہماری زمین ہے اس پر جیسا کہ ہم جانتے ہیں انسان کے علاوہ بے شمار اقسام کی حیات ایسی موجود ہیں جسے ہم جانتے ہیں یعنی وہ ہمارے حواس خمسہ کی دسترس میں ہے جن میں بے شمار اقسام کے نباتات اور آبی و خشکی کے جانور چرند، پرند، درند نیز بے حد و شمار حشرات الارض شامل ہیں جن پر ہنوز تحقیقات ہو رہی ہیں اور آئے روز نئی نئی اقسام دریافت کی جا رہی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ایسی بھی متعدد، درجنوں، سینکڑوں یا شاید اس سے زیادہ مخلوقات اسی زمین پر اس کے خشکی و تری میں، صحراؤں، دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں حتیٰ کہ انسانی آبادیوں کے اندر اور زمین کے اندر اس کی اتھاہ گہرائیوں میں، ہواؤں، فضاؤں میں اور جہاں تک اس کی کشش یا اثر و رسوخ ہے وہاں تک موجود ہیں جو ہمارے حواس خمسہ کی قید یا دسترس سے آزاد اور پرے ہیں۔ ان میں یقیناً ایسی

Marfat.com

بہت سے مخلوقات ہوں گی جن کا شعور اپنے حواس کی ذرا سی تبدیلی، ٹیوننگ یا مخصوص سعی و کوشش، مشق، اوراد، سانس کی مشقوں، یوگا کے آسنوں، قوت ارادی، گہرے غور و فکر، تصوّر کی کارستانیوں، روحانی بالیدگی، تقویٰ، زہد و عبادت، خوارک کی تبدیلی، قلیل خورد و نوش وغیرہ اور اپنے ٹارگٹ سے عشق کی بنا پر ہم حاصل کر سکتے ہیں کچھ لوگ اپنی بساط بھر اس میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور بڑا بڑا کچھ دریافت کر کے یا تو ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں یا اکا دکا اپنے خاص الخاص شاگردوں یا چیلوں یا مریدوں کو دے جاتے ہیں اسی طرح سے یہ دریافت شدہ علم سینہ بہ سینہ چلتا رہتا ہے اور اس میں اضافہ و کمی ہوتی رہتی ہے جتنا اللہ چاہتا ہے ظاہر ہوتا ہے باقی رہتا ہے آگے چلتا ہے، باقی مٹ جاتا اور راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ ان سب کوششوں، کاوشوں، طریقوں، ہنروں اور علموں میں ایک سب سے بلند ترین ہے اور وہ ہے اللہ رحمان و رحیم سے عشق۔ اُس کی عبادت و ریاضت کرنا اور مذہبی ہونا اور مذہبی کتابوں سے علم اخذ کر کے آگے بڑھنا یوں درجہ بدرجہ یہ بڑی سعادت کا طریق ہے۔ لیکن عشق الٰہی اکتسابی نہیں وہبی شے ہے یہ اللہ پاک کی عطا ہے اور لاکھوں میں سے کسی ایک آدھ کے نصیب میں آتی ہے گو کہ اس میں بھی مقامات و مدارج ضرور ہیں۔ سو عشق علم کے جن درجوں پر پہنچاتا ہے جو ادراکات کرواتا ہے۔ عقل سے حاصل شدہ زندگی بھر کا کیسا بھی علم چاہے مذہبی ہو یا دیگر نظریاتی و فلسفیانہ اس کی دھول کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن عاشق چونکہ اللہ پاک کے اتنے قرب میں چلے جاتے ہیں کہ خدا کے علم میں بساط بھر غرق رہنے اور عطا بھر سیراب ہونے (جو کہ انسانی اعتبار سے عجائبات ہی عجائبات ہیں) کے باوجود ہونٹ نہیں ہلاتے نہ اُدھر کی شے اِدھر اس دنیا میں پہنچاتے ہیں ماسوائے اشارے کنائے یا نشان منزل کے کہ پیچھے آنے والے اگر رب بلائے تو کچھ راہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس لیے یہ بڑا مشکل کام ہے اور یہ راہِ عام نہیں ہے۔

جہاں بات دو تین سطروں پر ختم ہو جانی چاہیے۔ جب خاص بات چل رہی ہو تو وہاں ایک دو صفحات کالے ہو جاتے ہیں تب بات سمٹتی ہے۔ یہ تو تھی تھوڑی سی بات اپنے عام حواس خمسہ سے نکل کر دیگر عالموں اور دنیاؤں میں داخل ہونے کے کیا کیا sources ہو سکتے ہیں اس کے بارے میں اب آئیں کچھ عملی بات کرتے ہیں اور آپ کے علم میں ہلکا سا اضافہ کرتے ہیں۔

یہ جو ہماری زمین ہے اس پر ہمارے علاوہ نہ نظر آنے والی، نہ راستہ میں حائل ہونے والی، نہ ہماری مادی دنیا میں رکاوٹ بننے والی بہت سی غیر محسوس مخلوقات بھی آباد ہیں جن میں سے کچھ کو ہم جنات، بلائیں، شرارے، کسی جگہ کا بھاری ہونا، وغیرہ وغیرہ کہتے ہیں واضح ہو کہ فرشتے بے شمار اقسام کے ہیں اور آسمانوں کے علاوہ زمین پر بھی اللہ پاک کی جانب سے ڈیوٹیاں سرانجام دیتے اور بے شمار کام کرتے معاملات نبٹاتے ہیں۔ یہ نوری، ناری، ہوائی و آبی مخلوقات ہیں جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ ہم ان تک مختلف علوم و فنون، مشقوں، آسنوں، منتروں، تنتروں کے علاوہ مذہبی کتب کے کلمات یا طلسمات سے پہنچ سکتے ہیں قابو پا سکتے ہیں اور مختلف چلّوں کے ذریعے انھیں زیر اطاعت لا سکتے ہیں یہاں ان چلوں کا ذکر یا ان پر قابو کے

Marfat.com

لیے دیگر طریق کا ذکر ہماری بحث سے فی الحال خارج ہے کہیں بعد میں اس پر حسب استطاعت کوئی موضوع باندھا جائے گا۔
اب سنیئے جس طرح سے ہماری زندگی ہے۔اس کے معاملات ہیں، ضروریات ہیں، ہماری زندگی کا اتار چڑھاؤ ہے، تعلیم ہے ہنر ہیں کارخانے ہیں ایجادات ہیں دریافتیں ہیں سائنس وٹیکنالوجی ہے، ہسپتال ہیں، پولیس اسٹیشن ہیں، مختلف شعبۂ حیات ہیں گھر ہے یا تعمیرات ہیں زندگی موت ہے شادی بیاہ ہے اولاد ہے علوم وفنون ہیں نیک وبد ہیں مذہب ہیں کافر ومومن ہیں، گندے وپاکیزہ ہیں لڑائی جھگڑے ہیں، سب کچھ ان میں بھی اسی طرح موجود ہے لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم وشعور نہیں ہے ہم جہاں رہ رہے ہیں یہ بھی رہ رہے ہیں ہم جو پڑھ رہے ہیں یہ بھی پڑھ رہے ہیں، ہم جو کھا رہے ہیں یہ بھی کھا رہے ہیں، ہم جو پہن رہے ہیں یہ بھی پہن رہے ہیں لیکن ہمیں اس کا شعور نہیں ہے یہ کس طرح سے ویرانوں، پہاڑوں اور جنگلوں کے علاوہ ہمارے گھروں میں کثیر تعداد میں رہ رہے ہیں، ہمیں علم نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو پکایا ہم ہی نے کھایا نہیں بلکہ ساتھ وہ کھا رہے ہیں ہماری ہر ہر شے استعمال کر رہے ہیں ہمارے بچوں کی سکول وین پر وہ بھی جا کر انہی سکولوں میں پڑھ رہے ہیں جہاں ضرورت ہے ان کی اپنی management موجود ہے، پرنسپل واسٹاف موجود ہے جہاں ضرورت ہے ان کے اپنے ادارے بھی موجود ہیں یہ عجیب اسرار ہیں طلسم ہوش ربا ہے یقین نہیں آتا کہ یہ سب خدایا کیا ہے کیسے ممکن ہے آپ نے کسی شہر کے لیے سفر کیا آپ کی کار میں بسوں میں جہازوں میں یہ بھی موجود ہیں۔ یہ اپنے کاموں کے لیے جا رہے آ رہے ہیں۔ یہ انہی بازاروں سے سودا خرید رہے ہیں ان کے اپنے بازار بھی موجود ہیں یعنی ان کی اپنی دنیا کے یا دنیاؤں کے لوازمات ہم سے الگ بھی موجود ہیں اور ہمارے ساتھ نتھی بھی ہیں۔ آپ نے کبھی محسوس کیا ہوگا کہ جب کہیں ایک گھر آباد ہوتا ہے وہاں خورد ونوش ہوتی ہے آپ نے کھانا کھالیا جو ذرات زمین پر گئے انھیں چیونٹیاں ودیگر کیڑے مکوڑے جو نظر نہیں آتے (بہت چھوٹے ہوتے ہیں) اٹھالے جاتے ہیں۔ آپ کے کچن میں کتنا کچھ پل رہا ہے آپ کے بچے کھانے پر ڈسٹ بن پر باہر کوڑے کے ڈھیروں میں موجود خوراک پر کیا کچھ پل رہا ہے۔ یہ سب محسوس ہو جانے والی مخلوقات ہمیں تھوڑے غور وخوض کے بعد ادراک حقیقت دیتی ہیں۔ لیکن وہ مخلوقات جو ہمیں نظر ہی نہیں آتی ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ہماری زمین، ہماری رہائشوں، ہمارے گھروں، بازاروں، گلی محلوں اور ہر ہر کوچہ میں موجود ہیں اور مختلف انداز سے اپنی اپنی دنیا کے معمولات میں مگن عام طور پر اللہ پاک نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ایک مخلوق دوسری کی دنیا میں مداخلت یا تو کرتی نہیں یا جتنی بھی مداخلت کرے دوسرے مخلوق کو محسوس نہیں ہوتا۔ تاہم جس طرح سے باوجود بہترین جسمانی دفاعی نظام کے ہم کبھی کبھی بیمار پڑ جاتے ہیں اور ہوا کی رفتار سے دوڑنے والا ہرن کبھی شیر کے منہ میں بھی پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح سے بہترین الگ الگ دنیاؤں کے بندوبست کے باوجود یہ باہم گڈمڈ بھی ہو جاتی ہیں اور یہیں سے دیگر مخلوقات کا شعور یا اس کے اشارے ملتے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ ان تک پہنچنے کے طریق دریافت ہوئے اور ایک دوسرے کی دنیاؤں میں مداخلت اور دسترس

Marfat.com

حاصل ہوئی پھر اب ایک دوسرے کو نفع نقصان بھی پہنچایا جا سکتا ہے اور ایک دوسرے سے مستفید بھی ہوا جا سکتا ہے۔ کئی قسم کے جنات و مخلوقات کا ذکر حضرت سلیمانؑ و داؤدؑ سے متعلق، ایوبؑ سے متعلق، محمد رسول اللہ ﷺ سے متعلق قرآن مجید میں بھی موجود ہے اور بائبل یا دیگر مذہبی کتب میں بھی اس طرح کے بڑے تذکرے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمام زمین پہ بسنے والی غیر محسوس مخلوقات سے انسان کا ارتباط ہوتا ہے پس جن کا علم ہے اس کا ذکر کر رہا ہوں ورنہ ان کے علاوہ مخلوقات موجود ہو سکتی ہیں جو اب تک ہمارے علم ہی میں نہیں ہیں تاہم وہ یہاں ہماری بحث سے فی الحال خارج ہیں۔ معلومہ مخلوقات غیر محسوسہ میں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں اللہ کی مطیع بھی ہیں باغی بھی ہیں مختلف مذاہب و نظریات اور مکتبۂ فکر رکھنے والی ہیں شیطان کی مددگار بھی ہیں اور اللہ کی تابع فرمان بھی اور بین بین بھی ہیں۔ پس جس طرح انسانوں کا حال و حالات ہیں ان کے بھی ہیں۔ ان کی خوراک و حاجات میں نجس و پلید اشیاء بھی ہیں اور پاک و پاکیزہ اشیاء بھی ہیں (ہمارے اعتبار سے بات کر رہا ہوں ورنہ ان کے اعتبار سے ایسی خوراک پاک ہو سکتی ہے جو ہمارے اعتبار سے نجس ہے) چونکہ ہم انسانی اعتبار سے زیادہ بات کر رہے ہیں اس لیے نجس پلید کا پیمانہ بھی وہی استعمال کریں۔ البتہ یاد رہے کہ جہاں تک جنات وغیرہ کی اقسام کا تعلق ہے ان میں مسلمان یا مطیع الٰہی جنات پاکیزہ خوراک ہی لیتے اور پاکیزہ زندگی ہی اختیار کرتے ہیں، آگے اللہ بہتر جانتا ہے۔ چونکہ یہ مخلوقات ہمارے اعتبار سے مادی نہیں ہیں گو کہ مادی ہی ہیں اس لیے یہ ہر اس جگہ سے گزر سکتی ہیں اس میں سما سکتی ہیں، چھپ سکتی ہیں، رہ سکتی، اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ جس جگہ یا طریق سے ہم یا ہماری محسوساتی مادی اشیاء نہیں گزر سکتیں یا اثر انداز نہیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ بند دروازے سے اندر آ سکتے ہیں جس طرح سے روشنی و ہوا، یا آواز بند جگہوں پر بھی قدرے پہنچ جاتے ہیں یہ بھی پہنچ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے اجسام میں سما سکتے ہی، اذہان پر چھا سکتے ہیں۔ ہمارے جسم کے اندر خون یا سانس یا ہوا کی طرح گردش کر سکتے ہیں، خیالوں، ارادوں و نظریات پر خوشی و غم و غصے پر اثر انداز ہو سکتے ہیں وسوسے ڈال سکتے، جھگڑے کروا اور رکوا سکتے ہیں۔ لیکن یہ بندۂ مومن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہاں داخل ہونے کے لیے ان کا راستہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ کیسے لوگوں پر شیطان اترتے ہیں کن کے ساتھ ان کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں گو کہ یہ تو اپنے خیال و ارادے ہی سے شیطانی کام اپنی غرض و ارادے سے یا مفادات و معاملات کے تحت یا کسی عامل کے کہنے پر کرتے ہیں لیکن درحقیقت تمام شیاطین جن و انس و دیگر اللہ کی وسیع تر اسکیم و حکمت کے تحت ہی کام کرتے ہیں اسی طرح سے جن پر فرشتے اترتے ہیں ان مومنین کے خصائل و صفات بھی اللہ پاک نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں۔ پس گناہ اس کی اقسام و کثرت یا قلت اور اسی طرح سے نیکی و تقویٰ اور ایمان و ثواب کی اقسام و کثرت و قلت اور سب سے بڑھ کر اللہ کا حکم ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کس پر کس قسم کے شیطان جنات یا دیگر مخلوقات یا فرشتے اتارے جائیں۔ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ شیطان کو اس کی افواج کو گناہوں کی کثرت سے قوت ملتی ہے اور ایمان، نیکی و تقویٰ سے رحمانی افواج مدد کو پہنچتی ہیں۔ بہر حال چونکہ شیطان فی زمانہ بہت چھایا ہوا ہے اور

Marfat.com

اسی سے جہنم نے بالآخر بھرنا ہے اس لیے اس ہماری دنیا میں بہت بڑی اکثریت میں لوگ ان مخلوقات کی شیطانی مداخلت کا شکار ہیں اور یہ مخلوقات اپنی الگ دنیا رکھنے کے باوجود ان گناہوں کی بنا پر انسانوں کی دنیا میں اور انسان ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی دنیا میں بہت زیادہ مداخلت کر رہے ہیں۔ گندے کاموں، گندی سوچ، گندے منصوبوں اور گندگی سے بدبو سے ان مخلوقات کو مہمیز ملتی ہے اور ان کے اثر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اچھے کاموں، نیک اعمال اور اعلیٰ پاکیزہ سوچ و ایمان سے اس کے حاملین سے یہ بھاگتی ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم کیسی زندگی اختیار کرتے ہیں اور خود کو شیطانی کشش کا شکار بنا کر ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں یا قرآن پاک سینے سے لگا کر انھیں بھگا کر فرشتوں کو ساتھی بنا لیتے ہیں یاد رکھئے قرآن خالص کے علاوہ نہ اسلام سے متعلق باقی شریعت پر مبنی اسلام کا ملغوبہ آپ کو ان سے بچا سکتا ہے کہ جس میں قرآن کے علاوہ بڑا کچھ شامل کر کے قرآن کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور نہ ہی باقی کسی کتاب یا فلاسفی سے آپ کو وہ ایمان و تقویٰ کی key حاصل ہو سکتی ہے جو کہ مطلوب ہے۔ گو کہ باقی مذہبی کتب سے بھی بڑا ہی زیادہ استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ زمانے کے سرد و گرم اور حالات و واقعات کی بنا پر وہ 100% اصل تعلیمات پر مبنی نہیں رہی ہیں اس لیے اگر ان کا مطالعہ بھی کریں تو قرآن پاک کو کسوٹی بنانا ضروری ہے جو مکمل طور پر محفوظ ہے اپنی اصل شکل میں عربی متن کے ساتھ۔ خوشبو کا استعمال اسی لیے نبیوںؑ نے اور متقی حضرات نے پسند فرمایا ہے کہ یہ ماحول کو معطر بناتی ہے اور نیکی کے فرشتوں کی راہ ہموار کرتی ہے بشرطیکہ ایمان و تقویٰ کی اصل خوشبو بھی موجود ہو ورنہ گندگی پر خوشبو چھڑکنے سے کب بدبو جاتی ہے۔ اسی طرح سے شیطانی محافل و اعمال میں نجاست و بدبو کا در آنا لازم ہے کیا شرابی کے منہ سے شراب کی بو نہیں آتی، دیگر نشہ بازوں کے منہ سے بو نہیں آتی، فحش مرد و زن چاہے خوشبو میں نہائے ہوں ان سے کیا بو نہیں آتی۔ بعض تو اقوام کے اجتماعی گناہوں کی وجہ سے نسلی طور پر ان کے اجسام سے خاص قسم کی بو محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہم زیادہ گہرائی میں چلے گئے ہیں۔ ہمارا topic تو ان مخلوقات کی زمین پر موجودگی تک محدود تھا۔ آپ اپنی روزمرہ زندگی پر غور کریں باریکی میں جائیں تو آپ کو اپنے گھر، دفاتر، کارخانوں، اجتماعات و تنہائیوں میں اپنے معمولات حیات میں کچھ عجیب و غریب باتیں ہوتی ہوئی نظر آئیں گی مثلاً آپ محسوس کریں گے کہ اکثر بغیر ہی کسی قابل ذکر وجہ کے میاں بیوی میں لڑائی ہو جاتی یا گھر میں اکثر افراد کے درمیان لڑائی رہتی ہے۔ فیملی یا خاندان میں کچھاؤ رہتا ہے لاکھ کوشش کے باوجود کاروبار میں نقصان ہوتا رہتا ہے۔ نوکری میں افسران سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اکثر کسی گھر میں بیماری رہتی ہے ایک اٹھا تو دوسرا بیمار، تیسرا بیمار، بیماریوں پر ہزاروں خرچ ہو جاتے ہیں۔ رزق میں برکت نہیں ہزاروں لاکھوں کما رہے ہیں مگر کہاں جاتے ہیں پتا نہیں چلتا۔ سب کچھ آسائشات حیات موجود ہیں مگر گھر میں بجائے خوشیوں کے قہقہوں کے آنسو ہی ڈیرا ڈالے رکھتے ہیں۔ فصل برباد ہو جاتی ہے، مکان گر جاتا ہے، ایکسیڈنٹ ہو جاتے ہیں (عام زندگی کے خوشیوں غموں کے علاوہ میں غیر معمولی نقصانات اور اکثر نقصان و غم و تکلیف قائم رہنے کی بات کر رہا ہوں)۔ لڑائی جھگڑوں کے بعد مقدمات یا دیگر تنازعات

Marfat.com

کے بعد مقدمہ بازی کی پریشانیاں جن پر ذہنی اذیت و بے سکونی کے علاوہ لاکھوں کے اخراجات اٹھ جاتے اور بعض اوقات سب کچھ بک جاتا ہے۔ آپ خود کو بڑا مضبوط سمجھتے ہیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچ جاتے ہیں۔ ابھی نکلتے نہیں کہ کوئی بیماری ادھ موا کر دیتی ہے۔ بظاہر جرم نہیں کیا مگر وہ آپ کے پلے پڑ جاتا ہے، سزا ہو جاتی ہے۔ الغرض آپ نے اپنے ایمان و قرآن کو اور احکام خداوندی کو آج کے 90% لوگوں کی طرح بالائے طاق رکھا ہوا ہے اور دنیاوی اعتبار سے بڑے عقل مند و ذہین اور پڑھے لکھے مگر گناہوں کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ بے شمار پیسہ ہے، power ہے۔ لیکن پریشانی و غم، بے چینی، بیماری، گھریلو جھگڑے، کاروباری، پریشانی، حریفوں کی فکر آپ کا جیون اندھیر کیے رکھتی ہے۔ بیوی ناراض ہو کر بیرون ملک چلی جاتی ہے، بچے باغی ہو جاتے ہیں، عزت و غیرت پہ ڈاکہ پڑ جاتا ہے گو کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہو رہا ہوتا ہے لیکن ان سب معاملات میں اللہ کے باغی فرد یا گروہ یا اقوام کی طرف سے انہی جن و انس و دیگر مخلوقات سے شیطان مقرر کر دیے جاتے ہیں جو انھیں اسی دنیا میں سزا دینا شروع کر دیتے ہیں آخرت و روز حشر کی سزا تو اس کے علاوہ ہے۔ ان مخلوقات کی موجودگی تو ان آثار سے ثابت ہی ہے اس کے علاوہ جسمانی طور پر بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ آپ کو بسا اوقات اپنے گھر، دفتر یا گاڑی سے دوران سفر بو آنے لگ جاتی ہے بظاہر بو کا کوئی source بھی نہیں ہوتا یا اسی طرح کسی نیک انسان کی موجودگی میں خوشبو بھی آ سکتی ہے۔ گھروں سے طرح طرح کی آوازیں آتی ہیں، برتن گرتے ہیں، پیسے یا اشیاء غائب ہونے لگتی ہیں ایک دوسرے پر الزام لگا کر لڑائی شروع کر دی جاتی ہے۔ کبھی جیبوں سے رقم غائب ہو جاتی ہے۔ واضح ہو کہ چوری صرف انسان نہیں کرتے یہ مخلوقات بھی اشیاء یا رقم چرا لیتی ہیں۔ بغیر کسی وجہ کے صحت گرنے لگتی ہے بیمار پر دوائی اثر نہیں کرتی حالانکہ تشخیص و دوا دونوں درست ہیں۔ گاڑی کا ٹائر بار بار پنکچر ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے سینکڑوں عجیب و غریب واقعات و حالات پیش آتے ہیں۔ جن کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے۔ بعض اوقات یہ مخلوقات و جنات نظر بھی آتے ہیں، گھروں میں گھر کے مختلف افراد کئی مواقع پر انھیں دیکھ کر ڈر بھی جاتے ہیں کبھی خواب یا غنودگی کی حالت میں دکھتے ہیں۔ بعض خواتین پر یہ مخلوقات اثر انداز ہوتی ہیں، عاشق ہو جاتی ہیں، محبت کرنے لگتی ہیں یا انھیں اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بناتی ہیں، کچھ پر ظاہر ہو جاتی ہیں کچھ کو تنگ نہیں کرتیں وہ ان کی شکایت کسی سے نہیں کرتیں۔ تاہم کچھ خواتین کو تنگ کرتی ہیں پھر ان کا علاج کروانے کے لیے انھیں مختلف جھوٹے یا سچے عاملوں پیروں فقیروں کے پاس لے جایا جاتا یا ڈاکٹروں سے نفسیاتی علاج کروایا جاتا ہے۔ اسی طرح سے مردوں پر پریاں یا ان مخلوقات کی females عاشق ہو کر ان پر قبضہ کر لیتی ہیں ان سے جنسی تعلق قائم کرتی اور نقصان پہنچاتی حتیٰ کہ جان سے بھی مار دیتی ہیں لیکن اکثر ان مخلوقات کے مرد حضرات ہی خواتین پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان خواتین کے بچوں پر بھی ان کا اثر رہتا ہے۔ یہ بڑا عجیب قصہ ہے، یہ اشیاء و مخلوقات اپنی ہیت جسمانی بدل کر کسی اور نوع کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہیں اور ان انواع کی شکل میں بھی ہمارے گھروں میں رہائش رکھ لیتی ہیں مثلاً مکھی یا کیڑے مکوڑے یا مرغیاں، بلیاں، بھیڑ بکریاں، کبوتر، یا طوطے وغیرہ۔ ان اشیاء کے کئی جسم، کئی سائے، یا کئی جانیں ہو سکتی ہیں یعنی ایک

Marfat.com

جان تقسیم ہو کر کئی اجسام میں یا کئی جگہوں پر موجود ہو سکتی ہے۔ کہاں تک لکھا جائے یہ تو عجائبات ہی عجائبات ہیں اور اتنے عجیب و غریب اسرار ہیں کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اصل حقائق کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ یہ پیٹ کے کیڑوں، چچڑوں، بیماری کے جراثیموں کی شکل میں بھی آپ کے جسم میں موجود ہو سکتے ہیں۔ یہ فوجوں کو بھگا بھی سکتے ہیں اور لڑا بھی سکتے ہیں۔ یہ شے کی حقیقت کو مکمل طور پر یا جزوی طور پر تبدیل کر کے آپ کو دکھا سکتے ہیں اللہ پاک کے فرشتے اور ان کے بے شمار لشکر پھر شیطان کے بے شمار لشکر در حقیقت سب اللہ ہی کی حکمت و اذن کے بندھے کھڑے ہیں۔ پس چونکہ انسان و دیگر مخلوقات کو اچھے برے اعمال و ایمان کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ جیسا کریں گے، اِس اور اُس دنیا میں ویسا ہی بھریں گے۔ یہ انسان کا خیال خام ہے کہ صرف انسان ہی کو اختیار حاصل ہے ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام کی تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی حد تک تھوڑا زیادہ یا بہت زیادہ مگر ایک خاص حد تک اپنے شعور و دنیا کے مطابق اختیار حاصل ہے اور اس کی جواب دہی بھی لازم آتی ہے۔ روز حشر سے پہلے پہلے ہمیں چاہیے کہ ہم ایک طرف تو اپنے اعمال و ایمان کو خالص قرآن مجید کے مطابق بنائیں اور دوسری طرف اللہ کا بندۂ مومن بن کر اس ذات پاک کے حکم اور دعوت کے مطابق اس کے تفویض کیے ہوئے علم کو کھوجنے نکلیں جو اصل میں ہمارے ہر آدم کے بیٹے بیٹی کے اندر ہمارے جینز میں feed ہے۔ لیکن خوابیدہ حالت میں ہے۔ جو حضرت آدمؑ کو علم دیا گیا تھا تمام اشیاء کے نام سکھائے گئے تھے۔ جس پر فرشتوں سے سجدہ کروایا گیا تھا وہ علم کا سمندر کہاں ہے؟ ہمارے اندر فیڈ ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں ہے کیونکہ ہم نے خود کو اس کے قابل نہیں بنایا اس لیے اوجھل ہے، مستور ہے، خوابیدہ ہے، ہم جونہی خود کو اس کے قابل یا جتنا جتنا قابل بناتے جاتے ہیں اسی نسبت سے علم ہم پر کھلتا جاتا ہے علم کا سمندر ہمارا منتظر ہے، میدان کھلا ہے، اپنی زندگی ضائع مت کیجیے علم کی کھوج میں اپنا حصہ ڈالیے واحد اللہ پر ایمان دل میں بسائیے۔ قرآن کے حرف حرف پر اس کی روح کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس سمندر میں کود جائیے، اپنا حصہ ڈالیے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 46:

طلب ورسد کا آفاقی قانون، طالب، طلب اور مطلوب کی غلام گردشیں، عاشق ومعشوق کی دنیا، کسی شے کے حصول کا جنون اور حصول یا عدم حصول کی بھول بھلیاں

اللہ پاک کی شان ہے کہ بڑے مشکل قسم کے موضوعات اور مسائل کو میں بحث کے لیے منتخب کرتا اور انھیں سلجھانے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ دراصل یوں ہی گام گام چلنے، محنت وجستجو، کوشش وہمت اور عزم صمیم سے منزل ملتی ہے ورنہ جو سفر کے مصائب وپریشانیوں، دقتوں اور بلاؤں سے گھبرا کر گھر ہی سے نہ نکلیں انہوں نے بھلا منزل کیا پانی ہے۔ میں نے اپنے سانسوں کی قیمت حتی الوسع ادا کرنی ہے حقائق کی تلاش میں اپنی سی سعی مسلسل کرنا ہے اب مالک کا کام ہے کہ مجھے کتنا آگے بڑھاتا ہے باقی کام دوسروں کا ہوگا اور یہ کاروان قیامت تک یوں ہی چلتا رہے گا یا جب تک رب کریم وقدیر چاہے۔

آج کا موضوع بھی بڑا دقیق اور پیچیدہ ہے لیکن قدم بڑھاتے ہیں دیکھیے کیا حاصل ہوتا ہے۔ پہلے کچھ اشعار سنئے پھر بحث کا آغاز اسی تناظر میں کرتے ہیں۔

ے راہ طلب میں جذبۂ کامل ہو جس کے ساتھ
خود ڈھونڈ لیتی ہے اسے منزل کبھی کبھی

....

ے عشق اگر ہو سچا پل میں شعلے پھول بنیں
کود پڑیں تو آگ کا دریا ٹھنڈا لگتا ہے

اشعار تو اس موضوع پر بہت ہیں جو ہمارے topic کے قریب تر ہیں لیکن محض نمونے کے لیے ایک دو اشعار لکھ دیئے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں مدد مل سکے۔ چلیے اصل مدعا کی جانب۔ آپ معاشیاتی اعتبار سے طلب ورسد کے قانون سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور ماہرین معاشیات کی پیچیدگیوں سے بھی آگاہ ہیں لیکن ہماری گفتگو یہاں اس طرح کی کاروباری نوعیت کی نہیں ہے صرف اتنا بتلانا ہے کہ جس طرح وہاں پر طلب کے مطابق رسد ہوتی ہے جتنی کسی علاقے یا منڈی میں مال کی طلب یا ضرورت ہوتی ہے اتنے ٹرک یا ٹرالے متعلقہ مال اس متعلقہ منڈی میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح سے باقی تمام معاملات میں قدرت کا قانون بھی یہی ہے اور جس طرح سے طلب زیادہ ہونے اور رسد کم ہونے سے مال کی قیمت بڑھ جاتی ہے اسی

Marfat.com

طرح سے باقی قدرتی معاملات میں بھی ہوتا ہے۔ آپ ایک شخص سے محبت کرتے ہیں لیکن اسے معلوم نہیں ہے۔ آپ کے دل میں محبت جوں جوں بڑھے گی، ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ اظہار محبت کے لیے بے چین ہو کر اظہار کسی نہ کسی ڈھب سے کر دیں گے۔ آپ کا پیغام دوسری طرف چلا گیا، اب آپ نے اس کے اظہار کے کچھ طریق اختیار کئے اگر تو محبت محض ہوس جسمانی تک محدود ہے تو ہوس کے پورا ہونے پر ختم ہو جائے گی، تاہم طلب قائم رہنے تک فرد دیگر آپ کی طرف ضرور بڑھتا رہے گا اور اگر سچی محبت ہے جس کا تعلق جسم سے بڑھ کر روح سے بھی ہوتا ہے اور دھیرے دھیرے گہرا ہوتا جاتا ہے تو آپ کی محبت کے مقابل جنس مخالف کا شخص جلد یا بدیر آپ کی طرف مائل ہونے پر مجبور ہو جائے گا، چاہے درمیان میں جتنے بھی مراحل آئیں۔ بچہ ماں باپ کے جسم سے الگ ہوا لیکن اس کی کشش باپ کی جانب بھی رہے گی اور ماں کی جانب بھی رہے گی کیونکہ ہر جُز کی کشش اپنے کُل کی جانب ہمیشہ رہتی ہے۔ اسی طرح سے کُل بھی اپنے جُز کی جانب کشش رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیر خوار بچہ ماں باپ سے چپکا رہتا ہے خصوصاً ماں سے کیونکہ اس کا تعلق اپنے پھل (یعنی بچے) کے ساتھ صرف بیج کا نہیں ہے باپ کی طرح بلکہ اس بیج کو اپنے خون، محنت و مشقت اور تکلیف و اذیت اٹھا کر پروان چڑھانے، جنم دینے اور دودھ کی شکل میں اپنا خون پلانے تک کا ہے۔ اس لیے ماں بچے پر ہر وقت نثار ہے اور بچہ ماں کا چہرہ نہ دیکھے تو رو رو کے بدحال ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں وہ بڑا اور جوان ہوتا ہے فطرت کی طرف سے اس کی محبت اور کشش دیگر اشیائے دنیا کی جانب تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے اور ماں کی جانب بہت گھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح سے بڑے بچوں کی نسبت ماں کی محبت بھی چھوٹے اور پھر شیر خوار اگلے بچوں کی جانب بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ایک خاص سطح پر ان رشتوں کے درمیان محبت تا حیات رہتی ہے حتیٰ کہ والدین یا اولاد کے مرنے پر ایک دوسرے کا بڑا دکھ محسوس ہوتا ہے بعض لوگ تو بیمار پڑ جاتے اور چند لوگ ان کی محبت میں مر بھی جاتے ہیں۔ شیر خوار بچہ روتا ہے اسے بھوک لگتی ہے تو ماں کی چھاتیوں میں دودھ اترنے لگتا ہے وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ جوں جوں بچہ کا رونا شدت اختیار کرتا ہے ماں کی بے چینی میں اضافہ اور شدت آتی جاتی ہے وہ سارے کام چھوڑ کر لپک کر بچہ کو گود میں اٹھا کر پیار کرتی اور اپنا دودھ اسے پلانے لگتی ہے دودھ پی چکنے کے بعد دونوں ماں بچے کی بے چینی رفع ہو جاتی ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر ماں کہیں گھر سے باہر یا بازار وغیرہ میں گئی ہے ادھر گھر پر بچہ بھوک سے روتا ہے ادھر ماں کی چھاتیوں سے اپنے آپ دودھ ٹپکنا شروع ہو جاتا ہے وہ سمجھ جاتی ہے اور جلد از جلد گھر پہنچتی ہے کیونکہ وہ بے چین ہو جاتی ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ زمین جب بہت پیاسی ہو جاتی ہے تو بادل گھر آتے ہیں بجلیاں چمکتی، کڑکتی ہیں یہ زمین کے لیے آسمان کی بے چینی و بے قراری ہے پھر جب تک زمین کی پیاس نہیں بجھتی ہے بادل برستا ہے جتنی زمین کی پیاس کی شدت ہے اتنا ہی آندھی طوفان اور گرج چمک کے جوش و خروش کے ساتھ بارش زمین کو سیراب کرتی ہے بادل دھرتی کی مانگ میں سندھور بھرتا ہے پھر کسی اور پیاسی دھرتی کی جانب محو سفر ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ سب بھی کسی ہستی واحد کی زبردست قدرت و حکم سے ہے کہ سمندر سے

Marfat.com

بخارات اٹھتے ہیں بادل بنتے ہیں سفر کرتے اور مقام طلب پر جا برستے ہیں اسی طرح ہر طلب پہلے مالک الملک اللہ کے حضور حاضر ہوتی ہے وہ کائنات و ماورائے کائنات ازل و ابد ہر شے کی اصل اور ہر شے کا دماغ ہے یعنی کائنات کا واحد ذہن Controlling Authority ہے وہیں سے سب حکم آتے اور سب طلبیں ادھر ہی فریاد کے لیے حاضر ہوتی ہیں لیکن یہ سب کچھ اتنا automatic اور سریع العمل ہے اور مخفی ہے کہ اس کا اصل چہرہ اصل حقیقت عقل سے بہت بہت پرے ہے البتہ اللہ کے بندوں اس کے عاشقوں کی دسترس میں ہے۔ پھر اسی طرح سے یہ قانون سائنس کا درجہ بھی رکھتا ہے کسی جگہ گرمی اگر شدید ہو جائے تو گرم ہوا زیادہ گرم ہو کر اوپر اٹھتی ہے خلا پیدا ہوتا اور حرکت پیدا ہوتی ہے ٹھنڈی اور بخارات سے لبریز ہوا بادل کو پروں پر اٹھائے اس سمت بڑھتی ہے۔ اس طرح سے وہاں کا درجہ حرارت گر جاتا ہے ٹھنڈی ہوا چلتی ہے آسمان قدرتاً زیادہ ابر آلود ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ ضرورت ہو تو بارش جتنی دھرتی اور اس کے مکینوں کی ضرورت ہو برستی ہے۔ آپ اپنے دل میں کسی چیز کی شدید اور سچی خواہش نیک نیتی سے رکھیں جوں جوں اس کی شدت میں اضافہ ہوگا اس شے کا سفر آپ کی جانب شروع ہو جائے گا۔ آپ کی کوشش، وسائل، حصول مقصد و منزل کے ذرائع اور موافق حالات و واقعات سب کے سب تکمیل خواہش کے tools ہیں۔ آپ سوچتے ہیں کہ میں نے اتنی کوشش کی فلاں فلاں اقدام کیا اور فلاں فلاں طریقے اختیار کیے تو ایسا ہو گیا یہ سب درست ہے لیکن اصل شے وہ خواہش کا ابھرنا اور اس میں بڑھوتری ہونا ہے پھر اتنی شدت پیدا ہونا کہ آپ اس کے لیے کما حقہ کوشش کر سکیں پھر اس میں اتنی شدت پیدا ہونا کہ آپ اس کے لیے دن رات ایک کر دیں سرتوڑ کوشش کریں اور بعض بڑے Goals مقاصد کے حصول کے لیے جنون کی حد تک شوق کا ابھر آنا ایک ہی دھن لگ جانا ایک ہی مقصد کے لیے زندگی کو وقف کر دینا اور منزل ہی کا ہر وقت نگاہوں میں گھومتے رہنا حصول مقصد سے عشق کی شروعات ہے، اس کی کوئی حد نہیں۔ سو ثابت ہوا کہ اصل شے طلب اور اس کی شدت ہے باقی سب اس کے حصول کے ذرائع یا tools ہیں۔ آپ کے ذہن سے ہر وقت بے شمار شیطانی negative اور رحمانی positive خیالات گزرتے ہیں آپ اپنے ذہن پر غور کریں اسے پل بھر کے لیے فوکس کریں تو خیالات کی بوچھاڑ ہو رہی ہے جو آپس میں گڈمڈ ہیں ایک دوسرے کے ساتھ گُندھے ہوئے ہیں۔ ہر ہر طرح کے خیال ہیں وہاں کوئی اخلاقیات کوئی فلسفہ کوئی مذہبیات کوئی ضمیر کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ اوندھے چلے آ رہے ہیں یہ ہمارے ذہن کو touch کرتے ہیں چھوتے ہیں تو جیسا ہمارا ذہن ہے اس کے مطابق ان کا انتخاب اور پرکھ ہوتی ہے پھر ہم ان سے منتخب خیالات لے کر آگے چلتے ہیں، ہماری جیسی اصل شخصیت ہے، جیسی تعلیم و تربیت اور فطرت ہے جیسا خمیر ہے اس کے مطابق اور جینز کی خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان خیالات سے ہم استفادہ کرتے ہیں چاہے منفی چاہے مثبت۔ منفی خیالات کے پیچھے اللہ ہی کا اذن ہوتا ہے کیونکہ شیطان بھی تو اللہ کی اجازت سے روز حشر تک کے لیے مصروف عمل ہے تو اسے بھی سب طاقت سب انرجی رب قدیر ہی کی جانب سے مل رہی ہے۔ بہر حال یہ ایک الگ بحث ہے اصل موضوع

Marfat.com

کی طرف لوٹیئے۔آیئے طالب + طلب + مطلوب کی تکون پر مزید غور کریں اور کچھ مثالیں تلاش کریں۔ایک کتے کا پلاّ، کتورا یا puppy مسلسل چیخ رہا ہے۔اس کی ماں شاید مر چکی ہے وہ ابھی دودھ بھی بغیر ماں کی مدد کے نہیں پی سکتا خدایا یہ کیسے زندہ رہے وہ دودھ کے لیے صبح سے چلا چلا کر نڈھال ہو رہا ہے شام ہوگئی طلب بڑھتی جا رہی ہے، اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔صبح سے شام تک درجنوں سینکڑوں لوگ اس گلی یا چوراہے سے گزرے ہیں کسی نے یا تو غور ہی نہیں کیا یا کسی کے دل میں ہلکی سی ہمدردی جاگی پھر چلا گیا۔کائنات کا ذرہ ذرہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا کے حکم سے اس کا دل دھڑک رہا ہے۔اس کے مرکز میں خدا براجمان ہے اب کسی کو کتنا اس کا شعور ہے کسی کے دل میں خدا شناسی کتنی فعال ہے یا غیر فعال ہے اس کا دارومدار خدا کو محسوس کرنے پر ہے۔خدا ایمان کے ساتھ نیک راہ پر سفر کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔یہ حساسیت نیکی وتقویٰ کی بڑھوتری کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے جس کے اندر یہ احساس جتنا فعال ہے جس نسبت سے فعال ہے اسی نسبت سے وہ خدا کو محسوس کر سکتا ہے۔خدا کو محسوس کرنے کا مطلب اس کے احکامات دل وجان سے بغیر کسی دباؤ بوجھ یا جبر کے دل سے بجالانے سے ہے۔نیک دل کی کیفیت تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہے یہ جو اس پلے کے پاس سے صبح سے سینکڑوں لوگ گزر رہے ہیں ویسے تو سب کے دل میں خدا موجود ہے لیکن خدا کو محسوس کرنے اور اس سے تعلق کے فعال ہونے میں ہر کسی کا تھوڑا یا زیادہ یا بہت زیادہ اور بعض اوقات زمین آسمان کا فرق ہے۔اس کو کون سے پیمانے سے ماپا جا سکتا ہے کس کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے اس ماورائے عقل وشعور ہستی کو شعور کے دائروں میں کیسے محسوس کیا جا سکتا ہے کس کے دل میں کتنا تعلق الٰہی فعال ہے نور الٰہی کتنا جوش مار رہا ہے کیسے معلوم ہوگا؟ سنیئے غور فرمایئے۔یہ ایسے ہی کاموں سے معلوم کیا جائے گا، یہ محض ایک مثال ہے ایسی لاکھوں مثالیں روزمرہ کی زندگی میں بکھری پڑی ہیں۔ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے اب جو اتنے لوگ گزرتے رہے کسی نے توجہ نہ دی ان کا اللہ سے تعلق کا سوِچ ہی off ہے کسی نے نظر بھر کے دیکھا یہاں بڑا ہلکا کرنٹ ہے۔کوئی تھوڑی دیر کے لیے ٹھٹھکا یہاں کچھ مزید کرنٹ ہے کسی نے رک کر دائیں بائیں نظر کی پھر چل پڑا دل میں اس کی تکلیف پر کچھ درد سا محسوس کیا وہاں کچھ مزید کرنٹ ہے۔کسی نے اس کے سامنے روٹی کا ٹکڑا پھینک دیا کسی نے اٹھا کر پانی کے قریب رکھ دیا کسی نے اٹھا کر سائیڈ پر کر دیا کہ کسی گاڑی کے نیچے نہ آجائے۔کسی نے کہیں سے تھوڑا سا دودھ لے کر اس کے سامنے رکھا اور چلتا بنا۔کسی نے سوچا اسے گھر لے جاؤں لیکن پھر سوچا اتنا چھوٹا puppy بھلا ماں کے بغیر کیسے پل سکتا ہے اور پھر عام سی آوارہ کتوں کی نسل کا ہے اسے بھلا کیا کروں گا۔کسی نے تشخیص چاہی کہ کتا ہے یا کتیا ارے وہ تو کتیا ہے بھلا اسے رکھنے کا کیا فائدہ کل کو اسے سنبھالوں گا یا اس کے بچوں کو۔الغرض مختلف طرح کی نسبت الٰہی رکھنے والے اور مختلف درجوں کا کرنٹ الٰہی دل میں رکھنے والے دن بھر گزرتے رہے۔شام سے رات ہوگئی ایک شخص کی اس پر نظر پڑی وہ گزرتے گزرتے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔اس نے اِدھر اُدھر اس کی ماں کو تلاش کیا کہ شاید خوراک کی غرض سے کہیں گئی ہوگی ابھی آجائے گی۔پلّے کی عمر اور

Marfat.com

حالت کا اندازہ کیا اس کے دل میں آیا کہ اس کا کچھ کرنا چاہیے لیکن یہ سوچ کر کہ اس کی ماں سے بہتر اسے کوئی نہیں پال سکتا وہ یقیناً واپس آئے گی وہ بھی اپنے گھر چلا گیا۔ اچانک آدھی رات کو اس شخص کو اس کا پھر خیال آیا اور پھر باہر سردی کی شدت کا بھی خیال آیا۔ شیطان نے گرم ماحول، گھر کے سکون اور puppy کو پالنے کی مشکلات اور گھر والوں کی کتوں سے اور پھر آوارہ نسل کے کتوں سے نفرت کا خیال اس کے دل میں ڈالا۔ اس نے لمحہ بھر سوچا لیکن پھر وہ گھر سے نکل پڑا کہ اگر puppy اس سردی میں مر گیا تو خدا کو کیا جواب دونگا۔ وہ متعلقہ جگہ پر پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آہ وفریاد اور بے چینی اسی طرح جاری تھی وہ اپنی ماں کو بلا بلا کر تھک چکی تھی اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ اب اس نے فوراً اسے اٹھا لیا اور تمام negative خیالات ذہن سے جھٹک کر اسے گھر لے گیا اسے ہلکا گرم دودھ تھوڑا سا بمشکل پلایا اور اس کے لیے کچھ گرم جگہ کا انتظام کر کے اسے محفوظ کیا اگلے دنوں میں اسے فیڈر سے دودھ پلاتا رہا۔ اس کی گندگی صاف کرتا رہا بعد ازاں اس کے بڑے ہونے کے مراحل میں اس کی بیماری پر اسے ڈاکٹر کے پاس بھی لے جاتا رہا حتیٰ کہ وہ بڑی ہوگئی اس کے بعد اسے گلی محلے میں چھوڑ دیا تا کہ وہ معمول کی زندگی گزار سکے۔ لیکن اس انسان سے زیادہ وفادار کتیا نے گو کہ باہر سے کھانا پینا سیکھ لیا تھا لیکن اپنے محسن کا در نہیں چھوڑا۔ وہ اس کے گھر کے اردگرد ہی رہا کرتی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح کتے کی پلیا کی طلب بڑھتی گئی اور کس طرح سے اس کا مطلوب یعنی خوراک ورہائش و دیگر ضروریات حیات رحمت خداوندی سے اس کی جانب بڑھتے گئے۔ خدا اور اس کی قدرت کس طرح کس ذریعے سے اس تک پہنچی یہ ایک اضافی فلسفہ تھا جو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے ایسے جنگلی، صحرائی، برفانی، سمندری جانور و پرندے ایسے ہیں جن کی مادہ کا جب ملن کا وقت آتا ہے تو وہاں نر موجود نہیں ہوتا تاہم اس مادہ کی طلب پر کوسوں دور کئی کئی دنوں کی مسافت طے کر کے ہفتوں مہینوں کی خاک چھان کر وہ اس مادہ تک پہنچتے ہیں۔ ماہرین کے خیال میں مخصوص قسم کی بو سونگھ کر وہ مطلوب کی طرف سفر کرتے ہیں ایسا ہو تب بھی وہی بات ہے۔ لیکن میرے خیال سے ان کے دل بے چین ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے چین کے لیے ہفتوں محو سفر رہتے اور جسمانی و ذہنی تھکان و پریشانی اٹھاتے ہیں۔ پس طالب کی طلب پوری کرنے کے لیے مطلوب ہزاروں لاکھوں شکلوں میں سفر کرتا اور پہنچتا ہے۔ یہ تو مادی طریق کے حصول طلب کی ہم نے تشنہ سی بات کی ہے دراصل یہ مادے کی طرح روح کی پیاس کا سفر بھی ہے جس کی ایک مثال عشق مجازی بہ شکل لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، شیریں فرہاد، مرزا صاحبہ وغیرہ یا ایسی اور بہت سی داستانوں میں بھرا پڑا ہے جہاں مجازی عشق بھی بغیر جسمانی ملاپ کے یا ہوس کے محض ایک دوسرے کی روحانی پیاس اور قرب کی تلاش پر مبنی ہوتا ہے اور اس کی دوسری آخری اور سب سے بڑی مثال عشق حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے عشق کی ہے۔ دونوں مثالوں میں اپنا سب کچھ بھول کر، داؤ پر لگا کر فنا کی بھینٹ چڑھا کر حصول منزل کی لگن و عشق کی بات ہے۔ ایسا پاک عشق مجازی عشق حقیقی کی منزل کے بہت قریب ہے اکثر مجاز میں ہی ان لوگوں کو حقیقت بھی مل گئی ہے۔ جس نے انھیں امر کر دیا ہے لوگوں نے ان کے مزارات تعمیر کیے وہاں اللہ سے منتیں، مرادیں

Marfat.com

مانی اور مانگی ہیں بشکل دعا۔ عاشق الٰہی اللہ کے اتنے قرب میں ہوتا ہے کہ اس کا اپنا وجود اور ذات یا ''میں'' فنا ہو جاتی ہے وہ خدا کی ہستی میں گم ہو جاتا ہے کھو جاتا ہے۔ جس طرح آگ کی بھٹی میں تپایا ہوا لوہا سرخ ہو کر آگ کی مانند ہو جاتا ہے اور اس کی حالت جب تک اسے آگ کا قرب حاصل رہے آگ ہی کی ہو جاتی ہے اسی طرح سے اپنی دنیوی حیات میں یہ لوگ اللہ ہی کا سایہ، اللہ ہی کا ہاتھ، اللہ تعالیٰ ہی کا حکم بن جاتے ہیں یہ اپنی مرضی سے کوئی کلمہ نہیں کہتے، سانس بھی رب تعالیٰ کی مرضی سے لیتے ہیں یہ اللہ کی رضا میں گم ہو جاتے ہیں یہ فنافی اللہ کا درجہ ہے اور اگر کوئی ان کا مُرید اپنے ایسے فنافی اللہ شیخ کی ذات میں بغرض قرب الٰہی یوں ڈوب جائے جیسے وہ اللہ کی ذات میں غرق ہے تو اسے فنافی الشیخ کہتے ہیں چونکہ شیخ میں شیخ نہیں صرف رب ہے اس لیے مُرید فنافی الشیخ تو بظاہر ہے حقیقتاً وہ بھی بالواسطہ فنافی اللہ ہے۔ اللہ کا نور کسی میں بلاواسطہ مگر اکثر میں حقیقی مرشد کے ذریعے بالواسطہ منتقل ہو جاتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ نہ تو ہر مرشد کا مقام ہے نہ ہر مرید اس منزل کو پاتا ہے۔ آج کل 99% مُرشد دو نمبر اور جھوٹے مدعی عشق الٰہی ہیں۔ ان کے اندر ہوس دنیا ہے۔ پھر ان کے مُرید بھی ایسے ہی ہیں۔ اصل ایک نمبر مرشد اور عاشق الٰہی کے سینکڑوں ہزاروں مریدوں میں سے کوئی ایک آدھ ہی عشق الٰہی اور وصال رب العالمین تک پہنچتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ وصل وہ ہے جو اللہ کی ذات سے مختلف حدود کے فاصلوں سے ہے لیکن یہ فاصلے چاہے کروڑوں میل کے ہوں لیکن یہ اللہ پاک کی اربوں کھربوں بے انداز وسعتوں والی ذات سے اس قدر قُرب میں سمجھے جاتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ ذات حق میں کھو گئے ہیں۔ آتش فشاں جب پھٹتا ہے تو کیا کئی میل دور کی اشیاء کو نہیں جلا دیتا۔ آگ نے اتنی زیادہ دور کیسے جلا دیا اتنی دور کی اشیاء آگ میں آگ کیسے ہو گئیں کیونکہ اس آگ کی شدتِ تپش ہی اتنی زیادہ تھی۔ اسی طرح رب کے نور کی شدت ہی اتنی زیادہ ہے کہ مخصوص فاصلوں پر پہنچ کر وصل کے مقامات آجاتے ہیں پھر اس میں بے شمار درجے اقسام اور مقامات ہیں جن کا ذکر وہی کر سکتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں ان کا ذکر قلم کا غذ یا تحریر و تقریر کے ابلاغ سے ناممکن ہے یہ تو قلبی وارداتیں ہیں۔ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان درجہ بدرجہ موجود ہیں۔ دیکھیے جہاں اللہ کا ذکر آتا ہے وہاں میرا قلم موضوع سے ہٹ کر اس کی تشریح و تفصیل میں بھاگنے لگتا ہے گو کہ میں بڑا نالائق ہوں، جاہل ہوں اور کم فہم و گناہگار ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بے کار ہوں لیکن بس دل جوش مارتا ہے اور قلم کاغذ کالے کرنے لگتا ہے اب یہ اللہ پاک کا احسان ہے کہ اگر کوئی عین حق بات نوک قلم سے نکلتی ہے یا مغز کم اور چھلکا زیادہ ہے۔ میرا کام کوشش ہے اس سے قبل کہ میرے ہاتھوں اور بازوؤں میں سکت نہ رہے۔ بہرحال یہ طلب، طالب اور مطلوب کی تکون پر مبنی ایک قانون نہایت تشنہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اگر آپ کچھ بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنی نیت کو خالص بنائیں، ایمان یعنی یقین کو درست اور کامل بنائیں، قرآن سے رہنمائی لیں اور پوری کوشش سے غیر متزلزل قوت ارادی، جنون و عشق سے جت جائیں، منزل ان شاء اللہ ملے گی۔

ایک وضاحت کرتا چلوں کہ گو کہ ایسے افراد جو عاشق الٰہی ہیں اللہ کی ہستی میں گم اور اس ذات پاک کا ہاتھ ہیں لیکن

Marfat.com

اگر وہ زندہ ہیں تو وہاں جا کر ان سے براہ راست پھر بھی نہ مانگیئے صرف دعا کروائیے۔ وہ دعا بھی تبھی کریں گے، اگر رب کو منظور ہوگا ورنہ نہیں کریں گے۔ اسی طرح سے فوت شدہ بزرگان جو اصل عاشق الٰہی ہوں ان کی قبر پر جا کر دعا ان کے لیے مانگیں پھر قبلہ رخ یا اللہ کی جانب دھیان لگا کر اپنے لیے مانگیں، اگر رب کو منظور ہوگا تو ان بزرگ کی دعا بھی آپ کی دعا میں شامل ہو جائیگی۔ جو منت بھی وہاں مانیں وہ جائز ہو اور اللہ کے حضور مانیں، اللہ کو حاضر و ناظر جان کر مانیں۔ مثلاً اگر بکرا یا دیگ دینے یا مزار کی تعمیر وہاں لوگوں کے بیٹھنے، قرآن پاک پڑھنے، وضو کرنے یا مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تعمیرات کروانے کی منتیں ہوں یا کسی بھی قسم کی جائز منت ہو صرف اللہ کے حضور مانیں۔ اس عاشق الٰہی بزرگ کے حضور اس کے لیے مت مانیں۔ ہر شے کا مالک اللہ ہے شرک بڑی باریک شے ہے معلوم نہیں ہوتا اور در آتا ہے۔ بڑا ڈرا کریں اور اس سے بچنے کی کوشش ہر ہر عمل میں کیا کریں اور استغفار کیا کریں۔ ہاں جو ان درگاہوں کے ایسے مُرید ہیں جو محرم راز ہیں ان کی اور بات ہے وہ جانتے ہیں کہ متعلقہ عاشق ذات پاک کے ساتھ کس طرح رب تعالیٰ کا الحاق و تعلق ہے وہ اس لحاظ سے عطائے الٰہی کے طلبگار ہو سکتے ہیں۔ یہاں خاصوں کے لیے قانون قاعدے اور ہیں عام لوگوں کے لیے اور ہیں پہلوانوں کے لیے بادام اور چار مغز، دودھ اور شہد کی ملونیاں قوت کا خزانہ ہیں۔ عام لوگوں کے لیے درد شکم، قے اور جلاب ہیں، یہاں میاں محمد صاحب فرماتے ہیں:

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمدؔ کتیاں اگے دھرنی

آپ یہ مت سوچیں کہ وسائل نہیں ہیں یہ کام کیسے ہوگا اگر آپ کے ہاتھ کٹے ہیں۔ آپ سُوتر کاتنا چاہتے ہیں سچی طلب پیدا کریں اس میں جنون بھریں اور اللہ سے ایمان و عمل صالح کی موجودگی میں طلب کرتے رہیں آپ کو ہاتھ ملیں گے۔ مگر راز کو راز رکھیں۔ یہاں عجائبات ہی عجائبات ہیں۔ حیران کر دینے والے ہکا بکا کر دینے والے، ششدر کر دینے والے، سکتہ کر دینے والے عجائبات۔ آپ ادھر آئیں تو سہی۔ ان قوانین قاعدوں پر دل سے پوری کوشش سے پورے ایمان و یقین سے عمل تو کر کے دیکھیں۔ مگر اللہ کا اذن اس کی رضا و حکم ضروری ہے اس لیے اس سے دعا اور اپنے ایمان و عمل میں کمی مت ہونے دیں۔ میں الحمد اللہ اس ہی قاعدے قانون کے ذریعے بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ آپ بھی کوشش فرما سکتے ہیں۔ پس کلیہ یہ بنا کہ ''جہاں طلب شدید تر، انمٹ، خالص، نیک، پیہم، باایمان وشاندار ہوگی وہاں مطلوب طالب کے پاس یا طالب مطلوب کے پاس پہنچ جائے گا''۔ جہاں اس نہج پر شدت کی پیاس ہوگی وہاں پانی یا جو پانی چاہیے وہ پہنچ جائے گا۔ یاد رہے کہ جو لوگ بھوک، پیاس سے مر جاتے ہیں، تکلیف و اذیت یا بیماریوں سے مر جاتے ہیں اور ان کی مطلوبہ شے باوجود جسمانی طلب کے انھیں نہیں ملتی وہاں بہت سے محرکات موجود ہوتے ہیں، کہیں تو یہ ان کی سزا ہوتی ہے۔ کہیں آزمائش ہوتی ہے، کہیں

Marfat.com

دوسروں کے لیے قربانی ہوتی ہے، کہیں ان کی طلب میں مر کے ہمیشہ کی زندگی پانا ہوتا ہے، کہیں اللہ کو اپنی حکمتوں کے ذریعے ایسا منظور ہوتا ہے، کہیں کسی ظالم کے ظلم کا شکار بننے والے یہ لوگ مار کر جنت میں اس لیے داخل کر لیے جاتے ہیں کہ اس ظالم فرد اور گروہ کے لیے دوزخ کی طلب بڑی سچی ہوتی ہے۔ آخر اگر بنی اسرائیل پر فرعونی ظلم کے پہاڑ نہ توڑتے تو دوزخ کا پیٹ ان فرعونیوں سے کیسے بھرتا۔ موسیٰؑ کے ذریعے اللہ کی رحمت ایک مرتبہ پھر بنی اسرائیل پر کیسے برستی۔ الغرض اللہ کے سب کاموں میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے محض چند ہم سمجھ سکتے ہیں اور بہت بڑی اکثریت کو سمجھنا ہمارے بس میں ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے ذہن میں اعتراض اور سوال ابھرتے ہیں جبکہ اس زبردست ذات کے حضور تو سب کچھ عین حق، انصاف اور درست ہے، کجی اس کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتی۔ عام قانون ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے بیان کیے جاتے ہیں مگر کبھی کبھی کسی وجہ سے بدل بھی جاتے ہیں۔ جیسے روزانہ خوراک ہضم ہو جاتی ہے لیکن کبھی ہضم نہیں بھی ہوتی۔ اکثر خون صحت بخشتا ہے مگر کبھی بیماری کے جراثیم داخل ہو جانے پر یہی خون بیمار کر دیتا ہے۔ دریا فصلوں کو اور انسانوں کو سیراب کرتے ہیں بارشیں رحمت بن کر برستی اور مردہ زمین کو زندگی بخشتی ہیں بحکم خدا جس سے اربوں کھربوں بلکہ ان گنت اشیاء واجناس اور جاندار حیات وخوراک پاتے ہیں یہ قانون قدرت ہے مگر کبھی یہی بارشیں تباہی مچا دیتی ہیں۔ دریا طغیانی اختیار کر کے سیلابوں کی صورت خدائی آفت بن کر ہزاروں لاکھوں جانوں کو نگل جاتے اور وسائل حیات کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ہوا زندگی کی علامت ہے سکون وراحت کا باعث ہے مگر کبھی آندھی طوفان آفت ربانی بن کر ہر شے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قانون عام طور پر وہی ہوتا ہے اور وہی اثرات رکھتا ہے جو اس کی اصل ہیں لیکن خدائی حکمتوں سے بوقت ضرورت بدل بھی جاتا ہے۔ سمندر موسیٰؑ کو خشک راستہ دیتا ہے فرعون کو ڈبوتا ہے۔ آگ ہر شے کو جلاتی اور ابراہیمؑ کے لیے سلامتی والی بن جاتی ہے۔ اندھے کنویں میں گر کر لوگ مر جاتے ہیں یوسفؑ کو اندھا کنواں مصر کے تخت تک پہنچاتا ہے۔ میں آپ کے سمجھانے کے لیے اتنی کوشش اس لیے کرتا ہوں کہ میری تحریروں پر جو اعتراضات آپ کے ذہنوں میں ابھریں اور آپ مطمئن نہ ہو سکیں تو ان امکانی سوالات کے جوابات میں خود سے ہی دے دوں تاکہ آپ اطمینان سے آگے بڑھ سکیں یا میری تحریروں سے جس حد تک اللہ کو منظور ہو مستفید ہو سکیں۔ میرے خیال سے اب آپ سمجھ گئے ہوں کہ طالب، طلب اور مطلوب کی تکون والا قانون کیا ہے۔ جہاں یہ لاگو نہیں ہوتا وہاں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح کسی بھی قانون کے بعض اوقات عام لاگو نہ ہونے کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں اور اس میں اللہ کی کس طرح بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

Marfat.com

مضمون نمبر 47:

نکتۂ وحدت کا ایک اور پہلو سے جائزہ

معلوم نہیں کیوں اُدھر سے علم کا اترنا کچھ رک سا گیا ہے۔ عجب انقباض کی کیفیت ہے چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ان تحریروں کو مکمل کرلوں تاکہ تحریر و تقریر اور مطالعۂ کتب سے فارغ ہو کر فقر کی دنیا میں اُتر جاؤں۔ مطالعۂ کتب سے تو عرصہ ہوا طبیعت اچاٹ ہو ہی چکی ہے کہ کسی کتاب کو پڑھنے پہ دل نہیں مانتا۔ حتیٰ کہ اخبار، TV اور روزمرہ کی خبروں اور دنیاداروں سے بھی طبیعت بیزار سی ہے۔ میں اب اس دنیا میں خود کو اجنبی محسوس کرتا ہوں، مجھے اب کسی اور دنیا میں جانا ہے۔ حواس خمسہ کی دنیا سے دور دیگر جہانوں کا متمنی ہوں، دل میں عجب احساس ہے عجب پیاس ہے، عجب بھوک ہے، عجب خلاء ہے جو کسی بھی شے سے پُر نہیں ہوتا۔ لیکن میری اس جلدی کے باوجود علم اندر سے باہر آنے میں بڑی دیر لگانے لگا ہے۔ بہرحال دیکھیں جتنا خدا کو منظور ہوا حقیقت سے پردہ اٹھاؤں گا۔

آج کا عنوان پھر نکتۂ وحدت مجاز ہے چونکہ اشیاء حقیقت میں ایک ہیں اور کثرت محض جہانِ دیگر ہے یا حواس کا گورکھ دھندہ ہے۔ اس واسطے جو تھپڑ آپ کسی کے منہ پر مارتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے سب پیاروں جان کے سہاروں کے منہ پر مارتے ہیں بلکہ یوں کہیں کہ اپنے ہی منہ پر مارتے ہیں۔ اللہ پاک قرآن مجید میں فرماتے ہیں ''دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو''۔ ''دوسروں سے وہی سلوک کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو''۔ ''اللہ کے نام پہ اپنی بہترین چیز دو''۔ ''اپنی عزیز ترین شے اللہ کی راہ میں قربان کرو''۔ آپ نے غور کیا کہ یہ سب کیا ہے؟ کیا آپ اپنے لیے یہ سب کچھ پسند نہیں کرتے اپنی ذات کو وہ سب نہیں دینا چاہتے جس کا تقاضہ اللہ کی راہ میں دینے کے لیے ہے یا کسی دوسرے فرد کو دینے کا حکم ہے۔ یہ فلسفہ کچھ سمجھ آیا؟ یہ اصل میں آپ کسی کو نہیں دے رہے خود اپنی ذات کو دے رہے ہیں کیونکہ وہ اور آپ ایک ہی شے ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔ سب کچھ وحدت کی لڑی میں پرویا ہوا ہے عجب اسرار ہیں، آپ ان کا اعتبار نہیں کریں گے۔ دیکھئے جب کوڑا مجنوں کو لگتا ہے تو چمڑی لیلیٰ کی کیوں ادھڑ جاتی ہے۔ آپ نے سنی سنائی سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیا ہوگا۔ لیکن اس تاریخی واقعہ میں سراسر حقیقت بھری ہے۔ ویسے تو یہ حقائق پردۂ راز میں رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی کسی حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تھوڑا بہت پردہ اٹھا بھی دیتے ہیں۔ جب مجنوں کا عشق حد سے بڑھا اور اُس حد کو چُھو گیا جس پر پردہ اٹھایا جاتا ہے تو پردہ اٹھ گیا۔ ایسے بے شمار قسم کے واقعات یا خرقِ عادات بے شمار ولیوں، فقیروں اور اللہ کے عاشقوں سے تاریخ انسانی میں ظاہر ہوتے رہے ہیں بلکہ تاریخ کائنات میں دیگر اشیاء سے بھی ظاہر ہوتے رہے ہوں گے۔ اللہ سے عشق صرف انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اس کی پیدا کردہ بے شمار مخلوقات میں سے بے شمار نفوس اس سے کیا کیا عشق

Marfat.com

کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے چونکہ ہمیں ان کی سمجھ نہیں اس لیے اسی پر اکتفا کریں کہ ''کائنات کی ہر شے اللہ رب العزت کو سجدہ کرتی ہے، اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے، اس کے حکم کی پابند ہے''۔ تو ہم بات کر رہے تھے کہ اس ''میں اور تو'' میں مت پڑیئے اور یقین کیجئے کہ سب ''میں'' ہی ہے ''تو'' تو کچھ ہے ہی نہیں اور یہ محض انسانوں تک محدود نہیں ہر ذی شعور ہر نفس، ہر ہر جاندار اس لڑی میں پرویا ہوا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اللہ پاک کی جانب سے یہ دکھایا گیا ہے یہ راز باقاعدہ سمجھایا گیا ہے۔ یہ کوئی سنی سنائی یا پڑھی پڑھائی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے جیسا کہ پہلے کہیں لکھا تھا کہ بظاہر بے جان عناصر کے ذرے ذرے میں یہی وحدت کا قانون کام کر رہا ہے۔ ہر ہر ذرے میں ایٹم میں پوری کی پوری کائنات بند پڑی ہے۔ اگر یہ کائنات ختم ہو جائے تو کسی بھی ایک single atom کو ڈی کوڈ کر کے یہ تمام کائنات بنائی جا سکتی ہے اور اللہ تو عدم سے بھی وجود میں لا سکتا ہے۔ یہ الگ بات کہ ہم سائنسی طور پر ابھی اتنے پیچھے ہیں کہ شاید اس حد تک پہنچنے سے قبل ہی قیامت قائم ہو جائے ویسے بھی انسان کی انتہائی گمراہ کن، خطرناک، عاقبت نااندیش اور مصنوعی ترقی انسان کو تباہی کے دہانے پر لا چکی ہے۔ مجھے تو اس زمین اور اس پر بسنے والوں کی تباہی میں گنتی کے چند سال یا زیادہ سے زیادہ چند دہائیاں ہی نظر آتی ہیں۔ شاید اگلی پہلی دہائی ہی نہایت خطرناک ہو۔ اگر زمین کا وجود قائم بھی رہتا ہے تو اس پر بسنے والی حیات کا غالب حصہ یقیناً مفقود ہوتا نظر آتا ہے۔ رب تعالیٰ انھیں بچانے کے اسباب پیدا فرما دے تو وہ قادر مطلق ہے۔ بہر حال بات ہو رہی تھی ''نکتۂ وحدانی'' کی تو گزارش ہے کہ یہ دنیا اور اس کے جو قوانین طبعی ہمیں نظر آتے ہیں گو کہ وہ ہمارے اعتبار سے حقیقی ہی ہیں۔ لیکن ہمارے ''حواس خمسہ'' ہی تو ''حقیقتِ کلّی'' نہیں ہیں، اس سے پرے بے شمار حقائق ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس سے پرے بے شمار حقائق ہیں بھی تو ہمیں اس سے کیا کہ وہ ہماری دنیا ہی نہیں ہے ہماری دنیا تو یہی ''حواس خمسہ'' کی دنیا ہے۔ آپ بالکل درست کہتے ہیں لیکن اوپر جو میں نے فرمودات ربانی بیان کیے ہیں اور ان کی تشریح کی ہے پھر آپ ان کا کیا کریں گے۔ چلیے تھوڑی دیر کے لیے اسے بھی چھوڑ دیں۔ آپ universal truth کا کیا کریں گے؟ آپ صدیوں کے انسانی تجربات وآگہی سے بنے ضرب الامثال کا کیا کریں گے؟ آپ ازلی سچائیوں پر مبنی روزمرہ دنیا کی ہر زبان میں بنے محاوروں کا کیا کریں گے؟ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ ''ایسے کو تیسا''، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے، کر بھلا ہو بھلا، سو دن چور کا ایک دن شاہ کا، خدا کی لاٹھی بے آواز ہے، ظلم حد سے بڑھے تو مٹ جاتا ہے، ظالم ایک دن انجام کو پہنچتا ہے، کسی کا دل نہ دکھاؤ دلوں میں رب بستا ہے، قدرت کا قانون مکافات عمل اٹل ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہے یہ سب باتیں آخر لاکھوں کروڑوں لوگوں نے پوری ہوتی دیکھی ہیں تو ہر شخص ان کی تصدیق کرتا ہے یہ محاورے یا ضرب الامثال زبان زد عام ہیں اور ساری دنیا میں ہر مذہب، ہر فلسفے، ہر خطہ زمین میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ہر جگہ انھیں مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ ہر کسی کو اپنے کیے کی سزا کیسے ملتی ہے اسے ہم دیکھ نہیں سکتے محسوس نہیں کر سکتے اس لیے

Marfat.com

شیطان ہمیں طرح طرح کی رائے دے کر لالچ دے کر ہوس کا پجاری بنا کر اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ہم شہوات حیات کے نشے میں بڑی آسانی سے ان جالوں کا شکار ہو جاتے ہیں جو ہمارے حواس خمسہ نے ہمارے لیے بچھا رکھے ہیں۔ اللہ کا قانون ہے کہ غائب پر ایمان لاؤ۔ خدا نے اپنے انبیاءؑ کے ذریعے جو تعلیم دی ہے بن خدا کو دیکھے اور بن حقیقت کو دیکھے اسے دل سے تسلیم کرلو اور عمل اس کے مطابق اختیار کرلو۔ اگر ہم یہ سب اسرار اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے، حواس خمسہ کے ادراک میں آسکتے تو پھر تو کوئی گمراہ ہی نہ ہوتا نہ غائب پر ایمان کی کوئی قدر ہوتی۔ یہی تو اصل امتحان ہے شیطان کے پیروکاروں اور اللہ کے بندوں کی تشخیص کا فارمولا ہے۔ لہٰذا ہماری آنکھوں پر ہمارے حواس خمسہ پر جو پردہ پڑا ہے اسے ایمان بالغیب سے دور کرنا ہے۔ اللہ پاک صاف قرآن پاک اور الہامی کتب میں فرماتا ہے کہ ''شیطان تمہیں جہاں سے دیکھتا ہے تم اسے نہیں دیکھ سکتے''۔ اس کا کیا مفہوم ہے کہ وہ جس جس راہ سے، جس جس طریق سے تم پر اثر انداز ہے تم اسے نہیں سمجھ سکتے چونکہ تم حواس خمسہ کی دنیا میں گرفتار ہو، جونہی یہ طلسم ٹوٹے گا تمہاری زندگی ختم ہوگی، ایک دم تمہاری آنکھ دیگر اصل حواس میں کھل جائے گی اور دور تک تمہیں سب دکھنے لگے گا، تب تمہیں حقیقت نظر آئے گی لیکن تب فائدہ نہ دے سکے گی۔ لہٰذا اس حواس خمسہ کی زندگی، دنیوی زندگی میں قرآن پاک کو key book کے طور پر ساتھ لے لو یہ پُل صراط میں تمہیں بخیر و خوبی گزار دے گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ بس ایک ہی تقاضہ ہے بن دیکھے اللہ کی ذات اور اس کی صفات، اس کے احکام پر یقین کرلو، عمل پیرا ہو جاؤ۔

ہم باتوں باتوں میں دین حق کی تعلیم و تبلیغ میں اتر گئے تھے، چلیے واپس چل کر بات وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے چھوڑی تھی۔ تو ہم بات کر رہے تھے، نکتۂ وحدت کے عجائبات کی۔ تو بھائی کسی کتے کو بھی کتا سمجھ کر نہ مارو۔ اس کی تکلیف دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کرو کوئی بعید نہیں کہ جو چوٹ تم اسے پہنچا رہے ہو وہ تمہاری جان سے پیارے تمہارے اپنے بیٹے کو لگ رہی ہو یا جان سے پیاری بیوی کو بیٹی کو یا خود تمہیں لگ رہی ہو تم بھلا کیا جانو۔ تم تو نرے احمق ہو، کسی آنکھ والے سے پوچھو، تم اندھے ہو، بہرے ہو، تم تو مردہ ہو کسی زندہ سے پوچھ لو۔ تو یقین آجائے گا۔ لیکن بھلا تم کسی فقیر کی بات کیوں مانو گے، کسی گدڑی والے، کسی فٹ پاتھیئے، کسی دنیا کے ٹھکرائے ہوئے کی بات کیوں مانو گے، کسی ہزار حسرت کی داستان بنے، کسی چُور چُور دل والے کی بات کیوں مانو گے تو سنو اول تو آج کل فقیر اور اولیاء بھی نقلی ہیں۔ اصلی وہ ہیں جو خود کو فقیر یا ولی اللہ نہیں کہیں گے۔ جن کے گرد لوگوں کا ہجوم نہیں ہوگا۔ جن کے پاس گاڑی، موٹر والے اور سفید پوش نہیں آتے ہوں گے۔ یار تم ان کے پاس دو گھڑی بیٹھنا بھی پسند نہیں کرو گے۔ شاید دوسروں کی طرح تم بھی انھیں حقارت سے دیکھو گے ان میں سو عیب نکالو گے۔ عقل تمہیں ان سے فرار سکھائے گی تمہاری بناوٹی شریعت تمہیں ان سے دور بھگائے گی وہ شہر و بازار میں بھی تنہا ہوں گے اور جنگل و صحرا میں بھی تنہا ہی انھیں پاؤ گے۔ یہ غاروں اور پہاڑوں کے مکین یہ سرے بازار پھٹے پرانے

Marfat.com

کپڑوں والے فقیر حقیقت کی نگاہ رکھتے ہوں گے ان میں کوئی تو محض بھکاری ہوں گے، کوئی نشہ باز زمانے کے ٹھکرائے ہوئے یا نفس کے مارے ہوئے ہوں گے، کوئی کیے کی سزا بھگت رہے ہوں گے اور ان میں کوئی ایک آدھ اصل فقیر ہوگا اس فقیر کو تم بڑی ہی مشکل سے پاؤ گے۔ آؤ بتاؤں کیسے؟ قرآن چلتا پھرتا قرآن ہوگا وہ! وہ رسمی مذہب زدہ نہ ہوگا۔ وہ شریعتِ ملا کا پابند نہ ہوگا۔ وہ اماموں کا اسیر نہ ہوگا، وہ تو خود امام ہوگا۔ وہ خود موسیٰ ہوگا اس کے پاس ید بیضا ہوگا لیکن یہ باطنی موسیٰ ہوگا وہ اتنے آرام سے ید بیضا ظاہر نہ کرے گا نہ تمہیں آب حیات پلائے گا۔ بلکہ تمہیں اسماعیل بن کر گرم ریت پر ایڑیاں رگڑنا ہوں گی، بڑے پاپڑ بیلنا ہوں گے بڑے یقین اور ایمان کی ضرورت ہے لیکن تم کسی غلط شخص پر زندگی ضائع نہ کر دو اس لیے تمہیں بتلایا ہے کہ وہ چلتا پھرتا قرآن ہوگا، اب ضروری ہے کہ تم قرآن کو اس حد تک جان لو سمجھ لو، خود سمجھ لو، بار بار ہزار بار پڑھ لو، دل پر نقش کر لو، آئمہ عظام لاکھ محترم، علماء سر آنکھوں پر، مولوی حضرات ہماری ادب کی جگہ۔ لیکن قرآن کو خود پڑھو۔ براہ راست پڑھو۔ دل کی نگاہ سے پورے یقین و ایمان سے پڑھو۔ تب تم اس قابل ہو گے کہ چلتے پھرتے قرآن یعنی فقیر خالص یا خالص ولی اللہ کو پہچان سکو۔ اس کے ید بیضا کو دیکھ سکو۔ اس کے مرید اس کے بالکے یا کم از کم اس کے اصل معتقد ہی بن سکو۔ وہ تمہیں وہ نگاہ دے گا یا عارضی طور پر وہ کچھ دکھائے گا جس کا ذکر میں کر رہا ہوں۔

شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دا موری ھُو
ملا ملوانے لنگھن نہ دیندے جیہڑا لنگھدا لنگھدا چوری ھُو

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں سے ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بہر حال ہم بات کر رہے تھے کہ حقیقت مجاز میں چھپ گئی ہے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور ہیں۔ حواس خمسہ کی ظاہری کاری گری پر نہ جایئے۔ کیا آپ نے قرآن میں اور بائبل میں نہ پڑھا دوسروں کو جو لاٹھی دکھتی تھی وہ تو حقیقت میں سانپ تھی۔ بلکہ اژدھا تھی، جس سے خلقت خوفزدہ ہوگئی کیا وہ صرف سانپ ہی تھی؟ ''اے موسیٰؑ اپنی لاٹھی سمندر میں مار''، سمندر دونوں سمت پھٹ کر پہاڑ کی شکل کھڑا ہوگیا۔ یہ لاٹھی سے خشک راستہ کیسے نکل آیا؟ سمندر کیسے بن گیا؟ ''اے موسیٰؑ دریا میں لاٹھی مار''۔ دریا خون کیسے بن گیا؟ یہ سب کیا ہے۔ ارے بھائی حقیقت میں سب وحدت ہی وحدت ہے ہر شے میں ہر شے موجود ہے۔ کثرت صرف اعتباری ہے اضافی ہے اس کی حقیقت تو ہے لیکن مجازی جتنی اور جب تک رب چاہے۔ بے جان مٹی کا پرند بنا کر اس میں اللہ کے حکم سے پھونک ماری تو عیسیٰؑ کے ہاتھ میں اصل پرند کیسے بن گیا؟ اس کی حقیقت کیسے بدل گئی؟ میاں جی نے دیوار پر بیٹھ کر کہا ''چل گھوڑے'' دیوار کیسے بھاگنے لگ گئی؟ ہم پیغمبروں کے معجزوں کو

Marfat.com

ماورائی بات سمجھ کر اس پر غور نہیں کرتے اور اولیاء کی کرامات کو یا تو مانتے نہیں یا الگ دنیا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر بھی ہماری طرح بنیادی طور پر انسان ہی ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بھی بے شک انسان ہی ہوتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ ان کے ساتھ رب تعالیٰ کا حکم اور تائید ایزدی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان معجزوں اور کرامات کی تہہ میں اتر کر حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسے کسی اور دنیا کی باتیں سمجھ کر شجر ممنوعہ یا گناہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ بس بات اتنی سی ہے کہ اللہ پاک جب چاہتا ہے ہم عام انسانوں کی نگاہوں سے کچھ دیر کے لیے اپنے پیغمبروں یا اولیاء اللہ کی وساطت سے پردہ ہٹا دیتا ہے تاکہ ہم اللہ کے پیغمبروں کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کامل کی منزل تک پہنچ جائیں۔ اس کی واضح مثال ابراہیمؑ کا اپنے رب سے سوال ہے کہ ''یا رب مجھے اپنی قدرت دکھا'' فرمایا ''کیا تجھے اپنے رب پر بھروسہ نہیں ہے''۔ جواباً عرض کی ''بھروسہ تو ہے مالک لیکن میں عین الیقین آنکھوں دیکھا یقین، اگر تو چاہے تو چاہتا ہوں'' فرمایا ''چار پرندے لے لے انھیں ذبح کر کے دو متقابل پہاڑوں پر رکھ آ۔ جب تو انھیں بلائے گا وہ تیرے پاس دوڑے (اڑتے ہوئے) چلے آئیں گے''۔ یہ کیا تھا؟ یہ وہ شے ہے جو آج کے دور میں اولیاء کرام کی کرامات سے خرق عادت کے طور پر ظاہر ہو کر حق الیقین اور عین الیقین کی منازل طے کرانے کا باعث بنتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ باتیں آج کے دور میں عقل سے بعید نظر آتی ہیں اس لیے انھیں ہم یا تو دل سے مانتے نہیں یا ان کی اور تشریحات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس طرح سر سید احمد خانؒ یا غلام احمد پرویزؒ وغیرہ جیسے علماء نے کیں (اس مکتبۂ فکر نے کئی حوالوں سے دین اسلام کی بہتر اور واضح توضیح بھی کی) اور یا اسے تصوف کے گورکھ دھندوں میں الجھا کر اسے غیر اسلامی اسرائیلیات کہہ دیتے ہیں۔ بہر حال یہ سب حقائق ہیں ان سب کی اور اس کے علاوہ بے شمار حکمت کے نکتوں کی جڑیں قرآن میں پیوست ہیں۔ میں ہر کسی سے یہ امید نہیں کر سکتا کہ وہ 'فقر' کی راہ اختیار کر کے حقیقت کو سمجھ لے گا تاہم 2+2=4 کی طرح ان باتوں کو حقیقی سائنس کے طور پر سمجھانا چاہتا ہوں۔ ورنہ اللہ پاک تو آپ اور ہم سے اتنی پیچیدگیوں کا تقاضہ ہی نہیں فرماتے بلکہ محض ایمان بالغائب کا حکم دے کر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے تمام گزشتہ انبیاء و آسمانی کتب پر ایمان لانے اور قرآن پر مکمل ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ باقی مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ لیکن آج کا جدید ذہن مذہب کو زمانہ قدیم کی ضرورت قرار دے کر زمانۂ حال میں اس کی ضرورت محسوس ہی نہیں کر رہا۔ نیز جدید ذہن اللہ تعالیٰ کے وجود کو بھی معاذ اللہ ماضی کا گھڑا گھڑایا مفروضہ قرار دے رہا ہے۔ نیز جو مان بھی رہے ہیں برائے نام اور رسمی طور پر مان رہے ہیں اور اسی وجہ سے دنیا میں لڑائی، شیطانیت، ظلم و جبر، نفس پرستی اور آپا دھاپی کا دور دورہ ہے۔ آخرت پر ایمان ختم ہو چکا ہے۔ سوائے چند نفوس مومن کے ہر کوئی شیطان کے جال میں پھنستا جا رہا ہے۔ حقیقت پر کسی کی نگاہ نہیں اور حواس خمسہ کے مجازی جال میں شیطان دوزخ کے ایندھن میں خوب اضافہ کر رہا ہے۔ اس لیے مجھے اس نکتۂ نگاہ سے اس زاویئے سے حقیقت پر سے پردہ اٹھانا پڑ رہا ہے۔ سو خوب پلے باندھ لیجئے کہ آپ کا وجود، آپ کا

Marfat.com

نفس، آپ کی روح اور آپ کی ذات حقیقی اعتبار سے دوسروں سے جدا نہیں ہے گو کہ کثرت ہے عدد بھی ہے لیکن روح سے روح میں دروازہ کھلتا ہے، روشن دان کھلتے ہیں ان کے ذریعے ایک جانب کی شے دوسرے جانب جاتی ہے۔ اعمال نتائج کے اعتبار سے دوسرے سمت رخ کرتے ہیں مجنوں کا کوڑا لیلیٰ کو شدید محبت کی وجہ سے روح کے دروازے سے جسم پر جا پڑتا ہے۔ بنی اسرائیل پر کیا گیا ظلم فرعون اور اہل فرعون پر روح کے رستے وا ہونے والے دروازے سے جا پڑتا ہے اور انھیں ڈبو دیتا ہے۔ روحیں باہم جڑی ہوئی ہیں لیکن ان کے درمیان دروازے ہیں، رکاوٹ ہے، جسم روح کا لباس ہے۔ جب روح ایک سمت سے دوسری سمت چلی جائے، تصرف کرے تو چشم زدن میں شکل بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔ ارے بھائی آپ اپنے وجود کو آئینے کے سامنے لایئے اگر رب چاہے کوئی ''فقیر'' تصرف کرے نگاہ کرے تو آپ اپنے وجود کو کئی لوگوں بے شمار لوگوں بلکہ ہر کسی کی شکل وصورت میں دیکھیں گے۔ یہ بڑے عجیب اسرار ہیں۔ اس لیے تو کہتا ہوں آدم وحوا کی اولاد ہو تمہارے اندر سب انسان پوشیدہ ہیں۔ ہر شاخ میں اصل جڑ کے سب خواص پائے جاتے ہیں تمہارے اندر اربوں کھربوں انسان چھپے ہوئے ہیں وہ اپنے وجود میں بھی ہیں اور تم میں بھی ہیں تم اپنے وجود میں بھی ہو اور ہر انسان میں بھی ہو۔ پھر تم نے ترقی کی ہے حیوان سے، ارے بھلے مانس یہ ڈارون تھیوری اتنی غلط بھی نہیں ہے۔ روز ازل اللہ تعالیٰ نے روحوں سے خطاب فرمایا تھا ہاں اجسام بھی بنا دیے تھے لیکن پھر چھپا دیے تھے۔ بہترین شے بنا کر بدترین اشکال، حالتوں اور زمانوں کی جانب دھکیل دیا تھا کہ اب آہستہ آہستہ اٹھو۔ اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''انسان پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا''۔ یہ بڑے گہرے راز ہیں میرے پاس الحمدللہ اس سب کا جواب موجود ہے۔ تاہم اتنا سمجھ لیں کہ انسان چونکہ حیوان سے ترقی کر کے بنا اس لیے سب حیوان اس میں موجود ہیں۔ اس کا خمیر مٹی اور پانی ہے ہر ہر بے جان شے بھی مٹی اور پانی سے ہی بنی ہے۔ اس لیے ہر بے جان شے بھی اس میں ہے گویا کہ ہر اک ذرہ کائنات میں نہ صرف انسان وحیوان بلکہ پوری کائنات ہے اور ہر ایک انسان و حیوان میں بھی پوری کائنات ہے۔ ہر اک شے میں رب تعالیٰ ہے اتنا مخفی اتنا قریب کہ کوئی تصور نہیں کر سکتا اور اتنا ظاہر اتنا دور کہ کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ پردوں کا ذکر ہو تو لاکھوں دبیز پردے ہیں قربت کا ذکر ہو تو رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

جب کچھ بھی نہ تھا کوئی شے نہ تھی عدم محض تھا۔ خدا ہی خدا تھا۔ واحد زندہ ہستی، خدائے مطلق۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے فرمایا 'کن فیکون' (ہو جا) تو ہو گئی''۔

ساری کائنات وجود میں آ گئی پھر اس کے مدارج کا بیان ہے 6 دنوں اور 6 راتوں کا ذکر ہے اس میں کیا کیا کیسے کیسے بنا اس کا ذکر ہے ساتویں دن اللہ کا اپنے عرش پر استوا فرمانے کا ذکر ہے۔

یہ سب عجائبات ہی عجائبات ہیں، وہ ہے ہی عجائبات کا رب وہ شہنشاہِ عجائبات ہے۔ پس یاد رکھیے خود کو چھوڑ دیجیے دنیا کی خدمت شروع کر دیجیے خود کو بے شک رنج وغم دکھ تکلیف میں ڈال دیجیے، دوسروں کو سکھ دینے کے لیے خود کو اللہ کی مخلوق

Marfat.com

پراس کی رضا پر لٹا دیجیے۔ حقیقت میں آپ اپنی ہی خدمت کریں گے۔ چونکہ اس دنیا میں اگر آپ حقیقت میں فقیر راہ اللہ یعنی اولیاء اللہ میں سے نہیں ہیں تو آپ کے حواس خمسہ کی بنا پر آپ کی آنکھوں پر اور محسوسات پر پردہ پڑا رہے گا سو آپ کو بے پناہ دکھ، تکالیف، اذیتیں، حتیٰ کہ اس راہ میں بری طرح آپ کی جان بھی جاسکتی ہے۔ آپ شہادت کے رتبے پر بھی فائز ہو سکتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ کا جہان آپ پالیں گے آپ مجاز کے طلسم سے سرخرو ہو کر حقیقت کو پالیں گے پھر آپ کا رب آپ سے پوچھے گا کہ ''دنیا میں کتنا عرصہ رہے'' آپ جواب دیں گے ''شاید ایک دن یا اس سے بھی کم''۔ اندازہ لگائیں جب حواس خمسہ کا طلسم آپ کی آنکھوں سے ہٹے گا آپ حقیقت دیکھ سکیں گے تو دنیا کی زندگی آپ کو ایک دن سے بھی کم نظر آئے گی کیوں؟ اصل طول طویل اور نہ جانے اس سے کتنی عظیم تر زندگی تو اگلے جہاں میں پڑی ہے۔ بلکہ شاید آگے تو ابھی کئی منزلیں کئی جہان ہمارے منتظر ہوں ہمیں اس جہاں میں بڑا ہی محدود علم دیا گیا ہے۔ باقی علم اس جہان میں دیا جائے گا اور یوں شاید ہر ہر جہان میں یا دنیاؤں کے ساتھ علم کے پیمانے اور اقسام و جہات بھی بدلتے رہیں۔ آخر دیکھو تو سہی کبھی تم ازل کے پردوں کے پیچھے چُھپے تھے، خدائی خزانوں میں تھے، پھر تم اک خداوندی راز سے اس وسیع و بسیط کائنات میں بدل گئے۔ تم چاند میں بس گئے۔ تم ستاروں میں بس گئے۔ تم ہواؤں خلاؤں فضاؤں میں بس گئے تم کائنات کے ذرے ذرے میں اک حکم الٰہی سے بس گئے تمہیں کچھ یاد نہیں ہے کیونکہ تمہیں شناخت نہیں دی گئی تھی۔ تم ابھی مٹی اور پانی میں تھے پھر وہاں سے تمہارا خمیر اٹھایا گیا تم نہ جانے کتنے زمانوں، کتنی حالتوں، کتنی انواع اور کتنی پشتوں سے ہوتے ہوئے، کتنی کثرتوں میں تقسیم ہوتے ہوئے اپنے باپ کی پشت اور ماں کے پیٹ میں پہنچے۔ کیا تمہیں کچھ یاد ہے؟ تمہیں تو ماں اپنی سگی ماں کے پیٹ کا زمانہ بھی یاد نہیں ہے۔ لیکن تم اسی کو دنیا سمجھ کر اس میں بڑے خوش تھے بڑے سکون سے تھے۔ بھلا تم کب اگلی دنیا میں آنا چاہتے تھے۔ تم نے اس دنیا کی طرح وہاں بھی بڑا دل لگا رکھا تھا۔ کہ تمہیں چاروناچار اس دنیا میں آنا پڑا تم بڑے ناخوش تھے۔ تم اس دنیا میں روتے ہوئے آئے تھے اسے بڑی حیرانگی سے دیکھتے تھے بڑے ہی اجنبی تھے پھر دھیرے دھیرے اسے پہچاننے اور سمجھنے لگے تمہیں نئے رشتے ناطے، نئی خوراک، نئی خوشیاں وغم اپنی زندگی کا حصہ بنانے پڑے۔ پھر تم اس میں ایسے کھوئے کہ اس سے اگلی دنیا کا تصوّر حسب سابق تم سے کبھی نہ کیا گیا تمہارے خالق نے تمہیں بڑا سمجھایا بجھایا لیکن تم کم ہی یقین کرنے والے کم ہی شکر کرنے والے تھے۔ تم نے اس زندگی اس جہان کو بھی ہمیشہ کی طرح مستقل ٹھکانہ سمجھ لیا تم تصور بھی بھلا کب کر سکتے ہو یقین کے ساتھ کہ اس سے آگے بھی کوئی جہان ہے جو اس سے اُسی طرح بڑا عمدہ، بڑا وسیع، بڑا ہی خوبصورت ہے، جس طرح ماں کے پیٹ کے جہان سے اس موجودہ دنیا کا جہان خوبصورت اور بے کراں ہے۔ ارے پگلے اس دنیا کو تم مستقل ٹھکانہ اور ہمیشہ کی طرح آخری اسٹیشن نہ سمجھ لو۔ جبکہ اب تمہارے پاس key book کے طور پر اللہ کی الہامی کتب بھی موجود ہیں اور پھر جدید و مکمل و بحفاظت کتاب قرآن پاک بھی موجود ہے اسے خود پڑھو یقین کے ساتھ پڑھو، بار بار پڑھو، بار بار سمجھو اور آگے بڑھنے کے

Marfat.com

لیے تیار ہو جاؤ۔ اس پر عمل ہی اگلے جہان میں عمدہ سفر کے لیے تمہارے پرزے پرزے نکالے گا۔ تمہارے لیے زادِ راہ بنے گا۔ پٹرول یا ایندھن کا کام کرے گا۔ ورنہ چھکڑا لے کر وہاں جاؤ گے تو یاد رکھو چھکڑوں کے گاہک تو کباڑیے ہوتے ہیں جو اُسے توڑ پھوڑ کر بھٹی کے حوالے کرتے ہیں جہاں زمانہ دراز تک اسے جلنا پڑتا ہے۔

کائنات سے تمہارا رشتہ عقلی اور محسوساتی اعتبار سے:

''معاف فرمایئے گا جب وحدت مجاز یا اکائی کُل کا ذکر ہوتا ہے تو غیر محسوس طریقے سے صیغہ واحد استعمال کر کے لفظ ''تم'' یا ''تو'' اختیار کر لیتا ہوں۔ یہ بے ادبی اس لیے ہے کہ اس حقیقت کے اظہار میں جب روانی آتی ہے تو ایسا ہو جاتا ہے۔ یہ ''تم'' یا ''تو'' صرف آپ نہیں ہیں بلکہ میں خود بھی ہوں اور کائنات کی ہر اکائی ہر انسان بھی ہے''۔ کائنات سے بھائی تمہارا رشتہ عقلی اور محسوساتی ہر دو اعتبار سے ہے۔ دیکھو تمہیں اس کائنات سے کتنی محبت ہے اُنس ہے۔ سورج اگر چند روز تمہیں اپنا دیدار نہ کرائے تو تم بے چین ہو جاتے ہو۔ اس کے بغیر ٹھٹھرنے لگتے ہو رہ رہ کر آسمان کو تکتے اور سورج کے چہرے کی زیارت تیز دھوپ کی تمازت کی دعا کرتے ہو اور جب یہ دکھے تو سکھ کا سانس لیتے ہو۔ چاند کی چاندنی تاروں کی جگمگاہٹ کے بغیر تمہاری نگاہ کا حسن مکمل نہیں ہوتا۔ سمندروں میں جوار بھاٹا نہیں اٹھتا۔ ان بڑی بڑی اللہ کی نشانیوں کے بغیر نباتاتی وجود بھی نابود ہیں۔ بھلا تمہاری اصل مٹی بغیر بادل کے پیاسی تڑپنے نہیں لگتی جیسے تم بن پانی کے تڑپنے لگتے ہو۔ کیا مٹی پانی سے مل کر بظاہر بے جان ذرات کو رنگ برنگ کا بے شمار اقسام کا نباتاتی حسن نہیں بخش دیتی بلکہ خود کو اس باغ و بہار میں بدل دیتی ہے۔ سورج کی رشتہ داری سے نباتات اپنی خوراک تیار کرتے ہیں۔ بے جان مٹی پانی جان دار بن بن ابھرتے ہیں۔ یہ بے شمار اقسام کے پھل، پھول، فصل، شجر اور سبزہ زار بن جاتے ہیں یہ بھی تمہاری طرح ہوا میں سانس لیتے ہیں بلکہ تمہارے سانس کا بندوبست کرتے ہیں تمہاری خوراک کا بندوبست کرتے ہیں تمہاری ماں بھی تو یہی کچھ کرتی ہے تمہیں زندہ رکھنے کے لیے پھر یہ کیا ماں سے کم ہیں جو تمہاری زندگی کے لیے لازم اور تم ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو، کیا کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہیں ہے۔ جنس جنس کی طرف کھنچتی ہے رشتہ داری ہمیشہ ایک طرح کے مزاج و طبیعت میں ہوتی ہے کائنات کی ہر شے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طرح سے ایک دوسرے سے جڑی ہے رشتے میں بندھی ہے۔ اٹوٹ انگ ہے۔ اسی لیے تو ایک دوسرے کی سمت کسی نہ کسی طرح سے کشش رکھتی ہے۔ ایک دوسرے کی ضرورت محسوس کرتی ہے ایک کے بغیر دوسری مکمل نہیں ہے۔ لیکن یہ علم اتنا زیادہ گہرا ہے کہ اس اسٹیج پر یہ تمہاری عقل میں مکمل طور پر نہ سمائے گا۔ تم کہو گے سانپ بچھو ہمارے کیا لگتے ہیں، طوفان ہمیں ڈبوتے اور آندھیاں ہلا ہلا ڈالتی ہیں۔ ہر طرح کے زہر ہمیں مار ڈالتے ہیں۔ کڑکتی دھوپ موسم گرما میں ہماری جان لینے کو آتی ہے۔ اسی طرح سے موسم سرما میں شدید ٹھنڈ اور جمی ہوئی برفیں ہمیں جما دیتی ہیں۔ آتش فشاں ہمیں نیست و نابود کر دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ ان عوامل کے ذریعے تم ایک جسم سے دوسرے میں

Marfat.com

منتقل ہو جاتے ہو، ایک نئے شعور ذات کے ساتھ۔ تمہیں پچھلا سارا ماضی اور شعور ذات بھول جاتا ہے۔ وہ واقعی تھا بھی کچھ اور وہ کثرت کے اعتبار سے واقعی الگ ذات تھی، الگ مقام تھا، الگ دنیا تھی اور اگلی اسٹیج یا اگلی حالت میں تمہاری دنیا ہی اور ہوتی ہے۔ تم اور ہی ہو جاتے ہو۔ اگر تمہاری یاداشت برقرار رکھنے کا قانون بحال کر دیا جائے تو بھلا تم کثرت میں ٹھہر ہی کس طرح سکو گے۔ تم چشم زدن میں اللہ کے عشق، اس کی عظیم کشش کی جانب کھچ جاؤ گے تمہارا شعور ذات نابود ہو جائے گا۔ عجیب کیفیت سے عشق حقیقی کی ہمیشگی کی طرف ہر شے رجوع کر جائے گی۔ تو بات یہ ہے کہ تھوڑا غور کرو تو جان لو گے کہ تمہیں چاند سے محبت کیوں ہے چاندنی رات کیوں اچھی لگتی ہے۔ تم ساحل سمندر پر آوارہ موجوں سے کیوں لطف اندوز ہوتے ہو، ساحل کی ٹھنڈی ریت پر کیوں دراز ہونا چاہتے ہو۔ پھول کی مہک میں کیوں کھو جاتے ہو، پھل کی شیرینی میں کیوں اتر جاتے ہو۔ طرح طرح کی خوراک کو کیوں چسکے لے لے کر کھاتے چباتے اور نگل جاتے ہو۔ اپنی جان کا حصہ بنا لیتے ہو۔ پانی تمہاری رگ وپے میں کیوں اتر جاتا ہے۔ یہ برسات تمہیں مست کیوں کر دیتی ہے۔ ارے یہ پرندوں کی چہچہاہٹ اور طرح طرح کی بولیاں تمہیں کیوں سریلی لگتی ہیں۔ تم شبنم کو شبنم کیوں کہتے ہو۔ بہاروں کا انتظار اور پھر خمار کہاں سے آجاتا ہے ارے ساون رُت تمہارے اندر آگ کیوں لگا دیتی ہے۔ اے بندہ خدا یہ سبز و شاداب وادیاں یہ خوبصورت طرح طرح کے پہاڑ، یہ دریاؤں کی روانی، آبشاروں کی طغیانی، جھرنے کی شپ شپاہٹ، پھول کی چٹک، کالی گھٹاؤں کا آسمان پہ سفر، مور کا جنگل میں ناچنا، یہ برف باری کے مناظر، یہ چمکتی جاڑوں کی دھوپ، یہ رنگ رنگ کی مصوریاں، یہ موسیقی کی دھنیں اور عجیب سُر تمہاری روح میں کیوں اتر جاتے ہیں۔ تمہیں جانوروں کا گوشت اور دودھ کیوں بھلا لگتا ہے۔ تمہیں شہد کی مکھی کا شہد، زیتون و دیگر نباتاتی روغنیات کیوں درکار ہیں اور تو اور بادل کی گرج اور بجلی کی چمک سے گھبرانے کے باوجود تم اس سے محبت بھی کرتے ہو، محظوظ بھی ہوتے ہو۔ ارے بھائی خوشیوں کے علاوہ دکھ درد بھی تمہیں مزا دیتے ہیں۔ پھر سب سے بڑا مزا تو اللہ کی محبت اور اس ذاتِ واحد کے عشق میں رونے آنسو بہانے میں آتا ہے۔ یہ آنکھوں کا پانی تو گر کے مٹی میں جذب ہو جاتا ہے ان میں موجود عناصر نے تمہیں کیا دے دیا کہ تم مست ہو گئے اور بھائی اس اندھا دھند بھاگتی زندگی کی دوڑ میں پل بھر کے لیے ٹھہر جاؤ ذرا سوچو تو کیا یہ سب حقیقت نہیں ہے؟ مرد و عورت ایک دوسرے کے لیے ہر نر و مادہ کی طرح شدید کشش رکھتے ہیں۔ پس قانون یہ ہے کہ قریب کے تعلق و رشتے میں کشش زیادہ ہے، میاں بیوی، اولاد، بہن بھائی، ماں باپ، پھر بتدریج قریب کی رشتہ داریاں اور دور کی رشتہ داریاں کشش رکھتی ہیں ایک حد آتی ہے کہ جب یہ کشش غیر محسوس اور کم تر ہو جاتی ہے۔ بظاہر کشش دکھتی یا محسوس ہی نہیں ہوتی لیکن مندرجہ بالا بحث پر غور کریں تو ہر شے کے لیے ہر شے میں کشش ہے سو ہر ہر شے سے بڑی محبت کریں یہ سب آپ کا اپنا آپ ہے۔ یہ دنیا و کائنات ایک طلسم کدہ ہے جسے امتحان کے طور پر پیش کیا گیا ہے تمہارا ازلی شعور و یاداشت معطل کر کے تمہیں غائب پر ایمان لاتے ہوئے قرآن پاک اور دیگر بے شمار الہامی کتب کے ذریعے code

Marfat.com

دے دیا گیا ہے۔تھوڑا سا وقت ہے اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم حقیقی ذات کا طواف کرتے ہو یا اپنی مجازی ذات کو کعبہ of life بناتے ہو۔تم روزانہ نیند میں کسی اور جہان میں چلے جاتے ہو اور جانے کہاں کہاں کے سفر کرتے ہو کیا کیا کچھ کرتے ہو کیا کیا کچھ دیکھتے ہو اتنا کچھ دیکھتے ہو کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔آنکھ کھلنے پر تم سب کا سب بھول جاتے ہو۔آنکھ کھلتے ہی تمہاری ٹیوننگ چشم زدن میں اس جہان محسوسات کے چینل کی ہو جاتی ہے۔لیکن کبھی کبھی دریاؤں کا ایک قطرہ کسی خواب کی شکل میں تمہارے ساتھ اس جہان میں آ جاتا ہے۔لیکن اکثر وہ بھی مستور حالت میں، تمثیلی انداز میں یاد رہ جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی پردہ ہے۔''سات ہری کھیتیاں اور سات سوکھی ہوئی، سات موٹی گائیں اور سات پتلی، پتلی گائیں موٹی کو کھا رہی ہیں''۔اس تمثیل کی تعبیر دنیا بھر کے دانشوروں، نجومیوں اور تعبیر کرنے والوں کے پاس نہ تھی اس کے لیے یوسفؑ چاہیے جو اُدھر اور اِدھر دونوں سمت دیکھ سکتا ہو بفضل تعالیٰ حقیقت کا علم رکھتا ہو۔اصل میں حقیقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، سات سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور سب درخت قلمیں بن جائیں اور اتنے ہی اور بھی ہوں تو اللہ کی آیات اس کی نشانیوں اس کے علوم اور بحر علمِ حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ہمیں تو گو کہ بڑا محدود علم دیا گیا ہے لیکن وہ محدود علم بھی ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے۔جس سے ہم حسب توفیق گھونٹ گھونٹ پیتے ہیں کوئی گلاس بھرتا ہے، کوئی جگ، کوئی بالٹی اور کسی نے دریائے معرفت سے ہونٹ لگا دیئے ہیں نہ پانی ختم ہوتا ہے نہ پیاس، پھر دریا کی روانی میں اور ہمارے ظرفِ پانی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی نہ وہ کم ہوتا ہے نہ یہ بھرتا ہے۔پس اپنی اپنی استعداد ہے یہ مجاز کا علم ہر ہر طرح کی سائنس و ٹیکنالوجی اور پھر حقیقت کا علم جو ''اثاثہ فقیر الٰہی'' ہے اسی دریا میں ہے۔آئن اسٹائن اور نیوٹن کو بھی یہیں سے الہام ہو کے پردہ مجاز میں پہنچتے ہیں اور رومیؒ و تبریزیؒ، غزالیؒ و جامیؒ، اقبالؒ اور گوئٹے بھی یہیں سے گھونٹ بھرتے ہیں۔انھیں خدائی عطا سے منظوری سے خود غوطہ زنی کرنا پڑتی ہے۔بڑے بڑے مگرمچھوں، خطرناک وہیل مچھلیوں، سانپوں و اژدھوں سے دریا کی بپھری موجوں میں طرح طرح کے مصائب کا خود سامنا کرتے ہوئے اس میں سفر جاری رکھنا پڑتا ہے۔اس کی تہہ سے موتی و جواہرات نکالنے پڑتے ہیں۔اس دریائے معرفت کے گھونٹ پینے کے لیے ان سب بلاؤں اور ابتلاؤں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو شیطان بھیس بدل بدل کر کھڑی کرتا ہے جو جتنا بڑا متقی ہوتا ہے جتنا بڑا استعداد رکھنے والا ہوتا ہے اس کے سامنے مصائب اور کرب و بلا بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔آخر حسینؓ کے لیے میدان کربلا ویسے ہی تو نہیں سج گیا تھا۔دوسری جانب اللہ کے پیغمبروں کے لیے جبرائیلؑ اس دریا سے مشکیں بھر بھر کے خالص موتی ہیرے جواہرات مہیا کرتا ہے۔خالص آبِ حیات حقیقی مہیا کرتا ہے اور انھیں اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ اب ان جواہرات کو ایک ہی ظرف ایک برتن ایک ہی کتاب میں اکٹھا کر لو۔یہ کتاب میں مجازی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔حقیقت بین السطور چلی جاتی ہے، اس کی سات تہوں میں چھپ جاتی ہے۔گو کہ مجاز میں بھی حقیقت کا ہی ایک روپ ہے لیکن وہ انسان کی مجازی شخصیت و ذات کی ترقی کے لیے تمثیلی رنگ و بو کے ساتھ ہے۔انسان کو جب اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم ملتا ہے تو مجاز

Marfat.com

میں تعلیم دی جاتی ہے، تلوار و توپ مہیا کی جاتی ہے، حالات بنائے اور جہاد کا موقع دیا جاتا ہے مجاہد کا خون اللہ کی راہ میں حق کا بول بالا کرنے کے لیے زمین پہ گرتا ہے ادھر قرآن کی اس آیت شریفہ کی حقیقت تک وہ پہنچ جاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ''مجھے تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ''۔ پس تقویٰ ہی وہ سواری ہے، وہ خوراک ہے، وہ خون ہے وہ برقی یا نورانی تار ہے جس سے راہ معرفت میں سفر ممکن ہوتا ہے۔ جس سے قرآن کے اسرار میں سات تہوں میں انسان دھیرے دھیرے اترتا چلا جاتا ہے پھر اک وقت آتا ہے کہ قرآن اپنے الفاظ سے نکل کر خون بن کر آپ کے جسم میں دوڑنے لگتا ہے، روح بن کر سانسوں کے ذریعے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ وہاں حقیقت وا ہو جاتی ہے۔ مجاز کی حد ختم ہو جاتی ہے نہ الفاظ رہتے ہیں نہ زبان، نہ دنیا نہ جہان۔ ایک اور ہی دنیا اور ہی جہان اور ہی نظارہ ہے۔ جو حد بیان سے پرے بہت پرے، بہت پرے دور اُس کی دسترس سے بعید تر ہے۔ جب اُدھر کی کوئی جھلک اِدھر کا رخ پل بھر کے لیے کرتی ہے تو پھر اللہ کے حکم و حکمت سے تبریزؒ، رومیؒ کے پاس جا پہنچتا ہے۔ پہلے کتابیں دریا میں ڈال پھر سوکھی خاک اڑاتی باہر نکال لاتا ہے۔ کیونکہ مولانا رومؒ کو رومیؒ بنانا مقصود ہے۔ کبھی عشق الٰہی عشق محمد ﷺ کے روپ میں سر محمد اقبالؒ کے آنسوؤں میں رواں ہو جاتا ہے کہ اسے اقبالؒ بنانا مقصود ہے۔ کبھی موسیٰؑ کو صحراؤں میں جلاتا ہے اسے موسیٰؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی عیسیٰؑ کو وقت کے بادشاہوں سے ادھڑواتا ہے کہ اسے عیسیٰؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی ننھے اسماعیل کو صحرا کی تپتی ریت پر ایڑیاں رگڑواتا ہے کہ اسے اسماعیلؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی ابراہیمؑ کو آگ کی بھٹی میں پھینکواتا ہے کہ اسے ابراہیمؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی نوحؑ کو ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کے کرتوتوں سے کڑھواتا اس سے کشتی بنواتا اور طعنوں کی بارش کرواتا ہے کہ اسے نوحؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی یوسف کو پیارے باپ سے چھین کر کنویں میں ڈلواتا، بکواتا پھر جوان کر کے جیل میں چکی پسواتا ہے کہ اسے یوسفؑ بنانا مقصود ہے۔ یعقوبؑ کو یوسف کی محبت میں رلوا رلوا کر اندھا کر دیتا ہے کہ انھیں یعقوبؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی ایوبؑ سے سب کچھ چھین کر شیطان کو اس کے پیچھے لگاتا بیماریوں میں تڑپواتا ہے جسم میں (روایات کے مطابق) کیڑے پڑواتا ہے کہ اسے ایوبؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں گلواتا پھر مچھلی کو ساحل پہ اگلواتا ہے کہ اسے یونسؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی لوطؑ کی عزت و ناموس کو آخری حد تک خطرے میں ڈالواتا ہے کہ اسے لوطؑ بنانا مقصود ہے۔ کبھی اویس قرنیؓ کے عشق محمد ﷺ (جو اصل میں عشق الٰہی ہے مجاز میں حقیقت بند ہے) میں تمام دانت تڑواتا ہے کہ اویس قرنیؓ بنانا مقصود ہے۔ کبھی بے شمار مصائب، پریشانیوں، اذیتوں اور تکالیف کے بعد اہل طائف کے اوباش لڑکوں سے حضرت محمد ﷺ کو پتھر مروا کے لہولہان کروا دیتا ہے کہ محمد ﷺ بنانا اور قلب محمد کا امتحان مقصود ہے۔ کبھی کربلا میں اولاد محمد ﷺ کا بچہ بچہ کٹوا دیتا ہے میدان کربلا کو خونِ محمد ﷺ، خونِ فاطمہؓ و علیؓ، خونِ حسنؓ و حسینؓ سے سرخ تر کر دیتا ہے کہ اہل بیتؓ رسول کو تا ابد عجب مقامات رفعت دینا مقصود ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو عشق محمد ﷺ میں رلاتا و گھلواتا ہے پھر دنوں اور مہینوں میں تھوڑی تھوڑی کر کے جان نکال لیتا ہے کہ فاطمہؓ کو سردار النساء

Marfat.com

جنت بنانا مقصود ہے۔ حضرت محمد ﷺ جن کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے تھے جن کے ذرا سے دکھ سے پریشان ہو جاتے تھے جن کے ساتھ نے، رفاقت نے علیؑ کو علیؑ بنایا ان کی حقیقت لوگوں کو دکھلانا مقصود تھا۔ حقیقتِ محمد ﷺ پہ گواہی کے لیے صدیقؓ بنایا بادشاہی میں فقر کیا ہوتا ہے یہ دکھانے کے لیے فاروقؓ بنایا۔ عزیز مال راہ خدا میں کیسے لٹاتے ہیں اس کے لیے عثمانؓ بنایا۔ عشق محمد ﷺ میں کیسے روتے ہیں اس کے لیے بلالؓ کو مؤذن آخرین بنایا۔ ستارے خاک میں مل کر کیسے جگمگاتے ہیں یہ دکھانے کو اصحابِ رسول ﷺ بنائے۔ اصحابؓ کے رتبے مقرر کرنے کے لیے غزوات پھر خاص کر جنگ احد کروائی۔ وفا داران محمد ﷺ کو جانچنے کے لیے علیؑ کو اخیر میں خلافت دی اور پھر ہم بے وفاؤں کی سزا کے لیے خلافت اٹھا ہی لی۔ اللہ کا راز محمدؐ، محمدؐ کا راز فاطمہؓ، فاطمہؓ کا راز علیؑ، علیؑ کا راز حسنؓ و حسینؓ ہیں۔

گو کہ ہمارے لیے تو اصحاب رسول ﷺ سب ہی محترم ہیں اور ان میں کس نے کیا کیا کون کتنا بڑا یا چھوٹا یا کس مقام پر فائز ہے۔ یہ اللہ کا اور اُن کا معاملہ ہے لیکن دل نے جو کہا میں نے لکھ دیا۔ ہم سے ان کے متعلق سوال نہیں ہونا۔ روز حشر ہم سے صرف ہمارے اعمال کے متعلق ایمان کے متعلق سوال ہونا ہے اور ہمارے ایمان و عمل کو ہمارے امام ہمارے رسولوںؑ کی اُمتوں کے حوالے سے پرکھا جائے گا کسی بھی رسولؑ کی تعلیمات کی حقیقت اس کی وحی الٰہی پر مبنی کتاب ہی میں ہوتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو کہ رسول کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ ہمارے پاس قرآن پاک اللہ کی بہت بڑی عطا کے طور پر موجود ہے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جس پر ہم سب حضرت محمد ﷺ کے امتیوں کے ایمان و عمل کو پرکھا جائے گا ہم سے کسی دیگر کے متعلق قطعاً سوال نہ کیا جائے گا حتیٰ کہ ہمارے رشتہ داروں سے متعلق بھی نہیں، ہاں حقوق و فرائض کے ضمن میں حقوق و فرائض العباد کے سوال آئیں گے تاہم ہم جو صحابہ رسول ﷺ کے مباحث میں الجھ کر قتل و غارت گری تک میں مصروف ہو جاتے ہیں ہم سے ان کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا۔ ان کے اعمال ان کے کام آئیں گے چاہے پہاڑ کے پہاڑ ہوں، ہمیں ان سے حصہ نہ ملے گا لہٰذا بجائے خطرے میں پڑنے کے، گناہگار ہونے کے، دنیا و عالمِ اسلام کے امن کو اس بحث سے تہہ و بالا کرنے کے، ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک قرآن پاک پر متفق ہو جایئے۔ یہی اسلامی تعلیمات کی اصل حقیقت ہے جو قیامت تک ہماری رہنمائی کے لیے باقی ہے۔ حتیٰ کہ احادیث میں اختلاف محسوس ہو تو قرآن کو کسوٹی بنایئے، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

میرے محترم قارئین آپ نے اس بحث سے اندازہ کر لیا ہوگا کہ اصل کے اعتبار سے ہم سب ایک ہیں اور دوسروں کے لیے خود کو لٹانا، قربانی دینا، تقویٰ اختیار کرنا ہماری روح کو قوی تر اور پاکیزہ تر بناتا ہے۔ یہی اگلے جہان کے سفر کے لیے زادِ راہ ہے۔ اب پتا چلا کہ محرم راز، اصحاب رسول ﷺ کیوں وقت شہادت بھی ایک دوسرے کو پانی پہلے پلانے کی ضد کرتے تھے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 48:

کائنات کے دو بنیادی رنگ سیاہ اور سفید، اندھیرا اور اجالا، سیاہی اور چمک وغیرہ وغیرہ۔ یا اندھیریاں اور نور

گو کہ یہ بہت بڑا Topic ہے اور میرے ذہن میں اس کے لیے زیادہ مواد بھی نہیں ہے لیکن جانے کیا وجہ ہے کہ قلم چل رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور بائبل میں اور ہندوؤں کی مذہبی کتب سمیت تمام آسمانی کتابوں میں دن اور رات کے آنے جانے کا ذکر کیا ہے۔ اندھیروں اجالوں کا ذکر کیا ہے۔ اندھیریوں بلکہ کئی عدد اندھیریوں کا ذکر کیا ہے نور بلکہ انوار کا ذکر کیا ہے۔ نور کے اوپر نور پھر اور نور کا ذکر کیا ہے۔ پھر راتوں میں کیا اشیاء اترتی کیا آسمانوں پر چڑھتی ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ افق اور اس کے کناروں کا ذکر کیا ہے، جب دن ڈھلتا ہے اس سے قبل لمحات کا اور مابعد لمحات کا ذکر کیا ہے۔ رات کے مکمل چھا جانے تک کے وقت کا ذکر کیا ہے پھر رات کے کچھ حصوں کا ذکر کیا ہے۔ 3/4 رات، 2/4 رات، 1/4 رات کا ذکر کیا ہے اسی طرح سے رات کی رخصتی کا ذکر ہے جب ستارے مدھم پڑتے ہیں کم دیتے ہیں اس وقت کا ذکر ہے طلوع شمس سے قبل اور بعد کے لمحات کا ذکر ہے دوپہر کا ذکر ہے اور جب نصف النہار کے بعد سورج ڈھلنا شروع ہوتا ہے اس کا ذکر ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہی لمحات میں عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار الٰہی کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ تو کوئی تو وجہ ہے کہ اندھیروں اجالوں، دن و رات اور ان کے آنے جانے میں نشانیوں کا اشارہ ملتا ہے۔ بات رب تعالیٰ چاہتے تو پوری بھی فرما سکتے تھے لیکن غور و فکر کی، تلاش کی جستجو کی دعوت عام ہے اور پھر حقیقت کے آثار دھیرے دھیرے بمطابق محنت و کوشش، سعی و تلاش دکھنے لگتے ہیں۔ حقیقت کو پانے کے لیے تو عشق کی حد تک شوق و جستجو چاہیے اور پھر آپ کو معلوم ہے کہ عشق کی تو کوئی حد ہے ہی نہیں۔ بہر حال چلیے ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ اصل رنگ تو گو کہ ایک ہی ہے سفید یا نورانی باقی تو سب رنگ اسی میں شامل ہیں، اسی سے الگ ہوئے ہیں اور اصطلاح میں نور یا روشنی کی عدم موجودگی اندھیرا کہلاتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نور کی عدم موجودگی اندھیرا کیوں ہے اندھیرا بذات خود کیا ہے؟ اس کا وجود بھی تو ایک شے ہے۔ ہماری آنکھ روشنی میں دیکھنے کی عادی ہے اگر روشنی نہ ہو تو آنکھ اپنی صحت مند حالت کے باوجود نہیں دیکھ سکتی۔ قانون ہے کہ روشنی جب کسی مجسم پر پڑتی ہے تو اس کے بعد اس کی شعاعیں منعکس ہو کر چاروں طرف پھیل جاتی ہے یہ روشنی کی شعاعیں جب ہماری آنکھ کے پردے پر پڑتی ہیں تو اپنے ساتھ اس شے کی تصویر یا عکس بھی لاتی ہیں جسے ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ آنکھ دماغ کی مدد سے ایک خاص بناوٹ رکھتی ہے۔ جو عمل بصارت کو ممکن بناتا ہے اگر آنکھ کے اس مشینی structure میں کوئی خرابی ہو جائے تو دیکھنا ممکن نہیں

Marfat.com

ہوتا اور ہم بینائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔اسی طرح اگر آنکھ ٹھیک کام کر رہی ہے لیکن اندھیرا گھپ ہے روشنی کی ایک رمق نہیں ہے سورج کی ایک کرن نہیں ہے تو بھی صورت حال وہی ہوتی ہے ہم کچھ دیکھ نہیں پاتے۔اب اگر دیکھنے کے لیے روشنی ہی شرط ہے تو ایسے جاندار بھی ہیں جو بالکل اندھیرے میں دیکھ لیتے ہیں ان کی آنکھ کیسے کام کرتی ہے سائنس کہتی ہے کہ اندھیرے میں کچھ نہ کچھ روشنی کے اثرات ہوتے ہیں چاہے گھپ اندھیرا ہماری آنکھ کے اعتبار سے ہو۔لیکن ان جانداروں کو اس میں بھی اتنی روشنی ہوتی ہے کہ نظر آ جاتا ہے بلکہ بالکل درست نظر آتا ہے۔تو گویا کہ مکمل اندھیرے کا وجود شاید کہیں بھی نہیں ہے۔ کائنات میں لاکھوں کروڑوں ستارے اور سورج و چاند روشنیاں مسلسل بکھیر رہے ہیں اصل میں یہ سب اللہ کے نور سے روشنی پاتے ہیں، اللہ کے نور سے روشن ہیں۔جس طرح یہ بڑے بڑے روشنی و حرارت اور نور کے منابع اللہ پاک کے نور سے نور پا رہے ہیں۔ان سے اللہ ہی کا نور منعکس ہو رہا ہے اور کائنات میں چاروں طرف پھیل رہا ہے۔اسی طرح کائنات کی ہر شے اللہ کے نور سے وجود حاصل کرتی اور نور پاتی ہے نہ صرف پاتی ہے بلکہ اسے ہر لحہ منعکس بھی کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کائنات میں کہیں بھی کامل اندھیرا نہیں ہے کائنات میں بے شمار ایسے گوشے ہونگے جو ہماری ظاہری آنکھ کے اعتبار سے اندھیرے ہونگے۔لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ اندھیرے نہیں ہونگے بلکہ ان اندھیروں میں نور موجود ہوگا۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ زمین و آسمان نیز تمام جہانوں تمام عالمین تمام کائنات کا نور ہے۔اللہ فرماتا ہے: ''تم جہاں بھی جاؤ ہماری ہی حکمرانی پاؤ گے تم اگر اس سے نکل سکو تو نکلو لیکن تم اس سے کبھی بھی نکل نہیں سکتے''۔انسان کی تو خیر اوقات ہی بظاہر بہت کم ہے کائنات بھر کی ہر شے یہ وسیع و عریض زمینیں یہ بے حد وسعت رکھنے والے آسمان، چاند، ستارے، بے شمار وسعتوں اور پنہائیوں میں موجود ان گنت مخلوقات عجائبات سب اللہ پاک کو سجدہ کرتے ہیں بلکہ اس پر مجبور ہیں اس کے سوا کوئی option ہے ہی نہیں۔آپ روٹی پانی کی مخلوق ہیں اس روٹی پانی ہوا کے بغیر آپ بھلا کیسے زندہ ہوگے اسی طرح ہر ہر شے اللہ کے نور سے حصہ و خوراک اور وجود پا رہی ہے۔اس کی محتاجی کر رہی ہے اس کے سامنے جھکتی ہے، عاجزی و انکساری سے۔گویا اللہ کا نور ہر جگہ موجود ہے دن کی روشنی (ہماری آنکھ کے مطابق) میں نمایاں اور رات کے اندھیرے میں پوشیدہ کام کر رہا ہے اگر آپ ایک تجربہ کریں دن کے وقت کسی خالی گوشے کی سمت مسلسل ٹکٹکی باندھے چند سیکنڈ دیکھیں اور غور کریں کہ آپ اور دیگر اشیاء کے درمیان خالی جگہ میں بے حد باریک باریک سے نکتوں کا ایک سمندر ہے ان میں بے شمار کالے اور روشن نکات مکس ہیں یا یوں کہیں کہ دن کے وقت دیکھنے پر بے حد و شمار بے حد چھوٹے چھوٹے کالے نکات روشنی میں یا روشنی کے نکات میں مکس ہیں۔اسی طرح رات کو اندھیرے میں غور کریں تو اندھیرے میں گہرے سیاہ بے حد و شمار نکات کے ساتھ کچھ ہلکی سی روشنی کے سفیدی مائل نکات کا بے شمار سمندر بھی موجود ہے۔تجربہ کر لیں نہ دن کے وقت نور کو اندھیرے کے ذرات سے الگ کر کے دیکھ سکتے ہیں نہ رات کو اندھیرے کو نور کے نکات سے الگ کر کے دیکھ سکتے ہیں یہ ایک بے پناہ وسیع سمندر ہے جو پوری کائنات پر محیط ہے۔یہی اللہ کا

Marfat.com

نور ہے ہر ہر شے کے وجود کو بناتا ہے۔اس میں سرایت ہے اور اس سے باہر ہر جگہ کائنات کی تمام مادی وغیر مادی اشیاء کے علاوہ سب گوشوں سب پنہائیوں میں موجود ہے۔سائنس اسی طرح کی ایک شے کو ایتھر کا نام دیتی ہے جو کائنات میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس کے وجود کو شاید ابھی تک سمجھ نہیں سکی۔

نظریہ رنگ ونور:

یہ نظریہ رنگ ونور کا وجود بھی اسی سے ہے اللہ کا نور اپنے اندر سب روشنیاں سب رنگ و آہنگ رکھتا ہے اس کی اتنی عمق اتنی گہرائی اور پیچیدگی ہے کہ ''نظریہ رنگ ونور'' پیش کرنے والے اسے قدر آسان وسہل سمجھتے ہیں تاہم اس پر خوشی ہے کہ انہوں نے اس پر کام کیا ہے کراچی کے شمس الدین عظیمیؒ صاحب نے حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کے توسط سے بڑا کچھ تحریر کیا ہے لیکن انہوں نے شروع میں جو کچھ تحریر کر دیا وہی ان کے علم کی اصل بنیاد ہے اس کے بعد کی کتب میں وہی کچھ دہرایا جاتا رہا ہے۔ان کی اصل کتاب ''لوح وقلم'' ہی ہے اس میں انہوں نے روحانیات کو سائنسی زبان دینے کی کوشش کی ہے لیکن بھلا مادہ روح کے علم کا احاطہ کیونکر اور کیسے کر سکتا ہے۔آپ جب تک کسی تجربہ سے خود نہ گزریں آپ اسے کیسے سمجھ سکتے ہیں۔وہاں تو حیرانگی ہے ،دیوانگی ہے،عقل باختگی ہے، پروانگی ہے، عالم شوق ہے،عشق کی منازل ہیں،شرح کا وہاں کوئی کام نہیں ذرا اُدھر کی بات اِدھر آ جائے تو گردن زدنی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا قلم بھی خاص مقامات پر خاموش ہے یا اشارے ہیں اور جو سائنسی انداز کی تشریحات ہیں وہ اتنی پیچیدہ ہیں کہ عام قاری کی عقل وسمجھ سے ماوراء ہیں لیکن ہیں حقیقت کے قریب تاہم پھر بھی حقیقت مستور ہی ہے۔ان کا مراقبہ کے روحانی مراکز کھلوانا اچھی کوشش ہے لیکن ادب سے گزارش ہے کہ بھلا فقیر کیا ان فیکٹریوں میں بنا کرتے ہیں، ہاں مراقبہ سے ذہنی سکون ویکسوئی حاصل ہو جاتی ہے جو روحانیات کی ابجد ہے۔میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے کچھ واقف ہوں وہ کامل فقیر تھے۔ان کے پاس بہت کچھ تھا۔عظیمیؒ صاحب ان کے خاص مُریدوں میں سے ہیں اور بہت قابل احترام ہیں۔اللہ پاک انھیں اور خدمت خلق کرنے کی توفیق دے،خلق خدا کی بہت خدمت کر رہے ہیں۔تو ہم بات کر رہے تھے کہ چونکہ ہر شے نورالٰہی سے وجود میں آتی ہے اس لیے بے شک اس میں مختلف روشنیاں پیچیدہ اعداد وشمار اور مقداروں میں آٹومیٹکلی کام کر رہی ہیں۔یہ فقیر لوگ جو نگاہ سے کوڑھ، فالج، کینسر تک کے امراض بفضل تعالیٰ دور کر دیتے ہیں تو یہ نورالٰہی سے بھرے ہوئے اور محرم راز ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں اللہ کا حکم ورضا کیا ہے اور اس کے قوانین قدرت کیسے کام کرتے ہیں لیکن یاد رکھئے وہ ماسوائے رضائے الٰہی کوئی کام نہیں کرتے مجاز میں وہ محرّک شفاء ہوتے ضرور ہیں لیکن حقیقت میں وہ اللہ کے حکم کے اسیر ہوتے ہیں۔ہاں ان کی دعا اللہ پاک کے حضور بڑی ہی قدر وقیمت پاتی ہے۔پھر بھی یہ اللہ اور اس کے ولیوں کے معاملات یوں ہیں کہ کسی تیسرے کی سمجھ سے باہر ہیں۔(یاد رکھئے اللہ کے سب کامل ولی ایک ہیں۔مختلف فریکوئنسی سے مگر ایک اللہ کے نور سے جُڑے ایک حکم کے پابند بندے ہیں وہ راز کے ساجھے دار ہیں)۔تو ہم اصل میں اندھیرے اجالے،نور و

Marfat.com

سیاہی کی بات کر رہے تھے اب ہم ایک نہایت اہم معاملے پر بحث کرنے والے ہیں کہ عرش سے فرش تک اللہ کی کائنات کیسے جڑی ہے، کیسے حکم واحکام پاتی ہے یہ آخر گورکھ دھندا کیا ہے ظاہر ہے، ہم لاکھ کوشش کے باوجود محض حقیقت کی دھول تک ہی پہنچ سکتے ہیں لیکن آخر دھول بھی تو قافلے کے رستے کی نشاندہی کرتی ہے یہ الگ بات کہ کچھ آگے جا کر دھول بیٹھ جائے گی قافلہ غائب ہو جائے گا ہم پھر صحرا نوردی کرنے لگیں گے، بھوکے پیاسے عاشق، سفر کے گرد و غبار سے بال اٹے ہوئے، پاؤں میں چھالے لیئے ڈھونڈتے پھریں گے کہ پھر محبت الٰہی اپنے عاشق کی پذیرائی کے لیے آگے بڑھے گی پھر کوئی قافلہ نظر پڑے گا ہم پھر اس کے ساتھ بھاگیں گے پھر دھول پر رستہ ٹٹولیں گے پھر کچھ سفر طے ہوگا کہ دوبارہ وہی حال ہو جائے گا۔ بھائیو۔ یہاں جس کی جتنی ہمت ہے سفر کرلے کہ زندگی محدود ہے۔ گنتی کی سانسیں ہیں گنتی مکمل ہونے سے قبل ایمان کامل، اعمال صالح، تقویٰ کے تیل سے جلتے چراغ کو ہاتھ میں لیے جتنا سفر کر سکتے ہیں کرلیں۔ لوگوں نے بڑے بڑے سفر کیے ہیں آپ بھی شوق رکھتے ہیں تو آج ہی سے کمر باندھ لیں، خیر چلیے بات کرتے ہیں میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں آپ کو بھی سمجھاتا ہوں۔ میں نے بات اوپر بڑی لکھ دی ہے کہ اللہ کے حکم سے یہ کائنات کیسے جڑی ہے کیسے احکام پاتی اور بجالاتی ہے یہ میری کیا مجال کہ میں جان سکوں یا کوئی بھی اس علم کا احاطہ کر سکے۔ پس صحرائے علم کی شفاف چمکیلی ریت کا محض ایک ذرہ سمجھ کر بات سن لیں۔ یہ رات اور دن اللہ پاک کی بہت بڑی نشانیوں میں سے ہیں یہ محض زمین کی حرکت کی بنا پر آنے والی تبدیلی ہی کا نام نہیں۔ کہنے کو تو توے پر روٹی کو الٹ پلٹ کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے نیچے آگ بھی جلتی ہے توّا کسی خاص دھات کا ہوتا ہے حرارت جذب کرنا اور آگے منتقل کرنا اس کے وصف ہیں روٹی پکانے والے ہاتھوں کے کچھ خواص اور مہارتیں ہیں جب روٹی تمام مراحل کے بعد پک جاتی ہے تو کوئی کھانے والا کہ جس کے دہن کے لیے بنی ہے جو اسے ہضم کر سکتا ہو لذت سے کھا سکتا ، چبا سکتا ہو، جو اس سے خیر و شفا حاصل کر سکتا ہو اس کا ہونا بھی بڑا ضروری ہے۔ چونکہ ہم سب روٹی کھانے والے ہیں اس لیے نہ تو روٹی پکنے کے مراحل پر نہ ہی کھانے کی اہلیت پر ہم نے کبھی گہرا غور کیا ہے اگر دنیا میں انسان گنتی کے چند رہ جائیں اور روٹی پکانے والا کوئی اور ہو جیسا کہ ''خدائے پاک'' تو پھر بے شمار روٹیاں یا تو پڑی رہ جائیں گی یا اسے کھانے والے کتے، بلے یا دیگر جانور و مخلوقات ہونگی جنہیں نہ تو اس کا زیادہ شعور ہوگا نہ قدر نہ وہ ان کی خاص ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ کہ لیلیٰ کو دیکھنے کے لیے مجنوں کی آنکھ چاہیے۔ پائل کے گھنگرو کی آواز صرف عاشق ہی کے دل کی دھڑکن بن سکتی ہے اور چودھویں کے چاند کی قدر کے لیے صرف چکور ہی کا دل چاہیے۔ سو یہ جو دن رات کی تبدیلی ہے اس کے متعلق بار بار قرآن مجید میں غور کرنے کا حکم ہے اس میں بے پناہ نشانیوں کی خبر ہے دن کا بڑا بیان ہے رات کے اسرار کا بیان ہے۔ شمس و قمر کی باتیں ہیں چاند کے گھٹنے بڑھنے میں نشانیاں ہیں، شمس و قمر کے سجدے کا بیان ہے اس دن اور رات کے متعلق اندھیریوں اور نور کی مثال بھی ہے اور بے شمار کچھ ہے کہ رب تعالیٰ نے انھیں بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ اب بات یہ ہے کہ بظاہر تو جو کچھ رات اور دن کے خواص و ضروریات ہیں

Marfat.com

ہم سب ان سے آگاہ ہیں۔لیکن باطنی طور پر ناواقف ہیں۔تو سنیئے: یہ دن اور رات اللہ پاک کے ہاتھوں کی بے شمار انگلیوں (قدرتوں) میں سے دو انگلیاں سمجھیے، بے شمار پتوں والے خدائی، نورانی پھول کی دو پیتیاں سمجھیے یا الگ سے سمجھنے کے لیے یوں سمجھ لیجیے کہ یہ ایک دو بہت بڑی خوبصورت نورانی پیتیاں ہیں جس طرح سے پھول کی پیتیاں اوپر سے گول پھر بیضوی اور واپسی پر قدرے تنگ ہو کر اپنی جڑ سے پھول کے مرکز سے جڑی ہوتی ہیں یوں ہی یہ دو بہت بڑی نورانی پیتیاں ہیں ایک سفید ہے اور ظاہر ہے نور کی پتی یہ دن ہے اور ایک سیاہ ہے یہ مستور پتی ہے نور کی یہ رات ہے۔

اب سفید و سیاہ دونوں قسم کی پتیوں (رات و دن) میں ہر ایک میں مرکزی لائن ہے جیسے کسی پتے یا پتی کے درمیان ہوتی ہے اور اس سے بے شمار لائنیں یا نورانی رگیں دائیں بائیں اس نورانی پتے یا پتی میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر دو سفید و سیاہ پتیوں میں ایسا ہی ہے۔دن اور رات دونوں کا وجود اللہ پاک سے اس پھول اور اس کی کلیوں کی طرح خوراک یعنی نور حاصل کر رہا ہے۔اس نور اور نورانی راستوں کے ذریعے زمین اور دیگر زمینیں، آسمان اور دیگر آسمان بلکہ ساری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ رب تعالیٰ سے نور حاصل کر رہا ہے۔یہ سب بنا بھی اللہ کے نور سے ہے اور اس کی خوراک بھی اللہ کا نور ہے لیکن اللہ کا نور بے شمار مجازی اشیاء میں چھپ گیا ہے یعنی حقیقت مجاز میں پردہ پوش ہے۔سو ہمیں مجازی اشیاء اور معاملات تو اپنے ان پانچ عام حواس سے نظر آتے ہیں لیکن ان کی نورانی اصل اسی طرح نظر نہیں آتی محسوس نہیں ہوتی جیسے انسانی جسم اور اس کی سب کارکردگی نظر آتی ہے لیکن روح انسانی نظر نہیں آتی۔یہ دن کا ظاہر اور رات کا مستور دکھنے والا نور ہی کائنات کی اصل ہے۔یعنی تمام کی تمام کائنات اسی ظاہر و باطن نور کے بے حد باریک کبھی نہ دکھنے والے نہایت چھوٹے نورانی ذرات سے مل کر بنی ہے۔

دن کے اندر بے شمار نورانی رگیں ہیں۔اسی طرح رات کے اندھیرے میں موجود بے شمار نورانی رگیں حقیقت کی آنکھ سے دیکھیں تو دن کے نور میں بھی یہ نورانی چمک والی رگیں نظر آتی ہیں اور رات کے اندھیرے میں بھی یہ چمکیلی نورانی رگیں نظر آتی ہیں۔جیسے رات کو بجلی چمکتی ہے تو آسمان پر نور کی لکیریں نظر آتی ہیں اور حقیقت کی آنکھ سے مگر تمثیلی رُوپ میں دیکھنا چاہیں تو رات کے وقت کافی دور چشم تصور سے ایک پھول دیکھیں گے جس کی ایک بہت بڑی پتی سفید چمکتی ہوئی نظر آئے گی جبکہ دوسری سیاہ پتی ہے جس کی رگیں بجلی کی چمک کی طرح چمکدار ہوں گی اور یہ دن اور رات کے آنے جانے کو ظاہر کرنے کے لیے اپنے base کے اوپر گھوم رہے ہیں جیسے کوئی پھول کو ڈنڈی سمیت توڑ کر اپنی انگلیوں میں گول گول گھمائے اس طرح۔اب ان دونوں سفید اور سیاہ بہت بڑی پتیوں میں پھول کی پتی ہی کی طرح درمیان میں ایک لائن ہو گی۔جس سے دیگر لائنیں نکل کر دائیں بائیں گئی ہوں گی یہ اس بہت بڑے دو پتیوں والے پھول کی نورانی رگیں ہیں۔ایک سمت اپنی جڑ سے جڑی نورانی خوراک پا رہی ہیں اور دوسری جانب یہ دونوں پیتیاں اپنے سارے وجود کو اس نور سے روشن کیے ہوئے ہیں۔ایک طرف سفید پتی کا نور ہے پھر ان رگوں کا انتہائی نور ہے نورٌ علیٰ نور ہے۔اسی طرح سیاہ پتی کی رگوں میں بھی چمکیلا نور ہے۔اس پتی کی رگوں

Marfat.com

میں شدید چمک ہے یہ بھی نورٌ علیٰ نور ہے۔ یہ آپ نے تمثیلی انداز میں دن اور رات کی حقیقت کو دیکھا۔ اس دو پتیوں والے پھول کی طرح ہمارے دن اور رات ہیں ان کی موجودات ہیں اور ان موجودات تک پہنچنے والا نور ہے اس نور کے اندر ہی مجازی اشیاء کے حقائق و علوم وفنون بھی ہیں اور حقیقی دنیا کے راز بھی ہیں یہ جسم وروح کی طرح ہے۔ یعنی ظاہر دن ورات ایک جسم ہیں اور نور ان کی روح ہے۔ جس طرح سے نر و مادہ یا میاں و بیوی یا مرد وعورت ایک جسم ہیں پھر ان میں روح یعنی نور پھونکا گیا۔ پہلے بنایا بھی ایک طرح کے نور ہی سے گیا پھر ایک اور ہی نور اس میں پھونک دیا گیا جس طرح آدمؑ تھے پھر ان ہی سے ان کی عورت حوا بنی۔ تو حقیقت میں مرد وعورت ایک ہی شے ہوئے۔ یوں ہی دن ورات بھی ایک ہی ہیں حقیقت میں رات ہی تھی اس ہی سے دن وجود میں آیا۔ حقیقت میں اندھیرا تھا، عدم تھا، کچھ نہ تھا لیکن جب کچھ نہ تھا تو ''وہ'' تھا یعنی خدائے پاک تو تھے۔ پھر جب سفید چمکیلا نور بھی نہ تھا (ظاہراً) تو کیا تھا؟ اندھیرا تھا؟ سیاہی تھی؟ پس ایک نکتہ تھا اس میں سب کچھ بند تھا یہ نکتہ نورِ اولین تھا اس میں سب کچھ خزانہ چھپا تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے کہا ''کن'' تو ''فیکون'' ہو گیا وہ نکتہ پھیلنے لگا کھلنے لگا۔ اب سفید یعنی ظاہر نور اور سیاہ یعنی مستور نور کائنات میں دھیرے دھیرے پھیلنے لگے اور ان ہی سفید و سیاہ بے حدو شمار چھوٹے نورانی نکات سے یہ ساری کائنات و ماورائے کائنات، ماورائے حد ادراک انسانی یا مخلوقاتی یہ نور پھیلتا چلا گیا اور جیسا اس ''ذات واحد'' نے چاہا بے حدو شمار اشیاء، صورتوں، صفتوں، خاصیتوں میں ڈھل کر وجود میں آ گئیں۔ مادہ، ٹھوس، مائع، گیس وغیرہ میں ڈھلتا چلا گیا۔ آپ اندھیری رات میں کسی ماہر آتش باز کی آتش بازی دیکھیں تو زمین سے آسمان کی بلندیوں پر گولے پھٹتے ہوئے جاتے ہیں پھر ان میں سے رنگ برنگ کی نہ صرف روشنیاں نکلتی ہیں بلکہ کئی اقسام کی صورتیں، اشیاء اور تحریریں بن کر لوگوں کو محظوظ کرتی ہیں۔ پس اس واحد نکتۂ نور نے یوں ہی پھیل کر یہ حیرتوں کی دنیا قائم کر دی ہے۔ اب ایک طرف تو یہ بے حد بڑے بڑے سورج وستاروں، سیاروں کی طرح کے وجود ہیں جو ان گنت ہیں، پھر ان کے اندر پھیلی ہوئی نت نئی دنیائیں ہیں۔ پھر ہمارے پانچ حواس سے باہر کے بے شمار حواس کی دنیائیں ہیں جنہیں اپنی ادراک کی tuning بدلنے پر ہی دیکھ اور محسوس کر سکتے ہیں۔ پھر دوسری طرف کائنات کی تمام گہرائیوں، پہنائیوں، وسعتوں اور کناروں تک پھر ماورائے کائنات اور ماورائے ادراک جو کہ ہم تصور ہی نہیں کر سکتے وہاں تک یہی سیاہ نکتوں میں دھنسا ہوا سفید نکتوں پر مشتمل نور الٰہی پھیلا اور بھرا ہوا ہے۔ یہ خدا کا نور ہے، یہ خدائے پاک ہے۔ اس کی اصل وہی ہے۔ تاہم اللہ اس تمام نورانی کائنات کا مرکز اور محور اور واحد یکتا حیثیت میں بھی موجود ہے وہیں سے تمام کائنات کو نورانی Feeding جاری ہے۔

مثال: جس طرح سورج کی روشنی، حرارت جہاں تک اس کی حد ہے وہاں تک پھیلی ہوئی ہے کہیں زیادہ کہیں کم۔ ہر کہیں اپنے ظرف کے مطابق سورج سے یہ اشیاء نہ صرف مستفید ہو رہی ہیں بلکہ یہ ہماری زمین پر زندگی کا باعث بھی ہے (باقی لوازمات کے ساتھ) اب سورج کو اس روشنی وحرارت کا منبع کہیں گے، اس کی روشنی وحرارت اس کی اصل سے جدا نہیں ہے۔

Marfat.com

لیکن سورج ایک الگ وجود ہے یا جس طرح آگ میں سرخ ہوئے لوہے میں بھی آگ ہی کی اصل آگئی ہے۔اس لیے وہ گو کہ آگ نہیں ہے لیکن جب تک اس میں آگ ہے وہ آگ ہی کہلائے گا۔اسی طرح سے اللہ کے نور کی ناقص ترین مثال دی جا سکتی ہے۔حقیقت میں تو چونکہ اس جیسی کوئی شے ہی نہیں تو بھلا مثال کیسے دی جائے۔یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر شے ہے ہی وہ خود تو جب دوسری کوئی چیز ہی نہیں ہے تو مثال کہاں سے لائیں۔یہاں آکر انسان پاگل ہو جاتا ہے کہ خدایا میری توبہ میں بھلا تجھے تجھ جیسے انوکھے، واحد، بے مثل و یکتا کو کیسے سمجھ سکتا یا دیکھ سکتا ہوں۔تاہم بات ختم کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ یہ تمام نور سیاہ نکتوں میں دھنسا ہوا یا سفید نکات پر مبنی مع دن و رات مع کائنات ساری کے خدا ہی کا ہے۔خدا سے جدا بھی ہے، مجازاً اور خدا ہی ہے حقیقتاً۔مجازاً مخلوق ہے حقیقتاً خدا ہے۔یاد رکھنے کی بات ہے کہ جب مخلوق کی حقیقت خدا سے ہے تب ہی تو عشق جنم لیتا ہے ہر جزا اپنے کُل کی جانب کھچتا ہے۔جتنا زیادہ ادراک حاصل کرے گا اتنی زیادہ کشش ہو گی اللہ پاک سے عشق اسی لیے ہے کہ ہم اس کے نور ہی سے تعلق رکھنے والی مخلوق ہیں لیکن اس نے اپنے نور کو غیر فعال یا تبدیل شدہ بنا دیا ہے اس کے نور کی بے حد و شمار اقسام ہیں یہ خالص ہو ہو کر عشق بنتا اور اوپر کی منازل طے کرتا ہے۔اللہ پاک کی ذات منبع و محور ہے تمام کائنات کے نور کی اور وہ اپنے عرش پر محو استوا ہے یہ وہ نکتہ وہ مقام ہے جہاں بلا کی کشش ہے جس کے گرد سب گھوم رہا ہے جہاں سب جا رہا ہے جس سے سب نور کے تانے بانے جڑے ہیں۔جدھر قلب مومن کی کلی کھلتی ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 49:

وسعتیں اور پنہائیاں

اب تک ہم نے کائنات کی وسعتوں سے متعلق کئی مقامات پر مناسب حد تک بات کی ہے لیکن ذرات کے اندرون خانہ پنہائیوں پر کوئی بات نہیں ہو سکی۔ جس طرح کائنات کی وسعتوں میں عقل گم ہو جاتی ہے اور حیرت در حیرت در آتی ہے کہ ان وسعتوں کا کوئی احاطہ ناممکن ہے۔ اسی طرح ذرّات کے اندرون خانہ پنہائیوں پر بھی بہر حال عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اب تک کی سائنسی ترقی کے مطابق ذرہ یا کسی بھی عنصر (element) کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ یا بنیادی اکائی جسے تسلیم کیا گیا ہے وہ ایٹم کہلاتا ہے یعنی ایسا چھوٹے سے چھوٹا کسی عنصر کا ذرہ جسے مزید عام حالت میں توڑا یا مزید چھوٹا نہ کیا جا سکے۔ یہ اتنا چھوٹا تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک بال کے برابر موٹائی میں بھی کئی ملین ایٹم جڑے ہو سکتے ہیں اس بنیادی ذرے کو نہ تو ننگی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی طاقت ور سے طاقت ور الیکٹرانک خوردبین سے دیکھنا ممکن ہے اسے جدید ترین سائنسی آلات و توجیہات سے سائنسی طور پر ثابت کیا گیا ہے اور کچھ ایسے تجربات کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا ہے کہ ہر ایٹم کے ذرے میں نیوٹران، پروٹان اور الیکٹران ہوتے ہیں اس کے مرکز میں اس کا مرکزہ یا نیوکلیس ہوتا ہے جس کے اندر پروٹان اور نیوٹران مختلف عناصر کے مختلف تعدادوں میں پائے جاتے ہیں اور پروٹان کے برابر الیکٹران اس کے نیوکلیس کے گرد مختلف مداروں میں گردش کرتے ہیں۔ اس تھیوری پر پھر مختلف کیمیائی تعملات کی پیچیدہ تر عمارات اٹھائی گئی ہیں۔ جس پر کیمسٹری کا علم کھڑا ہے بلکہ فزکس کی بنیاد بھی یہیں سے چل پڑتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ بائیولوجی کو بھلا کب کیمسٹری سے فرار حاصل ہے لیکن ہماری بحث اس آگے کے سفر سے متعلق نہیں ہے ہم تو اس کے یعنی ذرے کے مزید اندر جانا چاہتے ہیں۔ پہلے پہل تو ذرّے کی مزید تقسیم ناممکن سمجھی جاتی تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذرے کو توڑنا ممکن بنا لیا گیا۔ سائنس دانوں کے مطابق کسی بھی عنصر کے ذرے کو توڑنے سے زبردست توانائی حاصل ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہی ہیں کہ حرارت اور روشنی بھی توانائی ہی کی اقسام میں سے ہیں یہ الگ بات کہ مختلف قسم کے عناصر کے ایٹم کو توڑنے سے کسی سے زیادہ کسی سے کم اور کسی سے بہت زیادہ یا بہت کم توانائی حاصل ہوتی ہے۔ ایٹم بم اور مختلف قسم کے دیگر بم اور جدید تباہی مچانے والے اسلحہ جات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ گویا کہ مادے کا آخر یونٹ ایٹم ہوا اور اسے توڑنے سے توانائی، حرارت یا روشنی ملی تو ایسے میں یہ اشیاء بھی بالآخر مادی ہی ٹھہریں۔ کہا جاتا ہے کہ سورج جو ہماری زمین کے لیے روشنی و حرارت یا توانائی کا منبع ہے وہاں پر بھی اسی طرح کی کہانی سے بے پناہ توانائی پیدا ہو کر ہر سمت پھیل رہی ہے اور اس کی rays یا شعاعیں اپنے ہر سمت پھیل کر اپنے نظام میں شامل سیاروں کو بالخصوص اور باقی کائنات کو کسی نہ کسی حد تک بالعموم متاثر کر رہی ہیں۔ میں سائنس کا طالب علم یا عالم نہیں ہوں میں تو

Marfat.com

فلسفۂ مجاز وحقیقت کا ایک ادنیٰ سا جاہل سا طالب علم ہوں۔ میں کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح سے مادے کی اکائی یا بنیادی یونٹ آپ نے ایٹم کو قرار دے لیا اب ایٹم کو توڑنے سے جو توانائی کی لہریں پیدا ہوئیں ان کا کوئی بنیادی یونٹ بھی تو ہوگا کوئی نکتہ تو ہوگا، جسے ملا کے لہر بنے گی۔ یہاں پہ معاملہ ماورائے عقل و آگہی ہے۔ کیونکہ سائنس ابھی کما حقہ وہاں تک نہیں پہنچی۔ پھر یہ جو پروٹان، نیوٹران، الیکٹران ہیں ان کے اندر بھی کوئی دنیا ہوگی۔ ان کے درمیان قائم نظم و کشش کی بھی تو کوئی حقیقت ہوگی وہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ سائنس تو کہتی ہے کہ ایسا ہے لیکن کیوں ہے؟ اس کا جواب کسی خاص حد پر آ کے دینے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ تو حاصل بحث یہ کہ کائنات جس طرح سے بیرونی سمت بے پناہ وسیع و عریض اور حد و شمار سے باہر ہے جس میں عقل گم ہے محض حیرت رہ جاتی ہے اسی طرح سے دوسری سمت ذرے کے اندرون پر غور کرنے، اس کا مزید تجزیہ کرنے نیز پروٹان، نیوٹران، الیکٹران کے اندر جھانکنے سے بھی قاصر ہے وہ کام کیسے کرتے ہیں یہ تو معلوم کر لیا لیکن ان کی حقیقت کیا ہے۔ اس ضمن میں بس اتنا ہی جان سکے کہ یہ توانائی کا بنیادی یونٹ یا ہیئت عناصر و اشیاء کا بنیادی مسئلہ ہیں۔ مکان کا بنیادی یونٹ اینٹ ہے لیکن اگر اینٹ کے اندر نہ جھانک سکیں تو اس کا مطلب یہ کب ہے کہ اس کے اندر کچھ دیگر بنیادی یونٹس موجود نہیں ہیں۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ ہر اک شے کا اک بنیادی یونٹ ہے۔ اسی طرح ذرے کا بھی کوئی بنیادی یونٹ ہے عناصر سے مل کر تمام اشیاء بنیں تو عنصر بھی تو کسی شے سے بنا۔ جب آپ اسے توڑنے میں کامیاب ہوئے تو توانائی کی لہریں یا روشنی کی لہریں حاصل ہوئیں اب اور آگے بھی تو چلیے اسے محض توانائی کی ضروریات پوری کرنے کا موجب، تباہی پھیلانے کا سبب تو نہ قرار دے لیں، ان لہروں کے اندر اتریں، ان کی اکائی ان کی بنیادی اینٹ تلاش کریں جب کبھی مل جائے پھر اس کے اندر جھانکیں، اس کی بنیاد تلاش کریں اور یوں تہہ در تہہ اترتے چلے جائیں بھلا آپ کہاں تک اتر سکتے ہیں۔ آپ اب بھی اس سے آگے لاچار ہیں آپ چند گام اور چل کر بھی بالآخر لاچار ہو جائیں گے اور حیرت و تعجب کی یلغار ہی سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ گویا کہ کائنات کی وسعتوں میں حیرت ہی حیرت اور ذرّے یا توانائی کی پنہائیوں میں بھی حیرت ہی حیرت ہے ہماری آنکھ، ناک، لمس، سماعت، ذائقے، دماغ و ادراک کی ایک حد ہے۔ ہم اس سے آگے نہیں جا سکتے۔ ہمارے حواس خمسہ کی ایک حد ہے اس سے آگے گو کہ کچھ special powers بھی انسان کے اندر ہیں مثلاً چھٹی حس وغیرہ تاہم اس کی بھی حد ہے۔ اس سے آگے مابعد الطبیعات کا باب شروع ہو جاتا ہے جس پر آج کل بہت کام ہو رہا ہے۔ یقیناً ابھی بہت کچھ discover ہونا باقی ہے۔ special powers کے ذریعے دیگر بے شمار ادراکات کا زمانہ ابھی آگے ہے لیکن پھر بھی ہر شے کی ایک حد ہے ہم جہاں تک بھی کائنات کے کناروں کو تلاش کرتے چلے جائیں یا اندرون تر اتر جائیں بالآخر ایک نیا مقام حیرت ہمارا راستہ روکے راستہ کاٹے کھڑا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑا بے شمار علم انسانی ادراک کے حساب سے، تاہم حقیقت کے اعتبار سے انسان کو بہت تھوڑا علم عطا فرمایا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ نہ تو بیرونی سمت کائنات کا کوئی کنارہ ہمیں معلوم ہو سکتا ہے

Marfat.com

اور نہ ہی اندرونی سفر میں اس کا کوئی کنارہ پا سکتے ہیں اس لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہاں تک چاہے سفر کرلو، کوشش کرلو، کبھی بھی اس کائنات کے کناروں کو نہ پہنچ سکو گے کہ اس سے باہر جا سکو اور جہاں جاؤ گے اسی رب عظیم کی حکمرانی اور زبردست قدرت وحکمت پاؤ گے۔اب بھلا ماسوائے سجدہ تعظیمی، سجدۂ حیرت، سجدۂ شکر، سجدۂ غلامی وبندگی اور سجدۂ بے بسی وبے چارگی کے چارہ ہی کیا ہے۔اللہ کے بندے، راہ اللہ کے فقیر، اولیاء اللہ، ایمان کامل وتقویٰ کے شاہسواران راستوں پر مجاز پر محنت کرنے والے سائنس دانوں سے کہیں آگے کا سفر کرتے ہیں یہ روحانی سائنس دان مجازی سائنس دانوں سے ہزاروں سال آگے ہیں یہ بے پناہ وہ علم رکھتے ہیں جس کا مجاز کی ٹوہ میں رہنے والے تصور بھی نہیں کر سکتے۔لیکن پھر بھی ان میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی حد پر پہنچ کر حیرت کے دریا میں گم ہمیشہ کے لیے سجدہ ریز ہو کر حسب استطاعت قرب خداوندی میں چلا جاتا ہے۔بے حد وکنار امکانات کے کناروں تک ہمارا پہنچنا ناممکن ہے کیونکہ وہاں خدا خود براجمان ہے۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 50:

تصور اور تصویر۔ بتان رنگ و بو

آج ہم ایک نہایت ہی نازک مسئلے کو لے بیٹھ ہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے اِدھر کا مسئلہ اُدھر ہو سکتا ہے۔ حق سے باطل اور توحید سے بت پرستی کی جانب رخ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے میں نے اس مسئلہ پر لکھنے سے پہلے کافی سوچا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، نماز و نوافل ادا کیے اور حق تعالیٰ سے اجازت و رہنمائی کی درخواست کی۔ نہ جانے کیوں احساس ہے کہ حق تعالیٰ میرے ساتھ ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قلم لغزش کا شکار نہ ہوگا۔ پھر بھی ہر سانس کے ساتھ ہزار بار دعا ہے کہ اللہ پاک میری رہنمائی، مدد اور تصدیق فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

آج کل کی دنیا میں اسلام اور دیگر مذاہب میں اس مسئلہ پر کافی لے دے ہو رہی ہے۔ ہمارے علماء کسی زمانہ میں تصویر بنوانے یا کھچوانے کے حق میں نہ تھے یہ الگ بات کہ اب ہر کسی کی جیب میں کم از کم شناختی کارڈ پر تصویر بنی پڑی ہے اور اکثر علماء مختلف ٹیلی ویژن چینلز پر انٹرویو دیتے، تقاریر کرتے یا درس و تدریس کرتے پائے جاتے ہیں جو کہ بے شمار تصویروں ہی کو جوڑ کر ایک فلم کی شکل دی جاتی ہے۔ تبھی وہ متحرک نظر آتی ہے جبکہ آواز کے لیے ساتھ الگ سسٹم کام کر رہا ہوتا ہے۔ خیر ہمارے علماء حضرات کی مثبت خدمات سر آنکھوں پر کہ دین میں جہاں ان کے دم قدم سے بے شمار فرقے در آئے ہیں وہاں اسے کسی نہ کسی شکل میں زندہ رکھنے کا بھی یہی حضرات وسیلہ ہیں اور بے شمار ایسے بطل جلیل بھی انہی میں سے ہیں جنھوں نے واقعی دین کو نہ صرف زندہ کیا بلکہ اپنی تبلیغ و ہدایت سے ایک دنیا کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اسی طرح سے تقریری و تحریری میدانوں میں ان گنت کتب لکھ کر زندگی کی بہاروں، خزاؤں اور اس کی دلفریب اداؤں سے منہ موڑا اور خود کو راہ اللہ میں وقف کیا۔ ایسے انمول ہیروں کے لیے بڑا اجر عظیم اور بے شمار لوگوں کی بے شمار دعائیں ہیں۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ بت پرستی کے ڈر سے تصاویر بنوانے اور گھروں میں رکھنے کے یہ لوگ اجتماعی طور پر خلاف ہی رہے ہیں ان سے گلہ نہیں کہ ان کی نیت نیک تھی نیک ہے لیکن جدید ذہن محض اعتقادات قائم نہیں کر لیتا اس کے کچھ ثبوت اور نفع و نقصان کے احتمالات بھی معلوم کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس زمانۂ جدید کے ترقی یافتہ ذہن کو بھلا آپ کس طرح تصاویر کی افادیت سے باز رکھ سکتے ہیں یا اپنا کھوکھلا فلسفہ اس پر اس وجہ سے ٹھونس سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بت بنانے، گھروں اور عبادت گاہوں میں بت رکھنے اور ان کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہم سب خوب جانتے ہیں کہ یہ زمانہ قدیم کے عقائد کا مختلف اقوام میں حصہ رہا ہے اور انھیں مختلف پاورز کا مالک سمجھا جاتا تھا پھر یہ مونث مذکر بھی ہونے لگے اور دیوی دیوتا کہلانے لگے ان کے پورے خاندان ٹھہرائے گئے۔ لیکن پھر بھی تمام اقوام کے لوگ ایک سب سے بڑے خدا کے ضرور قائل رہے ہیں۔ جو آسمانوں پر براجمان ہے تاہم چونکہ ان اقوام اور ان

Marfat.com

کے عقائد میں انہوں نے اس خدائے واحد ولاشریک کے اختیارات وطاقتوں اور منشاء ومرضی میں ان چھوٹے بڑے بہت سے مذکرو مونث خداؤں کو شریک کرلیا تھا اور ان کے باقاعدہ بت بنا بنا کر رکھے جاتے اور پوجے جاتے تھے اس لیے اللہ پاک نے اس شرک عظیم کو سخت ناپسند فرمایا اور سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اسی لیے ہر اصل دین آسمانی میں ''توحید'' وہ نقطہ ماسکہ ہے جس کے گرد ساری دین کی عمارت گھومتی ہے۔ جونہی اس میں فرق آئے دین کی بنیادی ساکھ متاثر ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور پھر دھیرے دھیرے بے شمار خرابیاں، حکم عدولیاں، نفس پرستیاں، شیطانیاں، خرمستیاں اور بے راہ رویاں در آتی ہیں میں نے اپنی پچھلی کسی تحریر میں یہ بھی لکھا تھا کہ کس طرح مختلف ادوار میں مختلف انسانوں کی special powers سے متاثر ہو کر جو کہ حقیقت میں اولیاء اللہ ہوتے تھے اور توحید کے سخت ترین پرچارک ہوتے تھے ان لوگوں کی اگلی نسلوں نے شرک شروع کر دیا۔ اُن کے بُت بنا کر ان سے حاجات مانگنا اور انھیں کسی نہ کسی شکل میں خدا کا ساجھے دار بنانا شروع کر دیا تھا۔ پھر ان کے نام یا تو ان بزرگوں ہی کے ناموں پر یا کسی اور نسبت سے رکھ دیئے گئے۔ زیادہ زمانہ قدیم میں تو ظاہر ہے کہ بہت سے قدرتی مظاہرات جیسے سورج، چاند، ستارے، طوفان، سمندر، خوفناک امراض، درندوں، زلزلوں غرض ہر طرح کی اشیاء کو مختلف ادوار میں اور مختلف اقوام میں مختلف انداز سے پوجا جاتا رہا اور ان کی شبیہہ بھی تیار کر لی جاتی اسے بھی پوجا جاتا اس سے حاجات اور خیر مانگی جاتی لیکن بعد کے دور میں جب انسانی ذہن نے کچھ ترقی کی تو قدرتی مظاہرات فطرت کو چھوڑ کر اب خاص الخاص قسم کے انسانوں کی پوجا شروع ہوگئی اور بت بننے لگے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آج کی دنیا میں باوجود اتنی ترقی کے اب بھی دنیا میں ہر طرح کی اقوام آباد ہیں ایسے جنگلی و نیم وحشی قبائل آباد ہیں جن میں آج بھی عجیب وغریب عقائد موجود ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ انسانی تاریخ کی سب نشانیاں کسی نہ کسی شکل میں قیامت تک باقی رکھنا چاہتا ہے اس تمہید کے بعد کہ جب ہم نے اجمالاً ذہن میں اس بات کو تازہ کرلیا کہ بت پرستی کی کیا تاریخ اور توحید خالص کا کیا مقام ومفہوم ہے اب ہم اپنے آج کے اصل موضوع کی جانب رخ کرتے ہیں۔

''تصور'' کرنا کسی بھی خاص نکتہ پر تصور جمانا اور اس کی مسلسل مشق کرتے رہنا۔ سب ماحول اور دنیا ومافیا کو وقتی طور پر بھلا کر اسی کا تصور کرنا۔ یہ ایک بہت بڑی سائنس ہے کیونکہ ہمارے دماغ میں خیالات وتفکرات کا ایک اژدھام ہے جو ہر ہر لمحہ امڈا چلا آرہا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی خالص تصور ذات الٰہی کا پیدا کرنا سخت محال ہے یہی وجہ ہے کہ عام لوگوں کی نماز محض ایک تمثیل تو ہے اور ظاہر ہے اس کی بھی کچھ قدر ضرور ہے لیکن یہ حقیقی نماز نہیں ہے۔ حقیقی نماز وہی ہے جس میں تصور صرف ایک نکتہ ذات پر جمایا جائے جو خالق ومالک زبردست ہستی ہے۔ چونکہ کسی نے خدائے بزرگ وبرتر کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی کوئی مثال موجود ہے وہ بے مثل ہے ماسوائے سورۃ نور کی ان آیات کے جن میں اللہ پاک نے اپنے نور کی مثال خود پیش فرمائی ہے۔ پس کسی عظیم تر ''نور'' کے تصور کو ذہن میں لائیے۔ اس کی جو بھی تصویر ذہن میں بنے اس پر چشم تصور کو مرکوز رکھئے

Marfat.com

اور نماز ادا کیجیے۔ ہم جو کلمات قیام اور رکوع و سجود میں ادا کرتے ہیں بار بار کی مشق کی بنا پر انھیں پڑھنے کے لیے ان کا تصور کرنا یا ادھر توجہ دینا ضروری تو نہیں ہے البتہ آپ جو پڑھیں آپ کو سمجھ ضرور آ رہا ہوتا کہ کوئی غلط کلمہ ادا نہ کریں لیکن تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ بار بار اور ہزار بار کی مشق کی بنا پر ہم کبھی بھی اس میں غلطی نہیں کرتے درست جگہ درست کلمات ادا کرتے ہیں بلکہ جس طرح جہاز کا پائلٹ جہاز کو اکثر آٹو میٹک کنٹرول پر ڈال دیتا ہے اور خود محض نگرانی کرتا ہے اسی طرح سے بار بار کی تکرار کی وجہ سے ہمارے دماغ کا آٹو میٹک کنٹرول سیل اس کام کو سنبھالے ہوئے ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اس میں کوئی ترمیم کرنا ہو تو مداخلت کرنا پڑتی ہے ورنہ وہ ہمیں نماز پڑھائے جاتا ہے اس لیے اس مسئلہ سے بے غم ہو کر آپ نماز پڑھتے ہوئے پوری توجہ اس نکتہ نور پر مرکوز رکھیں۔ جس کا تصور آپ کر چکے ہیں یہاں یاد رہے کہ فرض نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں اور ہر سنت یا نفل نماز میں ایسا ہی کریں اور خصوصاً قعدہ میں بیٹھ کر دعائیہ کلمات ادا کرنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل جتنی دیر تک ممکن ہو سکے ایسا کریں۔ آپ قیام میں کلمات قیام ادا کرنے کے بعد پھر رکوع میں کلمات رکوع کے بعد پھر رکوع سے کھڑے ہو کر سجدہ سے پہلے کے کلمات سجدہ کے دوران اور اس کے بعد پھر دو سجدوں کے درمیانی وقفہ میں بیٹھ کر ان سب حالتوں میں جتنی دیر چاہیں خود کو اس تصور میں گم رکھیں۔ اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ مروجہ شریعت میں ارکان نماز کے لیے کتنا کتنا وقت علماء حضرات نے مقرر کر رکھا ہے وہ عام لوگوں کے لیے ہے جو کہ نماز دو منٹ میں ختم کر کے بھاگنا چاہتے ہیں آپ کے لیے وقت ہی وقت ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک ہی نماز میں رات دن بیت جائیں یا کئی دن یا عرصہ گزر جائے جو کہ بڑا ہی محال ہے تو بھی کوئی حرج نہیں آپ کی سب نمازیں تہجد اسی میں آ جائیں گے۔ لیکن چونکہ ایسا تو 99% لوگوں کے لیے ممکن نہیں ہے اس لیے بہر حال جتنا چاہیں ادب و احترام، عقیدت و تقدس ذات پاک اور محبت و عشق الٰہی میں اس تصور کی مشق نماز میں کریں۔ یہی حقیقی نماز ہے یہی وہ نماز ہے جس میں تیر حضرت علیؓ کے جسم اطہر سے نکالا گیا تھا اور انھیں خبر نہ ہوئی تھی ایسی محویت والی نماز بنا تصور نور ذات حق کے ممکن نہیں اور پھر اس تصور کی مسلسل خالص شوق وفور اور عشقِ حضور والی مشق کے بغیر یہ مقام ناممکن ہے لیکن جب یہ مقام ملتا ہے تو پھر وہ ایسا خزانہ ہوتا ہے جس سے باہر آنے کو جی نہیں چاہتا۔ جوں جوں اس میں ترقی ہوتی ہے توں توں نئے نئے حیران کن حقائق و تجربات جو ناقابل بیان ہیں سے انسان کو خوش کن سابقہ پڑتا ہے اور ایک طویل شریعت، معرفت، طریقت اور حقیقت کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ جو حضرات نماز میں ایسا نہ کر سکیں وہ نماز کے بعد اُسی مصلے پر کسی بھی آرام دہ نشست پر قبلہ رُو بیٹھ کر یہ تصور جمایا کریں۔ سلام پھیرنے کے فوراً بعد بغیر کوئی بات کیے یا کسی بھی سمت دیکھے کوئی بات سنے بغیر خود کو نماز ہی میں سمجھتے ہوئے آرام دہ نشست اختیار کریں ایسی کہ آپ سو نہ جائیں۔ اگر کوئی ٹیک لگائیں گے یا لیٹ جائیں گے یا کوئی نہایت آرام دہ حالت کہ جس میں سونا ممکن ہے تو یقیناً آپ سو جائیں گے۔ اس لیے پرسکون نشست اختیار کریں اور فوراً تصور میں چلے جائیں۔ اس مشق سے بھی تقریباً وہی فوائد حاصل ہوں گے لیکن نماز کے دوران خصوصاً سجدوں

Marfat.com

میں حتی الوسع یہ تصور اختیار کرنے کی کوشش بہر سو جاری رکھیں۔ اس میں اسرار ہیں اللہ پاک اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''نماز مومن کی معراج ہے''۔ پھر ارشاد ربانی ہے ''سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ''۔ اس لیے پہلے نماز کے دوران اور ناکامی کی صورت میں اس کے فوراً بعد ایسا کریں۔ یہ تو تھا سب سے عمدہ اور مومنانہ طریقۂ عبادت وتصورذات۔ اس کے بعد دیگر طریق سے بڑے سلیقے ہیں۔ کسی نکتہ پر دھیان جمانے کے اس کے بھی عجیب وغریب فوائد ہیں اور انسان کی special powers اگر دی گئی ہدایات پر عمل کیا جائے تو بڑی ترقی کرتی ہیں اور عجائبات سے واسطہ پڑتا ہے لیکن اس کے لیے جیسا کہ میں نے پہلے اپنی کسی تحریر میں لکھا تھا کہ مومن وکافر کی تمیز نہیں ہے یہ ایک باقاعدہ سائنس ہے گو کہ اس سائنس میں بھی صحت مندزندگی صحت مند عادات وخیالات کے ساتھ گزارنا بہرحال ضروری ہے تاہم شیطانی طریقے سے باطنی قوتیں حاصل کرنے کے اور کئی گندے طریقے بھی ہیں۔ جو کہ اصل میں انسان کے لیے آزمائش ہیں۔ چونکہ شیطان کو قیامت تک کھُل کھیلنے کی اجازت ہے اس لیے ایسے طریقے گو کہ موجود ہیں کشش رکھتے ہیں کہ دنیوی فوائد سے عارضی طور پر لبریز ہو سکتے ہیں لیکن یہ سب آزمائش ہیں باطل ہیں انسان کو دنیا میں چونکہ بھیجا ہی آزمائش کے لیے گیا ہے کہ وہ رحمٰن کے پیغمبروں کی بات مانتا ہے یا شیطان کے قاصدوں کی، اس لیے یہ دیگر بے شمار طریقے بھی ہیں۔ یاد رہے کہ نماز جدید ترین اور افضل ترین طریقہ ہے ورنہ دیگر اصل مذاہب سابقہ میں بھی اس کام کے لیے مذہبی عبادات کے مختلف طریقے رائج تھے اگر کسی کو آج بھی معلوم ہوں تو وہاں بھی عمدہ اور حقیقی نتائج ملیں گے۔ اصل بات تو گیان دھیان ایک نکتۂ واحد پر لگانے کی ہے جسے آپ کُل طاقتوں کا مالک و محور سمجھتے ہوں۔

اس کے علاوہ بھی تصور کی بڑی بڑی کرامات ہیں۔ اگر آپ کسی بھی جائز بات (یا کسی بھی بات) کا تصور یقین کی حد تک کرلیں اور اپنے گیان دھیان میں اس تصور کی مسلسل مشق کے ساتھ تکرار کرتے اور وقت بڑھاتے رہیں تو وہ حقیقت ثابتہ بن کر آپ کے سامنے آجائے گی۔ میں اس میں زیادہ اس لیے نہیں جاتا کہ آج کی نفس پرستی کی دنیا میں کوئی اسے غلط کام کے لیے غلط مفادات کے لیے استعمال کرنا نہ شروع کردے۔ بہرحال ہپناٹزم، مسمرزم، ٹیلی پیتھی، شمع بینی، یوگا، مراقبہ، دھیان لگانا، جادو، منتر، تنتر، وغیرہ وغیرہ کی بے شمار کتب دنیا کے ہر بازار سے مل جاتی ہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی خفیہ علوم پر بڑا کچھ لکھا جاچکا ہے۔ میرا مقصد چونکہ کچھ نیا اور خصوصاً حق بیان کرنے سے ہے اس لیے میری زیادہ سے زیادہ کوشش ہے کہ پہلے سے معلوم شدہ اور تحریر شدہ علم کو یہاں قطعاً نہ دہراؤں تا کہ میری کتابوں سے آپ کو ہو سکے تو کچھ نیا ملے۔

اس کے علاوہ قرآن پاک کی تمام آیات کے خواص، ان کے اوراد کے لحاظ سے میری ایک کتاب میں بیان کیے گئے ہیں پھر ایک کتاب شاعری کی تیار ہے جو کہ پہلے تو مجاز سے شروع ہوئی پھر دھیرے دھیرے اصلاحی اور صوفیانہ شاعری میں ڈھل گئی۔ اس میں کچھ پنجابی نظمیں بھی شامل ہیں۔ بہرحال یہ سب بہ توفیق الٰہی ہی سے ہو سکے گا۔ نہیں معلوم کہ ایسا زندگی میں

Marfat.com

کبھی ہو بھی سکے گا یا میرے بعد ہی ان تحریروں کو قاری نصیب ہونگے یا پھر شاید میرے ساتھ ہی یہ بھی مٹی ہو جائیں۔ لیکن چلیں دل میں حسرت تو نہ رہے گی کہ اس حیاتِ مستعار میں کچھ کیا نہ تھا۔

ہم موضوع سے پھر بہک گئے ہیں۔ یہ تو تھا ''تصور'' اب ایک شے ''تصویر'' بھی ہے جو کہ تصور ہی سے متشکل ہوتی ہے لیکن فی زمانہ تصویر کا عکس تیار ہونا اور عارضی طور پر محفوظ ہونا بھی شروع ہو گیا ہے۔ روح کی شکل ہماری جسمانی شکل و شباہت جیسی ہی ہوتی ہے۔ ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ زیادہ شفاف وخوبصورت ہوتی ہے چونکہ وہ جسم لطیف میں ہوتی ہے۔ اس لیے کثافت سے پاک اور میل کچیل سے محفوظ ہوتی ہے البتہ اپنے کاموں کے حساب سے روح کی لطافت وکثافت بھی بہرحال ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے کسی عزیز سے بڑی محبت رکھتے ہیں تو اسے مرنے کے بعد اکثر یاد کرتے ہیں اس کا تصور کرتے ہیں، آپ اگر ضرورت سے زیادہ ادھر توجہ کرتے ہیں تو وہ اکثر رات کو یا دن کو بھی نیند میں سوتے ہوئے آپ کو ملتا ہے آپ سے باتیں کرتا ہے کئی پیغامات دیتا اور وصول کرتا ہے۔ چونکہ وہ ان حواس خمسہ سے فارغ ہو چکا ہے وہ اس دنیا سے جا چکا ہے یا غیر فعال ہو گیا ہے لہٰذا وہ ہمیں ہمارے حواس خمسہ کی دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا لیکن جب ہم اس کا شدید تصور کرتے، خیال کرتے، یا غم کرتے ہیں تو وہ ہمیں خواب میں ضرور ملتا ہے۔ آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ عزیز واقرباء اکثر تازہ فوت ہوئے ہوں تو ہمیں خوابوں میں ملتے ہیں کہا جاتا ہے کہ روح مرنے کے بعد 40 یوم تک اسی دنیا میں رہتی ہے پھر اوپر چلی جاتی ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے وہاں تو اوپر نیچے کا کوئی چکر ہی نہیں ہے۔ بس یہ تو TV Stations کی طرح مختلف چینل ہیں جو ٹیون کریں گے وہ ہی چلے گا۔ اس دنیا کے حواس میں یہ دنیا اور نیند کے حواس میں وہ دنیا بلکہ بڑی بے شمار دنیائیں ہیں یہ عام فہم کے لیے دستیاب نہ ہیں نہ عام لوگوں کے سامنے بیان کی جا سکتی ہیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں جیسے پہلی جماعت کا بچہ سولہویں کی کتب یا میڈیکل یا انجینئرنگ کی کتب نہیں سمجھ سکتا۔ میں بات یہ کر رہا تھا کہ چونکہ ہمارا عزیز تازہ تازہ فوت ہوا لہٰذا تقاضہ بشری کے تحت ہم نے اسے خوب Miss کیا، یاد کیا، سو وہ خواب میں آیا۔ اسی طرح آپ اسے جب جب خود یاد کریں گے متصور کریں گے، دل سے یاد کریں گے خوب یاد کرتے رہا کریں گے تو وہ آتا ہی رہے گا بلکہ ایک وقت آئے گا کہ کھلی آنکھوں سے بھی آپ اسے اپنے گھر میں اپنے پاس گھومتا پھرتا ملتا جلتا پائیں گے، باتیں کریں گے۔ البتہ دوسروں کو نظر نہ آئے گا کیونکہ ان کی وہ مشق وہ چاہت وہ دل کی حالت نہیں ہے یہ دل کے معاملے ہیں۔ کسی سے شدید محبت یا کسی کی اُلفت میں رونے اور گھلنے سے ان کا تعلق ہے۔ دلوں کے اندر دروازے ہیں وہاں سے پیغامات اور اشکالات آتے جاتے ہیں تصور کرنے میں اگر دقت ہو تو تصویر بھی اس میں مدد کر سکتی ہے لیکن بھلا جس سے ایسی محبت کی جائے اس کی تصویر کی کیا ضرورت ہے وہ تو ہر وقت چشم تصور میں رہتا ہے۔

آپ نے شیطانی اعمال کرنے والے عاملوں کو کسی کی تصویر یا عکس یا شبیہہ پر ''عمل'' کرتے دیکھا یا سنا ہوگا۔ پرانے

Marfat.com

وقتوں میں اس شخص یا عورت کی طرح ملتے جلتے گڈے گڈیاں مٹی یا روئی کپڑے دھاگے کی مدد سے بنائے یا رنگ کی مدد سے چھاپ کر ان پر عمل کیا جاتا تھا۔آج آسان طریقہ ان کی تصویر کا اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ آ گیا ہے چونکہ روح بھی بالکل اسی شکل کی ہی ہوتی ہے اس لیے روحانی طور پر شیطانی اعمال کرنے کے لیے اس کی تصویر کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس پر مختلف عملیات کیے جاتے ہیں۔حتیٰ کہ اگر اذن الٰہی ہو تو اس خاص شخص یا عورت پر اس کے اچھے یا برے اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں بمطابق عملیات نتائج آنے لگتے ہیں۔خدا کی اجازت و اذن تو شیطان کو قیامت تک حاصل ہے لیکن گناہگاروں کے لیے ہے، اللہ کے خاص بندوں کے لیے نہیں لہٰذا ان عملیات کا اثر بھی اللہ کے خاص بندوں پر نہ ہوگا صرف گناہگاروں پر ہوگا کیونکہ شیطان کو اپنے اثر کے لیے اس خاص شخص سے گناہوں کا ایندھن درکار ہے اگر وہ ایندھن کسی شخص سے دستیاب نہ ہو یا اتنا کم ہو کر شیطانی آگ نہ جل سکے تو وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا چاہے جتنا زور لگا لے۔الٹا تقویٰ اور نیکی و ایمان کی خوشبو اسے ہزاروں کوس دور بھگاتی ہے۔یہ تو تھا شیطانی استعمال تصویر جو کہ منع ہے کفر ہے۔رحمانی استعمال کے لیے مختلف اقسام کے اوراد قرآنی اور کلمات رحمانی کو خوب ورد کر کے اگر بندہ موجود نہ ہو تو اس کی تصویر پر دم کر دیں تصویر بھی نہ ہو اور اسے آپ نے پہلے دیکھ رکھا ہو تو چشم تصور سے پھونک ماریں اس بندے کا تصور کر کے ان شاء اللہ تعالیٰ اثر ضرور ہوگا۔حضرت عیسیٰؑ پرند کی صورت ہُو بہ ہُو بناتے پھر اللہ کے حکم سے پھونک مارتے تو وہ اُس جہان سے اس جہان میں آ جاتا وہ زندہ ہو جاتا وہ غیر فعال تھا inactive تھا وہ active اور فعال ہو گیا اس میں جان پڑ گئی وہ اڑنے لگا گویا کہ ہماری تصویر کیساتھ ہمارا رابطہ یا کسی کی بھی تصویر کے ساتھ اس کا رابطہ ہر وقت موجود رہتا ہے گویا کہ تصویر یا بُت یا عکس چاہے جس شے کا بھی بنا ہو اس سے اس کا رابطہ و تعلق ہر وقت یوں رہتا ہے کہ جیسے وہ خود وہ شے ہی ہے۔پس اس کے فعال ہونے کی دیر ہے active ہونے کی دیر ہے آپ نے اکثر یہ تو زیادہ تر الف لیلوی قصوں کہانیوں میں سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو پتھر کا یا مٹی کا بت بنا دیا گیا ایسا پیروں فقیروں کے کرامات میں بھی سنا ہوگا۔لیکن ہماری عقل نے اس پر ماسوائے اس کے کہ وہ خود دیکھ لے یقین کب کیا ہے۔اس لیے تو حضرت ابراہیمؑ جیسے تمام انسانوں کے امام نے بھی اللہ پاک سے آنکھوں دیکھنے کی دعا کی تھی۔آپ نے ہندوؤں کے ڈراموں میں ایسی تمثیلات دیکھی ہونگی کہ بندہ اپنی تصویر سے باہر نکل آتا کئی کام کرتا ہے اور پھر واپس تصویر میں چلا جاتا ہے۔

بندوں کی قدیم مذہبی کتب میں اس پر اور اس طرح کے دیگر کئی اِسرار پر بحث موجود ہے مگر تمثیلوں اور اشاروں میں:

وہ تو گو کہ ڈرامہ ہے لیکن حقیقت میں بھی ایسا یقیناً ممکن ہے تصویر سے تو وہ محض مجاز اُنکلتا ہے اگر رب چاہے اور کوئی ایسا وسیلہ یا واقعہ پیدا کر دے کہ ایسا ہو تو ایسا ہو جائے گا وہ سامنے ایک دم سے کہیں سے بھی آ جائے گا۔اس کا وجود تو قائم ہے ختم تو نہیں ہو گیا۔محض موت کے بعد اس جہان سے منتقل ہو گیا ہے اگر آپ اگلے جہان کی نگاہ رکھتے ہیں تو اسے دیکھ سکتے ہیں یا

Marfat.com

مالک الملک کسی معجزے کے لیے اُسے آپ کو دکھا سکتا ہے۔ بہر حال اس کا اپنی تصویر سے inactive غیر فعال تعلق قائم رہتا ہے آپ اس کی تصویر کو سامنے رکھ کر اتنی مشق کریں کہ اگلی دنیا کے حواس متحرک ہو جائیں تو تصویر بولنے لگ جائے گی بندہ زندہ ہو جائے گا۔ یہ عجیب اسرار ہیں ہمیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے بس اس سے زیادہ زبان کھولنا بالکل یوں ہی ہے جیسے ''منصور کے لیے سولی''۔ اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں اگر اس سے آگے جائیں تو جس طرح برمودا ٹرائی اینگل جس پر اس کا راز کھلتا ہے اسے اپنی جانب کھینچ لیتی ہے بالکل اسی طرح میں بھی کھچا چلا جاؤں گا اور غیر فعال ہو جاؤں گا۔ گو کہ قائم رہوں گا ان شاء اللہ لیکن پھر آپ کے کسی کام کا نہ رہوں گا۔ مولانا رومؒ جیسے اور تبریزؒ جیسے فقیر ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے کس کس تکلیف سے نہ گزرے مگر راز نہیں کھولا۔ راز کھل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے آگے الفاظ و عقل و فکر کی سواری نہیں ہے، اس سے آگے دیگر جہان ہے وہاں کچھ کام آتا ہے تو شوق شدید، اندھی لگن اور طلب جسے عشق بھی کہتے ہیں۔ صرف وہ وہاں پاؤں کا، سواری کا کام دیتے ہیں۔ چونکہ ہر دیگر جہان پہلے کی ضد ہے بلکہ ہر ہر جہان ہر ہر جہان کی ضد ہے۔ جیسے آگ اور پانی اکٹھے نہیں رہ سکتے، جیسے نیند اور بیداری ایک نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ہر اک جہان، جہان دیگر ہے۔ لیکن اللہ کے بندوں کے لیے شاید سب جہان یا جتنا رب چاہے ایک ہی ہیں وہ ایک وقت میں بہت سے جہانوں میں ہو سکتے ہیں۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 51:

روحانی ترقی کے لیے غذا اور پرہیز

روحانیات کی افزائش و ترقی کے لیے حلال، طیب، بنیادی، قلیل، نباتاتی، غیر بدبودار اور محض اتنی خوراک کہ جو ناگزیر ہو۔ تاہم کون سی غذا؟ اور روحانیات سے اس کا کیا تعلق؟ زیادہ اور پرتکلف غذاؤں کا روحانیات سے کتنا بُعد، شہوتوں سے گریز کیوں؟ کیا شہوتیں روحانیات کی دشمن ہیں؟ روح اور مادے کا نکتۂ اتصال، اس کا نکتۂ کمال اور نکتۂ زوال۔ بالآخر مادی غذا سے روحانی شخص کی مکمل بے نیازی اور روحانیت کا نکتۂ عروج، نکتۂ معراج انسانی، نکتۂ معرفت، نکتۂ قرب ذات حق:

اوپر طول طویل ہیڈنگ اصل موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے دی گئی ہے تا کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر قاری کو ہیڈنگ ہی میں اس مضمون میں اٹھائے گئے سوالات کا علم ہو سکے اور وہ اسے دلجمعی کے ساتھ پڑھ سکے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ روح الگ شے ہے اور مادی جسم الگ شے ہے۔ جب ہم مرتے ہیں تو ہمارے مادی جسم میں سے بظاہر کچھ بھی کم نہیں ہوتا، سارے کے سارے جسم کا اندر باہر سے تجزیہ کر لیں چیر پھاڑ کر کے دیکھ لیں تمام اعضاء مکمل اور انسان کا ہر ایک سیل موجود ہو گا حتیٰ کہ دل و دماغ پر اس جسم کا بہت دارومدار تھا وہ بھی مکمل حالت میں موجود ہو گا۔ آج تک اس جدید دور کے ذہین و فطین دنیا جہان کے سائنس دان مل کر بھی روح کی موجودگی یا حقیقت کو نہیں جان سکے زیادہ سے زیادہ کچھ سائنس دانوں نے مرنے سے قبل اور بعد از مرگ کسی شخص کی میت کا وزن کیا ہے اور اس میں چند اونس فرق پایا ہے۔ کسی نے مرتے وقت شیشے کے سیل میں کسی شخص کو رکھ کر تجربہ کیا ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ خول ٹوٹ گیا بوقت مرگ کوئی اور تجربہ کرتا ہے تو کہتا ہے اس شیشے کے خول پر کوئی فرق نہ پڑا وغیرہ وغیرہ۔ تاہم یہ سب مبہم باتیں ہیں حقیقت میں کوئی روح کی حقیقت کو نہ جان سکا۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ جسم مردہ ہو گیا اس کا سسٹم، اس کا مکینزم کام کرنا چھوڑ چکا ہے۔ چونکہ ہم یہاں روح کی حقیقت جاننے نہیں بیٹھے بلکہ روح کا اپنے مادی جسم سے تعلق اور مادی غذا سے روحانی ترقی ہمارا آج کا موضوع ہے لہٰذا ادھر آتے ہیں۔ اللہ پاک نے ایک طرف تو جب انسان کو مٹی سے بنایا تو بعد اس کے ''اپنی جانب سے روح پھونکی تو ہو گیا وہ جیتا جاگتا''۔ دوسری جانب وقت مرگ کے متعلق قرآن پاک ہی میں بیان ہوتا ہے کہ ''فرشتے روح و جسم کے بند کھولتے ہیں'' تا کہ جسم سے روح مکمل طور پر آزاد ہو جائے۔ اب یہ بند کیسے ہیں کیا ہیں ہم یہ تو ابھی تک نہیں جانتے لیکن یہ ضرور ہے کہ جسم و روح کے درمیان ''بند'' لگے ہیں۔ نکاتِ اتصال موجود ہیں، جن کے ذریعے نہ صرف جسم و روح کا رشتہ قائم رہتا ہے بلکہ جسم و

Marfat.com

روح میں آنے والی تبدیلیاں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثلاً چوٹ جسم پر لگتی ہے تو ساتھ روح پر بھی لگتی ہے جسم کے ساتھ روح بھی کانپ اٹھتی ہے۔ حلال حرام غذا کا اثر جسم پر تو بالآخر ہوتا ہی ہے لیکن روح پر بھی اس کے زبردست اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حرام سے روح پژمردہ، مریل اور بیمار ہونے لگتی ہے اور حلال کھانے سے یا استعمال کرنے سے روح کو تابندگی، تازگی، طاقت وقوت اور روحانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ عروج بھی حاصل ہوتا ہے۔ روح پر تو ہماری سوچ، ہمارے خیالات اور اعمال تک اثر انداز ہوتے ہیں لیکن ہمارا موضوع خوراک و پرہیز تک محدود ہے لہٰذا ادھر آتے ہیں۔

اب جبکہ ہم نے سمجھ لیا کہ روح کا تعلق جن نکاتِ اتصال سے جسم سے ہے انھیں نکات اتصال سے ہماری کھائی ہوئی خوراک کا تعلق بھی روح سے موجود ہے ضرور اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کچھ آتا جاتا ہے کبھی خوراک روح کو بھی بیمار کر دیتی ہے اور کبھی روح جسم کو بھی شفاء پہنچانے کا باعث بن جاتی ہے حتیٰ کہ کسی دوسرے جسم میں مقیم روح یعنی کوئی دوسرا شخص بھی اپنے روحانی تصرّف سے آپ کو صحت مند کر سکتا ہے۔ گویا ثابت ہوا کہ روح وجسم کا تعلق تو ہے ہی کہ اس طریق سے انسان سمیت ہر ذی روح بنی ہے اور زندہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کھائی گئی خوراک اور طریقِ بود و باش نیز ذہن میں گزرنے والے خیالات اور سرزد ہونے والے اعمال بھی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کس قسم کا ایمان واعمال اور خیالات ہمارے لیے مفید ہیں لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ کس قسم کی خوراک کی ہمیں روحانی ترقی کے لیے ضرورت ہے۔ چلیے اس تحقیق میں نکلتے ہیں اور بات شروع کرتے ہیں جنت کی کہ جب ہمارے باپ اور ماں آدمؑ وحوّا کو پیدا فرما کر رب تعالیٰ نے جنت میں رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو چاہے کھاؤ، پیو مگر فلاں درخت کے پاس نہ جانا فلاں پھل نہ کھانا، فلاں دانہ نہ چکھنا، فلاں واحد کام ہے، اسے نہ کرنا ورنہ ہو جاؤ گے ظالموں میں، جاہلوں میں، لیکن شیطان کو ساتھ ہی پوری powers دے کر وہاں دسترس بھی دے دی یہ عجب گورکھ دھندا ہے آدمؑ کے لیے یہ دنیا جہان بنایا گیا اس کے ساتھ اس دنیا میں رہنے کا سارا نظام لگایا گیا آدمؑ وحوّا میں بقائے نسل کے اعضاء رکھے گئے اور آدمؑ وحوّا کو پیدا کر کے ان کی کشش ایک دوسرے کی جانب شدید تر کر دی گئی۔ پھر آدمؑ کو فرمایا گیا کہ فلاں پیڑ کے قریب نہ جانا، فلاں پھل نہ کھانا، ہو جاؤ گے ظالموں میں سے۔ تو گویا کہ اللہ پاک کو تو یقیناً علم تھا کہ کیا ہوگا لہٰذا سب لوازمات پہلے ہی سے پیدا فرما دیئے گئے، سو پھل چکھ لینے کے بعد آدمؑ کو کچھ کلمات بعد ان کی معافی کے سکھائے گئے اور ایک مقررعرصہ تک زمین پر اتار دیا گیا۔ ہمارا مدعا اس بحث سے اس پھل سے متعلق ہے کہ وہ پھل کیا تھا جو کھانے سے منع فرمایا گیا اور وہ پھل کونسے تھے وہ کیا غذا تھی جو آدمؑ کو جنت میں کھانے کی اجازت تھی یہاں سے وہ گرہ کشائی ممکن ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ اب قرآن پاک میں بائبل مقدس میں ان پھلوں کا کوئی ذکر نہیں ہے جو کہ آج کے دور میں آسمانی کتب میں سے یا ابراہیمی دین میں سے باقی ہیں۔ باقی مذہبی کتب میں بھی ان حالات کا ذکر کسی نہ کسی طور پر موجود ہے لیکن وہاں قصے کہانیاں، تمثیلات اور مبالغہ آرائیاں نہ صرف بہت ہیں بلکہ ان کتب

Marfat.com

میں وقت اور زمانے نے بہت رد و بدل کر ڈالا ہے۔ لہٰذا ان پر انحصار مشکل ہے۔ اب جب ان پھلوں اور خوراک کی درست شناخت ہی موجود نہیں ہے تو ہم آخر کیا کریں۔ اندازے قائم کرنے والوں نے کہیں اسے گندم کا پودا اور گندم کا دانہ کہا تو کہیں کوئی اور فصل یا پھل یا درخت قرار دیا جبکہ کسی نے اسے شجر شہوتِ جنسی قرار دیا کہ اس عمل، اس شے، اس چیز کی بھوک مٹانے کے لیے اس شے کا پھل کھانے یعنی جنسی عمل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اب کس کی بات مانیں، کس کی نہ مانیں۔ جبکہ سب کے سب اندازے اور قیاس آرائیاں ہی ہیں۔ پھر جنت کے دیگر پھلوں سے متعلق بھی آسمانی کتب خاموش ہیں پھر ہم اپنی خوراک کو کہاں سے تلاش کریں روحانی جنتی زندگی کے لیے کیا خوراک ہو اور کس خوراک سے پرہیز کر کے روح کی بالیدگی و ترقی حاصل ہو سکتی ہے ہم اسے کہاں ڈھونڈیں۔ لگتا ہے انسان کو اس دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے معمہ puzzle میں ڈال دیا ہے کہ اب بھٹکو اور نکلو تو جانیں۔ ویسے بھی اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ ''ہم نے انسان کو بہترین طریق سے تیار کر کے احسن تقویم بنا کر پست سے پست حالتوں کی طرف دھکیل دیا'' اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ تمہارے اندر احسن تقویم ہونے کے امکانات ہیں، کوشش کرو، اوپر اٹھو تا ہم تم گھٹیا سے گھٹیا مقام پر ہو۔ تمہارے دماغ میں بڑے ہیرے جواہرات ہیں۔ لیکن خام مادی حالت میں بلکہ مدفون مادی حالت میں، ان کو نکالو پھر ان سے موتی تراشو چاہے لاکھوں سال لگاؤ اجازت ہے، روز قیامت تک۔ اب یار و ہمیں دنیا پر آئے عرصہ دراز بیت چکا ہے۔ اب اپنے مقام کی جانب اٹھنے کی کوشش تیز کر دینا چاہیے۔ سو ثابت ہوا کہ ہمیں جنتی غذاؤں کی ترغیب تو دی گئی ہے لیکن اقسام معلوم نہیں ہیں عین ممکن ہے وہ بھی انہی شکلوں صورتوں سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ذائقے اور اثرات کے لحاظ سے مکمل طور پر مختلف ہوں۔ وہ روحانی اثرات مرتب کرتے ہوں، ظلماتی اثرات سے یقیناً وہ پاک ہونگے۔ گو کہ اس دنیا کے رنگا رنگ پھلوں اور اناج کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں ہی کہا ہے اور ہمارے لیے اتنا بھی کافی ہے انھیں کھائیں اور زندگی اللہ پاک کے حکم کے مطابق بسر کر کے بعد از مرگ خدا کے حضور حاضر ہو جائیں۔ لیکن رچتا بستا مناسب کھانا کھانے کا بھی حکم ہے۔ مناسب اور اعتدال سے کھانے کا بھی حکم ہے اور یہ اعتدال کی حد کیا ہے ہر انسان کے لیے یقیناً مختلف ہے۔ اسی اعتدال میں کئی روز کی بھوک پیاس بھی ہے جیسے اصحاب رسول ﷺ تھے جیسے پیغمبرؑ تھے اسی اعتدال میں روزے بھی ہیں، اسی اعتدال میں (بمطابق تاریخی روایات) محض ستو اور پانی کی خوراک بھی ہے جو حضرت محمد ﷺ کئی کئی دن تک کے لیے غار حرا میں لے کر چلے جاتے اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ،حق کی تلاش میں سرگرداں پھرتے یا معتکف رہتے۔ اس لیے اس اعتدال کے پیمانے بھی مختلف ہیں۔ پھر حضرت مریمؑ کی عبادت کا طریق ہے وہ بھی کئی کئی روز مادی خوراک کی جانب توجہ نہ فرماتی تھیں تبھی تو جب آسمانی خوان اترتا، حضرت یحییٰؑ نے دیکھا تو سوال کیا کہ یہ کیا ہے، کہاں سے آیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا یہ اللہ کی جانب سے آیا ہے۔ اب یہاں بھی ہم نہیں جانتے کہ وہ خوان کیا تھا گو کہ بے موسم کے پھل اور میوہ جات تھے لیکن وہ کیا اثرات رکھتے تھے، کیا اقسام؟ ہمیں نہیں معلوم۔ حضرت

Marfat.com

محمدﷺ کئی کئی روز کے روزے ایک ہی فجر وافطار میں رکھتے تو صحابہؓ نے ایسا کرنا چاہا، آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے مجھے تو میرا رب کھلاتا بھی ہے، پلاتا بھی ہے۔ پھر بنی اسرائیل پر اترنے والے ''من وسلوٰی'' کو لے لیجئے گو کہ علماء نے بہت گھوڑے دوڑائے کسی نے تیتر بٹیر بنا دیے، کسی نے برف کی طرح گرنے والی آسمانی غذا قرار دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی کو نہیں معلوم کہ اصل میں ''من وسلوٰی'' تھا کیا شے؟ پس ثابت ہوا کہ ہمیں اس سے آگے کھل کر نہیں بتلایا گیا۔ تو آخر ہم اس دنیا کے باسی جنت سے نکلی ہوئی مخلوق، اولاد آدمؑ کریں تو کیا کریں؟ یہی ہمارا آج کا سوال ہے۔ اب فقراء اور (جوگیوں) یوگیوں کی طرف آیئے تو ان کا طریق دو طرح سے رہا ہے۔ یا تو ہماری طرح کھانا لیکن کم اور قلیل مقدار میں یا پھر کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر گھر گھر، چوکھٹ چوکھٹ، گلی گلی اور محلّہ محلّہ، شہر شہر گھومنا۔ اسی کاسۂ گدائی میں ہر طرح کا کھانا نوالہ نوالہ جو لوگ ڈال دیں اس میں سے خود بھی کھانا اور جو ممکن ہو سکے دیگر مُریدوں، چیلوں یا ذی روح جانداروں کو بھی کھلانا۔ ان ہر دو طریقوں میں بہرحال بڑے گہرے اثرات پنہاں ہیں۔ پیغمبروںؑ اور اولیاءؒ کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ کبھی اکیلے کھانا نہ کھاتے تھے بلکہ جتنا ممکن ہو سکتا ساتھ باقی اعزاء، ساتھیوں، محلے داروں یا مسافروں کو ضرور شامل کر لیتے تھے۔ کئی فقیروں کے ڈیروں پر مختلف جانب سے آئی ہوئی سوغاتوں کھانوں کو مکس کر کے سب لوگ ایک ہی برتن میں کھاتے تھے اور کھاتے ہیں۔ یہ اکٹھا نماز پڑھنا یا دیگر عبادات کرنا جس میں سینکڑوں ہزاروں لوگ شریک ہوں یہ کیا ہے بے شمار لوگوں کے سانسوں کا مل جانا۔ جسم سے نکلنے والی لہروں کا ملنا، ایک دوسرے پر اثر، کندھے سے کندھا ملانے، پاؤں سے پاؤں ملانے سے ایک ہی برقی رو کا سینکڑوں، ہزاروں بعض اوقات لاکھوں لوگوں میں دوڑ نا روح کا روحوں پر اثر۔ قلب کا قلب پر اثر۔ مضبوط، ترقی یافتہ، بالیدہ، پاک روحوں کے اجتماع عام میں کمزور و ناقص روحوں کا اثر قبول کرنا، اصلاح حاصل کرنا، کمزوریوں بیماریوں کا دور ہونا، خربوزے کا خربوزے کو دیکھ کے اچھا یا برا رنگ پکڑنا یہ کیا ہے؟ اس میں بے پناہ اسرار ہیں شیطانی اجتماعات سے بھی روحیں اثرات لیتی اور بھٹکنے یا پلیدی حاصل کرنے میں پر اسرار طور میں مدد لیتی ہیں اور پاک وسعید رحمانی اجتماعات سے روحیں سعید بختی اور روحانی ترقی حاصل کرتی ہیں۔ اکیلے عبادت کرنے یا نماز پڑھنے کی نسبت جماعت کے ساتھ عبادت کرنے یا نماز پڑھنے کا فائدہ (ثواب) اسی لیے 40 گنا زیادہ بتایا جاتا ہے جو کہ عام بات ہے ورنہ جتنا بڑا یا چھوٹا اجتماع ہوگا رحمانی یا شیطانی اس کا نفع یا نقصان اتنا ہی زیادہ یا کم ہوگا۔ یہی معاملہ خوراک کا ہے۔

اس میں بے پناہ اسرار ہیں راز ہیں کہ کس طرح قریہ قریہ، گھر گھر سے گدائی کر کے کھانے سے روحانیت میں اضافہ اور نفس کشی ہوتی ہے۔ انا، تکبر، غرور، نفس پرستی خاک میں ملتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ گدا کر کے کھانا بڑا مشکل ہے بلکہ پھر لوگوں کی جھڑکیں، طعنے، فتوے، لعن طعن حتیٰ کہ گالم گلوچ اور دھکے بلکہ بعض سخت دل لوگوں کی مار پیٹ بھی برداشت کرنا پڑتی ہے اور ایسی سب حالتوں کو ہنستے ہنستے خندہ پیشانی سے سہنے کا حکم ہے۔ الٹا ہر چوٹ پر چاہے وہ جسم پر پڑے یا دل پر دعا دینے کا حکم ہے

Marfat.com

۔یہ تو ہے نفس امّارہ کی اصلاح، یہ فقیروں کا طریق ہے۔ نفس کی اصلاح کے اور بھی دنیاداری میں رہتے ہوئے بڑے طریق ہیں۔ لیکن جہاں تک خوراک کا تعلق ہے اس فقر میں کبھی تو بھوکا سونا پڑتا ہے بلکہ کئی کئی وقتوں یا دنوں کی بھوک ہوسکتی ہے اور کبھی باسی خراب شدہ کھانا بھی کھانا پڑتا ہے۔ لوگ اکثر باسی کھانا جو کہ پھینکنے کی ضرورت ہو اسے فقیروں کو دے دیتے ہیں ٹھنڈی سوکھی روٹیاں دے دیتے ہیں کوئی اللہ کا خوف رکھنے والا تازہ یا اچھا کھانا بھی دو چار نوالے دے دیتا ہے۔ فقیر کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کوئی کوئی فراخ دل، باایمان اور قسمت والا ہی کھلاتا ہے ورنہ فقیر کیلیے در در کے طرح طرح کے کھانے ہی نصیب ہیں۔ بہرحال نفس کی اصلاح تو ایک طرف اس خوراک میں اسرار ہیں۔ کوئی جیسا دل رکھتا ہوگا ویسی ہی خوراک بھی صدقہ کرے گا ویسی ہی خیرات بھی دے گا۔ اللہ پاک فرماتے ہیں ''تمہاری قربانی کے گوشت اور خون مجھ تک نہیں پہنچتے مگر تمہارا تقویٰ ضرور پہنچتا ہے''۔ گویا کہ نیت اور ایمان کی قیمت ہے تو بھائی یہ خدا تک تو پہنچتا ہی ہے۔ لیکن کھانے والے تک بھی تو پہنچتا ہے۔ جس قسم کی کمائی سے وہ خوراک حاصل کی گئی ہے وہ بھی فقیر تک یا کھانے والے تک پہنچتی ہے۔ جس نیت سے دی جس نیک دل سے دی جس جذبے سے دی وہ سب پہنچتا ہے اور ان میں درجے ہیں بے شمار درجے ان میں کچھ لوگ ہیروں جواہرات کی مانند ہیں ان کی خوراک وخیرات بھی چاہے جیسی بھی ہو جتنی بھی ہو اس میں بھی تقویٰ کے جواہرات بھرے پڑے ہیں۔ کھانے والے کے روح وجسم پر عجب اثرات پیدا کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی غور فرمایا کہ ناجائز اور حرام کمائی سے حاصل کی ہوئی دولت کے ڈھیر رکھنے والے جیسا کہ آج کے دور میں بہت بڑی اکثریت ہے (کسی کے پاس کم کسی کے پاس ڈھیروں حرام کی کمائی ہے) کم ہی صدقہ، خیرات وزکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اصل میں ہر گھونٹ، ہر نوالے کی زکوٰۃ ہے ہر پکے کھانے کی زکوٰۃ ہے۔ یہ جو 2.5% زکوٰۃ کا رواج ہے یہ تو چالیسواں حصہ تقویٰ کی آخری حد ہے جس کے بعد ہم ایمان ہی سے خارج ہو جاتے ہیں یا کم سے کم درجے کے انسان بھی نہیں رہتے حقیقت میں تو جو بھی ہماری ضرورت یا جائز ضرورت سے زائد ہے سب کا سب اللہ کی راہ میں دے دینے کا حکم ہے بلکہ اللہ کے ولی تو اپنا پیٹ کاٹ کر بھی اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ (تاہم اپنے dependents کی، بیوی بچوں وغیرہ کی جائز ضروریات پوری کرنا آپ کا فرض ہے، آپ ان کا پیٹ بغیر ان کی رضا کے نہیں کاٹ سکتے)۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کے دور میں کمائی کا یا اثاثہ جات کا چالیسواں حصہ دینے والے بھی آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ تو ہم بات کر رہے تھے کہ یہ ہر طرح کی کمائی سے حاصل شدہ جو خوراک خیرات کی جاتی ہے یہ فرق وفرقی ہے اس میں جو اعلیٰ متقی پرہیزگاروں کی، کی ہوئی خیرات ہے چاہے وہ دیکھنے میں عام سے لوگ لگتے ہوں وہ بڑی اہمیت رکھتی اور کھانے والے فقیر یا ضرورت مند پر بڑے زبردست اثرات رکھتی اور اسے روحانی ترقی عطا کرتی ہے۔ آپ نے لوگوں کو بڑے بڑے فقراء، ولی اللہ حضرات کے آستانوں پر یا مزارات پر لنگر کھاتے دیکھا ہوگا جو کہ خوردہ سمجھ کر جیسا بھی پکا ہو ثواب کی غرض سے کھایا جاتا ہے۔ آج کل تو 99% اس قسم کے لنگر محض فراڈ اور دکھاوا ہیں حقیقت

Marfat.com

میں مزارات پر بیٹھے قبضہ گروپ وہاں آنے والے چڑھاووں اور ہدیہ جات کو ہڑپنے کے لیے یہ مصنوعی لنگر کھولے بیٹھے ہیں، ہمارا اوقاف بھی یہی کردار ادا کر رہا ہے۔ تاہم ان کی حقیقت یہ ہے کہ جب کسی ولی اللہ کو یہ مقام حاصل ہو جائے کہ خلقت خدا اپنی اصلاح ورہنمائی کے لیے اس کی جانب کھچی چلی آئے تو ایک تو ان لوگوں کی خوراک کے لیے وہاں لنگر قائم کیا جائے دوسرے بھوکے بے سہارا غریب وہاں سے کھاتے ہیں، تیسرے چونکہ ان ولی اللہ حضرات کو ذاتی غرض کوئی نہیں ہوتی یہ لوگ نگاہ حقیقت رکھتے ہیں اس لیے جو کوئی ہدیہ، سوغات، نقدی یا مال وہاں تحفتاً پیش کیا جاتا ہے وہ لوگ پاک اور طیّب رزق کمانے والوں ہی سے قبول کرتے ہیں اور راہ اللہ لوگوں کے لیے لنگر کا انتظام کرواتے ہیں اس میں سے خود بھی ضرورت محسوس کریں تو چند نوالے کھاتے ہیں باقی لوگوں میں خلقت خدا میں تقسیم کروا دیتے ہیں۔ لوگ یہاں سے درس وتدریس اور واعظ ونصیحت تو حاصل کرتے ہی ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ لنگر کی پاک وطیب غذا بھی کہ جس پر ان ولی اللہ نے دعا بھی پڑھ رکھی ہوتی ہے کھاتے ہیں یہ ہے اصل خوردہ چاہے گوشت ہو یا پانی کی طرح کی دال، سوکھے چنے ہوں یا محض شربت یا سادہ پانی یہ سب سوغات ہے اعلیٰ سوغات یہ جسم میں داخل ہو کر حکم ربی شامل ہو تو عجب روحانی فیض عطا کرتی ہے۔

خوراک کتنی کھائی جائے:

ان باتوں سے ہم نے سمجھ لیا کہ خوراک حلال وطیب کمائی سے حاصل کی گئی ہو اور گندی یا حرام کی گئی اشیاء بھی نہ ہوں جیسے سؤر کا گوشت یا خون یا مرے ہوئے جانور کا گوشت یا دیگر فاسد وگندی اشیاء جو انسانی جسم کے لیے نقصان دہ ہیں اور اس طیب غذا میں سے اتنا ہی کھائیں جتنی ضرورت ہے۔ اعتدال کیا ہے اس کے بڑے درجے ہیں ہر کسی کے لیے الگ الگ درجات ہو سکتے ہیں۔ عام حالت تو حدیث پاک کے مطابق عام لوگوں کے لیے ہے کہ جتنی پیٹ میں گنجائش ہو اس کا اندازہ کر لیں پھر اس کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں ایک حصہ کُل طلب کا ٹھوس غذا لیں یعنی 1/3 غذا لیں، پھر ایک حصہ پانی استعمال کریں کُل طلب کا 1/3 پانی پیئیں اور کُل طلب کا 1/3 حصہ خالی چھوڑ دیں، سانس لینے کے لیے۔ اسی لیے کھانے کے درمیان یا دوران پانی پینا بھی سنت ہے۔ تاکہ معدے کی گنجائش کا اندازہ ہوتا رہے یہ نہ ہو کہ پانی آخر میں پینے والے لوگ خوراک زیادہ کھا لیں اور پانی پینے کے بعد معدے کو پورا بھر لیں پھر سانس بھی مشکل سے لیں۔ آپ نے اندازہ کیا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں اصل طلب سے تیسرا حصہ کھانا کھانے کا حکم دیا ہے اور تیسرا حصہ پانی پھر تیسرا حصہ سانس کی آمد ورفت کے لیے خالی چھوڑنے کا حکم ہے۔ سانس تو پھیپھڑوں ہی میں جاتی ہے لیکن زیادہ بھرا ہوا معدہ باقی اعضاء پر نقصان دہ حد تک دباؤ ڈالتا ہے حتیٰ کہ دل پر بھی دباؤ محسوس ہوتا ہے معدے کی زائد از ضرورت خوراک کو ہضم کرنے کے لیے تمام جسمانی عضویاتی نظام پر بوجھ پڑتا ہے اور مسلسل ایسی پریکٹس رکھنے سے ہم نہ صرف بیمار پڑنے لگتے ہیں بلکہ ہمارے مختلف جسمانی اعضاء وقت سے پہلے بیمار پڑ کر ناقص ہو جاتے اور کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں باقی صحت مند عادات اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ خور ونوش کو

Marfat.com

حد اعتدال میں رکھنے سے معیار صحت تو قائم ہوتا ہی ہے اوسط زندگی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ یہ جو ہمارے ہاں عقیدہ ہے کہ زندگی جنتی اول روز سے خدا نے لکھ دی ہے اس سے بڑھ یا کم نہیں ہوسکتی اس سے ہمارے دین کی تمام عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے اگر ایسا ہے تو پھر تو ہر انسان نے دنیا میں جو جو کام کرنا جیسی بھی زندگی گزارنی ہے جو بھی گناہ وثواب کمانا ہے ہر ہر حرکت وواقعات کو تو لکھ دیا گیا ہے جسے ہم مقدر کا لکھا کہتے ہیں تو پھر کیا اختیار اور کیسے جنت دوزخ پھر تو انسان کا کردار ہی ختم ہو جاتا ہے ایسے عقائد کی بنا پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفۂ اسلام یا دین آسمانی سے متعلق تمام جزاء وسزا کے عقائد ناقص ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے آپ کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی آپ کوشش کرتے ہیں ارشاد ربانی ہے ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے''۔ اس سے اور دیگر قرآنی و بائبل سمیت تمام آسمانی کتب سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اختیار عطا کر کے انسان کو دنیا میں بھیجا ہے حتیٰ کہ شیطان کو بھی قیامت تک اختیار دے رکھا ہے جو انسان کی زندگی کے ساتھ زبردست اتصال رکھتا ہے ہم جو بھی اعمال کریں انفرادی یا اجتماعی ہمیں ان کا مکمل (مگر محدود) اختیار حاصل ہے اسی لیے روز حشر حساب کتاب کے لیے میزان رکھی جائے گی اور جنت دوزخ آباد ہونگے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اپنے اختیار سے دنیا کی ہر شے پا کیوں نہیں لیتے؟ چونکہ دنیا میں ایک انسان نہیں بلکہ بے شمار انسان اور چرند، وپرند، درند نیز حشرات الارض آباد ہیں اور ہر کوئی شاید ہر شے کا مالک بننا چاہتا ہے اسی لیے باوجود کوشش ومحنت کے ہر شخص کو وہی کچھ مل سکتا ہے جو حکمت الٰہی کے تقاضوں پر پورا اتر سکے۔ آپ حضرت علیؓ کے فرمان کے مطابق کھڑے رہ کر ایک ٹانگ تو اٹھا سکتے ہیں لیکن دوسری نہیں کہ آپ کے اختیار کی یہ حد ہے اس سے تجاوز آپ کو انسانی درجے سے خارج کر دیتا ہے۔ چونکہ ہر ایک مخلوق کے اختیار کی ایک حد ہے اس لیے انسان کے اختیار کی بھی ایک حد ہے۔ اب سوال یہ اٹھایا جاتا ہے کہ تقدیر میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن یاد رکھیں تقدیر میں کیا لکھا ہے قسمت میں کیا ہے، یہ سب خدائی علوم ہیں یہ یوں نہیں ہیں جیسے ہم انھیں سمجھتے ہیں بلکہ یوں سمجھیں کہ یہ خدائے بزرگ وبرتر کی علمی معراج ہے کہ وہ پیدا کرنے سے قبل بلکہ یہ دنیا وکائنات بنانے سے قبل ہر ذی روح اور ہر ذرے ذرے کی اول تا آخر سب کارکردگی سے آگاہ ہے یہ اس کے علم کی جلالیّت وہیبت ہے مقام ہے، جہاں انسان کی عقل گم ہوش غائب اور رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاہم یاد رکھیں انسان کو مکمل اختیار وارادہ دے کر اس کے حساب کا ذمہ دار پیدا کیا گیا ہے۔ یہ پابند اور اسی طرح تقدیر کا قیدی نہیں ہے جیسا ہم نے سمجھ لیا ہے۔ سو اچھی عاداتِ حیات اختیار کرنے سے بشمول اعتدال خورد ونوش سے زندگی ضرور بڑھ سکتی ہے۔ ہم نے ہر شے کو اپنے پیمانوں اور ادراکات کے حساب سے دیکھنا ہے ہم نظریہ تقدیر کو نعوذ باللہ خدا کے پیمانے یا نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس کا علم اس تک ہے۔ ہماری حدود وقیود الگ ہیں ہم ان میں مکمل آزاد اور جوابدہ ہیں۔

یہ تو ہم نے نبی پاک ﷺ کی حدیث شریف کے مطابق حد اعتدال بیان کی جس میں رہ کر ہمیں سب کچھ حلال و طیب غذا کھانے کی اجازت ہے۔ یہ بھی اتنی کم ہے کہ اصل طلب خوراک کا تیسرا حصہ ہے اس میں بھی عبادت وریاضت نہ

Marfat.com

صرف ممکن ہے بلکہ کمال کی عبادت وریاضت ہوسکتی ہے۔اب اس سے آگے بڑھیں اور روزے پر آ جائیں۔آپ جانتے ہیں کہ اصل خوراک صبح اور شام کو ہی لی جاتی ہے اور لی جانی چاہیے۔طبی نکتۂ نظر سے چوٹی کے تمام اطباء نے اس کی ہمیشہ سفارش کی ہے۔آج کل کے معالج وڈاکٹر تھوڑی تھوڑی خوراک دن میں زیادہ مرتبہ لینے کی سفارش بھی کرتے ہیں ایک لحاظ سے یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو دبا کے کھانے کے عادی ہیں اور شہوت جنسی کے بھی دھنی ہیں۔آج کے دور کا انسان روحانیات سے دور صرف جسمانیات میں گم ہے یہ روح کو نہیں صرف جسم ہی کو قوی بنانا چاہتا ہے۔اس کے نزدیک مادی عیش وآرام اور شہوات جسمانی ہی سب کچھ ہیں جس کے لیے یہ کوشش کرتا اور زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔یہ جسمانی حاجات تو ہمیں جنتی زندگی سے نکلوا کر بطور سزا دی گئی ہیں۔محنت ومشقت میں ڈالا گیا ہے تا کہ ہم اپنے جسم کی گاڑی کو ان صبح شام میں کھینچیں، اور بتائے گئے طریق سے زندگی گزار کر نا صرف اپنے حصے کی سزا بھگتیں بلکہ کامیابی کی صورت میں دوبارہ جنتی زندگی میں چلے جائیں تاہم، ہم نے جنتی زندگی کے لیے کیا تگ ودو کرنا ہے ہم نے تو ایسا طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے جو نفس پرستی عیش کوشی اور چھینا جھپٹی پر مشتمل ہے اور ہمیں دوزخ میں پہنچانے کا باعث ہے۔ہم بات کر رہے تھے کہ اصل طریق صبح شام کھانے کا ہی تھا جو زمانہ قدیم سے انسان اختیار کر رہے تھے۔گو کہ محنت و مشقت کا کام کرنے والے کسان اور مزدور تو صبح وشام اپنی طلب کے لحاظ سے زیادہ کھانا کھاتے تھے اور کھاتے ہیں لیکن بیٹھ کر کام کرنے والے کاریگر یا دیگر پیشہ ور اپنے حساب سے کھاتے تھے اور کھاتے ہیں۔تاہم صبح وشام کھانے سے نہ صرف جسم صحت مند رہتا ہے بلکہ ہلکا پھلکا بھی محسوس ہوتا ہے اور معدے کو کچھ دیر کے لیے بھوک کا مزہ بھی چکھنا پڑتا ہے جب معدہ قدرے خالی ہوتا ہے تو خوراک کے غیر ہضم شدہ ٹکڑے وذرّات نہ صرف ہضم ہو جاتے ہیں بلکہ جسم کو موٹا کرنے والی چربی و روغنیات کے فاضل حصہ جات کو جسم خوراک کے طور پر اس دوران میں استعمال کرتا ہے۔کئی طرح کی بیماریوں کے جراثیم بھی بھوک کی حالت میں مر جاتے ہیں۔اس سے آگے روزہ کی حالت ہے گو کہ صبح وشام کھانے سے عمومی صحت ٹھیک رہتی ہے لیکن صبح سے شام تک کھانا نہ کھانے کے باوجود ہم کئی دیگر چیزیں بسا اوقات کھاتے پیتے رہتے ہیں۔اطباء ان فالتو اشیاء سے منع تو کرتے ہیں لیکن ہم کچھ نہ کچھ کھا ہی لیتے یا پی ہی لیتے ہیں۔اب جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو ان سے بھی نہ صرف جان چھوٹ جاتی ہے بلکہ صبح سے شام کے کھانے کا وقفہ بھی بڑھ کر صبح اندھیرے منہ وقتِ فجر داخل ہونے سے قبل سے لے کر شام سورج غروب ہونے تک بلکہ اندھیرا پھیلنے تک بڑھ جاتا ہے۔اب نہ صرف خوراک خوب ہضم ہو جاتی ہے بلکہ جسم کو بڑی دیر تک بھوکا پیاسا رہنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔گویا کہ روح کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کا موقع ملتا ہے۔خوراک اعتدال سے لینے کا جہاں یہ مقصد ہے کہ جسمانی صحت بحال رہے اور زندگی کے دن نہ صرف اچھی طرح سے گزریں بلکہ بڑھیں بھی۔وہاں اس کا مقصد روح اور مادے کے درمیان میزان قائم کرنا بھی ہے۔انسان چونکہ دو چیزوں جسم اور روح سے مرکب ہے جسم کی خوراک

Marfat.com

تو مادہ ہے لیکن روح کی خوراک مادے سے پرہیز اور ذکر الٰہی ہے اب جب ہم نبی پاک ﷺ کے حکم کے مطابق بلکہ تمام انبیاءؑ کے حکم کے مطابق (تمام انبیاءؑ کی تعلیمات ایک ہی ہیں اور تمام ادیان دین اسلام ہی ہیں) 1/3 کے فارمولے کے تحت اعتدال سے کھاتے ہیں تو روح وجسم کا میزان ایک عمدہ درجے پر قائم رہتا ہے۔ یہ میزان ویسے تو جسم کی سمت ہم نفس پرستوں کی وجہ سے جھکی رہتی ہے بلکہ جتنا نفس کی خدمت میں رہیں گے اتنا ہی میزان اس سمت جھکتے جھکتے آخری حدوں کو چھونے لگے گی۔ اسی طرح روح کی خوراک ناپید ہوجائے گی، روح کی برکات، اللہ سے تعلق کم سے کم اور کمزور تر ہوجائے گا اتنا کہ جس کا علم صرف خدا کو ہے کہ ہم بالآخر اس کے ہاتھ سے نکل تو نہیں سکتے لیکن یہ تعلق ہمارے حساب سے بالکل ختم ہوجائے گا۔ سب غلبہ مادی حاجات کا اور شیطان کا ہوجائے گا۔ آخر یہی تو وہ مادی پھل تھا جس سے جسم اور اس کی حاجات کی کشش بنی و بڑھی تھی۔ اس پھل میں تو شیطان چھپا بیٹھا تھا۔ لوگوں نے بڑے طومار باندھے، بڑے قصے کہانیاں گھڑے کہ شیطان جنت میں یوں گیا، فلاں فلاں شکل میں گیا، فلاں فلاں طریقے بہانے سے گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیطان وہاں ہمارے اسی جسم مجاز میں چھپا بیٹھا تھا۔ جس کا دروازہ شہوت جنسی کے ابھرنے اور تکمیل سے کھلتا تھا۔ جب حضرت آدمؑ وحوا میں یہ شہوت ابھری اور وہ اس کے دروازے پہ آن ٹھہرے تھے تو ان کے اندر خیالات میں جنگ برپا تھی۔ اک جانب رحمانی حکم تھا ان خیالات کے تانے بانے رحمٰن کی ہدایت سے جڑے ہوئے تھے روح میں پیوست تھے وہیں سے ابھرتے تھے اور وہ تھے بھی روحانی دسترس میں تبھی تو جنت میں تھے۔ دوسری جانب چونکہ عالم مثال میں روح کے ساتھ جسم لطیف تو تھا اور اس کے خفیف تانے بانے جسم کثیف سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ اس لیے یہیں سے شیطان نے آواز دی، بہلایا، پھسلایا کہ یہ ہمیشگی کا درخت ہے بڑا میٹھا اور بڑا بھلا پھل ہے، اسے کھاؤ تاکہ ہمیشہ زندہ رہو۔ یہاں آدمؑ وحوا سے لغزش ہوئی وہ نہ سمجھ سکے کہ اسے کھانے کے بعد یہ تو میسر رہے گا مگر باقی روحانی دنیا، جنتی دنیا کی بے پناہ نعمتیں چھن جائیں گی۔ شیطان کے قسم اٹھا کر بہکانے نے ان کی عقل وخرد پر وقتی طور پر پردے ڈال دیئے اور اس قابل ہی نہ رہے کہ حکم خداوندی کو یاد رکھ سکیں اور انھوں نے وہ پھل شدید بے خودی اور شیطانی کشش کی وجہ سے چکھ لیا وہ ہوش کھو بیٹھے، ایک دوسرے میں مدغم ہوگئے، جب جنسی شہوت اپنے انجام کو پہنچ کر تھمی تو ہوش میں آئے، احساس پیدا ہوا اپنے ہونے کا تبھی شرم کا احساس پیدا ہوا اور اپنے شرم کے حصے اپنے جنسی اعضاء کو پتوں وغیرہ سے چھپانے اور ڈھانپنے لگے کہ کہیں ان پر پھر نگاہ نہ پڑے پھر وہ نہ بہکیں، پھر حکم عدولی نہ ہو۔ اب انھیں شدید ترین ندامت اور خوف خدا دامن گیر ہوا۔ لیکن "اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"۔ پھر اللہ پاک سے مکالمہ ہے معافی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ کلمات سکھا کر رب تعالیٰ نے آدمؑ وحوا کو یہ کہہ کر زمین پر بھیج دیا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور جس نے میرے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی ہدایت پر عمل کیا، دنیا میں اپنی اپنی سزا بھگت کر وہ پھر جنت میں آداخل ہوگا اور جو خلاف ورزی کرے گا اور اسی جنسی شہوت ودیگر شہوات جسمانی کو جو کہ اسی کا نتیجہ ہیں اپنا دل پسند کھیل بنائے گا وہ نفس

Marfat.com

پرست ہوگا وہ شیطان کا پیروکار ہوگا۔ میں ایسے سب لوگوں سے دوزخ بھردوں گا۔ تو اس سب حقیقت سے ہمیں معلوم ہوا کہ کس طرح سے روح کی دنیا کون سی ہے جدھر اس کی کشش ہے اور کس طرح سے جسم کی دنیا کیا ہے اور اس کی کشش کدھر ہے۔ اب جب میزان واعتدال کی ایک ایسی حد قائم ہو جاتی ہے کہ جس میں رہ کر جسمانی تقاضے انسان پر اتنے ہی اثر انداز ہوں جتنی کہ ناگزیر ضرورت ہے یا حد اعتدال ہے تو ایسے میں اسی نسبت سے روحانی ترقی ممکن ہے۔ یہ میزان جتنا جدھر جھکے گا اتنا ہی اس سمت کے تقاضے ابھریں گے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ زیادہ کھانے سے اور اس دنیا کے زیادہ عیش و آرام کی جانب زیادہ دھیان رکھنے سے جنس مخالف کی رغبت زیادہ بڑھتی ہے انسان جنسی عمل میں نہ صرف رغبت محسوس کرتا بلکہ اسے ہی مقصد حیات سمجھ کر اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے اور روحانیت سے قرب الٰہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اب ہر وہ شے جو شہوت بڑھاتی ہے وہ اسی لیے مذہب میں حرام ہے، شراب اور سوّر کا گوشت اسی لیے حرام ہے، خون پینا یا کھانا اسی لیے حرام ہے۔ اس فلسفے کے تحت کم کھانا عام انسانوں کے لیے بہتر ہے تا کہ روح کی جانب بھی سفر ہو سکے مگر جس نے زیادہ ترقی کرنا ہو وہ اور بھی کم کھائے۔ آپ کو معلوم ہے جو نکاح کا مقدور نہ رکھتا ہو اسے نبی پاک ﷺ نے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے، روزہ شہوت کو کم کرتا اور روحانیات کی جانب سفر کو تیز کرتا ہے۔ ہم اس کے بنیادی فلسفے کو ہی نہیں سمجھتے چاہے فرض روزے ہوں یا نفلی روزہ ہم سحری کے وقت خوب دبا کر کھاتے ہیں تا کہ بھوک نہ لگے اسی طرح افطار کے وقت بھی خوب پیٹ بھرتے بلکہ انواع واقسام کے کھانے و پھل و دیگر میوہ جات حسب توفیق کھاتے ہیں۔ البتہ عبادت، نماز، نوافل اور دیگر ورد، اوراد بڑھا دیتے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت یا دیگر مذاہب جن میں روزہ رائج ہے (حقیقت میں سبھی مذاہب میں روزہ موجود ہے)۔ وہ اپنی مذہبی کتب کی تلاوت کرتے یا مذہبی رسوم خوب ادا کرتے ہیں اسی طرح سے رسم روزہ و عبادت تو ادا ہو جاتی ہے مگر روح کے بغیر۔ روزے کی روح غائب ہو جاتی ہے۔ مادی اشیاء کی کشش اور خوراک کی زیادتی روزے کے فوائد سے دور لے جاتی ہے۔ روزہ محض رسم بن کے رہ جاتا ہے بلکہ سعودی عرب کے لوگ جہاں سے اسلام چلا ہے، دن بھر سوتے رہتے ہیں فجر سے ظہر تک سوتے ہیں اور رات بھر جاگتے ہیں گویا دن کو رات سے بدل کر یوں روزے کی روح کو زائل کر دیتے ہیں۔ محض چھلکوں سے کھیلتے ہیں جبکہ مغز کا پتہ ہی نہیں۔ جیسا کہ ہم قرآن ناظرہ خوب جھوم جھوم کر پڑھتے اور قرآن کو چوم چوم کر رکھتے ہیں لیکن اسے نہ تو کما حقہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ ہی اس کی تہہ میں اتر کو غور وفکر سے موتی جواہرات چنتے ہیں۔ الغرض مقصد یہ کہ روزہ روح کی غذا ہے اپنی پوری شرائط کے ساتھ اس میں آپ غذا اور بھی کم کر دیتے ہیں۔ فجر اور افطار کے وقت معمولی غذا لیں بلکہ اصل غذا تو افطار کے وقت ہے رات کے وقت کھانے کی اجازت ضرور ہے فجر تک لیکن سحری کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس وقت افطار سے لے کر وقت سحر تک جو چاہے کھائیں تاہم یہ آپ تک ہے کہ آپ کتنا اور کب تک کھاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کم سے کم اور سادہ سے سادہ غذا کھائیں، اتنی لذیذ و مرغن نہ بنائیں کہ چھوڑنے پر دل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قدرتی حالت میں

Marfat.com

غذاؤں میں لذت ضرور رکھی ہے لیکن اتنی نہیں کہ آپ بھوک ختم ہو جانے کے باوجود انھیں چھوڑ نہ سکیں۔ ہم مصنوعی طریق سے شیطان کے بہکاوے پر بادشاہوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور امراء کے راستے کو اختیار کرتے ہوئے اسے سو سو طریقے سے لذیذ اور لذیذ تر بناتے ہیں تاکہ پہلے سے زیادہ کھائیں، قوی تر بناتے ہیں تاکہ پہلے سے زیادہ خون جوش مارے اور جنسی رغبت ہو، پھر ہم ہوں اور ہماری جنس مخالف کوئی تیسرا تصور باقی نہ رہے۔ تو روزہ کی حالت میں آپ ٹھیک ہے نہیں کھاتے لیکن روزے جب بھی رکھیں کم سے کم کھائیں تاکہ عبادت کی جانب دھیان رہے روحانی سفر تیز رفتاری سے کر سکیں۔ یہ تو تھا دنیا کے ساتھ چلتے ہوئے، دن کو فکر معاش بھی کرنا، رات کو عبادت بھی کرنا، روزہ بھی رکھنا اور غذا بھی نہایت کم و سادی لینا۔ اس سے آگے اعتکاف کی حالت ہے ہمیں رمضان شریف میں اس کی مشق اکثر مہینے کی آخری دہائی میں کروائی تو جاتی ہے لیکن یہ محض رسم بن چکی ہے اگر ہم گھر نہیں جا سکتے مسجد تک محدود ہیں یا گوشہ نشین ہیں تو وقت سحر و افطار ہمارے عزیز و اقارب تشریف لے آتے ہیں نہ صرف ہمیں طرح طرح کے لذیذ اور توانائی بخش کھانے کھلاتے اور مزے مزے کے شربت پلاتے ہیں بلکہ اکثر دوستوں اور دیگر خیر خواہوں کی جانب سے بھی خوردنی تحائف پہنچائے اور کھلائے جاتے ہیں۔ نیز اعتکاف پورا ہونے پر بڑے پھولوں کے ہار اور مبارک سلامت بھی ہوتی ہے عبادت کو اس ڈھنگ سے اختیار کرنے کی بنا پر اکثر ہمارے علماء اور ملا حضرات کے پیٹ تو پھولے ہی رہتے ہیں، جناب معتکف رمضان جب گھر لوٹتے ہیں تو پہلے سے بڑا پیٹ لیئے ہوتے ہیں۔ اصل میں روزے کے تمام مہینے میں یا جتنے نفلی روزے رکھنے کی نیت کی ہے اس دوران کم سے کم اور سادہ سے سادہ غذا تو کھائیں ہی جس میں بہتر ہے کہ گوشت اور روغنیات کم سے کم استعمال کریں۔ ساتھ ہی جب اعتکاف کا ارادہ کریں تو اب چونکہ فکر معاش کے لیے جو مشق جسمانی درکار تھی وہ موقوف ہو چکی ہے اب آپ نے بیٹھنا ہی بیٹھنا ہے یا لیٹنا ہے یا نماز میں کھڑے رہنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا ہے اور ذکر الٰہی سے کسی بھی طور غرض رکھنا ہے اب آپ کو پہلے سے بھی کہیں کم غذا کی ضرورت ہے ٹھیک ہے بھوک لگے گی، پیاس لگے گی، اسے لگنے دیں۔ سر میں درد ہونے دیں۔ جسم تقاضے کرے اسے کرنے دیں۔ آپ اپنی دھن میں مگن ذکر الٰہی میں مصروف رہیں اللہ ہو اور آپ ہوں کوئی تیسرا فرد سب اعتکاف میں بالکل نہ ہو نہ ہی شہوت جنسی ہو کیونکہ اعتکاف کے دوران شہوت جنسی کے لیے ساتھی کے پاس جانا زن و شوہر کا ملاپ حرام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلے تمام رمضان میں تمام صیام میں اور ہر نفلی روزہ یا روزوں میں مجامعت حرام تھی لیکن چونکہ کچھ لوگ اس حکم پر پورے نہ اتر سکتے اور خیانت کرتے تھے رات کو بیویوں کے پاس چلے جاتے تھے اس لیے رعایت دی گئی اور راتوں کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دے دی گئی پھر بھی اعتکاف کے دوران اس کی اجازت نہ دی گئی۔ اب افضل ترین بات تو یہ ہے کہ 24 گھنٹوں میں صرف وقت افطار خوراک لی جائے بعد میں نہ لی جائے اگر رات میں کچھ حاجت ہو تو معمولی مثلاً پانی وغیرہ پی لیا جائے نہ پیئیں تو بہتر ہے تاکہ حاجات جسمانی کے لیے عبادت کا تسلسل نہ ٹوٹے۔ بس جب آپ اتنا کم کھائیں

Marfat.com

گے تو رفع حاجت کم سے کم ہوگا۔ پیشاب کم سے کم آئے گا حتیٰ کہ ریح بھی کم سے کم خارج ہوگی بلکہ بعض حالتوں میں یہ تنگ ہی نہ کرے گی۔ اس طرح سے آپ روزہ اور اعتکاف کی بہترین روحانی منازل طے کریں گے اگر آپ کا ایمان کامل ہے اعمال صالح ہیں نیت نیک ہے گناہوں کا بوجھ کم سے کم ہے تو آپ حسب توفیق اپنے معیار کے حساب سے بہترین روحانی فیوض حاصل کریں گے جو بیان سے باہر ہیں، آپ روحانی دنیا کی سیر کریں گے نئے نئے در کھلیں گے اور محسوس ہوگا کہ آپ قرب خداوندی میں جا رہے ہیں۔ ضروری نہیں کہ پہلی ہی دفعہ کے روزوں اور اعتکاف میں آپ روحانی حالتوں میں چلے جائیں تاہم کچھ اشارے حسب توفیق اللہ پاک سے امید اور دعا ہے کہ ضرور ملیں گے پھر یہ مشق وقفے وقفے سے جاری رکھیں۔ دنیا میں اپنے فرائض کو نبھاتے ہوئے جتنا وقت جب جب ملے روزہ و اعتکاف اختیار کرتے رہیں اور جتنی زیادہ مدت مہیا ہو سکے ایسا کریں۔ اگر حالات اجازت دیں تو ویران و بیابان جگہ پر آبادی سے دور، ہر آواز، شور شرابے اور ہر طرح کے ایسے مصنوعی مہج سے دور جو آپ کو متوجہ کر سکے آپ کی محویت توڑ سکے ایسی جگہ چلے جائیں اپنے ساتھ کچھ خشک خوراک یا ایسی خوراک جو انتہائی سادہ ہو اور آپ کی کم از کم ضرورت کو کئی دن کئی ہفتے پورا کر سکے ساتھ لے لیں اور عبادت و ریاضت میں کھو جائیں ذکر و فکر الٰہی میں کھو جائیں پھر دیکھیں کیا نتائج سامنے آتے ہیں۔ آپ بہت جلد محسوس کریں گے کہ آپ کی دھکا گاڑی کو بیل گاڑی کو، موٹر سائیکل، رکشہ، پرانے ماڈل کی کھٹارہ کار پھر نئی کار پھر جہاز پھر راکٹ کا انجن لگ گیا ہے ایک وقت آئے گا برسوں بعد کہ ''براق'' اپنی حیثیت کے براق پر بیٹھے خدا کی خدائی کو جتنا رب چاہے دیکھ رہے ہوں گے، روحانیات کی نت نئی دنیائیں آپ پر منکشف ہوں گی۔ مادی ہلکی سے ہلکی غذا محض دنیا سے حقیقت کو پردہ میں رکھنے کے لیے کھائیں گے ورنہ آپ کو آپکا رب روحانی غذا سے ایسی طاقت بخشے گا، ان شاء اللہ کہ جو مادی غذا سے بھی نہ مل سکی ہو۔ آپ کا وزن انتہائی کم، جسم بظاہر بڑا لاغر، لیکن روح قوی تر اور حواس ہر جانب کے مضبوط ہونگے۔ تاہم آپ زیادہ تر دیگر دنیاؤں اور جنتوں اور قرب الٰہی ہی میں رہنا پسند فرمائیں گے بھلا جس نے نور الٰہی کا نوالہ چکھ لیا، اسے اس ظلمی نوالے کو دیکھنا بھی کب گوارہ ہے۔ اب آخر میں ہم درجہ وار ایسی خوراک کی اقسام اور مقدار پر درجہ بہ درجہ بحث کریں گے اور ایسے پرہیزوں کا ذکر کریں گے جو ہمیں ابتداء سے انتہا پر پہنچانے میں بفضل تعالیٰ اور ان شاء اللہ تعالیٰ بڑی مدد کریں گے حقیقت میں تو اللہ پاک ہی کے حکم سے ہوگا لیکن یہ بیچ میں پردے کا کام کریں گے۔ ہم نے یہ تو گزشتہ بحث میں دیکھ لیا کہ کس طرح انسان جنت سے نکلا اور کیوں نکلا؟ کیا شے جنت کی روحانی زندگی کی اور قرب الٰہی کی خوراک ہے اور کیا شے مادی زندگی اور شہوات نفس کو پورا کرنے کی غذا ہے۔ رحمانی راستہ کدھر ہے کیسا ہے اس کا طریق کیا ہے اور شیطانی راہ نیز اس دنیا کا اس عالم رنگ و بو کا طلسم ہوش ربا کیا ہے شیطان اس میں کس راہ سے داخل ہے اور اس کی کشش اور کارستانی کیسے کیسے اس دنیا میں موجود ہے۔ اب جبکہ ہم اس دنیا میں جنت سے اتر کر آ گئے ہیں تو 'الف' سے 'ے' تک خوراک و پرہیز پر بھی ہم نیچے کی سطور میں بحث کرنے کی اپنے تئیں کوشش کریں گے۔ مکمل علم تو بے

Marfat.com

شک رب عظیم وقدیم ہی کے پاس ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ ہم اس بحث کے بعد ایک اور ہی دنیا میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں، جہاں جنتِ بے نظیر زمین وآسمان کی وسعتوں تک پھیلی ہو۔

پرہیز کیسا ہو، خوراک کس قسم کی ہو:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور بے شک ایک ہی ماں باپ سے پیدا فرمایا لیکن وقت اور زمانے، حالات وزمینی وموسمی تبدیلیوں، فضائی اتار چڑھاؤ، سمندری یا ساحلی، صحرائی وریگستانی، میدانی ودریائی، سخت گرم وسخت سرد یا برفانی علاقوں اور بے شمار ردوقدح، اوچھاڑ پوچھاڑ کی بنا پر ہزاروں سال کے بعد یا شاید لاکھوں سال کے بعد اب بے شمار قسم کے انسان اس زمین پر بستے ہیں یہ اپنے جسم، شکل وصورت، عادات وخصائل، معاشرتی وسماجی حالات، رسم ورواج اور دیگر طریق بود وباش سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ بلکہ قد کاٹھ، قوت وطاقت، قوت برداشت اور رنگ ونسل میں بھی مختلف ہیں بلکہ ان کی خوراک بھی مختلف علاقوں اور مختلف سماجوں میں یقیناً مختلف ہے اس لیے ہم ان کے لیے کسی مخصوص خوراک کے حوالے سے یا مخصوص پیمانے کے لحاظ سے کوئی خاص food table تو تیار کر کے سب پر یکساں لاگو نہیں کر سکتے ہاں عمومی بحث کر سکتے ہیں۔ تو پہلی بات تو یہ کہ خوراک اپنے کام یا روزمرہ کے معمولات کے حساب سے لینا چاہیے۔ مثلاً کسان، مزدور ودیگر سخت قسم کے محنت کش کو یقیناً گوشت، دودھ، انڈوں اور پھل کی سبزیوں اور دالوں کے ساتھ زیادہ ضرورت ہے نسبتاً ان کے جن کا کام ہلکا ہے تاہم جوں جوں محنت طلب جسمانی کام سخت سے سخت ہوتا جائے گا زیادہ باقوت غذا کھانا ہوگی اور جوں جوں جس جس نسبت سے کام ہلکا ہوتا جائے گا غذا کی قسم اور مقدار میں فرق آتا جائے گا، حتیٰ کہ بیٹھ کر دماغی کام کرنے والوں کو ٹھوس غذا کم اور جوس سبز وغیرہ یا پھلوں کا استعمال زیادہ کرنا چاہیے اور ٹھوس کھانے میں بھی زود ہضم غذا استعمال کرنا چاہیے۔ یہ تو تھی ایک عام سی بات اب روحانی اعتبار سے جیسا کہ اصل طلب کے (کھانا+پانی+ہوا=3 حصے) تحت 1/3 والا مذکورہ فارمولا پہلے بیان کیا گیا ہے اور جس میں طلب کا اندازہ آپ کو خود کرنا ہے یہاں بھی وہی فارمولا لگے گا۔ اس کے بعد جوں جوں روحانی ترقی کے لیے حالات سازگار ہوں آپ اپنے روزمرہ کے فکر معاش ودیگر ذمہ داریوں سے جس جس نسبت سے وقت نکال سکیں اسی لحاظ سے خوراک کا معیار قائم کریں۔ لیکن ایک بات خوب سمجھ لیں کہ روحانی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہیجان نہ ہو، نہ جنسی نہ دیگر، بے سکونی نہ ہو، ایمان کامل ہو، گناہوں سے پرہیز ہو ہر ممکن، معدہ پر وقت عبادت فالتو بوجھ قطعاً نہ ہو ایسا کہ معدہ تقریباً نہایت کم خوراک لیے ہوئے ہو، نہ پیٹ میں ریح پیدا ہو نہ اس کی حاجت ہو، نہ پیشاب یا پاخانہ تنگ کرے، صحت بالکل ٹھیک ہو، سانسوں کی آمد ورفت میں کوئی دقت، بوجھ، رکاوٹ نہ ہو، دل پر کوئی دباؤ نہ ہو، بلڈ پریشر نارمل ہو، دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہ ہو اور خیالات وسوچ پاکیزہ ہوں، اعمال صالح ہوں۔ یہ تو ہیں عمومی شرائط جن کا خیال ہر ممکنہ حد تک رکھا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جسم سکون کی حالت میں تبھی ہوگا جب ایسی مرغن اور بھُنی ہوئی چیزوں مثلاً گوشت، انڈا وغیرہ سے گھی سے آئل سے اور زیادہ

Marfat.com

کھانے سے پرہیز کیا جائے اور چٹ پٹے کھانے نہ کھائے جائیں۔ ایک تو آپ ایسے کھانے ضرورت سے زیادہ کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، حس ذائقہ کی تشفی کے لیے دوسرے تسکین نفس کے سامان کرنے سے نفس خوب طاقت پکڑتا اور مزید کا تقاضہ کرتا ہے دھیان کو روح سے ہٹا کر جسم پر مرکوز کرتا ہے پھر شہوت جنسی خوب ابھرتی ہے اور تقاضہ کی تکمیل چاہتی ہے جو کہ روحانی سفر کے لیے نقصان دہ ہے۔ پھر معدہ میں بھاری پن پیدا ہوتا ہے ریح بنتی ہے وضو برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ یاد رکھئے جب کسی قسم کی حاجات جسمانی تقاضہ کریں تو انھیں زبردستی دبانے سے روحانی سفر کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ایسے میں آپ خود کو فریب دیتے ہیں ایسی عبادت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا سوائے نیت کے کچھ نہ کچھ اجر کے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دھیرے دھیرے اپنے حالات کے مطابق خوراک سادی، غیر چٹخارہ دار، غیر مرغن، کم سے کم گوشت، انڈے اور گھی کے یا آگے چل کر اس کے بغیر اور مقدار میں دن بہ دن اسے گھٹاتے جائیں۔ جوں جوں دنیا داریوں سے ذمہ داریوں سے فرصت ملتی جائے اور گوشہ نشینی کے اوقات میں اضافہ ہوتا جائے۔ عبادت و ریاضت کے لیے وقت میں اضافہ ہوتا جائے، اسی نسبت سے ان شرائط پر عمل کی حد کو بڑھاتے جائیں۔ حتیٰ کہ جب آپ روحانی سفر کے لیے فارغ ہو جائیں تو تب تک ایک تو آپ نے پہلے ہی سے کافی روحانی اصلاح کر لی ہوگی جو آپ کو بڑا فائدہ دے گی دوسرے ایک دم سے ان شرائط پر عمل کرنا آپ کے لیے چونکہ ناممکن ہے اس لیے اب بڑی آسانی ہوگی۔ ہاں جنسی شہوت کے رجحان کو بھی مندرجہ بالا شرائط میں شامل کر کے دھیرے دھیرے گھٹاتے جائیں یہ ویسے بھی افزائش نسل کے لیے اور سکون کے لیے ہے نہ کہ مزے اور ہیجان کے لیے کہ اسے مشغلہ بنا لیا جائے۔ ہماری جنسی توانائی اگر جسم میں سٹور ہو تو یہ دماغی صلاحیتوں میں نہ صرف اضافہ کرتی ہے بلکہ بیماریوں کے خلاف، مدافعت پیدا کرتی اور صحت کو مثالی بناتی ہے۔ اس کے ساتھ خفیہ دماغی مراکز کو بھی فعال اور متحرک کرتی ہے جو روحانیت میں بڑا کام کرتے ہیں۔ سو جب روحانی سفر کے اس مقام پر آ جائیں کہ خود کو اس کے لیے وقف کر سکیں تو پھر دھیرے دھیرے خوراک کو اور بھی کم کرتے جائیں، نفلی روزے زیادہ سے زیادہ رکھیں حتیٰ کہ خالص روحانی آدمی تو 24 گھنٹوں میں محض ایک ہی دفعہ معمولی سا کھاتا ہے، شاید ایک روٹی یا اس سے بھی کم پھر کوئی صرف چائے کا کپ ایک آدھ بسکٹ، کدو کی کاشک یا کسی بھی ہلکی سی مادی شے کے ساتھ پی لیتا ہے۔ یہ بہت آگے کا مقام ہے اس سے آگے تو خوراک کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے روزہ ہی روزہ رہتا ہے۔ اعتکاف شروع میں چند گھنٹوں بلکہ ایک گھنٹے سے شروع کریں پھر دھیرے دھیرے گھنٹے اور دن بڑھاتے جائیں۔ ایک دن پھر اگلا اعتکاف دو دن پھر تین دن چار دن دس دن، بیس دن، مہینہ، تین مہینے (اس سے پہلے چالیس دن) تین مہینے سے اوپر کا اعتکاف دیگر شرائط کے ساتھ وہ شخص کرے جو دنیا ترک کر کے کسی جنگل یا پہاڑ و بیابان میں مناسب یا کم سے کم زندہ رہنے کی حد تک ضروریات کی فراہمی کے ساتھ یا پھر اللہ توکل ایسا کرنے کا فیصلہ اور مصمم ارادہ کر لے کہ اب کاملیت کے ساتھ ہی لوٹوں گا۔ اس کے علاوہ اپنے ڈیروں اور حجروں میں بھی عالم تنہائی میں لوگ مہینوں اور بعض اوقات سالوں حالت

Marfat.com

اعتکاف میں بسر کرتے اور قربِ الٰہی کی انتہا کو پا لیتے ہیں (اپنی کوشش اور ذاتی کمائے ہوئے ایمان و اعمال کے مطابق، اپنے پیش رو یا مُرشد کے فیض کے مطابق سب سے بڑی بات عطائے حق تعالیٰ کے مطابق)۔ ہمارے پیارے نبی علیہ ﷺ حق کی تلاش میں گم رہتے تھے اور ستو کے ساتھ پانی لے کر کئی کئی دن غارِ حرا میں معتکف رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ رب کی تلاش میں قریہ قریہ، بستی بستی گھومتے حتیٰ کہ چاند، ستاروں اور سورج جیسے زبردست مظاہرِ قدرت میں اپنے رب کو تلاش کرتے تھے، بھوکے پیاسے ایک ہی دُھن میں مبتلا۔ حضرت اسماعیلؑ ویرانوں اور حضرت موسیٰؑ صحراؤں کی ریت چھانتے تھے۔ گو کہ نبیوںؑ کی نبوت کسبی نہیں خدا کی عطا ہوتی ہے اور دیگر چیز ہے بڑے کڑے پہروں سے حق نبیؑ کے قلبِ اطہر پر اتارا جاتا ہے لیکن پہلے نبیؑ کو بھی تمام حالات سے گزار کر اسی قانون کے تحت بھٹی میں ڈال کر کندن بنایا جاتا ہے۔ باقی کی مثالوں میں بے شمار فقراء، صوفیوں اور ولیوں کو لے لیں ایک سے ایک بڑھ کے مثال ہے جو انہی راستوں پر چلتے چلتے اور انہی شرائط کو نبھاتے نبھاتے بالآخر کاملیت کی منزل کو پہنچے ہیں۔ ایمانِ کامل اور اعمالِ صالح بمطابق قرآن پاک کے ساتھ سفر جہادِ زندگانی اختیار کرنا پڑتا ہے اللہ پاک کے سو امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ نفس کی ہزار رنگینیوں کو، چاہتوں کو، شہوتوں کو اور اس شہوتِ جنسی کو بھی کہ جو یہ دنیا بنانے کا باعث بنی، جس کے ذریعے شیطان ہم پر حاکم ہو جاتا ہے اور جس اختلاط کی حالت میں ہمارے ہوش گم کر کے ہر حد سے ہمیں باہر کر دیتا ہے سب کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ عیش و آرام کو، بے شمار خواہشات کو اللہ کی راہ میں خلقِ خدا پر قربان کرنا پڑتا ہے۔ ہر طرف سے خواہش و دھیان کو ہٹا کر ہر شوق کو چھوڑ کر ہر ہر چاہت کو چھوڑ کر صرف خدائے بزرگ و برتر کو چاہنا پڑتا ہے اسی کی لگن اسی کے نور کی پیاس، اسی سے جنون کی حد تک محبت و عشق کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر سب کچھ گھر بار، اپنا پرایا، مال و دولت اور ہر طرح کے مفادات قربان کر کے جسم و جاں لٹا کے وصال کی منزل آتی ہے۔ لاکھ پردوں میں لاکھ قربتوں جیسا وصال، معرفتِ حق تعالیٰ یہ جنت کی منزل تو ہے ہی لیکن دراصل یہ جنت سے بھی آگے کی منازل قربِ خداوندی ہیں۔ جو باتوں اور الفاظ یا فلسفوں میں نہیں سما سکتیں وہاں تو سب کچھ practically ہے دُوبدُو ہے۔ بس میں آپ کو اس کی راہ ہی دکھا سکتا ہوں، شرائط ہی سمجھا سکتا ہوں، طریق ہی بتا سکتا ہوں اور کچھ نہیں کر سکتا، دعا کر سکتا ہوں کہ اللہ کے کامل ولیوں سے کوئی آپ کا ہاتھ تھام کر آپ کو منازل طے کروا دے لیکن اس کے لیے بھی سچی طلب اور تلاش و جستجو کی فراوانی اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ ضروری ہے۔ وہ بڑے ہی خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں اللہ پاک یہ سب کچھ عطا فرما دیتا ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں معلوم نہیں ان کی کس ادا کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے رب تعالیٰ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے، اس دنیا سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ یہ ننگے، یہ اصل ملنگ، یہ ہوش و حواس سے بیگانہ فقیر جانے کن منازل میں ہیں اور کن منزلوں پر ہیں کہ بے خودی میں ان کے منہ سے نکلی بات بھی رب منظور فرما لیتا ہے!

❀...❀...❀

Marfat.com

مضمون نمبر 52:

تہلکہ، دھماکہ، سمندر حیرت، ناقابل یقین، کائنات کی حقیقت ہمارے حواس خمسہ کے سوا کچھ نہیں! سب کچھ ہمارے اندر ہے باہر کچھ نہیں

دقیق نکتے آسان زبان میں:

آج ایک ایسے آخری سچ کو لکھنے جا رہا ہوں کہ جس پر آپ یقین نہیں کریں گے ویسے تو پہلے بھی میرے موضوعات اسی قسم کے رہے ہیں اور تحقیق کی کافی دقیق کوششیں کی ہیں جو آسان الفاظ میں بیان کی ہیں۔ میں نے کہیں شروع میں لکھا تھا کہ اکثر صوفیاء کرام، اولیاء اللہ اور بزرگانِ تصوّف نے حقیقت کے سمجھانے کے لیے بڑی دقیق اور ناقابل فہم اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ جنہوں نے طریق اظہار کو مشکل و مبہم بنا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ عام قاری ان دقتوں سے فرار ہی حاصل کرتا رہا ہے۔ میں کس قابل ہوں لیکن کافی آسان الفاظ میں آپ کو حقیقت دکھانے کی کوشش کرتا ہوں، شاید آپ میں کچھ افراد اس پر چلتے ہوئے اتنا حوصلہ دکھائیں کہ حقیقت کو پالیں شاید میری بخشش کا یہی سبب بن جائے اللہ تو بے نیاز ہے۔

قارئین ہم نے پچھلی بحث میں جنت سے آدمؑ و حوّا کے نکلنے کا سبب شیطان کی صورت میں سمجھنے کی کوشش کی تھی اور بیان کیا تھا کہ وہ کون سا پھل تھا جو کھانے سے اللہ پاک کی حکم عدولی آدمؑ و حوّا سے سرزد ہوئی تھی اور وہ کیسے زمین پر اترے تھے آپ کو یاد ہی ہے کہ ہم نے کیا بحث کی تھی۔ اب اس سے اگلے قدم پر ہم کچھ اور معلوم کرتے ہیں۔ یہ جو انسان ہے حضرت انسان اس کے اندر ہی سب کچھ ہے، خارج میں ہمیں جو بے بہا خوبصورت دنیا و کائنات نظر آتی ہے اصل میں یہ ہے تو حقیقت لیکن اس کی حقیقت ہمارے حواس خمسہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آدمؑ و حوا جنت سے کیسے نکلے؟ روایات سے ہٹ کر مزید گہری بحث:

انسان جنت میں تھا تو اس کے ''حواس'' حواس دیگر تھے جنتی حواس تھے جسم گو کہ ساتھ تھا لیکن اس کا احساس یہ نہ تھا جواب ہے وہ دیگر حواس تھے، روحانی حواس، انکی محسوسات بڑی اعلیٰ، بڑی دسترس والی تھیں، نہ کوئی مشقت تھی نہ کوئی حاجت خاص، پس انعامات ہی انعامات اور نعمتیں ہی نعمتیں تھیں۔ ملکوتی فضائیں، ملکوتی انعامات اور ملائک غلام تھے جبکہ شیطان تھا تو اسی جسم و روح میں چھپا ہوا لیکن چونکہ جنوں میں سے تھا ملائکہ سے نہ تھا۔ اس لیے مادے کی جانب کشش رکھتا تھا اس کا سکہ مادے کی دنیا میں چل سکتا تھا جبکہ جنت میں اس وقت یہ بالکل مجبور محض تھا جو رستہ جنتی حواس سے زمینی مادی حواس کی جانب جاتا تھا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دے کر آدم کو پابند کر دیا تھا کہ فلاں پھل نہ کھانا یعنی فلاں قسم کے جذبات و خیالات سے پرہیز

Marfat.com

کرنا ورنہ ظالم و جاہل کہلاؤ گے اور گھاٹے میں رہو گے۔ آدم کے دل میں خیالات کی موجیں ٹھاٹھیں مارتی تھیں، یہ خیالات روح سے اٹھنے والے نورانی و شیطانی دھوئیں کی مانند تھے۔ نورانی خیالات ملائک کی جانب سے ڈالے جاتے تھے گویا کہ یہ خود ملائک ہی تھے اور شیطانی خیالات یا وسوسے شیطان کی جانب سے تھے، چونکہ ماحول جنتی تھا روحانی تھا، یہاں مادے کی کشش ابھی محض قید و پابند تھی یہ دنیائے مادہ یہ شیطانی شاہراہ دو ٹکڑوں میں بٹی آدمؑ و حوّا میں مقیّد تھی، مگر موجود ضرور تھی۔ جب آدمؑ و حوّا اس ماحول میں خوش و خرم زندگی بسر کر رہے تھے تو ایسے میں شیطان نے انھیں ان کے اندر سے آواز دی۔ جنسی جذبات نے تب پہلی انگڑائی لی اور شیطان و ملائک کی پہلی کشمکش شروع ہوئی، نہ جانے کتنے طویل عرصے تک آدمؑ و حوّا شیطان کے بہکاووں میں نہ آئے اور حکم الٰہی کے پابند رہے، ڈرتے رہے مگر شیطان کو بھی چونکہ کھل کھیلنے کی اجازت تھی اس لیے اس کی انگڑائیوں میں اضافہ ہوتا گیا اور ایک دن ایسا آیا کہ شیطان نے اپنا آخری تیر چلایا کہ اے آدمؑ یہ پھل کھا کر تم ہمیشہ کا جینا جیو گے یہ تمہاری جنسی صلاحیت ہمیشہ کی زندگی کا پودا ہے۔ آدم کی مدافعت اندھے جنسی جذبات کی وجہ سے پہلے ہی کمزور پڑ چکی تھی اس آخری پتے نے ترپ کے پتے کا کام کیا اور آدمؑ جنسی رو میں بہہ گئے انھیں اپنا ہوش نہ رہا مادی دنیا نے وجود میں آنا تھا آدمؑ نے نیچے اترنا تھا سو ایسا ہو گیا۔ جب ہوش میں آئے تو بڑے پچھتائے، بڑے ڈرے کہ یہ کیا ہو گیا یہ اللہ کی حکم عدولی ہو گئی، جب باز پرس ہوئی تو غلطی تسلیم کر کے معافی طلب کی لیکن معافی کے لیے اب اس جہان سے ہو کر گزرنا قرار پایا جو اس جنسی عمل کا پھل چکھنے کے بعد وجود میں آ چکا تھا۔ دونوں آدمؑ و حوا سے جنتی حواس چھینے جا رہے تھے اور دیگر حواس خمسہ دنیا اجاگر ہو رہے تھے تبھی تو انھیں احساس شرم پیدا ہوا، اپنے جنسی اعضاء کی بنا پر اور انھیں زمین پر پہنچتے ہی بلکہ زمین کے حواس کا احساس ہوتے ہی خود کو پتوں سے ڈھانپنے کی ضرورت پیش آئی۔ اللہ پاک سے آدمؑ نے کچھ کلمات سیکھ لیے جو روحیں زمین پر وحدت سے کثرت میں تبدیل ہو کر آنا قرار پائی تھیں ان سے بھی رب تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا اقرار لیا، یوں دنیا وجود میں آ گئی۔ آدمؑ و حوّا کی حواس خمسہ کی دنیا زمینی دنیا مادے کی کشش رکھنے والی دنیا کا آغاز ہوا اور نسل آدمؑ بڑھنے لگی لیکن اللہ پاک نے آدمؑ کو معافی دیتے ہوئے فرمایا کہ میری جانب سے تمہارے پاس یعنی نسل انسانی کے پاس پیغمبر میرا پیغام لے کر آتے رہیں گے جنہوں نے اس پر عمل کیا اور کامیاب ہو کر مادی دنیا سے واپس آ سکے جنتی ہوں گے وہ پھر میری نعمتوں سے پُر جنت میں داخل ہو جائیں گے جو حکم عدولی کریں گے شیطان کے ساتھی بنیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے ان سے دوزخ بھری جائے گی۔ یہ مکالمہ روح کی دنیا کا تھا۔ جنت کی دنیا روح کی دنیا سے ہے اور یہ انسان کے اندر ہے کیونکہ روح انسان کے اندر ہے رب تعالیٰ اندر ہی کہیں سے انسان سے مخاطب ہوتے ہیں آدمؑ اس معاملے اور روح کی روحانی واردات سے بخوبی آگاہ تھے وہ اپنی روح کی بے پناہ وسعتوں سے اور اس کے اندر کی تمام دنیا سے اس میں رب تعالیٰ کے مقام سے اور بے شمار کچھ سے خوب آگاہ تھے لیکن جونہی زمینی حواس خمسہ عطا ہوئے وہ روحانی حواس یوں بھول گئے جیسے انسان خواب سے بیدار ہو کر فوراً خواب کو بھول جاتا

Marfat.com

ہے تاہم ان کے اندر نیک و بد ہر دو طرح کے خیالات و جذبات ودیعت کر دیے گئے، خیر و شر کی پہچان انھیں کروا دی گئی۔ شیطانی و رحمانی راستہ ان کی روح میں فیڈ کر دیا گیا۔ روح کو مادے سے پیوند کر دیا گیا باندھ دیا گیا جوڑ لگا دیا گیا۔ بڑے ہی حسین، دلکش، دل کو خوب بھانے والے معمہ نما قید خانے یعنی اس حواس خمسہ کی دنیا میں قید کر کے واپسی کا راستہ گم کر دیا گیا۔ ذہانت و فطانت دے کر معمے سے نکلنے کے رستے کی نشاندہی کر دی گئی تاہم دوسری جانب قید خانے میں اتنی کشش بھر دی گئی اور عقلِ عیار کا پہرہ لگا کر شیطان کو کھل کھیلنے کا موقع دے دیا گیا کہ انسان رحمانی رستے کو وہم اور شیطانی رستے کو عقل و دانائی نیز مسرت و سرور اور اطمینان کی راہ سمجھنے لگا جو کہ تا وقت مرگ یوں ہی دکھتی ہے۔ پھر روح کا رستہ بطور سزا کے گم کر دیا گیا۔ آسمانی وحی دی گئی، وحی کے مطابق اچھی زندگی گزارنے، نیک و بد کی تمیز کرنے اور سزا و جزا کے ڈر سے نیکی کرنے کی ترغیب تو دی گئی تاہم روح کے رستے کو کھوجنے کے لیے عام لوگوں کو کوئی کلید نہ دی گئی۔ قرآن پاک یا آسمانی کتب کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے اور ایمان رکھنے کو کامیابی تو دونوں جہاں کی قرار دیا گیا لیکن براہ راست اس حواس خمسہ کی زندگی میں روحانی راہ کی کھوج کے لیے قرآن پاک میں صرف اشارے کنائے اور ابہام سے کام لیا گیا مکمل رہنمائی نہ کی گئی۔ حقیقتِ مستور پر ایمان یعنی غائب پر ایمان صراطِ مستقیم کے لیے نشان منزل ٹھہرا۔

شرعی زندگی سے جنت:

اس میں بھی حکمت تھی کہ شرعی زندگی گزار کر جنت یا غیر شرعی زندگی گزار کر دوزخ کی راہ سمجھانا عام لوگوں کے لیے ضروری تھا وہ اس حواس خمسہ کی مادی دنیا کی شدید کشش کی بنا پر اتنا ہی کر سکتے تھے۔

آخر وہ آدمؑ کی اولاد تھے جو پہلے آزمائے جا چکے تھے:

پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بھی ہے کہ اگر اس سے زیادہ رہنمائی کی سہولت روح کی دنیا میں سفر کے لیے دی جاتی تو حقیقت کا انکار کرنے والوں یا ناکام ہونے والوں کی سزا بھی بڑی جلدی سرعت کے ساتھ قائم ہو جاتی جیسے نبیوں کے معجزات کو نہ ماننے والوں پر قیامت صغریٰ بیتتی تھی۔ سو اللہ پاک کے ہر کام میں حکمت ہے اور پھر شرعی راستہ ایمان و تقویٰ کا عقلی راستہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کا نور اسی لیے دیا ہے کہ اللہ کی ہدایت کی روشنی میں شیطانی و رحمانی راہ کی تمیز کر سکے اور جنت یا دوزخ کا حق دار بنے۔

عشق سے جنتوں کی انتہا۔ وصل حق:

لیکن دوسری راہ عقل کا نہیں بلکہ عشق کا راستہ ہے۔ اپنے کچھ لوگوں کو اللہ پاک ایسا شوق و ذوق، جنون، اپنی طلب (اللہ پاک کی طلب) ایسی بھوک، ایسی پیاس لگا دیتے ہیں کہ ان کی تسلی باوجود تمام عقلی و شرعی احکام کو ماننے، تسلیم کرنے

Marfat.com

اوران پر عمل کرنے کے نہیں ہوتی۔ ان کا دل دنیا میں دنیا کے کاموں میں یا تو شروع ہی سے نہیں لگتا یا زندگی کے کسی خاص موڑ، خاص زمانے اور خاص عمر کے حصے میں ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ انھیں کسی پل چین نہیں آتا۔ ان کی تسلی نہ مسجد سے ہوتی ہے نہ منبر سے، نہ کتابوں سے، نہ فلسفوں سے، نہ دنیا سے، نہ اس کی خوبصورتی وکشش سے، نہ عزت ومقام سے، نہ عیش وآرام سے، حتیٰ کہ آسمانی کتابوں سے حقیقت کی کھوج کے لیے دن رات ان کا مطالعہ کرتے ان کے قیمتی، نایاب اور مبہم نکات میں اترتے اور غور کرتے ہیں بہت کم ہیں جو وہاں سے کوئی حقیقت کی راہ پا لیتے ہیں، ورنہ زیادہ تر الہامی کتب کے بین السطور کو یا تہوں میں جو اسرار ہیں، انھیں نہیں سمجھ سکتے اور جنگلوں، ویرانوں، پہاڑوں، صحراؤں میں نکل جاتے ہیں، گیان ودھیان لگاتے ہیں، کچھ پاگل ہو جاتے ہیں، کچھ پیروں فقیروں کے پاس بھٹکتے پھرتے ہیں اور بہت کم ہیں جنہیں ان سب راہوں میں سے کسی راہ پر حقیقت کے نشان یا نشانِ منزل مل جاتے ہیں لیکن ان کی کوششیں سراہتے ہوئے اللہ پاک انھیں بڑا اجر دیتا ہے کیونکہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کے عشق ومحبت میں بھول جاتے ہیں۔ بہر حال شریعت تو الہامی کتب سے مل جاتی ہے لیکن طریقت جو اصل میں روحانیت کا دروازہ ہے آپ اس حواس خمسہ کی دنیا میں رہتے ہوئے جب اسے پانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے الہامی کتب سے تقویٰ کی دولت لینے کے ساتھ ساتھ جس نبیؑ پر وہ خاص کتاب آسمانی نازل ہوئی ان کے ساتھ قلبی تعلق، محبت بلکہ بے پناہ محبت وعقیدت کی ضرورت ہے۔ کسی نبیؑ محترم کی امت (Believers) کے لوگوں کے دل روحانی طور پر ایک خاص تعلق میں بالخصوص بندھے ہوتے ہیں (ویسے تو کل خلق خدا ہی ایک عالم گیر خدائی روح میں تسبیح کے دانوں کی طرح پروئی ہوئی ہے اور ان کے درمیان تعلق کے لیے کھڑکیاں ہیں)۔ پھر ان نبی مکرمؐ کی امت کے اولیاء اللہ قلب نبیؐ سے بحکم خدا نور حقیقت پا کر اپنے قلوب کو منور کیے ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنے نبی پاکؐ سے خصوصی محبت وعشق انھیں روحانی وحقیقی منازل طے کرواتا ہے۔ اکثر لوگ درمیان کی کڑی تلاش کرتے ہیں، کوئی کامل ولی اللہ ڈھونڈتے ہیں اس کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں یعنی ان سے قلبی روحانی تعلق پیدا کرتے ہیں ان سے شدید محبت وعقیدت رکھتے ہیں وہاں سے زبانی طور پر اور بالخصوص روحانی طور پر فیض حاصل کرتے ہیں تب ان کے دل کے دروازے روح کی دنیا ان پر عیاں ہونا شروع ہوتی ہے۔ کچھ اللہ کے فقیر اللہ کے عاشق براہ راست اللہ سے اتنا عشق کرتے ہیں کہ بالآخر براہ راست اپنی روح کے رستے اپنے اندر کی دنیا کو بفضل تعالیٰ فتح کر لیتے ہیں۔ بسا اوقات اس طرح کے فقراء کا بھی ایک سلسلہ چل پڑتا ہے۔ جو ایک کے بعد دوسرا پھر متعدد لوگ اس سے فیض پاتے اور حقیقت کی دنیا میں اپنی روح میں اتر کر اس کے عجائبات سے بغلگیر ہو جاتے ہیں۔ ان کی بود و باش، ان کی خوراک وپوشاک، ان کی زندگی کے شب وروز نہایت فقیرانہ، عاجزانہ اور مادی دنیا سے باغیانہ ہوتے ہیں۔ ان کا نفس من وتو کے سوا کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔

پس یہ ہے روح کی دنیا، یہ ہیں روح کی دنیا کے مسافر، حقیقت کے سوار، جس طرح سے ذرا سے دہی سے دودھ کو

Marfat.com

''جاگ'' لگ جاتی ہے اور وہ بھی دہی بن جاتا ہے اسی طرح سے ان فقراء ان اولیاء اللہ سے ان کی نگاہ سے ان کے قلب سے، ان کی روح سے دوسرے ''جاگ'' حاصل کرتے ہیں ورنہ دودھ کڑھ کڑھ کر جتنا خالص ہوتا جائے سرخ ہوتا جائے، خوشبودار ہوتا جائے بن ''جاگ'' کے رہتا دودھ ہی ہے اسی طرح بے پناہ تقویٰ اختیار کرنے سے آپ خالص دودھ تو بن جاتے ہیں جو بذات خود بھی بڑی قیمت رکھتا ہے اور روز حشر بڑی کامیابی ہے لیکن بن ''دہی کی جاگ کے'' دہی نہیں بن سکتا، بن کسی فقیر راہ اللہ، بن کسی ولی اللہ کے جس نے روح کی دنیا فتح کی ہو۔ بن اس کی قلبی نگاہ واثر کے روح کی دنیا میں داخل ہونا محال ہے۔ ویسے لاکھوں میں ایک ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اللہ پاک سے ایسا عشق کمائے کہ اس کا دودھ بحکم ''کن فیکون'' دہی بن جائے۔ پس اللہ سے اندھا عشق کرنے والے اور ان کی دنیا ہی اور ہے وہ روح کے سفر میں کس مقام پر ہیں یہ کچھ تو کوئی کامل ولی جانتا ہے جو اس سے بھی بڑے مقام پر ہو ورنہ تو رب ہی جانتا ہے کہ کوئی کہاں کھڑا ہے۔ ہم باتوں باتوں میں بڑے آگے نکل گئے ہیں، چلیے رستہ ڈھونڈتے ہیں۔

ہم نے بات یہاں سے شروع کی تھی کہ انسان کے اندر ہی سب کچھ ہے پیچھے ہم نے طویل بحث کی کہ کس طرح آدمؑ جنت سے نکلے۔ جنتی حواس کیا تھے اور زوال کے بعد زمینی حواس خمسہ کیا ہیں۔ انسان کے اندر ہی شیطان، فرشتے، جنت دوزخ، عرش و کرسی فیڈ ہیں۔ جب سب کچھ روح میں فیڈ ہے تو پھر تمام جہاں، تمام دنیائیں، تمام زمان و مکان بھی تو انسان کے اندر ہی فیڈ ہوئے۔ گویا کہ جس طرح TV channel کی ذرا سی ٹیوننگ کرنے سے چینل بدل جاتا ہے اس طرح سے روحانی ٹیوننگ کرنے سے روحانی channel بدل جاتا ہے زمان و مکاں بدل جاتے ہیں۔ اس بات کو آپ ایک مثال سے سمجھیں۔

تمثیل: کوئی فقیر (ولی اللہ) تھا ایک اس کا بالکہ (مرید) بڑا تابعداری کرتا تھا بڑا خدمت گزار تھا اور فقر کا طالب تھا۔ اسی طرح خدمت مرشد میں کئی ماہ وسال گزر گئے لیکن مرشد کی جانب سے اسے ابھی تک کچھ حاصل نہ ہوا تھا شاید ابھی اس کی تربیت میں کچھ کمی تھی لیکن وہ کبھی کبھی بے صبرا ہو جاتا اور مرشد سے تقاضہ کرتا کہ کچھ عطا فرمائیں۔ (فقر کی راہ میں یاد رہے کہ انتظار ہی انتظار ہے تقاضہ نہیں ہے اور بے صبری زہر ہے)۔ مُرشد بہت بُردبار تھے وہ اسے ٹال دیتے، ایک دن جب اس بالکے اس مرید نے انھیں تنگ کیا تو وہ کسی دریا کے کنارے سے گزر رہے تھے انہوں نے کہا کہ جاؤ گرمی بہت ہے تھوڑا نہالو میں یہاں دریا کے کنارے تھوڑا آرام کرتا ہوں۔ مرشد کا حکم تھا وہ کپڑے دریا کنارے رکھ کر نہانے کے لیے دریا میں اتر گیا۔ جب پہلی ہی ڈبکی لگا کر سر باہر نکالا تو کیا دیکھتا ہے کہ سرتاپاؤں عورت بن چکا ہے شکل وصورت اور عمر بدل گئی ہے بلکہ کوئی اور ہی ملک ہے اور ہی جگہ ہے۔ دیکھتا ہے کہ دریا کنارے کچھ عورتیں کپڑے دھو رہی ہیں اور اسے بلا رہی ہیں کہ دیر نہ کرو جلدی کرو گھر جانا ہے وہ شدید حیرت و پریشانی کے عالم میں باہر نکلتا اور شش و پنج میں اپنے کپڑے ہی پہنتا ہے کہ ایک دیوہیکل

Marfat.com

مؤ چھندر مرد دُور سے اسے برا بھلا کہتا اور کوستا ہوا آ رہا ہے۔ دوسری عورتیں اسے آتا دیکھ کر کہتی ہیں اس کا مرد آ رہا ہے لگتا ہے غصے میں ہے چلو ہم تو چلیں وہ اپنا سامان سمیٹ کر چلتی بنتی ہیں۔ وہ مرد جو اس کا خاوند ہے آتے ہی اسے دو چار ہاتھ جڑتا ہے اور کہتا ہے گھر بچے بھوک سے رو رہے ہیں اور تم کھانا بھی بنا کر نہیں آئی تمہیں کپڑے دھونے کے سوا کچھ آتا بھی ہے۔ یہ کہہ کر اسے بازو سے پکڑ گھر لیجاتا ہے وہاں واقعی تین بچے اماں اماں کہہ کر اس سے لپٹ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک شیر خوار بچہ اس کی گود میں گھس کر دودھ مانگتا ہے وہ باوجود شدید حیرت کے اسے خاوند کے ڈر سے اٹھا کر دودھ پلانے لگتی ہے (اب وہ مُرید ایک عورت ہے) حیرت ہے کہ اس کی چھاتیوں سے بچے والی عورت کی طرح دودھ بھی جاری ہے۔ خیر جب وہ حیرت سے باہر آتی ہے تو چیخ چیخ کر اپنی کہانی اپنی بیتا سب کو سناتی ہے۔ اپنا گاؤں اپنا دیس بتلاتی ہے، اپنے مُرشد کا بتلاتی ہے۔ لیکن کوئی یقین نہیں کرتا یہ بھلا یقین کی بات ہی کب ہے وہ وہاں رہنا شروع کر دیتی ہے وہاں وہ اپنے نئے ماں باپ، بہن بھائیوں سے سہیلیوں سے سب رشتہ داروں سے ملتی ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوئی، جہاں اس نے بچپن گزارا، جہاں وہ بیاہی گئی سب گلیاں سب رستے سب لوگ، بچہ بچہ گواہی دیتا ہے کہ حقیقت یہی ہے اور جو اول فول وہ بکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یاداشت چلی گئی ہے یا پھر جن بھوت نے قبضہ کر رکھا ہے کئی دن و مہینے وہ دماغ کھپاتی، روتی، چلاتی اور فریاد کرتی ہے لیکن بیکار، بلکہ اس کے علاج کے لیے جن بھوت نکالنے والے پیشہ ور (اصلی نہیں بلکہ نقلی عامل چونکہ اکثر عامل نقلی ہی ہوتے ہیں اصل بہت کم ہیں جو ولی اللہ ہیں) عامل بلائے جاتے ہیں جو جنّوں کے سائے کی تصدیق کر دیتے ہیں اور اسے خوب دھونیاں دیتے ہیں اور جنّ کو دھمکاتے ہیں کہ نکل جاورنہ مار کھائے گا وہ واسطے ڈالتی ہے کہ میں تو وہ بندہ وہ عورت نہیں ہوں جو آپ کہتے ہیں۔ تب اسے بے دردی سے تھپڑوں، گھونسوں اور ڈنڈوں سے اتنا پیٹا جاتا ہے کہ وہ توبہ تائب ہو جاتی ہے اور مان جاتی ہے کہ وہ اب وہی عورت ہے جس کا وہ لوگ کہہ رہے ہیں، جن نکل کر بھاگ گیا ہے۔ اس کے بعد اسکی وہاں پر پُرسکون معمول کی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ سب کچھ قدرت کا لکھا سمجھ کر مان جاتی ہے وہاں مزید کئی سال رہتی ہے۔ اسی خاوند سے اس کے تین بچے اور پیدا ہوتے ہیں وہ اب ایک اچھی گرہستن خاتون بن چکی ہے اس سے اس کا خاوند، اس کے بچے اور سب عزیز واقارب بڑے خوش ہیں کہ وہ ایک دن پھر اپنے سب سے چھوٹے دودھ والے شیر خوار بچے کو اٹھائے محلے کی عورتوں کے ساتھ دریا کنارے کپڑے دھونے جاتی ہے، جہاں وہ اب تک سینکڑوں بار جا چکی ہے۔ کپڑے دھونے کے بعد عورتیں خود بھی نہایا کرتی تھیں وہ بھی نہانے کے لیے کپڑے اتار کر دریا میں گھستی ہے، گرمی بڑی ہے دھوپ تیز ہے وہ ٹھنڈے پانی کو ہاتھ سے اچھال اچھال کر سر پر ڈال رہی ہے آنکھیں بند ہیں دوسری عورتوں کو چلاّ چلاّ کر کہہ رہی ہے میرے بچے کا ذرا خیال کرنا بس میں دو منٹ میں نکلتی ہوں، ہتھیلیوں سے آنکھوں پر سے پانی صاف کرتی ہے اور آنکھیں کھول دیتی ہے، دیکھتی ہے کہ وہ تو وہی بالکہ، وہی مرید ہے وہ مرد بن گئی ہے کہ جو وہ اصل تھی اور دوبارہ زمان ومکاں بدل گئے ہیں۔ وہ ایک دم سے

Marfat.com

بھاگتا دوڑتا باہر نکلتا ہے اور مرشد کے پاؤں پر گر کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا ہے مرشد کہتا ہے ارے تم ابھی تو گئے ہو کچھ تو دیر نہالو ابھی تو میں لیٹا بھی نہیں ہوں۔ وہ دیکھتا ہے کہ وقت تو ذرا نہیں تبدیل ہوا سورج وہیں کھڑا ہے بالکل وہی وقت ہے جیسا کہ محض اس نے دریا میں گھس کر ایک ڈبکی ہی لگائی ہو۔ وہ ایک مرتبہ پھر حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور مرشد کے پاؤں سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھتا ہے مرشد ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے۔ اس دن کے بعد اس نے مرشد کے ساتھ تمام عمر گزار دی لیکن کبھی مرشد سے سوال کے لیے ہونٹ نہیں کھولے ہاں ایک وقت آیا کہ دھیرے دھیرے مرشد کے دل سے اس کے دل میں، مرشد کی نگاہ سے اس کے قلب کی دنیا میں عجیب تبدیلی آنے لگی اور عجائبات کے در کھلنے لگے لیکن تب تک وہ بھی مرشد کی طرح حقیقت کی بے پناہ حیرت ناک سچائیوں کو خاموشی سے اندر جذب کرنا سیکھ چکا تھا۔ اس کی روح اب عالمگیر روح کے سفر پر گامزن تھی اس نے مرشد کی نگاہ سے اللہ کے فضل سے اپنے اندر ہی سے سب کچھ پانا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ عالمگیر روح کا حصہ تھا۔ اِس سے یہ مراد نہ لی جائے کہ وہ خدا کا نعوذ باللہ حصہ بن گیا۔ خدا تو وحدہٗ لاشریک ہے۔ کوئی بھلا اس کا حصہ تو درکنار اس کے اتنا قریب بھی نہیں جا سکتا ہے کہ اسے دیکھ سکے۔ ہاں اس کی مثال یوں ہے کہ جس طرح سورج سے چارسُو روشنی یا نور (یہ مجازی نور ہے) پھیل رہا ہے اور ہر شے اس سے روشنی و حرارت حاصل کر کے زندگی کے روپ میں ڈھل رہی ہے۔ سورج کی کرنیں گو کہ سورج نہیں ہیں لیکن اس سے جدا بھی نہیں ہیں۔ یوں تمام کائنات، تمام جہان، تمام دنیائیں اور تمام اقسام کے زمین و آسمان، زمان و مکاں اسی ذات واحد سے نور حاصل کر رہے ہیں اور اسی کے حکم سے اسی کے نور سے بنے ہیں ہر شے گو کہ اُس سے ہے مگر اس سے جدا بھی ہے۔ اُس ذات واحد کے قُرب کے فاصلوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جس نے جتنی کوشش کی جتنا عشق کیا منزل کے ساتھ رب وحدہٗ لاشریک کے ساتھ وہ اتنا اس کے قُرب میں بڑھتا چلا گیا۔ کوئی کسی مقام تک گیا تو کوئی کسی دیگر مقام تک مگر یہ فاصلے نہ کبھی ختم ہو سکتے ہیں نہ ہوئے پھر بھی بے پناہ حیرت و تحیر کے سمندروں کو ان گنت انوکھے اور حسین انعامات کو انمول جواہرات کو لوگوں نے حسب توفیق پا لیا۔ فضل و رحمت اور قبولیت کے درجے رب کی جانب سے ہیں صرف اور صرف اس کے اختیار میں ہیں۔ البتہ کوشش و تلاش ایمان و یقین کے ساتھ ضروری ہے۔

پوری کائنات اللہ کی عالمگیر روح میں سمائی ہوئی ہے جو انسان میں بھی پھونکی گئی ہے:

ہم نے بات شروع کی تھی زمان و مکان کے بدلنے کی، حواس کی تبدیلی سے دنیاؤں کی تبدیلی کی، جہانوں کی تبدیلی کی اور اجناس کی تبدیلی کی کہ کس طرح سے حواس کی نئی ٹیوننگ چشم زدن میں، پلک جھپکتے ہو سکتی ہے۔ اب آگے چلیے۔ ہم نے جان لیا کہ اللہ پاک کی تمام دنیائیں، جہان، علوم و فنون، مخلوقات، شیطان، فرشتے، جنت و دوزخ، سب کا سب ہماری روح میں فیڈ ہے کیونکہ یہ اللہ کی جانب سے پھونکی گئی ہے۔ اس لیے یہ اللہ کی اپنی روح ہے جو ہر ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ ہر

Marfat.com

شے گو کہ کثرت ہے لیکن روح کے اعتبار سے باوجود انفرادیت شناخت رکھنے کے، تشخص رکھنے کے مجموعی اعتبار سے ایک ہی ہے۔ اس سب کا منبع ومحور اللہ پاک کی عالمگیر روح ہی ہے۔ جس کی وحدانیت کی وضاحت میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ روح میں تمام زمان ومکان جذب ہیں۔ ہر شے کو باہر نہیں بلکہ اپنے اندر تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کے ہر طرح کے فرشتے، شیطان، جنت ودوزخ اور عرش وکرسی انسان کی روح کے اندر بلکہ ہر شے کی روح کے اندر موجود ہیں۔ چونکہ انسان میں روح ترقی یافتہ شکل میں ہے یعنی روح انسانی اس قابل ہے کہ غور وفکر اور عطائے خداوندی سے رازوں کو سمجھے اور پردہ اٹھائے اس لیے انسانی روح کی قدر وقیمت زیادہ ہے (انسان کی روح سے زیادہ یعنی انسان سے زیادہ بہتر مخلوقات بھی بمطابق قرآن مجید موجود ہیں لیکن ہم ان سے واقف نہیں ہیں)۔ اب علم کے حصول کے دو طرح کے راستے ہیں ایک 'بیرونی' دوسرا 'اندرونی یا روحانی'۔

بیرونی علمی راستہ:

یہ راستہ صدیوں کے تجربات وواقعات اور سوچ وبچار نیز غور وفکر سے ایجاد ودریافت کا رستہ ہے اس سے حاصل شدہ مواد مختلف زمانوں میں اس زمانہ میں دستیاب طریق سے محفوظ کیا جاتا رہا۔ ماضی قریب میں کتب میں محفوظ کیا جانے لگا۔ گویا کہ یہ مجازی کتابی علم کا رستہ ہے اور اس مادی دنیا کے بے شمار علوم وفنون اور سائنسوں sciences پر مبنی ہے جس پر آج ہماری تہذیبی وسائنسی ترقی کی بظاہر شاندار عمارت کھڑی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس طرح انسان نے بڑی محیّر العقول ترقی کی ہے لیکن یہ تمام ترقی سخت نقصان دہ ہے۔ کس کے لیے؟ زمین پر زندگی کی بقاء کے لیے! کیونکہ تمام ترقی انسان نے اپنے مفاد عاجلہ کے لیے نفس پرستی اور عیش کوشی کے زاویۂ نگاہ سے کی ہے۔ اصل میں انسان کی اس ترقی نے نہ صرف انسانی بلکہ زمین و سمندر میں ہر طرح کی حیات کو سخت خطرات لاحق کر دیے ہیں۔ انسان نے جو بے جان مشینوں کارخانوں اور انڈسٹریز وغیرہ سے ترقی حاصل کی ہے اس کی وجہ سے آج خود سائنس دان، ماہرین ماحولیات، ماہرین حیاتیات، ماہرین سمندری حیات، ماہرین خلاء وغیرہ وغیرہ چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ انسان نے اپنی موت کا بلکہ تمام ذی حیات مخلوقات کی موت کا انتظام کر لیا ہے۔ ہزار طرح کا کیمیائی فضلہ چاہے وہ گیس کی شکل میں ہے چاہے مائع کی شکل میں یا پھر ٹھوس صورت میں وہ اس زمین پر نہایت تیزی سے فضائی آلودگی، سمندری آلودگی، دریاؤں اور ندی نالوں میں کیمیائی فضلہ جات کے مکس ہونے کی بنا پر آلودگی، سو طرح کی برقی اور کئی قسم کی نقصان دہ waves یا rays کی آلودگی، بے شمار اقسام کے کیمیائی فضلہ جات زمین میں دفن کرنے کی بنا پر آلودگی، ایٹمی فضلہ جات، کیمیائی ہتھیاروں، کیمیائی گیسوں کے ذخیرے، ہائیڈروجن بم و نیپام بم کی گیس جانے کیا کیا کچھ ہے جو سرعت سے پھیل رہا ہے اور زمین پر زندگی کے امکانات کو دن بہ دن گھٹاتا جا رہا ہے۔ کیا یہ ترقی ہے؟ کیا اسے ترقی کہتے ہیں؟ قدرت نے بے شمار رنگ برنگ کی کائنات پیدا کی ہے خالی اس زمین پر ہی دیکھ لیں ان گنت قسم

Marfat.com

کے حشرات الارض ہیں، پرندے ہیں، درندے و چرندے ہیں پھر سمندری حیات کا شمار نہیں، پھر مائیکرو بائیولوجی کے بے شمار تحیّرات ہیں۔ زمین و آسمان کے درمیان تا حدِ نگاہ عجیب وغریب اقسام کی سائنسز کام کر رہی ہیں۔ زمین کے اندر کیا کیا کچھ ہے، پہاڑوں کی اپنی داستان ہے، صحرا اپنے افسانے بیان کرتے ہیں، جنگلات کی اپنی ایک دنیا ہے۔ نہ صرف بے حد و انداز قسم کا پیچیدہ اور تہہ در تہہ لائف سائیکل ہے یا لائف سائیکلز ہیں بلکہ ساتھ ساتھ نئی انواع و اقسام کے جاندار، نباتات و حیوانات وائرس و خوردبینی حیات و سمندری حیات کی تبدیلیاں رونما ہوتی جا رہی ہیں لیکن کہیں بھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہے ہر شے دوسری کی مددگار ہے dependent ہے بلکہ دوسرے کی حیات و بقاء کا باعث ہے یہ ہوتی ہے ترقی جو قدرت کر رہی ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اس طرح کی ترقی کریں۔ جس سے کوئی نقصان نہ ہو بلکہ صرف فائدہ ہو۔ بہر حال یہ ہے بیرونی علم جو صرف مادے سے بحث کرتا ہے۔ صرف مادیت پیدا کرتا ہے اور بے شک یہ انسانی حیات کے لیے جائز اور ضروری حاجات کا انتظام تو کرتا ہے اور تسخیر کائنات میں حصہ بھی لیتا ہے جس میں ہمارے سائنس دانوں نے زبردست کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں جو بہت لائق تحسین ہیں۔ (گو کہ اس ترقی کی قیمت بھیانک تباہی ہے) لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہمیں عیش و عشرت اور نفس پرستی جو کہ مادی زندگی کی بگڑی ہوئی شیطانی شکل ہے بھی سکھاتا ہے جہاں سے شیطان در آ کر انسان کے دونوں جہانوں میں زوال کا باعث بنتا ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن پاک یا جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے اپنی الہامی کتابوں کے مطابق اپنے روحانی علم کے مطابق اور خدائی ہدایت کے مطابق مادی و بیرونی علم کے معاملہ میں رہنمائی حاصل کریں تا کہ اعتدال کے ساتھ ٹھیک سمت تعمیری ترقی ہو جو تمام بنی نوع انسان و دیگر حیات کے لیے بقاء کا باعث ہے۔ (واضح رہے کہ بیرونی علم بھی گو حواس خمسہ کا حاصل کردہ ہے تاہم ایجادات و دریافت اندر ہی سے باہر آتے ہیں)۔

اندرونی علمی رستہ:

اندرونی علمی رستے کے در رُوح کے کھوجنے سے کھلتے ہیں۔ اس کے لوازمات مادی زندگی کی ضد ہیں جب آدمؑ کو نیچے اترنے کا حکم ہوا تو یہ مادی زندگی کے گنجلکوں ہی میں اترنا تھا۔

جنت سے نیچے اترنا، یہ مادی رستہ عمودی ہے:

''اے آدمؑ جنت سے نیچے اُتر جاؤ'' یہ اللہ کا فرمان ہے یہ نیچے اُوپر کا معاملہ اونچائی یا گہرائی کا نہیں ہے بلکہ مقام و مرتبے، ساخت و حقیقت کے اعتبار سے ہے جنت کی اعلیٰ زندگی جنت کے اعلیٰ حواس سے عبارت ہے اور حواس خمسہ کی زمینی حیات پست مادی حیات ہے۔ ہر دو کی خوراکوں میں غذائیں بھی اسی نسبت سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ اسی لیے تو اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ''انسان کو ہم نے احسن تقویم بنا کر اسفل السافلین حالتوں کی جانب پھیر دیا''۔ اور فرمایا کہ اب وہاں سے میری ہدایات کی روشنی میں عروج کا سفر طے کرو، مادی زندگی کے لنگوٹ میں رہتے ہوئے کامیابی حاصل کرو۔ اپنی گمگشتہ جنت میں

Marfat.com

لوٹ آؤ۔ جو سبقت لے جانے والے ہیں وہ مادی زندگی میں بھی تقویٰ کی بنیاد پر سبقت لے جائیں اور اپنے اندر جھانک کر روحانی سفر میں بھی سبقت لے جائیں۔

بہر حال اندرونی علمی رستہ سے سب سے افضل انبیاءؑ و رسلؑ ہیں جن پر اللہ پاک کی جانب سے اُم الکتاب سے وحی اترتی ہے۔ بڑے کڑے پہروں میں۔ اس وحی الٰہی میں کچھ شے شیطان کی جانب سے نہیں ملائی جا سکتی، دوسرے یہ خلق خدا کی ہدایت کے لیے ایک خدائی پروگرام ہے۔ نبیوں کو اللہ اپنے لاکھوں، کروڑوں بندوں میں اور ان ہزاروں بندوں میں سے پھر ان سینکڑوں پھر ان درجنوں اور آخر میں گنتی کے چند بندوں میں سے منتخب فرماتا ہے۔ درجہ بہ درجہ چھانٹی کرتے کرتے کہ جو اس کے قرب خاص کے سزاوار ہوتے ہیں یہ اللہ پاک کے منتخب لوگ ہیں۔ پسندیدہ لوگ ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے، اللہ ان کے جنم و انتقال پر رحمت و برکت اور سلامتی بھیجتا ہے۔ تاہم اللہ کے ایک بندے المعروف حضرت خضرؑ کے قرآنی واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبروں کے زمانہ پیغمبری میں بھی اور شاید اس کے علاوہ بھی کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو مقام و علم کے لحاظ سے ان سے بلند ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے"۔ (ظاہر ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے)۔ اس طرح سے ثابت ہوا کہ ایک شے ہے لوگوں کی ہدایت کے لیے کسی کو چننا بطور پیغامبر جس میں اس کٹھن ترین اور جان جوکھوں کے کام کی صلاحیت ودیعت ہو۔ وہ ہوتے ہیں نبیؑ و رسولؑ اور ایک شے ہے محض علم و مقام کسی کے شخصی انتخاب، مجاہدے، روحانی ریاضت اور عجیب عشق کی بنا پر وہ الگ چیز ہے۔ حضرت خضرؑ کے واقعہ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر الذکر کا مقام و علم ان سے زیادہ ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ کے خزانوں میں تو بڑے بڑے عجائبات ہیں۔ جن کے عشر عشیر کا بھی ہمیں علم نہیں ہے۔ تو بہر حال پہلا طبقہ نبیوں و رسولوںؑ کا جو اللہ پاک سے محفوظ ترین وحی برائے دیگر افراد زمانہ پاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی قسم کے عہدے دار ہیں جو اللہ پاک سے براہ راست احکامات پاتے ہیں۔ ان کی کائنات میں جانے کیا کیا ڈیوٹیاں ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے جسموں کی کیا حقیقت ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ مادی حقیقت محض پردہ ہو گی اصل حقیقت روحانی یا نورانی ہو گی۔ اب باقی لوگوں کی جانب آئیں تو عظیم محرم راز ہیں، یہ اندرونی علم روح کی دنیا ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا وہ سمندر ہے کہ جس کو لکھنے کے لیے سات سمندر سیاہی بن جائیں اور دنیا جہاں کے تمام درخت قلم بن جائیں نیز اتنے اور بھی آ جائیں تو بھی اس کا احاطہ ناممکن ہے۔ اللہ کی آیات اس کی نشانیات، قدرتیں، عجائبات، تخلیقات، نوادرات اور شاہکار ختم نہیں ہوتے۔ جس طرح اللہ کی ذات لامحدود ہے اسی طرح یہ بھی لامحدود ہے۔ یہاں مادی پیمانوں یا حواس خمسہ کی مقداروں اور عقل کے معیاروں کا کوئی کام نہیں۔

اب حواس کے چینل یا دنیا تبدیل ہونے کا روحانی فلسفہ تو ہم پچھلے صفحات پر کافی حد تک سمجھ چکے ہیں۔ اسے آگے بڑھاتے ہوئے یوں سمجھ لیں کہ آپ ترقی کی جس اعلیٰ سے اعلیٰ منزل پر ہوں گے اتنے ہی آپ آنکھ جھپکنے کی دیر میں نئے سے

Marfat.com

نئے چینل، نئی سے نئی دنیا میں پہنچتے جائیں گے۔آپ آنکھیں جھپک جھپک کر تھک جائیں گے دنیا ئیں ختم نہیں ہونگی، زمان و مکان ختم نہ ہونگے۔آپ روز ازل تا روز ابد گھوم سکتے ہیں۔آپ ہر نوع میں خود کو بدل سکتے ہیں اس کی محسوسات، اس کی بولیوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ بلکہ شجر و حجر، پہاڑ و گلستان، صحرا اور ریگستان، سمندر و دریا، آندھی و طوفان، بارش و ہوا، آگ و پانی، بیماری و آفت، آنسوؤں اور قہقہوں ہر کسی ذرہ ذرہ کی زبان، ہر جاندار و بے جان کی زبان و حقیقت نہ صرف سمجھ سکتے ہیں بلکہ مخاطب ہو سکتے، حکم اگر اذن الٰہی ہو منوا سکتے ہیں۔لیکن اپنے روحانی ترقی کے حساب سے اپنے درجے کے مطابق۔فہم و عقل سے ماوراء بے شمار مخلوقات سے زمین پر اور دیگر سیاروں، کائناتی کرّوں پر ملاقات ہو سکتی ہے۔ بلکہ دیگر جہانوں کے عجائبات معلوم ہو سکتے ہیں۔ایک وقت میں اسی زمین پر اسی آسمان کے نیچے دیگر آبادیوں سے ملاقات ہو سکتی ہے یہ جو الف لیلوی داستیں ہیں، mystries ہیں، طلسمات کے قصے کہانیاں ہیں، جادو سے متعلق بنی ہوئی کہانیاں، داستانیں، فلمیں ڈرامے ہیں یہ محض جھوٹ نہیں ہے یہ ماضی کے شاندار علم ہیں، ماضی میں بھی انسان بڑی بڑی حیرت ناک ترقیاں کر چکا ہے۔آج کی سائنس کی ترقی اس کی دھول کو بھی نہیں چھو سکتی بلکہ تخیل میں بھی نہیں لا سکتی کہ وہ کیا کچھ تھا۔لیکن انسان کے نفس میں فیڈ شیطان کی کارستانیوں کی بنا پر بار بار کئی دنیائیں، ہزاروں دنیائیں، ہزاروں ترقیاں تباہ و برباد ہو چکی ہیں انسان کے علاوہ اور مخلوقات کی بھی ورطہ حیرت میں ڈالنے والی ترقیاں ہیں جن کا 99% لوگوں کو کچھ علم نہیں ہے ان میں بھی عروج و زوال اور حدود سے تجاوز نے اپنے انجام پیدا کیے ہیں۔ یہ جو محرم راز لوگ ہیں چپ چاپ مشاہدات میں مصروف رہتے مگر زبان نہیں کھولتے ہیں۔ہماری انسانوں کی دنیا یا زمین کی پانچ حواس کی دنیا تو کنویں میں مینڈک کی مانند ہے۔یہ روح کے مقابل ہیچ تر ہے۔اصل دنیا روح کی دنیا ہے۔

سر سید احمد خانؒ کے مکتبۂ فکر نے فرشتوں کو انسان کے اندر کی مختلف طاقتوں کا نام دیا ہے اور شیطان کو انسان کے سرکش جذبات قرار دیا ہے۔ میں اس میں یہ اضافہ کروں کہ یہ جذبات و خیالات، خیر و شر کی طاقتوں یعنی فرشتوں اور شیطان کا مرکز گو کہ انسانی روح ہی ہے لیکن یہ محض خیالات و محسوسات نہیں ہیں بلکہ باقاعدہ مخلوقات ہیں۔ جو فرشتوں اور شیطان کے روپ میں ہماری روح تک دسترس رکھتے اور کردار ادا کرتے ہیں۔روح تک دسترس کیا رکھتے ہیں بلکہ روح کا حصہ ہیں۔ یہ سب طاقتیں عالمگیر کائناتی روح کا حصہ ہیں۔ ہمارے ہر فرد کی روح بھی چونکہ اس عالمگیر روح کا حصہ ہے اس سے نتھی ہے اس لیے جس طرح ہر گھر میں انٹرنیٹ کمپیوٹر کمیونیکیشن کا نظام آج کل کام کر رہا ہے جس سے دنیا بھر کا نہ صرف رابطہ ہے بلکہ دنیا بھر کے علوم و فنون، معلومات اور کرنٹ افیئرز اس میں فیڈ ہیں۔ہم محض اسے آن کر کے اور اپنی انگلیوں کو حرکت دے کر اس سب کچھ تک لمحہ بھر میں پہنچ سکتے ہیں۔اس سے قدرے ملتی جلتی شے روح کا عظیم تر اور سپر ترین کمپیوٹر ہے۔ یہ ایسا کمپیوٹر ہے جو ایک سمندر ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔اس سمندر میں پیراکی کے لیے، سفر کے لیے اس کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے کے

Marfat.com

لیے بڑی مہارت و ریاضت کی ضرورت ہے یہ مہارت و ریاضت کثافت سے لطافت کی جانب سفر کرتے ہوئے اپنی قوت میں اضافہ کرتی جاتی ہے بلکہ ساخت میں بھی تبدیلی لاتی جاتی ہے جو روحانی علوم جسم کو معتدل اور آئیڈیل قسم کی مادی توانائی پہنچا کر یعنی اچھی مادی انسانی صحت کے ساتھ حاصل کیے جاتے ہیں وہ اس میدان میں گو کہ زبردست نتائج رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ کہیں کم تر ہیں ان روحانی علوم سے جو مادی کثافت سے لطافت کی جانب سفر کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں۔ کثیف روحانی علوم میں شیطان کی دسترس موجود ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ہر شخص چاہے وہ متقی ہے یا غیر متقی، پرہیز گار ہے یا گناہگار یا شیطان کا ساتھی ہی کیوں نہ ہو سب حاصل کر سکتے ہیں۔ ان علوم میں ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، شمع بینی، مسمرازم، جادو، ٹونے، جنتر، منتر، تنتر، (صرف جو شیطانی ہیں کیونکہ یہ رحمانی بھی ہو سکتے ہیں جن کا تعلق قدیم آسمانی مذاہب سے ہے) سحر، تعویذ، گنڈے شیطانی قسم کے، عاملوں کے شیطانی عمل، شیطانی چلے، شیطانی طاقتوں سے منکرِ رب طاقتوں سے کام لینے کے بے شمار طریقے یا source اور منفی یوگا وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں جو خالص شیطانی علوم ہیں ان کے اندر شیطان کو یوں مانا جاتا ہے جیسے وہ ان کا خدا ہو یہ لوگ واقعی شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ اس طرح کے علوم و فنون سے مادی و دنیوی منفعت کے لیے وہ ہر گندے سے گندہ کام اور عمل کرتے ہیں جو آپ تصور بھی نہیں کر سکتے اور تھوڑی سی طبیعت میں صالحیت رکھنے والے شخص کو اس سے سخت گھن آتی ہے۔ ان علوم کے حصول کے لیے ہر وہ کام انھیں ترقی دیتا ہے جو شیطانی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے بس یہ آسمانی مذاہب کی، آسمانی کتابوں کی، قرآن پاک کی ضد ہے۔ ہر قرآنی تعلیم کو الٹ دیں تو یہ علوم بن جائیں گے مثلاً قرآن میں زنا سے، جھوٹ سے، جبر و زیادتی سے، فریب سے، دغا سے، ظلم سے، کسی کا حق کھانے سے، پلید رہنے سے، ہر طرح کی جسمانی و روحانی گندگی وغیرہ سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہی تعلیمات بائبل مقدس کی بھی ہیں تو ان شیطانی علوم کے حصول کے لیے ان سب تعلیمات کے الٹ عمل کیا جاتا ہے اور جن برائیوں سے منع فرمایا گیا ہے انھیں اختیار کیا جاتا ہے۔ چونکہ شیطان نام ہے ہر ہر طرح کی تخریب Negativity کا، فساد کا اس لیے تمام شیطانی علوم جو شیطانی طاقتوں کو زیر کرنے کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں ان میں آپ جتنے زیادہ جس قدر اور جس اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانے کے گناہگار ہوں گے، ظالم و قاہر ہونگے۔ بدکار ہونگے، اتنے ہی کامیاب ہونگے۔ کیونکہ جب انسان کثافت میں رہتے ہوئے اپنی روح کو اس قدر پست و پراگندہ کر لیتا ہے تو وہ اسی قدر زیادہ شیطان اور شیطانی طاقتوں کا مرکز و محور بننے کے قابل اور شیطانی برقیات کے گزرنے کا بہترین کنڈکٹر بن جاتا ہے پھر وہ ایسے شیطانی علوم کے اعلیٰ حصول کے لیے نہ صرف qualify کرتا ہے بلکہ بڑی ترقی کرتا ہے۔ مندرجہ بالا علوم جن میں یوگا، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، وغیرہ شامل ہیں یہ ازخود شیطانی علوم نہیں ہیں لیکن چونکہ کثیف سطح کے علوم ہیں۔ اس لیے ان میں شیطانی دسترس زیادہ ممکن ہے جب کہ ان سے تعمیری کام بھی لیے جاتے ہیں اور یہ انسانی فلاح و بہبود کے بھی کام آتے ہیں تاہم بہت سے لوگ انھیں اپنی منفی سرگرمیوں کے لیے بھی شیطانی مداخلت کی بنا پر استعمال کر سکتے

Marfat.com

ہیں اور کرتے ہیں۔تاہم باقی مذکورہ علوم ہیں ہی خالص شیطانی علوم۔بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو انسانی جسم ہے اس کو ڈیزائن ہی اس طرح کیا گیا ہے کہ مادے سے اس کا تعلق یوں ہے کہ اس کا خمیر ہی مادے یعنی مٹی سے اٹھایا گیا ہے کھنکھناتی ہوئی (بجتی ہوئی مٹی) مٹی سے یہ اچھی اور خالص مٹی ہوتی ہے۔مٹی کے گھڑے خریدنے والے جب ان کی پرکھ کرتے ہیں یا کسی بھی مٹی کے برتن کی پرکھ ہوتی ہے تو اسے بجا کر دیکھا جاتا ہے جو خوب کھنکھے ،ٹن ٹن بجے ،اس کی مٹی خوب خالص اجزاء والی ہوتی ہے اور اس میں کوئی رخنہ بھی نہیں ہوتا۔اسی مثال کی مانند بڑی خالص و اچھی مٹی ،اعلیٰ امکانات کی حامل مٹی سے انسان کو تخلیق کیا گیا اور اس کے بعد اس میں اللہ پاک نے اپنی روح پھونکی یا کہیں اپنی طرف کی روح پھونکی بات تقریباً ایک ہی ہے چونکہ انسان کا خمیر مٹی جیسے مادے سے اٹھا ہے اس لیے نہ صرف ہر مادی شے کی طرف بلکہ ہر اس مٹی کے جُزو کی طرف اس کی کشش زیادہ ہے۔ جو اس کے خمیر میں شامل ہے۔اب جب سب اشیائے مادہ اسی مٹی سے بنی ہیں تو اس لیے انسان جو اس مٹی کا خلاصہ ہے اپنے اصل کی جانب کشش رکھتا ہے۔ابلیس آگ کے لوکے یا لپک یا شعلے سے بنا ہے اس لیے یہ مٹی میں خوب سرایت کرتا ہے مٹی اس کی بہترین کنڈکٹر ہے اسی لیے تو جِن بھی انسان میں آسانی سے سرایت کر جاتا ہے چونکہ یہ شیطان کے خاندان سے ہے۔ایک طرف تو جس طرح کہ ہر شے عالمگیر روح کا حصہ ہے تو ابلیس اور اس کا سب خاندان سب فوج بھی اس عالمگیر روح کا حصہ ہے۔افقی سمت میں لیکن وہاں اتنی لطافت ہے کہ ابلیس کو جو کثافت درکار ہے اپنے اثر کے لیے وہ وہاں نہایت معمولی رہ جاتی ہے۔لہٰذا اس کا اثر بھی معمولی رہ جاتا ہے پھر اس سے اور اُوپر جائیں تو اب سخت پہرے ہیں وہاں ابلیس کا اثر نہیں پہنچتا، نہ اہل ابلیس وہاں سے کچھ لے سکتے ہیں، اگر کوشش کریں تو آگ کے گولے ان کا پیچھا کرتے انھیں بھسم کرتے یا بھگا دیتے ہیں۔سو شیطان کا اثر ایک حد تک روحانی دنیا میں ہے اس سے اُوپر پہرہ ہے۔یہ جو آپ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ فلاں ولی اللہ، فلاں فقیر، فلاں بے پناہ عبادت و ریاضت کرنے والا شخص اپنی کسی غلطی کی وجہ سے بڑے بلند روحانی مقامات یا منازل سے گرا ہے اور رد کر دیا گیا ہے، راندہ درگاہ الٰہی ہو گیا ہے جیسے ''بلعم باعور'' جو کہ موسیٰؑ کے زمانے کا بڑا پہنچا ہوا ولی اللہ تھا۔تاہم شیطان کی وہاں تک بھی دسترس تھی اسی لیے تو اس نے یہ جانتے ہوئے کہ حضرت موسیٰؑ اللہ پاک کے جیّد اور اونچی شان والے نبیؑ ہیں ان کے لیے اپنی قوم کے کچھ افراد کے اسرار پر بدعا کر دی شیطان یوں اسے بہکانے میں کامیاب ہوا۔اس نے بلعم باعور کے دل میں یہ کش مکش ڈالی کہ تم موسیٰؑ سے افضل ہو، زیادہ قربِ الٰہی میں ہو، یوں حسد کا، رقابت کا بیج بڑی معصومیت سے بویا۔سو وہ اعلیٰ پیمانے کا ولی اس کا شکار ہو گیا۔کیونکہ یہ اولیاء کا سفر روحانی بڑا طول طویل اور بڑا پر خطر ہوتا ہے اس میں جہاں اگلی راہیں ڈھونڈنا محال ہوتا ہے وہاں طرح طرح کے روپ میں شیطان بھی راستہ کاٹتا ہے یقین کریں کہ اس سفر پر چلنے والے سو لوگوں میں سے شاید ہی کوئی اکا دکا کامیاب ہوتے ہیں ورنہ اس راہ میں کوئی کس مقام پر اور کوئی کس مقام پر روحانی دوڑ سے شیطان کی وجہ سے باہر ہو جاتا ہے۔لیکن بہت آگے ایک حد ایسی شروع ہو جاتی ہے، لطافت کی

Marfat.com

جہاں شیطان اپنی خاصیت کھو دیتا ہے جہاں شیطان شیطان نہیں رہتا۔ رب رحیم کے قرب کی اس منزل تک پہنچ کر اولیاء اللہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتے ہیں اور اگر ٹھہرے رہیں تو ان کی مرضی ورنہ مزید آگے مزید قرُب کا سفر جاری رکھتے ہیں، جب تک جہاں تک رب چاہے ان کے پاس تقویٰ و عشق کا ایندھن ہو یہ سفر کرتے ہیں۔

یہ ہیں شیطان کی افقی حدود ان سے نیچے نیچے عمودی روحانی سمت میں آہستہ آہستہ کثافت بڑھتی جاتی ہے اور شیطان متحرک ہوتا جاتا ہے اس کا اثر ورسوخ بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ زمین پر آ کر یا مادے سے پیوند کھا کر، مادی اجسام کو پا کر تو یہ پورے action میں آجاتا ہے اور اس کا اختیار اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس مادی دنیا میں انسان مجبور محض ہے اور شیطان کا شکار ہونے پر مجبور ہے بلکہ انسان کو بھی اختیار ہے اب ایک طرف یہ مادی کشائش، چمک دمک اور دلفریبیوں کا دلدادہ ہو کر شیطان کا آسان شکار بنتا ہے تو دوسری جانب اس کی سانسیں جاری ہیں اس کا رابطہ ہاٹ لائن پر اللہ پاک سے بھی ممکن ہے اور جب تک جسم میں روح قید ہے رابطہ و تعلق تو روح سے روحانیت سے یوں ہے جیسے جسم و جاں کا تعلق ہے مرنے سے قبل ایک لحظہ کے لیے جدا یا دور نہیں ہے۔ اس لیے روح بھی اپنے تصرّفات رکھتی ہے، فرشتوں کے ذریعے ہر ہر لحہ نیک و ہدایت یافتہ سوجھ بوجھ سے مزیّن خیالات اس کے ذہن سے ہر لحہ گزرتے ہیں۔ اسے کشش تو ادھر بھی محسوس ہوتی ہے اور پھر اللہ کے نبیؑ شروع دن ہی سے زمینی حیات میں انسان کی رہنمائی کے لیے آتے رہے اور آسمانی تعلیمات یہاں چھوڑ کر جاتے رہے ہیں۔ ہر نبیؑ نے اپنے دور میں عملی طور پر ان ہدایات کے مطابق انسان کی تربیت واصلاح بھی کی ہے اس سلسلے کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں عالم دنیا پر ساڑھے چودہ سو سال پہلے ظاہر ہوئی تھی اور قرآن پاک جیسی محفوظ منجانب اللہ و بے مثل کتاب ہم تک نہ صرف پہنچائی بلکہ اب بھی ہم میں اصلی حالت میں موجود ہے۔ سو اب انسان کا کام ہے کہ وہ کس جانب جھکاؤ رکھتا ہے اپنے مفاد عاجلہ کو نفس پرستی کے طریق سے شیطانی ہدایات کی کشش میں اختیار کرتا ہے یا ایمان بالغیب کو بھی کچھ اہمیت دیتا ہے۔ یہاں معمہ ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے خود غائب میں رہ کر اپنے اوپر مکمل ایمان و یقین چاہتا ہے اس ایمان و یقین کی بڑی قدر ہے اللہ کے ہاں۔ ورنہ تو اگر اللہ پاک چاہیں تو بھلا کس طرح کوئی گمراہ ہو سکتا ہے۔ سب کے سب لوگ ایک پل میں ہدایت یافتہ ہو جائیں شیطان کا وجود ہی نہ رہے شیطان تو خود اللہ کی مخلوق، اس کے حکم کا پابند ہے۔ یہ جو اسے قیامت تک اپنی حکم عدولی کی بنا پر مہلت ملی ہوئی ہے اس میں بھی کوئی اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے بلکہ شاید بے پناہ حکمتیں پوشیدہ ہیں اور ہمیں تو بات اتنی ہی سمجھ آتی ہے کہ اللہ پاک انسان سے جو کہ اس کی بہترین تخلیقات میں سے ایک ہے۔ اس کے راستے میں ہزار رکاوٹیں، ہزار مصائب، ہزار بھول بھلیاں اور ہزاروں لاکھوں دیگر کششیں ڈال کر اسے آزمانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا تابعدار ہے جو آدمؑ نے جنت میں حکم عدولی کے بعد معافی مانگی اور وعدہ وعید کیے دعوے کیے وہ ان میں کہاں تک سچا ہے اور یہ کہ اس کے ایمان و عشق میں درجہ بہ درجہ کتنا دم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جب کوئی انسان کوئی مجازی

Marfat.com

دنیوی اعلیٰ کوالٹی کی شے دوسروں سے بڑھ کر تیار کر لیتا ہے تو اس کے معیار کو چیک کرنے کے لیے اسے مختلف قسم کے امتحانوں اور پیمانوں سے گزارتا ہے، پھر ایک پیمانہ ایسا آتا ہے کہ وہاں پر اس شے کا معیار معلوم ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی شے کسی خاص مضبوطی کے لیے جیسے کوئی رسہ بنایا جائے تو پھر کسی مشین سے اس پر طاقت لگائی جاتی ہے ظاہر ہے کسی نہ کسی حد پر پہنچ کر تو وہ ٹوٹ ہی جاتا ہے چاہے لوہے کا رسہ ہی کیوں نہ ہو تو اس امتحان کے بعد اس کی مضبوطی کو اعداد و شمار کے پیمانوں میں اس پر درج کر دیا جاتا ہے یہی حساب انسان کا ہے کہ وہ بے شمار طاقت کے مالک شیطان سے اس کی ہزار شکلوں اور فریب کاریوں سے خدا کی ہدایات کی روشنی میں کیسے بچتا ہے اور فی زمانہ سب سے محفوظ اور خالص اس کام کی Key Book قرآن ہے اگر آپ کے دائیں ہاتھ میں قرآن ہو یعنی صرف تھامنے کی حد تک نہیں بلکہ اس کی گہرائی میں اتر کر اس کی تعلیمات کو خود پڑھنے، سمجھنے اور پورے ایمان و یقین سے اس پر عمل کرنے کی حد تک تو شیطان آپ کا کبھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ شیطان کے ان گنت روپ اور ان گنت قسم کے وار ہیں آپ کو یہ بغیر قرآنی ہدایات کی تہہ میں اترے اپنے پنجے سے نکلنے نہیں دیتا۔ مجھے ایک مرتبہ اس نے یوں بہکانے کی کوشش کی خواب میں کہ میرے پاس بڑے پرہیزگار و دیندار باشرع، باریش اور مومنانہ و عالمانہ لباس میں آیا کہ بندہ دیکھتے ہی کہے یہ تو ہے ہی اللہ کا بندہ متقی و مومن۔ سو اس نے مجھ سے کہا بڑے حلیم و مسکراتے انداز میں کہ کہو: ''میں بھی اس پر ایمان رکھتا ہوں جس پر تم ایمان رکھتے ہو''۔ میری روح میں بھی بفضل رحمٰن و رحیم اتنا ایمان اتنی سعادت تھی بلکہ میں کیا تھا اصل میں خدا کی اتنی رحمت تھی کہ خواب کی حالت میں بھی میں نے اس کے جواب میں کہا ''میں بھی اسی واحد اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جس پر تم ایمان رکھتے ہو''۔ یہ سن کر اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا کہ جیسے بندے کو اس کی پسند کا جواب نہیں ملتا۔ سو وہ میرے جواب سے مایوس ہوا اور میرا اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ آپ نے قارئین اندازہ لگایا کہ شیطان کے وار کتنے سخت ہیں اس نے اصل میں میری روح کی ساخت سے میرے ایمان کا اندازہ لگانا چاہا۔ عام مذہب سے دُور، رسمی مسلمان یا عیسائی یا یہودی یا کسی بھی آسمانی مذہب دین ابراہیمؑ کے ماننے والے یا گناہوں اور مادی دنیوی رنگا رنگیوں، کششوں کے ذریعے گناہوں میں مبتلا شخص کو جب شیطان چیک کرتا ہے تو اسے تو جاگتے یا سوتے ہوئے کسی بھی حالت میں اس کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے قرب والے بندوں پر اللہ پاک کے ہزار ایسے احسانات ہیں کہ انھیں شیطان کی کئی قسم کی کارستانیوں کا، حرکات و سکنات کا اور مداخلت کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس کا تدارک کرتے ہوئے بفضل تعالیٰ روحانی منازل طے کرتے ہیں۔ مجھے گو کہ اپنے لیے کسی بلند روحانی مقام کا دعویٰ نہیں ہے میں بھی سب انسانوں کی طرح گناہوں سے مبّرا تو نہیں ہوں لیکن بس اللہ پاک کا احسان ہے، جب سے ہدایت ملی ہے گناہوں سے بچنے کی حتی الوسع بہت کوشش کرتا ہوں اور روحانی منازل کا مسافر ہوں اللہ پاک کی عظیم واحد و یکتا ہستی کے علم معرفت کا، روح کی دنیا کا، روحانی حقائق کا اور سمندر حقیقت کا ایک نہایت ادنیٰ سا طالب علم ضرور ہوں۔ تو ہماری بحث میں عمودی روحانی پہلو آئے جو نیچے مادے میں مادی اجسام

Marfat.com

میں اور اس زمینی حیات میں پیوست ہیں اور ہم نے شیطان کی حدود و دسترس سے سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش کی۔

"اب افقی روحانی پہلو کی جانب توجہ کرتے ہیں کہ روحانی علوم جب افقی رخ اختیار کرتے ہیں اور لطافت بڑھتی جاتی ہے تو اس سفر کو کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس راہ میں کیا مسائل یا رکاوٹیں پیش آ سکتی ہیں اور کیونکر اس سفر کو ممکن بنایا اور اس میں ترقی کی جا سکتی ہے"۔

روحانی افقی سفر اور حقیقت کی تلاش:

اندازِ تحریر سے متعلق ایک وضاحت: ایک وضاحت کرتا چلوں کہ آپ میری تحریروں کو سادہ، عام فہم مگر طول طویل پائیں گے بلکہ کئی معاملات جب زیر بحث ہوتے ہیں تو ہم اکثر اپنی اصل بحث، اصل موضوع سے قدرے ہٹ کر بظاہر غیر ضروری چیزوں اور گوشوں کو زیر بحث لے آتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ متعلقہ نکات کی وضاحت اچھی طرح سے ہو جائے۔ اس سے قبل ایسے موضوعات پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اکثر و بیشتر وہ اتنا دقیق اور مشکل اصطلاحات سے لبریز ہوتا ہے کہ قاری چند سطریں پڑھ کر ہی اس تحریر کے حد سے زیادہ ثقیل ہونے کی بنا پر کتاب رکھ دیتا ہے کیونکہ وہ سمجھ نہیں پاتا اس لیے اکتا جاتا ہے۔ اس میں کئی قسم کے پنجابی، سرائیکی، اردو، فارسی، انگریزی اور بے شمار زبانوں، بے شمار خطۂ زمین سے تعلق رکھنے والے صوفیوں، فقراء، اولیاء اللہ Syaints کے منظوم کلام بھی شامل ہیں اور نثری مباحث بھی آپ اپنے علامہ محمد اقبالؒ کی بالعموم اردو اور بالخصوص فارسی شاعری کو لے لیں۔ کیا کیا نکات بیان نہیں کیے گئے مگر عام قاری کے اوپر سے یہ شاعری اپنی ثقیل اپنی دقیق اور مشکل اصطلاحات کی بنا پر گزر جاتی ہے۔ اسے پڑھنے کے لیے نہ صرف عربی فارسی اور اردو کا عالم ہونا ضروری ہے بلکہ سمجھنے کے لیے ذہانت و فطانت اور گہرے غور و تدبر کی بھی ضرورت ہے اسی طرح "بابا فرید گنج شکرؒ کا کلام" ہے، داتا گنج بخشؒ کی "کشف المحجوب" ہے۔ مجدد الف ثانیؒ کے "مراسلات ربانی" کی دو یا تین جلدیں ہیں، امام غزالیؒ کی کئی کتب ہیں۔ کلام باھوؒ میں کئی جگہ بڑی مشکل اصطلاحات ہیں، مثنوی مولانا روم گو کہ ایک شاہکار ہے لیکن ظاہر ہے عام فہم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ تو اس طرح کے کثیر دفتر ہیں۔ جن کے لیے بڑی شرحیں درکار رہیں یہ بھی ٹھیک ہے کہ ایسے ناقابل بیان علم کو بیان کرنے کے لیے ایسی ہی مشکل پسندی کی ضرورت تھی لیکن میں نے دیکھا کہ ایک تو میں بہت کم علم اور چھوٹا آدمی ہوں اور دوسرے اگر میں اپنی تحریروں کے پھیلاؤ کو کم کر کے جامعیت کا لبادہ اوڑھاؤں تو بے شک یہ 1/3 رہ جائیں گی لیکن پھر یہ صرف علماء، فضلا، ہی کے کام آ سکیں گی، عام قاری جو کم پڑھا لکھا اور واجبی علم رکھنے والا ہوتا ہے اور جن کی بہت بڑی اکثریت ہے وہ ان تحریروں سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے۔ سو اس لیے اس عام فہم زبان اور طوالت کو گلے لگایا اور خود کو بھی مشکل میں ڈالا ہے۔ آیئے اب اصل ہیڈنگ کی طرف۔

روحانی افقی سفر کے لیے تیاری:

Marfat.com

آپ جانتے ہیں کہ جب کہیں سفر درکار ہوتا ہے تو پہلے گاڑی کے نقائص کو دور کیا جاتا ہے اس کا ایندھن (فیول)، موبل آئل، بریکیں، ٹائر اور دیگر پرزہ جات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کی مکمل پڑتال over halling کے بعد ہی اس پر سفر کا آغاز ہوتا ہے بمعہ سفر کے لوازمات کے۔ اسی طرح سے روحانی افقی سفر کے لیے جب سوچ آئے تو پہلے اپنے ارادے کا جائزہ لیں کہ کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہے آپ کچے ارادے کے مالک اور قوت ارادی سے عاجز تو نہیں ہیں۔ آپ کا ایمان و یقین اللہ کی ذات اس کی وحدانیت اور صفات پر کیسا ہے؟ آپ جس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس کی کوئی ایسی کلید ہے کہ جیسے آسمانی کتاب اور کیا وہ اصل حالت میں اصل متن کے ساتھ محفوظ ہے یا انسانی تجربات سے حاصل شدہ روحانی علم پر چلنے کا ارادہ ہے جیسے یوگا وغیرہ۔ کیا آپ اپنی الہامی کتاب میں دی گئی خدا کی تعلیمات پر عمل پیرا بھی ہیں یا آج کے اکثر مغرب کی طرح آپ فی زمانہ مذہب کو قابل اعتنا ہی نہیں سمجھتے (ہمارے مشرقی معاشروں میں گو کہ روحانیت کی جانب سفر کچھ بہتر ضرور ہے لیکن مذہب پر عمل رسمی ہی رہ گیا ہے)۔ کیا آپ خالص کتاب الٰہی قرآن پاک پر پورے ایمان و یقین کے ساتھ عمل پیرا ہو سکتے ہیں یا جو دوسری کتب پر ایمان رکھتے ہیں وہ اگر کہیں اپنی کتاب میں کوئی جھول دیکھیں جو طویل عرصہ گزر جانے کی بنا پر زمانے کے انقلابات کی بنا پر در آیا ہو تو قرآن کو کسوٹی بنا کر اپنی کتب کو پرکھ سکتے اور تعلیمات کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو موٹی موٹی خاص باتوں پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں ویسے میں نے دیکھا ہے کہ بائبل کی تعلیمات بھی جو اصلاح و ہدایت کے لیے ہیں بالکل درست ہیں تاریخی واقعات میں کچھ جگہوں پر جھول ہیں۔ اگر آپ ان شرائط پر پورا اترتے ہیں تو پھر روحانی افقی سفر کے لیے تیار ہو جایئے اور اگر پورا نہیں اترتے تو پہلے اپنے اندر یہ خصائل پیدا کر لیجئے اگر شوق و جذبہ کم از کم سچا ہے تو اپنے خدا سے پورے دل و جان سے دعا ضرور کرتے رہیں روئیں اور گڑگڑائیں کہ وہ آپ کو اس سفر کی توفیق دے۔ سارے نقائص جو آپ میں ہیں انھیں دور کر دے۔

ایک وضاحت: اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے بمطابق مذہب آسمانی (روح کے اندر بھی بڑے طبق ہیں بڑے زمین و آسمان ہیں) اگر آپ توحید الٰہی اور تقویٰ اختیار کریں تو آپ کے ظاہر و باطن کی اصلاح ہو جائے گی اور اگر آخر دم تک اس پر قائم رہیں حشر کے دن کے حساب پہ یقین رکھتے ہوئے تو مذہب کے ذریعے خدائے تعالیٰ آپ سے بس یہی کچھ چاہتا ہے ہاں کبھی کبھی آپ کے تقویٰ کو آزمانے کے لیے وہ امتحان لیتا رہتا ہے ان خدائی امتحانوں میں آپ دنیا داریوں کے ساتھ جتنے کامیاب ہونگے آپ کو اتنا ہی اس کا اجر ملے گا یہ تو ہے روح کا عمود میں مادی دنیا کے جھمیلوں کو ساتھ گھسیٹتے ہوئے یا یوں کہیں کہ دنیا سے مادی نعمتوں سے عیش و آرام سے متوازن طریق سے مستفید ہوتے ہوئے سفر۔ بے شک اس میں کامیابی ہو جائے تو چونکہ جنت کے بھی بہت زیادہ درجے ہیں یہ زمین و آسمان کی وسعتوں سے وسیع تر ہے تو کہیں نہ کہیں کسی درجہ میں جگہ مل جائے گی جو کہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے دوزخیوں کے مقابلہ پر۔

Marfat.com

اس سے آگے کا روحانی افقی سفر:

ایک حد ہے، مادہ وروح کی کششوں کے درمیان جسے آپ صفر درجہ مان سکتے ہیں۔ ہیں تو آپ اسی زمینی دنیا میں جسم وجان کے ساتھ تمام دنیوی لوازمات کے ساتھ لیکن آپ کو مادی کشش حسنِ توازن سے دوسری سمت کھینچ رہی ہے یا نہیں یہ سوال ہے؟ توازن آپ کا وہ مقام ہے جہاں آپ جسم وجان کی ضروریات کا برابر خیال رکھ رہے ہیں نہ مادی کشش کی سمت جھک کر شیطان کے ہتھے چڑھ رہے ہیں اور نہ ہی روحانی افقی سفر اختیار کر کے خصوصی لوگوں کے درجات میں شامل ہو رہے ہیں بس آپ کامیاب ضرور ہو رہے ہیں آپ سمجھیں پاس مارکس 50% ہیں اور آپ پورے 50% لے رہے ہیں۔ آپ پاس ہیں آپ قرآنی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں آپ جنت کے نہایت ابتدائی درجوں کے لائق ہو گئے ہیں آپ روز حشر کامیاب ہونگے اس حد تک کہ دوزخ سے بچ جائیں گے۔ لیکن جنت کے نہایت ابتدائی درجوں میں داخل ہونگے جہاں بہر حال اللہ کی نعمتیں موجود ہونگی۔ اللہ کی نعمتوں کی جب اس دنیا میں کوئی حد نہیں تو پھر جنت میں نعمتوں کی کیا حد ہے۔ لیکن ان نعمتوں کو یوں فرض کر لیں کہ جیسے ایک شخص کو کوئی بیماری نہیں ہے وہ مکمل صحت مند ہے اس کی حاجاتِ زندگی محض جائز حد تک واجبی حد تک پوری ہو رہی ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تمثیلی انداز میں جنت کا پہلا درجہ سمجھیں (اس دنیا کی مثالوں سے ایسی ہی ناقص اور مفہوم کو مکمل واضح نہ کرنے والی مثالیں ہی دی جا سکتی ہیں) اس کے بعد اس سے اوپر مزید نعمتوں کو بڑھاتے چلے جائیں اور دنیا جہان کی بے حد وشمار نعمتوں، عیش وآرام، خوشیوں مسرتوں کو سکون وآرام کو بڑھاتے جایئے حتیٰ کہ بادشاہوں اور شہزادوں بلکہ شاہنشاہوں کے ٹھاٹھ باٹھ اور بے حد وشمار عیش وآرام کی عجیب ساحرانہ دنیا میں داخل ہو جایئے۔ پس دنیا میں یہی مثالیں ہیں جنت کے لیے ورنہ جنت کی ابتداء وانتہاء سے متعلق یہ مثالیں یوں ہیں جیسے پری کی مثال مکھی سے دی جائے آگے خود اندازہ لگالیں۔ بہر حال میں سمجھانا چاہ رہا تھا کہ آپ 50% نمبر لے کر اس دنیوی حیات سے جب آخرت کو سدھار جائیں گے تو آپ جنت کے نہایت ابتدائی درجوں پر پہنچیں گے پھر آپ نے مزید جتنی کوشش کی ہوگی اسی نسبت سے جنت میں مقامات بڑھتے جائیں گے۔

روحانی افقی سفر میں مال کا کردار:

یہ تو تھا اوپر کی مثال کے مطابق روح ومادہ کی صفر درجے کی متوازن کشش کی دنیوی زندگی۔ یہاں سے کامیابی کا سفر شروع ہوتا ہے یہاں سے جنت کے مدارج شروع ہوتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھیئے۔ کیا آپ 2.5 فیصد سے زیادہ زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ کتنی؟ 10%, 20%, 5% (مال غنیمت میں سے اتنا صحابہ کرام کے لیے آپ ﷺ کو دینا ضروری تھا جو ان کے مال غنیمت میں سے اللہ ورسول کا حصہ تھا اصل میں یہ مسلمانوں کے بیت المال کا حصہ تھا جس میں سے نبی پاک ﷺ اپنی جائز ضرورتوں کے علاوہ حاجت مندوں پر اور دیگر ریاستی ضروریات پر خرچ فرماتے تھے)۔ 30%, 40%..... ,90%۔ یہ آپ

Marfat.com

تک ہے کہ آپ اپنی جائز ضرورتوں کو اپنی جائز کمائی میں سے کس حد پر پورا کرتے اور باقی مال راہ اللہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔ میں نے 90% پر آخری حد لگا دی ہے جبکہ اس کی کوئی حد نہیں ممکن ہے زندگی کے ابتدائی دور میں بیوی بچوں کی کفالت کے لیے آپ کو زیادہ رقم اپنے لیے درکا ہو کیونکہ ان کا آپ پر حق ہے آپ کے والدین اور دیگر dependents کا آپ پر حق ہے جیسے کہ والدین کی وفات، بڑھاپے، معذوری یا کسی دیگر وجہ سے آپ کے بعد باقی اولاد کو ضروریات زندگی مہیا نہ کر سکنے کی مجبوری۔

(نوٹ: 2.5 فیصد سے اوپر سب زکوٰۃ یا راہ اللہ میں مال خرچنا افقی روحانی سفر میں آئے گا۔)

ایسے میں آپ کے بہن بھائیوں کا بھی کسی روزگار کے قابل ہونے یا تعلیم وغیرہ مکمل ہونے تک آپ پر حق ہے۔ بلکہ بہن بھائیوں کے علاوہ وہ رشتہ دار جن کی جائیداد میں قرآن کے مطابق بعض حالات وشرائط کے تحت آپ حصہ دار بن سکتے ہیں مجبوری اور ضرورت کے حالات میں ان کا بھی آپ پر حق ہے۔ چنانچہ اس طرح سے اپنی ضروریات کو ہر شخص خود بہتر سمجھ سکتا ہے۔ کوئی ایک معیار قائم نہیں کیا جا سکتا۔ آج کے دور میں اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم دینے ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ بنانے پر بڑا خرچ اٹھتا ہے آپ کا فرض ہے بلکہ ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنی اپنی اولاد یا مذکورہ بالا dependents کو جہاں تک زیادہ سے زیادہ ممکن ہو سکے اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس وٹیکنالوجی کی یا دیگر اقسام کی تعلیم دے یا کم سے کم یونیورسٹی سطح کی تعلیم ضرور دے تاہم اگر اس کی جیب اجازت نہیں دیتی تو جہاں تک ممکن ہو ان کا مستقبل سنوارے ایک ایک قطرہ دریا بنتا ہے جب مسلم اُمہ کے سب والدین ایسا کریں گے تو مسلمان بھی دنیا میں ایک کامیاب قوم واُمت بن کر ایک مرتبہ پھر ابھریں گے تاہم اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی گہرائی کے ساتھ غور وتدبر اختیار کر کے تعلیم ضرور دی جائے تا کہ دیگر مادہ پرستانہ اقوام کی طرح پڑھ لکھ کر مسلم قوم بھی نفس پرست یا قوم پرست یا براعظم پرست یا نسل پرست یا تہذیب پرست یا زر پرست نہ بن جائے بلکہ محض خدا پرست بنے اور دنیا کی امامت بمطابق قرآن کے عدل وانصاف، رواداری اور فراخ دلی سے کرنے والی قوم بن سکے۔ پھر جب آپ کی ذمہ داریاں کم ہوتی جائیں اسی نسبت سے راہ اللہ میں زیادہ مال دینا شروع کر دیں اس کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح سے اگر آپ کو خدا نے اولاد کی ذمہ داریاں یا دیگر آپ پر انحصار کرنے والوں کی ذمہ داریوں سے جتنا آزاد رکھا ہے اسی نسبت سے یا زندگی کے اس دور میں کہ جب آپ پر ذمہ داریاں کم ہوں آپ راہ اللہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر سکتے ہیں۔ چاہے آپ اللہ کی راہ میں خود کو لٹا دیں مکمل طور پر سب کچھ کہ جب آپ پر ذمہ داریاں بالکل نہ ہوں حتیٰ کہ بیوی کی ذمہ داری بھی باقی نہ رہے تو سب کچھ ہو سکے تو اللہ کی راہ میں دے دیں۔ اللہ کے ایسے بھی ولی ہیں جو اس منزل کے بعد بڑھاپے میں بھی کوئی مزدوری کوئی محنت کر کے اپنے نفس کا حق ایک دو چپاتیوں سے پورا کرتے، بوسیدہ سے کپڑے پہنتے اور چھپر میں گزران کرتے ہیں۔ بلکہ کئی اس منزل پر اللہ سے ایسی لو لگاتے ہیں کہ روٹی، پانی، رہائش، پوشاک کی فکر نہیں کرتے بس اللہ پر بھروسہ کرتے

Marfat.com

ہیں ان کی معمولی سی ضرورت خدا پوری کرتا رہتا ہے اور وہ اللہ اللہ کرتے ہیں۔ روحانی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں، جنہیں اللہ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے اور وہ دیوانے سے ہو جاتے ہیں اور شہروں، ویرانوں، جنگلوں، پہاڑوں، بیابانوں میں پھرتے رہتے ہیں، فٹ پاتھوں پر لیٹے رہتے ہین ان کا تو معاملہ ہی اور ہے ان سے شرع کے حکم ساقط ہیں۔ وہ دنیا میں ہو کے نہ ہونے جیسے ہیں۔ ان کے اردگرد گہرے اسرار ہیں۔ انھیں مجذوب کہا جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ سب پاگل لوگ مجذوب ہی نہیں ہوتے۔ ان کی پہچان صرف اور صرف نگاہ باطن رکھنے والے ہی کر سکتے ہیں۔

اس سفر میں جسم کی زکوٰۃ:

اِس سے قبل ہم نے مالی زکوٰۃ اور اس کی حدود کی بات کی ہے یاد رہے کہ شرع میں مال راہ اللہ میں خرچنے کی بڑی اقسام درج ہیں مثلاً صدقہ، خیرات، زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کا گوشت سُنت ابراہیمی کے طور پر عیدالاضحیٰ کے موقع پر وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت میں یہ زکوٰۃ ہی ہے اس کے مواقع مختلف ہیں مال راہ اللہ ان مواقع کے علاوہ جو سبھی مواقع کہلاتے ہیں اور بھی سینکڑوں مواقع پر ضرورت کے مطابق خرچ کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم جسمانی زکوٰۃ کی بات کرتے ہیں۔ آپ جسمانی طور پر جتنی نیکیاں کرتے ہیں یہ جسمانی زکوٰۃ میں آتی ہیں۔ آپ نے چلتے چلتے کیلے کا چھلکا زمین سے اٹھا کر سائیڈ پر کر دیا یا کوڑا دان میں ڈال دیا، آپ لوگوں کے چلنے کا کوئی رستہ صاف کرتے ہیں۔ راستے سے پتھر ہٹاتے، کانٹے چنتے ہیں راستے سے ٹھوکریں دور کرتے ہیں، آپ کسی کا بوجھ یا سامان اٹھا کر اس کی منزل تک لے جاتے ہیں، آپ کسی بیمار کی تیمارداری کرتے ہیں، اسے دوا پلاتے ہیں، اس کا ہر طرح کا کام کرتے اور خیال رکھتے ہیں۔ آپ کسی اندھے کو پکڑ کر راستہ چلاتے اس کی منزل تک چھوڑ آتے ہیں یا سڑک پار کروا دیتے ہیں۔ آپ کسی زخمی انسان یا جانور کی مدد کرتے علاج کرواتے ہیں خود زخم دھوتے مرہم لگاتے پٹی کرتے ہیں خصوصاً ایسے لوگوں یا جانوروں کی کسی قسم کی کوئی مدد یا خدمت کرتے ہیں جن کے قریب جانے سے لوگ گھبراتے، گھن محسوس کرتے اور نفرت کرتے ہیں۔ آپ مسافروں اور دیگر پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے پریشانیاں دور کرتے ہیں۔ آپ بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں۔ آپ بغیر غرض کے بیوہ، یتیم، مجبور، بے کس، مسکین، محتاج، معذور، دردمند، غمگین، روتے ہوؤں کی مدد کرتے ہیں اور ان کی تکالیف کا ازالہ کرتے ہیں۔ آپ خالص اللہ کی خوشنودی کے لیے ایسی بیوہ یا بیواؤں سے شادی یا شادیاں مقررہ حدودِ زوجیت میں رہتے ہوئے کرتے ہیں کہ جن سے کوئی شادی نہ کرتا ہو کہ لوگ اسے سخت گھاٹے کا سودا سمجھیں اور پھر ان بیواؤں اور ان کی اولاد کی دلجوئی اس طرح کریں کہ ان کو احسان محسوس نہ ہو انکے بچوں کی نگہداشت، پرورش اور تعلیم و تربیت حتی الوسع کریں۔ آپ کسی کو اپنا خون بوقت ضرورت عطیہ کریں، کوئی جسم کا عضو یا اعضاء بوقت ضرورت سخت حاجت مندوں کو بغیر کسی معاوضے کے راہ اللہ عطیہ کریں خود اپنے جسم سے۔ آپ اس قسم کی خدمات کے دوران یا تھکان کی بنا پر یا ان خدمات کی بنا پر کوئی بیماری لاحق ہو

Marfat.com

جائے تو اس کی تکلیف خندہ پیشانی سے اللہ کی رضا کے لیے اٹھالیں، آپ قوم کے بچوں کو بلکہ سب قسم کے بچوں کو ہر رنگ ونسل اور مذہب وملت کے بچوں کو انسانی جذبۂ خدمت کے تحت مفت تعلیم دیں۔ خصوصاً غریب ونادار طلباء کو معاشرے کے محروم طبقات کے بچوں کو مفت تعلیم دیں یا tuition مفت دیں۔ آپ حادثات میں زخمی ہونے والوں کی ہر ممکنہ مدد کریں۔ قدرتی یا ہر طرح کی آفتوں سے لوگوں کو محفوظ کرنے میں مدد دیں۔ آپ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر لوگوں کی جانیں بچائیں چاہے اس میں آپ زخمی یا معذور ہو جائیں یا آپ کی جان چلی جائے۔ آپ حق کے لیے زندگی کے سب شعبوں میں اور زندگی کے سب معاملات میں جہاد کریں۔ صرف اپنے لیے نہیں بلکہ لوگوں کے لیے بھی اور بالخصوص محروم ولاچار لوگوں کے لیے۔ آپ انسانیت کی خدمت کے جذبے کے تحت مہینوں یا سالوں کی سخت محنت وکوشش کے بعد کوئی نئی شے دریافت یا ایجاد کرلیں جس سے لوگوں کو زبردست فائدہ ہو مثلاً کوئی دوا، کوئی ویکسین، کوئی اور ایسی مشین یا ایسی دیگر شے جس سے ایک زمانہ مستفید ہو لیکن آپ یہ سب دنیا کے لیے فری اور عام کر دیں یعنی اپنی خدمات کے صلے میں کوئی معاوضہ، کوئی رائلٹی حاصل نہ کریں یہ ٹیکنالوجی یا فارمولا سب کو مفت دیں یا اگر ناممکن ہو تو اپنی صرف جائز ضروریات کے لیے رقم لیں باقی چاہے کروڑوں اربوں ملیں نہ لیں، یا سمجھیں کہ سرمایہ دار اس سے فائدہ اٹھائیں گے تو ان سے بڑی رقم لے کر غرباء ومساکین ومحروم وحاجت مندوں میں بانٹ دیں دوسروں کی سہولت کے لیے، دوسروں کی خوشی کے لیے، اپنوں پرائیوں کے آرام کے لیے، خود کو مصیبت میں ڈالیں خود کو تکلیف میں ڈالیں وغیرہ وغیرہ۔ جسم کی زکوٰۃ کے لیے بے حد وشمار طریقے وسلیقے ہو سکتے ہیں مقصد تو رب تعالیٰ کی خوشی ہے، راضی ہونا ہے۔

روحانی افقی سفر میں قربانی کا عمل دخل:

اب آیئے قربانی کی طرف۔ یہ جو میں نے اوپر جسم کی زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے یہ بھی قربانی ہی ہے مگر چونکہ ساتھ جسم کا لاحقہ تھا اس لیے اب اوپن قربانی کی بات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا عمل یا فعل یا جذبہ بہت زیادہ پسند ہے اور یہ روحانی افقی سفر کے لیے زبردست قسم کے ایندھن بلکہ انجن کا کام بھی دیتا ہے قربانی انسان کو چشم زدن میں وہاں پہنچاتی ہے جہاں دیگر اعمال شاید عمر بھر کے بعد بھی نہ پہنچا سکیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کبھی بھی اللہ پاک کے حکم سے سرتابی نہ کی تھی۔ یقیناً انہوں نے ساری زندگی راہ اللہ میں بے پناہ ہر طرح کے مصائب جھیلے ہونگے جن کی تفصیل تو مذہبی کتب اور قرآن پاک میں نہیں ہے لیکن چند واقعات کا ذکر ضرور ہے جب شیر خوار بچے اور جوان بیوی کو تن تنہا اللہ کے حکم پر ''مکہ مکرمہ'' جو کہ اس وقت ویرانہ تھا پہاڑی ٹیلوں کے درمیان تپتا ہوا ریتلا غیر ہموار میدان تھا وہاں چھوڑ آئے نہ وہاں بندہ نہ بشر نہ روٹی کا انتظام نہ پانی کا نہ رہائش کا۔ یہ اللہ پر بے پناہ یقین وایمان تھا اور اس کے حکم پر عمل کا جذبہ تھا ایک طرح کی قربانی تھی عین ممکن تھا کہ بیوی بچہ وہاں بھوک پیاس سے مر جاتے۔ کوئی جانور کھا جاتا، ڈس جاتا، موسم کی شدت انھیں نگل جاتی، یا کوئی بیوی بچے دونوں کو غلام بنا کر

Marfat.com

لے جاتا۔ ہر بات ممکن تھی لیکن آپؑ نے ایسا کیا اور پھر زمانہ گواہ ہے کہ وہی جگہ آج کتنی آباد، متبرّک، شاد اور دنیا بھر کی نعمتوں سے بھری پڑی ہے بلکہ وہیں اس شیر خوار بچے اسماعیلؑ کے بڑے ہونے پر اس کے ساتھ مل کر ابراہیمؑ نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور اللہ نے اتنی حرمت رکھی کہ ساری دنیا اس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتی اور اس کا طواف کرتی ہے یہ اصل میں اس کعبہ پاک کا طواف نہیں بلکہ ابراہیمؑ کے جذبہ اطاعت خداوندی کا، جذبہ قربانی کا، بلکہ قلب ابراہیمیؑ کا طواف ہے جس میں رب سے ایسا عشق بستا ہے اور جو رب تعالیٰ کو ایسا پسند آ گیا کہ وہاں نشانی کے طور پر مجازی کعبہ بنا دیا۔ دوسری قربانی ابراہیمؑ نے تب دی جب پیارے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو خواب میں اپنے ہاتھوں ذبح ہوتے دیکھا چونکہ پیغمبرؑ تھے خواب 100 فیصد سچی ہوتی تھی اللہ کا پیغام ہوتی تھی اس لیے بیٹے سے بیان کی، بیٹے نے بھی خود کو رضائے الٰہی کے لیے بخوشی پیش کیا ابھی اسماعیلؑ کی عمر لڑکپن کی تھی چند سال کے تھے کہ جب باپ کے ساتھ ابھی چلنے کے بمشکل قابل ہوئے تھے۔ بہر حال ابراہیمؑ انھیں ذبح کرنے کے لیے لے گئے اسماعیلؑ کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا اور چھری چلا دی۔ ''یہاں نکتہ ہے'' پیاری اولاد بیٹا وہ بھی بچہ کتنا پیارا ہوگا آپؑ کو اس بچے سے وہ بھی نہایت نیک اطاعت گزار انمول نگینہ پھر دوسری طرف اللہ کا حکم آپؑ کو اللہ سے کتنا پیار تھا کہ اپنی سب سے پیاری بے حد پیاری شے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیا۔ اس کو کہتے ہیں اپنی پیاری سے پیاری شے اللہ کی راہ میں قربان کرنا۔ (انسانوں کی قربانی صرف پیغمبروں کو آزمانے کے لیے تھی پیغمبرؑ کے خواب میں شیطان کی مداخلت نہیں ہو سکتی جبکہ باقی سب اولیاء اللہ کے خوابوں تک میں شیطان کی مداخلت ممکن ہے اس لیے عام انسان یا خاص انسان سب محتاط رہیں)۔ سو اللہ پاک قرآن مجید میں فرماتے ہیں ''اس وقت ابراہیمؑ کے دل کی حالت ہم ہی جانتے ہیں، اس نے اپنا خواب سچ کر دکھایا''۔ گو کہ بغیر ذبح ہوئے ہی اس قربانی کو قبول کر لیا گیا کیونکہ ابراہیمؑ اپنے دل و جان سے خلوص نیت سے پورے زور سے انتہائی تیز کی ہوئی چھری اسماعیلؑ کی ننھی گردن پر پھیر رہے تھے یہ الگ بات کہ چھری کاٹ نہیں رہی تھی، اس رب کا حکم نہیں تھا۔ سو اسماعیلؑ کی جگہ دُنبے کی قربانی کی گئی جو آج تک حج بیت اللہ کا ایک اہم رکن ہے اور سنتِ ابراہیمیؑ اتنی باوقعت ہے کہ تمام دنیا میں عید الاضحیٰ پر لوگ جانور ذبح کرتے ہیں۔ پھر ابراہیمؑ کا اللہ پر ایسا ایمان کہ آپؑ کو آتش نمرود میں بڑے اہتمام سے ڈالا گیا۔ آپؑ نے کیا کیا امتحان دیئے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ گو کہ آگ حکم ربی سے ٹھنڈی ہوگئی سلامتی والی ٹھنڈی لیکن آپ کا امتحان تو پورا اور قبول ہو چکا تھا۔ دیکھا آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی راہ اللہ کی مثالوں کو اور پھر مقام ابراہیمؑ کو دیکھیے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے رہتی دنیا تک کے انسانوں کو بشمول ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے کہ مقام ابراہیمؑ کو مصلاً بناؤ۔ آج بھی کعبہ شریف میں وہ جگہ محفوظ ہے ہر نمازی، ہر عمرہ کرنے والا یا حج بیت اللہ کرنے والا وہاں کم از کم دو نوافل ضرور ادا کرتا ہے۔

محترم قارئین ہم نے اس واقعہ اور ان انمول مثالوں سے پایا کہ اللہ پاک کی عظیم ترین یکتا ہستی کو قربانی کس قدر

Marfat.com

پسند ہے۔اسی قربانی کی ذیل میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور شہید ہو جانے والوں کے مقاماتِ ارفع واعلیٰ بھی آتے ہیں حکم باری تعالیٰ ہے قرآن پاک میں ''انھیں مردہ نہ کہو یہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں جس کا تمہیں شعور نہیں''۔

آیئے اب قربانی کی دیگر اقسام کا ذکر کرتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں روحانی ترقی کے لیے ان کی کیا قدر و قیمت ہے لیکن اس ذیل میں حق کو زندہ کرنے کے لیے اولاد ابرہیمؑ میں سے حضرت محمد ﷺ کی تمام اولاد کی حضرت حسینؑ کی قیادت میں میدان کربلا میں یزید کے دور حکومت میں عظیم تر قربانی کے بے مثل واقعہ کو بھی ضرور یاد رکھئے کہ جس نے اہل بیت نبی ﷺ کو وہ ارفع واعلیٰ مقامات عطا کئے کہ جن کا ذکر انسانی معلومہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتا۔جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ روحانی ترقی کے لیے کئی اشیاء واعمال بڑا درجہ رکھتے ہیں بڑے مفید و بابرکت ہیں ان میں قربانی اہم ترین شے ہے۔قربانی کی بے شمار اقسام ہیں۔ہماری روزمرہ کی زندگی میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔قدم قدم پر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔چھوٹے چھوٹے کاموں سے لے کر بڑے بڑے معاملات تک میں قربانی کا عنصر پایا جاتا ہے آپ دسترخوان پر کھانے بیٹھے پہلے دیگر اشخاص کو خورد ونوش کی اشیاء لینے کا موقع دیا بلکہ پیش کیں۔دوسروں کو بہتر کھانے کو دیا خود بچا کھچا لے لیا۔آپ کھانے کو بیٹھے اپنے گھر میں عین کھانے کے وقت دروازے پر فقیر نے آواز لگا دی آپ نے اپنا کھانا اسے دے دیا خود صبر کر لیا چاہے آپ دن بھر سے روزے ہی سے کیوں نہ تھے۔بچوں کے لیے کپڑے خریدنے بازار گئے راستے میں کچھ پھٹے پرانے کپڑوں والے غریب و نادار بچے مل گئے دل پسیجا آپ نے انھیں بھی ساتھ لیا اور اپنے بچوں کے لیے کم قیمت کپڑے خرید کر ساتھ نادار بچوں کے لیے بھی ویسے ہی کپڑے خرید لیے۔یا اپنے بچوں کے کپڑوں کا پروگرام ملتوی کر کے انھیں لے دیئے۔یہی معاملہ بیوی کے لیے یا اپنے لیے کپڑے خریدتے ہوئے پیش آیا تو اسی طرح قربانی دے کر دوسروں کا حصہ اپنے مال میں سے بنا دیا۔آپ سفر کے لیے کسی وین یا بس یا ٹرین میں سوار ہوئے آپ نے دوسروں کے لیے بہتر نشستیں دانستہ چھوڑ دیں خود قدرے تکلیف دہ نشست پر بیٹھ گئے اور اگر ماحول میسر ہوا تو خود کھڑے ہو کر سفر کر لیا یا کسی اپنے سے زیادہ ضرورت مند کو اپنا ٹکٹ دے دیا یا خواتین بچوں بوڑھوں کے لیے نشستیں خالی کر دیں یا خود گاڑی چھوڑ دی انھیں جانے دیا۔آپ اگر ذرا سا غور کریں تو اس طرح کے سینکڑوں ہزاروں مواقع آپ کی روزمرہ کی زندگی میں آئیں گے کہ جب آپ دوسروں کی مدد اپنے نفس کی چھوٹی چھوٹی یا بڑی بڑی قربانیوں سے کر سکتے ہیں۔اگر مذہبی معاملات میں دیکھیں تو بھی بڑے مواقع ہیں۔آپ کو حج وعمرہ کا بڑا شوق ہے اس کے لیے بڑی خواہش رکھتے اور دعا کرتے ہیں اور بڑی مشکل سے رقم ساتھ ساتھ جوڑتے رہتے ہیں ایک دن وہ وقت آتا ہے کہ آپ کو موقع مل گیا ہے آپ بڑے ہی خوش ہیں اور وہاں خانہ کعبہ شریف و روضہ رسول پاک پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہیں کہ کوئی انتہائی حاجت مند آپ کے پاس آ جاتا ہے اگر اسے رقم نہ ملے تو اس کی بیٹی کی ڈولی نہیں اٹھ سکتی یا

Marfat.com

اس کی بیوی یا بیٹے کا جان لیوا مرض سے بچنے کے لیے آپریشن نہیں ہوسکتا یا اس طرح کی ہزاروں مجبوریوں میں سے کوئی بھی مجبوری یا ایمرجنسی ہے یا آپ کے پاس کوئی مدد کے لیے چل کر نہیں آیا مگر اس طرح کی مجبوری یا کسی ضرورت کا آپ کو از خود پتا چل گیا ہے آپ اپنا حج یا عمرہ کا پروگرام ملتوی کر کے اس ضرورت مند کی مدد کے لیے اسے قرض حسنہ دے دیتے ہیں یا وہ بڑا غریب ومحروم وحاجت مند ہے تو اسے ناقابل واپسی شکل میں رقم یوں دے دیتے ہیں کہ لینے والے کو احساس شرمندگی و ندامت بھی نہ ہو اور احسان بھی نہ لگے تو آپ کے خلوص وقربانی کے کیا کہنے۔ یہی مثال ایک سے زیادہ حج یا عمرہ کرنے والوں پر بدرجہ اتم لاگو ہوتی ہے بلکہ ایسے مسلمانوں کو چاہیے کہ بے شمار قسم کے محروم ومقہور، لاچار و مجبور، بیوہ ویتیم، معذور و بیمار اور دکھی لوگوں کی خدمت خلوص دل سے کریں انھیں ان شاء اللہ تعالیٰ گھر بیٹھے ایک سے زیادہ عمرے اور حج کرنے کا ثواب نہ صرف ملے گا بلکہ انھیں اس بڑی نیکی وقربانی کا صلہ اضافی طور پر ملے گا دنیا وآخرت میں۔ تو قارئین اگر مثالیں یا جزئیات بیان کی جائیں تو صفحات کے صفحات کالے ہو سکتے ہیں لیکن ان چند مفروضات سے مدعا کلام سمجھ لیں، جز بے شک کل کی خبر دیتی ہے سمجھانا یہ ہے کہ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے امور سے لے کر زندگی کے بڑے بڑے معاملات تک بے شمار چھوٹے بڑے قربانی کے مواقع دن رات آتے رہتے ہیں جن کا تعلق گھر، باہر، اپنے، غیر، مسلم، غیر مسلم، انسان، جانور، کسی سے بھی ہو سکتا ہے آپ نے اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق سمجھ کر ہر کسی کے لیے قربانی کے لیے تیار رہنا ہے۔ اس میں حتیٰ کہ جیسے سابقہ موضوع کے تحت لکھا تھا اپنے خون اور اپنے جسم کے اعضاء اور اولاد کی قربانی تک شامل ہے۔ اولاد کی قربانی حضرت ابراہیمؑ کی طرح نہیں کہ آپ چھری لے کر ذبح کرنے بیٹھ جائیں بلکہ کسی مظلوم کو کسی کے ظلم سے بچاتے یا چھڑاتے یا اس کے ساتھ مل کر حق کا ساتھ دیتے ہوئے باطل کے خلاف لڑتے ہوئے جان دے دیتے ہیں یا آپ کے بچے جان سے مارے جاتے ہیں۔ یہ اس قربانی سے مراد ہے (لیکن اس سے مراد قتل وغارت گری اور قانون شکنی نہیں ہے، ملکی قانون میں رہتے ہوئے ایسا کرنا اس سے مراد ہے)۔ بہرحال جب قربانی کا جذبہ اپنے اندر ایمان کا حصہ سمجھتے ہوئے پیدا کر لیتے اور اس پر ہر حالت میں ہر حد تک عمل کرتے ہیں تو اس سے جو روحانی بالیدگی حاصل ہوتی ہے وہ عجیب بلندیوں اور رفعتوں تک آپ کی روح کو پہنچاتی ہے۔ جس طرح سے چھری انتہائی تیز ہو کاٹنے کو، جس طرح سے خشک بھوسے پر مٹی کا تیل بھی چھڑک رکھا ہو آگ دکھانے کو، جس طرح سے دلہن حجلۂ عروسی میں ہزار سنگھار کے ساتھ بیٹھی ہو محبوب شوہر کی بانہوں میں جانے کو، بالکل اسی طرح بلکہ ان ناقص مجازی مثالوں سے کہیں بڑھ کر بڑی سے بڑی قربانی یا قربانیوں کی متاع ہاتھ میں ہو تو انھیں اللہ کی راہ میں قربان کر کے روح کو وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جہاں عبادت وریاضت یا ذکر الٰہی کے چند گام ہی عشق کی آگ بھڑکا دیتے ہیں اور پیاسے کو نورِ وحدت کے سمندر کے کنارے لے جاتے ہیں۔ بھلا حجلۂ عروسی کو چھوڑ کر جہاد پر لبیک کہنا کوئی آسان کام ہے!

صبر وشکر کی دولت:-

Marfat.com

آپ کہیں گے کہ میں نے مُلاّ صاحب والا وعظ شروع کر دیا ہے لیکن یہ بات نہیں۔ اصل میں اتنا کہہ دینا کافی تھا اور بے شک مکمل نصیحت تھی کہ قرآن پاک پر مکمل ایمان و عمل اختیار کریں۔ اس کے بعد اب مزید روحانی افقی سفر کے لیے یا یوں کہیں کہ مزید اعلیٰ ترین روحانی بلندیوں پر اٹھنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اس سچائی اور مکمل و مجمل بیان و نصیحت کے باوجود میں نے ان چند نکات کا ذکر کرنا ضروری سمجھا جن کا روحانی سفر میں مقام تو بہت بلند ہے لیکن ہم دیگر رسمی عبادتوں اور قدر آسان اراکین اسلام پر تو عمل پیرا ہو جاتے ہیں اور نماز، حج، صوم، واجبی زکوٰۃ کے ساتھ مسلمانوں کے شعار و وضع قطع بھی اختیار کر لیتے ہیں مگر ان خاص مشکل نکات پر کماحقہ حد تک عمل کرنے سے دانستہ یا نادانستہ کتراتے رہتے ہیں۔ ہمیں یا تو آج کے رسمی اسلام میں اس کا شعور نہیں اور جس حد تک دین کی شرح کی گئی ہے ہمیں اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی یا پھر ہمارے نفس میں گھسا اور چھپا بیٹھا شیطان ہمیں اس حد سے آگے بڑھ کر اللہ کے خاص بندوں اور سبقت لے جانے والے بندوں کے گروہ میں شامل ہونے سے خصوصی طور پر روکتا اور اس کی پچھلی تقویٰ کی stages و مقامات پر ہی ہمیں مطمئن کر دیتا ہے۔ اب آیئے اصل نکتہ پر۔

صبر و شکر:

جہاں قرآن پاک میں نماز و زکوٰۃ پر بہت زور دیا گیا ہے وہاں نماز اور صبر سے ہر مشکل میں مدد لینے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ صبر کرنا ایک نہایت مشکل بات ہے زندگی میں روزمرہ کے معاملات سے لے کر کئی خاص مقامات تک صبر کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ چونکہ صبر بھی ایک نہایت مشکل کام ہے اور ایسا کرنے سے سر سے پاؤں تک بندے کا وجود جلتا ہے اس لیے صبر کرنے والوں کے بھی درجہ بہ درجہ اعلیٰ مقاماتُ ہیں۔ روحانی ترقی میں یہ صفت بھی بندے کو خوب بڑھا دیتی ہے۔ اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ ”جتنی تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہو تمہارا گو کہ حق ہے تم اتنا بدلہ لے لو لیکن اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے“۔ اسی طرح فرمایا۔ ”اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔ پھر فرمایا ”صبر کرنے والے اللہ کو پسند ہیں“۔ ایک دیگر قول مبارک ہے۔ ”صبر کرنا بہادروں کا کام ہے“۔ حضرت اسماعیلؑ نے اپنے عظیم باپ ابراہیمؑ کو جب ذبح کے حکم ربی کا جواب دیا تو فرمایا۔ ”ابا جان آپ کو جیسا حکم ہوا ہے کر گزریں ان شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے“۔ حضرت ایوبؑ نے بے پناہ مصائب اور سخت ترین بیماری پر عرصہ دراز تک صبر کیا جس کے بعد محض دعا فرمائی گلہ نہیں کیا۔ اسی طرح سے حضرت یعقوبؑ نے یوسفؑ کے فراق میں گو کہ سالہا سال تک رو رو کر آنکھیں اندھی کر لیں کیونکہ دل پر اختیار نہ تھا لیکن صبر کیا نہ گلہ کیا نہ ایمان میں ذرہ برابر فرق آیا۔ حضرت یوسفؑ نے جیل کی صعوبتوں میں کئی سال گزار دیئے جو کہ انہوں نے تقویٰ کے مقابل شیطان کو شکست دینے کے لیے خود دعا کر کے مانگے تھے مگر صبر کیا کوئی گلہ نہ کیا نہ ایمان متزلزل ہوا۔ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال قوم کے تیر و تفنگ پر صبر کیا۔ ابراہیمؑ کے صبر و قربانی کا ذکر تو اوپر گزر ہی چکا ہے تاہم باپ

Marfat.com

کے گھر سے نکالنے اور عاق کرنے پر نیز قوم کے اتنے معجزے دیکھنے کے بعد بھی وطن سے نکال دینے پر صبر کیا کوئی گلہ نہیں کیا۔ حضرت محمد ﷺ کو اہل طائف نے پتھروں سے لہولہان کر دیا، خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے ابوجہل نے آپ ﷺ کے اوپر اونٹ کی اوجھری ڈال دی، ابولہب نے گندی زبان استعمال کی، اہل قریش قتل کے لیے آپ کے گھر پر حملہ آور ہوئے، جنگ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی پر زخم آئے، لوگوں نے مذاق اڑائے، پھبتیاں کسی، طعنے دیئے، معاشرتی مقاطعہ کر دیا، تین سال تک لیکن آپ ﷺ نے صبر کیا۔ تمام پیغمبر اللہ کے نہایت مقرب اور لاڈلے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بھی کسی بھی مقام پر کسی کے لیے بھی بدعا فرما دیتا تو یقین کیجیے ضرور اس پر قیامت صغریٰ نازل ہو جاتی یا وہ گروہ وہ علاقہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جاتا جس کی واضح مثال نبی پاک ﷺ کی ابولہب کے لیے بددعا تھی جس کے جواب میں قرآن پاک میں سورۃ تبت نازل ہوئی اور دنیا ساری نے ابولہب کو کوڑھ سے مرتے دیکھا اور اس کی بیوی کا بھی عبرت ناک انجام دیکھا۔ چنانچہ مراد یہ ہے کہ سب نبیوںؑ، رسولوںؑ، اولیاء اللہ اور اللہ کے پیاروں نے صبر عظیم کا نت نیا مظاہرہ کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو سخت ترین تشدد کے بعد سُولی تک پہنچایا گیا مگر آپؑ نے صبر کیا۔ بددعا نہ کی ورنہ آج یورپ صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا ظاہر ہے صبر کی بڑی قدر اور روحانیت میں اس کا بڑا مقام ہے۔ اب نیچے آیئے اپنی روزمرہ کی زندگی کی طرف زوجین کے درمیان زندگی اکٹھا گزارنے کے لیے بڑے صبر و تحمل کی ضرورت ہے ٹھیک ہے Give and Take کی بھی لازم ضرورت ہے بلکہ اس تعلق کی بنیاد ہی یہ ہے لیکن اگر ایک کی طبیعت میں سختی یا عدم برداشت کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے تو قدرت نے بعض اوقات دوسرے فریق کو حد سے زیادہ صبر عطا کیا ہوتا ہے ایسے میں گو کہ معاملات کو سلجھانے کی ایک حد تک کوشش کے بعد علیحدگی کی بھی اجازت ہے لیکن اس کے باوجود اگر دوسرا فریق عظیم صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا چلا جاتا ہے اس نیت سے کہ گھر نہ ٹوٹے بچے سوتیلے ماں یا باپ کے ہتھے نہ چڑھیں نیز یہ نیت بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی بیوی یا شوہر کو جانے دوبارہ کیسا شریک حیات ملے اگر اسے اپنے زوج سے محبت ہے تو اس صورت میں بھی وہ مار کھائے جاتا ہے اپنے جیون ساتھی سے ہر ہر طرح کے دکھ درد اور توہین مسلسل ساری زندگی برداشت کیے جاتا ہے مگر اسے چھوڑتا نہیں۔ یہ لکھ دینا آسان ہے مگر اس طرح سلگتے کوئلوں پر کوئی عظیم تر صبر سے زندگی گزار دے تو اس کا بھی بڑا مقام ہے تاریخ میں ایک ایسے شخص کا بھی ذکر ملتا ہے جسے اسی صبر وزوجیت پر اتنا مقام ملا کہ یہی اس کی ریاضت و چلہ شمار ہوا اور وہ باعزت و بامقام ٹھہرے انھیں ولایت کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا گیا۔ یاد رہے کہ ان کی بیوی نے ان کی زندگی کو ناسور بنا رکھا تھا حتیٰ کہ وہ غصے میں گھر کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے عبادت کے دوران ان کے سر پہ ڈال دیتی تھی۔ بہرحال گھریلو ظلم کے اور اسی طرح کے صبر کے ہزاروں انداز ہو سکتے ہیں۔ جوان اولاد کی نافرمانی پر صبر کرنا نہ تو اسے مالی منفعت سے نہ جائیداد سے عاق کرنا بلکہ اس کے لیے بددعا کی بجائے دعا کرتے رہنا۔ بہن بھائیوں کے رشتہ داروں کے لاکھ برے سلوک پر بھی ان سے جب موقع ملے حتی الوسع اچھا سلوک ہی کرنا بلکہ ان کے لیے اپنا سب کچھ پیش

Marfat.com

کرنا۔ والدین کے برے سلوک یا عاق کر دینے کے باوجود ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا یا جب جب موقع ملے خدمت و دلجوئی کرنا۔ لڑائی میں لڑنے والے فریق کے ساتھ رعایت برتنا حالانکہ اس وقت آپ غصے میں ہوتے ہیں لیکن غصہ پی جانا اور خاموشی اختیار کر لینا۔ بے عزتی کروا کر پسپائی اختیار کر لینا چاہے غلطی دوسرے کی ہو اس غرض سے کہ غصہ میں فساد بڑھے گا اور اس کا انجام ندامت ہوگا باوجود طاقت رکھنے کے ایسا کرنا اور دوسرے کو نقصان نہ پہنچانا۔ صلح کے لیے اپنی انا کو پس پشت ڈال کر نہ صرف پہل کرنا بلکہ اگلے کو منا لینا۔ زندگی میں اللہ کی جانب سے آئے ہوئے بے شمار غم و اندوہ، دکھ و پریشانیوں، ناکامیوں و نامرادیوں، بیماریوں و زیادتیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا صبر کرنا اور شکر کرنا ان نعمتوں کا کہ جن جن نعمتوں سے اللہ نے اسے نواز رکھا ہو اور ایسا تب بھی کرنا جبکہ ان دکھوں کے ملنے کی کوئی بظاہر وجہ بھی معلوم نہ ہو۔ اپنے مجرم کو معاف کر دینا۔ اس سے بدلہ نہ لینا اور اسے دعا دینا۔ حتیٰ کی بعد از ضرب کاری قریب المرگ حالت میں اپنے قاتل کو معاف کر دینا یا اپنی کسی بڑی حیثیت کے باوجود عمر فاروقؓ کی طرح محض اس سے قصاص لینے کی ہدایت کرنا اس کے عزیزوں یا دیگر مفادات کو نقصان نہ پہنچانے کی وصیت کرنا (حکم ربی ہے کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اس لیے گو کہ قصاص لینا چاہیے لیکن معاف کر دینے کا بھی اختیار دیا گیا ہے)۔ جس سے آپ نیکی یا جس پر احسان کریں اس کے کسی دیگر موقع پر برے سلوک یا نقصان پہنچانے پر صبر کرنا احسان نہ جتانا بلکہ پھر موقع ملے تو احسان کیے جانا۔ جیسے کسی ولی اللہ نے بچھو کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے پانی سے تین مرتبہ نکالنے کی کوشش میں تین مرتبہ ڈنک کھایا مگر اپنی طبع احسان کی روش کو جاری رکھتے ہوئے اس کی زندگی بچالی۔ زندگی کی بھوک ننگ کو صبر و ہمت سے برداشت کرنا اللہ سے کوئی گلہ نہ کرنا بلکہ شکر کرنا اس ولی اللہ کی طرح جو لاکھ عبادت و ریاضت اور تقویٰ و نیکی کے باوجود اس حالت کو پہنچ گئے کہ پاؤں میں جوتا بھی نہ رہا مگر ایک پیروں سے معذور شخص کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھ کر سبق حاصل کیا۔ صبر و شکر ادا کیا لاکھ لاکھ کہ ان کے پاؤں سلامت ہیں۔ زندگی بھر روکھی سوکھی میسر آنے پر بھوکوں کو دیکھ کر صبر و شکر سے کام لینا۔ حتیٰ کہ سب مال و دولت، بیوی بچے، رشتہ دار، عزت و مقام چھن جانے کے بعد سخت اذیت ناک بیماریوں میں مبتلا ہو جانا۔ عرصہ دراز تک کوئی والی وارث نہ رہنا اور پھر بھی صبر و شکر سے کام لینا حضرت ایوبؑ کی طرح۔ جب پیغمبروں کی مثالیں دی جائیں تو یہ سمجھ کر ان پر سے مت گزر جایا کریں کہ وہ تو پیغمبر تھے یہ ہمارے بھلا بس کی بات کب ہے کیونکہ پیغمبر ہمیں ہی یہ سب تعلیمات دینے اور ان پر عمل کروانے کے لیے بطور نمونہ کے دنیا پر تشریف لاتے ہیں اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے اب سب امور پہ مکمل طور پر عمل کے قابل بنایا ہے۔ جس کا انہوں نے نمونہ پیش کیا تھا ماسوائے وحی الٰہی یا دیگر حکمت پر مبنی راز کی باتوں کے۔ قارئین ان چند ایک گزارشات سے باقی معاملات صبر کو قیاس فرما لیجیے۔ سو صبر و شکر بھی روحانیت میں اعلیٰ سفر کے لیے آپ کو بال و پر عطا کرتا ہے۔

عدل و احسان:

Marfat.com

اس کے بعد عدل واحسان کو لے لیجیے یہ بھی بڑا مشکل لیکن بڑا اللہ پاک کو پسند آنے والا کام ہے۔ انسان اپنے نفس کے لیے تو سب کچھ کرتا ہے اس میں اولاد، پیاری بیوی اور قریبی رشتہ دار مثلاً والدین اور بہن بھائی بھی آ جاتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ خون کا رشتہ یا محبت وکشش کا رشتہ ہوتا ہے گو کہ ان کے ساتھ بھی کئی مواقع پر عدل واحسان کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن اس حد تک کام آسان ہے کیونکہ ہمیں ساتھ رشتہ داری کی کشش امداد بہم پہنچاتی ہے۔ لیکن جہاں معاملہ غیروں کا آ جائے ہمارا نفس شیطان کے زیر اثر فوراً selfish یا خود غرض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''دوسروں کے لیے بھی وہی کچھ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو'۔ پس بات ہی ختم ہوگئی ایک ایسی کلید ایسا فارمولا ہاتھ لگ گیا جس سے فرار ممکن ہی نہیں ہے اگر ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو کیا اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ کیا ہم فقیر کو وہی کھلاتے ہیں جو خود کھاتے ہیں؟ کیا ہم دوسروں کو اگر دینا ٹھہرے تو وہی کپڑے دلاتے یا دیتے ہیں جو خود پہنتے ہیں؟ کیا ہم ہر ہر شے جو اپنے نفس کے لیے زندگی کے ہر میدان ہر موقع پر پسند کرتے ہیں دوسروں کے لیے پسند کرتے، انھیں دیتے ہیں؟ یقیناً ہزاروں میں ایک ہوگا جو ایسا کرے۔ سو جو ایسا کرتا ہے وہی روحانیت کے سفر میں تیز گام بھاگتا اور بلندیوں پر اٹھتا ہے۔ اسی طرح سے زندگی میں ہر ہر قدم پر کتنے ہی مواقع آتے ہیں جب آپ اپنے لیے اپنے عزیزوں یا دوستوں کے لیے جو اشیاء، سہولتیں، مفادات وغیرہ پسند کرتے ہیں دوسروں کے لیے نہ صرف چاہتے نہیں بلکہ انھیں ان سے دور دھکیلتے ہیں ان کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں بے انصافی کرتے ہیں۔ اسے ہی اقرباء پروری کہتے ہیں جبکہ سب کے لیے آپ کو برابر عدل وانصاف پر مبنی جذبات رکھنے چاہئیں۔ آپ اپنے بیوی، بچوں، بہن بھائیوں، والدین، سسرال کے رشتہ داروں اور دیگر پیاروں کو موقع ملے تو Merit یا استحقاق کے بغیر نوازتے ہیں جبکہ حق داروں کی راہ میں دیوار بن جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ یہ آپ کا امتحان ہے اگر آپ نے یہاں عزیزوں کو، دوستوں کو، بیوی بچوں کو، سسرالیوں کو دیگر قربت والوں کو استحقاق کے بغیر نوازنے سے پرہیز کر کے ناراض کر لیا اور اس کے بدلے میں ان سے نقصان اٹھایا اور برداشت کیا تو یہ روحانی سفر کو مہمیز دے گا۔ آپ کے ہاتھ میں انصاف کا قلم ہے یا آپ انصاف پر اثر انداز ہونے کی کسی بھی پوزیشن میں ہیں آپ کا بیٹا یا بیٹی یا بیوی، بہن یا بھائی کسی چوری کے، قتل کے، ڈاکے کے، زنا کے، فراڈ کے، کسی پر ظلم وزیادتی کرنے کے یا کسی بھی دیگر جرم کرنے کے الزام میں پکڑا جاتا ہے یا جرم کر کے بھاگ جاتا ہے تو کیا آپ اس کی مدد نہیں کریں گے؟ کیا آپ کا رویہ وہی ہوگا جو اگر کوئی دیگر غیر متعلقہ شخص کرتا تو ہوتا؟ نہیں آپ یقیناً اپنے نفس کے شیطانی بہکاوے کے زیر اثر عمل کرتے ہوئے ہر انصاف وقانون قاعدے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے عزیز کو سزا سے بچالیں گے بلکہ ممکن ہے کسی بالکل بے گناہ کو پھنسوا دیں اور سزا دلوا دیں یا سولی پر چڑھوا دیں۔ ذرا اس ساری صورت حال کو خود پر لاگو کر کے دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ آپ یقیناً ایسا ہی کریں گے۔ کیونکہ ہر ایک کے ایمان وتقویٰ کی ایک حد ہے جو اس خاص حد پر آ کر ختم ہو جاتا ہے عزیزان محترم اگر آپ ان مواقعوں پر ثابت قدم رہتے ہیں اور حضرت محمد

Marfat.com

ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کہ جوانہوں نے قریش کے سرداروں کی زبردست سفارش کے باوجود ایک قریشی خاتون کو چوری کی سزا دلوا کر قائم کی تھی اور عظیم قول فرمایا کہ ''اگر میری بیٹی فاطمہ بھی ایسا کرتی تو میں لحاظ نہ کرتا، اس سے قبل اس لیے قومیں تباہ ہوئی ہیں کہ وہ کمزوروں کو سزا دیتے اور طاقتوروں کو چھوڑ دیتے تھے''۔ آپ بھی انصاف کو قائم کرتے ہیں اور دل پر جبر کر کے نفس کو لگام ڈال کر اپنے عزیز کو سزا دے ڈالتے ہیں یا سزا دلوا دیتے ہیں تو پھر آپ عدل کی صفت سے روحانیت کی پرواز کے لیے اور تقویٰ کی خاص بڑھوتری کے لیے عطر کشید کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ المختصر آپ کو عدل کا چاہے نہایت کم سے کم اتنا کم کہ جو قابل ذکر ہی نہ ہو یا زیادہ سے زیادہ اتنا زیادہ کہ آپ مختار کل ہوں اختیار مل جائے تو آپ ضرور عدل قائم کریں۔ بیٹے بیٹیوں میں عدل، بیویوں میں عدل (اگر ایک سے زیادہ ہوں) اپنے آپ سے عدل، اپنے عہدہ و منصب سے عدل، اگر استاد ہیں تو اپنے طلباء سے عدل، اگر حکمران ہیں تو رعایا سے عدل وغیرہ وغیرہ۔ پس ان چند مثالوں کو زندگی کے تمام ادوار و معاملات اور حالات و واقعات پر منطبق فرمالیں اور آپ کو کب کہاں کیا کرنا چاہیے معلوم کر لیں کہ عدل کیا ہے؟ کس طرح کرنا چاہیے۔ اسی طرح سے احسان کا رویہ ہے نبی پاک ﷺ کے پاس کوئی یہودی اپنا مال بشکل کھجوروں کے وقت سے پہلے مانگنے کے لیے آ گیا اور ترش و سخت انداز سے تقاضہ کیا۔ صحابہؓ نے برا منایا آپ ﷺ نے انھیں منع فرمایا اور فرمایا کہ اسے اس کی کھجوریں نہ صرف قبل از وقت دے دیں بلکہ چونکہ معاملہ تجارت کا تھا تو فرمایا کہ کچھ فالتو بھی ضرور دینا اور اس کی عزت افزائی کی وہ بڑا متاثر ہوا۔ کیونکہ وہ آپ کو آزما رہا تھا وہ غالباً اس کے بعد مسلمان ہو گیا۔ اصحاب نبی ﷺ میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے نہ صرف لوگوں کو قرض حسنہ دیئے بلکہ واپسی کے تقاضے میں سختی نہیں فرمائی بلکہ اللہ پاک کے ارشاد پاک کے مطابق جو قرض نہیں لوٹا سکتے تھے انھیں قرض معاف فرما دیا۔ حضرت محمد ﷺ ایک ایسی بڑھیا کا سامان اٹھائے ساتھ چل رہے ہیں جو نادانستگی میں آپ ہی کو برا بھلا کہہ رہی تھی کیونکہ وہ نہ جانتی تھی آپ ہی وہ محمد ﷺ ہیں جن کے بارے میں وہ سنی سنائی باتیں کر رہی تھی۔ منزل پر سامان پہنچا کر ادب سے فرمایا کہ میں ہی وہ محمد ﷺ ہوں جن کا آپ ذکر فرما رہی ہیں وہ اتنی متاثر ہوئی کہ مسلمان ہو گئی۔ اسی طرح اس بڑھیا کا واقعہ ہے جو روزانہ راہ چلتے آپ ﷺ پر کوڑا پھینکتی تھی۔ یہ واقعات ہیں جو آپ نے بار بار سن رکھے ہیں انھیں زیر بحث لانے سے مقصد اصولِ احسان آپ کو بتلانا ہے۔ یعنی احسان وہ ہے کہ جو بغیر کسی کے استحقاق کے آپ اس کے ساتھ کسی رویہ میں، کسی معاملہ میں یا کسی لین دین میں اختیار کرتے ہیں اور چاہے کچھ بھی ہو جائے زندگی کے کسی موقع پر جتلاتے نہیں ہیں۔ اپنا فرض نبھالینا بھی بڑی بات ہے یا کسی کو اس کا حق دے دینا بھی اچھی بات ہے لیکن بغیر حق کے کسی پر محض احسان کرتے ہوئے اس سے چھوٹی بڑی یا بہت بڑی بھلائی کرنا احسان کہلاتا ہے پھر کچھ اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں جن کی زندگی میں احسان کی روش ایک نیک اور پختہ عادت کے طور پر شامل ہوتی ہے وہ نہ صرف یہ کہ ہر حالت میں اسے نبھاتے ہیں بلکہ سو نقصانات اُٹھا کر بھی اسے نبھاتے چلے جاتے ہیں۔

Marfat.com

میں جتنی خاص باتوں یا صفات کا ذکر کر رہا ہوں یہ سب کی سب مختلف قسم کی نیکیاں ہیں۔

نیکی کی قیمت:

اب از راہ تذکرہ ایک خاص بات لکھتا ہوں کہ ہر نیکی کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے آپ چاہے چھوٹی سے چھوٹی معمولی سے معمولی چیز بازار سے خریدیں آپ کو اس کے لیے کچھ نہ کچھ قیمت ادا کرنا پڑے گی تو کیا ''نیکی'' جو اللہ کو بے حد پسند ہے یہ آپ بغیر کوئی قیمت ادا کیے ہی حاصل کر لیں گے؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا آپ کو یقیناً ہر نیکی کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اوپر کی تمام بحث میں بات زکوٰۃ سے چلی تھی تو آپ جتنا بھی زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں خود کو اتنا ہی دنیا کی ہزاروں سوغاتوں سے، عیش و آرام سے، من پسند خریداریوں سے محروم کر لیتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو بھوک ننگ تک کو برداشت کر کے دوسروں کے لیے سب کچھ دے دیتے ہیں، یہ اس نیکی کی قیمت ہے۔ اسی طرح سے جسم کی زکوٰۃ والی بات میں بھی آپ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے سو طرح کی جسمانی محنت و مشقت، تکلیف و مصیبت، رنج و الم وغیرہ برداشت کرتے اور ایسا کرتے چلے جاتے ہیں یہ اس ادا، اس نیکی کی قیمت ہے اسی طرح سے قربانی ہے بے حد و شمار قسم کی قربانیوں کے ذریعے آپ اللہ کی مخلوق کو سکھ پہنچاتے، خوشی دیتے اور مستفید فرماتے ہیں اللہ کو خوش کرتے ہیں خود بڑے دکھ اٹھاتے، دل کو جلاتے اور یوں زندگی بسر کر دیتے ہیں یہ قربانی جیسی نیکی کی قیمت ہے۔ اسی طرح سے صبر و شکر میں بھی کیا کیا مصائب اٹھا کر صبر کرتے ہیں یہ اس نیکی کی قیمت ہے ورنہ لوگ صبر چھوڑ کر شیطانی رستوں سے اس دنیا کے عیش و آرام حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سے عدل و انصاف میں بھی بڑی ہی جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتی ہے یہ بڑا ہی مشکل کام اور مشکل نیکی ہے اس میں دل پر بڑا جبر کرنا پڑتا ہے یوں کہیں اپنے ہاتھوں اپنی چمڑی ادھیڑنی پڑتی ہے بھلا یہ اس نیکی کی قیمت نہیں ہے تو اور کیا ہے آپ نے روڈ ایکسیڈنٹ کے سخت زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا، ان کے دوا دارو کا انتظام کیا، ان کے گھر والوں کو اطلاع دی، لیکن اس سے پہلے ہی دونوں مر گئے لیجئے اب آپ کی تھانے کچہری سے جان کب چھوٹنی ہے یہ تو الٹا آپ پر کیس چل پڑا یا تو برسوں کیس بھگتا یا آپ کو سزا بھی ہوگئی۔ کیا اب ایسی نیکی کریں گے؟ ہاں اگر اعلیٰ روحانی بلندیوں کو چھونا ہے تو ضرور کریں گے کیونکہ یہ ہی تو نیکی کی قیمت ہے۔ آپ اپنے رب سے حیران کر دینے والے انعامات کے متمنی ہیں اس مالک و خالق سے نورِ معرفت مانگتے ہیں اُس سمندر میں سفر مانگتے ہیں جس کے ہر قدم پر ہزار ہزار مست کر دینے والی نعمتیں ہیں تو پھر نیکیوں کی قیمت تو دینا پڑے گی۔ یہ اب آپ تک ہے کہ آپ کس طرح کی نیکیاں کرتے ہیں۔ پس یاد رکھیے جتنی زیادہ نیکی کی قیمت چکائیں گے نیکی کی وجہ سے جتنی اور جس شدت و طوالت کی تکلیف اٹھائیں گے یا جان دے دیں گے اتنی ہی زیادہ اللہ کے ہاں قدر ہوگی۔ آپ روحانی افقی سفر میں اتنے زیادہ اوپر اٹھیں گے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ ویسے تو تمام مثبت زندگی گزارنے اور خصوصاً آسمانی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے سے روحانی بالیدگی تو ملتی ہے اور روحانی ترقی ہوتی ہے لیکن وہ آپ کو جنت کے ابتدائی درجوں کا حق دار بناتی ہے

Marfat.com

آپ اس سے زیادہ جتنا زیادہ نیکی وتقویٰ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں اور انتہائی کٹھن مراحل میں داخل ہو کر اسے قائم رکھتے اور بڑھاتے جاتے ہیں اتنا ہی روحانی سفر افقی سمت بڑھتا اور خاص یا خاص الخاص روحانی دنیا میں سفر کے قابل آپ کو بنا دیتا ہے۔

یہ تو نیکی کی قیمت پر از راہ تذکرہ بات چل پڑی چونکہ نکتۂ خاص تھا اس لیے وضاحت کر دی اور اس لیے بھی وضاحت کی کہ آج کے زمانہ میں لوگ نیکی کرنے سے اس لیے ڈرتے ہیں کہ ایک تو نیکی کریں اوپر سے بجائے اچھا جواب response ملنے کے الٹا نقصان اٹھائیں اس لیے ''ایسی نیکی سے ہم باز آئے''۔ اس وجہ سے نیکی کرنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں خصوصاً اہم موقعوں پر جہاں زیادہ نقصان کا احتمال ہو کوئی نیکی کرتا ہی نہیں۔ بہر حال امید ہے قارئین کو یہ نکتہ سمجھ آ گیا ہوگا۔ جہاں تک عدل و احسان کے موضوع کی بات ہے اسے ہم پہلے ہی مکمل کر چکے ہیں اور درج کی گئی مثالوں سے ہم نے ان صفات کے نہ صرف مفہوم کو سمجھ لیا ہے بلکہ ان اوصاف سے کیسے روحانی ترقی کو پر لگتے ہیں یہ بھی ہم جان چکے ہیں۔

صدّیقیت Truthness:

میں کافی دیر سے بات کو مختصر کرنے کی کوشش میں ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ مضمون چونکہ بہت پھیل رہا ہے اس لیے بحث کو سمیٹ کر کسی نتیجے کی سمت لاؤں لیکن ایک تو موضوع بڑا ہی وسیع ہے دوسرے روحانی ترقی کے لیے جو tools استعمال ہوتے ہیں ان میں ابھی پچھلا عنوان مکمل نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا بہت بڑا ''آلہ'' ستارہ بن کر ذہن میں جگمگانے لگتا ہے۔

صدّیقیت اس روحانی میدان میں ایک بہت بڑی صفت ہے۔ اس سے مراد ہے سچائی اور صدق ایسی چیز جس میں کوئی کھوٹ، کوئی ابہام، کوئی ریا، کوئی کجی، کوئی بناوٹ، کوئی ملمع کاری نہ ہو بلکہ صاف وشفاف، نکھری اجلی روز روشن کی طرح عیاں ہو۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیں کہ یہ کتنی خوبصورت چیز ہے۔ یہ صفت کیسی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور اس کی ضد ہے کذب یا جھوٹ گویا کہ سچائی یا صدّیقیت حق ہے اور کذب یا جھوٹ باطل ہے۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں صدیقیت کی صفت کو مومنین کی اعلیٰ ترین صفات میں شمار کیا ہے اور کاذبین کو شیطان کا شکار قرار دیا ہے۔ سو عام زندگی روزمرہ کے معاملات میں ہمیں ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔ سچ اور صدق کا دامن ہاتھ سے کبھی بھی کسی بھی صورت چھوٹنے نہیں دینا چاہیے۔ جبکہ آج کل کے مسلم وغیر مسلم سب معاشروں میں اپنے مفاد کی خاطر اندھا دھند جھوٹ بولنے کو نہ صرف اپنا حق سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ انفرادی، قومی اور بین الاقوامی ڈپلومیسی کا، حکمت عملی کا ایک اہم ستون بن چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس پر عمل کرتے ہوئے ان مذکورہ سب سطحوں پر وقتی طور پر بڑا فائدہ ہوتا ہے اور ہر طرح کے مفادات و کامیابیاں حاصل ہو جاتے ہیں لیکن آگے چل کر اس کے بہت دوررس نقصانات سامنے آتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ افراد تو جھوٹ سے نقصان اٹھاتے ہی ہیں اقوام بھی اس سے

Marfat.com

برباد ہو چکی ہیں بلکہ دو بڑی جنگیں جنہیں ہم جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوئم کہتے ہیں اسی جھوٹ وریا اور دوسری اقوام کے ساتھ دغا بازی کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئیں تھیں جن کے پیچھے ہوس زر، ہوس طاقت واقتدار اور کمزور اقوام کو کھا جانے کا مکروہ جذبہ پردہ نشین تھا۔ آج کا ترقی یافتہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ زرخیز ذہن رکھنے والا انسان اور اقوام بڑے خوبصورت، بااخلاق، بظاہر قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ڈپلومیٹک جھوٹ بولتے ہیں اور ایسے طریقے سے کہ سچ بھی اس جھوٹ سے شرمائے۔ جس طرح وکالت کا پیشہ ہے کہ قانون کی بڑی بڑی کتابوں میں بچھی شطرنج پر جو بھی ماہر وکیل دوسرے کو اپنی چرب زبانی اور دلائل نیز جھوٹے سچے کیسے بھی ثبوتوں کی مدد اور اپنی ذہانت وفطانت کے بل بوتے پر شکست دے لے وہی سچا ہے وہی حق ہے اس پر جج فیصلہ دے دیتا ہے چاہے سب کو معلوم ہو کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ ہزاروں لاکھوں مقدمات کی فائلیں اور فیصلے اس بات کے گواہ ہیں کہ بیچ چوک کے ساری دنیا کے سامنے قتل کرنے والے بری ہو گئے۔ بے شمار بے گناہ پھانسی چڑھ گئے، جیلوں کی چکی پیستے پیستے مر گئے، ان کے گھربار، بیوی بچے، مستقبل تباہ ہو گئے، کئی اس دروغ گوئی کی آبیاری کرنے والے وکلاء کے ہاتھوں انصاف نہ پا کر پاگل ہو گئے، کئی سکتے میں چلے گئے، کتنوں کے والدین فیصلوں اور غلط فیصلوں کی تاب نہ لاتے ہوئے جل بسے، کتنا قہر کتنا ظلم، کتنا فساد پھیلاتا ہے یہ جھوٹ کسی کو بھلا اس کا کیا اندازہ ہے۔ کتنی اقوام اس کی بھینٹ چڑھ گئیں طاقت ور قوموں نے کمزور قوموں کو صدیوں اسی جھوٹ فریب کی سیاست کے تحت محکوم وغلام بنائے رکھا نسلوں کی نسلیں آنسوؤں کے سمندر میں ڈوب گئیں حیرت ہے کہ ان کے لاشوں کو کہیں تو بلڈوزروں سے دفنا دیا گیا کہیں دریاؤں سمندروں میں بہا دیا گیا کہیں بھٹیوں میں جلا دیا گیا اور کہیں اتنی ڈھٹائی بھی ہوئی اور آج کل یہ عام ہے کہ قاتل قومیں مقتول و مرحوم اقوام کی مسیحا بھی بنی ہوئی ہیں۔ یہ جھوٹ اور فریب وکذب کی مکار صفت کی تباہ کاریوں کی ہلکی سی جھلک ہے یہ سب آسمان کو چھوتی انسانی ترقی کی خوبصورت عمارت اسی جھوٹ وفریب پر کھڑی ہے اس کی تہہ میں غریبوں، کمزوروں، محکوموں، محروموں، جاہلوں اور حقیروں مگر اس ترقی کو اپنا خون رات دن کام ومحنت کی شکل میں دینے والوں کی ہڈیاں دفن ہیں اور وہ بین کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹ ومکر اور فریب ودغا سے حاصل کی ہوئی نہ تو دولت ہمیشہ ساتھ دیتی ہے اور نہ ہی ایسی ترقی حاصل کرنے والی اقوام ہی کبھی سکون، عافیت اور خطرات سے تحفظ پا سکتی ہیں۔ کوئی دن جاتا ہے کہ بہت جلد کسی تیسری جنگ عظیم میں قدرت ان محنت کش مقتولوں کی آہ وبکا کرتی ہڈیوں کا انتقام ان اقوام سے لے گی اور تصور سے بالاتر قسم کی تباہی دوزخ بن کر اس ترقی اور اس کے دعوے داروں پر چھا جائے گی۔ یہ میں نے جھوٹ کی تباہ کاریوں پر بحث اس لیے کی ہے کہ صدیقیت اس کی ضد ہے ایک انتہائی مثبت صفتِ انسانی اگر اس پر عمل کیا جائے تو چاہے افراد ہوں، چاہے اقوام ہر جانب امن وسکون اور پیار ومحبت کی فضا ہو گی۔ گھربار اور معاشرے سے بے شمار برائیاں ختم ہو جائیں گی۔ حضرت محمد ﷺ سے کسی شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ہدایات فرمایئے کہ میں جنتی بن سکوں، آپ ﷺ نے چند ہدایات فرمائیں اس

Marfat.com

نے خود پر غور کیا تو خود کو اس قابل نہ جانا کہ سب پر عمل کر سکے گا۔ کہا کہ جناب میں سب پر عمل کے قابل خود کو نہیں پاتا مجھے کوئی بھی ایک بات بتلا دیجئے جس پر عمل کر کے میں کامیاب ہو جاؤں۔ گو کہ کمزوری اس شخص کی ذات میں تھی اور دین پر عمل کے لیے سب کے سب مجموعہ قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن قربان جایئے اس دریائے حکمت پر کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو ہمیشہ سچ بولو'۔ وہ یہ سن کر خوش ہو گیا اور خوشی خوشی اٹھ کر چلا گیا کہ چلو اب اس دین پر عمل کرنا ممکن ہو گیا ہے کہ صرف ایک حکم پر پورا پورا عمل کرنا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر آیا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے کس مشکل میں ڈال دیا ہے کہ ہر کام جو میں دین حق کے خلاف کرنا شروع ہوتا ہوں آگے یہی ایک میری صفت راہ روکے کھڑی ہوتی ہے نہ چوری کر سکتا ہوں، نہ میں ڈاکہ ڈال سکتا ہوں، نہ شراب پی سکتا ہوں، نہ زنا کر سکتا ہوں، نہ کسی کا حق مار سکتا ہوں وغیرہ وغیرہ کہ اگر کوئی پوچھے تو سچ بتانا پڑتا ہے اور سزا ملتی ہے۔ سو چونکہ عرب زبان کے پکے ہوتے ہیں وہ اس پر قائم رہا اور بہترین مومن بن کر جنت کا حق دار ٹھہرا۔ تو دیکھا آپ نے دوستو کہ کس طرح سچ بولنے کی عادت نے ایک شخص کو نہ صرف پکا مسلمان بنا دیا بلکہ اعمال صالح اختیار کر کے جنت میں جانے کے قابل بنا دیا۔ یقین کیجئے کہ اگر ہم انفرادی واجتماعی طور پر سچ وصدق کو اپنا قومی شعار بنالیں اور جھوٹ وکذب سے سچی توبہ کر لیں 100 فیصد سچی توبہ تو یقین جانئے ہم دنیا کی نہ صرف ایک کامیاب ترین قوم بن کر ابھریں گے بلکہ آخرت میں اپنے نیک اعمال کا ایک وسیع دفتر ساتھ لے کر جائیں گے۔ میں قوم پرست نہیں ہوں نہ ہی حق کے لیے سرحدیں ہوتی ہیں تمام دنیا کو یہ کھلی دعوت ہے کہ صرف یہ ایک صفت دل و جان سے اختیار کرو باقی صفاتِ حق وقت کے ساتھ ساتھ خود بخود آپ میں در آئیں گی اور یہ تعلیمات صرف قرآن مجید کی نہیں ہیں۔ یہی تعلیم یہودیت کی، عیسائیت کی، ہندوؤں کی، سکھوں کی، بدھوں کی بلکہ میں سمجھتا ہوں تمام مذاہب کی ہے ماسوائے دنیا کے کسی ایسے خطے کے جہاں شیطان کی پوجا کی جاتی ہو ہر جگہ کی خاص خاص اخلاقی و مذہبی تعلیمات ایک جیسی ہیں۔ یا تو مذاہب عالم کے پرچارکوں نے انسانیت میں تفریق ڈال رکھی ہے یا پھر کچھ ایسی اقوام یا گروہ ہیں جو سرے سے نہ صرف یہ کہ خدا کو مانتے نہیں بلکہ خالص مادہ پرست ہیں اور اسی دنیا کو سب کچھ مانتے ہیں لیکن ان میں بھی اعلیٰ انسانی اخلاقیات کو نہ صرف مانا جاتا ہے بلکہ مذہبی ممالک و اقوام سے شاید زیادہ وہ لوگ ان پر عمل کرتے ہیں کیونکہ انسان چاہے خدا کو مانے یا نہ مانے وہ ہر انسان کے اندر موجود ہے اور کیا ٹھیک ہے کیا غلط اندر سے من اس کی گواہی دیتا ہے۔ حق بات پر عمل کرنے سے دلی سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے ایک عجیب سی Satisfaction ملتی ہے اور باطل، جھوٹ یا فریب پر مبنی عمل سے اندر سے کوئی چیز کچوکے لگاتی، لعن طعن کرتی ہے ہم اپنے ضمیر کو شیطان کے زیر اثر چاہے سلا دیں لیکن اندر ایک عجیب سی بے سکونی اور وحشت سی تمام گناہ آلودہ افعال کے بعد قائم رہتی ہے جب کہ اپنے جرائم کا اقرار کر کے، توبہ کر کے اور سزا کے لیے خود کو پیش کر کے عجیب روحانی سکون ملتا ہے۔

لاکھوں رحمتیں ہوں صدّیق اکبرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ پر کہ جنہیں اسی صفت کا اتنا بڑا ٹائٹل یا لقب ملا وہ بھی حضرت

Marfat.com

محمد ﷺ سے جو اللہ پاک کے بڑے ہی محبوب نبی ﷺ اور ہمارے آقا ﷺ ہیں اللہ کے ترجمان ہیں گویا کہ اللہ پاک نے حضرت ابوبکرؓ کو ''صدّیق'' کا لقب دیا اور چونکہ صدیق تو سب صحابہؓ تھے لہٰذا آپؓ صدیق اکبرؓ کہلائے۔ نبی پاک ﷺ کے واقعہ معراج کی بن دیکھے محض کفار مکہ سے سن کر آپ نے تصدیق فرمائی کہ اگر محمد پاک ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے تو یقیناً سچا واقعہ ہے۔ آپ اُن کے حضرت محمد ﷺ پر یقین و ایمان کا اندازہ لگایئے اگر ہمیں ایسا ایمان یا ان جیسا ایمان نصیب ہو جائے چاہے جس درجے میں بھی تو ہماری دنیا و آخرت سنور جائے اور روح کے عروج کرنے کی رفتار پھر عجب رنگ دکھائے۔ بہر حال المختصر یہ ہے کہ ہر حالت میں سچ بولیے حق کی گواہی دیجیے چاہے آپ کا تھوڑا یا زیادہ یا بہت زیادہ یا بے حد مفاد اس سے متاثر ہو رہا ہو۔ آپ کے مفاد، آپ کے مال، آپ کی جان، آپ کی عزت، آپ کے مقام و پوزیشن، آپ کے تعلقات یا آپ کے گھر کے لٹنے کا پھانسی چڑھ جانے کا، چمڑی اُدھڑ جانے کا خطرہ کیوں نہ ہو سچ بولیے۔ پھر روح کے افقی سفر کی رفتار دیکھئے، تیل دیکھئے تیل کی دھار دیکھئے۔

توکل صرف خدائے واحد و لاشریک پر:

ہم ایمان تو خدا پر رکھتے ہیں اسے مانتے اور پوجتے بھی ہیں باقی بھی سارے مذہب پر حتی الوسع عمل کرتے ہی ہیں (یا ہمیں ایسا کرنا ہی چاہیے) لیکن ہم نے کبھی سوچا کہ ہم حقیقت میں کتنا اپنے رب، اپنے پالنے والے، اپنے خالق، اپنے پیدا کرنے والے، اپنے رازق، اپنے رزق دینے والے، اپنے حافظ، اپنی حفاظت کرنے والے، اپنے شافع، اپنے شفاعت کرنے والے، اپنے منعم، اپنے نعمتیں بخشنے والے، انعام بخشنے والے کو مانتے ہیں۔ کیا حقیقت میں ہم صرف اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں صرف اپنے رب ہی کے سامنے دست حاجت پھیلاتے ہیں؟ شاید حقیقت میں ہم میں سے بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس سطح کے ''موحّد'' ہیں۔ ٹھیک ہے یہ دنیا مجازی ہے اور ہمارے اس جسم مجاز کی دنیا میں مجازی عناصر کا بڑا عمل دخل ہے۔ ہمیں اپنی پیدائش سے موت تک انہی مجازی اشیاء اور افراد سے واسطہ پڑتا ہے نیز بغیر ان ذرائع کے ہم دنیا میں زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی میں سب سے پہلے ہمارے والدین کا پھر بہن بھائیوں کا، عزیز و اقارت کا، بیوی بچوں کا، اساتذہ کا، کتابوں کا، مختلف علوم کا، استعمال کی ہزاروں لاکھوں اشیاء کا، بیمار کے لیے ڈاکٹر کا، ہر کام کے کرنے و کروانے کے لیے اس کے ماہر پیشہ ور کا حتیٰ کہ روحانی علوم اور مذہب پر عمل کے لیے آئمہ عظام کا، پیروں، فقیروں اور صوفیوں کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو بے شک یہ سب عناصر اپنی جگہ بظاہر بہت حیثیت رکھتے ہیں جو کہ مجازی ہے حقیقت میں تو کوئی اور ہی واحد تمام اختیار و ارادے اور زبردست حکم و قوت رکھنے والی ہستی ہے جو بغیر کسی ٹکراؤ کے بغیر کسی تخریب یا فساد کے ایک طے شدہ پروگرام حکمت کے تحت اس نظام ہستی کو نظام کائنات کو چلا رہی ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں قرآن میں کہ ''تم تو پانی کے چند قطرے ٹپکا دیتے ہو ان سے انسان کو کون تخلیق کرتا ہے تم یا ہم''۔ پھر ارشاد پاک ہے ''ہم نے تمہیں پھر ایک طے

Marfat.com

شدہ مدت تک (ماں کے پیٹ میں) مقام محفوظ میں رکھا''۔ پھر حکم ہے''ہم نے تمہیں تین اندھیریوں میں تخلیق کیا''۔ پھر ارشاد ہوتا ہے''(اے انسان) تم پر ایک وہ بھی زمانہ گزرا ہے جب تم کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھے''(ڈارون تھیوری)۔ ایک جگہ ارشاد ہے''ہم نے انسان کو کھنکتی ہوئی مٹی سے تخلیق کیا پھر اس میں اپنی روح پھونکی تو ہو گیا سنتا دیکھتا''(یعنی زندہ ہو گیا اپنے حواس کے ساتھ)۔ ارشاد ہے''تنگ دستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم ہی تمہیں رزق دینے والے ہیں اور ہم ہی انھیں بھی رزق دیں گے''۔ ارشاد ہے''ہم ہی تمہیں زندگی دینے والے ہیں اور ہم ہی تمہیں موت دینگے''۔ ارشاد ہے''ہم جسے چاہیں ڈھیروں رزق دیں اور جسے چاہیں تنگ دست رکھیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں''۔ پھر فرمایا''وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں وہ قدرت والا اختیار والا ہے''۔ ارشاد پاک ہے''اگر خدا تمہیں نفع دینا چاہے تو کوئی تمہیں نقصان دینے والا نہیں اور اگر خدا تمہیں نقصان پہنچائے تو کوئی نفع دینے والا نہیں''۔ اسی طرح سے سارا کا سارا قرآن مجید، ساری کی ساری بائبل مقدس اور اکثر مذہبی آسمانی کتب حقائق سے بھری پڑی ہیں جن میں ایک جیسے بیانات ہیں۔ آپ مطالعہ فرمائیں قرآن کریم یا کسی بھی آسمانی اصل کتاب کا آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ آخر میں سو باتوں کی ایک بات کہ ''اللہ اول اللہ آخر، اللہ ظاہر اللہ باطن''۔ اب بتائیں کیا باقی رہ گیا سب کچھ خدا ہی خدا تو ہے۔

اس بحث سے ان حوالہ جات کے دینے سے مراد یہ ہے کہ بے شک یہ کثرت میں بٹی بہت بڑی کائنات بڑے بڑے محیر العقول کام کرتی نظر آتی ہے لیکن اس کے پیچھے اللہ کا حکم''کُن'' کام کر رہا ہے یہ سب مادی کائنات یہ سب مجازی حرکات اور ان کے محرکات''کُن'' نہیں ہیں''فیکون'' ہیں۔ یہ حکم دینے والے، حکم کی طاقت رکھنے والے نہیں ہیں حکم سن کر ہو جانے والے اور حکم ماننے والے ہیں۔ بظاہر چونکہ یہی بُت اور ان کی حرکات نظر آتی ہیں اس لیے ہم انہی سے direct ہو جاتے ہیں اور اصل طاقت جس کنٹرول کرنے والے، خلق کرنے والے اور حرکت دینے والے، برکت ڈالنے والے کی ہے اسے ہم یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ہم جب کسی شخص سے بات کرتے ہیں تو اس کے جسم سے نہیں بلکہ اس کی روح سے بات کرتے ہیں جو اس کے جسم میں سرایت کی ہوئی ہے بالکل اسی طرح سے جیسے جسم اپنے لباس میں ہوتا ہے اور بغیر جسم کے لباس محض، ہینگر پر لٹکی بے جان شے ہے مرنے کے بعد ہر جسم کی حالت بھی اسی لباس مجاز کی سی ہے لیکن ہم اجسام کے پیچھے دوسرے لفظوں میں بتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ حقیقت جو کہ روح ہے اسے چھوڑ کر اور روح کیا ہے''امر ربی'' ہے اس کی حقیقت رب تعالیٰ ہی جانتے ہیں یا یوں کہیں کہ یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کا حکم ہے، اسی کا''نور'' ہے، اس نور ہی نے تو مجاز میں آ کر طرح طرح کے لباس اوڑھ لیئے ہیں کہیں سبزہ زاروں میں دکھتا ہے کہیں باغوں و گلستانوں کے حسین و نازک پھول کلیوں میں، کہیں یہ تتلیوں کے عجب رنگوں میں دکھتا ہے کہیں یہ مور کے آنکھوں کو خیرہ کرنے والے پروں میں، کہیں یہ بہاروں میں دکھتا ہے کبھی جوبن و جوانی میں، کہیں یہ ساون کی ٹپ ٹپ برسات میں ہر طرف زندگی بکھیرتا نظر آتا ہے کہیں سرما کی

Marfat.com

جھڑیوں میں خودکومنواتا ہے، کہیں یہ عجب رنگ برنگ پرندوں کی بے شمار اقسام میں، ایک سے بڑھ کر ایک نئی بایوفزیکل ٹیکنالوجی کے اژدھام میں پردہ نشیں ہے اور کہیں نت نئی ان گنت حیرت زدہ کرنے والی سمندری حیات میں یہ دوڑ رہا ہے پھر گرج و چمک میں دل کو دہلا رہا ہے۔ کہیں چبا رہا ہے، کھا رہا ہے اور کہیں کھلا رہا ہے۔ انسانوں کے حسن کی طرف آیئے تو ایسے ایسے حسین ہو گزرے ہیں کہ حسین ترین مصری عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں بجائے پھلوں کے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ آپ حسن زن ہی کو دیکھیں تو ایک سے بڑھ کر ایک دیکھتے ہی رہ جائیں، بہادروں کی بہادری پر عش عش کر اٹھیں۔ پس زیادہ کیا لکھنا ہے ہر مجاز میں وہ خود ہی پوشیدہ ہے تو ہر ہر شے کا وجود چاہے وہ جیسی بھی ہو اسی ذات واحد سے ہے لیکن شیطان کو مجاز میں اختیار تا قیامت دے کر اپنی حکمت کاملہ کے ذریعے ہر باطل ہر برے عمل کا اذن دے دیا ہے اس لیے ہر حق پہ مبنی نیت، خیال اور عمل اور شے خدا کی جانب سے ہے جس میں اس کا اذن و رضا دونوں شامل ہیں۔ جبکہ باطل و شیطانی اشیاء و حرکات و سکنات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال کے لیے صرف اللہ کا اذن (شیطان کے اختیار کی وجہ) شامل ہے رضا شامل نہیں ہے۔ تو ہم نے اس تھوڑی سی بحث سے یہ معلوم کیا ہے کہ اس دنیائے مجاز اور اس میں آباد بتوں کی یا افراد کی حقیقت کیا ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ اصل حقیقت رب کی ذات ہی ہے جس کے ہاتھ ہر شے کی ڈور ہے بلکہ ہر شے کا وجود ہی اس سے ہے اور ہر حسن و خوبی، نفع و نقصان کا ملک ہی وہ خود ہے تو پھر کیا ہمیں مجازی بتوں کے پیچھے دوڑنا چاہیے؟ اپنی اغراض کا منبع و محور کیا انھیں بنانا چاہیے؟ کیا ان سے نفع و نقصان کی امیدیں لگانا چاہئیں اور کیا اس دنیا کے پیچھے اندھا دھند بھاگنا چاہیے؟ یقیناً نہیں۔ اگر نہیں تو پھر کرنا کیا چاہیے؟ یہ بڑا ہی اہم سوال ہے۔ کرنا یہ چاہیے کہ ٹھیک ہے یہ دنیا رب تعالیٰ نے بنا کر فرمایا کہ اے میرے بندے یہ دنیا میں نے بے شک تیرے ہی لیے بنائی ہے یہ سب رنگ برنگ طرح طرح کی نعمتیں (جن کو رب تعالیٰ نے کئی مقامات پر گنوایا اور بیان بھی کیا) تیرے ہی لیے ہیں اور زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے ہے اسے تسخیر کرو، اس پر غور و فکر کرو، معلوم کرو اور اس سے مستفید ہو جیسے مستفید ہونے کا حق ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز ہر کام کرنے کا ایک ٹھیک اور ایک غلط طریقہ ہے ان میں تخریب و فساد اور حکم عدولی پوشیدہ ہے۔ اب ٹھیک طریق کیا ہیں اس کے لیے آسمانی کتابیں شروع دن سے ہماری رہنمائی کرتی آئی ہیں اور غلط سلیقے کیا ہیں وہ جو آسمانی صحائف یا قرآن پاک کے خلاف ہوں اس کی ضد ہوں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر ہر معاملہ میں ہر ہر کام کو صرف اس طرح اس حد تک کریں اور اس کی کوشش کریں جس کی خدا کی طرف سے اجازت ہے اس سے تجاوز نہ کریں۔ آپ نے زمین میں ہل چلایا، بیج ڈالا، گوڈی پانی کا، کھاد کا بندوبست بمطابق موسم کیا یہ آپ کا جائز اختیار تھا۔ اب فصل یا پھل پھول اگانا اور نفع و نقصان دینا صرف اللہ کا کام ہے لیکن اگر آپ اس کام کے لیے پیروں فقیروں، پنڈتوں، جوگیوں، نجومیوں، جوتشیوں، رمل و جفر والوں، گرووں یا بتوں کے پاس بھاگتے جائیں اور فریاد کریں، جھکیں ماتھا رگڑیں تو یہ وہ مقام ہے طریق ہے جو حد سے نہ صرف تجاوز ہے بلکہ واحد خدا پر

Marfat.com

ایمان کو (جو کہ ہر قوم کا زبانی اقرار ہے) عملاً ختم کر دیتا ہے گویا آپ کو اپنے رب پر بھروسہ نہیں ہے آپ کا ایمان تو اس سے زیادہ بجلی کے کرنٹ پر ہے آپ ننگے تار نہیں چھوتے، آپ کا اس سے زیادہ ایمان تو جلتی آگ پر ہے آپ اس میں چھلانگ نہیں لگاتے، اس سے زیادہ ایمان تو سمندر پر ہے آپ اس میں کبھی نہیں اترتے بلکہ شیر چیتے پر، خونخوار کتے یا بھیڑیے پر، بلندیوں سے گر کے مرنے پر غرض ہر اس چیز پر آپ کا ایمان کہیں زیادہ ہے، جس پر آپ کو 100 فیصد یقین ہے کہ یہ نقصان دے گی یا مار ڈالے گی۔ آپ اس کے قریب تک نہیں جاتے لیکن اگر ایمان نہیں ہے تو صرف اللہ پاک کی اس واحد و لاشریک ہستی پر نہیں ہے جو ان سب مجازی اشیاء کی مالک ہے خالق ہے مختار ہے۔ پیچھے میں نے ایک کسان کی مثال دی ہے آپ اسی کو زندگی کے بے شمار شعبوں اور کاموں پر لاگو کر کے دیکھیں جواب یہی ملے گا یہ ایک کلیہ formula بتلا دیا ہے اسے اختیار کر کے، لگا کے جہاں دیکھیں گے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ آپ عقیدوں پر نہ جائیں دنیا کے ہر مذہب میں مختلف فرقے تھوڑے تھوڑے فرق سے موجود ہیں اور وہ سبھی اس خاص مذہب ہی کے اور اسی رسول اللہ کے پیروکار کہلاتے ہیں جیسے ہمارے مذہب کے بڑے فرقوں میں اگر ایک جانب اہل تشیع اور بریلوی مسلک سے متعلق لوگ ہیں جو مزارات کے قائل ہیں تو دوسری جانب اہل دیوبند زندہ پیروں فقیروں کے ماننے والے اور اہل حدیث جو خالص ''موحد'' کہلاتے ہیں (اور بے شک ان کا مسلک ''حواس خمسہ'' کی انسانی دنیا کے تحت سب سے افضل و بہتر ہے۔ حواس خمسہ کی اصطلاح یہاں اس لیے اختیار کی ہے کہ دیگر حواس ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتے یہ فقیر راہ اللہ اور اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کی راہ ہے جس میں طریقت اور حقیقت کی جانب سفر ہوتا ہے یہ خاصوں کی راہ ہے عاموں کی نہیں)۔ سب لوگ شامل ہیں لیکن عملی زندگی میں دیکھیں تو بہت کم لوگ ''توحید الٰہی'' کے تقاضوں کو نبھاتے اور ان پر پوری روح سے عمل کرتے ہیں ورنہ ٹھیک ہے اگر کوئی پیروں فقیروں یا مزارات پر نہیں جاتا یا بتوں سے نہیں مانگتا لیکن انہی میں بہت ایسے ہیں جو نجومیوں سے جوتشیوں سے مستقبل معلوم کرتے ہیں دست شناسوں سے یا رمل و جفر کا علم جاننے والوں یا کسی دیگر علم کے جاننے والوں سے حساب کتاب کرواتے اور مستقبل معلوم کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے یہ علوم بھی سب کے سب خدا کی جانب سے حق ہیں لیکن ان کا جائز طریقہ یہ ہے کہ ان سے مثبت کام لیں۔ مثلاً اگر کسی بیماری، حادثے یا نقصان کا یا صحت کے گرنے کا یا کسی دیگر نفع و نقصان کا آپ کو بتایا جائے یا کسی شخص چیز یا جگہ سے پرہیز کا یا کسی خاص تاریخ یا زمانہ میں احتیاط کا کہا جائے تو اسے اس یقین کے ساتھ اختیار کیجیے کہ آپ یقین رکھتے ہوں بے شک نفع نقصان کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ہم حتی الوسع ان ہدایات پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کے اتارے ہوئے علم ہیں تاہم اس کے باوجود یہ علوم یا ہدایات ہمیں نفع پہنچانے والے یا نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں، اول اختیار بھی اور آخری اختیار بھی اللہ کے پاس ہے نیز وہ چاہے تو اس علم سے معلوم حقیقت کو پل بھر میں الٹ کر جو چاہے میرے ساتھ کر سکتا ہے پس جس طرح سے آپ ڈاکٹر سے دوا لیتے ہیں لیکن شفاء کا یقین رب پر رکھتے ہیں چاہے تو شفاء دے چاہے نہ دے،

Marfat.com

چاہے تو دوا سے بھی بیماری کو بڑھا دے یا بجائے زندگی کے موت دے ڈالے۔ اسی طرح سے زندگی کے ہر معاملے میں آپ اپنی جانب سے کام کرتے عمل کرتے اور توکّل خدا پر کرتے ہیں۔ اگر اس طرح سے ان علوم سے مستفید ہونا چاہیں تو ٹھیک ہے ورنہ شرک ہے۔ پس دنیا میں اللہ پاک نے بے شمار علوم وفنون پیدا فرمائے ہیں جن میں عملیات بھی ہیں تعویذ گنڈے بھی ہیں اور دیگر کلمات پہ مبنی علوم بھی ہیں۔ ہر علم کا ایک منفی پہلو ہے ایک مثبت پہلو۔ منفی پہلو کے ساتھ شیطان منسلک ہے اور مثبت پہلو رحمٰن کی رضا کے ساتھ ہے اب علم تو کوئی بھی برا نہیں ہے اس کا استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے جیسے کہ زہر ہلاکت کا باعث ہے لیکن مثبت طریق سے دوا میں استعمال ہو کر صحت وتندرستی بخشتا ہے۔ سو مثبت کام اگر کسی بھی علم سے لے لیا جائے تو جائز ہے لیکن منفی نتائج حاصل کرنے کی ہر کوشش اور ہر استعمال حرام ہے قابل سزا و قابل گرفت ہے یہ ایک کامل کلیہ ہے اب یہ آپ تک ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں مثبت کام کے نتائج بھی بالآخر خدائے پاک ہی مرتب کرتا ہے کسی بھی ذریعہ سے کام ہو تو اسی رب کا تہہ دل سے شکر ادا کریں بلکہ اس خاص علم سے مستفید ہونے کا ارادہ فرمائیں تو پہلے صدق دل سے اللہ پاک سے دعا کریں اس نیت کے ساتھ کہ نہ تو آپ کے اختیار میں کچھ ہے نہ عالم یا عامل کے اختیار میں کچھ ہے بس نفع نقصان کا مالک صرف اللہ ہے۔ یہ ایک مجازی دنیا میں مجازی علم جو کہ عطائے خداوندی ہے کے مطابق اپنی سی کوشش ہے اس سے زیادہ میرے بس میں کچھ نہیں اور اس واقعہ کو بھی ذہن میں رکھیں جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو قحط کے دوران غلہ لینے ملک مصر روانہ کیا اور فرمایا کہ ''سب کے سب ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اختیار تو بہر حال سب خدا کا ہے''۔ یہ انہوں نے کسی دنیوی حکمت کے تحت کہہ دیا۔ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتے ہیں ''اس سے کچھ فرق نہ پڑتا تھا نہ وہ کچھ فائدہ حاصل کر سکتے تھے مگر یعقوب نے اپنے من کی ایک بات پوری کر لی''۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ہم عامی کس کام کے ایک پیغمبرؑ کی بات جو انہوں نے اپنے من کی خواہش سے کسی احتیاط وغیرہ کے لیے کہی تھی یا وہ کوئی علم جانتے تھے اس کے تحت کہی تھی تو اس پر پہلے یعقوبؑ نے خود بھی کہا کہ میں یہ بات کسی علم کی بنیاد پر کہہ تو رہا ہوں مگر اختیار بہر حال سب خدا کا ہے وہ چاہے تو نفع دے اس نصیحت سے یا نقصان دے اور پھر اللہ پاک کی عظیم ذات نے خود بھی اس کی تصدیق کر دی کہ لاکھ علم اور اس کی سچائیاں اپنے اثرات کے ساتھ موجود سہی لیکن پھر بھی ہوگا وہی جو رب چاہے گا کیونکہ آگ کی فطرت جلانا ہے علم کہتا ہے آگ جلائے گی لیکن وہ ابراہیمؑ کو تو نہیں جلاتی، مچھلی کی فطرت چبانا کاٹنا اور نگل جانا ہے لیکن یونسؑ کو نہ وہ چباتی نہ کاٹتی ہے بلکہ محض حکم خداوندی سے نگل جاتی پھر اس کا دوزخ جیسا حدت رکھنے والا معدہ انھیں ہضم نہیں کر سکتا اور وہ انھیں مقررہ وقت پر سمندر یا دریا کے کنارے اگل دیتی ہے۔ علم کہتا ہے کہ زہر ہلاک کرتا ہے لیکن اک منافقہ کے دعوت طعام میں نبی (حضرت محمد ﷺ) کو زہر دینے سے زہر اثر نہیں کرتا انھیں کچھ نہیں کہتا۔ ویسے تو اولیاء اللہ کے اور دیگر نیک بندوں کے بھی کئی واقعات ہیں بلکہ ہماری عام زندگی میں کون سا ان سب علوم کو اختیار کرنے سے ہمیشہ ایک جیسے نتائج

Marfat.com

نکلتے ہیں کبھی فائدہ ہوتا ہے کبھی نہیں، منفی عمل سے کبھی نقصان ہوتا ہے کبھی نہیں۔ کبھی کوئی تعویذ اثر کرتا ہے کبھی نہیں کبھی کوئی پیش گوئی صحیح ثابت ہوتی ہے کبھی نہیں تو آپ خود اندازہ کرلیں کہ اصل اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔

ثابت ہوا کہ تمام علوم وفنون اور کوششیں کاوشیں حق بھی ہیں اور بعض حالتوں میں فرض بھی ہیں کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے''۔ لیکن اس کے باوجود ہوتا وہی ہے جو رب چاہے آخری اختیار اسی کے پاس ہے وہ پرندے کو پر دیتا ہے لیکن اڑتے پرندے کو کسی کا نشانہ بھی بنا سکتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اس فطری زندہ مخلوق کی ان گنت اقسام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بقاء اور حفاظت کے لیے گو کہ عقل سمجھ اور ہتھیار و اختیار دے رکھے ہیں لیکن وہ جب چاہتا ہے ان میں سے کوئی کسی دوسرے کا نوالہ بن جاتا ہے۔ اس لیے کوشش، محنت، علم، عقل، ذہانت، فطانت سب اپنی جگہ حق ہیں فرض ہیں لیکن چونکہ آخری علم واختیار خدائے پاک کے پاس ہے اس لیے کہانی ادھر ہی جا کے ختم ہوتی ہے۔

توحید خالص اور توکل رب تعالیٰ کی بات شروع ہوئی تھی ہم نے اتنی طویل بحث اس اہم نکتے ہی کو سمجھنے کے لیے کی ہے لیکن ٹھہریئے ہم ایک بات اور بھی ادھوری چھوڑ آئے ہیں۔ جہاں علوم کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا ذکر ہوا تھا اور ہم نے لکھا تھا کہ علم کوئی بھی برا نہیں اس کا استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے سو ہمیں متعلقہ علم کو مثبت انداز سے استعمال کرنا اور کروانا چاہیے۔ اس کے منفی پہلو سے بچنا چاہیے چونکہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔ اللہ پاک کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے تو وہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ ایک تو دنیاداروں اور گنہگاروں کی ان علوم کے منفی یا مثبت استعمال سے جنگیں لگی ہوئی ہیں ظاہر وخفیہ ہر طرح سے وہ تو ہیں ہی کہ ایک کوئی شیطانی عمل کرواتا ہے دوسرا اس کا توڑ کرتا ہے پھر یہ کسی علم کے منفی پہلو کو استعمال میں لاتے ہوئے کوئی شیطانی حملہ کرتا ہے سو اس کھینچا تانی کی وجہ وہی ایمان کی کمزوری اور کفر یا گناہوں سے آلودہ ہونا ہے۔ یاد رکھیں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ شیطان میرے بندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا یعنی ان تمام تر علوم کے تمام تر منفی پہلوؤں اور حملوں سے بچنے کا اور مکمل طور پر محفوظ ہونے کا واحد راستہ اللہ پاک کی ذات پر مکمل وانمٹ یقین اور اعمال صالح بمطابق قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ گناہوں سے مکمل پرہیز ہے۔ اگر آپ کا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہو تو کسی بھی علم کے منفی شیطانی استعمال سے آپ کو دنیا کا کوئی شخص کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ گناہ شیطان کا ایندھن ہیں انھیں خود سے دور کر دیجئے شیطان کا وجود آپ کے جسم وروح میں غیر متحرک inactivate ہو جائے گا۔ یہی وہ شے ہے کہ ''جب ایک صحابیؓ نے سوال فرمایا یا محمد رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ کے ساتھ شیطان موجود نہیں ہے آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں موجود ہے لیکن میں نے اسے مسلمان کرلیا ہے''۔ سو ایسے جسم وروح کو شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ادھر اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ نیز پھر جتنا اور جس نسبت سے گناہوں کی موجودگی کسی جسم وروح میں ہوگی محض اسی نسبت ومقدار سے شیطان کا عمل دخل اس میں فعال ہوتا جائے گا اسی لیے آپ نے ہزاروں قسم کے انسان دیکھے ہونگے کوئی کم برے، کوئی زیادہ، کوئی بہت زیادہ، کوئی حد سے زیادہ یہ

Marfat.com

گناہوں کی مقدار کی بنا پر شیطان کے تصرف کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح سے کوئی کم اچھا ہوتا ہے، کوئی بہت اچھا، کوئی بہت زیادہ اچھا اور کوئی حد سے زیادہ اچھا۔ تو یہ گناہوں کی درجہ وار کمی اور نیکیوں و ایمان کی درجہ وار بڑھوتری کی بنا پر ہوتا ہے۔ چونکہ موضوع بڑا اہم تھا اس لیے ہم نے بحث کو اتنا پھیلایا ہے اب سمیٹتے ہیں۔

ہم نے جان لیا کہ ہمیشہ بہترین، جائز اور مثبت کام کے لیے اپنی پوری کوشش کرو اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دو۔ نتیجے پر اثر انداز ہونے کے لیے ناجائز کوشش مثلاً رشوت، سفارش، شیطانی عملیات کو حرام سمجھتے ہوئے کبھی اختیار نہ کرو اور نتائج کا مرتب ہونا یا نفع نقصان خدا کی جانب سے سمجھو نہ کہ اپنی کوشش یا علم کی جانب سے۔ رب پر توکل کرو بھروسہ کرو۔ اگر کام حسب منشا ہو جائے تو شکر ادا کرو رب کا اور اگر نہ ہو سکے تو اس میں اللہ کی کوئی حکمت جان کر اور اس کام کو اپنے لیے ضرر رساں جان کر چھوڑ دو۔ یہ ہے دنیا میں رہتے ہوئے معمولات حیات کو بمطابق شرع اختیار کرنے کا جائز طریقہ جو عین حکم خداوندی کے مطابق ہے اور آپ کو جنت تک پھر اس کے اونچے درجوں تک بھی لے جاتا ہے۔

اس سے آگے فقراء کا راستہ ہے ان کا توکل مذکورہ بالا حدوں سے آگے بڑھتے ہوئے یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ مجاز پر انحصار دھیرے دھیرے کم سے کم کرتے جاتے ہیں اور حقیقت پر انحصار بڑھاتے جاتے ہیں۔ ان سے پردوں میں چھپی حقیقت اور مجاز میں مستور ذاتِ پاک کا فراق برداشت نہیں ہوتا گو کہ وہ one to one آمنے سامنے ملاقات کے قابل تو کبھی نہیں ہو سکتے لیکن جوں جوں پردے ہٹتے ہیں ان کے بعد کے پردے کم دبیز ہوتے جاتے ہیں اور کثافت سے لطافت کا سفر اب تیزی سے شروع ہو جاتا ہے پھر جتنی کسی کی ہمت بلکہ جتنا کسی کو توفیق الٰہی حاصل ہو وہ لطافت کی اس حد پر پہنچ کر معرفت حق پا لیتا ہے یا شاید ہمیشہ بعد از مرگ یہ سفر جاری ہی رہتا ہے اللہ جانے یہ بہت آگے کی باتیں ہیں جہاں کوئی کسی حد کو چھو کر واپس نہیں آیا۔ بہر حال جب فقراء مجاز پر انحصار کم کرتے جاتے ہیں تو پھر ہوتا کیا ہے؟ وہ دھیرے دھیرے اپنی خوراک انتہائی کم ناقابل یقین حد تک کم کر دیتے ہیں۔ وہ بیماری و تکلیف میں، غم و پریشانی میں یا کسی بھی ایسی وجہ جو بے سکونی کا باعث بنتی ہے اس میں مجازی مدد لینے سے بھی دھیرے دھیرے انکار کر دیتے ہیں حتیٰ کہ چاہے کچھ بھی ہو دوا استعمال نہیں کرتے، کسی حاجت کسی غم کا علاج نہیں کرتے توکل کرتے ہیں رب کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ نیند بھی دھیرے دھیرے کم کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ ناقابل یقین حد تک کم کر دیتے ہیں ایک وقت آتا ہے کہ ان کے دن اور رات یا نیند و بیداری کے حواس اکٹھے کام کرنے لگتے ہیں ہم جو خوابیں سوتے میں دیکھتے ہیں وہ کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں عام لوگوں کی خوابوں کی کیا مثال خاص لوگوں کی سچی اور معرفت کے علوم سے لبریز خوابوں کی بات کے حوالے سے اب یہ منزل ہے کہ وہ کھلی آنکھوں سے اِدھر اور اُدھر ہر طرف دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ آرام کو کم کرتے کرتے انتہائی حد تک کم کر دیتے ہیں اور ذکر الٰہی و مراقبہ کی حالت کو طول دیتے جاتے ہیں انتہائی بھوک پیاس کی حاجت، اپنے پرائے سے ملنے ملانے کی حاجت، دنیوی ہزاروں خواہشات اور ان کی تکمیل

Marfat.com

کی حاجت خدا کے علاوہ باقی ہر شے سے محبت کرنے کی حاجت ان سب حاجات کو بھی دھیرے دھیرے کم کرتے جاتے حتیٰ کہ انتہائی حیران کن حد تک کم کر دیتے ہیں جسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حاجات ختم ہوگئی ہیں لیکن چونکہ جسم کے ساتھ روح کا رشتہ قائم ہوتا ہے اس لیے انتہائی باریک بینی سے دیکھیں تو کسی حاجت کا عشر عشیر نظر ضرور آتا ہے۔ اصل میں یہ لوگ مادی کثافت سے ہٹ کر لطافت کے روحانی سفر کی جانب محوِ سفر ہوتے ہیں شروع میں تو بڑا ہی کڑا ان کے ایمان و یقین کا امتحان لیا جاتا ہے یہاں تک کہ ''جب اصحاب محمد رسول اللہ ﷺ بھی ایک غزوہ میں کہہ اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد، پھر اللہ کی مدد آ گئی''۔ سو انھیں خوب کھنگالا جاتا، ڈرایا جاتا، اور ان کے ایمان کو ہلا ہلا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں میں سے چند گنتی کے لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں ورنہ اکثریت خود کو اذیت و تکلیف کے سمندر میں مرتا دیکھتی ہے تو واپس شرعی حد میں جا پناہ لیتی ہے۔ کئی بد بخت تو یہاں پر برگشتہ ہو کر ایمان ہی کھو دیتے ہیں اور جہنمی بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ خاصوں کی راہ ہے اور لاکھوں خطرات سے پر ہے اس میں قدم رکھنے سے پہلے خوب سوچ لیں، اپنے وجود کو، اپنے ایمان و یقین کو جو کہ شریعت سے آگے فقر کے رستوں میں اللہ پاک کی مدد، حمایت و نصرت پر ہے اسے بار بار ہزار بار پرکھ لیں تب اس راہ میں قدم رکھیں۔ وہ بھی تب جب اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو چکیں۔ یا پھر آپ نے ذمہ داریاں پالی ہی نہ ہوں آپ غیر شادی شدہ ہوں اور ماں باپ بہن بھائیوں یا دیگر عزیز و اقارب میں سے کوئی ضروری ذمہ داری آپ پر نہ ہو ورنہ ذمہ داریوں سے فرار کے لیے یہ راہ اختیار کی یا بغیر فرائض کے نبھائے ایسا کیا تو فائدہ تو کیا ہونا ہے الٹا نقصان ہوگا اور آخرت میں پکڑ ہوگی۔ ہاں اگر بیوی بچے اور والدین دل کی رضا مندی سے اجازت دے دیں اور دیگر کوئی خاص dependents ہوں تو وہ بھی تو پھر فقر اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ پھر بھی میں یہ سفارش کرونگا (حق بات کی سفارش جائز ہے) کہ گو کہ آپ کو بیوی دل سے اجازت دے دے لیکن اگر وہ جوان ہے تو کسی وقت فطری جنسی تقاضوں سے مجبور ہو کر اس سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے ایسے میں آپ اس کے ذمہ دار ہونگے وہ گناہ آپ پر پڑے گا اسی طرح سے اگر اولاد بے راہ رو ہو جائے تو اس کی پکڑ بھی آخرت میں آپ پر ہوگی۔ اسی طرح سے بیوی گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہے تو یہی شرائط و احتیاطیں ہیں اس کے لیے بھی اسی لیے میں کہوں گا کہ اگر آپ زوجین نے دنیا میں قدم رکھا ہے شادی کی ہے بچے پیدا کیے ہیں تو پہلے ان ذمہ داریوں کو نبھائیں جب فارغ ہو جائیں پھر فقر اختیار کریں۔

خیر یہ تو تھیں عقل کی باتیں اگر عشق (بناوٹی نہیں حقیقی) آپ کو کھینچ لے تو پھر تو بات ہی اور ہے وہ تو بے خودی ہی اور ہے لگن ہی اور ہے اس میں آپ کا اختیار ہی کچھ نہیں رہتا پھر نہ کوئی پکڑ ہے، نہ فرض، نہ ذمہ داری، پھر یہ سب کام اللہ کے سپرد ہیں وہ خود ان کا ذمہ دار ہے۔ اصل بحث کی طرف واپس آتے ہیں جب آپ کی جان جوکھوں میں ڈالنے والی آزمائش یا منزل پوری ہوتی ہے (اس منزل میں کئی ذیلی منازل بھی ہوتی ہیں جو اسی منزل کا حصہ ہیں۔ فقیر کو سمجھ آتی رہتی ہے کہ اب وہ کہاں

Marfat.com

ہے حالت پہلے والی ہے یا کوئی نئے حالات ومحسوسات ہو گئے ہیں)۔ چاہے یہ جتنی بھی طویل ہو تو پھر ایک مقام ایسا آتا ہے کہ آپ کی روحانی لطافت اس حد تک پہنچ جاتی ہے آپ کو روحانی لطیف غذا ملنے لگتی ہے۔ ''اے مریمؑ تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے ہیں'' حضرت زکریاؑ نے سوال کیا۔ مریمؑ نے فرمایا! ''یہ پھل مجھے میرا رب کھلاتا ہے''۔ پھل تو مریمؑ کے رگ و ریشے میں روح کے توّسط سے اتر جانے تھے بغیر منہ ومعدے کے ذائقے اور سرور آنے تھے یہ ظاہر تو ذکریاؑ کو یہ نکتہ سمجھانے کے لیے کیا گیا تھا کہ ''ہم تمہیں بڑھاپے میں اولاد دے سکتے ہیں''۔ ''حضرت محمد ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ''میں کئی کئی دن بغیر کھائے روزہ رکھتا ہوں مگر تم ایسا نہ کرو تم میری طرح نہیں ہو۔ مجھے میرا رب اپنے پاس سے کھلاتا ہے۔'' گو کہ پیغمبروں کے مقامات وذمہ داریاں مختلف ہیں لیکن فقیر کی کئی صفات نبیؑ کے ساتھ مشترک بھی ہیں وہ نبیؑ نہیں ہے کیونکہ اس میں ساری صفات نبیؑ والی نہیں ہوتیں۔ سب سے بڑا فرق یہ کہ نبیؑ اللہ پاک کا مقرر کردہ ومنتخب ہے اور صاحب شریعت ہے جبکہ فقیر یا تو کسی نبیؑ کا اُمتی ہے غلام ہے یا پھر اس کا معاملہ اس کی ذات کی حد تک اللہ کے ساتھ ڈائریکٹ ہے ہاں اگر رب چاہے تو اس کامل فقیر سے جو کاملیّت تک پہنچ جائے خلق خدا فیض پاسکتی ہے تاہم یاد رکھیں حضرت خضرؑ کے واقعہ کو، اسی طرح سے فقیر بغیر حکم الٰہی نہیں بولتا۔ اس کا قول اصل میں رب کا قول ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں اس کے اندر سے جب چاہتا ہے رب بولتا ہے اور اس کے ہاتھ سے جب رب چاہتا ہے کام کرتا ہے۔ لیکن عام حالات میں وہ فقیر اپنی بات کا خود ذمہ دار ہے پھر بھی اس اسٹیج پر پہنچ کر اس فقیر کے اندر اس کا اپنا آپ تو شاید کہیں بچتا ہی کب ہے وہ تو نُور میں نہایا ہوا ہوتا ہے اسلیے اگر ایسا کامل فقیر ہو تو اس کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے (آج کل %99 وہ کاملیّت کی حد کہیں نہیں ملتی اور پھر %90 تو دھوکہ فریب ہے اس لیے محتاط رہیں)۔ ایک نکتہ اور واضح کردوں گو کہ اصحاب نبیؑ کا بہت مقام ہوتا ہے اور ان پر اپنے نبی کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ براہ راست روحانی ونورانی نگاہ بھی ہوتی ہے لیکن یاد رکھیں کہ سب کے سب لوگ جو اس نبیؑ کے دور میں ہوں اور ایمان لے آئیں اور انہوں نے اس نبیؑ سے ملاقات یا ملاقاتیں کی ہوں یا بیعت کی ہو وہ سب کے سب ایک جیسے مقام کے روحانی اعتبار سے اور اپنے ایمان واعمال وقربانیوں کے لحاظ سے نہیں ہوتے۔ صرف چند ہی ہوتے ہیں جو فقر کے مقامات کو پاسکتے ہیں۔ یہ رب پر ایمان کی بات نہیں یہ رب سے عشق کمانے اور جان لڑانے کی بات ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بہت سے صحابی ان مقامات پر فائز ہوئے ہونگے یا شاید ان سے آگے گئے ہوں لیکن اُس دور کے سب اشخاص ان فقر کے مقامات کے حامل نہ ہوگئے تھے۔ سو اس طرح سے فقیر راہ اللہ توکل کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہو جاتا اور دن بدن ترقی کرتا ہے جہاں پہنچ کر اسے دنیاوی اشیاء کی حاجت نہیں رہتی وہ اگر کچھ اشیاء یا حاجات پر انحصار رکھتا ہے بہت معمولی تو وہ بھی پردہ کے لیے ہے ورنہ لوگ حقیقت کو تو سمجھ نہیں سکتے اور اسی فقیر کو نعوذ باللہ خدا کا درجہ دے دیتے ہیں یہ بال سے باریک نکتہ ہے۔ اس سے اِدھر تو حید ہی توحید، ایمان ہی ایمان اور عقیدت ہی عقیدت ہے اور اس نکتہ سے اُدھر کہ جب

Marfat.com

آپ اللہ پاک کی قدرت کاملہ کو جو اس فقیر کے اندر پوشیدہ طور پر کام کر رہی ہے نظر انداز کر دیں تو پھر شرک ہی شرک ہے۔ وہ فقیر صرف میڈیم ہے اس کے اندر سے کرنٹ یا نور تو اللہ کا گزر رہا ہے اس نے پس اپنے جسم و روح کو اس حد تک لطیف بفضل تعالیٰ بنا لیا ہے کہ وہ کرنٹ یا نور گزر سکے۔ پھر بھی وہ خدا نہیں ہو گیا۔ وہ خدا کا بندہ، اس کی مخلوق، اس کا غلام، اس کے حکم کا 100% پابند ہے۔ اسے خود اب کوئی اختیار نہیں ہے اور بتا تا چلوں کہ یہ کرنٹ یہ نورانی رو تمام اصل کامل فقراء میں سے ہو کر گزرتی ہے یعنی وہ ایک ''سینٹرل نشریاتی رابطے'' میں منسلک ہیں جسے جتنا حکم ہوتا ہے اتنا بولتا یا کرتا ہے چاہے جہاں بھی ہو۔ جانتا سب کچھ ہے کہ کہاں کیا ہو رہا ہے اس کے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی اس کا علم محدود ہے اتنا جتنا رب چاہے ''صرف رب تعالیٰ ہی کا علم لامحدود ہے، بے پناہ اور بے کنارہ ہے''۔

عاجزی نہ کہ تکبر، غیبت، بہتان، چغلی، بغض، حسد اور کینہ سے پرہیز۔ عفت و پاکیزگی، غنیٰ و فراخدلی، خوش خلقی، رحم و ترس نہ کہ سنگ دلی، سب کچھ اللہ کے لیے نہ کی نفس کے لیے۔ حق کے لیے جہاد ہر طرح کا، خلوص نیت اور نیکی میں سبقت لے جانا۔ اس کے علاوہ بے شمار صفات سارا قرآن مجید رگوں میں خون کی طرح دوڑے۔ اول و آخر، ظاہر و باطن اللہ کے تمام نبیوں، اولیاء، فقراء سے محبت۔ ابراہیمؑ اور حضرت محمد ﷺ سے شدید محبت، اللہ سے عشق:

مضمون بہت طویل ہو گیا اس لیے اجمالاً باقی چیدہ چیدہ صفات کا ذکر کیا ہے ہر کام اور ہر جگہ پر عاجزی اختیار کرنا چاہیے۔ تکبر کسی بھی معاملہ میں اللہ کو ناپسند ہے بے شمار لوگوں کا انجام تکبر کی بنا پر عبرت ناک ہوا ہے۔ قرآن پاک میں قارون کی مثال پر غور فرما لیں۔ غیبت اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مصداق ہے آپ کی اپنی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ اسی طرح سے کسی پر غلط الزام لگانا بہتان ہے قرآن پاک میں حضرت عائشہؓ زوج رسول مکرم ﷺ کا واقعہ ذہن میں رکھ لیں جس پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوئے اور بہتان لگانے والے کے لیے سخت عذاب کی وعید ہے۔ کسی کی چغلی کھانی یا چغلی لگانا بری بات ہے ناجائز شکایت چغلی کہلاتی ہے، ہاں جائز شکایت کی جا سکتی ہے، جس میں دونوں فریقوں سے بعد پوچھ گچھ کرنے معاملہ کا تعین کیا جا سکے۔ کسی کے لیے دل میں بغض رکھنا بری بات ہے بُغض وہ شے ہے جو آپ خواہ مخواہ اگلے فرد کی اصل حیثیت کے علاوہ اپنے دل میں اس کی ایک فرضی ناقص حیثیت قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سے ظن یا شک بھی نہایت تباہ کن صفت ہے ناجائز شک یا شکی طبیعت کی وجہ سے گھر کے گھر اور قبیلے کے قبیلے تباہ ہو جاتے ہیں بعض اوقات غلط فہمی کی بنا پر اقوام کا لڑلڑ کے بھرکس نکل جاتا ہے۔ حُسن ظن ایک اچھی خوبی ہے، دوسرے سے اچھی امید رکھنا دوسروں کے بارے میں اچھی رائے رکھنا حسن ظن ہے۔ اسی طرح سے حسد وہ بیماری ہے جو انسان کو اندر ہی اندر سے کھا جاتی ہے وہ خود ہی دوسروں سے حسد رکھتے ہوئے یا تو جلتا

Marfat.com

رہتا ہے یا دوسروں کو در پردہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے دنیا و آخرت دونوں کو یہ خراب کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فلق میں حسد کرنے والوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح سے گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ دراصل شر بذات خود تمام خرابیوں کی جڑ ہے لہٰذا سورۃ الناس اور سورۃ الفلق میں اللہ پاک نے ہمیں انسانوں اور جنوں کے شر سے بلکہ تمام مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ کینہ بھی ایک قلبی بیماری ہے کسی کے لیے دل میں کینہ رکھنا کینہ پروری کہلاتا ہے یہ کسی کے لیے دل میں بُرے جذبات رکھنے کا نام ہے اس سے پرہیز لازم ہے بظاہر ہم کہیں کہ ہم تو دل ہیں کسی کے بارے میں جیسے مرضی سوچیں اس سے بھلا کسی کو کیا تکلیف ہے لیکن ہمارے اچھے برے خیالات بھی ہم پر یا اگلے بندے پر اثر انداز ہوتے ہیں یہ بیماریاں ہیں دل کی باطنی بیماریاں، ان سے سخت پرہیز ضروری ہے یہ آج کل ہمارے دل میں غیر محسوس طریقے سے گھر کر چکی ہیں اور ہماری تھوڑی بہت نیکیوں کو بھی کھا جاتی ہیں۔ اپنی عفت و پاکیزگی کی حفاظت ہر مرد و عورت کا فرض ہے یورپ کے مادر پدر آزاد ننگ دھڑنگ معاشرے جن کی تقلید میں ہمارے مشرق میں بھی لوگ آدھے ننگے ہو چکے ہیں سخت نقصان دہ اور گناہ کے کام ہیں۔ ہر عورت و ہر مرد کو نہ صرف یہ کہ اپنے شریک حیات تک جنسی وظائف و متعلقات کے معاملات میں محدود رہنا چاہیے بلکہ گندے و فحش خیالات، کاموں، باتوں، گپوں، فلموں، ڈراموں، پروگراموں، محفلوں، لٹریچر، نیٹ ورکس اور ماحول سے ہر زاویئے سے خود کو بچا کر اپنی عفت کو اور دوسروں کی عزت و حرمت کو محفوظ بنانا چاہیے۔ بلکہ ان کی جگہ پاکیزہ خیالات اور ماحول اختیار کرنا چاہیے۔ جنسی جذبات یا گلیمر کی ہر تسکین میاں بیوی پردے میں چار دیواری کے اندر جیسے چاہیں کر سکتے ہیں۔ غنیٰ و فراخدلی کے معاملہ میں ہمیں نہ تو فضول خرچ ہونا چاہیے نہ کنجوس بلکہ اعتدال پسند ہونا چاہیے۔ بہر حال سخی طبیعت کی اپنی برکات ہیں پھر بھی یوں نہیں کہ بیوی بچے بھوک سے مرتے رہیں اور آپ سخاوت کا شوق پورا کریں۔ خوش خلقی بہت بڑی اور بنیادی خوبی ہے اس کے لیے الگ باب باندھنا چاہیے تھا لیکن چونکہ ہمارا اصل مدعا روحانیت کے سفر سے وابستہ ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس لیے اسی بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ خوش خلقی سے سب دل جیتے اور ناممکن کام ممکن بنائے جا سکتے ہیں یہ معاشرے میں امن، خوشی، چین، خوشحالی، برداشت، بھائی چارہ اور محبت وغیرہ پیدا کرتی ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں محبت جو کہ فاتح عالم ہے اس کا سب سے بڑا ہتھیار خوش خلقی ہی ہے۔ پھر رحم و ترس نہ کہ سنگ دلی اختیار کریں آپ کی زندگی میں ہزاروں مواقع آئیں گے جب آپ کو اس جذبہ رحم سے کام لینا پڑے گا ہر ایسے موقعہ پر دل کھول کر رحم کھائیں کیونکہ آپ رحم کھائیں گے تو لوگ اور خدا آپ پر رحم کھائے گا۔ سنگ دلی نہایت بُری، مکروہ، گھٹیا اور ظالمانہ صفت ہے یہ شیطان کا ہتھیار ہے جس سے وہ دنیا میں فساد و ظلم کرواتا ہے آپ ہر ہر ممکن طریقے سے اس سے بچیں بلکہ اسے شجر ممنوعہ سمجھیں۔ اس سے آگے ہے سب کچھ اللہ کے لیے نہ کہ نفس کے لیے نہایت اعلیٰ بلکہ اعلیٰ ترین صفت ہے "توحید" کے بعد اس کا مقام بنتا ہے۔ اصل میں ایک سے بڑھ کر ایک ہیرے ہیں کس کو کیا مقام دیں سمجھ سے بالاتر ہے یہ

Marfat.com

نورانی شمعیں ہیں سب سے نورِ الٰہی چھلکتا ہے سب ہی اول ہیں سب ہی آخر ہیں سب ہی ظاہر ہیں، سب ہی باطن ہیں۔ آپ کا ہر فعل ہر عمل قرآن پاک کے حکم خداوندی کے مطابق ہو۔ بائبل مقدس کے مطابق ہو، اپنی اپنی اصل آسمانی مذہبی کتب کے مطابق ہو۔ یہ میں اس لیے لکھتا ہوں کہ اصل میں تمام آسمانی مذاہب بنیادی احکام وروح کے مطابق ایک ہی ہیں معمولی فرق کے ساتھ چونکہ انسان کی جسمانی وروحانی، عقلی وفکری اور تمدنی ضروریات میں شروع سے آج تک بہت فرق آیا ہے اس لیے عبادات سے متعلق احکام یا دیگر حلال وحرام یا سختی ورعایت میں بھی فرق آیا ہے۔ کبھی کسی قوم پر بطور سزا کے بھی کوئی شے حرام کر دی گئی، اگر وہ خلاف ورزی کرتے تو اس کے استعمال سے انھیں نقصان ہوتا تھا اسی طرح کبھی انعام کے طور پر کوئی چیزیں حلال کر دی گئیں جیسے اسلام میں چار عورتیں (بیویاں) رکھنے کی اجازت، پھر کچھ چیزیں انسان کو کمزور جان کر بھی رعایت کر دی گئی جیسے رمضان میں رات کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت یا 24 گھنٹے ایک شام سے اگلی شام تک روزہ رکھنے کی بجائے صرف دن کے اجالے میں روزہ رکھنے کی رعایت وغیرہ۔ ہم بات کر رہے تھے سب کچھ اللہ کے لیے کرنے کے بارے میں۔ اس کی پہلی منزل تو حکم قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنا ہر کسی کو اس کا حق دینا ہی ہے یہ کمال جنت کی منزل ہے لیکن اس سے آگے روح کے مزید افقی سفر کے لیے اپنے نفس کے لیے سوائے انتہائی واجبی سی شے وضرورت کے باقی سب کام اللہ کے لیے کرنا شامل ہے یعنی وہ کام کرنا جس میں اللہ کی خوشنودی ہے۔ حضرت علیؓ ایک جنگ میں شریک تھے جب کافر نے چہرہ اقدس پر تھوک دیا تو گو کہ کافر نیچے گرا پڑا تھا اور تلوار کے وار سے اس کا کام تمام ہو جانا تھا لیکن آپؓ اس کے اوپر سے ہٹ گئے فرمایا اگر اب اسے قتل کرتا ہوں تو ذاتی وجہ بھی شامل ہو جائے گی۔ یقیناً اندر سے شدید غصے کے جذبات میں سے شیطان نے آواز لگائی ہوگی کہ اے علیؓ اس کے پرخچے اڑا دو تو ایسے نازک وقت میں اللہ کے خاص بندے فوراً شیطان کا وار سمجھ لیتے ہیں وہ تو پھر حضرت علیؓ فقر کے شاہ اور شیر خدا تھے۔ نبی پاک ﷺ کے بھائی، پہلے مسلم نبی پاک ﷺ کے خاص تربیت یافتہ، قلب محمد ﷺ سے جڑے ہوئے، فاطمۃ الزہرہؓ جان محمد ﷺ کے شوہر، ان کی تو بات ہی اور ہے۔ بس یاد رکھیں سب کچھ اللہ کے لیے کریں اپنی ذات کی نفی کر دیں یہی فقیر کی منزل پر پہنچنے کے لیے ضروری روش ہوتی ہے اور یہی منزل پر پہنچنے کے لیے ایندھن کا کام دینے والی بہترین صفت ہے۔ زندگی ایک مسلسل جدوجہد وکوشش وسعی کا نام ہے زندگی کے ہر شعبے میں ہر معاملے میں حق پر قائم رہنا اور حق کے لیے کام کرتے رہنا، مشکل سے مشکل حالات اور نازک سے نازک صورت حال میں بھی یہی جہاد ہے۔ یہ ایک دن کا کام نہیں یہ تو جب تک سانس چل رہے ہیں تب تک کا مسلسل عمل ہے۔ جس میں بڑے اور بے پناہ نقصان اٹھانے پڑتے ہیں، مصائب وتکالیف اور محرومیوں وقربانیوں سے پالا پڑتا ہے۔ محاذ جنگ پر باطل قوتوں کے خلاف جہاد جو قتال پر مبنی ہے وہ اس کی نہایت اعلیٰ قسم ہے لیکن کیونکہ اس میں چند لمحوں یا گھنٹوں یا دنوں میں شہادت حاصل ہو جائے تو ابدی مقامات مل جاتے ہیں اس لیے بہت بڑے مقام کے باوجود اسے جہاد اصغر کہا گیا ہے اور وقت پڑنے پر اس جہاد میں بھی حصہ

Marfat.com

لیتے ہوئے باقی زندگی بھر کے جہاد کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مسلسل ایک ایک سانس کا حساب ہے یہ مسلسل امتحان کی مقدس سولی پر لٹکتے رہنا ہے حتیٰ کہ موت آجائے تو ہمیشہ کی کامیاب زندگی اور آخرت میں اعلیٰ مقامات شہادت نصیب ہوں۔ اصل بات اللہ کے لیے مشکل وتکلیف برداشت کرنے کی ہے جو بھی اس میں جس بھی رستے پر جس بھی طرح سے بڑھ گیا بازی لے گیا اسی کُلیے کے تحت مقامات اور درجے مقرر ہونگے۔ خلوص نیت اور نیکی میں سبقت لے جانا۔ کسی بھی کام میں خلوص نیت بہت ضروری ہے کیونکہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ اس حدیث شریف حضرت محمد ﷺ سے اندازہ لگائیں کہ نیت پھر اس کے خلوص کا کیا مقام ہے۔ اس کے بعد نیکیوں میں سبقت لے جانے کی بات ہے پہلے تو ہم نے صرف نیکیوں کا ذکر کیا ہے۔ اب یہ بھی جان لیجئے کہ ان میں سبقت لے جانے کا ایک الگ مقام ہے قرآن پاک میں بائیں جانب والے گناہگاروں اور اہل دوزخ کا ذکر ہے پھر دائیں جانب کھڑے ہونے والے نیک کاروں اور اہل جنت کا ذکر ہے ان کے انعامات کے ساتھ۔ پھر ان کے بعد بھی ایک گروہ کا ذکر ہے جو نیکی وتقویٰ میں اور عشق الٰہی میں سبقت لے جانے والے ہیں ان کا الگ ذکر ہے اور ان کے انعامات کا بھی الگ سے تذکرہ فرمایا گیا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں میں زیادہ لوگ پہلوں میں سے یعنی پہلے زمانے میں گزرنے والوں میں سے ہونگے۔ تاہم بعد والوں میں سے بھی ہونگے مگر تھوڑے۔ یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہے کہ زمانے گزرنے کے ساتھ ساتھ گو کہ ایمان واعمال صالحہ اختیار کرنے والوں خصوصاً سبقت لے جانے والوں کی کمی تو ہوتی جائیگی اور ہو رہی ہے، ہو چکی ہے لیکن ہمارے لیے دروازے کھلے ہیں ہم بھی ایک بڑی کوشش، بڑی ہمت، بڑے ایمان وعمل اور عشق خداوندی کے ساتھ قیامت قائم ہونے سے پہلے پہلے اس کے لیے کوشش کر سکتے ہیں۔ یہ جو مسجد کی نماز باجماعت میں پہلی صف کی اہمیت ہے یہ اس کی تمثیلی حالت ہے۔ نبی پاک ﷺ کے زرّیں دور میں چونکہ یہ بات اظہر من الشّمس ہوتی تھی کہ کس کا کیا مقام ہے ایمان وتقویٰ اور محبت واطاعت کے لحاظ سے اور عشقِ رسولِ خدا کے توّسط سے عشق الٰہی کے لحاظ سے اس لیے لوگ خود ہی اس کے مطابق صف بندی کرتے اور اپنے سے بہتر شخص کے آنے پر اس کے لیے اگلی صفوں میں جگہ خالی کر دیتے تھے حتیٰ کہ پہلی صف میں اعلیٰ ترین تقویٰ وعشق الٰہی والے حضرات ہوتے تھے۔ ان میں بھی امام حضرت محمد ﷺ کے پیچھے تکبیر کہنے والے شخص سے پہلا نمبر لگتا تھا پھر ان کے ساتھ دائیں طرف والا پھر بائیں طرف والا، پھر دائیں کے بعد بائیں جوڑتے اور گنتے جائیں پہلی صف مکمل ہو جائے تو یوں ہی پیچھے بھی گنتی کر سکتے ہیں۔ پہلی صف میں بہرحال مقربین الٰہی ہوتے تھے جن کے اصل مقام سے اللہ ہی واقف ہے۔ لیکن آج کل بھاگ کر یا مسجد میں جلدی پہنچ کر پہلی صف کی برکت حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر مذکورہ بالا سبقت لے جانے کی شرائط پوری نہ ہوں تو یہ کوشش محض طفل تسلی اور حدود سے تجاوز ہے ہاں اس حد تک فائدہ ضرور ہے کہ اگر وافر نفلی عبادت کے لیے مسجد میں پہلے تشریف لائے ہیں پھر پہلی صف میں جگہ مل گئی ہے تو اس کا ثواب ہے۔ آخر میں ایک چیز ''غیرت'' کا ذکر بھی کرتا چلوں کہ یہ بھی اگر مثبت انداز میں

Marfat.com

پائی جائے تو اس کا بڑا مقام ہے ہمیں ہمارا دین ہمارا قرآن اور تمام آسمانی کتب عاجزی و انکساری ضرور سکھاتی ہیں لیکن بے غیرتی نہیں سکھاتیں۔ اقبالؒ نے کہیں اس نکتے کو محض اپنے ایک بلیغ شعر میں یوں بیان کر کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ

؎ ''ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن''

مندرجہ بالا بڑی طویل بحث کے بعد اب ہم اپنے اندر یہ صفات اگر پورے کامل ایمان و یقین نیز تقویٰ بمطابق قرآن پاک بدرجہ اتم پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور قرآن پاک شروع سے آخر تک ہماری سانسوں ہمارے خون میں دوڑنے لگے تو پھر فقر و عشق کے لیے فضا تیار ہے اب روحانی افقی سفر شروع کیا جا سکتا ہے اس کا اگلے صفحات پر ذکر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ عشق کی مشک نصیب ہو۔

عملی افقی روحانی سفر:

ہم نے کافی کچھ بحث اور علم و ادراک کا سفر طے کر کے اپنے آپ کو اس اسٹیج کے لیے اس مرحلے کے لیے تیار کیا ہے۔ پہلے خود کو اسلحہ سے لیس کرنا نہایت ضروری تھا جو اگلے اصل میدان میں کام آ سکے۔ ہمیں خود کو پر لگانے تھے جو اس بلندی پر ہمیں اڑا سکیں یا یوں کہیں کہ وہ ایندھن مہیا کرنا تھا جو ان بلندیوں پر ہمارے من یا روح کے نورانی جہاز کو اڑا سکے۔ اب جبکہ ہم تیار ہیں اب اللہ کا پاک نام سہارا بناتے اور آگے چلتے ہیں۔

میں نے بات یہاں سے شروع کی تھی کہ سب کچھ انسان کے اندر ہے اس کی روح کے اندر ہے۔ روح کا بند جسم سے لگا ہوا ہے۔ جب آدمؑ سے غلطی ہوئی تو ہمارے حواس خمسہ زمینی حیات کے لیے جاگ اٹھے اور جنتی حواس ہم سے چھن گئے۔ اس طرح روح بلندیوں سے پستیوں میں چلی گئی۔ یہ بلندیاں اور پستیاں زمان و مکاں کی پابند نہیں بلکہ ہمارے اندر ہی ہیں۔ شیطان کی مداخلت روح میں بلندیوں سے پستیوں کی طرف سفر کرتے ہوئے بڑھتی جاتی ہے۔ روح کا مادے کے ساتھ جتنا گہرا تعلق ہوگا اتنا شیطان زیادہ متحرک ہوگا یعنی انسان کا جتنا مادی دنیا کے ساتھ گہرا تعلق ہوگا اور انسان اپنی مادی خواہشات کے پیچھے لگا رہے گا وہ جو کہ روح و جسم کا مرکب ہے مادے کی طرف زیادہ جھکا رہے گا جہاں شیطان خوب متحرک رہ سکتا ہے۔ یہاں بھی بمطابق قرآن اگر مادی زندگی کے ساتھ معتدل اور صحت مند تعلق برقرار رہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو کوئی حرج نہیں۔ شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا الٹا تسخیر کائنات کا انسانی فرض جو اسے اللہ نے سونپا ہے، عمدگی سے پورا ہوتا رہے گا ساتھ ساتھ آدمؑ کی اولاد جس امتحان و سزا کے لیے زمین پر یا ''حواس خمسہ'' میں بھیجی گئی وہ مقصد بھی حاصل ہوتا رہے گا، معیاری انداز سے۔ لیکن جب مادے کی جانب جھکاؤ انسان کو حد اعتدال سے کھسکا دے گا تو گناہوں کے بغیر یہ ہوا و ہوس پوری ہونا ممکن نہیں۔ دوسرے

Marfat.com

لفظوں میں بمطابق قرآنی حکم زمین پر حیات اختیار کرنے کی بجائے انسان اس سے برگشتہ ہو جاتا، بھٹک جاتا ہے اور گناہ آلود زندگی کی شروعات کرتا ہے۔ یہاں سے شیطانی سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اس انسان پر روح کے مثبت اثرات کا تصرف اسی نسبت سے کم ہونے لگتا ہے جس نسبت سے وہ گناہ آلود زندگی اختیار کرتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر زیادہ ادھر جھک جائے جیسا کہ آج کل کا 90% انسانی معاشرہ ہے تو روح کے ساتھ تعلق محض سانسوں کے آنے جانے کی حد تک رہ جاتا ہے اوپر سے جو خیر نازل ہوتی ہے اس سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ آنے والی سانسوں میں نور کی سوغاتیں ہوتی ہیں۔ جن سے گناہ آلود انسان گناہوں کی نسبت کے حساب سے مایوس ہو جاتا ہے اور واپس جو سانس ہم باہر نکالتے ہیں ان پر ہماری لمحہ لمحہ کی کہانی ریکارڈ ہوتی ہے گناہوں کے بنڈل سانسوں کے ساتھ جاتے ہیں۔ اس طرح ہم روح کی سوغاتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہم نے گزشتہ طویل بحث کے بعد خود کو ان صفات سے مزین کر لیا ہے جو آگے کے سفر کے لیے ضروری تھیں۔

جب سب کچھ انسان کے اندر ہے تو شیطان، فرشتے، رحمٰن سب اندر ہی ہیں۔ ہم یہاں انہی تینوں کا ذکر کریں گے۔ اس سے آگے روح کی دنیا کیسی ہے یا کیسی نہیں یا اس میں کیا کیا کچھ ہے اس پر ہم اجمالاً اور اندازاً بحث کر چکے ہیں۔ شیطان تو ہماری گناہ آلودہ زندگی کی وجہ سے ہمارے اندر زیادہ متحرک ہو جاتا ہے لیکن شیطانی خیالات و خواہشات کو قائم کرنے اور بڑھوتری دینے کے لیے اس مادی دنیا میں بھلا کیا کچھ نہیں ہے۔ انسان کا نفس امارہ ہی شیطان کا آسان شکار ہے۔ یہ اشیائے دنیا کی کشش، لوازمات کے بعد تکلفات حیات، پھل پھول، لذیذ کھانے، مرغ مسلّم، بھُنی ہوئی مچھلی، یہ طرح طرح کے پلاؤ، زردے، یہ گوشت کی بے شمار ڈشیں یہ نئی نئی تراکیب سے ہماری لذت کو بڑھانے کے لیے نت نئے کھانے، جوسز، پھر شراب و کباب، پھر طرح طرح کے خوبصورت و قیمتی ملبوسات، یہ افسریاں و اختیارات، یہ جاگیرداریاں و سرمایہ داریاں، فیکٹریاں کارخانے، نت نئے ماڈل کی گاڑیاں لینڈ کروزریں، جہاز و ہیلی کاپٹرز، بنگلے کوٹھیاں و محل، ناچ گانے، نائٹ کلب، عورتوں کا حسن دلفریب و جوانیاں، حکومت و طاقت کے خمار، افراد و اقوام کو محکوم بنانے کے خواب پھر ان کی تکمیل اور اس سب کچھ کے حصول کے لیے ظلم و زیادتی کے بازار گرم کرنا۔ اپنی صحت و جوانی کو برقرار رکھنے کے لیے سوجتن کرنا۔ اپنی ترقی کے لیے دوسروں کو روندنا، دنیا بھر کے حسین سفر اور دنیا بھر کے عشرت کدے یہ اور اس کے علاوہ بڑا کچھ ہر انسان کو حسب استطاعت خود کو شیطان کے حوالے کرنے کے لیے کیا کم ہے کہ شیطان کو کوئی محنت کرنا پڑے۔

دوسری جانب ان سب شیطانی سوغاتوں اور ہتھیاروں سے مکمل پرہیز ہے۔ دنیا بھر کی جائز نعمتوں کا حصول تو گناہ نہیں ہے اگر جائز طریقے سے حاصل کی جائیں لیکن جس روحانی سفر کے لیے ہم اٹھنا اور اُڑنا چاہتے ہیں ان کے لیے تقریباً سب کچھ یا کافی کچھ قربان کر دینے کی ضرورت ہے جو آپ نے گزشتہ صفحات پر مذکورہ صفات کے حصول کے لیے قربان کر دیا۔ ہم نے فرض کر لیا کہ آپ نے حد اعتدال پر رہ کر اپنے ایمان و عمل کے ذریعے تو خود کو جنت کا امیدوار بنا لیا تھا اب ہم نے

Marfat.com

یہ بھی فرض کرلیا ہے کہ آپ نے مزید افقی روحانی سفر کے لیے ہر ہر صفت مومن میں سبقت لے جانے کے لیے خود کو رول دیا ہے پہلے نفس آپ پر سواری کرتا تھا اب آپ نے نفس کو نتھ ڈال کر اس پر سواری شروع کر دی ہے اور اب نفس کی لکڑی اتنی خشک ہوگئی ہے کہ شدت کی دھوپ موسم گرما میں لگے یعنی ماحول میسر آئے تو یہ لکڑی آگ پکڑ لے گی اور اللہ کے عشق میں جل جائے گی یعنی آپ خدائی نور کے گزرنے کے لیے اچھے کنڈکٹر بن گئے ہیں۔

میں نے اوپر شیطانی کشش والی بہت سی اشیاء کا ذکر اس لیے کیا کہ مزید مجاہدے کے دوران بہر حال یہ آپ کے رستے میں رکاوٹ بنیں گے کیونکہ نفس کا اژدھا شیطانی دنیا کی جانب آپ کے ایمان وتقویٰ کی بنا پر آنکھ نہیں کھولتا سویا ہوا ہے یا آپ نے اسے اس جانب ہوش سے بے ہوش کر دیا سلا دیا ہے۔تاہم وہ مرا ہوا نہیں ہے آپ پورے مطمئن و بے غم نہ ہو جائیں شیطان نہ صرف مستقل اس کو کچو کے لگا تا رہے گا بلکہ جب آپ مزید اعلیٰ روحانی سفر کی کوشش کریں گے تو وہ بھی مزید شدومد سے زور لگائے گا اس نے ابھی تک جو ہتھیار نہیں آزمائے وہ استعمال میں لائے گا اس مرحلہ پر وہ اپنا ایٹمی اسلحہ استعمال کرے گا اور آپ کو کسی بھی روحانی stage سے گرا کر ہی دم لے گا آخر آپ جیسے ہزاروں چلتے ہیں تو محض چند ہی منزل تک سلامت جاتے ہیں۔باقیوں کو کسی نہ کسی مرحلے پر اس کا کوئی میزائل بلندیوں سے مار ہی گراتا ہے۔اس لیے شیطان کے ایسے حربوں سے بچیئے جو یہ بطور عالم وزاہد، بطور پیر وفقیر، بطور مفتی وامام اور بطور شبیہ منزلِ کاملین آپ پر کرے گا۔لاکھوں میں سے کسی ایک کو آج کے دور میں کوئی سچا اس سطح کا پیشوا ور رہبر ملتا ہے جس منزل کے لیے آپ تیار ہوئے ہیں۔اگر پیشوا مل جائے تو کیا کہنے لیکن یاد رکھئے کہ پیشوائی کے 100 رُوپوں میں سے 99 میں شیطان خود ہوگا۔اس لیے پیشوا بنا کر جب اس کے ساتھ کچھ قدم چلیں تو دائیں ہاتھ میں قرآن پاک پکڑ لیں یعنی قرآن پاک کی تعلیمات پر گہرے غور وفکر کے بعد آپ کو خود اس قابل ہونا چاہیے کہ پیشوا کہاں پر صحیح رستے سے ہٹ رہا ہے اگر وہ قرآن کا صراط مستقیم چھوڑ کر دائیں بائیں رستے اختیار کرے اور آپ کو لاکھ جلوے دکھائے ہزار وعدے کرے اور خوبصورت بہکاوے دے اسے شیطان کا اسیر سمجھ کر چھوڑ دیں۔پس اگر کوئی عین قرآنی کسوٹی پر پورا اترتا ہوا چلتا جائے تو وہاں تک اس کے ساتھ چلتے جایئے جہاں تک کہ وہ کوئی ٹیڑھ اختیار نہ کرے ایسا ہو تو فوراً چھوڑ دیں۔اگر کوئی سیدھا چلتا جائے تو بے شک منزل مراد تک اس کے ساتھ چلتے جایئے۔فرض کریں کہ کوئی ایسا راہبر نہیں مل سکا جو بہت مشکل سے ملتا ہے تو پھر خود ہی کوشش شروع کر دیجئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے سب طاقتیں سب عطائیں اُس کے پاس ہیں اگر آپ کا توکل وبھروسہ انمٹ ہوا غیر متزلزل ہوا تو کون کہتا ہے بن پیشوا آپ کامیاب نہ ہونگے سب سے بڑا پیش امام ہر چیز کا منبع ومحور، عطا کرنے والا اور کمال کر دینے والا، حیران کر دینے والا تو وہ خود ہے۔

اب آیئے عملی کام کی طرف:

ہم جن عبادات کا ذکر کرنے جا رہے ہیں آپ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کچھ یا یہ سب تو ہمارے علمائے دین یا

Marfat.com

ہمارے آج کے دور کے کئی دیگر لوگ بھی کرتے ہیں لیکن وہ نتائج کیوں ظاہر نہیں ہوتے جن کی امید ہم کر رہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو ہم نے اتنی لمبی چوڑی گفتگو گزشتہ صفحات میں کی ہے کیا وہ دیگر لوگ یا علماء وفضلاء ان ایمانِ کامل وصفات کاملہ کو اپنا چکے ہیں۔ کہنے کو سب کہہ دیں گے جی ہاں۔لیکن حقیقت یہ ہے ان سب میں سے سوائے اِکا دُکا لوگوں کے باقی 98% عمل کے کھوٹے ہیں بس عبادتوں پر زور ہے وہ اسی کو اپنی ریاضت وطہارت اور بخشش وکامیابی سمجھتے ہیں لیکن اگر ہاتھ سے 2.5 فیصد زکوٰۃ سے اوپر کچھ دینا پڑے تو کانپنے لگتے ہیں یہی حال باقی صفات مومنہ میں ہے۔اسی لیے عبادت کے نتائج اور دعاؤں کی قبولیت سامنے نہیں آتے نہ ہی روحانی سفر میں کچھ ملتا ہے۔ہر کام کی کوالٹی اپنے نتیجہ Result سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

کام کی بات:

نفلی عبادات میں اضافہ فرمایئے۔نمازوں کے ساتھ نوافل حسب توفیق بڑھا لیجئے۔فجر کا وقت جوں ہی داخل ہو اگر اہل حدیث مسلک کی مسجد قریب واقع ہے تو دو رکعت سنت گھر پر ادا کر کے وہاں چلے جایئے۔وہ لوگ نماز اول وقت میں پڑھتے ہیں وہاں نماز با جماعت سے قبل دو رکعت تحیۃ المسجد کے ادا کر کے اگر چند منٹ پھر بھی بچ جائیں تو کوئی تسبیح پڑھ لیجئے پھر باجماعت نماز ادا کر کے ممکن ہو تو وہیں بیٹھ جایئے اور وقت طلوع آفتاب داخل ہونے سے چند منٹ پہلے تک آیت الکرسی کا ورد زبانی کرتے رہیئے (اگر یاد نہیں تو یاد کر لیں) اور اگر وہاں نہ بیٹھ سکیں تو فوراً گھر واپس آ کر نہایت پاک صاف گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر بڑی توجہ خشوع وخضوع کیساتھ وقت طلوع تک یہی تسبیح اختیار کیجئے پھر دعا مانگیئے جو چاہت ہو یعنی روحانی، ترقی قرب ربانی کے لیے جتنا ہو سکے رو کر گڑ گڑا کر اگر رونا روزانہ نہ بھی آئے تو منت سماجت کے انداز سے دعا فرمائیں اپنے رب کو منائیں۔یاد رہے کہ آپ کی تسبیح ودعا وقت طلوع سے قبل ضرور ختم ہو جائے۔اگر مسجد اہل حدیث نہیں ہے حنفی مسلک کی دیوبندی یا بریلوی مسجد ہے تو یہ آخری وقت پر نماز ادا کرتے ہیں ایسے میں وقت فجر داخل ہوتے ہی فوراً دو سنتیں ادا کر لیں اس کے بعد آیت الکرسی کا ورد گھر پر ہی کریں دعا کریں اس کے بعد مسجد جا کر نماز با جماعت ادا کریں۔اگر کسی وجہ سے مسجد جانا ممکن نہ ہو تو گھر پر ہی پاک صاف جگہ سب کچھ ادا کریں۔اگر آپ کہیں دنیا سے کٹ کر گوشہ نشین ہو چکے ہیں تو وہیں تمام عبادات فرماتے رہیں۔اللہ قبول فرمانے والا ہے۔اس خصوصی دورِ عبادت کے لیے جتنی دنیا سے دوری ہو بہتر ہے۔سورج نکلنے کے بعد کم از کم چار رکعت نماز اشراق ادا کریں۔گھر پر یا گوشہ تنہائی میں جہاں ہوں وہاں اور اگر فرائض معاش باقی ہیں تو جہاں موقع ملے وہاں اشراق ادا کر لیں۔اگر زیادہ ادا کر سکیں تو بے شک کریں دل کی طلب کی بات ہے۔اگر قرآن پاک کے حافظ نہیں ہیں کہ زبانی قرآن کی نوافل میں تلاوت مفہوم سمجھ کر کر سکیں تو نفلی عبادات میں نماز میں کھڑے ہو کر چھوٹا قرآن پاک کا نسخہ ہاتھ میں لے کر بھی تلاوت کر سکتے ہیں ہر رکعت میں اور ساتھ معانی وترجمہ بھی پڑھیں اگر عربی نہیں سمجھتے۔اگر ایسا نہ کر

Marfat.com

سکیں تو جو سورتیں یاد ہوں انھیں ہی ہر رکعت میں پڑھتے رہیں اور قرآن پاک کو بیٹھ کر نماز کے علاوہ پڑھنے کا اہتمام کریں۔ فجر کے قرآن کا زیادہ تاکید کے ساتھ حکم ہے اس لیے فجر کی نماز اگر گھر پڑھیں تو نماز فجر وقت داخل ہوتے ہی پڑھ لیں اگر رکعتوں میں قرآن پاک ہاتھ میں پکڑ کر کچھ رکوع پڑھ اور سمجھ لیں تو کیا بات ہے ورنہ جو سورتیں یاد ہوں ان کے ساتھ نماز ادا کر لیں خصوصاً سورۃ اخلاص ضرور پڑھیں اور اس کے بعد چند رکوع قرآن کے پڑھ کر سمجھ لیں پھر آیت الکرسی والا ورد و دعا کریں۔ آیت الکرسی اول آخر گیارہ بار درود ابراہیمی بڑھتے ہوئے کم از کم (101) مرتبہ ضرور پڑھیں۔ اگر وقت کم پڑے تو اہل تشیع کی اذان کے ساتھ نماز پڑھ لیں وقت زیادہ مل جائے گا (میرے نزدیک سب مسلک ٹھیک ہیں بس اختلافی مسائل کو چھوڑ دیں)۔ اشراق کے نوافل کے بعد جو کہ سورج طلوع ہونے کے فوراً بعد پڑھیں گے چاشت کے وقت تک جسے پنجابی میں ''چھا ویلہ'' کہتے ہیں گرمیوں میں تقریباً 8 بجے تک اور سردیوں میں 10 بجے تک چاشت کا وقت ہو جاتا ہے باقی مہینوں وغیرہ میں اسی طرح وقت بالترتیب اُوپر نیچے کر لیں ویسے اگر آپ کوئی پیمانہ خاص اس وقت کو چھانٹنے کے لیے چاہیں تو اس کا اصول یہ ہے کہ 24 گھنٹوں میں 8 پہر ہوتے ہیں۔ یعنی 3x8=24 اس طرح سے ہر پہر 3 گھنٹے کا ہوتا ہے یوں طلوع آفتاب کے وقت سے آگے 3 گھنٹے دیکھ لیں کہاں بنتے ہیں اگر گرمیوں میں سورج صبح 5 بجے ہی طلوع ہو جائے تو چاشت ٹھیک آٹھ بجے ہو گا اسی طرح سردیوں میں اگر سورج صبح 7 بجے طلوع ہو تو چاشت 10 بجے ہو گا چونکہ سورج کے طلوع وغروب اور باقی نمازوں کے دائمی چارٹ یا جنتریاں چھپی ہوئی بازار میں عام دستیاب ہوتی ہیں۔ اس لیے وقت معلوم کرنا آسان ہے کہ کب طلوع کا وقت یا غروب کا وقت یا سحر کے داخل ہونے کا وقت یا عشاء کا وقت ہے۔

آٹھ پہر چونکہ بڑے معنی خیز ہیں بزرگوں نے یوں ہی نہیں بنا لیے ان میں گہری حکمت ہے اس لیے عبادت میں بھی ان کا الگ الگ خاص مقام ہے جو صرف خاصوں کو پتا ہے، عوام نہیں جانتے۔ اب چونکہ 24 گھنٹوں کو عمومی طور پر 8 پر تقسیم کر کے 3 گھنٹوں کا ایک پہر اس لیے فرض کر لیا گیا ہے کہ اگر ٹھیک 12 گھنٹے کا دن اور ٹھیک 12 گھنٹوں کی رات ہو لیکن ہمارے ہاں تو روزانہ تقریباً ایک منٹ کا طلوع وغروب میں فرق پڑتا جاتا ہے اوسطاً۔ اس لیے دن اور رات کے اپنے اپنے خواص واثرات کی بنا پر جو باطنی طور پر ہو سکتے ہیں (جیسا کہ قرآن پاک میں رات کے وقت کیا آسمانوں پر چڑھتا ہے کیا اترتا ہے اس کا ذکر، ستارے ڈوبنے کا، ستاروں کے کم ردینے کا، اندھیرے کے چھانے کا، صبح کے پھوٹنے کا، وقت سحر کا، رات کے چار حصوں میں، تین حصوں میں، پھر دو حصوں میں تقسیم کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ بڑا کچھ) ہمیں چاہیے کہ ہم جس دن کا بھی حساب لگانا چاہیں تاریخ وار دائمی نمازوں کی جنتری سے دیکھ لیں وقت سحر اور اوقات غروب آفتاب۔ اصل میں اصل معاملہ دن اور رات کا ہے دن وہ ہوتا ہے جب صبح صادق ہوتی ہے جب کالی دھاری سے سفید دھاری پھوٹنی شروع ہوتی ہے۔ اگر شیعہ وسُنی دو بڑے مسلک تسلیم کرتے ہوئے سُنی مسلک کا نمازوں کے اوقات کا دائمی چارٹ دیکھیں اس میں وقت سحر جس

Marfat.com

وقت داخل ہوتا ہے اس سے 20 منٹ بعد اندھیرے سے اجالا پھوٹنے کا عمل شروع ہوتا ہے چونکہ شیعہ مسلک کی آذان سُنیوں سے بھی دس منٹ پہلے ہوتی ہے اس لیے کالی سے سفید دھاری اس سے 30 منٹ بعد جدا ہونا شروع ہوتی ہے جسے عام ننگی آنکھ سے دیکھا جا سکے دوسری جانب شام کو جو سُنیوں کا اوقات نماز کا چارٹ ہے اس کے مطابق جب سورج غروب ہوتا ہے (اور اہل حدیث چونکہ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی اذان دیتے ہیں) اس سے تقریباً 20 منٹ بعد اور چونکہ اہل تشیع 10 منٹ دیر سے اذان دیتے ہیں ان کے مطابق 10 منٹ بعد اجالے میں اندھیرا داخل ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس طرح سے اصل دن کا وقت سنیوں کی آذان (اگر عین وقت پر دی جائے) سے 20 منٹ بعد اور شیعہ حضرات کی اذان سے آدھا گھنٹا بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح سے رات کا وقت سنیوں کی مغرب کی اذان (اگر ٹھیک وقت پر دی جائے) سے 20 منٹ بعد اور شیعہ حضرات کی اذان سے 10 منٹ بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر سورج کے غروب ہونے کے عین وقت کے بعد رات تسلیم کر لی جائے جبکہ اس وقت اتنی روشنی ہوتی ہے کہ چیونٹی نظر آتی ہے تو پھر طلوع آفتاب کے وقت کو دن کا آغاز تسلیم کرنا پڑے گا۔ جبکہ طلوع آفتاب سے ایک منٹ پہلے دیکھیں تو ہر طرف روشنی پھیل چکی ہوتی ہے اور اس میں بھی باریک سے باریک چیونٹی بھی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رمضان کے روزوں کے لیے دن اور رات کے اوقات کی تخصیص کردی ہے اور حدود متعین کردی ہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ ’’بے شک کھاؤ اور پیؤ جب تک کہ کالی دھاری سے سفید دھاری جدا نہیں ہوتی پھر رات تک روزہ رکھو‘‘۔ اس میں فجر کا وقت داخل ہونے کی علامت جو عام ننگی آنکھ سے نظر آئے بیان فرمادیا ہے جو کہ دن کا آغاز ہے پھر دن کا اختتام مغرب کے وقت کو قرار نہیں دیا کہ جب سورج ہمیں نظر آنا بند ہوجاتا ہے بلکہ رات کو قرار دیا ہے۔ ’’لیل‘‘ رات کو، اندھیرے کو کہتے ہیں مجنوں کی معشوقہ کالی تھی اس لیے اسے ’’لیلہ‘‘ کہتے تھے۔ سو ثابت ہوا کہ دن کا آغاز سورج کے ہمیں نظر آنے یا رات کا آغاز سورج کے ہمیں نہ نظر آنے کا نام نہیں ہے بلکہ دن کا آغاز اندھیری رات سے دن کی روشنی کے پھوٹنے سے ہوگا اور رات کا آغاز دن کی سفیدی میں اندھیرے کے داخل ہونے کے آغاز کو کہا جائے گا۔ جو کہ مندرجہ بالا بحث میں میں نے بتلایا کہ دن سنی وشیعہ کی اذان فجر سے کتنا بعد شروع ہوتا ہے اور رات سنی وشیعہ کی اذان مغرب کے کتنی دیر بعد شروع ہوتی ہے۔ فجر کی اذان اصل وقت سے پہلے اس لیے دی جاتی ہے کہ وقت فجر داخل ہوتے ہی نماز باجماعت ادا کی جا سکے اول وقت میں۔ اس کا زیادہ ثواب ہے تاکہ اس کے بعد ذکر واذکار الٰہی کیا جا سکے طلوع آفتاب سے قبل کا۔ یا دنیادار لوگ سویرے سویرے اپنے کاموں پر جاسکیں۔ یاد رہے کہ حضرت محمد ﷺ کے وقت میں نماز کا مفہوم صرف قیام دو منٹ کا یا ایک منٹ کا اور مختصر رکوع وسجود نہ ہوتے تھے بلکہ وہ لوگ اہل زبان تھے عربی قرآن کے ہر رکعت میں کئی رکوع پڑھے جاتے تھے ٹھہر ٹھہر کر۔ پھر قرآنُ الفجر میں تو خصوصاً طویل تلاوت پورے حسنِ تلاوت کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کے ہوتی تھی آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ دو رکعت میں بھی کتنا قرآن پڑھا جاتا ہوگا۔ دن کے وقت چونکہ کام کا وقت ہوتا ہے اور مختصر پڑھتے تھے لیکن اتنا مختصر بھی

Marfat.com

نہیں کہ جیسے آج کل اسٹینڈرڈ بن چکا ہے 5 منٹ میں چار رکعت پڑھانے کا۔ اسی طرح سے مغرب وعشاء کی تلاوت قرآن چونکہ فراغت کا وقت ہوتا تھا اور قرآن کی تعلیم و برکات ضروری تھیں طویل ہوتی تھیں۔ بلکہ اہل تشیع کے مسلک کے مطابق نماز قرینِ قیاس نظر آتی ہے۔ مغرب وعشاء کے درمیان اوسطاً 1:30 گھنٹے کا فرق ہے۔ اگر مغرب کی نماز کی پہلی دو رکعت میں مناسب طوالت کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ حسن تلاوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تا کہ قرآن کی شیرینی بھی محسوس ہو اور بات سمجھ آنے کے ساتھ ساتھ دل میں بھی اترے تو ہر رکعت اگر 30 منٹ کی بھی ہو یا 20 منٹ کی تو گھنٹہ تو فرض نماز پر لگ گیا مغرب کی اس کے ساتھ ہی عشاء کا وقت قریب ہے تھوڑا ذکر اذکار کیا عشاء ہوگئی پھر عشاء میں اتنا ہی وقت لگا۔ پھر آپ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر بھی اور تقریباً ایک ساتھ بھی پڑھ کر گھر آ گئے۔ آج کل نومبر ہے ہم عشاء پڑھ کے 9 بجے گھر آ سکتے ہیں اس کے مطابق چونکہ اصل نماز مغرب فرض نماز ہے باقی نوافل ہیں وہ مسجد میں نہیں بلکہ گھر آ کر پڑھنے چاہئیں۔ یہ آپ کی انفرادی عبادت ہے تقویٰ کی بڑھوتری کے لیے لیکن اگر وقت میسر ہو اور طبیعت ادھر مائل ہو زائد عبادت کی طرف تب۔ آج کل کے 12 اور 17 رکعت والی زبردستی کی نماز کی طرح نہیں کہ جس میں ہم تیزی سے ٹکریں مار کر 15 منٹ میں نماز ختم کر لیتے ہیں جبکہ اصل فرض نماز بھی اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتی۔ نبی پاک ﷺ نے حد سے زیادہ طویل نماز کہ جس میں پوری سورۃ بقرہ یا سورۃ العمران ایک ایک رکعت میں پڑھ دی جائے جبکہ نماز باجماعت ہو رہی ہو اس سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اس دور کی تلاوت کے پرسوز اور ٹھہر ٹھہر کے پڑھنے کے معیار سے ان سورتوں کی تلاوت ہو تو ایک رکعت میں دو گھنٹے بلکہ زیادہ لگتے ہیں۔ اس طویل ترین نماز باجماعت سے آپ نے اس لیے منع فرمایا کہ ہر فرد کے پاس اتنا وقت، اتنا عشق، اتنی طلب، اتنی صحت نہیں ہوتے پھر بیمار اور بوڑھے بھی بچے بھی پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے مُلّا صاحب نے اس رعایت کو چار رکعت کے لیے محض 5 منٹ پر محمول کیا ہے کیا یہ نماز کا حق ہے؟ سُنی حضرات کی طرح مغرب وعشاء میں تھوڑا وقفہ دینا بھی بہتر ہے تا کہ تھوڑا آرام یا چہل قدمی ہو سکے۔ بہرحال اللہ کے حکم ''غروب آفتاب سے اندھیرا چھا جانے تک اللہ کا ذکر کرو'' کے مطابق اہل تشیع کا طریقہ بہتر ہے کہ مسجد ہی میں نماز و ذکر میں سارا وقت گزرے۔ بات یہ چل رہی تھی کہ فجر کی اذان اس لیے وقت سے پہلے ہوتی ہے کہ عین وقت فجر داخل ہونے پر نماز باجماعت ہو سکے۔ اسی طرح سے سورج غروب ہوتے ہی اذان اس لیے دی جاتی ہے کہ گو کہ ابھی چارسو بڑی روشنی ہے لیکن جو ذکر اللہ پاک نے بعد از غروب کرنے کا حکم دیا ہے اس کے لیے گھروں سے وضو وغیرہ کر کے مسجد تک پہنچ سکیں یا گھروں سے آ کے مسجد میں وضو کر کے جماعت میں شامل ہو سکیں۔ تب تک اندھیرے کے آثار بھی پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے جب خدا ''دن سے رات نکال رہا ہوتا ہے''۔ ''اندھیرا اور روشنی گلے مل رہے ہوتے ہیں''۔ یہ ہے اصل نماز مغرب کا وقت اور بہت بھی جلدی روزہ افطار کرنا ہو تو اس وقت کرنا چاہیے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اسلامی تاریخ میں اتنے زلزلے آئے ہیں کہ میدانِ کربلا میں تمام کی تمام (سوائے بیبیوں اور ایک بچے

Marfat.com

کے) اولاد نبی شہید کر دی گئی۔ اس خلاء میں عین حق بتانے والا کون تھا؟ باقی لوگ تھے کون لوگ؟ جو حق کے لیے، آقا محمد ﷺ کے بے پناہ لاڈلے حسینؑ کے لیے، تمام خون نبی ﷺ کے لیے اور اہل بیت کے بچے بچے کو یزید کی فوج سے کٹتا، پھٹتا، دیکھ کر کئی دن کا بھوکا پیاسا دیکھ کر، ان کی بوٹی بوٹی ہوتے دیکھ کر گھروں سے باہر نہ نکلے تھے جو تلوار کے خوف سے یہاں حق کی گواہی نہ دے سکے کیا وہ بنی اُمیّہ کے باقی دور حکومت میں کوئی حق کی گواہی دے سکے ہوں گے؟ کبھی نہیں۔ پھر آگے بڑھیئے جو بقیہ دین لے کر بنی اُمیّہ آگے چلے تھے۔ حضرت علیؑ اور اہل بیت کا نام جمعہ کے خطبوں سے نکال کر اور دین میں اپنے نکتہ نظر کو شامل کر کے (چونکہ حضرت علیؑ و فاطمہؓ و اہل بیت کا مسلک عین حق تھا دین ان کے گھر پیدا ہوا پھل پھول کر جو بن کو پہنچا ان سے زیادہ کون جان سکتا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے عادل، سخت گیر مگر فقیر منش شاہکار رسالت بھی علیؓ سے دقیق اور مبہم معاملات میں نہ صرف مشورے لیتے تھے بلکہ ان کے مشوروں کو مقدم بھی رکھتے تھے)۔ انہوں نے جو دین اور جس شکل کا اسلام آگے بڑھایا کیا جب بنی امیہ پر زوال آیا اور اتنی قتل و غارت ہوئی کہ بنی اُمیّہ کے خون میں باغیوں کے گھوڑوں کے سم ڈوب گئے تو کیا ایسے میں جو دین بنی امیہ بچا کر اور کمی بیشی کر کے یہاں تک لائے تھے وہ بنوعباس نے اسی طرح چلنے دیا ہوگا۔ بنی امیہ سے اتنی نفرت کہ ان کے کئی حکمرانوں کی قبروں سے ان کی لاشیں نکال کر گھسیٹی گئیں ان کو پھانسیاں دی گئیں ان کو کاٹا اور جلایا گیا۔ ان کی ہر طرح کی بے حرمتی کی گئی تو کیا بنوعباس نے بنی اُمیّہ کے دین پر عمل کرنے کی طریق کو بخش دیا ہوگا یا پھر بنو عباس کے زوال کے بعد کیا ہوا ہوگا کہ اس کے بعد ہوس اقتدار میں تاریخ اسلام کا کیا بنا ہوگا؟ تو عزیز قارئین سوائے قرآن پاک کے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پاک نے لے رکھی ہے کوئی بھی تاریخی حقیقت اور روایات صحابہؓ یا فرمودات نبی ﷺ جنہیں ہم احادیث سمجھ کر عقیدتاً سینے سے لگائے ہوئے ہیں اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں ان میں بے پناہ رد و قد، اضافے اور تحریفات کے علاوہ من گھڑت مواد بادشاہوں کی خواہشوں پر، ہوس اقتدار کی اغراض کی خاطر اور اپنے اپنے مفادات کی خاطر شامل کیا اور نکالا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا اصول یہ بنا کہ ہر شے کو قرآن محفوظ سے اخذ کر کے یا قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر معلوم کیا جائے۔ جیسا کہ ہم نے بغیر کسی مسلک کی رعایت رکھے حق کو ثابت کرتے ہوئے اوقاتِ نماز وغیرہ یا وقت افطار پر بات کی ہے۔ میں اسلامی تاریخ کے اوچھاڑ پوچھاڑ کی بات بیان کرنے سے پہلے وقت افطار پر ہی بات کر رہا تھا کہ روزہ رات تک رکھنے کا حکم ہے اس لیے اہتمام کیساتھ نماز مغرب پڑھ کر اندھیرا خوب پھیل جانے پر روزہ کھولا جائے تو عین حکم قرآن کے مطابق ہے۔ دیگر مذاہب میں بھی جن کی بنیاد میں آسمانی کتابیں ہی کام کر رہی ہیں روزہ کھولنے کے لیے رات کا انتظار کیا جاتا ہے حتیٰ کہ ستارے و چاند نکلنے کا۔ یہ الگ بات کہ ان میں روزے یا تو اب خاص تہواروں پر ہی رکھے جاتے ہیں یا اپنے مذہب کے ایام صیام میں بھی کم ہی لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ ماسوائے ان کے خاص مذہب پرستوں کے۔ ہم مسلمان جس طرح سے اصل نماز سے دور بھاگتے ہیں اسی طرح روزے کی duration کو بہانے بہانے سے کم کر رہے ہیں (باقی اعمال

Marfat.com

سے تو ہم فارغ ہی ہیں) اگلی دو چار صدیوں میں یورپ سے بھی زیادہ مذہب سے بیگانہ ہو جائیں گے۔ یہ الگ بات کہ ہم قرآن خالص پر غور وخوض کریں اور اپنے دین کو تبدیل نہ ہونے دیں۔ اس مضبوط کشتی کے سوا دور جدید کی مادہ پرستی اور مذہب کے ٹھیکیداروں کی دین فروشی ہمیں ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی۔

8 پہروں کی تقسیم کا طریقہ:

اصل میں ہم بیٹھے تھے 8 پہر نکالنے اور بات کہاں چلی گئی، کیا کروں جب قیمتی نکتے آجائیں تو بات کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ 24 گھنٹوں میں ہیں تو 8 پہر ہی لیکن انھیں بغیر رات دن کی تمیز کیے محض برابر 3 گھنٹوں میں نہیں بانٹا جا سکتا۔ دن اور رات کے خواص الگ الگ ہیں۔ اب چار پہر دن کے اور 4 ہی پہر رات کے ہونگے۔ لیکن دن اور رات تو چھوٹے بڑے ہوتے رہتے ہیں تو کیا یہ ''پہر'' بھی چھوٹے بڑے ہوتے رہیں گے؟ جی ہاں ایسا ہی ہوگا۔ تو کیا دن برابر 4 حصوں میں اور رات برابر 4 حصوں میں تقسیم کر دیے جائیں؟ جی نہیں دن فجر کا وقت داخل ہونے سے لے کر اگر مغرب کی اذان تک بھی مان لیا جائے یا اس سے 20 منٹ بعد تک تو پھر بھی یہ برابر تقسیم نہ ہوگا بلکہ دو پہر نصف النہار پر ہوتی جب سورج عین سروں کے اوپر ہوتا ہے اور کسی شے کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔ اوقات نماز کے دائمی چارٹ سے سال میں جب بھی جس بھی دن کا حساب معلوم کرنا ہے۔ فجر کا وقت داخل ہونے سے دو پہر نصف النہار کے وقت کو دو برابر حصوں میں تقسیم کریں گے اور اس کے بعد غروب آفتاب تک کے وقت کو مزید دو برابر حصوں میں تقسیم کریں گے۔ البتہ رات کو چار برابر حصوں میں تقسیم کریں گے۔

فرض کریں ماہ جون کا بڑے سے بڑا دن اور چھوٹی سے چھوٹی رات کا 24 گھنٹے کا سرکل آٹھ پہروں کا اس طرح ہے۔ فجر کا وقت داخل ہوا 3:15 بجے اور نصف النہار دو پہر 12:15 پر ہوئی۔ اب یہ بنے پورے 9 گھنٹے۔ اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصہ ہوا 4:30 گھنٹے کا۔ اس طرح سے 3:15 سے 7:45 تک پہلا پہر ختم ہوا یہ 7:45 ہے وقت چاشت عین درست۔ اس کے بعد دوسرا پہر شروع ہوا وہ ختم ہوا۔ 12:15 پر یہ ہوئے ٹھیک دو پہر۔ پھر نصف النہار سے آگے مغرب تک کے وقت کو دو برابر حصوں میں تقسیم کریں۔ مغرب فرض کریں 7:15 پر ہے۔ تو 12:15 سے 7:15 تک کل بنے 7 گھنٹے۔ انھیں بھی ساڑھے تین گھنٹوں کے دو برابر حصوں میں تقسیم کریں۔ نصف النہار یا دو پہر 12:15 سے 3:45 تک ہوا تیسرا پہر جسے سہ پہر بھی کہتے ہیں یہ عصر کا وقت ہے اہل حدیث ٹھیک اسی وقت عصر کی اذان دیتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد نماز ادا کرتے ہیں۔ اس سے آگے 3:45 سے 7:15 مغرب کی اذان تک ہوا چوتھا پہر۔ یہ ہو گئے دن کے چار پہر۔ یاد رہے کہ ہماری اس مثال میں ٹوٹل دن کا وقت فجر 3:15 سے مغرب 7:15 تک ہوا، 16 گھنٹے یعنی دن ہوا 16 گھنٹے کا۔ اب آئی رات کی باری جو ظاہر ہے جون کے اس بڑے دن میں اب صرف 8 گھنٹے کی رہ گئی ہے (16+8=24)۔ اب اس 8 گھنٹے کی رات کے 4 برابر حصے کر لیں گے۔ ہر حصہ دو گھنٹے کا ہوگا۔ مغرب 7:15 سے

Marfat.com

رات 9:15 تک ہوا، پانچواں پہر جو نماز عشاء کا وقت ہے۔ اس کے بعد 9:15 سے 11:15 تک ہوا چھٹا پہر یہ ہوگئی نصف شب۔ اس کے بعد 11:15 سے 01:15 تک ہوا ساتواں پہر۔ ان دنوں میں یہاں سے نماز تہجد کا وقت شروع ہوتا ہے جو فجر کا وقت داخل ہونے سے قبل تک رہتا ہے۔ چنانچہ یوں آخری 1:15 سے 3:15 بوقت فجر تک ہوا آٹھواں پہر۔ اسی رعایت سے اگر کوئی رمضان شریف میں سحری نہ کھائے یا نہ کھا سکے تو اسے کہتے ہیں کہ اس نے آٹھ پہرہ روزہ رکھا ہے۔ یعنی ایک تو آٹھویں پہر میں کھایا کچھ نہیں دوسرا چونکہ گزشتہ مغرب کے وقت روزہ کھول کر کھانا کھایا تھا اس لیے اگلی مغرب تک اب آٹھ پہر ہو جائیں گے۔

قارئین میں نے چند نکات پر بحث کے ساتھ ساتھ آپ کی سہولت کے لیے آٹھ پہروں کو سمجھنے کا نقشہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے چونکہ ان میں عبادات کا اپنا اپنا مقام ہے اس لیے اب جب میں کوئی وقت بیان کروں گا تو اس کے سمجھنے میں آپ کو دقت نہ ہوگی۔

عبادات پر واپسی:

ہم بات کر رہے تھے نوافل اشراق کے بعد کے وظائف کی ایک بات یاد رکھ لیجئے کہ باقی تو فرض نمازوں اور نفل نمازوں مثلاً اشراق کے وقت بعد از طلوع آفتاب ذکر الٰہی کا حکم یا وقت تہجد کی نماز کا حکم، یہ سب قرآن پاک میں اپنے وقت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں لیکن چاشت کی نماز یا وقت کا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فجر کا وقت داخل ہونے سے وقت چاشت تک پہلا پہر مکمل ہوتا ہے۔ جو چوٹی کے عبادت گزار ہوتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ عبادت کے لیے پچھلے صفحات پر تحریر صفات سے مزین ہو کر کوشش کرنا چاہتے ہیں وہ دھیرے دھیرے اپنی نیند کو کافی کم کر دیتے اور عبادت کو اسی نسبت سے بڑھاتے جاتے ہیں (ایک دم ایسا نہیں کرنا چاہیے بیمار پڑ سکتے یا پاگل ہو سکتے ہیں)۔ ایسے لوگ صرف پہلی رات میں سوتے ہیں۔ عشاء پڑھ کر فوراً سو جاتے ہیں اور بوقت تہجد اٹھ جاتے ہیں۔ یعنی چھٹا اور ساتواں پہر نیند کا ہے۔ گزشتہ جو فرضی Table دیا ہے رات کے 4 پہروں کا ان میں 9:15 عشاء سے چھٹا پہر شروع ہوتا ہے اور پھر 11:15 سے 1:15 تک ساتواں پہر ہے۔ ان چھوٹی راتوں کے گرمیوں کے جون کے دنوں میں رات کے یہ دو پہر یعنی چھٹا و ساتواں پہر صرف 4 گھنٹے نیند بنتی ہے۔ بہر حال وقت تہجد جب آٹھواں پہر شروع ہوتا ہے تو اٹھتے ہیں اور اگلے دن کے پہلے پہر بوقت چاشت تک ان کی عبادت چلتی ہے مسلسل۔ ماسوائے کسی معمولی وقفے کے پھر جب عبادت ختم ہوتی ہے تو تب یہ جو نوافل شکرانہ عبادت کے طور پر ادا کرتے ہیں، اسے چاشت کی نماز کہتے ہیں۔ یعنی پورے آٹھویں پہر کی عبادت اور پہلے پہر کی عبادت۔ ان سے بھی اونچے درجے کے اللہ کے ولی اس stage سے مزید اوپر اٹھتے مزید نیند کم کرتے ہیں اور عبادت میں اضافہ کرتے ہیں یہ نصف شب کو اٹھ جاتے ہیں۔ یعنی گزشتہ آٹھ پہروں کے ٹیبل کے مطابق جو کہ سال کے بارہ مہینوں میں فجر و مغرب کے

Marfat.com

اوقات کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے لیکن پہر اتنے ہی رہتے ہیں کلیہ وہی رہتا ہے بس ان کا دورانیہ بڑھتا گھٹتا رہتا ہے نصف شب جوں ہی چھٹا پہر ختم ہوا اور ساتواں پہر داخل ہو شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے اللہ کے یہ نہایت اعلیٰ پائے کے ولی نیند کو اپنی پریکٹس سے دھیرے دھیرے صرف ایک پہر تک لے آتے ہیں۔ اب وہ صرف چھٹا مکمل پہر سوتے ہیں چاہے وہ جتنا وقت بھی بنے۔ عرف عام میں یہ وقت نماز عشاء کے فوراً بعد سے نصف شب تک کا وقت کہا جاتا ہے۔

ساتویں آٹھویں اور پہلے پہر کی مسلسل عبادت یعنی آدھی رات سے چاشت تک:

یہ لوگ نصف شب سے لے کر ماسوائے معمولی کسی حاجت کے لیے وقفہ کے مسلسل اگلے دن چاشت کے وقت تک عبادت کرتے ہیں نوافل ادا کرتے ہیں۔ ذکر و اذکار، وظائف، اوراد ادا کرتے ہیں۔ طویل رکوع و سجود میں گرے رہتے طویل قیام کرتے ہیں۔ راتوں کو روتے گڑگڑاتے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں یہ ہر کسی کا اپنا معاملہ ہے لیکن وہ اگر اس عمل پر باوجود بڑی تکلیف و تھکاوٹ اور آزمائشوں کے قائم رہیں نہ بھٹکیں نہ ایمان میں کمی واقع ہو نہ عشق کم ہو بلکہ بڑھتا جائے تو پھر اللہ سے ان کے راز و نیاز اللہ ہی جانے۔

اشراق سے چاشت تک کیا وظائف، کیا اوراد اختیار کریں گے؟ بلکہ 24 گھنٹے کے وظائف، واوراد اور عبادت درجہ بدرجہ اعلیٰ ترین مقامات کے لیے:

اشراق کے نوافل جتنی تعداد میں قلبی اطمینان ہو جائے ادا کریں۔ یاد رہے کہ تمام نفلی عبادت میں دو دو رکعت نماز پڑھنا بہتر ہے۔ سو جب نوافل ادا کر چکیں تو کوئی ورد قبلہ رو بیٹھ کر بہتر ہے کہ مصلا پر ہی بیٹھ کر کریں۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کا ورد یا سورۃ یٰسین کا ورد اول آخر کم از کم گیارہ مرتبہ ورنہ 41 مرتبہ درود ابراہیمی (نماز والا) کے ساتھ وقت چاشت کے داخل ہونے سے 15 منٹ قبل تک کریں پھر چاشت کی دو یا چار رکعت نماز نفل پڑھ کر دعا کریں۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جتنے بھی اوراد کا ذکر کیا جائے گا یہ حالت نماز میں بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قیام کی حالت میں اگر ورد کسی چھوٹی آیت مبارکہ یا چند الفاظ کا ہے یا ایک ہی لفظ یا اسم الٰہی ہے تو پھر سورۃ اخلاص، سورۃ فاتحہ کے بعد پڑھ کر ورد شروع کریں اور اگر کسی سورت یا بڑی آیت شریفہ کا ہے جیسا کہ آیت الکرسی یا کوئی اور بڑی آیت تو پھر سورۃ کے بعد براہِ راست ورد ہی شروع کر دیں۔ اگر سورۃ اخلاص سے آپ کو بوجہ توحید الٰہی زیادہ محبت ہو تو پھر بے شک سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص چاہے نماز کی ہر آیت میں پڑھتے رہیں اس کے بعد ورد شروع کریں۔ اگر نفل نماز کی رکعتوں میں ورد کرنا ہے تو ورد کے کلمات کی طوالت کے لحاظ سے تعداد فی رکعت مقرر کر لیں۔ میں علم الاعداد کے اعتبار سے آپ کو اوراد کی تعداد یں نہیں بتلا رہا بلکہ محض اللہ کے اس حکم کے تحت بتلا رہا ہوں کہ ''اللہ کے نام کا ذکر کرو، اٹھتے بیٹھتے کروٹ کے بل لیٹے ہر حالت میں'' یا ''اللہ کا ذکر کثیر کرو''۔ اس طرح

Marfat.com

سے جو شے مانگی گئی حکم فرمائی گئی ہے وہ ذکر کثیر ہے زیادہ سے زیادہ ایک بات۔ دوسری بات یہ کہ ہر حالت میں ہر جگہ پر اس کا ذکر کریں۔ ایک تو ہر فراغت کے وقت میں کہیں بھی ہوں کر سکتے ہیں ایک اپنے سانسوں میں اسے بسا لینا ہے وہ خود بخود زبان جاری ہو جاتی ہے آپ کا دھیان ہو نہ ہو ذکر دماغ کا آٹو میٹک نظام جسمانی یا روح کا آٹو میٹک سیل (cell) سنبھال لیتا ہے۔ بس ایک مرتبہ دن رات کئی دن تک کسی بھی ایک ذکر کو زیادہ سے زیادہ پڑھتے رہنے کی بات ہے۔ اسے قلب کا جاری ہو جانا بھی کہتے ہیں بعد میں دل کی کوئی خاص حرکت بھی اس ذکر میں شامل ہو جاتی ہے۔ تاہم ہم بات کر رہے تھے چاشت تک کے ذکر کی۔ مثلاً اگر نفل نماز کی رکعتوں میں آیت الکرسی کا ورد کرنا ہے تو ہر رکعت میں اندازاً سو یا 101 مرتبہ کریں۔ یا پھر گھڑی سامنے کہیں پڑی ہو تو ہر رکعت کے لیے 15 منٹ یا 30 منٹ یا 45 منٹ یا ایک گھنٹہ رکھ لیں اور بغیر تعداد پر غور کیئے ذکر یعنی ورد کرتے جائیں۔ شروع میں قیام کی عادت نہ ہوگی اس لیے 5 منٹ فی رکعت سے آغاز کر کے اسے بڑھاتے جائیں۔ یاد رہے کہ اس قسم کے نوافل میں رکوع وسجود کی تسبیحات عام نماز والی نہیں ہیں بلکہ جو ورد کر رہے ہیں وہی رکوع وسجود کو بھی حتی الوسع طول دے کر کرتے رہیں۔ قعدہ میں بیٹھ کر بھی یہی ورد کریں گے تاہم جب سلام پھیرنے کا ارادہ کریں تو پھر حالت قعدہ کے کلمات، درود شریف و دعائیں پڑھ کر ہی سلام پھیریں گے۔ اس میں تعداد یا وقت کی کوئی قید نہیں ہے کہ قیام میں کتنی دیر ورد کیا، رکوع میں یا حالت سجدہ میں کتنی کتنی دیر ورد کرتے رہے یا قعدہ میں بیٹھ کر کتنا ورد کرنے کے بعد تسبیحات قعدہ پڑھیں دعائیں مانگیں اور سلام پھیرا۔ یہ سب آپ کی حالت دل اور جسم کی قبولیت تک ہے کہ آپ کتنی دیر ایک رکعت میں کھڑے رہ کر 'ذکر' میں سرور حاصل کر سکتے ہیں جب آپ کو تھکاوٹ سی ہونے لگے یا طبیعت بوجھل ہونے لگے تو رکوع میں 'اللہ اکبر' کہہ کر چلے جائیں پھر یہاں وہی طریق اختیار کریں واپس کھڑے ہوتے ہوئے عام نماز والی تسبیح پڑھتے ہوئے کھڑے ہونگے۔

نوٹ: اگر آپ رکوع وسجود میں عام نماز والی تسبیحات پڑھنا چاہیں تو بھی درست ہے۔

البتہ کھڑے ہو کر سجدہ میں جانے سے قبل جتنا چاہے دوبارہ اپنا مخصوص ورد جاری رکھیں پھر یوں ہی سجدوں میں اور سجدوں کے درمیان بیٹھ کر۔ الغرض نماز کے جس رکن میں جتنا چاہیں ورد کریں اور اس طرح دو رکعت پوری کر کے سلام پھیریں۔ سلام پھیر کر چاہیں تو کچھ دیر rest کر لیں (لیکن سو مت جائیں) پھر اگلی دو رکعت کی نیت کر لیں یوں اگر وقت چاشت تک پڑھتے رہیں تو اشراق و چاشت جدا نہ رہیں گے بلکہ دونوں مل کر ایک ہی نماز ہو جائیں گے وقت اشراق سے وقت چاشت تک نوافل کا سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ نیز نماز کے ایک رکن سے دوسرے میں داخل ہوتے وقت اللہ اکبر ضرور کہیں گے۔ ایک اور طریقے میں ایک ہی دفعہ لمبی نماز کی نیت کر لیں گے اور بغیر قعدہ میں بیٹھے مسلسل کئی رکعت پڑھ کر مندرجہ بالا ہی طریق سے صرف آخر میں ایک ہی دفعہ قعدہ میں بیٹھیں گے اور آخر میں عام نمازوں والے کلمات قعدہ، درود شریف اور دعائے ابراہیمؑ سمیت جو جو دعائیں چاہے پڑھیں گے۔ عربی میں تو جو پڑھنا چاہیں پڑھیں پھر اپنی زبان میں دل سے جو دعا چاہتے

Marfat.com

ہیں گڑگڑا کر اللہ پاک سے مانگیں رونا آئے تو ضرور روئیں دل کھول کے، سسکیاں لے کے حتیٰ کہ دھاڑیں مار کر روئیں۔ کوئی بناوٹ نہ ہو دل کی اصلی حالت سے روئیں اور جو مانگنا ہے مانگیں۔ قرآن پاک میں اسی طرح محبت وطلب اور گڑگڑا کر، پوری عاجزانہ سعی سے خوب دعا مانگنے کا حکم ہے رونے کا حکم بھی ہے۔ آپ کے آنسو، آہیں اس حالت میں، نماز کے کسی بھی رکن کی حالت میں اور پھر دعا کے علاوہ سجدے کی حالت میں اللہ پاک کو بڑے پسند ہیں ان کا جتنا گہرا دل اور دل کی گہرائی سے اس کی طلب سے تعلق ہوگا جتنی عاجزی و بے کسی دل میں موجود ہوگی اتنا ہی فائدہ ہوگا۔ آپ کی دعا سیدھی اوپر اٹھے گی اور روح کی لطافت بڑھے گی اللہ کا قرب نہ صرف حاصل ہوتا جائے گا بلکہ دن بہ دن بڑھتا بھی جائے گا۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اشراق سے چاشت کی عبادت کو پہلے دو نفل عام طریقے سے پڑھ کر شروع کریں پھر ایک رکعت کی نیت اسے طاق کرنے کے لیے کریں اور اس ایک ہی رکعت میں سب اشراق یا چاشت کا وقت گزار دیں اور مندرجہ بالا طریق سے آخر میں سلام پھیر دیں۔ سلام پھیر کر بھی خصوصی دعا کر سکتے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ سرے سے پڑھیں ہی ایک رکعت روایت پرست لوگ اس کی مخالفت کریں گے لیکن نفلی عبادت ہے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے تسلسل ورد نہ ٹوٹے اس لیے نیت کر کے ایک ہی رکعت میں سب ورد سارے وقت کا مکمل کر لیں۔ یہ اپنی اپنی ہمت کی بات ہے زیادہ تر لوگ اشراق کے نوافل مختصراً عام طریقہ سے پڑھ کر اس کے بعد قبلہ رو بیٹھ کر ہی ورد کرتے ہیں بے شک آپ بھی ایسا ہی کریں۔ اس طریقہ میں زیادہ یکسوئی اختیار کر سکیں گے۔ اول اشراق کے مختصر دو یا چار رکعت نوافل اور آخر میں ورد ختم کرنے کے بعد چاشت کے مختصر دو یا چار رکعت نفل پڑھ لیں۔ یوں رکوع و سجود سے شروع ہو کر رکوع و سجود پر عبادت ختم ہوگی اور آخر میں خوب رو دھو کر گڑگڑا کر دعا ضرور مانگیں۔ یہ ہوگئی آپ کی وقت چاشت تک کی عبادت۔

ایک اہم بات یہ یاد رکھیں کہ فرض عبادات تو بالکل اسی طرح ادا کرنا از بس ضروری ہیں جس طرح نبی پاک حضرت محمد ﷺ کے دور میں اجتماعی عبادت ہوتی تھی۔ آج بھی اجتماعی فرض عبادت بالکل اسی طرح ہوگی اس فرق کے ساتھ کہ جب قرآن باجماعت نماز میں امام صاحب کی طرف سے سنایا جائے تو ایک شخص پیچھے مقرر ہو جو یا تو زبانی یا باترجمہ قرآن ہاتھ میں لیے تلاوت کی ہر آیت کا یا ایک ایک رکوع کا ترجمہ کر کے سناتا جائے تاکہ سمجھ آسکے مقامی زبان میں۔ باجماعت نماز اگر اسی محویت اور حسن وٹھہراؤ نیز طوالت کے ساتھ پڑھی جائے جو نبی پاک ﷺ کے دور میں تھا تو ظاہر ہے ایسی باجماعت نماز میں شرکاء کی روحانی حالت انفرادی نماز کی حالت سے یقیناً بہتر ہوگی اس لیے اس باجماعت نماز میں قرآن کا سمجھ آنا بہت ضروری ہے تاکہ اپنی برکات وادراکات کو قرآن ہر کسی کے دل میں اتار سکے۔ یہی اصل قرآنی تعلیم کا عین حق طریقہ ہے اس حالت میں انسان مکمل یکسوئی و پابندی کی حالت نیز اللہ پاک کے حضور باادب قیام کی اجتماعی حالت میں ہوتا ہے یہ بہت افضل و ضروری ہے نماز باجماعت کے علاوہ درس قرآن جہاں بھی ہو بڑی بابرکت اور بہترین محفل میں عمدہ کوشش ہوتی ہے ہوتی رہنا

Marfat.com

چاہیے۔ کیونکہ اس میں قرآن کی تفسیر وتشریح تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہے لیکن باجماعت قرآن باادراک طریق سے امام کی عربی تلاوت کے ساتھ باترجمہ سننا اور ہی فضیلت رکھتا ہے۔

میں بیان کرر ہا تھا کہ فرض عبادت تو وہی سنت طریقہ ہی سے ہوگی تاہم انفرادی نفلی عبادات میں اسی روح کے ساتھ تھوڑی تھوڑی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ خود نبی پاک ﷺ سے میرے بیان کیے گئے طریق بھی ثابت ہیں۔ ابھی تو کئی ایسے طریق بھی ہیں جنہیں نبی پاک ﷺ نے نہ تو عام کیا نہ ظاہر کیا۔ ان میں سے کچھ درجہ بہ درجہ رتبوں کے اور تقویٰ کے لحاظ سے نیز خاص روحانی استطاعت کے لحاظ سے فرداً فرداً تعلیم فرمائی گئی ہوگی اور انھیں عام کرنے سے منع کیا ہوگا۔ جبکہ کچھ خاص طریقوں سلیقوں کو جو عبادت وریاضت سے متعلق ہیں کسی پر ظاہر نہ کیا ہوگا کیونکہ بہت کچھ راز اللہ اور اس کے رسول ﷺ تک محدود رہتے ہیں۔ جو طریق عبادت یا خصائصِ طریقت وحقیقت خاص پھر خاص الخاص صحابہؓ وصحابیاتؓ پر ظاہر فرمائے اور پوشیدہ رکھنے کی تلقین فرمائی ہوگی ان میں کوئی کسی کو اور کوئی دیگر کسی کو حسب استطاعت واطاعت عطا کیا ہوگا۔ پھر کسی کو زیادہ کسی کو کم کسی کو ڈھیروں عطا ہوا ہوگا۔ ان ڈھیروں رازوں والوں میں خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر گنتی کے لوگ بھی شامل ہونگے تاہم اہل بیت نبی پاک ﷺ میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ بالترتیب میری دانست کے مطابق عجیب رازوں کے خزانے اور ان کے قلوب اقدس عجیب رازوں کے دفینے تھے۔ ان سب خواتین وحضرات سے آگے بھی بطور خصوصی استطاعتِ روحانی وطلب کے سینہ بہ سینہ بہت کچھ منتقل ہوا ہے اور اب تک ہورہا ہے کیونکہ دلوں سے دلوں میں راستے ہیں، دروازے ہیں، کھڑکیاں ہیں جہاں سے علم طریقت وحقیقت آج بھی منتقل ہورہا ہے۔ یہ عظیم راز ہیں یہ خاصوں کی باتیں ہیں یہ ہر دور میں گنتی کے لوگوں پر صرف دلوں کے ذریعہ منتقل ہوتی ہیں اور دلوں ہی میں رہتی ہیں نہ تو زبان پر آتی ہیں نہ ہی کتابوں میں آسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقراء کی کئی باتوں کو، اعمال کو، رویوں کو اور عبادات وریاضت کو ان کی اقسام کو ثقہ علمائے دین بھی نہ سمجھتے ہوئے ان پر اعتراض کرتے پھر بسا اوقات فتوے بھی لگا دیتے ہیں۔ قریب کی عام مثالوں میں علامہ اقبالؒ پر کفر کے فتوے ہیں۔ پھر مولانا رومؒ کی مثنوی میں کئی روایات یا احادیث وسنتوں پر اعتراضات ہیں۔ ابن عربیؒ پر شرک کے فتوے ہیں۔ منصورؒ حلاج کی پھانسی ہے وغیرہ وغیرہ اس لیے گو کہ مجھے کسی اعلیٰ مقام معرفت یا خصوصی مقام طریقت وحقیقت کا دعویٰ نہیں ہے لیکن کچھ ایسا ضرور ہے کہ جس کی بنا پر میں یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں اب آگے چلیے۔

وقت چاشت کے بعد نصف النہار تک آپ کے پاس کچھ آرام اور کچھ دیگر امور دنیوی کے لیے وقت ہے وہ ادا کر سکتے ہیں لیکن جتنا ہو سکے دنیا سے کٹے ہی رہنا، کم گفتگو کرنا، کم ہنسنا اور غیر ضروری امور میں کم دلچسپی لینا بہتر ہے۔ علم رکھنے والے لوگ اس وقت کے دوران عوام کو درس قرآن وحدیث بمطابق قرآن دے سکتے ہیں۔ اسی طرح خیر کثیر اور حق کی باتیں وعظ ونصیحت کر سکتے ہیں۔ یہ زیادہ احسن ہے صوفیہ کا طریق رہا ہے۔ اسی وقت کے دوران کچھ چہل قدمی بھی کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

دنیاداروں کی باتوں سے جتنا پرہیز کیا جائے بہتر ہے کیونکہ یہ خصوصی عبادت وریاضت کا دورِ زندگی آپ کی حیات دنیا کا چل رہا ہے۔آپ کے معمولات اعتکافِ رمضان کی مانند ہونا چاہئیں یا اس کے قریب تر۔شہوت جنسی سے مکمل پرہیز ہوگا۔ خوراک اور باقی معاملات پیچھے طویل بحث میں نبٹا دیے گئے ہیں کہ کم سے کم ہونگے۔صفاتِ ایمان وتقویٰ نہایت فروزاں اور بڑھی ہوئی، سبقت لے جانے والی ہونگی۔ایک طرح سے آپ کی زندگی کا مجموعی اعتکافی دور شروع ہے۔لیکن آپ مسجد میں قید، یا محبوس ومحدود نہیں ہیں۔گوشہ نشینی اگر ہوگی تو دنیا سے دور کوئی گوشہ تنہائی وخاموشی ہوگا۔جہاں حاجات زندگی بھی چاہیے محدود ہی سہی لیکن پوری ہوسکیں۔آپ تنہا خوب عبادت بھی کریں اور جب باہر جائیں چہل قدمی کے لیے تو تب بھی تنہائی ملے۔اس لیے لوگ جنگل و پہاڑوں میں ڈیرے ڈالتے ہیں۔آپ آبادی سے قدرے دور مصنوعی طور پر بھی ایسا ماحول بنا سکتے ہیں، sound proof قسم کا۔

نصف النہار کا وقت جب داخل ہو جائے تو اگلے معمول کے لیے تیاری شروع کر دیجئے فرض کریں نصف النہار دن 12:10 پر ہو تو 20 منٹ تیاری پر لگا دیے وضو وغیرہ تازہ بنالیا۔

جاری بحث میں ازراہ تذکرہ وضو کی حقیقت، طریقہ اور وقت پر بحث اور کچھ وضعی احادیث پر بحث جو نبی پاک ﷺ کی احادیث ہرگز نہیں ہیں:

وضو اصل میں نماز یا ذکر یا کسی بھی قسم کی عبادت یا محض پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔وضو کی اہمیت کو محض اجاگر کرنے کی نیت سے (جو کہ ایک اچھی نیت ہے لیکن طریقہ غلط) ماضی کے کسی دور میں عجیب وغریب احادیث گھڑی گئی ہیں۔میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ تاریخ اسلام اس طرح کے شدید نشیب وفراز، زبردست دھچکوں اور المیوں سے گزری ہے کہ اس کی تعلیمات میں ماسوائے ''قرآن محفوظ'' کے کوئی شے بھی رد وکد سے ترمیم واضافے سے تحریف متن و معانی سے بلکہ بے بہا اضافے سے محفوظ نہیں رہی اور ان تبدیلیوں کا مقصد اقتدار کو مضبوط کرنا اور دوام بخشنا تھا وقت کے درباری مذہبی پیشواؤں کو ساتھ ملا کے (اور جو ساتھ نہ ملتا تھا چاہے وہ کتنا بڑا امام وفقیہ کیوں نہ ہو اس کو قتل کروا دیا جاتا، اس کی چمڑی ادھیڑی جاتی یا اسے جیل میں گلایا جاتا) اپنی مرضی کے فقہی فیصلے لینا تھا اور کہیں طرح طرح کے حکومتی ہتھکنڈوں سے اور باطل پراپگینڈے سے نئی نئی باتیں نئے نئے احکامات نبی پاک ﷺ کے حوالے سے بطور احادیث کے پیش کرنا ان کی تصدیق علماء کے اجماع سے کروانا اور انھیں عوام الناس میں عام کرنا اور نافذ کرنا تھا۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہ شیعہ اور سنی حضرات کے مجموعۂ احادیث میں آج بھی زمین آسمان کا فرق ہے پھر ہر دو طرف کے مزید ذیلی فرقوں میں احادیث ہی کے ضعیف وقوی ہونے سے اعتقادات میں تبدیلی آتی ہے ابھی یہ حال تو اس کی لاکھوں وضعی احادیث کو چھانٹ دینے کے بعد ہے اگر آئمہ احادیث اتنا کام بھی نہ کرتے تو شاید اسلام کا رنگ ہی بالکل ان حدیث گھڑنے والی فیکٹریوں نے بدلا دیا ہوتا۔

Marfat.com

لیکن اس کانٹ چھانٹ کو کرنے والے حضرات کی نیک نیتی اور محنت و کاوش جو کہ بڑی قابل قدر ہے کے باوجود وہ لوگ آئمہ احادیث حضرات نہ تو نبی تھے نہ ہی نبی پاک ﷺ کے دور میں موجود تھے بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ کام کئی دہائیوں بعد بلکہ 90 سال سے 250 سال بعد کے زمانہ میں کیا گیا۔ فرض کریں اگر عہد نبوی ﷺ میں بھی کیا گیا ہوتا تو مذکور بالا طریق سے اتنی تحریف اور ردوبدل کے بعد کیا اصل رہ جاتا ہے؟ (یاد رہے کہ حضرت محمد ﷺ نے سوائے قرآن کے اور کچھ بھی لکھنے سے یعنی احادیث لکھنے سے صحابہ کو منع فرما دیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے اپنے رب کے حکم سے کہ آگے چل کر ان کے اندر بے پناہ تبدیلی کر دی جائے گی۔ دین کی شکل بدلنے کی کوشش ہوگی اور یہ بات بے شمار فرقہ بندیوں کی وجہ بن جائے گی)۔ تو ہم کہہ رہے تھے کہ باوجود خلوص نیت سے احادیث کے سابقہ مجموعات سے لاکھوں وضعی احادیث کو چھانٹنے کے جس کا ذکر امام مسلمؒ و امام بخاریؒ نے اپنے مجموعات احادیث کے آغاز میں خود کیا ہے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ باقی چند ہزار احادیث سب کی سب درست ہیں؟ اس کے جواب میں علم حدیث کی سند پیش کی جاتی ہے کہ فلاں فلاں معیاراتِ حدیث کو ہر طرح کی تحریفات سے پاک کرنے کے لیے قائم کیے گئے تھے جن کی روح سے یہ سب احادیث بالکل سو فیصد درست ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے گہرے مطالعہ کے بعد اگر ان احادیث پر غور کریں تو ان میں سینکڑوں احادیث اب بھی معیار قرآن پر پوری نہیں اترتیں۔

اس وضاحت کے بعد پھر وضو کی جانب آیئے اور اس بات کو بھول جایئے کہ فلاں طریق سے وضو کرنے پر آپ کے 80 سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے فلاں کلمات وضو کرتے ہوئے پڑھنے سے اتنے سال کی عبادت کا فائدہ ہوگا یا گناہ جھڑ جائیں گے۔ یہ گناہ معاف کروانے والے ٹھیکیداروں نے وضعی احادیث کے ذریعے اسلامی تعلیمات کا حلیہ ہی بگاڑ کے رکھ دیا ہے بلکہ یہاں تک کہ اس قسم کی وضعی احادیث اگر کہیں قرآن کی تعلیمات سے ٹکراتی ہیں تو کہا یہ جاتا ہے کہ چونکہ یہ بات نبی پاک ﷺ نے فرمائی ہے (حالانکہ وہ نبی پاک ﷺ کی اصل حدیث تو ہوتی ہی نہیں) اس لیے قرآن کی وہ آیت یا قرآن کا وہ حصہ منسوخ سمجھیں۔ اندازہ لگائیں جس قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پاک نے لی ہے اسلام دشمنوں نے چاہے دانستہ یا نادانستہ احکام قرآن کو اس کا اصل متن قرآن سے حذف کیے بغیر منسوخ کر دیا۔ بے اثر کر دیا، اور اس قسم کی کوششوں سے جو اصل میں اسلام کے اصلی دشمنوں نے تاریخ کے کئی ادوار میں کی ہیں اور ہمارے علماء کو دانستہ یا زیادہ تر نادانستگی میں استعمال کیا ہے اسلام کو نقصان پہنچانے کی نہ صرف کوشش کی ہے بلکہ نقصان پہنچا دیا ہے ہم سب مسلمان پارہ پارہ ہو کر ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہمیں مارنے کی ضرورت ہی نہیں ہم خود ہی صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے دریا بہا رہے ہیں۔ تاریخ مسلم میں آج تک کروڑوں لاکھوں لوگ اپنے ہی بھائیوں کی تلواروں، بندوقوں اور توپوں سے مرے ہیں زیادہ دور مت جایئے عراق و ایران جنگ کے دس سال دیکھ لیجیے جس میں دونوں جانب کے لاکھوں لوگ مرے اربوں کھربوں کا نقصان ہوا دونوں ملکوں کی معیشت بیٹھ گئی اور دشمنی تازہ ہوگئی۔ نتیجہ کیا نکلا کسی تیسرے نے عراق پر آ کے قبضہ

Marfat.com

کرلیا "صدام حسین" کو عبرت کا نشان بنانے کے لیے پھانسی دے دی باقی عراقیوں کی تواضع بارود کی بارش سے کی اور دوسری جانب ایران پر اقتصادی پابندیوں کی زنجیریں تان کر اسے پابند سلاسل کر دیا۔ افغانستان کو دیکھ لیں جب امریکہ بہادر روس جیسی اپنی ٹکر کی طاقت کو پاکستان کی علاقائی اسٹریٹیجک پوزیشن و معیشت تباہ کر کے اور افغان جنگجوؤں نیز عرب و دیگر مسلم ممالک کے جہادی عناصر کو اس بھٹی میں بے دریغ اپنے مقاصد کی خاطر جھونک کر کامیاب ہوگیا۔ روس ٹوٹ گیا امریکہ نے خود اپنے وجود کو چیلنج کرنے والے ملک کی کمر توڑ دی تو کیا ہوا۔ افغانستان میں مسلمان گروپ آپس میں محض شیعہ و سنی یا دیگر مذہبی فرقوں میں بٹے ہونے کی بنا پر عرصہ دراز تک لڑتے رہے۔ تو یہ سب کیا ہے؟ ہم کیوں خود ایک دوسرے کو مارتے ہیں ہم خود ہی اپنے لیے ناسور کیوں بن گئے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ سب کے سب مسلمان ایک خدا، ایک رسول ﷺ، فرشتوں، نبیوںؑ، روز آخرت اور پھر ایک ہی قرآن کو لفظ بہ لفظ مانتے ہیں پھر بھلا خرابی کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ انہی وضعی احادیث کی بنا پر خرابی در آتی ہے جنھیں ہم سب فرقے اپنے اپنے فرقے کے مطابق اصل سمجھتے ہیں اور ہمارے معیار ضعیف و قوی میں ایک تو فرقہ وار فرق ہے پھر ایک اور خاص بات کہ ہم ان وضعی احادیث کو صرف اور صرف قرآن کی کسوٹی پر نہیں پرکھتے بلکہ ہم انھیں آئمہ احادیث کی محنت سمجھ کر گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ یاد رکھیئے صرف اور صرف قرآن پاک معیار ہے اس پر پرکھئے اگر ٹھیک پائیں تو فوراً گلے سے لگالیں ورنہ فوراً سمجھ لیں کہ یہ ہمارے عظیم ترین آقا محمد ﷺ کا بیان نہیں ہے حدیث نہیں ہے یہ تو دشمن کی سازش ہے اور اسے رد کر دیں کیونکہ قرآن پاک تھیوری ہے اور نبی پاک ﷺ کی زندگی بالخصوص جبکہ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بالعموم اسی قرآن کی تھیوری کا پریکٹیکل ہیں۔ طلباء اعلیٰ کلاسز میں پہلے تھیوری پڑھتے ہیں پھر عین ان کتب میں طے شدہ سائنسی یا دیگر حقائق کو جنہیں کہ ہر طرح سے پرکھ کے بعد سند کا درجہ حاصل کرنے پر ہی کتابی شکل میں نئے علم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اپنی سائنسی لیبارٹریز میں پریکٹیکل کے عمل سے گزارتے ہیں۔ اب طلباء یا اساتذہ پریکٹیکل کی باتوں کو رُود اد کو کہاوتوں کو دوبارہ لکھنے نہیں بیٹھ جاتے۔ اسی طرح سے قرآن کو اللہ پاک نے قلب محمد ﷺ پر نازل فرمایا لاکھ پہروں میں یہ زبان محمد ﷺ سے ہی نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ جنہیں قرآن کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لکھ لو یہ قرآن ہے یہ 23 سالوں تک مسلسل نازل ہوتا رہا۔ جبرائیلؑ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اللہ پاک و محمد ﷺ کے درمیان جس فرشتے کو جبرائیل کا نام دیا گیا ہے پیغام رسانی کے لیے یہ کس طرح سے رابطہ قائم کرتا ہے گو کہ یار لوگوں نے اس پر بھی بڑا کچھ مصنوعی احادیث سے گھڑ لیا ہے جبکہ یہ تو خالص راز کی بات ہے سوائے محمد ﷺ کے کسی کو بتلانے والی بات نہیں ہے۔ اس لیے یوں سمجھیں کہ جبرائیل کہیں خارج سے نہیں بلکہ محمد پاک ﷺ کی روح کی دنیا کے آسمانوں یا بلندیوں سے نزول فرماتے تھے وہ اتنے لطیف ہیں کہ ان کے جسم کو آپ نہیں سمجھ سکتے وہ قلب محمد ﷺ میں سماتے اور وہاں سے وحی آپ کے دل سے نکل کر زبان پر آتی وہ آپ بیان فرماتے اور لکھواتے اور یہ عمل سب آپ ﷺ کی زندگی مبارک میں آپ کی بعثت کے بعد جاری رہا۔ اب قرآن و حدیث

Marfat.com

کو دو الگ چیزیں سمجھنا ہی غلطی ہے۔ قرآن گو کہ اللہ کا حکم ہے اور کلام ہے لیکن سچ یہ ہے جو آپ کم جانتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کا کلام بھی ہے رب آپ کے اندر سے براہ راست بولتا تھا۔ جبرائیل ایک اعلیٰ درجے کا پردہ ہے یا ذریعہ ہے source ہے جیسے آپ سورج کی طرف نہیں دیکھ سکتے تو محض شیشوں کی مدد سے دیکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ پس یہی جبرائیل ہیں۔ جبرائیلؑ مخلوق ہیں نہایت بلند پایہ عزت والے بڑے مقرب اعلیٰ ترین فرشتے ہیں۔ لیکن اس قرب کی حقیقت کو شاید آپ میری دی گئی مثال سے سمجھ گئے ہوں۔ سو اس طرح سے سمجھ جایئے کہ قرآن رب تعالیٰ کا کلام پاک تو ہے ہی مگر محمد ﷺ کا کلام اقدس بھی ہے۔ یہ باتیں چونکہ عوام الناس کے لیے نہیں ہیں اس لیے وہ بڑا مشکل ہے سمجھ پائیں۔ لیکن اتنا جان لیں کہ قرآن ہی کلام الٰہی ہے قرآن ہی کلام محمد ﷺ ہے قرآن ہی اصل و خالص حدیث ہے جو باتیں اللہ کے حکم سے آپ لوگوں کو تعلیم کرنا اور on the record رکھنا چاہتے تھے وہ روح کے ساتویں آسمان سے جبرائیل امین کے ذریعے قلب محمد ﷺ پر منعکس ہوتی تھیں اور ان کا ساتھ ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور جن باتوں کا اصل تعلیم سے تعلق نہیں ہوتا تھا روزمرہ امور ہوتے تھے ان کا ریکارڈ نہ رکھا جاتا تھا۔ ان کے لکھنے سے نبی پاک ﷺ نے منع فرما دیا تھا۔ یاد رکھیں قرآن ہی کلام الٰہی بھی ہے قرآن ہی حدیث محمد ﷺ بھی ہے۔ قرآن اور محمد ﷺ دو نہیں ہیں قرآن اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ ایک ہی شے ہیں۔ قرآن پاک جوہر محمد ﷺ ہے اور محمد ﷺ گو کہ خدا نہیں ہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔ انھیں کمال درجے کا انتہائی قرب حاصل ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ہم نے جب آدم کو کھنکتی ہوئی مٹی سے بنالیا تو پھر اس میں ''اپنی روح پھونکی'' یا اپنی طرف کی روح پھونکی تو ہو گیا وہ دیکھتا سنتا (یعنی زندہ ہو گیا)۔ تو یہ جو آدم کے اندر اللہ کا جوہر روح تھا یہ دھیرے دھیرے بال و پر نکالتا گیا۔ اسی نے نبیوںؑ اونچی شانوں والے نبیوںؑ کے قلوب سے خوب اس جوہر کی شناخت کرائی پھر محمد پاک ﷺ پر آ کر یہ جوہر پچھلی منزلوں سے ترقی کرتا ہوا اعلیٰ ترین منزل پر پہنچا اور قرآن کی شکل میں اس سے بڑی اعلیٰ حکمت سے لبریز جوہر کشی ہوئی۔ یہ بڑی زیادہ راز کی باتیں ہیں۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ قرآن پاک ہی سب کچھ ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سینہ بہ سینہ ہے وہ زبانوں سے نہیں بلکہ قلوب سے قلوب کو بمطابق فضل الٰہی و استطاعت و ایمان شخصی منتقل ہوتا ہے اس کا بھی منبع و محور حقیقت کے اعتبار سے اللہ پاک خود ہی ہیں لیکن آگے فرشتوں سے قلوب خصوصی اور پھر دیگر میں تقسیم ہوتا ہے۔ نبیوںؑ سے ان کی امتوں میں منتقل ہوتا ہے اگر اپنے نبیؑ کے علاوہ کسی دیگر نبیؑ سے بھی خصوصی محبت و جھکاؤ ہے تو اُدھر سے بھی اسی نسبت سے کرنٹ پہنچ سکتا ہے۔ ہمارا منبع حضرت محمد ﷺ ہیں قلب محمد ﷺ ہے۔ تو جو روزمرہ کی بات چیت لکھنے سے آپ ﷺ نے غیر ضروری سمجھ کر منع فرمایا تھا اور حکمت الٰہی کے تحت یہ نقصان دہ تھا اسی کو نبی پاک ﷺ کے دور کے بہت بعد میں چند نسلوں بعد تحریر کیا گیا جو نہ تو اصل شکل میں ہم تک پہنچا اور نہ ہی نفع کا باعث بنا۔ بعد میں تو حضرت عائشہؓ سے معلوم نہیں کہاں سے سینکڑوں احادیث روایت کر لی گئیں تاہم ایک موقع پر کسی کے سوال کرنے پر کہ نبی پاک ﷺ کی زندگی کے بارے میں کچھ بتلائیں آپؓ نے بڑا

Marfat.com

جامع جواب دیا تھا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ جواب ملا ضرور پڑھا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر جان لو کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ قرآن ہی کا عملی نمونہ تھی۔ چونکہ آج کے دور میں یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ایسے مجموعات کلام موجود ہیں جنہیں نبی پاک ﷺ سے منسوب کیا جاتا ہے تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس میں نبی پاک ﷺ کے کچھ اصلی و حقیقی ارشادات بھی پائے جاتے ہوں جو کہ ہماری آنکھوں کے نُور اور دل کے سرور کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے آخری بات یہ کہ ہر ہر حدیث شریف کہلانے والی بات کو قرآن مجید کے گہرے مطالعہ کے بعد قرآن کی تعلیمات کی کسوٹی پر مکمل ایماندارانہ غیر جانبداری سے پرکھئے اگر اس کے مطابق پائیں تو اٹھا کر آنکھوں سے لگا لیجئے اور دل میں بسا کر ایمان کا حصہ بنا لیجئے اور اگر ان میں سے کوئی حدیث کہلانے والی بات اس کسوٹی پر کھری نہ اترے قرآن کی تعلیمات سے متصادم ہو تو اسے مکمل طور پر کسی اپنے یا غیر کی دانستہ یا نادانستہ سازش سمجھ کر رد کر دیجئے۔

مجموعات احادیث مروجہ کو مکمل طور پر قرآن پاک کی روشنی میں از سر نو مرتّب کرنے کے لیے قرآن پاک کے ثقہ وجیّد علماء کا ایک بورڈ حکومت کی طرف سے قائم کیا جائے:

جو ان پر نظر ثانی کرے اور اوپر بیان کیے گئے کلیہ کے تحت ان تمام مجموعاتِ احادیث کو پرکھے جو حق ثابت ہوں ان کا ایک نیا مجموعہ تیار کر کے اسے حق ہونے کی سند کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے جو باطل ہوں انھیں فوراً تلف کر دیا جائے۔ اگر علماء اس تجویز پر متفق نہ ہو سکیں جس کا کہ امکان موجود ہے تو پھر وقت حاضر کا کوئی ایسا اللہ کا ولی اٹھے جو یہ بیڑا اٹھائے اور کم از کم ایک ایسا مجموعہ احادیث تیار کر دے جو اصول متذکرہ بالا پر پورا اترتا ہو۔ تا کہ اگر کوئی عین حق احادیث نبوی ﷺ سے استفادہ کرنا چاہے تو اسے دشواری نہ ہو۔ کام بڑا مشکل، ذمہ دارانہ اور محنت طلب ہے اگر اللہ پاک توفیق دیں تو علماء اس کی طرف متوجہ ہو کر یہ خدمت ضرور سرانجام دے سکتے ہیں۔

بات چلی تھی وضو سے اور کہاں پہنچ گئی تو گزارش ہے کہ وضو کے لیے قرآن پاک میں صاف احکام موجود ہیں کہ اپنے ہاتھ دھو لو کہنیوں تک، اپنا منہ دھو لو، سر کا مسح کر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔ احادیثِ صحیح ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا اور کلی کرنا اچھی طرح سے (ان سب اراکین وضو کو تین تین مرتبہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اچھی طرح سے صفائی ہو جائے) یہ حدیث شریف قرآن کے مطابق اس لیے ہے کہ منہ کے دھونے میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا شامل ہے جو الگ کوئی بات نہیں ہے لیکن لوگ اس کا خیال رکھیں اس لیے نبی پاک ﷺ نے تاکید فرمائی تھی۔ پھر یہ تین تین مرتبہ کی شرط کی روح اچھی طرح صفائی ہے چاہے جتنی مرتبہ دھونے سے ہو جائے۔ زمانہ ماضی میں کوزوں سے وضو کیا جاتا تھا تو چلّو میں ڈال کر بازو دھوئے جاتے تھے آج کل نلکے لگے ہیں ضرورت کے مطابق نلکا کھولیں اور اس کے نیچے ہاتھ اور بازو اچھی طرح دھو لیں۔ اگر کوئی عضو زیادہ گندہ ہو تو صابن سے دھو لیں زیادہ میل کچیل ہو تو ضرور نہا لیں تا کہ ایک تو خود گندگی سے محفوظ ہو جائیں

Marfat.com

دوسرے اللہ کو بہتر طہارت پسند ہے تیسرے ساتھ کے نمازیوں یا اہل محفل آپ کی گندگی و بدبو جسم سے محفوظ رہیں۔ مقصد ہے طہارت جیسے بھی ہو کر لیں۔

اسلام میں فرقہ بازی جائز نہیں۔ اختلاف رائے صرف دنیوی معاملات میں۔ دین سب کا سب قرآن ہی میں ہے:

اس طرح سے 12:10 پر نصف النہار ہے تو 12:30 بجے نماز کا وقت ہو جاتا ہے آج کل سعودی عربیہ میں اس وقت نماز ظہر پڑھ لیتے ہیں جبکہ پاکستان میں 12:30 سے 2:30 دن بجے تک مختلف مسالک نمازیں ادا کرتے اور اس اختلاف کو جس میں ایک فرقہ دوسرے کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتا باعث برکت سمجھتے ہیں۔ انھیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ مشورہ و اختلاف رائے دنیوی معاملات کے متعلق ہوتا ہے پھر کسی ایک بات پر اجماع ہو جاتا ہے یا امیر جماعت مشوروں کے بعد جو بہتر سمجھے خود فیصلہ کرتا ہے جو درست طریق ہے جبکہ دین کے معاملات میں مشورہ نہیں ہوتا۔ دین الف سے ی تک سب قرآن ہی میں تھا اس لیے نبی پاک ﷺ نے نہ تو قرآن پاک کے احکام کے متعلق کبھی کسی سے کوئی مشورہ کیا نہ ہی مشورہ دینے والوں کا مشورہ بڑی سے بڑی مصلحت یا منفعت کے عوض قبول کیا۔

دنیا میں صرف دو فرقے ہیں حق اور باطل۔ حق کتاب اللہ میں ہوتا ہے اور اس کے خلاف ہر ہر شے باطل ہوتی ہے:

دین میں اختلاف ہی کفر ہے، دین ہوتا ہے اللہ کی کتاب میں۔ اسے حرف بحرف مانا جاتا اور عمل کیا جاتا ہے۔ دو باتیں ہوتی ہیں تیسری بات کوئی نہیں ہوتی۔ ان دو باتوں میں ایک ہوتا ہے حق وہ کتاب اللہ میں ہوتا ہے اور دوسرا باطل کتاب اللہ کے خلاف ہر شے باطل ہوتی ہے۔ یہی ہے حق جانچنے کا اور ماپنے کا پیمانہ اس کے علاوہ ہر طرح کے اختلاف کتاب اللہ کو مکمل حکم ماننے سے انکاری ہونے پر پیدا ہوتے ہیں۔ یہی شے ہر اُمت کو تباہ کر چکی ہے اور یہی شے ہمیں تباہ کر رہی ہے بلکہ ہمیں بھی تباہ کر ہی چکی ہے۔ سو اس طرح سے طہارت حاصل کر کے وضو کر کے اول وقت میں اہل حدیث کے ساتھ با جماعت یا تنہا ہیں تو انفرادی نماز ادا کریں جیسے دل کو اطمینان ہوا تنے نوافل فرض کے علاوہ ادا کر لیں۔ اپنے نفس کی آمادگی کے ساتھ ورنہ زبردستی کے نوافل نہیں ہوتے۔ جو نبی پاک ﷺ نوافل ادا کرتے تھے انھیں ہم سنتیں کہتے ہیں حقیقت میں یہ سب ہیں تو نوافل ہی۔ ہمیں حقیقت میں کیا معلوم کہ نبی پاک ﷺ کی فرض عبادات کے علاوہ کتنی اور کس قسم کی نفلی عبادات ہوتی تھیں لیکن جتنی سنتوں کا ذکر ملتا ہے ان کو پڑھ لینا آپ کے لیے تو ضرور بہتر ہے کہ آپ نے تو نفلی عبادت میں زیادتی کرنا ہے گو کہ اصل عبادت فرض ہی ہے جس کے نہ کرنے پر مواخذہ ہے مگر عام لوگوں کے پاس، اگر وقت و حالات موجود ہوں تو وہ بھی سنت و نوافل ادا کر سکتے ہیں لیکن انھیں لازم نماز کا حصہ نہ بنالیں جیسے آج کل 12 یا 17 رکعت بنی ہوئی ہیں۔ طبیعت راغب نہ ہو تو 4 فرض کافی ہیں اگر راغب ہو تو 2 یا 4 یا 8 جتنے چاہے نوافل پڑھیے خود بخود ہی پہلے نوافل سنت بن جائیں گے۔

آپ نے اب نماز ظہر عین ان طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے جو میں نے نماز فجر، اشراق و چاشت میں

Marfat.com

بیان کیے تھے پڑھ لی ہے۔ اب اس سے آگے چلیے کہ یہاں آپ نے کیا کرنا ہے۔ اگر تو آپ نے چاشت کے بعد کا وقت وعظ و تبلیغ اسلام میں گزارا ہے یا کسی طرح بھی حق کے لیے حق تعالیٰ کے رستے میں کام کیا ہے۔ چاہے مخلوق خدا کی کسی طرح کی بھی خدمت بے غرض ہو کر خالص اللہ پاک کی خوشنودی کے لیے کی ہے یا اگر کچھ فکر معاش آپ کے ساتھ ابھی تک لگی ہے اور اس کے لیے کوئی دھندہ اختیار کیا ہے۔ ان سب حالتوں میں آپ مصروف کار رہے ہیں اب آپ کے آرام کا وقت ہو گیا ہے۔

اب آپ عصر کا وقت داخل ہونے تک یعنی کہ اگر 12:15 سے 3:45 تیسرا مکمل پہر آرام کر سکتے ہیں نیند لے سکتے ہیں اب آپکا کام نماز عصر کے بعد شروع ہوگا۔ اگر آپ نے دنیا سے مکمل کنارہ کر رکھا ہے اور نیند کو بھی انتہائی حد تک کم کر چکے ہیں تو پھر ہلکا سا آرام کر کے اٹھ جائیں۔ کیونکہ ظہر کے وقت تھوڑے آرام کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ ہلکا سا قیلولہ کریں۔ چاہے تو 15 سے 20 منٹ کے لیے یا 30 منٹ کے لیے پھر اٹھ جائیں۔ یہ آپ کی منزل پر منحصر ہے کہ آپ کہاں کھڑے ہیں عبادت کے کون سے درجے پر۔ فرض کریں آپ نے 12:30 بجے سے 1:30 بجے کے درمیان نماز ظہر اطمینان کے ساتھ ایک گھنٹے کے لگ بھگ دورانیے میں ادا کر لی ہے اور آرام 1:30 سے 2:00 بجے یا پھر 2:30 بجے تک کر چکے ہیں تو پھر اُٹھ جایئے۔ تازہ وضو فرمایئے۔ گرمیوں کے موسم میں چونکہ پسینہ وغیرہ زیادہ آتا ہے اس لیے پانی میسر ہو تو غسل کر لیں۔ ویسے بھی گرمیوں کے موسم میں اگر پانی کی قلت نہ ہو تو کم از کم ایک مرتبہ نماز فجر سے قبل اور زیادہ ممکن ہو تو دن میں تین مرتبہ غسل ضرور کریں دوسرا غسل کا یہی وقت ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں جبکہ تیسرا وقت نماز عشاء کے فوراً بعد سونے سے پہلے کا وقت ہے جس کے بعد پاک صاف بستر پر سو جائیں۔ جب نصف شب یا 3/4 شب کے بعد اٹھیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو بہتر ہے موسم گرما میں چوتھی مرتبہ بھی قلتِ آب نہ ہونے اور نہانے کی سہولت موجود ہونے پر غسل کر لیں۔ نیز تمام عبادات کے لیے بہتر ہے کہ سفید رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لباس یا پھر کسی بھی ہلکے رنگ کا لباس یا سبز فقیری لباس زیب تن کریں جو صرف اور صرف باوضو حالت میں پہنیں۔ تھوڑا میلا ہونے پر پھر دھولیں یا دھلوالیں۔ بہتر ہے اس طرح کے کم از کم دو لباس بنوالیں ایک دھوئیں تو دوسرا پہن لیں۔ یاد رہے کہ بغیر وضو یا دنیاداری کے کاموں میں یا جہاں جہاں بھی وضو کی ضرورت نہ ہو وہاں عام دوسرے کپڑے پہنیں یہ الگ بات کہ وہ بھی صاف ستھرے ہونے بہتر ہیں۔

ایک اور بات نوٹ کر لیں کہ یہ جو علماء و فضلاء ہمیں ہر وقت وضو میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور حتیٰ کہ سونے سے پہلے بھی وضو کرنے کا کہتے ہیں۔ یہ ایسا کہہ تو دیتے ہیں لیکن ان میں سے بہت تھوڑے لوگ باقی ہدایات کے متعلق جانتے ہیں۔ اگر جانتے ہیں تو عمل نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کے لیے اپنی شہوت دہن، شہوتِ جنسی، شہوت سماعت و بصر و لمس نیز ہوس کو مارنا پڑتا ہے۔ آپ نے مولوی حضرات کے پیٹ سوجے ہوئے بڑے بڑے پیٹ ضرور دیکھے ہونگے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ کھانے پینے کا پرہیز نہیں کرتے خوب کھاپی کے اور وہ بھی اگر میسر ہو تو حلوہ گوشت، مرغ پلاؤ، زردہ وغیرہ انھیں مرغوب ہے

Marfat.com

ایسے میں یہ لوگ چونکہ عبادت بھی چاہتے ہیں سو پیٹ میں ہوا پیدا ہوتی ہے یہ لوگ اسے زبردستی روکے رکھتے ہیں کہ وضو قضا نہ ہو اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں یا زیادہ دیر تک وضو رکھ ہی نہیں سکتے۔ اسی وجہ سے نہ صرف ان کے پیٹ بڑے ہو جاتے ہیں بلکہ امراض قلب اور دیگر بیماریوں کا جلد شکار بن سکتے ہیں۔ میں یہاں بیان یہ کرنا چاہتا ہوں کہ قدرت نے ہمارے جسم کو جس طرح تخلیق فرمایا ہے اور ہمارا نظام انہضام جس طرح بنایا ہے اس میں ہم جو خوراک کھاتے ہیں اس کے صحت بخش اجزاء تو ہمارے خون میں شامل ہو کر ہمیں قوت و حرارت بخشتے ہیں جبکہ فاسد مادے پاخانے، پیشاب، گیس و پسینہ وغیرہ کے ذریعے مختلف راستوں سے ہمارے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ جس طرح سے صحت بخش اجزاء صحت کے لیے ضروری ہیں اسی طرح فاسد مادوں کا اخراج بھی صحت کے لیے اتنا ہی ضروری ہے اس لیے ان میں سے کسی قسم کے اخراج کو دانستہ روکنا نقصان دہ ہے اور جہالت ہے۔ چونکہ سوائے پسینے کے باقی ہر طرح کے اخراج سے بشمول گیس کے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لیے حالت وضو میں ان اخراجات کو روکنا پڑتا ہے۔ نماز سے قبل حکم ہے کہ اطمینان کر لیں اگر کسی طرح کی رفع حاجت درکار ہے تو پہلے وہ ضرور کر لیں۔ حتیٰ کہ اگر پیٹ میں گیس جسے ریح بھی کہتے ہیں محسوس ہو تو کچھ تھوڑا چل پھر کے اسے خارج ہونے کا موقع دیں۔ تب اطمینان ہونے پر وضو کر کے نماز پر کھڑے ہوں تا کہ مکمل سکون کی حالت میں خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ سکیں۔ اب کہنے کی بات یہ ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات پر تحریر کیا گیا ہے نہایت اعتدال سے کھائیں، پیئیں۔ بندہ حفظان صحت کے اصولوں کا خیال کرے مناسب سیر یا ضرورت کے مطابق کچھ ورزش وغیرہ کر لیا کرے تو عام طور پر معدہ ٹھیک کام کرتا اور گیس کم بنتی ہے۔ دوسری بات اگر آپ نے عبادات و ریاضت کو بڑھانا ہے تو اسی نسبت سے خوراک نہایت سادہ (گوشت و روغنیات اور مرغن غذا سے پرہیز یا نہایت کم استعمال) کھائے اور اسے دن بدن کم کرتا جائے۔ آپ ایسا کر کے دیکھیں گے کہ آپ کے پیٹ میں ہوا کم سے کم بنے گی نیز اگر غذا صرف صبح و شام دو وقت کم مقدار میں کھائی جائے تو مسائل اور کم ہو جائیں گے۔ اس لیے روزہ بھی رکھا جاتا ہے کہ یہ عبادت میں حاجات جسمانی کو انتہائی کم کر دیتا ہے۔ بلکہ اگر دو وقت میں نہایت مختصر خوراک اور سادہ خوراک لی جائے تو روزہ کی حالت میں سمجھیں جسم آپ کے ساتھ ہے ہی نہیں۔ سانسیں تو خود کار نظام کے تحت چلتی ہیں سو آپ کی پوری توجہ عبادت کی جانب رہے گی۔ اگر روزہ نہیں بھی ہے اور کھانا صبح و شام قلیل مقدار اور سادہ غذائی صورت میں کھاتے ہیں نیز باقی ہر قسم کی چیزوں سے ماسوائے پانی کے پرہیز کرتے ہیں تو بھی وضو بنائے رکھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ اس طرح سے آپ زیادہ سے زیادہ دیر تک باوضو رہ سکتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی پریشانی یا بیماری کے پھر آپ کو مصنوعی طور پر وضو قائم رکھنے کے لیے کوئی خاص کوشش نہیں کرنا پڑتی تاہم پھر بھی عبادات میں وقفہ ضرور دیں اور اس دوران چلیں پھریں اور کبھی لیٹ جائیں آرام کریں کروٹیں لیں تا کہ پیٹ میں اگر کوئی گیس موجود ہو تو خارج ہو جائے یا اگر کوئی دیگر حاجت ہے تو اپنے آپ کو ظاہر کرے۔ مجموعی طور پر زیادہ تر باوضو رہنے سے مراد صاف ستھرا رہنا اور طہارت اختیار کیے رہنا ہے۔ ان تمام

Marfat.com

احتیاطوں اور کم سے کم خورد و نوش کے باوجود بھی کبھی کبھار حالت نماز یا تلاوت قرآن یا وظائف و اوراد کرتے ہوئے آپ کو گیس کے اخراج کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ چونکہ ان حالتوں میں گیس کے اخراج کی ممانعت ہے اس لیے آپ اس خفیف سی حاجت کو نظر انداز کر کے نماز یا عبادت جاری رکھیں گے لیکن جونہی پیشاب، پاخانہ یا پیٹ میں گیس اخراج کے لیے تھوڑی شدت اختیار کر لے اپنی نماز یا عبادت میں تعطل اختیار کریں اس جگہ سے باہر چلے جائیں اور اخراج فاسدیات سے اطمینان سے فراغت پا کر دوبارہ وضو کریں اور پھر عبادت و نماز کا قصد کر لیں۔ اب ہمارے علماء و مولوی حضرات گو کہ مسائل بیان کرتے ہیں لیکن ان پر ہر زاویہ سے مکمل روشنی نہیں ڈالتے اور بات ادھوری رہ جاتی ہے پھر خود بھی ان میں سے چند لوگ ہی اتنی شرح صدر سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ذیلی نکات کی تفصیل میں مجھے آپ کی مکمل سہولت و تعلیم کے لیے جانا پڑتا ہے۔

ہم بات کر رہے تھے نماز ظہر کے بعد ہلکا آرام کرنے کے بعد عبادت اختیار کرنے کی کہ اس کے لیے وضو کر لیں یا گرمیوں میں نہا لیں۔ دو رکعت نوافل پڑھ کے پھر قبلہ رُو مصلّے پر ہی بیٹھ جائیں اگر مصلّے پر زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے کمر میں تکلیف ہے یا کوئی دیگر مجبوری ہے تو صاف ستھری ٹیک والی کرسی پر بھی بیٹھ سکتے ہیں باادب ہو کے۔ اب 3:45 تک جو ہم نے تیسرا پہر جون کا وسط تصور کر کے فرضی طور پر بتایا تھا اس وقت نماز عصر کا وقت چونکہ داخل ہو جاتا ہے اس لیے اس ٹائم تک صرف اور صرف درودِ ابراہیمی (نماز والا درود) بڑی عقیدت و احترام سے توجہ کے ساتھ پڑھیں اور تصور کرنے کی مسلسل کوشش کریں کہ آپ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہیں اور آپ درود شریف کی شکل میں وہ دعا مسلسل پڑھ رہے ہیں جو حضرت محمد ﷺ اور انکے سچے و سچے اُمتیوں کے لیے نیز ابراہیمؑ اور ان کے سچے سچے اُمتیوں کے لیے ہر نماز میں پڑھنے کا حکم دیا تھا نبی پاک ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں۔ اس ورد و وظیفہ کو رواں پہر کے ختم ہونے کے 15 منٹ قبل تک پڑھیں یا اتنا پہلے تک جاری رکھیں کہ آپ کو دعا کے لیے وقت مل جائے پھر بڑا ڈوب کر، طلب حقیقی کے ساتھ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں اور ہمیشہ کے لیے یاد رکھیں کہ جہاں بھی جب بھی دعا مانگیں حتی الوسع پوری محنت و کوشش سے، عاجزی و انکساری سے، خود کو گناہگار و سیاہ کار سمجھتے ہوئے، اللہ پاک کی خفگی و سزا کو ذہن میں رکھتے ہوئے گڑگڑا کر رو دھو کر بلکہ ماحول میسر ہو تو بے شک چیخ چلا کر مانگیں۔ اللہ پاک نے اسی طرح دعا مانگنے کا قرآن پاک میں حکم دیا ہے۔ بہر حال جگہ و ماحول اور اپنی کیفیت کے مطابق حسب استطاعت و کوشش دعا مانگیے اللہ پاک اس سے راضی ہوتے اور عطاؤں کا فضل و رحم فرماتے ہیں۔ درود شریف ایک بہت بڑی عبادت ہے لیکن اصل درود جسے آپ اصل میں درود تاج کہہ سکتے ہیں یہی درود ابراہیمیؑ ہے اسے ہی پڑھنا چاہیے۔ یہ نبی پاک نے تعلیم فرمایا ہے چونکہ ہر نماز کا حصہ ہے اس لیے یہ فرمان نبی ﷺ یقین واثق ہے کہ ہم تک ٹھیک پہنچا ہے۔ درود بھیجنے کا حکم نبی پاک ﷺ پر قرآن پاک میں آیا ہے اس لیے فرض ہے۔ دیگر اقسام کے درود جو وقتاً فوقتاً عقیدت مندوں نے علماء و فضلاء نے یا آئمہ کرام و صوفیاء یا پیروں نے ترتیب دیے ہیں اور جنہیں بڑی بڑی ہستیوں کے علاوہ خود نبی پاک ﷺ کی احادیث

Marfat.com

سے بھی منسوب کیا جاتا ہے (جو کہ غلط ہے) وہ درود پاک بھی اگر خلوص نیت سے پڑھے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے ثواب ہی ثواب ہے حتیٰ کہ اپنی زبان سے اعلیٰ الفاظ دعا کے ساتھ آپ درود بھیجیں نبی پاک ﷺ پر تو اس کا بھی ثواب ہی ثواب ہے۔ ساری صورتیں اچھی ہیں قابل تحسین ہیں اور بے شک اللہ پاک قبول فرمانے والے ہیں۔لیکن درود ابراہیمیؑ چونکہ نماز کے توسط سے خود نبی پاک ﷺ نے ہم تک پہنچایا ہے اس میں حکم نبی ﷺ کی بنا پر حکمتیں ہی حکمتیں ہیں۔ دوسرے اس میں ابراہیمؑ کے بعد کے تمام رسول وانبیاء بشمول اپنی امتوں کے صالحین کے بشمول اپنے اہل بیت کے، صحابہ عظام کے، علماء وفضلاء اور اولیاء اللہ کے شامل ہو جاتے ہیں اس لیے اس کی وسعتِ برکات کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ درود شریف ایک اعلیٰ پائے کی دعا کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کے اسم ذات اللہ اور اسمائے صفات حمید و مجید کا ذکر بھی ہے اس طرح سے یہ ذکر الٰہی بھی ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد ﷺ کے اسمائے پاک کی برکات بھی شامل ہیں۔اس واسطے اس درود شریف کو پڑھنا بڑا ہی باعث برکت وانعام ہے۔

دعا سے فارغ ہو کر تھوڑا چلیں پھریں اس طرح ہلکا سا وقفہ بھی ہو جائے گا اور پیٹ بھی کچھ حرکت کی وجہ سے اپنی فاسدیات خارج کر سکے گا۔کم از کم 30 منٹ کا وقفہ ضرور دیں۔ اس کے بعد حسب سابق کسی بھی طریق سے نماز عصر ادا کر لیں۔اب بعد از نماز عصر چونکہ کسی قسم کے نوافل پڑھنے کا بھی حکم نہیں ہے اس لیے یہ خالص ذکر الٰہی کا وقت ہے یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از غروب اور قبل از طلوع آفتاب کے ذکر واذکار کا متعدد جگہ پر قرآن مجید میں حکم دیا ہے گو کہ اصل اس سے مراد نمازیں ہیں لیکن حالت نماز میں جیسا کہ بحث گزر چکی ہے ہم اتنا طویل ٹائم کھڑے عام طور پر سب لوگ نہیں رہ سکتے اور نماز عصر کی فرض نماز کے بعد نوافل کی بھی ممانعت ہے اذان مغرب سے قبل اس لیے ذکر واذکار کے لیے یہ دونوں اوقات قبل از طلوع وقبل از غروب آفتاب بڑے ہی آئیڈیل ہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ قبلہ رُو بیٹھ کر اس وقت میں اول وآخر کم از کم گیارہ گیارہ مرتبہ اور زیادہ چاہیں تو 41 مرتبہ درود ابراہیمی پڑھنے کے ساتھ سورۃ فاتحہ کا وردِ عظیم کریں۔ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ توجہ اللہ پاک کی جانب رکھ کر کہ جیسے وہ آپ کو ہر لمحے دیکھ رہے ہیں ورد کریں۔اصل میں یہ ایک عظیم حمد باری تعالیٰ بھی ہے پھر اللہ پاک کے عظیم ترین ذاتی وصفاتی ناموں اللہ، رحمٰن، رحیم، رب العالمین کا ایسا انوکھا حمد یہ ورد ہے کہ جس کے ساتھ ہی مجمل و مکمل اور افضل ترین دعا بھی شامل فرما دی گئی ہے۔خود اس خالقِ قرآن کی جانب سے صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کے لیے اور ان کے توسط سے ان کی ساری امت کے لیے یہ دعا ایک تحفہ ہے۔ایک اور بات یہ کہ اس ورد میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جسے بعض علماء نے آیت اسم اعظم بھی قرار دیا ہے کے خواص بھی شامل ہیں۔ دونوں میں اللہ، الرحمٰن، الرحیم تینوں اسمائے الٰہیہ شامل ہیں۔اس لیے اسے اتنا پسند فرمایا گیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صرف اس ایک سورۃ شریف کو نماز کی ہر رکعت میں لازمی پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔اس کے بغیر نہ تو فرض، سنت ونفل کسی قسم کی کوئی نماز ہو سکتی ہے نہ ہی نماز کی کوئی رکعت ہی مکمل

Marfat.com

تصور کی جاتی ہے چاہے آپ باقی سارا قرآن عظیم پڑھ لیں نماز مکمل نہ ہوگی۔ ہاں اگر شروع میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں رکعت کے تو اس کے بعد چاہے تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی قرآن پڑھیں نماز درست تصور ہوگی اور قبول ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ یہ واحد وہ سات آیات سورۃ فاتحہ ہیں جنہیں دہراتے رہنے کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے ورنہ باقی ذکر الٰہیہ کے متعلق صرف ''ذکر کثیر'' کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے خواص ظاہر و باطن بہت زیادہ multi dimension ہیں یہ ایک ایسی key ہے جو ہر جگہ لگ سکتی ہے حتیٰ کہ کچھ اصحاب رسول ﷺ نے ایک سفر کے دوران میں لوگوں کی شفاء کے لیے بھی اس سورۃ شریف کو پڑھ کر یا ورد کر کے ان لوگوں پر پھونکا جو بیمار تھے اور اللہ پاک نے انھیں شفاء بخشی۔ تاہم یاد رکھیں کہ گھی یا بادام و چار مغز انہی کو فائدہ دیتے ہیں جن کا معدہ بھی تگڑا ہو اور وہ ورزش بھی کرتے ہوں ورنہ نقصان ہوتا ہے۔ اللہ کا کلام گو کہ نقصان تو نہیں دیتا لیکن فوائد کے لیے اس کا اہل ہونا بہر حال ضروری ہے۔

قرآنی وظائف اور اوراد بتلانے یا رہنمائی کرنے کا عوضانہ جائز نہیں ایسے کاروبار باطل ہیں:

جس نے اپنے آپ کو دینی خدمات کے لیے وقف کر رکھا ہو اگر مالی تنگی کا شکار ہو تو اپنی نہایت بنیادی ضروریات کے لیے لوگوں کے چندے یا مجاز اتھارٹی سے عوضانہ وصول کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے تمام کے تمام اوراد قرآنی کے لیے ایمان کامل و اعمال صالحہ کی اشد ضرورت ہے نیز قرآنی آیات کے خواص کو کسی قسم کی اُجرت کے عوض نہ بیچا جائے گا کہ اسے کاروبار بنالیں۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ پاک کی خوشنودی کے لیے اور خدمت خلق کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس طرح کی احادیث بھی گھڑنے والوں نے گھڑ دی ہیں کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو سفر کے دوران اُجرت کی غرض کے لیے آیات قرآنی سے لوگوں کو مستفید کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں لوگوں کو آیات قرآنی کے ورد و وظائف بتلا کر یا کروا کر ان سے اُجرت وصول کی جا سکتی ہے اور اس پریکٹس میں آج کل بے شمار جگہوں پر بابا جی، بادشاہ صاحب، قاری صاحب، مفتی صاحب، حضرت صاحب، آپا جی، بہن جی، شاہ جی وغیرہ کے مصنوعی ناموں سے لوگ بیٹھے لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر لوگوں کو شعار اسلامی کا درس دیتے ہیں اور اپنے لباس و پوشاک کو بھی اسلامی رنگ دیئے ہوئے ہوتے ہیں نیز اپنے ڈیروں پر پنج وقتی نماز با جماعت کا انتظام کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسی کو شک ہی نہیں گزرتا کہ یہ ڈاکو بھی ہو سکتے ہیں جبکہ حقیقت میں ہوس مال و زر و زن ان کے سب کام کا مرکز و محور ہوتی ہے اسی وجہ سے جتنا کسی کا دھندا اندھے عقیدت مندوں کی اندھی عقیدت کی وجہ سے چلتا ہے وہ اتنا ہی دن رات ترقی کرتا ہوا، کٹیا سے کوٹھی پھر محل نما کوٹھی اور پھر وسیع زمین و جائداد کا مالک بن جاتا ہے پھر یہ پیری فقیری میں بدل کر نسل در نسل کام چلتا رہتا ہے بھلا اپنی آئندہ نسل کو مفت کے مزے اڑانے، لوگوں کے جھکے سروں اور جھکی کمروں پر حکومت کرنے اور لوگوں کے مقابلے پر انوکھی شخصیت بنے رہنے سے کیوں محروم کیا جائے۔ یہ ایک چھوٹے سے اجرت لینے یا نہ لینے والے نکتہ کی غلط تفہیم کی بنا پر یا حدیث شریف کا غلط مفہوم

Marfat.com

اخذ کرنے یا غلط حدیث گھڑنے کی بنا پر کتنا بڑا فساد برپا ہوگیا کہ اسے بنیاد بنا کر بہروپیوں نے عوام الناس کو لوٹنا شروع کر دیا اور اب یہ ایک باقاعدہ طاقت ور مافیا بن کر نہ صرف ہمارے ملک پاکستان میں ہر شہر کے گلی محلّوں میں عام ہے بلکہ کئی پرائیویٹ T.V. Channels نے اس قسم کے پروگرام پیش کرنے شروع کر دیے ہیں لوگوں کی live calls وصول کی جاتی ہیں ان کے حل کے لیے ورد و وظائف بتلائے جاتے ہیں یا دیگر عملیات بھی ساتھ بتائے جاتے ہیں ان پروگراموں کے ''باباصاحب'' قسم کے افراد اپنی وضع قطع و گفتگو یا اخلاق کی بنا پر مومن کامل دکھتے ہیں۔ کچھ ''باباصاحب'' قسم کے افراد T.V. Screen پر سامنے ہی نہیں آتے کہ تصویر خلافِ اسلام ہے پھر جن کو ان کے بتائے ہوئے اعمال و وظائف سے فائدہ نہیں ہوا ان کی Calls دوبارہ نہیں لی جاتیں بلکہ جنہیں فائدہ ہوا ہے یا وہ جو یہ مافیا خود ہی کال کرواتا ہے وہ calls اپنے پروگراموں میں لی جاتی ہیں لوگوں کو باور کروایا جاتا ہے کہ چونکہ ہم حق سچ کے داعی ہیں اس لیے عوام الناس کو فائدے حاصل ہوئے ہیں سو یوں ان کی دکانداری و شہرت دن رات بڑھتی جاتی ہے اس کاروبار میں ''حضرت صاحب یا باباصاحب'' قسم کے افراد ان کے ادارے اور TV Channels کے مالکان یقیناً حصہ دار ہیں۔ ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے لیکن ان باباصاحب کے ادارے کا نام و ایڈریس یا فون نمبر لے کر اگر ان سے خود براہ راست رابطہ کیا جائے جو اکثر خواتین و حضرات کو اپنے مسائل کے نہ حل ہونے پر کرنا ہی پڑتا ہے تو پھر '' آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا ہے''۔ پھر آپ سے مختلف سنہرے جال ڈال کر پیسہ اینٹھا جائے گا۔ آپ اپنی مجبوریوں اور ان کی سحر کاریوں کی وجہ سے دونوں ہاتھ باندھ کر انھیں استطاعت سے بڑھ کر پیسے دیتے جائیں گے جب آپ کو ہوش آئے گا آپ ہزاروں روپے لٹا چکے ہوں گے۔ زیادہ دولت مند افراد کو یہ لوگ VIP Treatment دے کر ان کے لیے بنائے گئے خاص جالوں میں پھنساتے ہیں کیونکہ ان کے مطالبات بھی اکثر special ہوتے ہیں جبکہ ان امیر لوگوں کی مجبوریاں بھی تو مہنگی بکتی ہیں۔ اسی طرح اس کلاس سے یہ لوگ لاکھوں روپے بٹورتے ہیں۔ چونکہ اس طرح کے 99 فیصد لوگ بہروپیے اور اُجرتی دو نمبر باباصاحب یا حضرت صاحب ہیں اس لیے یہ لوگ اسلام کے بھیس میں شیطانی علوم وغیرہ جسے عرف عام میں کالے علم کہا جاتا ہے بھی کرتے ہیں۔ اسلام میں ان علوم کی ممانعت ہے مسلمان ان علوم کو پسند نہیں کرتے چاہے جو بھی ہو اس طرف نہیں جاتے۔ ان بہروپیوں نے اسلامی پیرہن اوڑھ کر اور بظاہر قرآن و حدیث یا روایت کا سہارا لے کر اندرون خانہ کالے علم کا کاروبار گرم کر رکھا ہے۔ چونکہ یہ لوگ دنیا کے ہوس زدہ ہیں گناہگار ہیں، منافق ہیں اس لیے شیطانی فوج میں نہ صرف خود شامل ہیں بلکہ شیطانی علوم ان کے عملیات میں خوب کام کرتے یا کر سکتے ہیں۔ اب یا تو یہ شیطانی علوم کے بھی عام طور پر ماہر نہیں ہوتے کیونکہ ان کے حصول کے لیے بھی بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور نقصان اٹھانے پڑتے ہیں اور یا پھر اگر ان کے پاس کسی حد یا بڑی حد تک یہ علوم ہیں بھی تو ظاہر کے ان کی دسترس میں نعوذ باللہ ساری خدائی تو نہیں ہے ان کا اختیار و دسترس محدود ہے اور حکمت الٰہی سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ سو

Marfat.com

کسی کا کام ہوتا ہے، کسی کا نہیں ہوتا، کسی کا معمولی فرق پڑتا ہے، جن کے کام ان علوم سے ہو جاتے ہیں ان کے side effects بھی جلد ظاہر ہو کر بعد میں ان افراد کی زندگیوں کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں وہ پھر بار بار ''بابا صاحب'' سے رجوع کرتے ہیں بالآخر ایک وقت آتا ہے کہ وہ مختلف نشیب و فراز اور پریشانیوں سے ہوتے ہوئے برباد ہو جاتے یا بابا صاحب و حضرت صاحب و پیر صاحب سے مایوس ہو کر ان کا پیچھا چھوڑ دیتے ہیں۔ بابا صاحب نے چونکہ حسب پریکٹس سینکڑوں یا ہزاروں افراد کو اپنی مٹھی میں کر رکھا ہوتا ہے اس لیے انھیں فرق نہیں پڑتا اگر دو چھوڑ گئے تو چار نئے شکار خود ہی جال میں آگیں گے۔ آپ کو زندگی میں کبھی نہ کبھی ان کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ضرور ملا ہو گا وہاں ان کے مریدان یا حلقہ احباب و معتقدین میں ایسے اجرتی (hired) لوگ انہی مریدوں و ضرورت مندوں میں ملے بیٹھے ہونگے جو ان حضرات کی کرامات کے پل باندھ رہے ہونگے اور ان کے بتائے ہوئے عملیات، اوراد یا وظائف سے اپنے ناممکن ترین مسائل کا حل ہو جانا بیان کر رہے ہونگے جبکہ باقی نئے آنے والے واہ واہ عش عش کر رہے ہونگے نیز کچھ بار بار آ کے نیم مایوس ہوئے لوگ بھی حوصلہ پکڑ رہے ہونگے۔

میں نے جو سطور بالا میں بحث کی اور اس بحث کے شروع میں بابا صاحب، حضرت صاحب، قاری صاحب، مفتی صاحب، پیر صاحب، شاہ صاحب، اور بادشاہ صاحب وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کیں جو کہ ہمارے ہاں مختلف طبقوں کے لوگ بزرگان دین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے میری مراد ایسے تمام اصل اللہ سے محبت کرنے والے اور ایمان و عمل میں کامل افراد سے قطعاً نہیں ہے چاہے وہ انہی ناموں یا اصطلاحات سے پکارے جاتے ہوں۔ میرے دل میں ان کے لیے بے حد احترام ہے بلکہ ہر ایسے مومن کے لیے ہم سب کے دل میں احترام ہونا لازم ہے یہ تو اصل ''اللہ کے سپاہی'' ہیں اور ''عبد اللہ'' ہیں۔ میری مراد صرف ان دو نمبر اور جعلی و منافق افراد سے ہے جو بہت بڑی اکثریت میں تقریباً 99% نہیں تو 80 سے 90 فیصد ایسے نام و القاب غلط طور پر استعمال کرنے والے افراد سے ہے اور میں صرف انکی حقیقت آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اصحاب رسول ﷺ نے کبھی ایسی اجرت یا عوضانہ حاصل کیا بھی ہو گا تو وہ انتہائی مجبوری کی حالت میں حاصل کیا ہو گا کہ جس میں جان بچانے کی حد تک حرام بھی وقتی طور پر حلال ہو جاتا ہے۔ اب اس ہنگامی اجازت کو عام نارمل حالات پر منطبق کر کے اسے ذریعہ آمدن بنا لینا قرآن پاک کے اس حکم کی نعوذ باللہ تضحیک ہے کہ جس میں اللہ پاک نے آیات الٰہیہ کو کم قیمت میں فروخت نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ دنیوی مفادات سب کے سب کم قیمت کی ذیل میں آتے ہیں جو نفس پرستی کے لیے حاصل کیے جائیں ہاں فی سبیل اللہ خلق خدا کی صحت و سلامتی اور ہدایت و اصلاح کے لیے اسی دنیا میں ان کا استعمال عین حق ہے اور جائز ہے۔ اسی لیے تو قرآن عظیم کو شافی الاجسام و ارواح اور شافی القلوب فرمایا گیا ہے۔ یاد رہے کہ میں نے بڑی محنت و عرق ریزی سے قرآنی ورد و وظائف پر مبنی ایک کتاب تحریر کی ہے جس کا ہدیہ صرف اس کی لاگت تک محدود ہو گا۔ ان شاء اللہ

قرآن عظیم سے کرب و بلا اور مسائل حیات نیز امراضِ روح کو دور کرنے کے لیے فاعل و مفعول دونوں میں ایمان کامل و اعمال

Marfat.com

صالح ہونا ضروری ہیں:

فاعل یعنی بابا صاحب یا حضرت صاحب کو تو ضرور کامل ولی اللہ ہونا ہی چاہیے جبکہ جو ان کے مفعول ہیں ان میں جو کمی بیشی ہے جو گناہ کی قدر ملاوٹ کی وجہ سے یا ایمان میں کمزوری کی وجہ سے ہے ان نقائص کو دور کرنے کے لیے بابا صاحب و پیر صاحب کو ان کی اصلاح کے لیے انھیں ہدایت و تبلیغ کرنا چاہیے۔ پھر دعا کرنا چاہیے اور اوراد و وظائف بھی بتلانا چاہیں جو کہ اصل میں ہمارے ان بڑے بڑے صوفیائے کرام اور بزرگان دین کا طریق و مسلک تھا۔

بڑے بڑے صوفیائے کرام اور بزرگان دین کا طریق و مسلک اور آج ان کے مزاروں کا حال:

صوفیائے کرام کہ جن کے بڑے بڑے نام آج بھی برصغیر پاک و ہند سمیت دنیا کے اکثر مسلم یا دیگر ممالک میں بڑے عزت و احترام سے لیے جاتے ہیں ان کے مزارات یادگار کے طور پر موجود ہیں۔ ان افراد نے ایک دنیا کو کفر سے اسلام میں داخل کیا تھا، اصل اسلام متعارف کروایا تھا۔ اسلام میں در آئی ہوئی بدعتوں اور غیر اسلامی ملاوٹوں کی نشاندہی کر کے انھیں دور کیا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف تبلیغ اسلام کا باعث بنے تھے بلکہ تجدید اسلام کا بھی سہرا انہی کے سر ہے۔ ہم نے آج کل بجائے ان کی تعلیمات و نصائح اور احکامات و سُنن پر عمل کرنے کے ان کے مزارات کو بت خانے بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ جس شرک سے ہمیں انہوں نے ساری زندگی منع فرمایا گناہ عظیم بتلایا، ہم نے انکی یادگاروں کو اسی شرک کا باعث بنا رکھا ہے۔ ان کے مزارات ان کی عظیم یادگاریں ہیں، بے شک بڑے بابرکت مقامات ہیں جہاں جا کر صرف اللہ وحدہ لاشریک سے دعا مانگنا بابرکت ہے شاید کہ اہل مزار بھی ہماری دعا میں شریک ہو کر ہمارے لیے دعا کر لے اگر حکم الٰہی ہو، اگر اللہ کی اجازت ہو۔ لیکن ہم وہاں جا کر اللہ پاک سے تو علامت کے طور پر مانگتے ہیں اصل میں تو صاحب مزار سے مانگتے پورا دھیان صاحب مزار سے مانگنے پر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ تو وہاں جا کر اللہ کے کردار کو نعوذ باللہ درمیان سے نکال ہی دیتے ہیں۔ انہی سے حاجات مانگتے ہیں انہی کو سجدے کرتے ہیں انہی کی قبروں پر، دروازوں پر، در و دیوار پر ماتھا ٹیکتے ہیں۔ صاحب مزار کے نام کی خیرات کرتے ہیں نعرے لگاتے ہیں اور ناچ کود کر اسے خوش کرتے ہیں۔ یہ سب کا سب شرک عظیم ہے، کفر ہے اور اسلام سے خارج ہونے کا سبب ہے۔ جہاز کے پائلٹ کی سیٹ پر صرف وہی بیٹھ سکتا ہے جسے جہاز اڑانا آتا ہے ورنہ ذرا سا غلط بٹن دبانے سے ہلاکت ہے 100% ہلاکت ہے اسی لیے اگر صاحب مزار کی برکات سمیٹنے کا اس سے دعا لینے کا طریق ہمیں نہ آتا ہو تو شرک کی آگ بھڑک کر آپ کو بھسم کر دے گی۔ عوام الناس کو اسی لیے یا تو مزارات سے دور رہنے کا میں مشورہ دیتا ہوں یا پھر وہاں جا کر صاحب مزار کے لیے دعا کر کے آجائیں۔ صرف ان خواتین و حضرات کو اس سے آگے جانا چاہیے جو اس سے آگے کی منزل کا علم رکھتے ہوں۔ وہ کیا ہے؟ آیئے لگے ہاتھوں وہ بھی سن لیں۔ کسی بھی اصل ولی اللہ کے مزار پر جا کر دل و جان سے اس اہل مزار بزرگ کے لیے دعا مانگے قبلہ رو کھڑے ہو کر چاہے مزار آپ کے دائیں یا بائیں ہاتھ ہو یا مزار کی جانب پشت ہی

Marfat.com

کیوں نہ ہو کیونکہ آپ نے اللہ سے دعا مانگنا ہے صاحب مزار کے لیے۔ وہاں بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ قرآن پاک تلاوت کریں اور معنی ومفہوم کو ضرور سمجھیں اپنے ایمان وعمل میں اضافے کے لیے نہ کہ اہل مزار کو اس کا ثواب بخشنے کے لیے اس خیال سے پڑھیں کہ چونکہ صاحب مزار نے اپنی دنیوی وظاہری حیات میں اسی قرآن پاک کی تعلیم وتبلیغ کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا جس سے ایک خلق خدا مستفید ہوئی تھی بلکہ بہت لوگ شاید مسلمان بھی ہوئے ہوں اس لیے میں بھی ان بزرگوں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے قرآن پاک پڑھ اور سمجھ رہا ہوں اپنی دنیا وآخرت کی اصلاح کے لیے۔ جب آپ اس خالص نیت سے قرآن پڑھیں گے تو امید واثق ہے کہ صاحب مزار کو بھی اپنی دنیوی حیات میں کیئے گئے وعظ وتبلیغ قرآن کے صدقہ جاریہ کے طور پر ثواب ضرور ملے گا۔ اس کے بعد چونکہ وہ بزرگ اپنی زندگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے ان کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے آپ بھی اگر وہاں کوئی غریب غرباء پائیں تو ان میں مال واجناس یا کچھ کھانا وغیرہ پکا ہوا یا پکوا کر تقسیم کر دیں صرف اللہ کے نام پر۔ خبردار صد مرتبہ خبردار اس صاحب مزار کے نام پر قطعاً نہیں نہ ہی دل کے کسی گوشے میں اس کا کوئی خیال یا عقیدہ موجود ہو بلکہ صاحبِ مزار کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ کے نام پر اللہ کی خوشنودی ورضا چاہتے ہوئے ایسا کریں۔ کہیں اور کسی دوسرے مقام پر یا اپنے گھر اور علاقہ میں آ کر بھی اسی نیت سے راہ اللہ مال یا کھانا تقسیم کر سکتے ہیں۔ یہ نیت کرنے میں حرج نہیں کہ میں بھی اللہ رسول ﷺ کے بعد ان بزرگ کی انہی اسلامی تعلیمات وسنن سے متاثر ہو کر بحکم الٰہی یہ خیرات کر رہا ہوں۔ اس طرح سے ان بزرگوں کو جن کا مزار ہے اور واقعی اپنی زندگی میں اگر ان کی یہی تعلیمات واعمال تھے انھیں بھی صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا۔ چونکہ ان بزرگ نے وہ باتیں تبلیغ میں شامل کی تھیں اور خود عمل کر کے دکھائی تھیں اس لیے جب بھی کوئی رہتی دنیا تک ان سے متاثر ہو کر ان پر عمل کرے گا تو صدقہ جاریہ کے اصول وقانون خداوندی کے تحت اس نیک عمل جاری کرنے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔ اسی قانون کے تحت اچھی وصالح اولاد کے اعمال کا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے، بغیر عوضانے کے تعلیم وتربیت کرنے والے اساتذہ کو بھی سب مستفید ہونے والے طلبہ کے ہر اس عمل صالح سے ثواب کا حصہ ملتا ہے جس نے اس کی بے غرضانہ تعلیمات پر عمل کیا۔ سو اس طرح سے افضل ہے مزار پر یا مزار شریف کی مسجد میں دعا مانگیں یا گھر آ کر یا کسی بھی دیگر جگہ پر دعا مانگیں صرف اللہ سے مانگیں تمام حاجات روا کرنے والے رب سے صرف اسی کا بندہ بن کر دعا مانگیں۔ اس میں یہ بھی دعا مانگیں کہ ان صاحب مزار کی دعا اگر ہو سکے تو رب تعالیٰ آپ کی ذات کے لیے قبول فرما لے اور اگر نہ قبول فرمائے تو بھی اے قادر مطلق اونچی شانوں والے مالک سب اختیار تیرا ہی ہے میں بھی تیرا عاجز محتاج بندہ ہوں اور وہ صاحب مزار بزرگ بھی باوجود انعام یافتہ ہونے کے تیرے ہی دربار حقیقی کا بھکاری ہے۔ اگر ایک بار یوں دعا کرنے سے یا چند مرتبہ ایسا کرنے سے (جیسا کہ ہر جمعرات پر کئی ہفتوں تک لوگ مزاروں پر جاتے ہیں) دعا قبول فرمائے رب کریم تو سچے دل سے سجدے میں اپنے گھر کے کسی پاک تنہا گوشے میں گر کر اللہ کا

Marfat.com

بڑا ہی شکر ادا کریں اور ان بزرگوں کے لیے بھی گھر میں اور ان کے مزار پر جا کر دعا کریں۔ جو انہوں نے آپ کے لیے دعا کی اس کا شکر یہ ادا کریں وہاں جا کر چادریں چڑھائیں پھول چڑھائیں لیکن ایک حد میں رہ کر ہاں مزار کے احاطے کو صاف ستھرا کر سکتے ہیں۔ وہاں کی کوئی سادہ سی ضروری سی تعمیر و مرمت درکار ہو تو کر سکتے ہیں نہ کہ یہ کہ مزار شریف پر لاکھوں کروڑوں خرچنے لگ جائیں یاد رکھیں وہ بزرگ ہماری پانچ حواس کی دنیا سے نکل کر دوسری دنیا میں منتقل ہو چکے ہیں۔ جہاں انھیں اس دنیا کی طرز کی حاجات نہیں ہیں۔ بس طلب ہے تو زیادہ سے زیادہ فضل الٰہی کی۔ سو اس فضل الٰہی میں اضافہ اسی میرے تحریر کردہ طریق پر ان کے عقیدت مندوں کے ایمان و اعمال سے ہی ہو سکتا ہے۔ باقی آپ جتنا خرچ کرنا چاہیں اسی اپنی دنیا کے پانچ حواس کے قیدیوں پر کریں اور صرف راہ اللہ خرچ کریں۔ غربا و حاجت مندوں کا محنت سے کھوج لگائیں صرف ان پر خرچ کریں۔ صرف مزار پر جا کر ہی خرچ کرنے کی روایت کو چھوڑ دیں۔ (دعا کریں کہ راہ اللہ خرچنے کا ثواب رب تعالیٰ آپ کے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کو بھی عطا فرمائے) قرآن مجید میں حق تعالیٰ ایسے لوگوں کی نشانی یہ بتاتے ہیں کہ تم انھیں ان کے چہروں سے (یعنی ان کے حالات اور face reading) پہچان لو گے وہ چاہے جتنے بھی مجبور ہوں عزت نفس کی خاطر اور شرم کے مارے کسی سے سوال نہیں کرتے۔ چنانچہ اس طرح کے لوگوں کو محنت سے تلاش کریں۔ اس تلاش میں وقت لگائیں، تکلیف اٹھائیں، اسے فالتو نہیں بلکہ سب سے ضروری کام تصور کریں۔ پیشہ ور بھکاری تو جگہ جگہ خود آپ کے پاس چلے آتے بلکہ کچھ دینے پر اصرار کرتے ہیں لیکن اللہ کی راہ میں خرچ ہونے والی رقم کو بوجھ سمجھ کر فٹافٹ ان میں تقسیم کر کے اپنے نہایت ضروری فرض و ذمہ داری سے جان چھڑانے کی کوشش مت کریں۔ یاد رکھیں آپ سے روز حشر قرآن کے ہر حکم سے متعلق سوال ہونا ہے کہ تم نے اللہ کی راہ میں اپنے حلال مالوں میں سے کیا دیا؟ اور کیسے دیا؟ سو میری تحریروں کو قابل اعتنا سمجھنے والو! میں کسی بات کے بیان کرتے ہوئے ذیلی نکات میں پھر ان کی تشریحات میں اس لیے اتر جاتا ہوں کہ آج کل کے دور میں احکامات تو موجود ہیں لیکن انھیں سمجھنے نیز ٹھیک طرح سے سمجھنے والے، کھول کے بیان کرنے والے کم ہیں۔ جن سے ان احکام و معاملات کی روح تک پہنچا جا سکے۔

عبادات کی طرف پھر واپسی:

اب پھر آیئے اس سمت کہ آپ نے ''سورۃ فاتحہ شریف'' کا عظیم ورد مکمل کر لیا۔ اذان مغرب سے 15 منٹ پہلے عام طور پر یہ ورد ختم کر دیا جاتا ہے اس کے بعد دعا مانگ کر کچھ وقفہ دیں چہل قدمی کریں کہ تب تک اذان مغرب ہو جائے۔ لیکن میں اس بات کی سفارش کرتا ہوں کہ اذان مغرب کو بے شک ہونے دیں اور ورد جاری رکھیں اذان مغرب کے بھی 20 منٹ بعد تک ورد جاری رکھیں اس کے بعد 10 منٹ کا وقفہ دے کر نماز مغرب بتائے گئے طریقے کے مطابق ادا کریں۔

طلوع و غروب شمس کے دوران عبادات جائز ہیں! بحث:

عام طور پر وقت طلوع و وقت غروب کے تقریباً 10 منٹ قبل اور 10 منٹ بعد تک کوئی عبادت نہیں کی جاتی۔ سمجھا یہ

Marfat.com

جاتا ہے کہ چونکہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں قبل از طلوع و بعد از طلوع پھر قبل از غروب و بعد از غروب تو عبادت کا حکم فرمایا ہے لیکن دوران طلوع وغروب عبادت کا کوئی الگ سے حکم نہیں دیا اس لیے شاید یہ اوقات عبادت کے لیے مکروہ ہیں بلکہ کئی لوگ تو یہ بھی ہانکتے ہیں یہ اوقات شیطان کی عبادت کے ہیں جبکہ یہ تمام نتائج اخذ کرنا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قبل از طلوع پھر بعد از طلوع نیز قبل از غروب پھر بعد از غروب سے مراد ہے قبل و بعد از طلوع وغروب کے تمام وقت میں بغیر مدت طلوع و غروب کو حذف کیے اور بغیر عبادت کو قطع کیے جاری رکھنا چاہیے۔ میں نے یہ ویسے ہی نہیں کہہ دیا بلکہ ایسے تجربات و مشاہدات میرے علم و آگہی میں شامل ہوئے ہیں کہ یہ بات ثابت ہوگئی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ مثال کے طور پر بہت سی باتیں بہت سی تعلیمات ہمیں چرند و پرند سے بھی ملتی ہیں۔ جس طرح حضرت آدمؑ کے بیٹوں کی تکرار پر ایک کا دوسرے کو قتل کر دینا پھر لاش کو ٹھکانے لگانے سے نابلد ہونا اور ایک کوّے کے ذریعے حق تعالیٰ کا میتیں دفن کرنے کا حکم نازل فرمانا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ جن احکام سے ہم واقف نہ ہوں اور پس و پیش میں ہوں یا شک و شبہ میں ہوں تو ان کے حل پر غور و فکر اختیار کرنے کے آسمانی حکم کے مطابق ہمیں چرند و پرند کو بھی دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں وہاں بھی ہمارے لیے نشانیاں موجود ہو سکتی ہیں۔

قرآن مجید میں خود کتنے ہی حشرات الارض، جانوروں اور پرندوں، پتنگوں کا ذکر ہے۔ سو میں نے اپنے مذکورہ بالا قرآن فہمی کے احکام پر عمل کرنے سے قبل اس زاویہ سے غور و فکر کیا تو بڑے ہی رحمٰن و رحیم راہ دکھانے والے نے مجھے مشاہدات کروائے کہ عام چڑیاں جب صبح و شام اللہ کی حمد کرتی ہیں (اور دیگر طیور بھی) تو ان کا وقت فجر کی اذان کے 15 یا 20 منٹ بعد سے شروع ہو کر طلوع آفتاب کے بعد 15، 20 منٹ یا 30 منٹ تک ہوتا ہے یعنی فجر سے اشراق تک، پھر یہ سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ قبل سے غروب آفتاب سے 20 منٹ بعد تک ہزاروں کی تعداد میں کسی گھنے بڑے اور پرانے درخت پر اکٹھی ہو کر مسلسل اپنی چوں چوں کی ایک عجیب سحر انگیز اجتماعی و مسلسل آواز کے ساتھ عبادت کرتی ہیں۔ اس مشاہدے کے بعد مجھے اس معاملہ میں اپنے فہم قرآنی پر کوئی شک نہ رہا اور خود دیکھ لیا کہ جسے خلوص نیت سے حق کی تلاش ہو، اس کی رہنمائی اللہ پاک کی عجائبات سے بھرپور ذات سو طریق سے کر دیتی ہے۔ ایسے ایسے طریقوں سے کہ جن کے متعلق ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر آپ یقین کر سکیں میری بات پر تو طلوع وغروب کے اوقات کے دوران بھی وظائف جاری رکھتے ہوئے طلوع آفتاب سے 1/2 گھنٹہ بعد تک اور غروب آفتاب کے 20 منٹ بعد تک وظائف اوراد جاری رکھ سکتے ہیں۔

عبادات پر واپسی:

بعد از فرض نماز مغرب تا نماز عشاء بھی عبادت کا خصوصی وقت ہے۔ چونکہ اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرو سورج غروب ہونے سے لے کر اندھیرا پھیل جانے تک۔ اگر آپ مشاہدہ کریں اور غور فرمائیں غروب آفتاب کے بعد کے آسمانی آثار پر تو آپ دیکھیں گے کہ سورج غروب ہونے کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ 20 منٹ تک ہلکی روشنی

Marfat.com

دھیرے دھیرے کم ہوتی ہوئی مکمل اندھیرے میں بدلتی ہے۔ اسی لیے علماء نے بھی ڈیڑھ گھنٹہ یا ایک گھنٹہ 10 منٹ مغرب کا وقت بتایا ہے۔ بہرحال آپ مغرب کی فرض نماز کے بعد جتنے چاہیں میرے سابقہ ابتدائی سطور پر تحریر کیے گئے طریقوں میں سے کسی بھی طریق کے مطابق نوافل ادا کریں۔ اس وقت کے نوافل کو علماء نے اوابین کا نام دیا ہے علماء کم از کم 8 عدد نوافل اوابین کے ادا کرنے کی سفارش کرتے ہیں تاہم یہ آپ کی آمادگی اور طبیعت یا شوق عبادت پر منحصر ہے پس آپ اس کے مطابق نوافل ادا کریں۔ اس کے بعد مسجد میں تخلیہ میسر ہو تو ٹھیک ورنہ اپنے تنہائی کے پاک وصاف عبادت کے لیے مخصوص ٹھکانے پر بیٹھ کر سورۃ اخلاص شریف کا ورد اول وآخر درود شریف کے ساتھ کریں۔ یاد رکھیں کسی بھی طرح کے ورد یا وظیفہ سے قبل ایک ہی مرتبہ تعوّذ وتسمیہ پڑھ لیں یوں تعوّذ پڑھ کر اللہ سے شیطان کے معاملہ میں پناہ مانگیں اور بسم اللہ شریف پڑھ کر شروع کریں پھر ہر دفعہ کسی بھی سورۃ کے ساتھ بار بار بسم اللہ نہ پڑھیں۔ اس طرح سے نماز عشاء سے تھوڑا پہلے اس ذکر کثیر کو مع درود شریف کے مکمل کر کے خوب گڑگڑا کر دعا مانگیں۔ اس کے بعد نماز عشاء ادا کریں۔ اس کے فوراً بعد سو جائیں۔ سورۃ اخلاص نہایت اعلیٰ پائے کا توحیدی وظیفہ ہے۔ جہاں جہاں بھی اللہ کی اعلیٰ وافضل توحید موجود ہے قرآن پاک میں جس کے اور بھی بہت سے مقامات ہیں۔ ان آیات یا آیات کے مجموعے کے اوراد اختیار کرنا بہت بہت افضل واعلیٰ وظائف ہیں، پھر اگر چاہیں تو وقت کو نصف نصف تقسیم کر کے پہلے نصف حصے میں سورۃ اخلاص کا ورد کریں ایک ہی مرتبہ شروع میں بسم اللہ پڑھ کر اور دوسرے نصف حصہ میں باقی تین قُل وقت کو برابر تقسیم کر کے پڑھیں اس مجموعہ وظائف کے اپنے اثرات ہیں۔ پھر یہ بھی کر سکتے ہیں کہ کُل وقت کو برابر چار حصوں میں تقسیم کر کے چاروں قُل کا برابر باری باری ورد کریں۔ لیکن ہر نیا قُل شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ میں قُرب باری تعالیٰ کے لیے سورۃ اخلاص ہی کے ورد پر زور دونگا یہ قرب الٰہی کا مجرب نسخہ ہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو جائیں اس وقت سونے کا قرآن پاک میں ذکر ہے۔

دن رات کے آٹھ پہروں اور 24 گھنٹوں کی تقسیم کا کلیہ برائے عبادات (اعادہ):

ہم نے جون کے مہینے کے مطابق 24 گھنٹوں کو 8 پہروں میں تقسیم کیا تھا کہ بوقت فجر 3:15 سے بوقت مغرب 7:15 تک 16 گھنٹے کا دن تھا۔ جسے نصف نہار دوپہر 12:15 سے پہلے ساڑھے چار ساڑھے چار گھنٹوں کے دو پہروں میں تقسیم کیا تھا۔ پھر 12:15 سے لے کر مغرب 7:15 تک اگلے 7 گھنٹوں کو مزید ساڑھے تین ساڑھے تین گھنٹوں کے دو پہروں میں تقسیم کر کے تیسرا پہر 3:45 تک اور چوتھا پہر مغرب 7:15 تک بنایا تھا۔ اب شب کے وقت کو چونکہ رات وسط جون کی تقریباً 8 گھنٹوں، مغرب 7:15 سے فجر 3:15 تک کی ہے اس لیے دو دو گھنٹوں کا ایک پہر بنا کر 4 مزید پہروں میں بانٹ دیا تھا۔ یوں مغرب 7:15 سے رات 9:15 تک پانچواں پہر ہوا جس میں ہم نے مذکورہ بالا طریق کے مطابق عبادت جاری رکھی۔ اب جب نماز عشاء کے فوراً بعد آپ سو جائیں گے (کوشش کریں 9:15 سے پہلے ہی نماز عشاء

Marfat.com

سے فارغ ہو جائیں) تو یہ بنتا ہے چھٹا پہر، چھٹا پہر آپ نے ہر حالت میں ضرور سونا ہے۔ یہ اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور نیند کے لیے ان صوفیہ کے لیے بھی نہایت سنہرا وقت ہے جو نیند بہت ہی کم لیتے ہیں۔ گرمیاں یا سردیاں چاہے یہ چھٹا پہر تقسیم اوقات کے مطابق جون کی رات کا مختصر ترین دو گھنٹوں کا پہر بنے یا سردیوں کی رات کا 3 گھنٹوں کا پہر بنے آپ چاہے جتنے بھی عبادت گزار ہیں آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے یہ چھٹا پہر آپ نے ضرور سونا ہے۔ نیز یاد رکھیں کہ یہ تو نہایت اعلیٰ پائے کے متقی حضرات کے لیے ہے اس سے نچلے درجے کے عبادت گزار گو کہ ان کا بھی بڑا اعلیٰ مقام ہے چھٹا اور اس سے اگلا ساتواں پہر دونوں سوئیں گے اور عبادت کے لیے آخری آٹھویں پہر میں اٹھیں گے۔ ہم جس جون کے دن کا نقشہ کھینچ رہے ہیں اس کی رات آٹھ گھنٹے کی ہے اس لیے 2 پہر ملا کر 4 گھنٹے نیند بنی جبکہ سردیوں کی سب سے لمبی رات میں یہ 2 پہر ملا کے 6 گھنٹوں کے بنیں گے گویا کہ زیادہ عبادت کرنے والوں کی نیند 4 سے 6 گھنٹوں کے درمیان سال کے 12 مہینے ہوتی ہے کبھی 4 پھر 4:01، پھر 4:02 پھر 4:03......6:00 گھنٹے یوں ہر روز تقریباً اوسطاً ایک منٹ کی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اعلیٰ ترین سطح کے اولیاء اللہ یا اس راہ کے مسافر صرف چھٹا پہر سال کے 12 مہینے سوتے ہیں اور یوں 2 پھر 2:01، پھر 2:02 پھر 2:03..........3:00 گھنٹے تک روزانہ ایک ایک منٹ کی کمی بیشی سے ان کی نیند ہوتی ہے۔ بوقت ظہر 15 منٹ سے 1/2 گھنٹہ کا قیلولہ اس کے علاوہ یہ ان کی کل 24 گھنٹوں میں نیند ہے۔ ہم نے چونکہ ساتویں پہر کی عبادت کو بھی بیان کرنا ہے جو صوفیہ کے اعلیٰ ترین گروہ کی ہے اس لیے ادھر آتے ہیں۔

قرآن مجید میں نبی پاک ﷺ کو حکم ہوتا ہے عبادت کرو رات کے تہائی حصہ میں 1/3 میں کبھی حکم ہوتا ہے عبادت کرو، نصف شب یعنی 1/2 شب یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔ رات کا پہلا وقت پہلا پہر تو مغرب سے عشاء کے درمیان کا وقت ہے جس میں سو ہی نہیں سکتے یہ عبادت کا وقت ہے۔ دراصل ہم نے جو آٹھ پہر بنائے ہیں ان میں پانچویں پہر کو جو مغرب سے عشاء کے درمیان ہے رات میں شامل کر کے رات کی تقسیم کی ہے اور ہے بھی درست مغرب کے بعد رات کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ تاہم رات کو عشاء سے فجر تک کل تین حصوں میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس طرح سے 9:15 سے 3:15 تک کل 6 گھنٹے کی رات بنی جب ارشاد پاک دیکھا جائے نبی کریم ﷺ کو رات کے 1/3 حصے عبادت کرنے کے حکم سے متعلق تو اس میں آپ ﷺ 4 گھنٹے سوتے اور 2 گھنٹے عبادت فرماتے جون کے مذکورہ دن کی شب کے مطابق۔ پھر جب آپ ﷺ کو حکم ہوا نصف شب عبادت کرنے کا تو پھر آپ ﷺ نے 3 گھنٹے نیند فرمائی اور نصف شب 12:15 سے فجر 3:15 سے چند منٹ پہلے تک عبادت فرمائی پھر دعا فرمائی۔ جب آپ ﷺ کو 1/2 رات سے کچھ زیادہ حصے میں عبادت کا حکم ہوا تو پھر آپ ﷺ نے 3 گھنٹے سے کم نیند فرمائی (احادیث میں مذکور ہے کہ آپ کی نیند بھی بیداری کی طرح کی ہوتی ہے۔ یہ نبی ﷺ اور خدا کے درمیان کے راز ہیں) اور 3 گھنٹہ سے زیادہ اسی طرح اس کے الٹ کر لیں عبادت

Marfat.com

نصف شب سے کم کرنے کے لیے عبادت فرمائی۔ بہر حال جس اوقات عبادت شب پر دل مطمئن ہو جائے وہ اختیار کر لیں۔
میں سمجھتا ہوں کہ شروع میں بیان کیا گیا چار پہروں والا نقشہ و تقسیم اوقات ہی درست ہے۔ تو چلیے پھر چھٹے پہر میں جون کی ایک شب میں آپ نے 9:15 سے 11:15 تک نیند لے لی اب نصف شب آپ اٹھ گئے اس رات میں نصف شب 11:15 پر ہوئی ہے۔ نیند کی کمی اتنی کم نیند کر کے اسے توڑنے نفس کو اس قدر مارنے پچھلے فجر سے عشاء تک کی عبادت کی تھکاوٹ کو اس وقت اٹھتے ہوئے برداشت کرنے اور اللہ کے اس حکم کی برکت سے کہ "میرے بندوں کے پہلو راتوں کو اپنے بستروں سے جدا رہتے ہیں۔ یہ عبادت کا بہترین وقت ہوا۔

نوٹ: رات کو قرآنی طرز پر چھٹے سے آٹھویں پہر تک یعنی عشاء 9:15 سے فجر 3:15 تک تین مذکورہ پہروں میں تقسیم کرنا سب سے افضل ہے یا نصف شب 9:15 سے 12:15 تک سونے کے بعد 1/2 باقی شب عبادت کریں یا اس سے تھوڑی کم یا تھوڑی زیادہ یا 1/3 شب عبادت کریں 1:15 سے 3:15 تک۔ نیز پیغمبروں پھر خود حضرت محمد ﷺ کا وقت عبادتِ شب شروع ہونے کی ان تمام وجوہات کی بنا پر یہ افضل ترین وقت عبادت ہوا۔ گو کہ علماء رات کے آخری پہر کو سب سے افضل وقت کہتے ہیں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رات کے اس آخری پہر میں نیند کی گہرائی اور بستر کی محبت شاید اور بھی بڑھ جاتی ہو۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس سے نچلے درجہ کے اعلیٰ عبادت گزاروں کا افضل وقت ہے۔ چونکہ آدھی رات کو اٹھنے والے بھی مسلسل نصف شب سے نماز فجر سے قبل تک عبادت کرتے ہوئے اس آخری پہر سے بھی یقیناً گزرتے ہیں۔ اس لیے ان کا نصف شب کو اٹھنا زیادہ مبارک ہے۔ اللہ پاک کو ان کی یہ عبادت یقیناً آخری پہر میں اٹھنے کی نسبت قدرِ زیادہ پسند آتی ہو گی۔ لہٰذا اس وقت کی عبادت و ریاضت نیز ورد و وظائف بھی خصوصی ترین ہونے چاہئیں۔ پھر کوئی مراقبہ طرز کی عبادت، گیان و دھیان لگانے والی عبادت، اپنے اندر اپنی روح میں جھانکنے سے متعلق عبادت بھی اس وقت میں ہونی چاہیے۔ آئیں دیکھیں ہم یہاں کیا کر سکتے ہیں۔

نزول قرآن کی اک حسین تمثیل قلب محمد ﷺ جبرائیلؑ اور خدا نیز عوام و خواص کا طرز عمل۔ گہری تحقیق کے بعد انوکھی بحث

رحمانی، شیطانی راستوں اور ان کے رسوخ و اثرات پر گہری فلسفیانہ بحث:

اصل چیز اور افضل و مکمل ترین ذکر قرآن عظیم ہے۔ جو حکمت و برکت، شریعت، طریقت اور حقیقت سے بھرا پڑا ہے۔ جس کے اندر بے شمار اسرار ہیں۔ جس کی ہر آیت، ہر سورۃ ہر تعلیم، ہر حکم، ہر تلقین اور الفاظ کی نشست و بندش کی سات یا پھر کہیں کہ کئی تہیں ہیں۔ جس کی ہر بات نئی حمد باری تعالیٰ سے شروع ہو کر کسی دیگر اسم یا اسمائے الٰہی پر ختم ہوتی ہے جو کہ ایک بہتا ہوا فردوس بریں کا نہایت پاکیزہ، عجب میٹھا، عجب حواس بخشنے والا، عجب مقامات پہ پہنچانے والا اور زمین سے آسمانوں پر اٹھانے والا، خوشبوؤں کی انتہا میں رچا بسا ہوا، اللہ کے علم پر مبنی اُم الکتاب کے علمی سمندر کے چاروں جانب پہرے پہ کھڑے

Marfat.com

فلک بوس ملائک نُما پہاڑوں سے نکلا ہوا میٹھا چشمہ ہے۔ اس چشمہ کے دہانے پر محمد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہیں، جس پہاڑ سے یہ نکل رہا ہے اسے جبرائیل امین کہتے ہیں اور جس زمین مقدس ترین پر یہ بہہ رہا ہے اسے قلب محمد ﷺ کہتے ہیں اور آگے جہاں یہ گزر رہا ہے وہاں امت محمد ﷺ کھڑی ہے۔ عوام الناس اس سے بھیگنا نہیں چاہتے اس لیے انہوں نے سروں پر اس دنیا کی ناجائز محبت وہوس اور ظلم وقہر سمیت ہزاروں اقسام کی قلبی بیماریوں کی شیطانی چھتریاں لے رکھی ہیں ان میں ہر کسی پر کوئی ایک آدھ چھینٹ یوں ہی پڑ رہی ہے جیسے بارش میں بہترین چھتری کے باوجود چند چھینٹے جسم پر پڑ ہی جاتے ہیں سو یہ لوگ اسی نسبت سے اور اتنے ہی قرآن کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اس نورانی قرآنی بارش سے جو کہ قلب محمد ﷺ سے جاری ہے پیدا ہونے والی نمی نے تمام فضا کو نم دار بنا دیا ہے ہم عام مسلمان بس اس نمی ہی کی وجہ سے واجبی مسلمان ہیں۔ اسلام کو قرآن کو حضرت محمد ﷺ کو حق ماننے اور باوجود بے شمار گناہوں، حدود شکنیوں اور بے راہ رویوں کے اپنے رسم ورواج، روایات اور بود و باش کو اسلامی رنگ دینے کی اپنی تئیں کوشش کرتے ہیں کچھ تھوڑا بہت تعلیمات اسلامی پر عمل بھی کرتے ہیں اب کوئی اپنی چھتری میں جتنے باریک باریک غیر محسوس سوراخ اپنے ایمان وعمل کو بڑھا کر کرتا جاتا ہے اسی نسبت سے کرنٹِ قرآنی قلبِ محمد ﷺ سے اس تک پہنچتی ہے نورانی بارش کے باریک چھینٹے اس تک پہنچتے ہیں جس جس نسبت سے وہ قرآن پاک سے اور صاحبِ قرآن حضرت محمد ﷺ سے محبت بڑھاتا جائے گا قرآن پاک کی تلاوت کرے گا اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کے لیے مختلف طریقوں سے غور وفکر اور تدبر وتفکر اختیار کرے گا اسی نسبت سے اس شیطانی چھتری میں باریک غیر محسوس سوراخ بڑھتے جائیں گے حتیٰ کہ بڑھتے بڑھتے یہ چھلنی ہو جائے گی قرآن کے ذریعے نورِ قلبِ محمد اس چھلنی میں سے ہوتا ہوا اسی نسبت سے اس شخص تک پہنچتا اور بڑھتا جائے گا۔ پھر یہ چھلنی مزید چھدتے چھدتے بالآخر ایک دن آ سکتا ہے کہ ختم ہو جائے یعنی کہ شیطانی چھتری موجود ہونے کے باوجود اپنی افادیت کھودے گی یہ نور قرآن براستہ قلب محمد ﷺ جو کہ نور الٰہی کو منعکس کر رہا ہے آپ تک پوری آب وتاب سے پہنچنے لگے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بندے کے ساتھ موجود شیطان کے مسلمان ہو جانے کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے یا پھر یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں میں نے لکھا تھا کہ روح کی لطافت کی ایک وہ حد ہے جہاں شیطان غیر فعال inactivate ہو جاتا ہے لیکن اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ اس پانچ حواس کی حیات مستعار زمینی میں شیطان کا وجود ختم نہیں ہو سکتا روحانی ترقی سے غیر فعال ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ نہایت اعلیٰ پائے کے اولیاء اللہ بھی اگر کوئی فاش غلطی کر بیٹھیں تو شیطان فوراً فعال یا activate ہو کر انھیں ان کے مقام سے گرا سکتا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس پائے کے پرہیز گاروں کو چونکہ انعاماتِ نورانی حاصل ہوتے ہیں اس لیے غلطی کرنے پر سزا بھی دگنی ہوتی ہے اس کُلیے کی بنا پر جب شیطان کو ان سے سرزد ہونے والے گناہ کی وجہ سے موقع ملتا ہے تو وہ انھیں ان کے مقام سے چشم زدن میں بہت نیچے گرا دیتا ہے اور سزا میں مبتلا کروا دیتا ہے اس موقع پر اکثر لوگ تو گمراہ ہی ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ آدمؑ کی اولاد میں معافی تلافی کا مادہ

Marfat.com

بھی بہرحال موجود ہے کچھ لوگ برسوں اپنے رب کی منت کرتے روتے گڑگڑاتے اپنی سزا بھگتتے دوبارہ اپنے مقام کو اگر رب چاہے پالیتے ہیں لیکن پہلی روحانی ترقی میں جو وقت لگتا ہے اب کی مرتبہ اس سے بہت بہت زیادہ وقت اور محنت درکار ہوتی ہے اس لیے اکثر لوگ حوصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ناامید ہوکر گناہوں کی دنیا کا رخ کر لیتے ہیں یہ شیطان کی ایک بڑی فتح ہوتی ہے کہ وہ کسی انسان کو قربِ الٰہی کی اس حد سے نیچے کھینچ لائے جہاں وہ اس سے محفوظ ہونے جا رہا تھا لیکن یاد رکھیں یہ وہ حد قطعاً نہیں ہوتی جہاں پر کہ شیطان مکمل طور پر غیر فعال ہو جاتا ہے بلکہ ابھی وہ کچھ نہ کچھ سکت اور activation تحرک رکھتا ہے اور بندہ خود سے سمجھ لیتا ہے نورانی بارش کی وجہ سے کہ وہ مکمل تحفظ والی منزل پر پہنچ گیا ہے جہاں شیطان اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

یہاں ایک اہم نکتہ ہے کہ گو کہ وہ منزل یا stage تو موجود ہے جہاں شیطان مکمل طور پر غیر متحرک یا غیر فعال ہو کر اپنا اثر تقریباً کھو دیتا ہے لیکن کوئی بھی کبھی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ وہ منزل کون سی ہے وہ اس منزل پر پہنچ چکا ہے یا کہ نہیں اس لیے چاہے آپ کو کیسا بھی قربِ الٰہی، قربِ قلبِ محمد ﷺ یا قرآنی نورانی بارش کا سرور و انعام حاصل ہو جائے آپ آسمانوں پر اڑنے لگیں آپ جنت و دوزخ کو گھوم گھوم دیکھنے کے قابل ہو جائیں آپ کثرت سے وحدت کا سفر طے کرتے ہوئے ہر شخص کے دل میں اترنے کے قابل ہو جائیں، آپ پرندوں سے پہاڑوں سے باتیں کرنے لگیں آپ زمین و آسمان کے راز سمجھنے لگیں آپ دیگر دنیاؤں میں گھومنے پھرنے لگیں، آپ زمان و مکان سے آگے نکل جائیں اس سب کچھ کے باجود آپ کو کبھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ اپ اس منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ شیطان سے مکمل طور پر محفوظ ہو گئے ہیں ہوسکتا ہے آپ اس منزل پر پہنچ گئے ہوں یا اسے کراس بھی کر گئے ہوں لیکن آپ کے پاس قطعاً کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے کہ اس معیار کو چیک کرسکیں اس لیے نصیحت پلے باندھ لیں کہ کبھی بھی کسی بھی مقام پر پہنچ کر شیطان سے غافل نہ ہوں اپنی آخری سانس تک ایک ایک قدم پھونک پھونک کر عین قرآن مجید کی روح کے مطابق محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم قرآنی کے مطابق اللہ کے قائم کیے ہوئے معیار قرآنی کے مطابق اٹھائیں۔

قرآن......قلب محمد......شریعت......طریقت......حقیقت......وصل حق تعالیٰ

ایک بات اور سمجھ لیں آپ کہیں گے کہ قرآن پاک ٹھیک ہے محمد پاک ﷺ پر نازل ہوا ہم انھیں دل و جان سے رسول خدا ﷺ اور سچا پیغمبر ﷺ بھی مانتے ہیں لیکن اب تو ہمارے پاس قرآن ہی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ''قلبِ محمد ﷺ'' کا انتخاب خود خدا نے فرمایا ہے ٹھیک ہے کوئی بھی شخص اگر براہ راست خدا سے عشق کرنا چاہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن اس کے لیے اسے یہ دنیا مکمل طور پر چھوڑ کر جنگلوں، پہاڑوں، ویرانوں میں بر توکل خدا نکل جانا پڑے گا وہ بھی وہ شخص جس پر کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ ہی اس نے خود کوئی ذمہ داری پالی ہے۔ ایسا شخص فقیر خالص ہے وہ کسی قسم کی دنیوی نہج پر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا نہ کسی کی بات کا کوئی جواب دیتا ہے نہ سوال کرتا ہے بلکہ اپنے ہوش حواس بظاہر گم کر دیتا ہے حتیٰ کہ لوگ اسے پاگل سمجھ کر اپنی دنیا سے دنیا کی پابندیوں سے لوازمات حیات سے خارج کر دیتے ہیں۔ کرتے ہیں تو صرف یہ کہ اسے گندہ پلید، پاگل

Marfat.com

دیوانہ سمجھ کر پاس نہیں بیٹھنے دیتے میرے منہ میں خاک جس طرح آوارہ کتوں کو دھتکارہ اور مار بھگایا جاتا ہے یہی سلوک آبادیوں میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو صاحبو یہ وہ لوگ ہیں جن پر شریعت لاگو نہیں ہوتی نہ دنیوی معاملات اور اخروی معاملات کے لیے انھیں کسی کتاب اللہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ اپنی منزل کی جانب سفر جاری رکھیں تو یہ خود ہی کتاب الٰہی بن جاتے ہیں ان کے قلوب میں براہِ راست اس وحدہٗ لاشریک خدا کا نور جوش مارنے لگتا ہے کہ جہاں سے پیغمبروں کو نور ہدایت ملتا ہے۔ پس یہ لوگ اپنی ذات کی حد تک یا پھر خدا کو منظور ہو تو آخری منزل میں کچھ خلق خدا کے لیے اللہ سے خیر مانگتے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے بلند مقامات ہیں جو صرف رب ہی جانتا ہے۔ گو کہ یہ نبی و رسول نہیں ہوتے لیکن ان کے عہدے بھی بہت اعلیٰ ہیں۔

تو واپس آیئے اصل بحث کی طرف کہ ہم 99% لوگ چونکہ دنیا سے 100% خارج نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس کا حکم ہے بلکہ دنیا میں رہ کر اللہ کی ہدایت کے مطابق فلاح پانے کا حکم ہے اس لیے ہمارا تعلق کسی نہ کسی پیغمبر یا ہدایت کنندہ کی تعلیمات و ہدایات سے ضرور ہوتا ہے جو وہ اللہ سے لے کر خلق خدا کے لیے عام کرتا ہے۔ جب اللہ پاک فیصلہ فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے علم یعنی ام الکتاب سے ایک چشمہ جاری ہوتا ہے یہ جس پہاڑ یعنی حفاظت پہ مامور فرشتے کے ذریعے جاری ہوتا ہے اسے وحی لانے والا فرشتہ کہا جاتا ہے جیسے کہ جبرائیلؑ پھر یہ نور کا چشمہ اس مخصوص قلبِ نبیؐ پر جاری یا نازل ہوتا ہے خلق خدا کی رہنمائی کے لیے، ہدایت کے لیے چونکہ یہ چشمہ قلوب میں نظر نہیں آتا اور نہ ہی بہتے نور کے چشمے کو اپنی اصل خالص مکمل شکل میں لوگ اپنے قلوب میں قید کر سکتے ہیں نہ وہ اس کے کسی بھی صورت کے اہل ہو سکتے ہیں اس لیے اسے ایک کتاب کی شکل میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ شان ہے کہ یہ نہ صرف کتابی شکل میں اللہ کے حکم سے محفوظ ہے بلکہ پچھلے ساڑھے چودہ سو سال سے (1427 سال بیت گئے اور ہجرت سے دس سال قبل نزول شروع ہوا 1437 سال ہو گئے)۔ یہ قرآن حفاظ کے دلوں میں بھی ان کی روحوں میں بھی محفوظ چلا آ رہا ہے۔ یعنی کہ قرآن کا مکمل عربی متن یہ لوگ حفظ کر لیتے ہیں گو کہ یہ عربی متن کے اصل قرآن کے حفاظ ہیں لیکن قرآن کی روح میں جو نورِ قلبِ محمدﷺ ہے جس کے ذریعے حقیقی نورِ الٰہی منعکس ہو رہا ہے۔ اس سے یہ اکثر حفاظ قرآن نابلد ہوتے ہیں مستفید نہیں ہو سکتے کیونکہ کہ یہ صرف کیریئر ہیں یہ آگے پہنچانے والے ہیں بے شک اس کا بھی بڑا اجر ہے اگر محبت الٰہی میں بے غرض ہو کر بغیر اُجرت کے حصول کے کیا جائے۔ یوں سمجھیں کہ جس طرح بعض بیماری کے وائرس کے کچھ لوگ محض کیریئر ہوتے ہیں انھیں وہ بیماری نہیں لگ سکتی بلکہ جن میں اس بیماری کے لیے حالات سازگار ہوں وہ صرف انہی کو لگتی ہے میں معذرت کے ساتھ اس ناقص مثال سے آپ کو یہ بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ اسی طرح سے ان قرآن کے کیریئرز سے آگے نُورِ قرآن سے صرف وہی لوگ مستفید ہونگے جو اس کی استطاعت رکھتے ہونگے اور توفیقِ خدا سے محنت و کوشش کریں گے۔ حفاظِ کرام میں سے اگر کوئی اس پائے کی محنت و کوشش بہ توفیق الٰہی عشق الٰہی میں کر سکے تو

Marfat.com

وہ بھی یقیناً اپنے سینے میں محفوظ نور سے مستفید ہوسکتا ہے بلکہ وہ پھر دوسروں کی نسبت زیادہ مستفید ہوسکتا ہے اگر اسے عربی قرآن سمجھ بھی آتا ہو تب۔ یہ تو نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ پھر واپس آیئے قلب محمد ﷺ والی بات کی طرف اور جان لیجیے کہ نورِ قرآن کا ہمیشہ اُس سے تعلق رہے گا جس جس واسطے سے یہ ہو کر گزرا ہے یہ آپ کے قلوب میں براہ راست جبرائیل مقدسؑ نے نہیں ڈال دیا۔ بلکہ جس طرح سے جز اپنی کل کی طرف کشش رکھتی ہے اس سے خصوصی تعلق رکھتی ہے فیضیاب ہوتی ہے اسی طرح سے یہ نورانی معاملہ مندرجہ ذیل نقشے سے سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔

نورِ الٰہی...... جبرائیلؑ...... قلب محمد ﷺ...... قرآن...... اہل بیت...... اصحاب نبی ﷺ...... خواص...... عوام

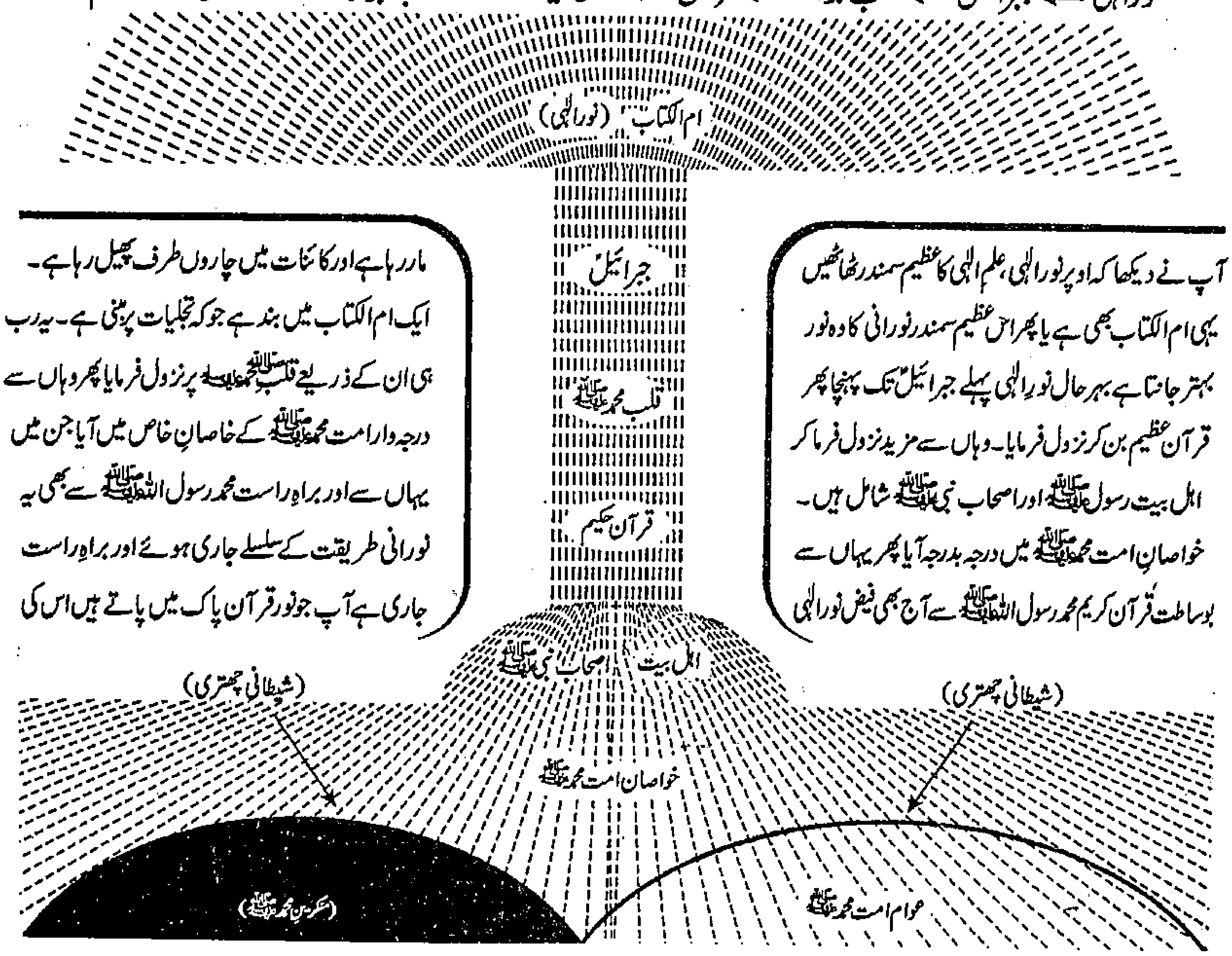

آپ نے دیکھا کہ اوپر نورِ الٰہی، علم الٰہی کا عظیم سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور کائنات میں چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ یہی ام الکتاب بھی ہے یا پھر اس عظیم سمندر نورانی کا وہ نور ایک ام الکتاب میں بند ہے جو کہ تجلیات پر مبنی ہے۔ یہ رب بہتر جانتا ہے بہر حال نورِ الٰہی پہلے جبرائیلؑ تک پہنچا پھر ہی ان کے ذریعے قلب محمد ﷺ پر نزول فرمایا پھر وہاں سے قرآن عظیم بن کر نزول فرمایا۔ وہاں سے مزید نزول فرما کر درجہ وار امت محمد ﷺ کے خاصانِ خاص میں آیا جن میں اہل بیت رسول ﷺ اور اصحاب نبی ﷺ شامل ہیں۔ خواصانِ امت محمد ﷺ میں درجہ بدرجہ آیا پھر یہاں سے یہاں سے اور براہِ راست محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی یہ نورانی طریقت کے سلسلے جاری ہوئے اور براہِ راست بوساطت قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ سے آج بھی فیض نورِ الٰہی جاری ہے آپ جو نور قرآن پاک میں پاتے ہیں اس کی روح اس کا جوہر، اس کا منبع قلب محمد ﷺ ہے اور قلب محمد ﷺ کا منبع نور الٰہی ہے جو حق تعالیٰ کی واحدہٗ لاشریک ذات بے مثل و یکتا سے جاری و ساری ہے جس امتی کے دل میں اپنے پیغمبرؑ کی محبت نہیں ہوتی وہ نہ تو اس پیغمبرؑ پر اُترنے والی کتاب سے اور نہ ہی نور الٰہی سے فیض پا سکتا ہے نہ اس کے حجاب دور ہو سکتے ہیں اسے جس قدر اور جس نسبت سے اپنے رسولؑ سے محبت ہے جس درجے کی محبت ہے اسی نسبت و درجے سے اس تک فیض خصوصی نور الٰہی کی شکل میں پہنچتا ہے۔ چونکہ جب آپ کسی پیغمبرؑ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے امتی کہلاتے اس کی لائی ہوئی کتاب کو پڑھتے ہیں یقیناً چاہے آپ کا ایمان کمزور

Marfat.com

ہے یا اعمال ناقص ہیں لیکن کچھ نہ کچھ محبت تو اپنے رسولؐ سے ضرور ہوتی ہے اس لیے زیادہ حجابات نہ بھی ہٹیں تو آپ اس کتاب الٰہی سے کچھ فیض پا لیتے ہیں۔ لیکن جب آپ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو جس درجہ کی محبت اپنے نبیؐ سے ہوگی اور اس توسط سے اللہ پاک سے ہوگی اسی درجہ کی روحانی ونورانی ترقی بھی ممکن ہوگی۔ جیسے سورج اپنے نظام شمسی کو نہ صرف قائم رکھتا ہے تمام سیاروں پر گرفت قائم رکھتا ہے بلکہ اس کی روشنی وحرارت سے ہر سیارے کی مخلوق زندگی، بقا اور رزق کے سامان پاتی ہے۔ جبکہ آسمان کے دیگر ستارے جو اصل میں سورج ہیں اپنے اپنے نظام میں رہنے والے اجسام وجزیات کے ذمہ دار ہیں۔ اسی طرح سے آج تک ہزاروں لاکھوں پیغمبرؑ دنیا میں آئے ہیں اور اپنی اپنی اُمتوں کو اپنے قلوب میں منعکس ہونے والے نور الٰہی سے مستفید کیا ہے ان میں سے جو رسولؐ بھی تھے یعنی صرف نبیؑ نہیں جو سابقہ شریعت کے تازہ کرنے والے ہوتے تھے بلکہ رسولؐ جو تھے انہوں نے اس نور الٰہی کو کتابی شکل میں اپنے بعد باقی بھی چھوڑا تھا۔ ان کی کتابوں میں موجود نور الٰہی بھی متعلقہ پیغمبروں کے قلوب سے بذریعہ جبرائیل منعکس ہوا تھا اور بعد میں بھی آج تک ان کا تعلق اپنے نبی ورسولؐ کے قلب سے قائم ہے۔ اسی طرح سے قلب محمد ﷺ کا معاملہ بھی ہے۔

قرآن پاک کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیے جب آپ کوشش کرتے ہیں تو میں نے اس طویل ترین مضمون میں شروع سے تادم تحریر جو واردات لکھی ہے اس پر عمل کرتے ہوئے حتی الوسع آپ کو اپنے اندر وہ صلاحیت پیدا کرنا پڑتی ہے کہ حجاب اٹھتے جائیں اور نور قرآن آپ تک پہنچ سکے ورنہ بغیر اس پروٹوکول کے آپ اگر قرآن پڑھیں جیسے کہ کوئی غیر مذہب بھی پڑھ سکتا ہے تو بطور ایک درسی کتاب (Text book) کے آپ اس میں موجود قوانین وقواعد اور اخلاقی اصولوں سے تو مستفید ہو سکتے ہیں جیسا کہ غیر مسلم بھی اسے اعلیٰ انسانی کوشش قرار دیتے ہوئے اور جناب محمد ﷺ کو اس کا مصنف مانتے ہوئے مستفید ہو رہے ہیں لیکن آپ اس کے مفہوم کی تہہ تک کبھی نہیں اتر سکتے۔ اس میں جاری وساری نور الٰہی کو کبھی نہیں پا سکتے تو ذرا سوچئے کہ غیر مسلم بھی اسے اعلیٰ قانون واخلاق کی اور معاشرتی ومعاشی اصلاحات کی کتاب تو مانتے ہیں۔ اس سے یقیناً مستفید ہو کر انہوں نے بڑی دنیوی ترقی بھی کی ہے لیکن وہ تقویٰ، ایمان اور نور کیوں حاصل نہیں کر سکے؟

s نور الٰہی کا خفیہ کرنٹ قلب محمد ﷺ سے ملتا ہے:

یہ معمولی نہیں بلکہ بہت بڑا سوال ہے۔ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ وہ بطور پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے۔ سو اس لیے وہ خفیہ کرنٹ جسے نور الٰہی کہتے ہیں جس کا منبع ہمارے لیے قلب محمد ﷺ ہے ان کی سمت نہیں بہتا اور وہ روح قرآن سے محروم رہتے ہیں۔ اب ایک سوال ہے کہ امت محمد ﷺ میں جو لوگ حضرت محمد ﷺ کو رسول اللہ ﷺ مانتے ہیں وہ کیوں اس کرنٹ سے نور سے مستفید نہیں ہو سکتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آج کل منافقوں کی اکثریت ہے جو زبان سے اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل اس ایمان کی تصدیق نہیں کرتے تبھی ان کے کام خلاف قرآن، خلاف حکم محمد ﷺ،

Marfat.com

خلاف حکم الٰہی ہیں۔ یاد رکھیے قرآن پہلے حکم محمد ﷺ ہے پھر حکم الٰہی ہے اگر نیچے سے اوپر جائیں اور اگر اوپر سے نیچے آئیں تو پہلے حکم الٰہی ہے پھر حکم محمد ﷺ ہے پھر قرآن ہے، پھر ہم ہیں اہل قرآن۔ یہ چیزیں الفاظ میں سمانے والی یا الفاظ سے سمجھانے والی نہیں ہیں۔ الفاظ میں جو کچھ سما سکتا تھا وہ قرآن پاک کے الفاظ میں آ گیا اس سے بڑھ کر نعوذ باللہ کن الفاظ میں یہ نورانی حقائق سما سکتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ قرآن کے نور کو اس سے سمیٹنے کے لیے کوئی پیمانہ کوئی ظرف تو چاہیے۔ پس آپ حسب ظرف ہی اس کا نور حاصل کر سکتے ہیں اور یہ جو ظرف ہے یہ ہے کیا چیز؟ یہ محمد رسول اللہ پر ایمان کی حدِ کاملیت کا نام ہے یہ محمد ﷺ سے محبت و عشق کا نام ہے۔ محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حقیقت میں محمد ﷺ کے قلب اقدس سے عشق کا نام ہے جس میں رب بستا ہے۔ رب کا نور بستا ہے، جس سے عالمین کے لیے نور کا چشمہ جاری و ساری ہے۔ حقیقت میں تو یہ عشق الٰہی کا نام ہے لیکن عشق الٰہی ڈھونڈیں کہاں سے؟ قرآن پاک سے۔ حضرت محمد ﷺ نے قرآن پاک کی شکل میں ہمیں وہ انمول خزانہ اللہ کے حکم سے عطا فرمایا ہے کہ جس پر کامل یقین سے اور یقین ہی کا نام ایمان ہے اس لیے کامل ایمان سے 100% ہر حال میں بغیر کسی ٹیڑھ کے بغیر کسی کمی بیشی کے بغیر کسی شک کے، بغیر کسی توڑ مروڑ کے پوری جان و دل سے شوق و ذوق سے، محبت سے بلکہ عشق کی حدوں کو چھوتی ہوئی محبت سے ہم وہ نور پا سکتے ہیں جس کی ہم تلاش میں بھٹکتے پھر رہے۔ یاد رکھیں آپ جتنی مرتبہ اور جس ذوق و شوق سے قرآن پڑھیں گے اس پر غور کریں گے اس کے ہر ہر مقام سے گزرتے ہوئے خود پر وہ کیفیت طاری کریں گے جس کا وہ متقاضی ہے تو پھر ہر دفعہ نئے نئے نکتے آپ پر کھلیں گے، قرآن کے نئے عجائبات آپ کے سامنے آئیں گے یاد رکھیں کہ جب ایسے مقامات پر دل کی عجب کیفیت ہو اور آپ پر رقت طاری ہو جائے تو عشق الٰہی میں روتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے دل سے محبت کو بڑھایئے اور حضرت محمد ﷺ کے لیے دعا مانگتے ہوئے رویئے کہ کیا تحفہ تھا جو ہم تک پہنچانے اور ہمیں تعلیم و ترتیب دے کر ایک اعلیٰ قوم و امت بنانے کے لیے حضرت محمد ﷺ نے زندگی کے قیمتی ترین 23 سنہری سال بے پناہ دکھ، تکالیف اور پریشانیاں اٹھائیں قربانیاں دیں، اور خود کو لہولہان کروایا۔ پتھر کھائے، طعنے سنے، اپنے پرایوں کا ہر ظلم برداشت کیا، مال و زر لٹایا، سکھ چین گنوایا، عزیزوں رشتہ داروں کو مصائب کا شکار کیا، فاقے اور معاشرتی مقاطعہ برداشت کیا۔ پھر جس کے نتیجے میں امت کو تو سکھ مل گئے لیکن اولادِ محمد ﷺ کو کربلا ملا یہ سب سوچ کر خوب رویئے اور آپ ﷺ کے لیے ہر نشستِ قرآن میں یا نماز میں دعا کیجیے یوں دھیرے دھیرے قلب محمد ﷺ سے رشتہ استوار ہوتا جائے گا نہ صرف قرآن پاک کے حجابات کے ہزاروں گوشے دھیرے دھیرے بے حجاب ہونے لگیں گے بلکہ بارگاہ محمد ﷺ میں جو قلب محمد ﷺ کے اندر ہے اور خود آپ کے قلب و روح کے اندر بھی ہے آپ کی حاضری ہوگی پھر حاضریوں اور نورانی سوغاتوں کا ایک سلسلۂ درس و تدریس اور انعام و اکرام بفضل تعالیٰ شروع ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے خصوصی دعا بھی شامل حال رکھیں اور باقی پیغمبرانؑ سے محبت بھی دل میں رکھیں۔ خدانخواستہ کسی بھی پیغمبرؑ کے متعلق بُغض کو اپنے دل میں کبھی بھی نہ آنے دیں ورنہ کچھ

Marfat.com

بھی کریں منزل کھوٹی رہے گی۔ ایک وضاحت کرتا چلوں کہ یہ جو میں نے محمد ﷺ و اولاد محمد اور اہل بیت نبی ﷺ کے دکھوں و مصائب کا ذکر کیا ہے اور ان کے لیے رونے کا یہ ایسے دیدہ وروں کے لیے رونا ہے ایسے تکمیل اخلاق و حکم الٰہی کے اچھوتے نمونوں اور انمول ہیروں کے لیے رونا ہے جنہوں نے بفضل تعالیٰ یہ سب کر دکھایا، خود کو اہل بیت نبی ثابت کر دکھایا۔ یہ ان کی نورانی کشش میں آنکھوں کے ذریعے دل کا نذرانہ ہے جو آنسو بن بن کے پلکوں سے چھلکے گا۔ اصل میں یہ۔

عشق الٰہی کا دریا ہے جو عشق محمد ﷺ کی مجازی شکل میں آنکھوں سے حسب توفیق بہہ نکلتا ہے:

اور اس انمول آنکھوں سے بہتے چشمہ میں ہی کہیں نور حقیقت کے تار جڑے ہوتے ہیں۔ میں نے سب کے اس خاص وقت کی عبادت کے لیے اتنی تمہید اس لیے باندھی کہ آپ کو اس کی اصل اہمیت بتلا سکوں ورنہ آپ قرآن کے متن کا مطالعہ کرتے ہی رہ جاتے۔ گو کہ وہ بھی ضرور اہمیت و وزن اور خواص رکھتا ہے اگر نیت کے خلوص سے کیا جائے بطور مُسلم۔ لیکن جس گہرائی اور درست سمت کا تعین ہم نے کیا ہے اس کی بات ہی اور ہے۔ یہ شریعت سے طریقت پھر حقیقت کا سفر ہے۔ یہ عام نہیں ہے خاص ہے پھر خاص الخاص ہے اور مستور ہے اس سفر کے زمین و آسمان ہی اور ہیں۔

عبادات کی سمت واپسی:

آیئے اب اس وقت خاص یعنی رات کے ساتویں و آٹھویں پہر کی عبادت کی طرف۔ اللہ پاک نے قرآن مجید کو ''الذکر'' کہہ کر متعدد جگہ پکارا ہے گویا کہ قرآن سب کا سب از خود افضل ترین ذکر ہے۔ اگر ایک لفظ کے ذکر میں سب کچھ سمیٹنا چاہیں تو وہ ہے ''اللہ''۔ اگر دو الفاظ میں ذکر چاہیں تو وہ ہیں ''اللہ اکبر''۔ اگر قرآن مجید کا مختصر ترین خلاصہ چاہیں تو وہ ہے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔ اگر بہترین حمد اور مختصر ترین حمد الٰہی چاہیں تو وہ ہے۔ ''لا الٰہ الا اللہ''۔ یہ حمد الٰہی بھی ہے ہر طرح کے شرک کی قاطع بھی ہے اور مکمل افضل ذکر مختصر بھی ہے۔ لیکن مکمل ترین، جامع ترین، مفصل ترین اور ہر شے پر محیط، عجائبات کی دنیا، اللہ کے جاہ و جلال اس کے خاص بندوں کے معاملات و حدود اور اللہ تک پہنچنے کی مکمل کلید key قرآن مکمل ہی ہے۔ اس لیے میں آپ کو اس وقت خاص میں جبکہ آپ ہر طرح کے شور شرابے، ذمہ داریوں اور دیگر معاملات سے مکمل طور پر ان ساعتوں میں کٹے ہوئے ہیں آپ ہیں اور آپ کا ربِ سمیع و علیم ہے ایسے میں دو دو رکعت میں یا چار چار رکعت میں یا مسلسل جب تک چاہیں اتنی رکعت میں نماز تہجد کی تلقین کرتا ہوں۔ اس اہتمام کے ساتھ کہ ہر رکعت میں اگر آپ قرآن کے بامفہوم و متن حافظ نہیں ہیں تو قرآن پاک ہاتھ میں اٹھالیں اسے کھول لیں اپنے دائیں ہاتھ ایک قدرے اونچا پاک صاف اسٹول یعنی میز یا شیلف رکھ لیں جس پر رکوع و سجدہ میں جانے سے پہلے آپ قرآن پاک رکھ سکیں اور نماز شروع کر دیں بہتر ہے دو دو رکعت کر کے نوافل ادا کریں عام طور پر نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اسی طرح نماز ادا کی ہے گو کہ نبی پاک ﷺ نے مسلسل 7 اور 9 رکعت تک بھی ادا کی ہیں۔ تاہم ہمارے لیے دو دو رکعت احسن ہیں سنت بھی ہے اور ہر دوسری رکعت کے

Marfat.com

بعد قعدہ میں درود شریف اور مختصر دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے میں ایسی ہر رکعت میں قرآن پاک کو ہاتھوں میں پکڑ کر تلاوت کرنے اور ہر ہر آیت پاک کا معنی و مفہوم نہ صرف ساتھ ساتھ پڑھنے بلکہ اس پر اسی نماز کی قیام کی حالت میں غور و تدبر کرنے کی آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ ہر رکعت کتنی دیر کی ہو کتنا وقت لگے؟ یہ کوئی تخصیص نہیں ہے جب دل چاہے جب تک سکون و لطف مل رہا ہو۔ بغیر کسی بوجھ وا کتاہٹ کے بات اندر اتر رہی ہو۔ قرآن دل میں جذب ہو رہا ہو پڑھتے رہیں۔ جوں ہی تھوڑی سی توجہ ہٹنا شروع ہو، سمجھیں کہ ایک رکعت کا وقت پورا ہو گیا یہ دل کا معاملہ ہے دل بتا دیتا ہے۔ پس پھر رکوع و سجود تسلی سے کریں اس طرح سے دو متواتر رکعت کے بعد سلام پھیریں اگر کچھ توقف کرنا چاہیں تو کر لیں یہ آپ کی طوالت نماز پر منحصر ہے یا پھر چار رکعت کے بعد تھوڑا آرام کر لیں یہ بھی آپ کے اندر سے کوئی چیز بولے گی کہ اب پڑھتے جاؤ عبادت کرتے جاؤ اب آرام کر لو وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے دو دو رکعت کر کے جب تک قرآن پاک آپ کے دل میں اثر کرتا ہوا اپنے معنی و مفہوم اور عجیب اثرات و نکات کے ساتھ اپنی برکات جذب کرتا رہے یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ رکوع و سجود کی طوالت و اختصار کی یا نماز کی رکعتوں کے اختصار و طوالت کی کوئی قید نہیں ہے یہ آپ کی تسلی و تشفی اور آپ کے دل کی کیفیات پر منحصر ہے۔ کبھی طویل کبھی قدرے کم کبھی مختصر ہو سکتی ہیں۔ پس اپنے اوپر جبر کسی وقت کسی حال میں نہ کریں۔ طبیعت کی کیفیات بدلتی رہتی ہیں۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ "جب تک طبیعت عبادت کی طرف مائل نہ ہو نماز پر (نفل نماز) کھڑے نہ ہوں اور جب تک مائل رہے صرف تب تک عبادت کرو کیونکہ دل کی کیفیات تبدیل ہوتی رہتی ہیں یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے"۔ سو آپ اس اصول کے تحت جب تھک جائیں اور مزید طبیعت میں گنجائش نہ ہو تو سلسلہ نماز تہجد منقطع کر دیں۔ آپ آہستہ آہستہ محسوس کریں گے کہ آپ عام نمازوں کی نسبت اس نماز اور اس طریق کی نماز پر خاصہ وقت صرف کرنے لگے ہیں آپ کو اس مبارک عبادت میں وقت کا احساس نہ ہوگا۔ باقی وقت میں جو ذکر میں نے اوپر تحریر کیے ہیں ان میں سے جو ذکر اختیار کرنا چاہیں کچھ دیر آرام یا چہل قدمی یا توقف کے بعد تازہ وضو سے شروع کر دیں اگر وضو وقفہ میں ٹوٹے تو کوئی حرج نہیں لیکن مقام عبادت سے دور چلے جائیں۔ مقام عبادت پاکیزہ جگہ ہے یہاں پر ریح یا پیٹ کی گیس خارج کرنا منع ہے۔ اپنی تسلی کر کے اور طبیعت کو عبادت پر مائل کر کے پھر مذکورہ ورد اختیار کریں جب تک طبیعت مائل نہ ہو چاہے کتنا ہی وقت گزر جائے عبادت دیگر یعنی ورد و وظائف کی جانب مت آئیں۔ پچھلے صفحات پر جو دھیرے دھیرے خوراک کم سے کم کرنے کی ہدایت کی گئی تھی آپ یقیناً اس پر عمل کرتے کرتے ہی عبادات کو دھیرے دھیرے بڑھاتے ہوئے اس مقام تک پہنچے ہیں کیونکہ یک لخت اتنی عبادت و ریاضت ایک ہی جھٹکے میں شروع کر دینا سختی سے منع ہے۔ نہ تو آپ کا جسم، نہ ہی آپ کی جان، نہ آپ کی طبیعت، نہ آپ کی فطرت اسے برداشت کر سکتی ہے یہی حال نیند کو اور دنیا داری کو دھیرے دھیرے کم کرنے اور گفتگو کو کم سے کم کرنے کا ہے۔ چنانچہ ان سب ابتدائی مراحل سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچیں چاہے اس میں کئی ماہ و سال لگ جائیں کوئی حرج نہیں ہے یہ بہتر ہے۔ خلاف ورزی اور تیس

Marfat.com

مارخان بننے کی کوشش میں آپ بیمار پڑ جائیں گے، اکتا جائیں گے، سٹھیا جائیں گے، عبادت سے برگشتہ ہو جائیں گے، راستہ بھٹک جائیں گے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شیطان انسان کی ہر کمزوری سے فائدہ اٹھاتا اور ہزار طرح کے جال چہرے بدل بدل کر پھینکتا ہے۔

تصوّر اللہ ذات اور ذکر خفی کا طریقہ و مشق اور کمال:

انسان ایسے نازک لمحات میں شیطان کو نہیں پہچان سکتا۔ پردوں میں چھپے شیطانی تصرّفات کو حق سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ اس لیے جو بھی کام کریں استاد کی رہنمائی میں کریں اور اس کی ہدایات کی روشنی میں قدم قدم چلتے ہوئے کریں۔ پس اس طرح سے ورد جاری رکھیں خوب محویّت کے ساتھ ذکر خفی اختیار کیے رہیں اور تصور کریں کہ اللہ پاک کے حضور آپ حاضر ہیں اللہ پاک کی نگاہوں میں ہیں، قرب میں ہیں۔ اس تصور کے ساتھ ذکر کرتے رہیں۔ اس کے بعد خوب ذکر کر کے وقت فجر داخل ہونے سے تقریباً 45 منٹ ایک گھنٹہ قبل اپنے ذہن سے ہر طرح کے خیالات نکال کر قبلہ رو بیٹھ جائیں جو نشست پر سکون لگے اس طریق نشست میں بیٹھ جائیں اور خود کو مقام ''لا'' پر ٹھہرائے رکھنے کی کوشش کریں یعنی کچھ بھی نہیں ہے آپ ہیں اور اللہ ہے۔ اس تصور کو باندھنے کے لیے کسی چارٹ پر نہایت صاف بڑا اور خوبصورت لفظ ''اللہ'' لکھوالیں بہتر ہے کہ چارٹ کامل سیاہ رنگ کا جبکہ لفظ ''اللہ'' بالکل شفاف سفید ترین چمکتے ہوئے رنگ کا لکھا ہو۔ یوں دِکھے جیسے نُور سے لکھا ہے۔ اس چارٹ کو اپنے بالکل سامنے ٹانگ دیں بلکہ دیوار پر پکا چسپاں کر دیں ہر وقت وہیں رہا کرے جدھر قبلہ رو ہو کر آپ نماز پڑھتے ہیں۔ پس لائٹ چونکہ بند ہے اس لیے اپنی پشت پر یا اپنے سامنے کہیں لیمپ کو اس طرح ایڈجسٹ کریں کہ اس کی لائٹ صرف لفظ اللہ کو فوکس کرے نہ تو اتنی تیز کہ آنکھوں میں چبھے اور نہ اتنی کم کہ اللہ کے نام کو نورانی شکل دینے سے قاصر ہو۔ اس حالت میں ذہن کو ''لا'' کے مقام پر مرکوز کر دیں نگاہوں میں بھی اللہ ہو، خیال میں بھی اللہ ہو اور صرف اللہ ہی اللہ ہو۔ حتیٰ کہ اپنے وجود کو بھی دھیرے دھیرے فراموش کر دیں۔ پس اس کیفیت کی روزانہ زیادہ سے زیادہ مشق کریں۔ پہلے ہی دن کامیابی حاصل نہ ہو جائے گی ایسی توجہ کے لیے بڑی مشق چاہیے، جس طرح سے آپ ایک دن یا چند دن میں بڑے نہیں ہو سکتے، پورے جوان نہیں ہو سکتے اور ہر کام دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ سے آگے بڑھتا ہے اسی طرح سے یہ کام بھی دھیرے دھیرے محنت، کوشش، عزم،، یقین و ایمان اور دلجمعی سے آگے بڑھے گا۔ آپ نے اکتانا یا گھبرانا نہیں ہے۔ آپ نے اس کیفیت میں کچھ پڑھنا بھی نہیں ہے۔ میں اب یہاں یہ دو تین طریقے بیان کروں گا۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ بغیر کچھ پڑھے صرف تصوّر سے سب کچھ ذہن سے جھٹک کر مقام ''لا'' پر آنے کی کوشش کریں اور پہلے کچھ دن مذکورہ طریق سے لفظ اللہ پر کھلی آنکھوں سے یوں تصور جمائیں کہ جیسے اللہ پاک ہی سامنے اپنے نام میں موجود ہیں اور اللہ سے نور پھوٹ کر چارسُو روشنی بکھیر رہا ہے یعنی جو روشنی لیمپ کی ہے (لیمپ کا بلب دودھیا ہو سفید روشنی والا) وہ تصوّر یوں کریں کہ لیمپ کی نہیں ہے بلکہ چاروں

Marfat.com

طرف اندھیرا ہے اور روشنی لفظ اللہ سے پھوٹ کر چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ چونکہ لفظ اللہ میں اللہ پاک موجود ہیں۔ پس یہ تصور کچھ دن کھلی آنکھوں سے جما کر اسے اپنے ذہن پر واضح طور پر نقش کر لیں تا کہ جب آپ تصور کریں آنکھیں بند کر کے تو بھی چشم تصور سے وہی صورت حال بالکل اصل حالت میں آپ کی بند آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جائے۔ اب آپ کو کھلی آنکھوں سے لفظ اللہ پر دھیان جمانے یا لیمپ روشن کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اگر چشم تصور والی مشق میں دقت ہو رہی ہو تصور نہ ٹھہرتا ہو تو پھر مزید کچھ دن کھلی آنکھوں اور لیمپ کی مدد سے لفظ اللہ پر حسب سابق دھیان و نگاہ کو جمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ جلد ہی چشم تصور سے اسی عمل کو کرنے کے قابل ہو جائیں گے لیکن ظاہر ہے کہ کھلی آنکھوں مشاہدے کی نسبت یہ بند آنکھوں چشم تصور سے مشاہدہ کم مضبوط ہوگا۔ شروع شروع میں وہ لفظ اللہ والا منظر اور اس سے نور و روشنی پھوٹنے کا منظر چشم تصور میں ایک دم سے نہ ٹھہرے گا کچھ کچھ دیر پھر زیادہ وقفے کے لیے دھیرے دھیرے دن بدن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹھہرنے لگے گا۔ اب ان شاء اللہ منظر غائب کم ہوگا ٹھہرے گا زیادہ۔ اصل میں ذہن کو دیگر خیالات سے پاک کر کے مقام ''لا'' پر لانا بھی بڑی مشق مانگتا ہے کسی قسم کی آواز یا تحرک نہیں ہونا چاہیے۔ بے سکونی و بدنی تکلیف و بوجھ یا دباؤ نہیں ہونا چاہیے اور ذہن کو خیالات سے پاک کر کے لفظ اللہ پر جمانے کی مشق مسلسل کرتے رہنا چاہیے بار بار دیگر خیالات و مناظر ذہن کے پردے پر ابھرتے رہیں گے۔ شروع شروع میں مگر پھر پریکٹس سے دھیرے دھیرے کمزور پڑ جائیں گے اور تصور خوب جمنے لگے گا۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ایسے کام میں شیطان مداخلت بھی خوب کرنے کی کوشش کرتا ہے آپ جتنی محنت کر کے اس مقام پر آئے ہیں اور تقویٰ حاصل کر چکے ہیں گو کہ شیطان دوڑ کر آپ پر حملہ ان شاء اللہ نہ کر سکے گا مگر پھر بھی جیسا کہ پہلے صفحات میں بیان کیا تھا کہ اس برتے پہ نہ رہنا کہ شیطان آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ اس مشق کے دوران آپ کے ذہن میں بغیر آپ کے چاہے ایسے ایسے غلیظ خیالات و مناظر بھر سکتا ہے اور بھرتا بھی ہے کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے اور وہ خیالات و مناظر ایسے ہو سکتے ہیں کہ آپ سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں اور خود کو ایسا گناہگار سمجھنے لگیں جو کبھی بخشا ہی نہیں جا سکتا ،آپ ان خیالات کا خود کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے لیکن آپ ایسا نہ کریں آپ خوب سمجھ لیں کہ یہ شیطان اور اس کی فوج کر رہی ہے۔ آپ اپنے تصور اسم اللہ ذات کو قائم رکھنے کی کوشش جاری رکھیں اور ہر طرح کے خیالات چاہے جیسے بھی مکروہ، شیطانی، شہوانی یا ننگے ہوں جھٹکنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ یہ سمجھیں کہ آپ اللہ کے بندے ہیں، شیطان کے نہیں اور شیطان سے آپ کا مقابلہ ہے۔ نیز یہ کہ اللہ پاک آپ کے ساتھ ہیں۔ یقین کریں یہ یقین اس منزل پر آپ کی کامیابی کے لیے بڑا کام کرے گا اور ایک دم نہیں لیکن دھیرے دھیرے کئی دنوں کے بعد نہ صرف شیطانی مداخلت معدوم پڑنے لگ جائے گی بلکہ دیگر خیالات کی رو جو کہ ہمارے اذہان کے پردہ پر ہر وقت منعکس ہوتی رہتی ہے اس کا تسلسل بھی ٹوٹنے لگے گا۔ دھیرے دھیرے آپ ذہن کو مقام ''لا'' پر لانے اور مقام الا اللہ پر آنے کے قابل ہوتے جائیں گے اب زیادہ دیر تک یہ تصور اسم اللہ آپ کے

Marfat.com

ذہن پر قائم ہونے اور ٹھہرنے لگے گا۔ شروع میں تھوڑی دیر کی مشق سے شروع کر کے وقت تصور کو دھیرے دھیرے بڑھاتے بھی جائیں۔ ان شاء اللہ ایک وقت کئی ہفتوں یا مہینوں کے بعد وہ بھی آجائے گا کہ آپ کا تصور لفظ اللہ پر ٹھہر جائے گا اب آپ جتنی دیر چاہیں اس کا مشاہدہ کریں اور اس سے نور کے پھوٹنے کے منظر کو دیکھیں۔ پہلے تو آپ نے مصنوعی طور پر یہ منظر قائم کیا تھا اور مصنوعی روشنی کے استعمال سے نور کو پھوٹتے دیکھا تھا جو کہ چشم تصور میں بھی منعکس ہونے لگا اور منظر ٹھہرنے لگا اس منظر کا دورانیہ بھی بڑھنے لگا اور دیگر خیالات کی مداخلت کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ لیکن اب دھیرے دھیرے اس لفظ اللہ سے جسے آپ اللہ کی ذات کا مظہر ہی تصور کرتے رہے ہیں۔

حقیقت میں اللہ کے نور کی پھواریں اسی چشم تصور میں پھوٹنے لگیں گی:

اسم اللہ کی آب و تاب میں دن بدن اضافہ ہونے لگے گا۔ عجب نور پھوٹتا اور چار سو پھیلتا دکھنے لگے گا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا سلامتی والا چودھویں کے چاند سے کہیں زیادہ دلکش وخوبصورت نور جس کی کوئی مثال ممکن نہیں ہے آپ مشاہدہ فرمائیں گے۔

معرفت الٰہی کے راز کبھی بھی فاش نہ کریں ورنہ سزا ملے گی:

اس طرح سے اس میں سفر و مشق جاری رکھنے سے ترقی ہوتی جائے گی پہلے نور ہی نور دکھتا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ پھر اسی نور سے دیگر عجائبات خداوندی اور معرفت الٰہی کے راز آپ پر منکشف ہونگے لیکن خوب خوب نصیحت پلے باندھ لیں کہ ان میں سے کسی بھی بات، کسی بھی راز، کسی بھی عجب چیز بلکہ اس واردات قلبی کی رتی برابر خبر بھی کسی قسم کی اچھی یا بری نیت سے کسی کو نہیں دینا چاہیے کوئی بھی ہو۔ ہاں اگر کسی کو کوئی ہدایت کرنا یا تعلیم دینا چاہیں تو محض گھما پھرا کر تمثیلاً کسی دنیوی مثال سے اس کی ہدایت کی غرض سے دین کے ساتھ touch کر کے شرعی زاویہ سے سمجھائیں ورنہ سخت سے سخت سزا ملے گی۔ آپ پھانسی بھی چڑھ سکتے ہیں کسی بیماری یا کسی جیل میں بھی گل سکتے ہیں اپنے مقام سے گرتے گرتے صفر بھی ہو سکتے ہیں۔ ضروری تاکید ہے۔

دوسرا طریق اسی اللہ اسم ذات کو حسب سابق کھلی آنکھوں سے بغیر پلک جھپکائے مسلسل ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا ہے:

اور آنکھ نہیں جھپکنا چاہیے، کسی قسم کی تیز ہوا یا تیز روشنی نہ ہو۔ بس حسب سابق وہی لیمپ اور وہی روشنی ہو غیر تکلیف دہ۔ شروع شروع میں چند سیکنڈ کے بعد آنکھ جھپک جایا کرے گی۔ آنکھوں میں پانی بھی بھرنے لگے گا لیکن پرواہ نہ کریں۔ ہر خیال کو جھٹک کر خود کو بھی بُھلا کر ٹکٹکی باندھنے کی بار بار مشق کرتے رہیں۔ مسلسل پریکٹس سے پلک جھپکنے کے وقت یعنی دورانیہ میں اضافہ ہوتا جائے گا اور آنکھوں میں پانی بھی جلد نہیں بھرے گا۔ کئی دنوں، کئی مہینوں کی مشق کے بعد آپ 1/2 گھنٹے تک پھر ایک ایک گھنٹہ تک بھی ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے آپ دیکھیں گے کہ کچھ دیر کی ٹکٹکی کے بعد اسم اللہ تو آنکھوں کے سامنے سے دھندلا ہو کر غائب ہو جائے گا اور محض دودھیا ٹھنڈی سی روشنی رہ جائے گی۔ یہ مشق جاری رکھیں۔ اس کے لیے

Marfat.com

آپ کی جسمانی اور ذہنی صحت بالکل ٹھیک ہونا چاہیے اور بہتر ہے اس سے قبل کچھ آرام بھی کر چکے ہوں۔ اس مشق کے لیے نیند بھی دن رات کی ملا کر قدر زیادہ ہونا چاہیے تا کہ ذہن fresh اور زیادہ طاقت ور ہو۔ جب دودھیا نورانی روشنی مستقل ٹھہرنے لگے زیادہ زیادہ دیر کے لیے تو پھر ان شاء اللہ اسی طرح سے اس میں سے بھی مناظر دکھنے لگیں گے۔ زمان و مکان کی قید سے نکل کر آپ ماضی و مستقبل میں سفر کے قابل بھی ہو جائیں گے کسی دیگر شخص کے حالات بھی منکشف ہو سکیں گے نیز باقی اللہ کے راز و معرفت بھی کھلتے رہیں گے مگر جتنا رب چاہے۔ اس پریکٹس کو جاری رکھیں نماز فجر سے 15 یا 20 منٹ پہلے کا الارم گھڑی پر لگا دیں۔ ایسا الارم ٹیون کریں جو آپ کو ایک دم پریشان نہ کر دے دھیمی سی میٹھی سی ٹیون ہو تا کہ آپ واپس اپنی اصل حالت میں آ کر دو رکعت مختصر نوافل اور ایک وتر کی رکعت پڑھ کر دعا کر سکیں۔

تیسرا طریق تصور اسم اللہ ذات + اللہ ھُو کا ورد خفی + مخصوص سانسوں کی مشق:

ایک طریقہ یہ بھی ہے اور یہ ایک بہت بڑے روحانی گروہ کا طریق ہے کہ بالکل اسی طرح سے لفظ "اللہ" کو سامنے آویزاں کر کے اس پر اسی طرح سے سفید لائٹ ڈال کر پہلے اسے چند دن دیکھ کر ذہن پر نقش کریں اس میں پلکیں نہ جھپکانے کی پابندی نہیں ہے۔ پس پلکوں کی طرف دھیان ہی نہ دیں اسے مسلسل دیکھتے رہیں پلک کب جھپکی کب نہیں اس پر توجہ ہی نہ دیں۔ جیسے عام حالات میں ہم توجہ نہیں کرتے۔ پس لفظ یا اسم اللہ ذات پر توجہ دیں اسی طرح سے اس سے نورانی لہروں کا پھوٹنا تصور کریں اور تصور کریں کہ یہ نورانی لہریں وہاں سے پھوٹ کر آپ کی سانسوں کے ذریعے آپ کے دل میں آپ کے سینے میں آپ کے قلب میں جذب ہوتی جا رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سانس اندر کی جانب ناک سے لیتے ہوئے کیونکہ آپ کا منہ بالکل بند اور ہونٹ بھی بند ہونگے۔ لفظ اللہ سانسوں سے ہی کہنا ہے نہ ہونٹ ہلیں نہ زبان کو جنبش ہو نہ ہی (تالو) حلق کو حرکت ملے۔ چونکہ آپ تصور کر رہے ہیں کہ سامنے موجود اسم اللہ ذات یعنی اللہ کا ذاتی نام نورانی شعاعیں خارج کر رہا ہے جو آپ کے سانسوں کے ذریعے آپ کے اندر آپ کے دل میں داخل ہو رہی ہیں۔ شاید آپ سوچیں کہ سانس تو پھیپھڑوں میں جاتی ہے دل میں کہاں سے جا سکتی ہے وہاں تو خون جاتا ہے تو بھائی یہ سانس کا نور پھیپھڑوں کے ذریعے خون میں جذب ہو کر سیدھا دل ہی میں تو جاتا ہے جہاں وہ اسے سارے جسم میں روانہ کرتا ہے ہم اسے آکسیجن کہتے ہیں لیکن آکسیجن مجازی شے ہے اس کے اندر ایک شے سرایت کی ہوئی ہے جو اللہ کا نور ہے۔ اصل میں وہی ہماری خوراک ہے وہی ہر شے کی خوراک ہے وہی ہر شے کی اصل ہے اسی سے ہر شے بنی ہے وہ ہزاروں لاکھوں ان گنت رنگ ڈھنگ بدلتا ہے۔ اس میں مجازاً تو انرجی ہے لیکن حقیقتاً یہ ہماری روح سے وابستہ ہے اور اسی کے کرنٹ سے اسی نور سے سب کی سب کائنات نہ صرف جڑی ہے بلکہ اللہ پاک کا رابطہ بھی ہر لحظہ ہر شے سے ہے۔ سانس بند ہو جانے سے جب نور کا ذخیرہ جسم میں ختم ہو جائے تو روح جسم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ یوگی اور سانس کی مشق کرنے والے دیگر لوگ مختلف طریقوں سے سانس بند کر کے بھی کئی گھنٹے یا کئی دن زندہ رہ

Marfat.com

لیتے ہیں ان کا دل بھی دھڑکنا بند ہو جاتا ہے لیکن چونکہ نور جسم میں سٹور ہوتا ہے وہ مخصوص وقت تک جسم کو مرنے نہیں دیتا نہ ہی روح کو نکلنے دیتا ہے۔ جب سانس بحال کرنے کے سامان کیے جاتے ہیں تو نور دل کو کرنٹ دیتا ہے دل جھٹکے سے پھر کام کرنے لگتا ہے اور سانس چلنے لگتی ہے روح میں نور جتنا سماتا جاتا ہے روح میں روحانی صداقت پیدا ہوتی جاتی ہے روح لطافت حاصل کرتی جاتی ہے آکسیجن کثافت کا منبع اور نور لطافت کا منبع ہے لیکن یک جان دو قالب ہو کر سانسوں میں چلتے مگر اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ ایمان و تقویٰ روح میں اس نور کی کشش بڑھاتا ہے جاذبیت پیدا کرتا ہے اس سے بھی روح لطافت حاصل کرتی ہے اور یہ بنیاد ہے۔ اس بنیاد کے بغیر اوپر عمارت تعمیر نہیں ہو سکتی۔ صرف ایمان و نیکی کے ذریعہ بھی اللہ کا نور غیر شعوری طور پر سانسوں کے ذریعے روح کو بالیدگی و لطافت بخش کر ترقی دیتا رہتا اور اٹھاتا رہتا ہے عروج کی طرف لیکن جو مشق بتائی جا رہی ہے یہ آپ کے کام کو چار چاند لگا دیتی ہے یوں کہیں کہ آپ پیدل تھے ایمان و تقویٰ نے آپ کو آرام دہ گاڑی پر سوار کروا دیا جتنی ایمان و تقویٰ کی بڑھوتری ہوئی آپ اعلیٰ سے اعلیٰ سہولتوں سے مزین گاڑی یا جہاز پہ بیٹھ گئے لیکن یہ ''اللہ'' ذات کی مشق اور ورد سے آپ آواز سے بھی تیز سپر سانک جیٹ طیارہ پر یا راکٹ پر یا براق پر بیٹھ گئے۔ (اپنی حیثیت کے براق پر نہ کہ حضرت محمد ﷺ والے)۔

یہ نورانی شعاعیں آپ کے اندر جذب ہو کر سٹور ہو رہی ہیں اللہ کا نور آپ کے جسم میں آپ کے دل میں ٹھاٹھیں مار رہا ہے سارے جسم میں بہہ رہا ہے اس کی روشنی آنکھوں کو چندھیا دینے والی ہے۔ سانس کو اندر کھینچتے وقت ''اللہ'' دل ہی دل میں کہیں جیسے سانسوں سے کہہ رہے ہیں۔ آپ کے بولنے والے نطق والے sound system کا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر جب سانس معمول کے مطابق باہر نکالیں تو آپ کی سانسوں سے ہلکی سی ''اللہ ھُو'' کی آواز آئے چاہے کانوں کو سنائی نہ دے لیکن آپ اسے محسوس کریں کہ واپسی سانس جب باہر نکلتی ہے ''ھُو'' کی آواز پیدا ہوتی ہے یا آپ کا دل سانس واپس کرتے ہوئے ''ھُو'' کہہ رہا ہے۔ پس یہ مشق ہے پہلے کھلی آنکھوں سے سامنے دیکھ کر کچھ عرصہ مشق کرنا ہے جب تصور پک جائے تو پھر آنکھیں بند کر کے یہی سب مشق شروع کر دیں جہاں تصور ٹوٹے بیشک آنکھیں کھول کر کرنا شروع کر دیں۔ دھیرے دھیرے بند آنکھوں سے مشق بڑھتی جائے گی وقت بھی زیادہ ہوتا جائے گا۔ پہلے پہل تصور ''اللہ'' ذات تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے قائم ہوگا دوسرے خیالات اور شیطان مداخلت کریں گے لیکن مشق مستقل مزاجی اور یقین کامل کے ساتھ جاری رکھیں ایک وقت آئے گا کہ کھلی آنکھوں کی طرح بند آنکھوں سے بھی بالکل اسی طرح تصور مکمل ٹھہر جائے گا اور کوئی دیگر خیال کی مداخلت نہ ہوگی حتیٰ کہ مشق ''لا'' کے تحت آپ خود کو بھی فراموش کر کے مشق تصور ''اللہ'' ذات میں بڑی دسترس حاصل کر لیں گے آپ گھنٹہ گھنٹہ یا جب تک چاہیں گے اسی حالت میں نور الٰہی اپنے اندر جذب کرتے رہیں گے بلکہ بعد میں تو ان شاء اللہ خود حقیقتاً نور کی نورانی شعاعیں چاند کی ٹھنڈی چاندنی کی طرح بڑی خوبصورتی سے اسم ''اللہ'' ذات سے پھوٹ کر

Marfat.com

خود بخود آپ کے سانسوں کے ذریعے آپ کے سینے میں دل میں روح میں اترتی رہیں گی۔ایک وقت آئے گا کہ آپ کو کچھ بھی نہ کرنا پڑے گا صرف آپ اُدھر توجہ کریں گے سب کچھ خود بخود ہونے لگے گا۔آٹو میٹک ہو جائے گا۔تاہم اس کے ساتھ ساتھ جو روحانی تصرّفات و تجربات ہوں انھیں اپنے تک رکھیں۔

ایک اور ورد بالکل اسی طرح سے ''لا الٰہ الا اللہ'' کا ہے یہ بھی بہت اعلیٰ ذکر ہے:

اس میں ''لا'' کا مقام بھی ساتھ ہے اور ''الا اللہ'' بھی ساتھ موجود ہے۔اسی طرح سے چارٹ پر بجائے صرف ''اللہ'' لکھوانے اور مشق کرنے کے پورا ''لا الٰہ الا اللہ'' لکھوائیں باقی سب کچھ اسی طرح سے پہلے دیکھ کر پھر چشم تصور سے کرنا ہے۔اس مشق کو سانس اندر کھینچنے کے بعد شروع کریں جب سانس باہر نکالیں تو اسی طرح سے سانسوں سے دل سے کہیں ''لا الٰہ'' اور جب سانس اندر کھینچیں تو سانسوں سے دل میں کہیں ''الا اللہ'' ہونٹ حسب سابق بند رہیں گے حلق سے اور زبان سے نہ بولیں گے سانس ناک سے لیں گے۔اسی طرح سے ہی جب کھلی آنکھوں سے تصور پک جائے تو آنکھیں بند کر کے مشق شروع کر دیں۔لا الٰہ سانسوں سے کہتے ہوئے جب سانس باہر نکال رہے ہوں ہر شے کی نفی حتیٰ کہ اپنی ذات کی بھی نفی کی کوشش و مشق کریں اور جب سانسوں سے ہی دل میں الا اللہ کہتے ہوئے سانسوں کے ساتھ الا اللہ سے پھوٹتا ہوا نور اندر لے کر جائیں تو حسب سابق سمجھیں کہ یہ آپ کے دل میں سینے میں قلب میں روح میں بھر رہا ہے یہ سب الگ الگ چیزیں نہیں ہیں ایک ہی چیز ہے یعنی ''آپ کا اپنا آپ'' جس طرح تازی خالص آکسیجن میں کسی پر فضا ٹھنڈے مقام پر صبح طلوع آفتاب سے قبل گرمیوں میں آپ سانس لے کر سکون محسوس کرتے ہیں آپ کا دل چاہتا ہے خوب گہرے اور لمبے سانس لیں بلکہ وہیں بیٹھ جائیں یا لیٹ جائیں نرم نرم ٹھنڈی گھاس پر یا صاف چٹان پر اور آپ کا دل اس ٹھنڈی و تازہ، خنک و نم دار آکسیجن سے نہیں بھرتا اس سے کہیں بڑھ کر اس نورِ الٰہی کا سکون اس یقین سے محسوس کریں کہ ساری کائنات آپ کو مکمل کر رہی ہے اللہ کے نور میں چھپے بے پناہ خزانے آپ کو مل رہے ہیں۔عجیب دنیاؤں کے اسرار، عجیب قوتیں، عجیب تصرفات آپ کو حاصل ہو رہے ہیں۔پس ایک نہایت انمول اور نایاب خزانہ آپ کے اندر اتر رہا ہے اور سانسوں کے ذریعے جسم کے روئیں روئیں میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔آپ کے دل میں اور جسم میں نور ہی نور بھر رہا ہے آپ پورے کے پورے نور کے بن رہے ہیں، بن گئے ہیں۔آپ نور میں نہا گئے ہیں۔آپ نرے نور ہی ہو گئے ہیں اور کچھ باقی نہیں ہے۔یوں آپ اللہ کے انوار نہ صرف اپنے اندر متعلقہ اوراد کے ساتھ ٹرانسفر کرتے رہیں تصور کی زبردست طاقت و مشق کی پختگی کے ساتھ بلکہ دیدار نورِ الٰہی میں بھی مصروف رہیں اسی بہانے۔وقت کے ساتھ ساتھ عجائبات اور ہزاروں روح کے راز اسی نور کے ذریعہ کھلیں گے جنہیں اماناً دل میں دفن کیے رہیں یہ صرف آپ کے لیے ہیں آپ کے انعامات ہیں کسی سے ذکر مت کریں۔سختی سے منع ہے ورنہ آسمان سے گر کر چور چور ہو جائیں گے میری ذمہ داری نہ ہوگی۔کسی استاد کے زیرِ نگرانی اگر اصل مل جائے خوش قسمتی سے تو اس کی

Marfat.com

رہنمائی میں کرنا بہت بہتر ہے بلکہ ضروری ہے۔لیکن آج کل اس پائے کا پرہیزگار ڈھونڈنا کوہ کنی سے بڑھ کر ہے پھر ولی اللہ کے درجے پر فائز ہو یہ بڑا ہی مشکل اور نصیبوں کی بات ہے۔گو کہ اللہ کے بندے آج بھی دنیا کے ہر علاقے میں موجود ہوتے ہیں لیکن چھپے ہوئے اور پوشیدہ ہیں۔جو ظاہر ہیں ان میں 99% ٹھگ ہیں یا اپنی حدود سے متجاوز ہیں دنیا ان کو پلید کر کے بے اثر کر رہی ہے۔سو اگر کوئی مل سکے تو بہتر ہے ورنہ اللہ بے نیاز کے آسرے پر خود ہی چل پڑیے اور اللہ پاک ہی سے نرے اس کے بندے ہو کر رہنمائی مانگتے جایئے۔ان شاء اللہ آپ کو سب خزانے اپنے اندر ہی سے اپنی روح ہی سے ملیں گے۔اگر یہ مراقبے اور تصور والی مشق نہ ہو سکے تو ویسے ہی فجر سے پہلے ان میں سے جو ورد چاہیں یا قرآن پاک سے اپنی پسند کا توحید و ثناء الٰہی کا ورد نکال کر اختیار کریں اور فجر سے کچھ پہلے دو نوافل ایک طاق کرنے کے لیے وتر پڑھ کر اللہ سے دعا کریں خوب رو کر گڑگڑا کر طلب کے ساتھ چاہت کے ساتھ۔منت کرتے ہوئے، عشق کے ساتھ مانگیں روزانہ کرم ہوگا۔میں گزشتہ الفاظ کے ساتھ بات کو سمیٹ دینا چاہتا تھا چونکہ یہ مضمون حد سے زیادہ طویل ہو گیا ہے لیکن اگلے ہی دن حکم ہوا کہ یہ نامکمل ہے اسے اصل شکل میں مکمل کرو۔تو مزید کچھ اضافہ پیشِ خدمت ہے یہ جو میں نے مختلف اقسام کی تصوّر کی مشق یا سانسوں کی آمد و رفت کی مشق کا ذکر کیا ہے اور تصور کو سانسوں کے ساتھ منسلک کرنے کی بات کی ہے اور یوں مختلف اقسام کے اذکار کو انجام دینے کی سفارش کی ہے۔یہ سب گو کہ اپنے اندر اثر رکھتا ہے۔

لیکن یاد رکھیں اللہ کا عشق و عبادت اس کا محتاج نہیں ہے:

ظاہر اُ دھیان تو آپ کا اللہ کریم ہی کی طرف ہوتا ہے تمام عبادات میں اور ہر ہر وقت کی ریاضت و عبادت میں اس لیے اس اضافی مشق کو اگر انجام نہ بھی دیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔جب جی بھر کے قرآن مجید کی تلاوت نوافل کی رکعتوں کے قیام میں مفہوم سمجھتے ہوئے اور اس پر غور و فکر کرتے ہوئے کر لیں تو اس کے بعد جو بھی ورد دل و جان پر خوب اثر کرتا ہوا پائیں جو اللہ پاک کی جانب کشش و شوق کو بڑھائے اس کا کثیر ذکر بصورت ورد قبلہ رُو بیٹھ کر اسی مُصلاّ پر شروع کر دیں اگر مُصلاّ پر واقعتاً زیادہ دیر کسی بھی وجہ سے نہ بیٹھ سکیں تو پاک صاف کوئی دیگر آسان نشست اختیار کر لیں۔چاہے کرسی یا صوفہ وغیرہ پر بیٹھ جائیں۔یہ بھی بتلاتا چلوں کہ قبلہ رُو اگر بیٹھنا ممکن نہ ہو تو کسی بھی سمت رخ ہو کوئی حرج نہیں ہے آپ ہر طرف اپنے خدا کو پائیں گے۔قبلہ رخ کی پابندی صرف فرض سنت اور نوافل یا کسی طرح کی بھی نماز کے لیے ضروری ہے، ورد و وظائف میں نہیں ہے۔یہ تو آپ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے بھی کر سکتے ہیں حتیٰ کہ وضو میں ہوں تو بہت بہتر ورنہ بغیر وضو بھی کر سکتے ہیں۔لیکن اللہ کے ذکر کے دوران پیٹ کی گیس خارج نہ کریں اگر ضروری ہو جائے تو اگر آپ کہیں سیر کر رہے ہیں، ذکر کو منقطع کر کے پیٹ سے گیس کا اخراج کریں اور کچھ مزید قدم چلیں شاید اور بھی ریح خارج ہونا چاہے اور سانس کچھ دیر کے لیے ہلکی لیں بلکہ روک لیں تاکہ ناگوار بو آپ کو متاثر نہ کرے اور کچھ وقفہ دیں پھر ورد کو دوبارہ شروع کر دیں۔تاہم اگر اپنی معمول کی عبادت اپنی خاص

Marfat.com

عبادت گاہ یا گوشہ تنہائی میں کر رہے ہیں تو پھر وضو میں ہونا از بس ضروری ہے۔ یہ تو ویسے وضو و بغیر وضو ذکر الٰہی کا مسئلہ بیچ میں آ گیا تھا۔ یہ اس لیے سمجھانا ضروری تھا کہ یہ جو بغیر وضو کے ذکر الٰہی کی اجازت کا معاملہ ہے اس سے مراد ناگوار ماحول یا بو میں ذکر جاری رکھنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد صرف اتنی تھی جو بیان کر دی گئی۔ اگر بول و براز کی حاجت ہو جاتی ہے حاجت رفع کر کے کم از کم ہاتھ دھو لیں اور کلی وغیرہ کر لیں ناک میں پانی ڈال لیں اتنا بھی کافی ہے مجبوری میں ویسے اگر ممکن ہو تو مکمل وضو کر لیں۔ کیونکہ درکار تو زیادہ سے زیادہ طہارت ہے۔

عبادت کا ماحول پاک صاف ہونا نہایت ضروری ہے:

چلتے چلتے ایک بات اور بتلا دوں کہ کسی نماز پڑھتے شخص، کسی عبادت و ریاضت کرتے یا ورد و وظائف کرتے شخص یا پھر ذکر و اذکار الٰہی میں مصروف شخص کے پاس یا پاس سے گزرتے ہوئے یا اس ماحول میں جہاں وہ ہے کسی دیگر شخص یا اشخاص کو اپنا وضو قضا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی نہ تو اس ماحول میں پیٹ کی ہوا خارج کرے نہ اس کے قریب کہیں پاخانہ یا پیشاب کرے نہ کوئی گندگی پھینکے نہ لائے۔ بلکہ اگر بیت الخلاء اس عبادت کرنے والے کے اتنا قریب ہے کہ اس تک بو پہنچ سکے تو اسے اس وقت تک استعمال نہ کرے جب تک وہ ایک شخص یا جماعت وہاں کسی بھی طرح کی عبادت کر رہی ہے حتیٰ کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کا بھی عبادت کرتے ہوئے اسی طرح خیال رکھا جائے۔ نہ تو مسجد کے قریب نہ ہی چرچ کے قریب نہ ہی کسی بھی مذہب کے عبادت خانے کے قریب کوئی گندگی پھیلائی جائے یا پیشاب وغیرہ کیا جائے۔ بعض مساجد میں بیت الخلاء اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ادھر لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں ادھر بیت الخلاء سے بو کے بھبکے اٹھ رہے ہوتے ہیں اور مسجد کی فضا کو بدبودار بنا رہے ہوتے ہیں۔ چاہے نمازی سب وضو سے ہوں لیکن ماحول پاک و صاف نہ ہو فضا پاک و صاف نہ ہو تو نماز قطعی نہیں ہوتی اگر آپ کسی ایسی جگہ پر ہوں تو چاہے لوگ اس اصول کا خیال نہ کریں آپ وہاں عبادت ماحول کے صاف ہونے تک قطعاً اختیار نہ کریں۔ اگر آپ چار و ناچار ایسے ماحول میں پھنس گئے ہیں اور نماز کا وقت جا رہا ہے وہاں سے کسی اور جگہ جا بھی نہیں سکتے تو نماز قضا ہونے دیں بعد میں پڑھ لیں اور اگر ایسے ماحول میں مستقل پھنس گئے ہیں قید ہو گئے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کا چاہے بغیر وضو ہی قصد کر لیں۔ آنکھیں بند کر لیں سانس ساری باہر نکال دیں اور دل ہی دل میں تصور میں نماز پڑھیں اپنی جگہ بیٹھے یا کھڑے رہیں۔ چونکہ نہ وضو کے لیے پانی نہ نیچے کوئی پاکیزہ جگہ ہے نہ مُصلاّ ہے نہ ماحول ہے۔ آپ جہاں ہوں وہیں ایک منٹ کے لیے یا جتنا سانس روک سکیں سانس باہر نکال کر اسے روک لیں ناک بند کر دیں اور تصور میں سورۃ فاتحہ پڑھیں تصور میں رکوع میں جائیں کھڑے ہوں سجدے یا سجدہ کریں اور قعدہ میں بیٹھ کر مختصر دعا کر کے سلام پھیر دیں۔ آپ اپنے ماحول سے غافل ہو کر آنکھیں ناک بند کر کے تصور ہی تصور میں بغیر حرکت کیے ایک ڈیڑھ منٹ میں یوں ایک رکعت پڑھ لیں یہ آپ کی نماز ہو گئی، آپ بے غم ہیں۔ اسی طرح اگر ذکر کرنا چاہیں تو بھی وقفوں وقفوں سے کر

Marfat.com

سکتے ہیں بس آپ کو ماحول کی ناگواری کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔ ہر طرح کی ایمرجنسی میں عام حالات کے قوانین معطل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ حالت جنگ میں مجاہدین کو لباس وہتھیاروں سمیت جوتوں سمیت نماز کا صرف اتنا حکم ہے کہ ایک گروہ جب سجدہ کر لے تو پھر چلا جائے اور یوں باری باری مختصر ترین نماز سب پڑھنے کی کوشش کریں۔ اصل چیز نیت ہے، اللہ نیتوں کے حال جانتا ہے۔

سو آپ اللہ کی راہ میں اتنا ایمان وعمل لے کر آئے ہیں دن رات اتنی عبادت کر رہے ہیں وہ قبول کرنے والا ہے۔

تہجد میں قرآن پاک حسب تاکید تلاوت فرمانے کے بعد اپنا انتخاب کردہ ورد دل و جان سے باقی سارا وقت کرتے رہیں دھیان اللہ پاک کی جانب رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر لحہ دیکھ رہے ہیں اور آپ خدائے بزرگ و برتر کے حضور حاضر ہیں۔ پوری عاجزی اور شوق کے ساتھ ورد کریں اور نماز فجر سے پہلے ختم کر دیں۔ اتنا پہلے کہ مختصر ترین دو نوافل پھر ایک وتر کی رکعت کے بعد دعا کر سکیں۔ دعا کا اصول یہ ہے کہ خوب رو دھو کر، گڑگڑا کر، دل کی پوری چاہت کے ساتھ اللہ پاک سے اس کی رحمت خاص اور فضل خاص مانگیں آگے کے راستے کھولنے کی دعا کریں کہ اللہ نورانی راستے، نورانی سفر، نورانی و روحانی راز عطا فرمائے۔ اپنا قرب عطا فرمائے، یوں روزانہ کوشش جاری رکھیں اور

عبادت کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے خالص سے خالص تر کرتے جائیں، شیطان بھیس بدل بدل کر اپنا آخری زور لگائے گا محتاط رہیں بالآخر اعلیٰ کامیابی حاصل کریں گے! ان شاء اللہ۔

کوئی غرض، کوئی نمائش، کوئی نفس کی مداخلت، شیطان کی مداخلت نہ ہو۔ اگر نفس کی سہولت کے لیے، نفس کی چاہت کے لیے، نفس کی خوشی کے لیے جتنی بھی مکاری سے بھیس بدل بدل کر شیطان مشورے دے آپ اس کے مشوروں میں نہ آئیں۔ خود کو مشکل میں ڈالیں، ایمان واعمال صالح کی بھٹی میں ڈالیں۔ آپ کی چیخیں نکل جائیں گی یہ آسان نہیں ہے پھر خود کو عبادت کی چکی میں پسوائیں بلکہ خود اپنے ہاتھوں اپنے نفس کو پیسیں چونکہ آپ کے نفس کے ساتھ شیطان بھی پسے گا۔ اس لیے وہ آپ کو بہکانے کے لیے نئے نئے جال لائے گا اپنے بڑے بڑے ہتھیار اٹھائے گا۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء اور بڑی اعلیٰ کتابوں سے سندیں نکال کر لائے گا کہ آپ منزل کچھ نہ کچھ کھوٹی کر لیں رحمت کے بھیس میں زحمت لائے گا لیکن یاد رکھیں کہ اس منزل سے چند ہی لوگ سینکڑوں چلنے والوں میں سے سالم گزر پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پھر آپ کے لیے بیماری لائے گا، رکاوٹیں لائے گا، دکھ اور غم لائے گا۔ باذن اللہ آپ سے آپ کے اعضاء جسمانی بھی چھین سکتا ہے لیکن آپ اگر چارپائی سے بھی لگ گئے ہیں تو عبادت دل سے جاری رکھیں ایمان وعشق میں کمی نہ آنے دیں، نہ ڈاکٹروں کے مشوروں پر نہ جان سے پیاروں کے واسطوں پر۔ اللہ پاک آپ کو عظیم کامیابی ان شاء اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 53:

صفات، عادات، خصائل اور تمام جزیاتِ شخصیت یا کریکٹرز زندہ باہوش اور مستعد و فعال مخلوقات ہیں

آج شاید پھر کچھ انوکھی سی بات لکھنے جا رہا ہوں۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ ایک تو وہ مخلوقات ہیں جنہیں ہم زمین پر انسان و حیوانات، حشرات الارض یا کیڑے مکوڑے کہتے ہیں پھر وائرس یا جراثیم کی بے شمار اقسام ہیں۔ اس کے علاوہ فرشتے اور جنات کی طرز پر بھی بے شمار مخلوقات ہیں۔ ظاہر ہے ہر شے کو پیدا تو اللہ ہی نے کیا ہے وہی واحد و یکتا، خالق و مالک اور مختار کل ہے ہر ذی روح اور ہر ہر طرح کی ظاہر و باطن بے حد و شمار اقسام کی مخلوقات کا۔ کہیں پہلے بھی فرشتوں کی بناوٹ (Form) پر کچھ بات ہو چکی ہے لیکن وہ محدود تھی۔ اب اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

وہ یوں کہ جس طرح سے انسانی مادی جسم میں مختلف قسم کے کیمیائی مادوں کا مخصوص تناسب ٹھوس، مائع اور گیس کی شکل میں ہوتا ہے اور اس کی اوسط کو کسی جسم کا معیاری مادی کیمیائی تناسب مانا جاتا ہے جبکہ اس تناسب میں فرداً فرداً فرق بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایک ہی نوع کی نہ صرف کئی قسمیں وجود میں آجاتی ہیں بلکہ ان میں بھی فرداً فرداً بڑا فرق پایا جاتا ہے مثلاً انسان ہی کو لیجئے اس کی کتنی ہی قسمیں ہیں۔ ویسے تو تین بڑی نسلوں میں اس کے تین قسم کے بن مانس یا چمپینزیز کی نسل ہونے کے حوالے سے اس کو تقسیم کیا جاتا ہے ماہرین کی طرف سے لیکن جب ہم آنکھ اٹھا کر دنیا کے مختلف خطوں کے انسانوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر ملک و قوم کے لوگوں میں ان کی بناوٹ میں شناخت میں کچھ نہ کچھ واضح فرق نظر آتا ہے پھر کچھ اقوام یا نسلوں میں تو بڑا ہی فرق ہے جیسے پہلے یورپ، ایشیا اور افریقہ وغیرہ کو تقسیم کر لیں۔ پھر مزید ان کی تقسیم کرتے جائیں۔ پھر ان کے اجسام کا کیمیائی لحاظ سے تجزیہ کریں بڑا فرق نظر آئے گا۔ جینز میں فرق ہوگا پھر ایک ہی علاقہ کے لوگوں میں بھی فرداً فرداً فرق ہوگا۔ کوئی مضبوط اور طاقتور ہوگا کوئی نحیف اور کمزور ہوگا۔ کوئی سرو قد اور کوئی پستہ قد ہوگا۔ کوئی لوہے کی طرح سخت تو کوئی روئی کی طرح نرم ہوگا، کوئی سرخ و سفید ہوگا، کوئی کالا کلوٹا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہر اک شخصیت کو ایک الگ نام دیا جاتا ہے جو اس شخصیت کے تمام عناصر کا اظہار ہوتا ہے:

کسی شخص کے نام کی طوالت کی وجوہات:

میری بحث مادی جسم کے تفرق و تنوع سے نہیں ہے یہ صرف مثالاً بات کی ہے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اسی طرح سے جسم کے ساتھ ذہنی صلاحیتیں، رجحانات یا اوصاف و ترجیحات بھی ہوتی ہیں جن کا تعلق روح سے ہوتا ہے جن کے ایک ملغوبہ کا

Marfat.com

نام کسی ایک شخص کی شخصیت یا personality ہے۔ جسے ہم عام طور پر کوئی ایک نام دے دیتے ہیں۔ مثلاً ''فاروق'' تو اب دنیا میں لاکھوں فاروق ہو سکتے ہیں۔ پھر ہم اس میں مزید شناخت پیدا کرنے کے لیے ساتھ باپ کا نام شامل کر کے اسے ''فاروق عنایت'' کہہ لیتے ہیں۔ جب ''فاروق عنایت'' بھی کئی ہوتے ہیں تو پھر فیملی لقب لگا کر ''میاں فاروق عنایت'' کے مخصوص نام سے شخصیت کی شناخت کی جاتی ہے۔ اب بھی کچھ فرق رہ جائے تو ساتھ ذات شامل کر کے ''میاں فاروق عنایت چوہان'' بنا دیا جاتا ہے پھر اور بھی پکا کرنا ہو تو ساتھ کوئی عرف لگا کر ''باؤ میاں فاروق عنایت چوہان'' بنا دیا جاتا ہے۔ اب امکان کم رہتا ہے کہ کوئی اور دنیا میں اس نام کا شخص ہوگا۔ اسی لیے اسلامی تاریخ میں ہمیں لوگوں کے نام خصوصاً خاص لوگوں کے نام خاصے طول طویل نظر آتے ہیں اور ان میں اصل نام کو ہم ڈھونڈتے ہی رہ جاتے ہیں کہ آخر اس کا اپنا نام کیا تھا۔ یہ اہتمام ہمارے آباؤ اجداد نے اسی لیے کر رکھا تھا کہ اگر کسی بھی حد تک ایک نام دوسرے سے مشابہت اختیار کرے تو بالآخر اتنا طویل نام کہیں نہ کہیں اسے دوسرے سے ممتاز کر ہی دے گا۔

بجائے طویل نام کے مختلف مگر سب سے الگ اور انوکھا نام:

اسی طرح کچھ دیگر لوگوں نے اس کا کچھ خاص حل بھی تلاش کیا ہے کہ بجائے کسی شخصیت کی اتنی طویل شناخت قائم کرنے کے اس کا نام ہی کچھ ایسا تجویز کیا جائے کہ جو دنیا میں اور کسی کا مشہور لوگوں میں سے کم سے کم نہ ہو۔ مثلاً جناح، ہٹلر، مسولینی، بھٹو، چرچل، اسٹالن، لینن، (کارل) مارکس، ماوزے تنگ، نپولین (بونا پارٹ)، سقراط، ارسطو، افلاطون، ڈارون، گیلیلیو، (علامہ) اقبالؒ، (علامہ) مشرقیؒ، (مولانا) رومیؒ، (امام) غزالیؒ، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے یقیناً نام کچھ طویل ہی ہونگے لیکن وہ اپنے نام کے کسی مختصر حصے کسی ایک لفظ سے مشہور ہوئے اور معلومہ تاریخ میں کوئی اور اس نام کا مشہور شخص نہ ہوا تھا۔

اصل موضوع پر فلسفیانہ بحث کا آغاز:

لہٰذا کسی ایک شخصیت کو ہم کوئی ایسا نام دینے کی کوشش کرتے ہیں جو اس کی الگ سے شناخت بن سکے۔ ایک شخص ہمیشہ دوسرے سے کچھ نہ کچھ الگ ہی شخصیت رکھتا ہے چاہے وہ عام انسان ہو یا خاص الخاص بندہ۔ آپ اپنی زندگی میں شاید ہزاروں لوگوں سے ملے ہوں آپ نے کبھی بھی کسی بھی ایک بندے کو دوسرے جیسا نہ صرف یہ کہ شکل کے لحاظ سے نہ دیکھا ہوگا بلکہ اس کی شخصیت بھی یقیناً دوسرے سے مختلف ہوگی۔ ہم نے پہلے بات کی مادی جسم کی پھر ذہنی بناوٹ کی۔ دماغ تو ایک مادی شے ہے لیکن ذہن غیر مادی چیز ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا دماغ کے ساتھ پیوند ہے یا اس کی حرکات کو دماغی functions کنٹرول کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری اسی حسی sensible دنیا تک ہی ایسا ہے اس سے آگے یہ اس طرح سے نہیں ہے بلکہ یہ روح کی ملکیت ہے روح کے خواص میں سے ہے چونکہ روح کو جسم کے ساتھ پیوند کیا گیا ہے حیات مادی یا

Marfat.com

حیاتِ ارضی کے عرصہ تک کے لیے، اس لیے ہم اسے اپنا ذہن کہتے ہیں۔ اپنا کنٹرول روم دماغ کو کہتے ہیں اور اپنی controlling authority یا قوت حاکمہ ذہن کو تسلیم کرتے ہیں۔

روح، اس کے پھونکے جانے نیز آدمؑ وحوا اور شیطان پر ایک نئے زاویے سے بحث:

اس قوت حاکمہ کے مرکز میں ہماری ذات ہے جو ہماری ''میں'' ہے Ego ہے۔ دراصل یہی روح ہے۔ جب یہ ہم میں پھونکی جاتی ہے یا آدمؑ میں پھونکی گئی تھی اس وقت یہ بالکل سادہ، شفاف، بے پناہ باصلاحیت اور امکانات خواص وجواہر سے لبریز ہونے کے باوجود اپنی الگ شناخت سے محروم تھی۔ بس اسے یہی پتہ تھا کہ میں ہوں اور کوئی بہت بڑی اور یکتا ہستی میرا رب ہے۔ پھر جنت میں جب آدمؑ ہی کے وجود سے اس کا جوڑا حوّا بنا کر دونوں کو بھیجا گیا اور انواع واقسام کے پھول و پھل اور دیگر نعمتوں سے متعارف کروایا گیا اور مستفید ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی تو مزید شعور حاصل ہوا۔ مگر ایک درخت کہ جو ''تسلسل حیات'' کا درخت تھا جس کا پھل ''جنسی لذت'' تھی۔ اس کے کھانے سے منع فرمایا لیکن ایک مخلوق تھی شیطان یا ابلیس اس نے آدمؑ وحوا کے ذہن میں آ کر روح میں داخل ہو کر ایک خیال بن کر ان کو مشورہ دیا کہ اسے کھاؤ یہ تو ہمیشہ جیتے رہنے کا درخت ہے اِسے کھا کے تم امر ہو جاؤ گے۔ شیطان کی جانب سے ڈالے گئے اس خیال نے یا خیال بن کے آنے والے شیطان نے ساتھ ہی دونوں کے جنسی اعضاء میں زبردست ارتعاش وتحرک اور سنسنی وجوش پیدا کر دیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کی جانب کشش اس خیال کے آتے ہی اتنی بڑھی کہ وہ بے بس ہو کر ایک دوسرے سے گُتھم گُتھا ہو گئے ایک دوسرے میں جذب ہو گئے۔ اس وقتی ہیجانی حالت کے دوران شیطان نہایت مضبوط اور powerful پوزیشن میں ہوتا ہے۔ انسان معلوم نہیں کیا کچھ کہتا ہے یا کیا کچھ حرکات کرتا ہے جو اکثر اوقات اپنے معیار سے بہت ہٹی ہوئی ہوتی ہیں لیکن جب تک یہ ہیجانی کیفیت دور نہیں ہو جاتی وہ ہوش میں نہیں آتا اور ہوش میں آتے ہی اسے اپنی بعض حرکات وکیفیات اور گفتگو پر شرمندگی سی محسوس ہوتی ہے۔ لہٰذا آدمؑ وحوّا ابھی ہوش میں واپس آتے ہی اپنی حرکت پر سخت شرمندہ اور نادم ہوئے خصوصاً اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے منع فرمایا تھا کہ اگر ایسا کیا تو پھر ظالموں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤ گے۔ سو اب ایسا ہو گیا تھا۔ یہیں سے شیطان کا اور انسان کا ساتھ جڑ گیا۔ شیطان بھی ہماری روح کا حصہ بن گیا۔ یہ ہر بچے میں الگ روح نہیں پھونکی جاتی بلکہ روح وہی ایک تھی جو آدمؑ میں پھونکی گئی تھی باقی جس طرح سے ہر نسل میں مادی اجزا مادے سے یعنی ماں باپ سے اولاد میں منتقل ہوتے ہیں ان کے ساتھ ہی روح کے اجزاء بھی منتقل ہو جاتے ہیں جو نیا حمل قرار پاتا ہے اس کے zygote میں روح نہایت خام حالت میں موجود ہوتی ہے تاہم جب جسم اس سطح تک بن جائے کہ وہ سانس لینے کے قابل ہو جائے تو سانس چلنے لگتے ہیں۔ روح اپنے سانسوں کو بھی own کرتی ہے۔ تاہم روح تو تب سے موجود ہے جب سے آدمؑ میں پھونکی گئی تھی یہ بھی جسم کی طرح جُز در جُز تقسیم ہوتی ہوئی آگے سلسلہ بڑھائے ہوئے ہے ایک طرف اپنے اصل سے جڑی ہوئی دوسری طرف

Marfat.com

اپنی اکائی میں بسی ہوئی۔ پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ روح نہایت خام و معصوم حالت میں ہوتی ہے جس طرح سے کسی بوڑھے خرانٹ سے بالکل معصوم اور پھول کی طرح نرم و نازک بچہ پیدا ہوتا ہے جس کا اپنی اصل کے اعتبار سے صرف اپنے بوڑھے ماں باپ سے بلکہ اپنے تمام کے تمام آباؤ اجداد سے تعلق ہوتا ہے سب کچھ اس کے جینز میں موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی روح کا بھی معاملہ ہے اس کا بھی اسی طرح سے اپنے آباؤ اجداد سے نہ صرف مکمل تعلق ہوتا ہے بلکہ وہ الگ اکائی کی حیثیت سے چونکہ اپنا مادی جسم بھی حاصل کر چکی ہے اس لیے وہ اس میں خام و شفاف اور بے شعوری حالت میں موجود ہوتی ہے۔ جوں جوں بچہ اپنی شیر خوارگی، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور بڑھاپے تک پہنچتا ہے توں توں اس کی روح ایک مکمل الگ شخصیت بن جاتی ہے اور اپنے ماحول و معاشرے میں دنیا میں اپنا کردار مادی زندگی اس 5 حسوں کی زندگی تک ادا کرتی ہے اور موت کے بعد ایک اور دنیا میں منتقل ہو جاتی ہے

روح، ذہن، دماغ اور جسم کس طرح مل کر الگ شخصیت بناتے ہیں اور شیطان و رحمٰن کی کون کون سی فوجیں مخلوقات کی شکل میں ہمارے ذہن و روح کو ہماری شخصیت بنانے میں کس کس طرح متاثر کرتی ہیں:

ہم نے آج یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ روح اپنے ذہن اور یہ ذہن اپنے مادی دماغ اور یہ مادی دماغ اپنے مادی جسم کے ساتھ مل کر کس طرح ایک الگ شخصیت کا امین بنتا ہے اور یہ کہ رحمٰن و شیطان کی کون کونسی فوجیں مختلف مخلوقات کی شکل میں ہمارے ذہن اور ہماری روح کو ہماری شخصیت کے بنانے کے ضمن میں کس طرح سے متاثر کرتی ہیں۔

Zygote بننے سے زندگی کی آخری سانس تک شخصیت کے بننے اور بدلنے کا عمل جاری رہتا ہے:

یہاں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ مندرجہ بالا طریقہ سے جو شخصیت ہماری بن جاتی ہے یا ہماری موت تک اس میں جو جو تبدیلیاں اور کمی بیشی ہوتی ہے اس سمیت آخری سانس کے رخصت ہونے تک ہماری جو اور جیسی شخصیت یا ذات بن چکتی ہے اپنے تمام تر محاسن اور معائب کے ساتھ وہ روح میں منتقل ہو جاتی ہے بلکہ بچہ جب ابھی ماں کے پیٹ میں پہلے سیکنڈ کے حمل قرار پانے اور Zygote بننے کی حالت ہی میں ہوتا ہے کہ اس کی روح کا انتہائی خام حالت میں الگ وجود قائم ہو جاتا ہے تب سے بالعموم اور بعد از پیدائش بالخصوص اس کی ذات یا شخصیت کی ہر ہر تعمیر و تخریب ہر ہر سیکنڈ میں ساتھ ہی ساتھ اس کی روح کا اٹوٹ حصہ بنتی جاتی ہے اور اس میں سماتی جاتی ہے یہ عمل Zygote کے بننے سے پھر بچے کی پیدائش سے لے کر آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ یوں بعد آخری سانس کے ٹوٹنے کے جب متعلقہ فرد مر جاتا ہے تو ہم اسے اسی لیے انتقال کرنا کہتے ہیں کہ اس کی روح اپنی تمام شخصیت اور ذاتی حیثیت و پہچان کے ساتھ ایک مکمل کریکٹر لے کر دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتی

Marfat.com

ہے۔ جہاں نہ صرف اس کی شکل وشباہت اور قد کاٹھ بالکل وہی ہوتا ہے جو مادی جسم میں تھا اور آئینہ میں نظر آتا تھا بلکہ اس کی شخصیت وذات جو کہ بوقت Zygote یا پیدائش بالکل سادہ وخام حالت میں تھی جیسی سب کے سب لوگوں کی بوقت پیدائش ایک جیسی ہوتی ہے وہ بھی اب تراش خراش کے بعد اپنی مکمل شخصیت میں تبدیل ہو کر ہمیشہ کے لیے محفوظ ومکمل اپنی روح کا حصہ بن جاتی ہے۔ یہ روح ہی اصل فرد ہوتا ہے یہ اس حسی دنیا میں آ کر ایک لباس مجاز جسم کی شکل میں اختیار کر لیتا ہے جس کی مدد سے اس کا کریکٹر، شخصیت یا ذات مکمل ہوتے ہیں۔ عین ممکن ہے اگلے جہانوں میں اسی روح کو کوئی اور جسم مجاز کسی اور نوعیت کے مسالے سے بنا ہوا عطا کیا جائے جہاں اسے کسی نئی دنیا میں اپنی روح کو کچھ اور عملی میدانوں سے گزار کر اس کی شخصیت وذات اور کریکٹر میں کچھ نئی تعمیر وتخریب کا موقع ملے۔ بہرحال ہماری بحث آج اس اگلی دنیا سے نہیں ہے بلکہ اس دنیا سے ہے اور ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہماری شخصیت یا ذات کے بننے میں مادی اشیاء کے علاوہ وہ کون سی لطیف روحانی دسترس رکھنے والی اشیاء ہیں جو کہ ہمارے او پر اثر انداز ہو کر ہماری شخصیت کی تراش خراش میں ہماری مدد کرتی ہیں یا یوں کہیں کہ جس طرح کوئی مکان تعمیر کرنے کے لیے گارہ مٹی کے ساتھ پانی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سے شخصیت کی تعمیر کے لیے بھی مادی ماحول ومحرکات کے علاوہ ذہنی وروحانی محرکات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہم انہی پر بحث کریں گے جس کے لیے ہم نے اتنی طویل تمہید بات کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کے لیے باندھی ہے۔

کسی بھی شخصیت کے بننے میں بے شمار عوامل کا عمل دخل ہوتا مثلاً نسلی اثرات، آباؤ اجداد کا طرزِ حیات، جینز، طبعی میلانات، روایات، رواج، رسوم، معاشرتی ماحول، تہذیبی اثرات، مذہب، زبان، ماحول، موسمی وجغرافیائی حالات، علاقائی ملکی وبین الاقوامی حالات، گھریلو ماحول، اڑوس پڑوس، محلّہ اور گاؤں یا شہری آبادی کے رجحانات کے اثرات، خاندانی علاقائی اور قومی رجحانات وغیرہ۔ چنانچہ ان سب عوامل کو نہ صرف ہم سمجھتے ہیں بلکہ ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ماہرین نفسیات، عمرانیات (سوشیالوجی)، انسانیات، معاشیات اور فرد سے اقوام تک تحقیق وجستجو کرنے والوں نے ان سب عوامل پر گہرا غور وفکر کیا ہے۔ لیکن دوسری سمت روحانی اعتبار سے تحقیق کا میدان خوب سج نہیں سکا ہے۔ اس سمت شاید معلومات ہی کا فقدان ہے۔ تو آیئے اس راستے پر اللہ کے فضل سے سفر کرتے ہوئے آپ کو کچھ مزید حیرت انگیز معلومات بہم پہنچاؤں۔

Zygote بنتے ہی شخصیت یا نیا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی مثال:

محترم قارئین! جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ حمل قرار پانے یا Zygote کے قرار پانے کے پہلے سیکنڈ ہی میں ایک نئے شخص کی شخصیت کی بنیاد پڑ جاتی ہے ایک نیا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے۔ کیا حضرت موسیٰؑ کی پیدائش اور فرعون کی سلطنت کی تباہی کی نجومیوں نے پیش گوئیاں کر کے فرعون کو سخت تشویش میں مبتلا نہیں کر دیا تھا جس کے سدباب کے لیے موسیٰؑ کی والدہ کے ہاں حمل قرار پانے کا وقت اور تاریخ تک نجومیوں سے معلوم کر کے سب بنی اسرائیل کے مردوں کو گھروں

Marfat.com

سے باہر بادشاہ کی عام دعوت پر لازم مدعو کرلیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کسی سبب سے حمل قرار پا گیا تھا مقررہ وقت پر اور جوں ہی حمل قرار پایا نجومیوں نے باہر میدان میں کہ جہاں سب بنی اسرائیل کے مردوں کو کھانے کے بہانے ایک ایک کر کے جمع کرلیا گیا تھا شور مچانا شروع کر دیا کہ اس مخصوص بچے (یعنی موسیٰؑ) کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے وہ حمل قرار پا گیا ہے جس کا ہم سب اور فرعون کی پوری سلطنت و ملک پوری طاقت کے ساتھ اور وسائل کے ساتھ راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس کے بعد موسیٰؑ کی پیدائش وحیات کا راستہ روکنے کے لیے بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے بچوں کا قتلِ عام بھی جاری رہا۔

Zygote بننے کے بعد تہہ در تہہ تعمیر و تخریب شخصیت کی پیچیدہ تحقیقی بحث:

تو گویا کہ حمل قرار پاتے ہی نئی شخصیت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں چونکہ بچے کا سارا نظام ماں سے منسلک ہوتا ہے جس سے اس کی پرورش یا بڑھوتری ہو رہی ہوتی ہے اس لیے اس دوران ماں کی ذہنی و جذباتی حالت، نفسیاتی حالت اور خیالات بھی ماں کے ساتھ ساتھ بچے کی شخصیت پر غیر محسوس طریقے سے باطنی طور پر اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں۔ یوں وہ تقریباً 9 ماہ میں کافی کچھ اپنی شخصیت کے خمیر میں لے کر پیدا ہوتا ہے لیکن ہنوز اس کی شخصیت بالکل خام ہوتی ہے۔ اس نے جو کچھ ماں کے پیٹ سے اپنی شخصیت کے خمیر میں سٹور کیا ہے وہ اندر ہی کہیں نہاں ہوتا اور اثر رکھتا ہے۔ بچے کی آئندہ شخصیت پر اس کے اثرات بہر حال ہوتے ہیں۔ اب پیدائش کے پہلے دن اور پہلے لمحے ہی سے بچہ اپنے ماحول سے، اپنے گردونواح سے، اپنے والدین اور بہن بھائیوں، تہذیب و کلچر سے، مذہب و مسلک سے، زبان سے غرض ہر ہر اثر انداز ہونے والے محرک سے بہت کچھ غیر محسوس طریقہ سے بہت ہی آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ مختلف قسم کی آوازوں پر کان لگاتا ہے توجہ دیتا ہے ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ آنکھوں سے دیکھ کر سیکھتا اور اثر لیتا ہے ردعمل دیتا ہے یہی حال چھونے اور محسوس کرنے کا ہوتا ہے تھوڑا اور سمجھ دار ہو جائے تو بُو یا بدبُو پر response دیتا ہے اپنے خوشی غم یا تکلیف کو ظاہر کرتا ہے۔ یوں اس کی غیر محسوس طریقہ سے شخصیت کی تعمیر جو شروع ہوتی ہے وہ گو کہ اپنی جوانی پر کافی حد تک واضح ہو جاتی ہے لیکن ادھیڑ عمر یعنی 40 تا 50 سال کی عمر پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی شخصیت بڑی حد تک مکمل ہو گئی ہے۔ لیکن آپ اسے بالکل مکمل قطعاً نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس سے آگے 50 سے 60 یا 70 یا 80 سال کی عمر تک بھی اس کی بڑھوتری، تراش خراش، تعمیر و تخریب جاری رہتی ہے۔ الغرض جب تک وہ شخص اپنے ہوش و حواس اور قوائے جسمانی پر کنٹرول رکھتا ہے اس کی شخصیت میں تبدیلی کچھ نہ کچھ ضرور جاری رہتی ہے یا کسی نہج پر ترقی جاری رہتی یا تنزلی ہوتی رہتی ہے۔ چونکہ آج کل انسان کم ہی بڑھاپے کی اس انتہائی عمر تک پہنچتا ہے اور اس حالت میں بھی کچھ عرصہ تک زندہ رہتا ہے کہ جب بڑھاپے کی وجہ سے اس کے ہوش و حواس اور قوائے جسمانی جواب دے جائیں۔ عام طور پر انسان آج کل یا تو چلتے پھرتے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے یا پھر اگر اسے بیماریاں گھیر بھی لیں تو اس کی عمر ایسی نہیں ہوتی کہ اس کے ہوش و حواس یا قوا جواب دے جائیں۔ ایسی صورتوں

Marfat.com

میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی شخصیت کی تعمیر وتخریب آخری سانس تک جاری ہی رہتی ہے۔ جس وقت بچہ اپنے اچھے برے کی تمیز کی حد تک پہنچتا ہے اول تو اپنے لڑکپن کی حدتک اور دوسرے عہد بلوغت تک اور کچھ نہ کچھ شیر خوارگی ہی سے، تو وہ بے شمار قسم کی کششوں، رجحانات، دلچسپیوں، ترجیحات، صفات، خیالات، جذبات، محبّات، اعمال وردِ اعمال، ماحول، عادات اور اسی طرح سے شخصیت پر اثر انداز ہونے والے دیگر بہت سے عناصر وعوامل سے گزرتا ہے یہ سب کے سب اس کی اپنی شخصیت پر مسلسل اثر ڈالتے ہیں۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا تعلق ذہن سے ہے جو ہمارے خیالات کے ذریعے یا اور آگے چلے جائیں تو خواب وخیال کے ذریعے ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہم انھیں عام طور پر محض جامد یا مجرّد شے سمجھتے ہیں بس ایک چیز ایک شے تصور کر لیتے ہیں جبکہ یہ سب کے سب اور اس طرح کے اور بے شمار ذہن وروح پر اثر انداز ہونے والے عوامل زندہ مخلوقات ہیں جو ہم پر اس وقت سے یلغار شروع کرتی ہیں جب ہم حمل کی شکل میں Zygote بن کر صفحۂ ہستی پر پہلی مرتبہ نمودار ہوتے ہیں اور ہماری آخری سانس تک ان کی یلغار جاری رہتی ہے۔ ہماری خام روح جسم سے منسلک ہو کر جب حمل کے پہلے لمحہ میں اپنی اکائی کا شعور اپنے کل کے لاشعور سے حاصل کرتی ہے تب سے یہ بے شمار مخلوقات اس پر یلغار شروع کر دیتی ہیں پہلے ماں کے ذریعہ پھر دیگر ذرائع سے اور فرد اپنی زندگی کے آخری سانس تک یا شعور قائم رہنے تک ان سے نبرد آزما رہتا ہے اور اس کی شخصیت کی، ذات کی، Ego کی، میں کی، Individuality کی نشوونما جاری رہتی ہے۔ تو یہ تعمیر ذات ہے یا شخصیت کا تخریبی عمل ہے۔ یہ تمام کے تمام عوامل ہمارے خیالات کے ذریعہ ہمارے شعور میں داخل ہو کر ہمارے انتخاب اور slection کے عمل سے گزر کر ہماری ذات کا حصہ بنتے ہیں اور ان میں کمی بیشی یا تبدیلی بھی واقع ہوتی رہتی ہے ہم انھیں بدلتے بھی رہتے ہیں بعض اوقات ناک کی سیدھ میں سیدھے چلتے جاتے ہیں اور بعض دفعہ مڑ جاتے ہیں یا U-Turn لے لیتے ہیں۔ آپ نے سُن رکھا ہوگا فلاں پہ جن آگئے ہیں وہ کیا ہوتے ہیں ایک مخلوق ہے جو اس کے خیالات کو مغلوب کر کے اس پر قابض ہو جاتی ہے اس کی اپنی شخصیت مغلوب ہار کر پچک جاتی ہے دب جاتی ہے اتنی کہ شعور سے ہی باہر نکل جاتی ہے یا لاشعور کی جانب تھوڑا دھکیل دی جاتی ہے۔ اب اس کے ذہن پر متعلقہ جن کا قبضہ ہوتا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی وہ شخص کرتا ہے۔ ہپناٹزم میں عامل معمول پر اسی طرح سے اپنی powerful شخصیت کے ذریعے اثر انداز ہوتا ہے۔ تعویذ گنڈوں، جادو ٹونوں، سحر ومسمریزم حتیٰ کہ دم درود اور وردو وظائف کے ذریعہ سے بھی اسی طرح سے دیگر مخلوقات سے موکّلات سے، فرشتوں سے، جنوں کی بے شمار اقسام سے یا یوں کہیں کہ نیکی وبدی، رحمٰن وشیطان، مثبت ومنفی، پاکیزہ وپلید قوتوں سے اور ان کی فوجوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ''اللہ رحمٰن ورحیم'' گوکہ یکتا ہے واحد خالق ومالک ہستی ہے معلوم ونامعلوم کائنات وہستی کا وہی مالک ہے۔ کسی چیز کا کوئی وجود نہیں، کوئی ذکر نہیں، کوئی حیثیت ومقام نہیں، کوئی رائی برابر حرکت کی طاقت نہیں، سوائے اس کے حکم واذن کے۔ تاہم اللہ پاک نے خود ہی حق اور باطل دو قوتوں کو پیدا فرمایا ہے۔ حق کے ساتھ وہ خود ہے اور باطل اس نے شیطان کو

Marfat.com

سونپ دیا ہے۔ اوپر دونوں قوتوں کا واحد و یکتا رب تعالیٰ ہی حاکم ہے نہ تو اس کے حکم بنا کوئی حق کے میدان میں حرکت ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کے اذن و اجازت بنا کوئی باطل کے میدان میں حرکت ممکن ہے۔ اب حق و باطل دونوں طرف جب وہ خود ہی ہے تو پھر یہ آخر کھیل کیا ہے؟ تو بات یہ ہے کہ اس خدائی فلسفہ کو اس کی حکمت کو سمجھنا اتنا ہی کٹھن ہے جتنا کہ خود خدا تعالیٰ کی ذات اقدس کو سمجھنا مشکل ہے۔ بعد میں کہیں اس فلسفے، مسٹری، معمے کو جاننے کی کوشش بھی اپنے تیئں کریں گے اور کچھ اندازے قائم کریں گے، کچھ نتائج تک پہنچنے کی باوجود مذہبی لوگوں کے فتوؤں کے کوشش کریں گے۔ فی الحال اتنا ہی پہلے کی طرح سمجھ لیں کہ جو بائبل اور قرآن میں اور دیگر بہت سی مذہبی کتب میں تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ رحمٰن و شیطان کا قصہ بیان کیا گیا ہے آدمؑ وحوا کی پیدائش کی کہانی بیان کی گئی ہے اور جنت سے شیطان کے ذریعے ان کے نکلنے تک کا بیان ہے اس سب کو ذہن میں رکھیں اور سمجھ لیں کہ شیطان کو اپنے ہر طرح کے علم و اسلحہ سے قیامت تک لیس ہو کر اپنی بے شمار افواج کے ساتھ جو کہ شیطان کے بے شمار دست و بازو ہیں حق کا اور حق والوں کا اور ان کی تمام تر افواج کا راستہ روکنے کی کھلی چھٹی ہے۔ ہر ہر ذی روح کو، ہر ہر شے اور ہر ہر انسان کو بہکانے، پھسلانے اور بھٹکانے کا تا قیامت اسے لائسنس حاصل ہے۔ جس کی قبل از قیامت شیطان اور اس کی افواج کو کسی بھی صورت تجدید یا Renewal کروانے کی بھی ضرورت نہیں ہے چاہے جتنا بھی نقصان ہو جائے، جتنا بھی فساد بڑھ جائے، درندگی و بربریت عام ہو جائے۔ حتیٰ کہ زمین ظلم و زیادتی کے شیطانی اعمال سے بھر جائے اس کا ذرہ ذرہ لبریز ہو جائے اور سمندر کا قطرہ قطرہ خون اور درد و آہ و بقا میں بدل جائے تو بھی قبل از قیامت شیطان اور اس کی افواج کا لائسنس کینسل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ پاک نے خود شیطان کو زبان دے رکھی ہے اسے قیامت تک ، روز حشر تک، دوبارہ اٹھائے جانے تک خود ہی مہلت دے رکھی ہے۔ لہٰذا اسی لیے میں نے اوپر حق و باطل کی افواج کا رحمٰن و شیطان کی قوتوں کا ذکر کیا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ رحمٰن کی قوت کے مقابل ایک سیکنڈ کے 10 لاکھویں حصے تک بھی ٹھہر سکے لیکن رحمٰن و رحیم رب تعالیٰ نے خود ہی دوسری سمت شیطان اور اس کی افواج کو بھی بڑی ہی زیادہ، بڑی ہی بھیانک اور بڑی ہی جدید ترین و متنوع ترین قوت حیران کن حد تک بخش رکھی ہے تا کہ وہ حق کا اور حق تعالیٰ کا مقابلہ اپنے اس علم کے زور پر کر سکے۔ جس نے اسے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے یعنی کہ خود سے بہتر ماننے سے باز رکھا تھا۔ جیسے ایک نہایت ناقص مثال کے مطابق کسی فلم کا بہت بڑا ہیرو کسی بہت بڑے وِلن کے ساتھ جب مقابلہ کرتا ہے تا کہ بظاہر برابر کی چوٹ نظر آئے اور مقابلے کا مزہ بھی آئے۔ جو جو مخلوقات اس مقابلے کو دیکھیں خصوصاً انسان وہ ہیرو کی اعلیٰ صفات کی اس کے جیتنے پر دل کھول کر داد دے سکیں اور ان کے دل میں وِلن کے لیے یا اس کی افواج کے لیے کوئی ہمدردی باقی نہ رہے۔ ایسی مصنوعی و مجازی چھوٹی بڑی بہت سی تمثیلات آپ اپنی زندگی میں حقیقتاً بھی اور فلم و ڈرامے یا تھیٹر میں بھی ضرور دیکھتے رہتے ہیں۔ بس یہیں سے کسی نہ کسی حد تک رحمٰن و شیطان کی قوت و طاقت اور افواج کے ٹکراتے رہنے کا اندازہ بھی لگا لیں۔ اس کا اختتام دنیا و آخرت میں اسی طرح ہونا ہے جیسے ہیرو و

Marfat.com

دلن کی تمثیلی ومجازی سٹوری کا ہوتا ہے۔

انسان کی شخصیت زندگی کے پہلے سیکنڈ سے آخری سانس تک بے شمار مخلوقات سے برسرِ پیکار رہتی ہے۔

آیئے اصل بحث کی طرف:

بات یہ ہے کہ انسان کی وہ انتہائی خام شخصیت جو پہلے تو بعد از حمل ماں کے پیٹ میں 9 ماہ تک پنپتی اور بنتی ہے اور بعد از پیدائش والدین کی گود میں، ان کے گھر میں، پھر اپنے گھر میں بنتی اور تعمیر ہوتی چلی جاتی ہے وہ پہلے سیکنڈ سے زندگی کے آخری سیکنڈ تک یا پہلے سانس سے آخری سانس تک مختلف قسم کی بے شمار مخلوقات سے برسرِ پیکار رہتی ہے جو اسے ہر ہر لحظہ اور ہر ہر سیکنڈ و منٹ اپنی مصنوعات، اپنی خدمات، اپنا جوہر یا اپنی products پیش کرتے ہیں۔ پھر نہ صرف پیش کرتے ہیں بلکہ کسی نہایت ماہر vender بیچنے والے کی طرح اپنی properties اور خاصیتوں کا تعارف اس کے فوائد انسان کی عملی زندگی کے مزے، کامیابی، نشے، عیش ونشاط، خوشی وسکون، تکمیل خواہشات و جذبات اور اپنے پرایوں کی خوشی میں اس کے استعمال سے اضافے کے وہ وہ محاسن و گر بتاتے ہیں کہ انسان نہ صرف دنگ رہ جاتا ہے بلکہ انھیں قبول کرنے کے لیے عام طور پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ اس کا نفس اُدھر شدید کشش رکھتا ہے۔

یہ مخلوقات بنیادی طور پر دو بڑے گروہوں میں منقسم ہوتی ہیں۔ ایک گروہ رحمانی ہے جبکہ دوسرا شیطانی گروہ کہلاتا ہے:

اگر آپ مذہبی کتب کا غور سے مطالعہ کریں چاہے وہ کسی بھی قابل ذکر مذہب کی کتب ہوں آپ آسانی سے ان دو گروہوں کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کی تقسیم بھی کر سکتے ہیں پھر بائبل اور خصوصاً قرآن میں تو بڑی ہی آسانی سے آپ ان کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ میں قرآن پاک کو بائبل مقدس پر صرف ایک وجہ سے فوقیت دیتا ہوں کہ قرآن پاک اپنے اصل متن اور ٹیکسٹ کے ساتھ تمام کا تمام اسی طرح اب تک محفوظ ہے۔ گو کہ اسے ترجمہ ومفہومات کا جامہ پہنانے والوں نے کئی طرح کی معنوی وتفہیمی تحریفات اپنے اپنے مسالک کے مطابق اپنی اپنی پسند کی فرضی احادیث (جن میں اکثر نبی پاک ﷺ کی احادیث قطعی نہیں ہیں اور قرآن سے متصادم ہیں) و روایات اور اسلامی تاریخی حوالوں سے کر دی ہیں۔ لیکن چونکہ اصل متن تمام کا تمام اپنی اصل عربی زبان ہی میں نشستِ الفاظ سمیت محفوظ ہے اس میں اللہ کی حفاظت کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی ملاوٹ یا ردو بدل نہیں ہے اسی لیے میں اسے ہر مذہبی کتاب پر فوقیت دیتا ہوں نہ کہ اس لیے کہ میں مسلمان ہوں۔ سو یہ جاننے کے لیے کہ افواجِ رحمٰن وشیطان کیا ہیں، کہاں ہیں، ان کی پہچان کیا ہے آپ اپنی اپنی مذہبی کتب یا بائبل اور خصوصاً قرآن سے معلوم کریں۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ دونوں اطراف میں بے حد وشمار اقسام کی افواج ہیں اور ان کا کوئی انت نہیں بس بے حساب ہی ہیں۔ اس لیے ان

Marfat.com

کی پہچان کے لیے کچھ موٹی موٹی خاص خاص دونوں طرف کی افواج کا ذکر ان صفات واعمال کے حوالے سے بائبل وقرآن میں آپ کو مل سکے گا جہاں سے آپ دونوں جانب کی افواج کو پہچاننے کے لیے بنیادی اور مکمل اصول حاصل کرسکیں گے۔

ان مخلوقات کا وجود، پہچان اور اثر پذیری پر طویل بحث:

جب آپ قرآن پاک کا گہرا مطالعہ بار بار کرتے رہیں گے اور غور و تدبر فرمائیں گے تو دیگر بے حد و شمار جواہرات، موتیوں، انوار اور عجائبات کے علاوہ ان مخلوقات حق و باطل کا ایک ایسا تعارف اور پہچان کا ایک ایسا ملکہ آپ کو حاصل ہو جائے گا کہ آپ ہر اس صفت، کام، خیال، عمل، جذبے، حرکت، پروگرام، ارادے اور قدم کی پہچان فوراً اس کے سامنے آتے ہی کر لیں گے کہ جو حق کی طرف سے ہے یا باطل کی جانب سے ظاہر ہوا ہے۔ میں ان سب کو زندہ مخلوقات کہتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ سب بے جان چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ بھی جان دار چیزیں ہیں مخلوقات الٰہی ہیں۔ یہ حرکت کرتی ہیں، اثر پذیری کی طاقت رکھتی ہیں، کشش رکھتی ہیں، نفع و نقصان کا باعث بنتی ہیں، سخت جان ہیں، قائم ہیں، موجود ہیں، ایک انسان یا ذی روح سے دوسرے میں منتقل ہوتی ہیں، آتی اور جاتی ہیں، ان کی شدت میں کمی بیشی ہوتی ہے، یہ تعمیر و تخریب اور خیر و فساد کا سبب بنتی ہیں، یہ دریافت و ایجاد کا باعث ہیں، یہ ہر سمت میں ہر طرح کی ترقی و تنزلی کا باعث ہیں، یہ جنگ و جدل کے معرکے برپا کرواتی ہیں، ان کی وجہ سے بحر و بر خون سے سرخ ہو جاتے ہیں، انہی کے دم سے خیر جنم لیتی ہے انہی کے دم سے شر پنپتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کائنات کے ذرے ذرے کی حرکت، زندگی کا پیچ و خم اثر اور رد و بدل، اس کے خمیر میں داخل ہونے اور نکلنے والی اشیاء سب کا سب کچھ اللہ کی انہی ان دیکھی مخلوقات کے دم قدم سے ہے۔ کیا شہد کی مکھی پر وحی کے نزول کی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اتنا پیچیدہ ترین مرکب تیار کرتی ہے جسے شہد کہتے ہیں، یہ تو ایک مثال ہے اسے سامنے رکھ کر تمام کی تمام مخلوقات پر جو جو کچھ فطری طور پر وحی ہو رہا ہے اس کا اندازہ کر لیجیے تو کیا جبرائیل اور اس طرز کے دیگر بے حد و شمار فرشتے بے جان ہیں جو بے حد و شمار مخلوقات پر وحی والہام اور القاء کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح سے آگ اگر بے جان ہے تو اس نے کس طرح سے خود کو سلامتی والی بنا لیا، ابراہیمؑ کے لیے۔ اگر زمین مٹی و ریت اور پانی بے جان ہے تو کس طرح انہوں نے اسماعیلؑ کی ایڑیاں پہچان کر آب زم زم کو بہنے دیا۔ وہ کون سی مخلوق تھی جس نے آگ کو، مٹی کو، ریت کو، زمین کو، پانی کو پیغام دیا یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ یہ آپ نے کبھی سوچا ہے۔ موسیٰؑ کی لاٹھی سے سمندر تو پھٹ گیا اور دونوں اطراف پہاڑ کی طرح کھڑا ہوتا چلا گیا لیکن یہ سب ہوا کیسے؟ مذہبیوں نے سر دھن کر اللہ کی قدرت کا پیغمبرؑ کے معجزے کا مزہ لیا سائنس نے معجزہ سے انکار کر دیا اور اس کی روشنی میں سرسیدؒ و پرویز جیسے مکتبہ فکر کے اسکالرز نے بھی انکار کرتے ہوئے بائبل وقرآن کو نئے معنی اس کے اصل متن سے ڈکشنریوں کی مدد سے نکال کر پہنائے۔ لیکن کسی نے بھی ایک لمحے کے لیے غور نہیں کیا کہ یہ سب ہوا کیسے۔ اپنی 5 حسوں کے غلام یا قیدی اور محسوسات کے خوگر انسان اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ اسی وجہ سے تو بہت بڑی

Marfat.com

اکثریت نے ہر دور میں ہر ہر پیغمبر کے زمانے میں ہزاروں پیغمبروں کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ ان پر ہر ہر طرح کے ظلم وستم ڈھائے کئی کو قتل کیا گیا، زندہ جلایا گیا، زندہ چیرا گیا، ان کی کھال اور ناخن کھینچے گئے، آنکھیں نکالی گئیں، جیل میں ڈالا اور اذیتیں دی گئیں، سنگسار کیا گیا، سولی چڑھایا گیا اور نہ جانے کیا کیا کچھ کیا گیا۔ آپ تو جناب صرف اور صرف چند پیغمبروں سے آگاہ ہیں اور ان کی کامیابیوں یا ناکامیوں سے آگاہ ہیں، آپ اور جانتے ہی کیا ہیں اور خود کو عالم و مفتی اور اسکالر کہتے ہیں یا کہلاتے ہیں آپ سب کا علم بڑا ہی محدود ہے حقیقت کے سامنے محض چند ریت کے ذروں کے برابر۔ گو کہ مجھے بھی کوئی زیادہ دعویٰ نہیں ہے لیکن میں جن گہرائیوں میں اترا ہوں کم از کم آپ کو وہاں تک لے جانا چاہتا ہوں۔ تو جنات کی طرح کی غیر محسوساتی مخلوقات ہیں جن کے ذریعے یہ سب مندرجہ بالا کام اللہ تعالیٰ انجام دیتے ہیں۔ اس طرح کی بے حد و شمار مخلوقات ہیں جن کے ذریعے سے شیطان بھی اپنے کام سرانجام دیتا ہے۔

تمثیل: ایک جوان لڑکی کسی قدر ویران و تاریک جگہ سے گزر رہی ہے وہاں سے کوئی جوان مرد بھی گزر رہا ہے اس کی نظر اس لڑکی پر پڑتی ہے چشم زدن میں اس کی نیت خراب ہو جاتی ہے وہ جھٹ اسے دبوچ لیتا ہے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کے اسے دو چار ہی منٹ میں مزید ویران جگہ یا اپنے مقصد کے لیے محفوظ جگہ لے جاتا ہے جیب سے رومال نکال کر زبردستی فوراً اس کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی مدافعت کی بنا پر چار چھ قوی ہاتھ اس کو جڑ دیتا ہے اب وہ بالکل نڈھال اور تر نوالہ کی طرح اس کے سامنے پڑی ہے وہ اپنی ہوس خوب پوری کرتا ہے نہ اس کے آنسو دیکھتا ہے نہ اس کی بربادی، نہ یہ سوچتا ہے کہ وہ کسی کی بیٹی ہے جیسے اس کی اپنی چھوٹی سی بیٹی ہے۔ نہ سوچتا ہے وہ کسی کی بہن ہے جیسے اس کی اپنی بہن ہے جس سے وہ بڑا پیار کرتا ہے۔ نہ یہ سوچتا ہے وہ کسی کی بیوی ہے جیسے اس کی اپنی بیوی ہے جس پر وہ کسی کی میلی آنکھ تک برداشت نہیں کرتا یا یہ کہ کل وہ کسی نہ کسی کی بیوی بنے گی تو کیا اس کی اپنی بیوی کے ساتھ کبھی ایسا واقعہ ہوا ہو اور اسے پتا چل جائے تو اس پر کیا بیتے گی۔ اس نے قطعی نہ سوچا کہ اس لڑکی پر اُس کا اس نوعیت کا کوئی حق ہے بھی کہ نہیں۔ بس وہ یہ سب ایک دم سے کر گزرتا ہے شاید چند منٹ یا 1/2 گھنٹہ میں وہ یہ سب کر گزرا ہو اور پھر اسے وہیں چھوڑ کر چلتا بنا ہو۔ تو یہ سب کیا تھا؟ کیسے ہو گیا؟ کس چیز نے اسے انسان سے حیوان بلکہ اس سے بدتر بنا دیا؟ شیطان نے، کیسے؟ شیطان کی افواج میں سے ایک فوج خاص کا ایک فوجی وہاں اس کے ذہن کے ساتھ اس کی روح پر دسترس رکھنے والا با اذن الٰہی وہاں ڈیوٹی پر تھا (یاد رہے کہ شیطان کو قیامت تک کے لیے انسان پر اثر انداز ہونے کا اذن الٰہی حاصل ہے رضائے الٰہی اور شے ہے اذن الٰہی اور شے ہے)۔ اس شخص کے ذہن نے اس کا مشورہ اور تحریک فوراً قبول کر لی کیونکہ اس کی پہلے سے بنی ہوئی شخصیت میں اس تحریک و مشورے کو اور اثر پذیری کو قبول کرنے کی استعداد موجود تھی، سو ایک عمل سرانجام دیا گیا۔

اب ایک دوسری **تمثیل:** اسی طرح کے حالات میں ایک ڈری سہمی جوان لڑکی جب ایسی ویران و تاریک جگہ سے

Marfat.com

اتفاقاً گزرتی ہے اور اس کا پیچھا کوئی بدنیت شخص کرتا ہے اسے دبوچ لیتا ہے لیکن ایک دوسرا شخص کہیں دور سے یہ منظر اتفاقاً دیکھ لیتا ہے وہ بڑی تیزی کے ساتھ بھاگ کر آتا ہے اور اس سے پہلے کہ بدنیت شخص اسے اس کی دسترس سے باہر لے جا سکے وہ ان تک پہنچ جاتا ہے وہ لڑکی کو چھڑواتا ہے اور اس شخص سے یوں گتھم گتھا ہو جاتا ہے جیسے وہ اس کی بہن ہے جب بدنیت شخص دیکھتا ہے کہ اب وہ پکڑا گیا ہے اور پٹ رہا ہے تو جیب سے پستول نکالتا ہے اور مدمقابل پر فائر داغ دیتا ہے گولی لڑکی کو بچانے والے شخص کی ٹانگ میں لگتی ہے اور وہ گر پڑتا ہے۔ موقع غنیمت جان کر دوسرا شخص بھاگ کھڑا ہوتا ہے یوں لڑکی کی عزت و آبرو تو بچ جاتی ہے لیکن عزت بچانے والے شخص کی ٹانگ شدید زخمی ہو جاتی ہے وہ باوجود زخمی ہونے کے اٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے بہن تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا لوگ تمہارے متعلق باتیں نہ بنائیں۔ تم فوراً چلی جاؤ میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے کچھ فاصلے سے آرہا ہوں تاکہ تمہیں کوئی خطرہ نہ ہو اور اس واقعہ کو یا مجھے بھول جاؤ۔ وہ لڑکی کچھ ہچکچاتی ہے پھر مجبوراً اپنی عزت کا خیال کرتے ہوئے کہ لوگ اکٹھے ہونے شروع نہ ہو جائیں وہاں سے چلی جاتی ہے۔ وہ شخص بمشکل وہاں سے چل کر کسی ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں سے کسی ذریعہ سے وہ ہسپتال پہنچ سکے اور وہاں پہنچ کر بہانا کرتا ہے کہ ڈاکوؤں نے اسے گولی ماری ہے پرس چھیننے کے لیے۔ یوں وہ دو ماہ ٹانگ کی تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ تب وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ پہلے والی بال کا کھلاڑی اور بہت اچھا سمیشر تھا اب وہ کبھی بھی والی بال نہ کھیل سکے گا کیونکہ اس کی ٹانگ میں تو راڈ پڑا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے چلنے میں بھی کچھ دقت رہتی ہے۔ اب کیا چیز تھی جس نے اس نیک شخص سے یہ سب کام کروایا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ایمانی قوت نے۔ ٹھیک ہے، لیکن کوئی چیز تو تھی جس نے اسے نیکی کی طرف اُبھارا۔ وہ کیا چیز تھی؟ بھئی وہ خیال کہاں سے آیا کہ اس نیک شخص کی شخصیت نے اسے فوراً قبول کر لیا؟ ذرا سوچیے۔ اصل میں ہم "آم کھاتے ہیں پیڑ نہیں گنتے" جبکہ شے کی حقیقت کو جاننے والی نگاہ پیڑ بھی گنتی ہے اور پیڑوں کی بناوٹ نیز شے کے بننے کے عمل پر بھی غور کرتی ہے چنانچہ ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی افواج کے ان گنت فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جو اس اسپیشل ڈیوٹی پر تھا اس نے فوراً اس شخص کو مشورہ دیا کہ ایسا کرو۔ چونکہ وہ شخص ایسی شخصیت تراش رہا تھا جو کہ ایسی نیکی کے قابل تھی۔ اس لیے اس کی مذکورہ شخصیت نے یہ مشورہ فوراً مان لیا اور اپنا نفع نقصان یا انجام قطعاً نہ سوچا اور عمل کر گزرا۔ اس کا ایمان بھی اس کی شخصیت کی تراش خراش کے دوران اسی طرح سے تراشا گیا تھا۔ اصل میں انسان کے اندر اس کے ذہن پر اس کی روح کے توسط سے بے حد و شمار مثبت و منفی قوتیں، خیر و شر کی طاقتیں، نیکی و بدی کی حامل رحمانی و شیطانی مخلوقات (مخلوقات سب رحمانی ہوتی ہیں لیکن جن پر شیطان کی دسترس ہے اور جنہیں وہ اپنے علم و ارادے کے زیر اثر لا سکتا ہے باذن اللہ تا قیامت انھیں ہم شیطانی مخلوقات کہتے ہیں) ہر ہر وقت، ہر ہر لمحہ، ہر ہر سانس کے ساتھ اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ جو ہمارے ذہن پر ہر وقت کئی قسم کے خیالات کی یلغار رہتی ہے یہ صرف وہ ہیں جن پر کچھ غور کر کے یا اپنی ہلکی سی توجہ دے کر ہم انھیں اپنے شعور پر لے آتے اور توجہ کا مرکز بناتے ہیں چاہے لمحہ بھر کے لیے یا

Marfat.com

اس سے بھی کم مدت کے لیے ہی ہم نے توجہ دی ہو لیکن ان خیالات و مہیجات اور محرّکات کے علاوہ بے حدو بے شمار خیالات کی انتہائی تیز رو ہر ہر وقت ہمارے لاشعور سے رابطے میں ہے۔ جیسے بے حدو شمار قسم کی آوازیں شاں شاں یا ایک سیٹی سی مسلسل سنائی دیتی رہتی ہے اسی طرح ہمارے لاشعور میں بے حدو شمار اور بے حد متنوع اقسام اور کیا کہوں کہ ان کی کوئی حد نہیں کوئی خاص تعریف نہیں بس طوفان ہے جو لاشعور میں برپا ہے۔ ہمارے شعور میں یہ خیالات، جذبات، احساسات، صفات، خواہشات، طلب و رسد، چاہت، کشش و رغبت وغیرہ وغیرہ کی مختلف شکلوں میں داخل ہوتا ہے جتنا کہ ہمارا شعور اسے داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن مخصوص اجازت کے قانون کے لاگو ہونے کے باوجود پھر بھی اگر ہم ذرا سی اپنے ذہن پر توجہ دیں تو ہم محسوس کریں گے کہ ایک وقت میں کئی خیالات ہیں مہجات ہیں جو ہمیں اپنی جانب متوجہ کر رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ہمارے ذہن میں ایک وقت میں صرف چند قسم کے خیالات پر توجہ دینے ہی کی صلاحیت ہوتی ہے شاید دو چار قسم کے یا کوئی بڑا ذہین ہو اور متنوع اقسام مہجات کا ماہر ہو تو بھی مزید دو چار شامل توجہ کر کے کہہ لیں کہ انسان زیادہ سے زیادہ ذہن پر وارد ہونے کی مہجات و خیالات کی چھ آٹھ اقسام پر کچھ نہ کچھ توجہ ایک وقت میں دے سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے جبکہ شعور پر وارد ہونے والے خیالات یا مہجات اس سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں جن پر ہم ایک وقت میں توجہ نہیں دے سکتے ہاں اگر توجہ حاصل کرنے والے خیالات کو ہم ذہن سے نہایت تیزی سے جھٹکتے جائیں تو اسی تیزی سے نت نئے خیالات، مناظر و کئی قسم کی مہجات ہماری توجہ کا مرکز بننا چاہیں گے یہ سلسلہ جتنا تیزی سے اور جتنی دیر تک آپ جاری رکھنا چاہیں رکھیں آپ اگر اس کی پریکٹس کر کے اس میں زیادہ سے زیادہ تیزی پیدا کر لیں کہ آنے والے خیالات و مہجات کو نہایت تیزی سے ذہن سے جھٹکتے اور ہٹاتے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ نہایت ہی کم وقت میں آپ کے ذہن سے درجنوں پھر سینکڑوں خیالات و مہجات گزر گئے ہیں۔ عام حالات میں بھی اس خاص پریکٹس کے باوجود بھی کچھ خاص خیالات و مہجات آپ کے ذہن سے چپک کر رہ جائیں گے آپ انھیں جھٹکنے کی لاکھ کوشش کریں وہ ذہن سے نہ نکلیں گے۔ اصل میں وہ اب تک کے عرصہ میں بنی ہوئی آپ کی شخصیت کی ڈیمانڈ کے قریب یا عین مطابق ہونگے لہٰذا آپ بظاہر اُنھیں گو کہ جھٹکنا چاہتے ہیں اور مصنوعی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہے اس طبیعت کے خلاف جو کہ آپ کی اب تک کی بنی ہوئی شخصیت نے آپ کی بنائی ہے اس لیے آپ اس خلاف طبیعت جھٹکنے کے عمل پر کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ الٹا آپ کی طبیعت آپ کی شخصیت کی ڈیمانڈ پر ادھر متوجہ ہوتی چلی جاتی ہے اور بالآخر آپ اس خیال پر عمل بھی کر گزرتے ہیں جو آپ کو پسند آتا ہے۔

پس یوں یہ بے حدو شمار قسم کے فرشتے اور دیگر ارواحِ سعید پر مشتمل مخلوقات ربانی حق کے رستے کے لیے ہر ہر لمحہ ہماری روح کے توسّط سے ہمارے ذہن پر اثر انداز ہونے کی سعی کر رہی ہیں اور اسی طرح سے بے حدو شمار قسم کی شیطان سے منسلک مخلوقات جن کی اصل جنوں اور ان کی بے شمار اقسام سے ہے اور جہاں تک شیطان کی دسترس ہے یہ سب کی سب اسی

Marfat.com

زوروطاقت سے ہر ذی روح کو خصوصاً انسان کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے اس کے ذہن پر روح کے توسط سے اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ بطور جنوں کی بے شمار اقسام کے بھی اور بطور دیگر بے شمار باطل کے لیے کام کرنے والی شیطانی مخلوقات کے بھی کہ جن تک شیطان دسترس رکھتا ہے یہ سب کی سب حق کے مقابل ایک شدید عمل اور اسی شدت کے ردعمل کے قانون کے تحت کھینچا تانی میں مصروف ہیں۔ یہ سب کی سب حق و باطل کے لیے کام کرنے والی چیزیں زندہ مخلوقات ہیں۔ یہ ایک نسل سے دوسری نسل میں اور والدین سے اولاد میں منتقل بھی ہوتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی بچے دیتی ہیں ان کی نسلی بڑھوتری بھی ہوتی ہے یہ بھی انسان ہی کی طرح اپنی بقاء کی خواہش مند ہوتی ہیں اپنے پھلنے پھولنے کے لیے کوشش کرتی ہیں اپنے مقابل قوتوں اور مخلوقات کے ساتھ جنگ وجدل کرتی ہیں۔ جس طرح سے ایک بڑے اور گھنے درخت کے ساتھ دیگر بھی درجنوں مخلوقات وابستہ ہوتی ہیں۔ جن کی بقاء درخت کی بقاء کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اسی طرح سے انسان جس طرح سے مادی دنیا میں اکیلا نہیں ہے بلکہ لاکھوں کروڑوں بلکہ ان گنت مخلوقات اس کے ساتھ اسی زمین پر آباد ہیں اسی طرح سے روحانی اعتبار سے بھی وہ اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کی روح کے ساتھ وابستہ اور دنیائے ارواح کے ساتھ وابستہ بے حد و بے شمار مخلوقات ربانی و شیطانی ہیں۔ جس طرح سے کسی سادے کاغذ یا کینوس پر کوئی مصور بے حد و شمار قسم کی تصاویر کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہوئے بے شمار قسم کے رنگ لے کر جو اچھے بھی ہیں اور برے بھی اپنی slection اور اپنے انتخاب سے کام لیتے ہوئے عمر بھر کوئی تصویر بناتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ظاہر ہے وہ اسے اپنی زندگی بھر کی محنت کی وجہ سے اتنی اچھی لگتی ہے کہ وہ اسے چاہتا بھی ہے پوجتا بھی ہے۔ (پوجنا کیا ہے؟ جب ہر چیز سے ہٹ کر کوئی چیز آپ کو اتنی اچھی لگتی ہے کہ آپ اسی کے خیال میں مگن رہتے ہیں اس سے گہری محبت کرتے ہیں تو آپ اسے پوج رہے ہوتے ہیں) بالکل اسی طرح سے ہر شخص بوقت قرار حمل اور خصوصاً بوقت پیدائش بالکل سادے کاغذ یا کینوس کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی روح خام، اس کی شخصیت ناپید اور اس کا ذہن سفر کے اعتبار سے صفر ہوتا ہے گو کہ اس کے اندر بے شمار قسم کی صلاحیتیں اور امکانات پوشیدہ طور پر اور خام حالتوں میں فیڈ ہوتے ہیں اور اپنے آباء سے جینز میں ورثے میں اس نے بہت کچھ لیا ہوتا ہے انہی جینز میں بے شمار مخلوقات حق و باطل جن کا اثر و نفوذ کسی نہ کسی حد تک اس کے آباء پر رہا تھا بھی اپنی اگلی نسل کے طور پر فیڈ ہوتی ہیں جو اس پوشیدہ رستے سے اس کی طبیعت و میلان پر اثر انداز ہوتی ہیں اور صلاحیتوں کے طور پر ابھرتی ہیں لیکن پھر بھی فرد متعلقہ آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی خام روح، خام شخصیت اور خام ذہن میں کون کون سے اور کیا کیا رنگ کس مقدار اور تناسب سے بھر کر کیا شخصیت بنتا ہے وہ اپنے جینز میں فیڈ ماحول میں موجود، مواقع پر مبنی مخلوقات کے ساتھ ساتھ دیگر براہ راست ذہن پر خیالات و خواہشات و جزیات پر اور دیگر ان ذریعوں سے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے پر مبنی مخلوقات کا اثر اپنے انتخاب کے مطابق لیتا ہے یہی اس کا وہ اختیار ہے جو اسے خدائے پاک نے دے کر پیدائش تا موت اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا موقع دیا ہے اور ساتھ ہی حق و باطل پر مبنی بے حد و شمار مخلوقات کو ہزاروں

Marfat.com

طرح کے مہجات ومحرکات بنا کر اس کی روح کے توسط سے اس کے ذہن کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ انسان کی طبیعت میں یعنی اس کی خام ترین شخصی حالت میں بھی کہیں گہرائی میں حق و باطل میں تمیز کرنے کی ایک ذہنی قوت گوکہ رکھ دی ہے جو وہبی ہے اور اللہ کی اپنی جانب کی روح پھونکنے کی وجہ سے ہماری روح میں ودیعت ہے شاید کوئی نہایت سریع، نہاں اور حساس فرشتہ جو وقت پر ہلکا سا اشارہ کر دیتا ہے کہ یہ حق ہے یا باطل لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ ایک وحی خاص کا جبرائیلی طریقہ بھی اپنے منتخب خاص بندوں کے ذریعے شروع کیا اور اس پر مبنی احکامات کو ہر دور میں کتابی شکل میں محفوظ بھی فرمایا۔ عرصہ دراز تک کے لیے سو یہ وحی آسمانی جو آج کل قرآن پاک کی شکل میں بالکل محفوظ ہے وہ بھی ہماری مدد کرتی ہے کہ ہم بغیر بہکے حق و باطل قوتوں کی حامل انہی ذہن پر اثر انداز ہونے والی ان گنت مخلوقات اور ان کی اقسام کی تمیز بہ آسانی کر سکیں اور اگر چاہیں تو حق پر چل سکیں۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ کہہ دینا یا لکھ دینا بلکہ اس میں انسان کا ایڑی چوٹی کا زور لگتا ہے اور اسے اپنے مادی وجود کے ہوتے ہوئے شیطانی مہجات ومحرکات پر مبنی مخلوقات وقوتوں سے بڑی سخت جنگ ساری زندگی کرنا پڑتی ہے۔ اپنی خواہشات کو، اپنے دل پسند خیالات کو، اپنے جذبات کو، اپنے نفس لوّامہ کی اندھی بے شمار مزے دار چاہتوں کو مارنا پڑتا ہے ایسی ایسی بے پناہ کشش رکھنے والی مخلوقات کو اپنے دل سے نکالنا پڑتا ہے کہ انسان کے اندر سے وہ آواز لگاتی ہیں چیخ چیخ کر کہ اس روکھی پھیکی زندگی کی بجائے تو مر ہی جائے تو بہتر ہے لیکن ہمیں وحی الٰہی کی روشنی میں ہی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے اپنے لیے زندگی کے مزے لینے کی اجازت ہے۔ بلکہ بے حد و شمار کچھ بلکہ وقت پڑے تو اپنا سب کچھ حتیٰ کہ جان بھی حق کے لیے قربان کر دینے کا حکم ہے۔ پھر اگر عشق الٰہی کمانا ہو تو اس کا تو دستور ہی الٹا ہے پھر آپ اپنے نفس کو الٹا ٹانگ دیں دھیرے دھیرے اپنا آرام سکون، صحت، خواہشات، ترجیحات، مال، اولاد، بیوی، عزیز سے عزیز چیز، دنیا کی ہر ہر چیز راہ اللہ میں قربان کرتے چلے جائیں حتیٰ کہ سوائے اللہ کی ذات کے آپ کے پاس کچھ بھی نہ بچے نہ کوئی تعلق نہ کوئی پہچان، نہ کوئی سہارا، نہ کوئی چھت، آپ ایسے فقیر راہ اللہ ہو جائیں اللہ کے عشق میں کہ کیا کہنے۔ یوں آپ حق کی افواج اور مخلوقات کو بیچ سے ہٹاتے ہٹاتے جو کہ پردوں کا کام کرتے ہیں براہ راست ایک وقت آتا ہے کہ حق تعالیٰ کے نور سے عجائبات کی عدم انتہا والے واحد و یکتا کے نور سے جتنا فاصلہ وہ مقرر کر دے اس فاصلے سے یا جو آخری پردہ یا پردے وہ مقرر کر دے ان سے خدائی نور پاتے اور مست ہو جاتے ہیں۔ یہ پردے یا فاصلے یوں ہیں کہ ہمارے بڑے سے بڑے فقیر و اولیا اللہ حضرات کے حوالے سے بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں وہاں پہنچ کر وہ ننگے دیدار بغیر کسی پردے کے دیدار کا نعرہ لگاتے ہیں اور پھر حالت جذب ہی میں 90% یا 99% فیصد رہتے ہیں لیکن حقیقت میں پھر بھی نور الٰہی مسطور ہی ہوتا ہے بڑا ہی مستور کسی دیگر ہستی کی کیا مجال کہ بن ستر کے نور حق تعالیٰ دیکھ سکے۔ اس عظیم ترین ہستی کا نور تو ہزاروں پردوں میں بھی ایک مقام آتا ہے کہ اتنا ٹھاٹھیں مارتا ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا فقیر بھی، بڑے سے بڑا مومن بھی، بڑے سے بڑا ولی اللہ، صدیق، صالح، متقی اور عاشق الٰہی بھی اسے اس

Marfat.com

سے آگے ایک قدم بھی برداشت نہیں کر سکتا نہ اس سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

چلیے اپنے موضوع کو سمیٹ کر اختتام کی طرف لائیں:

یہ بڑا ہی وسیع موضوع ہے اگر میں ان اشیاء کو مخلوقات ثابت کرنے کے لیے مثالیں ہی دینا شروع کر دیتا تو شاید کتنے ہی صفحات اور لگ جاتے لیکن مثالیں ختم نہ ہوتیں تاہم ہمارا مقصد بحث کو غیر ضروری طور پر پھیلانا نہ تھا اور نہ ہی ہم اسے غیر ضروری طوالت و تشریح میں الجھانا چاہتے تھے کہ عام قاری کی دلچسپی کی ایک حد ہونے کے ساتھ ساتھ خاص قارئین کی بھی بہر حال دلچسپی کی ایک حد ضرور ہوتی ہے۔ اس سے آگے وہ چاہیں بھی تو نہیں جا پاتے۔ بلکہ الجھ کر کتاب رکھ دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تو ''انگور کھٹے ہیں'' کے مصداق بھی معاملہ ہو جاتا ہے اس لیے میں اس حد سے پہلے ہی اپنی گفتگو کو سمیٹ لیتا ہوں اور زیادہ گہرائی و گیرائی میں نہیں اترتا۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ آپ بے شمار قسم کی اچھی یا بری عادات کو اختیار کر لیتے ہیں وہ انہی مخلوقات کی وجہ سے بلکہ اگر میں کہوں کہ ہر عادت بذات خود بھی ایک مخلوق ہے وہ محرکات خود مخلوقات ہیں پھر جب یہ ایک عادت بن جاتی ہے تو یہ بھی ایک الگ مخلوق ہے جس کے اندر تحریک ہے، جس کا وجود ہے، جس کی خوراک ہے، جو قائم ہے، جو اثر انداز ہے، جو ہمارے وجود کے ساتھ قائم ہے وغیرہ وغیرہ۔ حتیٰ کہ یہ ہماری اگلی نسل میں منتقل ہوتی ہے ہم جب بچہ پیدا کرتے ہیں تو وہ صرف انسان ہی کا بچہ نہیں ہوتا بلکہ اس ایک بچے میں نہ جانے ان مخلوقات کے کتنے ہی بچے شامل ہوتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو معلوم کریں کہ دادا نے کتنی عمر میں سگریٹ نوشی شروع کی تھی آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے کہ بیٹے نے بھی اسی عمر میں سگریٹ نوشی شروع کر دی پھر کتنی مدت دادا نے سگریٹ پیئے آپ کو پھر بھی جھٹکا لگے گا کہ بیٹے نے بھی تقریباً اتنے ہی عرصہ تک سگریٹ پیئے پھر پوتے نے بھی اسی سائیکل کو دہرایا۔ میرے مشاہدے میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر باپ نے بیماری یا تکلیف سے تنگ آ کر سگریٹ چھوڑے ہیں تو ٹھیک اسی دن سے یا چند دن آگے پیچھے اس کے بیٹے نے سگریٹ نوشی شروع کر دی ہے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ اگر باپ سے کسی مخلوق نے ہاتھ اٹھایا ہے تو اولاد میں منتقل ہو گئی ہے اب اتنا گہرا غور کرنے کے لیے اور بظاہر اتنے فضول کام کے لیے کس کے پاس وقت ہے۔ میرے جیسے لوگ تو گھر اور معاشرہ دونوں میں unfit اور نکمے و ناکام کہلاتے ہیں کیونکہ وہ زندگی کے لوازمات اور مطالبوں سے، کشاکش سے، دوڑ بھاگ سے، رسوم سے اور طے شدہ ڈگر سے ہٹ کر تحقیق و جستجو کے لیے زندگی بھر کے لیے فقیر ہو جاتے ہیں۔ انھیں دنیا بڑی زیادہ سزا دیتی ہے لیکن یہ دنیا کو بفضل تعالیٰ بڑا کچھ دے جاتے ہیں جس کی قدر کا اندازہ ان کے مرنے کے سینکڑوں سال بعد کیا جاتا ہے پھر ان کے نام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے طرح طرح کے طریقے اپنائے جاتے ہیں بعض جواہر تو یوں ہی مٹی میں مل جاتے ہیں دنیا ان کی ہی چمک سے مستفید ہوتی ہے جنہیں خدائے پاک اپنی حکمت سے چمکانا منظور فرماتا ہے بہر حال اصل بات کی طرف لوٹتے ہوئے دیکھیے کہ حق کی افواج میں سے چند ایک یہ ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

حق کی افواج میں سے چند:

سچ بولنا یعنی سچائی، توازنِ حیات، صالحیت، عدل وانصاف، مساوات، نیکی ایمان بالغائب، روزحشر پر یقین، رزق حلال، حقوق العباد نبھانا، حقوق الٰہی پر پابندرہنا، عاجزی وانکساری، سادگی، خلوص، حقیقت پسندی، حق کی گواہی، حق کے لیے زبانی تحریری عملی قلمی مالی جانی ہر طرح کا جہاد، قربانی، ایثار، بہادری، شجاعت، محبت، ہمدردی، کمزور محروم یتیم بیوہ معذور غریب حاجت مند مظلوم دردمند بیمار مسافر فقیر گداگر سوالی محتاج اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے ٹوٹے دلوں والوں آنسوؤں میں بسے ہوئے لوگوں سے پیار اوران کے سکھ کے لیے ازحد کوشش کرنا، اپنی دنیا کولٹا دینا۔ تبلیغ حق، اولاد کی اچھی تربیت، دیگر بچوں اور لوگوں کی اصلاح کے لیے کوشش، معاشرے کی اصلاح کی کوشش باعمل علم کا حصول، حق پر غوروتدبر، قرآنی خصائل حق اپنانا، احکامات پرعمل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ اوراس کے علاوہ بے شمار قسم کے محرکات ہیں جو کہ ان عادات وخصائل یا صفات کے پیدا کرنے اوران پرعمل کروانے کا باعث بنتے ہیں اور ہمارے ذہن پرزور ڈال کرہمیں اس سمت چلنے کی تحریک دلاتے ہیں یہ حق کی مخلوقات ہیں۔

باطل کی افواج سے چند مثالیں:

جھوٹ، غیبت، کینا، دغابازی، فریب کاری، زنا، شراب خوری، جؤا، منشیات کا استعمال، چوری، ڈاکہ، حق تلفی، زیادتی، بے انصافی، ظلم وبربریت، خودغرضی، اقرباپروری، رشوت خوری، ناجائز سفارش، تکبروغرور، سفّاکی، ہوسِ زر، ہوسِ زن یا جنس یعنی شہوتِ جنسی، شہوت دھن، شہوت نگاہ وسماعت ولمس، لواطت، مُشت زنی، مال بٹورنا، دلالی کرنا، قول وعمل میں فرق، منافقت، کفر، خودپسندی، دوسروں کے لیے حقارت، مذاق اڑانا، گالیاں دینا، فحاشی وعریانی، فحش گفتگو، حسد، بُخل، چغلی، کینہ بغض، بُت پرستی، بے ترسی، لاپرواہی، سُستی کاہلی، تن پروری، حرام خوری، حرام کاری، ہوس دنیا اور خلاف حکم الٰہی جتنے بھی اعمال ہیں وہ جن اعمال کو شیطانی اعمال بائبل وقرآن اور دیگر مذہبی کتب نے کہا ہے وہ سب اعمال نیز ہر ہر خلاف حق عمل اور ہر ہر باطل عمل، ارادہ، سوچ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے بے شمار کاموں کو، صفات کو، خواہشات کو، ارادوں کو تحریک دینے والے خیالات ومحبّات کو مخلوقات باطل یا بے حدوشمار افواج باطل گردانا جائے گا۔ یہ تومحض چند باطل کی مخلوقات اورافواج کا ذکر ہوا ہے ان کا توکوئی اندازہ ہی نہیں ہے کہ ان کا کیا شمار ہے کتنی اقسام ہیں اور یہ کس کس طرح سے اثرانداز ہوتی ہیں کن کن خفیہ راہوں سے ہماری شخصیت میں داخل ہوتی اور ہمارے اعمال کا حصہ بنتی ہیں کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا۔

حاصل بحث:

حاصل بحث یہ ہے کہ صرف ہم زندہ نہیں ہیں بلکہ یہ بے حدوشمار مخلوقات بھی زندہ ہیں ذہن وصلاحیتیں رکھتی ہیں سو طریقوں سے اثرانداز ہونے کی پوری قوت رکھتی ہیں، مقابلہ کرتی ہیں، کشش رکھتی ہیں، رغبت دلاتی ہیں اورسب سے بڑی

Marfat.com

بات یہ کہ ہمارے مادی جسم کے لیے یہ شیطانی مخلوقات بے پناہ کشش رکھتی ہیں جبکہ ہماری روح کے لیے رحمانی مخلوقات اور حق کی قوتیں جو ہمارے ذہن پر باطل قوتوں کے مقابلے پراثر انداز ہورہی ہیں زیادہ کشش رکھتی ہیں جب ہمیں مادی جسم دیا گیا ہے تو حق پر چلتے ہوئے بھی اس مادی جسم کی جائز خواہشات پوری کرنے کی اجازت دی گئی ہے یہ مادی دنیا بھی ہمارے ہی لیے ہے لیکن ہم سب کے لیے ''صرف میرے یا میری قوم کے لیے'' کی ذہنیت کا یہاں کچھ کام نہیں ہے۔ لہٰذا خود کو زندہ اور ان کو مُردہ و مجرّد محض خیالات خواہشات و جذبات وغیرہ نہ سمجھا جائے اور نہ ہی ان کو easy لیا جائے بلکہ جب کسی فرد کی شخصیت بن رہی ہو اور اس کی زندگی کا وہ دور شروع ہو جائے جس میں وہ اپنی شخصیت کی تعمیر و تخریب پر خود اثر انداز ہوسکتا ہو یعنی شیر خوارگی سے آگے کا سب زمانہ بچپن، لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر، بڑھاپا وغیرہ تو اس سب کے سب عرصہ میں وہ اپنی شخصیت کے بنانے پر خاص توجہ دے۔ وقت بالکل ایک دن کے لیے ایک منٹ کے لیے بھی ضائع نہ کرے۔ نہ سوچے کہ ابھی تو آگے زندگی پڑی ہے ابھی تو میں بچہ ہوں ابھی تو میں لڑکپن یا جوانی میں ہوں بلکہ شخصیت کے بننے کے عمل کو نہایت ہی سنجیدگی سے لے، بچپن ہی سے حق جاننے کی کوشش کرے حق جان لے تو پھر ہمیشہ حق پر مبنی افواج کو اپنی شخصیت کا خاصہ بنائے، حق سے صفات حاصل کرے۔ میں تو کہتا ہوں بچپن ہی سے قرآن پر حق الیقین اور عین الیقین پیدا کرے اور پھر قرآن عظیم پر بچپن ہی سے گہرا غور و تدبر اختیار کرنے کی عادت اپنائے۔ جتنی جلدی ہو سکے پورے کے پورے قرآن عزیز پر مکمل عمل شروع کر دے اس کے احکام پر عمل کرے وہی اسے مخلوقات حق اور افواج حق کی 100% ٹھیک پہچان کروائے گا رہنمائی کرائے گا۔ ان کو فرد کی شخصیت کا حصہ بنائے گا اور تمام باطل قوتوں سے، مخلوقات سے اس کی حفاظت فرمائے گا کیونکہ قرآن مجید ایک ایسا آلہ ہے جو اگر آپ کے علم میں موجود ہے اپنی پوری گہرائی اور اثر پذیری کے ساتھ تو آپ کو ہر ہر باطل خیال و خواہش اور جذبے کے پیدا ہوتے ہی ان باطل مخلوقات کے آپ کے ذہن میں داخل ہوتے ہی آپ کو فوراً آگاہ کر دیتا ہے اور ان کے مقابلے پر فوراً آپ کی یادداشت میں موجود اپنی علمی دنیا سے فوج روانہ فرما دیتا ہے ہمارا کام صرف اس حق کی فوج کا ساتھ دینا ہے اس کی پناہ میں آنا ہے اور باطل افواج و مخلوقات سے قرآن کی مدد سے بچنا ہے۔ بس ہم اگر اپنے سانسوں میں قرآن کو جاری کر سکے اگر ہم اپنے خون میں قرآن کو دوڑا سکے اور اگر ہم اپنے خیالات، ترجیحات، خواہشات اور جذبات پر قرآن کو سایہ فگن کر سکے تو بے شک میں خدا کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ ہم ایک اعلیٰ ترین مکمل ترین اور دونوں جہانوں میں کامیاب ترین شخصیات بنیں گے۔ اگر اس سے الٹ ہوا خدانخواستہ تو ہم اتنے ہی ناکام شخص بنیں گے اگلے جہان کے لیے اور اس جہان کے لیے بھی ہم ایک مہلت خاص تک شیطان کے زیر اثر انفرادی طور پر یا قومی طور پر بڑے کامیاب نظر آئیں گے لیکن مہلت ختم ہوتے ہی ہمارا انفرادی یا قومی انجام بڑا بھیانک ہوگا۔ کیونکہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔ حتیٰ کہ جس جس نسبت سے تناسب سے آپ قرآن کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنائیں گے یا نہیں بنائیں گے اسی اسی نسبت و تناسب سے آپ کو انفرادی یا

Marfat.com

قومی طور پر نفع یا نقصان، کامیابی یا ناکامی، تعمیر یا تخریب، خیر یا شر اور امن یا فساد کا سامنا ضرور بہ ضرور کرنا پڑے گا۔ تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ ان خیر وشر سے وابستہ زندہ مخلوقات میں سے خیر سے وابستہ مخلوقات رحمانی کا انتخاب فرمالیں ورنہ اگر آپ نے سُستی کی تو شیطانی بے پناہ پُرکشش ہزار رنگوں میں رنگی ہوئی مخلوقات آپ کو پھر سنبھلنے کا موقع نہ دیں گی پھر آپ فرعون کی طرح ڈوبتے وقت ہی موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائیں گے بلکہ شاید بعد مرنے کے بمطابق قرآن اللہ پاک سے ایک مرتبہ پھر تھوڑی سی مہلت مانگیں گے مگر پھر بھلا مہلت کہاں؟ آج قرآن حکیم ساڑھے چودہ سو سالوں سے چیخ چیخ کر اپنے حق ہونے کا اعلان پورے ثبوتوں اور تجربہ کو ضامن بنا کر کر رہا ہے لیکن آپ مانتے نہیں تو پھر بتائیں بعد مرنے کے ہم کس منہ سے اپنے رب سے دوبارہ مہلت مانگیں گے۔ آیئے ابھی وقت ہے اپنی شخصیت کے کینوس پر قرآنی رنگ بھر لیجئے شیطانی رنگوں کو قرآن پاک پر ڈال دیجئے یہ خود بہ خود بھک سے اُڑ جائیں گے آپ کیا یاد کریں گے بعد دونوں جہانوں میں کامیابی کے کہ کیا کیا مشورے کس کس رنگ میں آہنگ میں کوئی شخص دیتا رہا تھا اور رحمٰن ورحیم رب کریم کا بڑا شکر ادا کریں گے کہ خاص اسی کے فضل سے آپ نے یہ مشورے مان لیے تھے انہوں نے آپ کی پہلے سے بنی ہوئی شخصیت کو یوں بدل دیا تھا آپ کے رنگ ڈھنگ بعد یہ کتاب پڑھنے کے بدل گئے تھے۔ بس خدائے پاک آپ کو اور مجھے عمل کی توفیق پورے ایمان ویقین کے ساتھ عطا فرمائیں کیونکہ بغیر اس کی منظوری کے، اس کے فضل وکرم کے کوئی قرآن پاک سے بھی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ میری کیا مجال یا حیثیت ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ مت لے لیجئے گا کہ بس آپ تو معذور ہیں بلکہ کوشش خلوص نیت سے کرنا پوری طاقت کے ساتھ مسلسل آپ کا کام ہے قبول کرنا اور منظور کرنا اس رب قدّوس کی رضا ہے اور یاد رکھئے وہ اپنے پُرخلوص بندوں کو کبھی مایوس نہیں فرماتا۔

حق وباطل کی کشمکش اور جنگ میں رحمٰن وشیطان کی افواج کا کردار خاص:

اب جبکہ ہم نے پیدائش بلکہ حمل سے لے کر موت تک کے درمیانی عرصہ میں انسانی شخصیت کے بننے کے عمل کو سمجھ لیا ہے اور اس عمل میں بے شمار رحمانی وشیطانی افواج یا زندہ مخلوقات کے کردار کو بھی جان چکے ہیں نیز یہ بھی آگاہی حاصل کر لی ہے کہ کس طرح سے یہ زندہ مخلوقات ہمارے ذہن کو خیالات وجذبات، خواہشات وتمناؤں، عادات وخصائل، صفات وکردار، مشورہ ودلیل، حجت ومنطق، عقل وبرہان، فلسفہ وعلم، کشش وجذب، حسن ودلربائی، شراب وشباب یا نغمہ وموسیقی اور مذہب ومسلک وغیرہ جیسے بے حد وبے شمار پردہ مجاز اوڑھ اوڑھ کر زندگی بھر متاثر کرتی ہیں۔ ان میں حق کی مخلوقات بھی ہیں باطل کی افواج بھی ہیں بس ہم زندگی بھر جس جس مخلوق یا فوج سے چاہے وہ حق کی ہو یا باطل کی جو جو کچھ لے کر اسے اپنی شخصیت کا حصہ بناتے رہتے ہیں وہ ہماری شخصیت میں شامل ہو جاتی ہے یوں سمجھیں کہ ہر ہر حق وباطل یا رحمٰن وشیطان کی مخلوق ہماری شخصی تصویر میں جب ہمارے ذہن کے ذریعے انتخاب سے شامل ہوتی ہے تو وہ اس میں کسی رحمانی یا شیطانی رنگ کا ایک نکتہ لگا کر وہاں

Marfat.com

ٹھہر جاتی ہے یوں ہماری شخصی تصویر بے شمار رنگوں کے بے شمار نکتوں سے مل کر تیار ہوتی ہے۔ پھر زندگی بھر اس میں تغیر و تبدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ ہماری شخصیت کو ان رحمانی و شیطانی مخلوقات سے ہر ہر لمحہ مدد ملتی رہتی ہے یہ رحمانی و شیطانی مخلوقات کیونکہ ہماری شخصیت کا حصہ ہیں اور بے شمار ہیں اس لیے ہم جب جب بھی کسی خاص مخلوق کی جانب دھیان دیں وہ فوراً فعال ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص بھی سارے جہان میں صرف رحمانی صفات سے مزیّن نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں قسم کی مخلوقات گو کہ اس کے ذہن پر اثر انداز تو تھیں ہی لیکن اس کے انتخاب کے بعد اب کسی نہ کسی نسبت تناسب سے اس کی شخصیت کا حصہ بھی بن چکی ہیں۔

نکتہ: یار لوگوں نے، علماء و فضلاء، پیروں فقیروں اور ہمارے آباء نے باتیں کیا سے کیا بنا رکھی ہیں اا ور انسان کو خدا بنا دیا ہے لیکن یاد رکھیں کہ اگر صرف رحمانی صفات ہی باقی رہ جائیں خالص ہو کر تو پھر وہ رحمٰن ہو گیا۔ کیا وہ خدا نہ ہو گیا؟ میرے یہ سوال بہت چبھیں گے اندھی عقیدت رکھنے والوں کو لیکن اگر تھوڑی سی بھی بات سمجھنے کے قابل ہوں اور عقیدت کے بُت توڑ کر نیوٹرل ہو کر سوچیں کہ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ صرف رحمانی صفات والا وہ خود واحد و یکتا خدا ہے دیگر کوئی بھی خالص تر صرف رحمانی صفات رکھنے والا دنیا میں کبھی کوئی پیدا ہوا ہے نہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ جو فرشتوں کو غلطی یا گناہ کی طاقت سے مُبرّا سمجھا جاتا ہے یہ بھی غلط ہے ان سے بھی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں لیکن یہ غلطیاں عام طور پر معمولی نوعیت کی ہوتی ہیں جو درگزر کے قابل یا اصلاح کے قابل ہوتی ہیں کیونکہ وہ نور مطلق کے قریب ہوتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ بے شمار فرشتے سب کے سب ایک جیسے نور الٰہی کے قُرب میں نہیں ہوتے۔ ان کا فاصلہ نور الٰہی سے یوں سمجھیں کہ کروڑوں میل سے شروع ہوتا ہے اور سینکڑوں میل تک کے فاصلے تک ان کی آخری حد ہو سکتی ہے۔ بہر حال اگر کسی فرشتے سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جسے گناہ کہا جاتا ہے یا اس سطح کا گناہ سرزد ہو جائے جو ذات باری کو اس قدر ناپسند آئے کہ ذات باری یہ فیصلہ فرما لیں کہ یہ اب فرشتہ کے منصب کے لیے اہل نہیں رہا تو اسے فوراً وہاں سے اس منصب سے دور کر دیا جاتا ہے ہٹا دیا جاتا ہے وہ نزول کرتا ہوا تنزل کرتا ہوا یکدم فرشتے سے کسی نچلی مخلوق میں بدل جاتا ہے یہ پیچ در پیچ بڑی گہری باتیں ہے۔ فرشتوں پر بھی دیگر فرشتے نگران ہوتے ہیں اور ان پر مزید دیگر۔ اللہ پاک کی سیکیورٹی کا نظام نہایت زبردست اور ہر طرح کے سُقم سے پاک ہے۔ فرشتوں کا نچلے درجے کی مخلوق میں بدلنا صفات کے بدلنے یا ان کے درجے کے بدلنے سے ہے نا کہ شکلوں کے بدلنے سے کیونکہ وہ مادی چیزیں نہیں ہیں۔

مثال سن لیجیے تاکہ آپ کا اعتراض کچھ تشفّی پا سکے۔ پہلی بات تو یہ کہ اللہ کے فرشتے کوئی ایک ہی مخلوق نہیں ہے الگ طرح کی بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات میں سے چونکہ ہر مخلوق روح ضرور رکھتی ہے (جسم چاہے کثیف یا لطیف تر رکھتی ہو) اس لیے یہ فرشتے بے شمار قسم کی اللہ کی مخلوقات میں سے برگزیدہ ترین وہ ارواح ہیں جو اپنے کردار و عمل اور عبادت و ریاضت نیز عشق الٰہی کی بنا پر اس مقام پر پہنچ جاتی ہیں کہ انھیں فرشتوں کا مقام مل جاتا ہے اور ان کی کائناتی انتظامات میں بے شمار قسم کی

Marfat.com

خفیہ ڈیوٹیاں لگ سکتی ہیں پھر اللہ پاک کے عرش عظیم پر ان میں سے برگزیدہ ترین فرشتوں کی ڈیوٹیاں ہیں اور جنتوں میں، دوزخوں میں، اللہ کی بے شمار دنیاؤں میں، بے شمار کائناتوں میں، بے شمار عجائب میں بھلا رب تعالیٰ کی کوئی حد ہے کہ ان فرشتوں کی کوئی حد ہوگی۔ ارے بھائی اس زمین پر بھی صرف انسان ہی امتحان میں اختیار دے کر نہیں ڈالا گیا بے شمار مخلوقات مادی بھی یوں ہی امتحان واختیار میں ہیں ان کی بھی ترقی وتنزلی ہے، گناہ وثواب ہے، عروج وزوال ہے۔ وہ بھی ترقی کرتے ہوئے وہاں فرشتوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ پھر دیگر کائناتی، کروّں، زمینوں، آسمانوں کی ہماری عقل وسمجھ سے ماوراء مخلوقات ہیں بے شمار ان کا بھی یہی حال ہے۔ اب واپس آیئے کیا ابلیس جو جنوں میں سے تھا وہ فرشتوں میں شامل نہیں کرلیا گیا تھا؟ ارے جناب اُسے فرشتہ کہہ کر پکارا رب تعالیٰ نے۔ جب فرمایا: ''ہم جب آدمؑ کو مٹی سے بنا چکے تو اس میں اپنی جانب سے روح پھونکی تو ہو گیا وہ دیکھتا سنتا۔ پھر ہم نے کہا فرشتوں سے کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے''۔ آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''حکم دیا ہم نے فرشتوں اور ابلیس کو کہ سجدہ کرو آدم کو۔ بلکہ ابلیس کو فرشتہ کہہ کر بلایا سب فرشتوں میں شامل کر کے اسے بطور فرشتہ مخاطب فرمایا۔ یہ بڑا گہرا اور باریک نکتہ ہے توجہ قائم رکھیں۔ بعد میں باری تعالیٰ نے خود ہی فرمایا کہ وہ ''جنوں میں سے تھا'' یعنی جن فرشتے ہو سکتے ہیں۔ اگر جن فرشتے ہو سکتے ہیں تو کیا انسان فرشتے نہیں ہو سکتے؟ جو کہ اپنے جوہر اور مستور صلاحیتوں کے اعتبار سے ان فرشتوں سے بہتر ہیں جنہیں آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

پھر آپ غور کریں کہ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر ملائکہ کے ساتھ ساتھ روح یا ارواح کے الفاظ بھی فرشتوں ہی کے مفہوم میں استعمال کیے گئے ہیں جس کے معنی ومفہوم کو ہمارے علماء نے ''جبرائیل'' سے منسوب کر کے جان چھڑا لی ہے۔ کیا جب ملائک کا ذکر اللہ پاک فرماتے ہیں تو جبرائیل ملائک سے الگ کوئی مخلوق ہیں کہ ان کو روح کہا جائے گا وہ پہلے ملائک سے ہیں پھر ان کا نام جبرائیلؑ ہے اور اگر آپ انھیں ملائک سے الگ کوئی روح ہی کہنا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ملائک کے علاوہ دیگر ارواح سعید بھی ملائک کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو سکتی ہیں۔ تو گویا کہ ملائک ایک عہدہ ہے نہ کہ بہ لحاظ نوع کوئی مخلوق ہے۔ ہر ہر مخلوق کی سعید روحوں میں سے کچھ اتنی زیادہ ترقی کر کے نور کی ان حدوں میں داخل ہو جاتی ہیں کہ جہاں وہ نورانی مخلوق کہلانے کا حق رکھتی ہیں۔ لیکن اپنے اصل میں بھی ان کا رابطہ رہتا ہے اور جوں ہی کوئی قابل ذکر غلطی کرے یا حکم عدولی کرے اسے ابلیس کی طرح تنزلی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اب یہ اس غلطی پر منحصر ہے کہ وہ کس نوعیت کی ہے آیا وہ شیطان کی فوج کی جانب دھکیل دیا گیا ہے یا کہ اس کی تنزلی رحمانی فوج میں رہتے ہوئے اپنے درجے ومقام کے لحاظ سے ہوئی ہے۔

نکتہ: اگر آپ کو یہ بات سمجھ آ جائے تو پھر کسی زندہ ولی اللہ، فقیر راہ اللہ، اللہ لوگ، صوفیائے الٰہی یا پھر انتقال شدہ انہی بزرگوں کے مقام ومرتبے اور دسترس کا اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ کس طرح سے ان لوگوں کی ڈیوٹیاں مخلوقات خدا پر اس زندگی

Marfat.com

اور اس زندگی میں لگتی ہیں۔ صرف اس فرق کے ساتھ اسے سمجھ لیں کہ یہ ہوتے تو خدا کے بندے ہیں لیکن بظاہر independent نظر آنے کے باوجود یہ اب آزاد نہیں ہوتے اب یہ خدا کے نورانی ہاتھ بن چکے ہوتے ہیں اور خدا کی مرضی ہی سے حرکت کرتے، کام کرتے، نفع یا نقصان دیتے اور زمین و کائنات یا جہاں رب چاہے وہاں ڈیوٹیاں دیتے ہیں۔ ان کا تعلق اپنے رب سے یوں ہوتا ہے کہ رب ارادہ فرماتا ہے اور صرف ''کن'' فرماتا ہے یہ ''فیکون'' کا باعث بنتے ہیں آپ صرف انسانوں پر اس بات کا انطباق نہ کریں بلکہ یہ تو اللہ کی بے حد و شمار پیچیدہ سے پیچیدہ، مبہم سے مبہم مخلوقات ہیں جو سب کی سب (جو کہ فرشتہ بننے کی اہل ہیں) بے شمار اللہ کے احکام بجالاتی ہیں۔ اصل میں یہ خدا خود ہی ہے وہ مخلوق تو درمیان میں کہیں گم ہے وہ نورِ الٰہی میں نہائی ہوئی ہے جیسے لوہا انتہائی سرخ ہو کر آگ بن جاتا ہے اسے جس شے سے لگائیں وہ بالکل آگ کے خواص سے کام کرتا ہے، جلاتا ہے آگ لگاتا ہے سخت تپش دیتا ہے لیکن باوجود آگ نظر آنے کے اس سرخ آگ کے گولے کے اندر کہیں وہ لوہا بھی موجود ہوتا ہے اگر اس میں کوئی نقص پڑ جائے تو وہ بمطابق نقص کی نسبت و تناسب کے آگ کی صفت سے قدرے یا کلی طور پر محروم ہو سکتا ہے کہ اب وہ قدرے کم یا بالکل ہی آگ کو جذب نہ کر سکے۔ یہی حال فرشتے کے تعلق کا نور سے ہے اور مقامِ فرشتہ پر رہتے ہوئے اپنی اصل سے اس طرح متعلق ہے۔ پھر اگر نقص واقع ہو گیا تو اسی طرح سے جزوی یا کلی طور پر نور سے محروم بھی ہو سکتا ہے۔

ایک اور نکتہ! ہر اک نوع کو بشمول (انسان ڈارون تھیوری لاگو کریں تو) ابلیس بہکاتا ہے پھر خود ابلیس شیطان کو روزِ ازل کس نے بہکایا تھا؟ کیا خدا نے؟

ایک اور نکتے پر بھی غور کر لیں کہ دنیا میں ہر ایک فردِ آدم کو یا ڈارون تھیوری کے مطابق پہلے ہی جان دار خلیہ کو اگر اصل آدمؑ مان لیا جائے جس سے آگے چل کر اس کی female بنی تھی اور آدمی کی شکل و صلاحیت انسان کی شکل میں بدلنے پر ہی مکمل ہوئی تو اس طرح سے زمین پر ہر ذی روح کو اب موجود نسل انسانی سمیت تو شیطان ہی بہکاتا ہے اور اس کی بے شمار افواج یا مخلوقات ہیں جو اس کی دسترس میں رہتے ہوئے ہر ذی روح کے ذہن پر اثر انداز ہوتی ہیں لیکن بتائیے کہ خود شیطان کو کس نے بہکایا تھا جب اُس نے تکبّر کیا اپنے علم و بناوٹ پر؟ اس نے باری تعالیٰ سے کہا کہ مجھے آپ نے بہکایا ہے کیا یہ بات ٹھیک تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب شیطان نے اپنے علم کی بنا پر اپنے تکبّر کا اظہار کیا اور حکم عدولی کی وجہ بیان کی تو ساتھ ہی اپنے علم ہی کی بنیاد پر یہ بھی کہا کہ ''یا رب مجھے آپ نے بہکایا'' تو اللہ پاک نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں بہکایا تم خود بھٹکے کیونکہ اللہ پاک خوب جانتے تھے کہ بنا رب کے اذن کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ غور کریں تو ثابت ہوا کہ فرشتوں کو بھی حق و باطل پر چلنے کا ٹھیک یا غلط کام کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تب ہی تو ابلیس نے اس اختیار سے کام لیتے ہوئے حکم سے انکار کیا اور لعنتیوں میں سے ہو گیا وہ بھی فرشتہ ہی تو تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ فرشتوں کو کون بہکاتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ رب العزت خود بہکاتا

Marfat.com

ہے؟ نہیں اگر رب خود بہکاتا ہے تو پھر ابلیس سابقہ فرشتے کے لیے جہنم کی سزا کیسی اور اس کی فوج سے جہنم کو بھرنا کیسا؟ اصل میں وہاں پر کوئی بھی ابلیس نما شیطان نما دیگر قوت موجود ہے جو فرشتوں کو بہکانے کا کام کرتی ہے گو کہ فرشتے اپنی اپنی انواع کی بہترین اور انعام یافتہ سعید ترین ارواح ہیں لیکن وہاں بھی بقاء کے لیے کشمکش کا قانون کسی حد تک لاگو ہونے کی وجہ سے کوئی ایسی قوت موجود ہے حکمت الٰہی کی بنا پر جو فرشتوں تک کو بھی کبھار یا کسی بھی نسبت تناسب سے بہکانے کی طاقت رکھتی ہے۔ اُس قوت کا اللہ کے کون سے حکم کا باغی ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ ہوا ہے؟ یا کسی اور طرح سے بہر حال اسے یہ اذن الٰہی حاصل ہے کہ وہ فرشتوں تک کو بہکا سکے۔ میں تو یہ ہی سمجھ پایا ہوں کہ اللہ پاک کا قانون ہے کہ وہ بہتر سے بہتر کی جانب سفر جاری رکھتا ہے۔ اس دنیا میں ہزار طرح کے مصائب و امتحانات، صبر و مشقت اور جان جوکھوں کے بعد اپنا سب کچھ لٹا کر، گنوا کر اور قربان کر کے کسی نوع کا کوئی فرد اس طرح وہاں پر پہنچا ہے کہ وہ مقام فرشتہ پر فائز ہو سکے بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ فرشتوں کے ان گنت لاکھوں کروڑوں درجات ہیں آپ کہیں کہ اپنی اپنی محنت کے مطابق ہر کسی کو مقام فرشتہ یا اس سے افضل مقام روح ملتا ہے۔ پھر انہی سعید ارواح میں بھی بے شمار مقامات ہیں۔ میری دانست کے مطابق فرشتوں پر پھر ایک ایسی قوت لگا دی گئی ہے جو کہ ان کو بھی بہکا سکتی ہے تا کہ یہ مزید بہتر بننے کی کوشش جاری رکھیں اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے قانون الٰہی کی تکمیل ہوتی رہے۔ کشمکش حیات ملائک کا عمل جاری رہ کر ان کو مزید اعلیٰ درجوں پر فائز کر سکے۔ لیکن ایسی ارواح کی بھی بہت بڑی تعداد ہو گی جو اس زمینی حیات مادی ہی میں رہتے ہوئے اتنی زیادہ ترقی کر جائیں اور رب تعالیٰ سے ایسا عشق کمائیں اپنے ایمان و عمل کو اس مقام تک بفضل تعالیٰ لے جائیں کہ وہ ایک ہی جست میں مقام فرشتہ کو کراس کرتے ہوئے عروج و ترقی حاصل کرتے ہوئے ان سے افضل ہو کر اس مقام خاص تک جا پہنچیں کہ جس کی بنا پر ملائک کو آدمؑ کے اس خفیہ جوہر کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو کہ اس کے اندر مستور تھا۔ ایسے اللہ کے بندے ہر ہر نوع میں سے جو ہونگے۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ پھر بعد اس زمینی حیات کے ہر فکر سے آزاد ہر امتحان سے آزاد ہو کر قیامت قائم ہونے کے بعد روز حساب کے بعد اعلیٰ سے اعلیٰ جنتوں میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کا دن آنے سے پہلے جو ہزاروں لاکھوں سال ہمارے زمینی وقت کے مطابق ہیں بعد مرنے کے ایسی ارواح مختلف ڈیوٹیاں انجام دیتی رہیں اور قیامت قائم ہو جانے پر روز حساب آ جانے پر ایک ہی مرتبہ جنت یا دوزخ کا حساب زمینی حیات بشمول عالم برزخ کے حساب کے کیا جائے۔ عالم برزخ (مرنے کے بعد قیامت قائم ہونے تک کا درمیانی سینکڑوں، ہزاروں یا لاکھوں سال کا عرصہ) میں تقریباً 90 فیصد لوگ تو بے شعور ہونگے ان کی آنکھ تو روز قیامت ہی کھلے گی یا یوں کہیں کہ بعد مرنے کے زمان و مکان کا قانون کیونکہ معطل ہو جاتا ہے اس لیے پہلے مرنے والے ہزاروں سینکڑوں سال اور بعد میں مرنے والے سمجھیں برابر ہی دن مرے ہیں۔ اس طرح سے قبر کے عذاب کا جواز بھی نکل آتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اگلے جہان کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس جہان میں سزا دینے کا ذکر بھی

Marfat.com

قرآن مجید میں کیا ہے یوں عالم برزخ میں بھی ثواب وعذاب کا کچھ سلسلہ ہوسکتا ہے۔ تاہم ایسی اعلیٰ سعید ارواح سے عالم برزخ کے عرصہ کے دوران بطور فرشتوں کے یا ارواح منتخبہ کے کام لیا جاسکتا ہے۔

اصل موضوع کی طرف واپسی:

باریک باریک وہ نکتے بات کرتے کرتے درمیان میں ٹپک پڑتے ہیں کہ ان پر بات کیے بنا آگے بڑھنے کو جی ہی نہیں چاہتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ کسی نے ان کا جواب یا حل تلاش کرنے کی کبھی کوشش ہی نہ کی ہو۔ بہرحال اب واپس اپنے اصل موضوع پر آیئے اور یہ جان لیجئے کہ یہ حق وباطل کی افواج یا رحمانی وشیطانی مخلوقات جب مل جل کر ہماری شخصیت کو تیار کردیتی ہیں اور انہی رحمانی وشیطانی مخلوقات کے نکات پر مبنی بے حد وشمار نکتوں اور رنگوں سے مل کر جب ایک شخصیت تیار ہو جاتی ہے اور یہ عمل آگے بڑھتا رہتا ہے تو ہماری شخصیت کے خمیر میں اب یہ لاکھوں ہزاروں مخلوقات رحمانی وشیطانی جس جس نسبت وتناسب سے موجود ہوتی ہیں یہ اپنا کام بڑے فعال انداز سے کرتی ہیں۔ آپ بڑے بڑے اچھے انسانوں کی شخصیات کا گہرائی سے جائزہ لیں اور اگر آپ کو ان کی شخصیت کے اندر تک جھانکنے کا موقع ملے اور آپ گہرا غور وفکر کریں تو آپ ان کے بہت سے نقائص سے خرابیوں سے اور گناہوں سے آگاہ ہوجائیں گے چاہے وہ زاہد وعابد، ولی وفقیر، مُلّا وقاضی اور امام وقت ہی کیوں نہ ہوں بلکہ۔

پیغمبر اور اولادِ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو وہ آدم کی اولاد ہونے کے ناطے ایسے معصوم نہیں ہوسکتے جیسا کہ تصور کیا جاتا ہے:

وہ اپنے وقت کے سب انسانوں سے افضل ضرور ہوسکتے ہیں اور مقامات ان کے بڑے بلند ضرور ہوسکتے ہیں لیکن وہ ایسے معصوم نہیں ہوسکتے کہ ان کو خطاء گناہ اپنی کسی حالت کسی درجہ پر بھی چھو نہ سکے اگر ایسا عالی صفت ہوجائے تو پھر وہ خدا ہے اور یاد رکھئے کہ خدا ایک ہی ہے۔ دوسرا کوئی نہیں وہ یکتا ہے۔ اُسی کی ذات پاک کے ایسے ہی تعارف کے لیے قرآن پاک میں سورۃ اخلاص اور آیت الکرسی جیسی نہایت بلند تعریفیں نازل فرمائی گئی ہیں۔ ہم لوگوں نے اپنے نبیوںؑ کو خدا بنانے کے لیے ہمیشہ بڑے زور لگائے ہیں اور ہر ہر اُمت ہمیشہ اسی ایک حوالے سے اپنے اپنے دور کے نبیوں اور اولیاء اللہ کو بالآخر ان کی حیات کے ایک عرصہ بعد پوجنے لگی۔ خدا کو خدا ماننے کے باوجود اگر آپ گہرائی میں جائیں تو وہ اپنے نبیوںؑ کے ایسے اوصاف و صفات اور مقام واختیار بتائیں گے کہ آپ خدا اور نبیؑ یا رسولؑ میں فرق ہی نہ کرسکیں گے۔ اولیاء اور فُقیر اء کی اولین زندگیوں میں تو کئی لوگوں کی عجیب گناہ آلودہ زندگیوں کی مثالیں تو عام مل جاتی ہیں جنہیں بعد میں اللہ پاک نے اپنی قدرت سے ان کے کسی فعل کی بنا پر پسند کرکے اتنا بلند فرمایا کہ انھیں وقت کا ولی اللہ بنا دیا اور ان کے ساتھ موجود شیطان کو بڑی حد تک inactive اور کسی کسی کے شیطان کو آگے کسی مقام پر مکمل inactive فرمادیا۔ لیکن بعض لوگ بچپن ہی سے نیک سیرت بھی ہوئے ہیں اور ان کی ساری زندگی ان کے اعمال میں کوئی واضح خرابی نہ صرف یہ کہ نظر نہیں آئی بلکہ انہوں نے روحانی ترقی

Marfat.com

حاصل کر کے اعلیٰ اعلیٰ مقامات بھی حاصل کیے ہیں تاہم لوگ ایسے لوگوں کو پیدائشی ولی اللہ یا معصومین کہتے ہیں۔ تو عرض ہے کہ پیدائشی ولی اللہ کہنا تو کسی حد تک ٹھیک ہے کہ کچھ لوگوں کے ساتھ بچپن ہی سے خدا کا ہاتھ کچھ عجب طریقہ سے کام کر رہا ہوتا ہے لیکن معصومین کہنا درست نہیں کیونکہ انسان کی شخصیت کسی کم سے کم Negative تھوڑے بہت تناسب ونسبت کے خطا و گناہ کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں ان کی Negative صفات اتنی کم اور محدود ہو سکتی ہیں کہ positive صفات بچپن ہی سے واضح غلبہ رکھتی ہوں لیکن مکمل ترین positive ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے بغیر کسی بھی ذی روح کی زندگی ممکن ہی نہیں ہے اور نہ انسان کی۔ اسی کشمکشِ رحمٰن و شیطان کا نام زندگی ہے۔ جہاں یہ کشمکش انتہائی معدوم حالتوں میں داخل ہو جائے، انتہائی کم سے کم رہ جائے کہ تقریباً نہ ہونے کے قریب قریب تو وہ لوگ جذب کی ان منزلوں پر پہنچ جاتے ہیں کہ سوائے رسولوں و نبیوں کے وہ مڑ کر واپس ہوش کی دنیا میں نہیں آتے یا کئی کئی دنوں بعد تھوڑی دیر کے لیے ہوش میں آتے ہیں لیکن پھر وہ کیفیت جذب میں نور الٰہی کی بنا پر چلے جاتے ہیں۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف شدید کشش رکھتی ہے جب ان میں نور الٰہی ٹھاٹھیں مارتا ہے تو وہ اپنے اصل کی طرف کشش کی بنا پر مادی جسم و ہوش میں بہت کم ہی آتا ہے۔ تاہم ان کو بھی اس طرح کا معصوم یعنی پیدائشی گناہ سے پاک اور تا دم مرگ گناہ کی ہر مقدار و نسبت سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اب آیئے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے اور ان کی اولاد کے معصوم ہونے کی جانب تو کیا آدمؑ رسول و نبی نہ تھے؟ جو سب کے باپ تھے نا صرف تمام انسانوں کے بلکہ تمام انبیاء و رسلؑ کے بھی باپ وہی تھے اور حواؑ سب کی ماں تھیں۔ کیا آدمؑ سے حکم عدولی نہیں ہوئی؟ کیا وہ شیطان کے کہے میں نہیں آئے؟ کیا ان سے گناہ نہیں ہوا؟ کیا ان کو سزا کے طور پر زمین پر نہیں بھیجا گیا؟ باوجود ان کے معافی مانگنے کے ان کی معافی اس تا قیامت شرط پر قبول کی گئی کہ جو لوگ میری بھیجی گئی ہدایت پر عمل کریں گے انھیں میں جنت میں دوبارہ بعد مرنے کے اور بعد روز حشر حساب دینے کے کامیابی کی صورت میں داخل کر دوں گا۔ یوں شیطان کو آدمؑ و حوا کی ارواح سعیدہ کے ساتھ لگا کر زمین پر بھیجا گیا۔ پھر یونسؑ کے ایک ایسے گناہ یا خطا پر غور کر لیں جس کی وجہ سے انھیں تا قیامت مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا گیا تھا اگر وہ معافی کے لیے آیت کریمہ کا مسلسل اور دل کی گہرائیوں سے اس اذیت اور اندھیریوں میں ذکر نہ کرتے تو وہ کب بھلا وہاں سے نکل سکتے تھے۔ ہمارے علماء ان سزاؤں کو احتراماً یا عقیدۃً ''عتاب'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں عذاب یا سزا نہیں کہتے۔ بڑی اچھی بات ہے رسولوں اور نبیوں کا مقام عام لوگوں سے پھر عام قسم کے خاص لوگوں سے بھی بہت بلند و اعلیٰ ہے اور ان کی شان میں نعوذ باللہ گستاخی یا احترام میں کمی بلکہ ان کی آواز سے اپنی آواز بلند کرنے سے بھی عین ممکن ہے کہ بندہ جہنمی ہو جائے اور اس کے سارے عمل ضائع کر دیے جائیں۔ کیونکہ وہ وقت کے امام ہوتے ہیں اور امام وقت کی پیروی اگر اس نظم و ضبط اور ڈسپلن سے نہ کی جائے تو نہ تو اس کے پیغام کو اس کے لائے ہوئے دین کو وہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی اصحاب نبیؐ میں وہ ایمان و یقین پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک ایک صحابیؓ دو دو پر پھر دس دس پر پھر سو سو پر بھاری پڑ سکے یہ

Marfat.com

خدائی راز ہیں۔ ایمان کی طاقت کے درجوں کے ساتھ خدائی قوتوں اور فرشتوں کی امداد کے خفیہ قوانین ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کو بار بار تنبیہہ فرماتا ہے اور warn کرتا ہے کہ اگر آپ نے تھوڑا سا بھی ایسا کیا جس سے میں نے آپ کو منع فرمایا ہے تو تمہارا انجام بھی بہت برا ہوگا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ نبیوں سے بھی غلطی کا، خطا کا، گناہ کا احتمال ہوسکتا ہے۔ ان سے کئی چھوٹی چھوٹی خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں لیکن بعد زمانہ نبوت شروع ہونے کے ان پر کڑی نگرانی ہوتی ہے اور انھیں ان کی چھوٹی چھوٹی غلطی پر بھی آگاہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں اور اکثر وہ اپنی اصلاح کر ہی لیتے ہیں۔ اگر آپ بائبل پڑھیں تو کچھ انبیاءؑ بنی اسرائیل سے بڑی خطائیں بھی ہوئی ہیں بلکہ کچھ کو اپنے مرتبہ سے معزول بھی کیا گیا ہے۔ کیونکہ شیطان آدمؑ وحوّا کے اندر feed ہونے کی وجہ سے تمام انبیاءؑ میں بھی موجود تھا گو کہ اکثر بڑی حد تک اس کو inactive کر دیا گیا تھا لیکن بعض جگہ اس نے بڑی activity دکھائی اور انبیاءؑ و ولی اللہ حضرات کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ جیسے بلند مرتبت نبی و رسولؑ بھی کوہ طور سے واپسی پر ہارونؑ کی داڑھی پکڑ کر کھینچتے اور انھیں باوجود بے گناہ ہونے کے جھنجھوڑتے ہیں تو کیا یہ انہوں نے کسی فرشتے کے کہنے پر کیا یا غصہ میں اچھی نیت کے باوجود درپردہ شیطان کے بہکاوے میں آکر ایسا کیا؟ پھر جب حضرت خضرؑ کو تین مرتبہ قول دیا ان سے وعدہ کیا ایک مرتبہ بھی نہیں تین مرتبہ وعدہ کیا اور تینوں مرتبہ اسے توڑا۔ تو کیا ایفائے عہد نہ کرنا خطا نہیں ہے؟ گناہ نہیں ہے؟ یا عہد کو اور پھر بار بار کے عہد کو تڑوانا فرشتے کا کام تھا یا شیطان کا کام تھا؟ ارے بھائی پیغمبروں کی اپنے پیغمبری زمانے کی خطائیں گو کہ معصوم ہوسکتی ہیں چھوٹی ہوسکتی ہیں، اچھی نیت سے ہوسکتی ہیں لیکن وہ بہر حال خطائیں ہیں شریعت کے اعتبار سے گناہ ہی ہیں۔ پھر حضرت آدمؑ، حضرت یونسؑ اور بعض دیگر نبیوں کے گناہ بمطابق بائبل تو ایسے تھے کہ ان پر بڑی بڑی سزائیں بھی دی گئیں۔ کچھ تو ایسا حضرت ایوبؑ سے بھی سرزد ہوا تھا کہ انھیں اتنی سخت سزا ملی۔ کچھ تو حضرت یعقوبؑ سے بھی ہوا ہی تھا کہ سال ہا سال کی طویل مدت تک روتے روتے آنکھیں سفید ہو کر اندھی ہو گئیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان کے امتحان تھے لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ پاک قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ ''تمہیں جو اچھائی یا نعمت پہنچتی ہے وہ میری جانب سے ہے اور تمہیں جو مصیبت یا دکھ پہنچتا ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے''۔ No Sin, No Pain والے مقولے کے تحت ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ سے کوئی خطا یا گناہ سرزد نہ ہوا ہو اور آپ کو سزا دے دی جائے۔ ہاں نبی و رسلؑ چونکہ اعلیٰ انعام یافتہ ہوتے ہیں اس لیے عام آدمیوں کی نسبت ان سے چھوٹی غلطیوں اور چھوٹے گناہوں پر بھی بعض اوقات سخت باز پرس ہوتی ہے اور سزا دی جاتی ہے۔ تاہم 90% تو نبیوں اور رسولوں کو سخت نگرانی کی وجہ سے ہر طرح کی خطا سے پاک رکھا جاتا ہے پھر اسی نسبت سے ان کی چھوٹی چھوٹی خطائیں ان کی نیت اعلیٰ ہونے کی بنا پر معاف کر دی جاتی ہیں لیکن پھر بھی کسی کسی سے جب غلطی حد سے زیادہ ہو جائے تو پھر اسے وہ جنت سے بھی نکال سکتی ہے اور مچھلی کو بھی کھلا سکتی ہے کوڑھ جیسے مرض میں بھی مبتلا کر سکتی ہے اور رلا رلا کر اندھا بھی کروا سکتی ہے۔

Marfat.com

اصل میں نبیوں کی سزاؤں ہی میں ان کے بعض اوقات امتحان بھی لے لیے جاتے ہیں کہ آیا وہ اس قدر مسلسل اذیت و تکلیف کے بعد بھی اپنے ایمان پر برقرار رہتے ہیں یا کہ نہیں یہ ایک دو دن نہیں بلکہ سال ہا سال کی سخت سے سخت تکالیف کی ایک chain بھی ہو سکتی ہے پھر اس کے بعد انھیں بڑے ہی اعلیٰ مقامات بھی عطا کیے جاتے ہیں اور دوبارہ انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔ بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ خطا سے مکمل پاک صرف رب تعالیٰ اعلیٰ صفات ہی ہے اور کوئی اس طرح کا پاک صاف نہیں ہو سکتا البتہ بے پناہ ارفع و اعلیٰ مقام کا ہو سکتا ہے۔ اپنے ایمان و عمل فضل الٰہی اور انتخاب الٰہی کی وجہ سے۔ اسی طرح سے قبل از نبوّت کے زمانہ میں بھی خطائیں اور گناہ سرزد ہو سکتے ہیں لیکن مذکورہ نبی و رسولؑ پھر بھی کچھ ایسے اعمال، خیال، ایمان و تلاش لیے ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ایسے جواہر و کمالات پوشیدہ طور پر نسل در نسل جینز میں امانتاً رکھ کر اس تک پہنچائے ہوتے ہیں کہ اسے نبوّت عطا کی جاتی ہے۔ وہ بہر حال انسان ہونے کے باوجود اور انسانوں کی تمام صفات رحمانی و شیطانی کے احتمالات رکھنے کے باوجود عام انسانوں سے کئی لحاظ سے مختلف اور انوکھا ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے اپنے نبی و رسولؑ کے اندر مثبت و رحمانی صفات کا ایسا زبردست اجتماع کر رکھا ہوتا ہے اور وہ رحمانیات کا ایسا مرکز ہوتا ہے کہ شیطانی صفات و مخلوقات سخت مغلوب ہو کر رہتی ہیں لیکن کشمکش جاری رکھتی ہیں کسی نہ کسی حد تک اور کبھی کبھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر دکھا دیتی ہیں۔ ہم اپنے موضوع پر واپس آتے آتے پھر ایک نہایت باریک اور لطیف نکتے میں الجھ گئے تھے لیکن اس کا حل تلاش کرنا اور لکھنا بھی ضروری تھا چلیے اپنے موضوع کو پھر سے touch کریں۔

موضوع پر واپسی اور اختتام کی جانب سفر:

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جیسا کہ پچھلے صفحات پر لکھا گیا تھا جب شخصیت تیار ہو جاتی ہے اپنے رحمانی و شیطانی نکات سے۔ یہ نکتے نکتہ نکتہ جڑتے ہوئے تمام شخصیت کو ایک خاص شکل دے دیتے ہیں تو ہم اس کو کسی نہ کسی نام سے پکارنے لگتے ہیں بلکہ بچپن ہی سے جب سے یہ شخصیت بننا شروع ہوئی تھی ہم نے اس کا ایک نام اسی لیے رکھ لیا تھا کہ اسے ایک الگ شخصیت بننا تھا۔ ہر شخص بچپن میں بھی دوسرے بچوں سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتا ہے اور یہی اس کی دوسروں سے جدا پہچان بنتی ہے جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اس کی شخصیت ماحول، مواقع، جینز، تربیت، ساتھیوں کی قسم، سہولتوں کے فقدان یا بہتات اور ان سب عناصر کی بنا پر جن کا تفصیلی ذکر پہلے گزر چکا ہے مکمل ہو جاتی ہے یا بڑی حد تک بن جاتی ہے۔ اب ہر ہر شخص میں بے شمار قسم کی مثبت و منفی، رحمانی یا شیطانی صفات (ایسی صفات کہ جو زندہ ہیں اور بطور ایک اثر انداز ہونے والی مخلوق کے ہیں) موجود ہیں۔ ان کا نسبت و تناسب بھی man to man بے حد و بے شمار تنوع پر مبنی ہے۔ کچھ سوچتے ہوئے، کچھ کرتے ہوئے، کچھ پروگرام بناتے ہوئے، کسی بھی قسم کی صورت حال میں، ماحول میں، حالات میں، پوزیشن یا عہدے میں اس کا رویہ، اس کا عمل، اس کا response دوسروں سے بڑا مختلف ہوگا۔ اس کی شخصیت پر ہر خیر یا شر میں سے ایک شے کا غلبہ ہوگا یا پھر بہت

Marfat.com

غلبہ ہوگا، یا صورت حال بین بین ہوگی۔ پس 100 طرح کی variation یا اُتار چڑھاؤ اس کی شخصیت کے اندر خیر وشر کی مخلوقات کی کشمکش کے دوران ساری زندگی جاری رہے گا۔ کبھی کیا کیسے غالب آئے گا کبھی کیا کیسے مغلوب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کسی کی بھی شخصیت کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا عمل یا ردعمل فلاں حالت یا موقع پر کیا ہوگا۔ آپ بے شمار لوگوں کی شخصیتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد زیادہ تر حیران در حیران ہی ہوتے جائیں گے کہ یہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے یہ فلاں موقع پر ایسا کیوں ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔ بعض لوگ دُنیوی حساب سے متوازن شخصیت کہلاتے ہیں وہ بے شک ایک برے انسان ہوں لیکن وہ دنیا میں لوگوں کو اپنے اردگرد کے افراد کو خوش کر سکتے ہیں، زیادہ سے زیادہ وسائل بھی سمیٹ سکتے ہیں کامیاب دنیادار ہیں اس لیے کامیاب یا متوازن شخصیت ہیں یا پھر ہر دلعزیز ہونے کی وجہ سے متوازن شخص ہیں۔ کوئی شخص رحمانی صفات سے مغلوب ہے تو کوئی شیطانی صفات سے اور کسی کا نسبت وتناسب کچھ جدا ہے ان صفات سے متعلق۔ بہر حال آپ کی شخصیت میں جس بھی جنس سے جو بھی اینٹ لگی ہے جس بھی طرح کا نکتہ کسی مخلوق نے اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے لیے لگایا ہے۔ جنس اپنی جنس کو ہمیشہ کھینچے گی۔ اگر آپ نے نظر بازی کو اپنی شخصیت کی تعمیر کے دوران شخصیت کا حصہ خام شخصی دور میں بنالیا ہے تو وہ تقریباً عمر بھر آپ کے ساتھ رہے گا۔ جب بھی کوئی جنس مخالف کا قدر قابل لحاظ یا پرکشش فرد آپ کی نگاہ سے گزرے گا آپ کی نگاہ ادھر ٹک جائے گی اور آپ کی عادت نگاہوں سے شیطانی ہوس پوری کرنے والی مخلوق کے طور پر ساری زندگی آپ کے ساتھ رہے گی۔ پھر میں نے پہلے کسی اکیلی لڑکی کے ویران جگہ سے گزرنے والی مثال میں دو مختلف اشخاص کا ردعمل ظاہر کر کے بھی شخصیت کی تراش کا عملی زندگی پر اثر ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب آپ ہزار طرح کے فرضی حالات اپنے ذہن میں پیدا کر کے ہزار ہا مثالوں کو اپنے پردہ خیال پر ظاہر کر کے دیکھیں آپ محسوس کریں گے کہ رحمانی وشیطانی فوجیں کیا کیا کارنامے سرانجام دے رہی ہیں یا پھر عملی زندگی میں اپنے اردگرد اپنے قریبی لوگوں کو، دوستوں کو study کریں زمانہ کو گہری نظر سے دیکھیں آپ میری تمام تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے خود چند دن یا چند ہفتے اسے ایک مشغلہ بنا کر سروے کریں اور جائزہ لیں آپ لوگوں کی شخصیت میں ان زندہ کرداروں کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ آپ اپنی ہی شخصیت پر گہرا غور کریں آپ دیکھیں گے کئی معاملات پر کئی مواقع پر، کئی قسم کے حالات میں کوئی چیز پکڑ کر آپ سے کوئی خاص عمل یا ردعمل کروا رہی ہے۔ آپ لڑنا نہیں چاہتے کہ آپ فلاں کام کریں لیکن اندر سے اسی کام کے لیے باوجود اس کے غلط ہونے گناہ ہونے کے کوئی شے تحریک دے رہی ہے اور آپ کو آگے بڑھا رہی ہے۔ آپ کو چین ہی نہیں لینے دے رہی۔ اس نے بالآخر آپ سے وہ کام کروا کے چھوڑا ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے وہ کام کیسے کر دیا کیوں کر دیا۔ آپ نے بعد میں بڑا سوچا کہ میں نے ایسا کیوں کر دیا لیکن کچھ سمجھ نہ آئی یہ سب کیا تھا؟ یہ سب وہی شخصیت کی تراش تھی گو کہ آپ کو علم تھا کہ وہ شے غلط ہے لیکن اندر بیٹھی ہوئی شخصی عادت نے مخلوق کا کردار ادا کیا آپ کے احساسات وجذبات کو قابو میں کر لیا اور آپ سے وہ سب کروا دیا جو آپ جانتے تھے کہ نہیں

Marfat.com

کرنا چاہیے۔ اندر ایک جنس تھی جو شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔ جب بھی اس کی ہم جنس صورت حال ظاہر ہوگی وہ اسے لازمی کھینچ لے گی۔ اب اسی مثال کو خیر وشر پر مبنی ہزاروں لاکھوں معاملات پر لاگو کر کے پہلے اپنی شخصیت پر پھر اپنے قریبی لوگوں کی شخصیات پر دیکھیں۔ آپ کو بڑے حیرت ناک نتائج ملیں گے اور آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ خیر وشر یا رحمٰن وشیطان سے متعلق محض خیالات، عادات یا جذبات یا کام نہیں ہیں بلکہ یہ تو کوئی زندہ شے ہے جس نے اتنا زیادہ اثر انداز ہو کر باوجود آپ کے سمجھنے کے آپ سے کسی خاص کشش کی وجہ سے وہ کام کروا دیا یہ کشش کیسی ہے؟ یہ کشش آپ کی شخصیت کے اندر لگے ہوئے ان نکتوں کی وجہ سے ہے جو آپ کی شخصیت کے خام زمانہ میں آپ کی شخصیت پر لگ گئے تھے اور اب پکے ہو چکے ہیں۔ آپ نے خود ہی کبھی ان کا انتخاب اپنے لیے کیا تھا اور ان کو اپنایا تھا اب ہر اس صورتحال میں یہ اندر جاگ پڑتے ہیں اور اپنی جنس کو کھینچتے ہیں آپ کو وہی کام یا اس سے ملتا جلتا کام یا اسی راہ کا اسی قسم کا کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور آپ جلد یا بدیر وہ کام کرتے چلے جاتے ہیں بلکہ وہ عادت آپ کی شخصیت میں مزید راسخ ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ بچپن ہی سے رحمانی احکامات پر عمل فرمائیں اپنے بچوں کو سو سو طریقوں سے رغبت دلا کر ادھر مائل کریں تاکہ جب آپ کی اور آپ کے بچوں کی شخصیت اپنے اپنے وقت پر مکمل ہو تو آپ اس دنیا میں بھی ایک کامیاب انسان بن سکیں اور اگلی دنیا کے لیے خصوصاً بڑا نفع کما سکیں اگر آپ ایمان رکھتے ہیں تب بھی اور اگر آپ لامذہب یا دھریئے ہیں تب بھی آپ یقیناً اچھے اخلاقیات یا manners یا پھر مثبت خیالات وعادات تو ضرور اپنانا چاہیں گے آخر یہ آپ کی جبلت میں feed ہے لہٰذا آپ ہر صورت ہر حالت میں اپنی شخصیت کی تعمیر میں اور اپنے بچوں یا جن جن پر آپ کا بس چلتا ہو ان کی شخصیت ان کی خام ذات کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ مثبت کردار ادا کریں۔ رحمان کی افواج، رحمان کی مخلوقات، حق پر مبنی عادات وخیالات اور نظریۂ خیر کو اختیار کرنے وکروانے کی از حد کوشش کریں اور دوسروں کی مدد کریں تاکہ آپ کی اور جن جن کے آپ خیر خواہ ہیں ان کی شخصیتیں نہایت اعلیٰ اخلاق وصفات سے مزیّن ہو سکیں۔

صرف قرآن ہی کو کسوٹی بنائیں:

آخر میں پھر وہی بات کہوں گا کہ قرآن وہ واحد مکمل ومحفوظ کتاب ہے جسے آپ حق پر مبنی صفات اپنانے کے لیے اپنے اعتماد کے قابل پائیں گے اور یہی باطل کی نشاندہی بھی واضح طریقہ سے کرے گا۔ لیکن اس سے قبل کہ آپ قرآن عظیم سے کوئی مدد حاصل کریں۔ آپ پہلے سے اپنے ذہن پر لگی مذہبی چھاپ کو، مسلک کے اثرات کو اور مروّجہ شریعت کی بھول بھلیوں کو مکمل طور پر بھول جائیں ذہن سے نکال دیں۔ اب نرے خدا کے ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول جانتے ہوئے جن پر یہ کتاب اتری ہے صرف اور صرف قرآن کو پڑھیے اور ترجمہ ومفہوم پر غور کیجیے۔ روزانہ اس پر غور وتدبر کرتے جائیے۔ دھیرے دھیرے پڑھتے اور آگے بڑھتے رہیے جب ختم کر لیں پھر شروع سے پڑھنے لگیں ہمیشہ اسی طرح پڑھتے اور

Marfat.com

independent ہوکر گہرا غور کرتے رہیئے کسی بھی دیگر حوالے کو بیچ میں نہ لائیے۔ بے شک سمجھنے کے لیے تمام مسالک کی خاص خاص تفاسیر پڑھیئے لیکن فیصلہ غور و تدبر سے عقل سے انصاف سے کیجئے۔ عربی سیکھ کر سمجھیں تو پھر کیا کہنے۔ بہر حال یوں آپ حق و باطل کو سمجھ پائیں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آپ حق کی افواج کو اپنی شخصیت کا حصہ بنالیں گے اور اپنے بچوں کی شخصیت کا۔ شیطانی افواج ہمیشہ مغلوب ہی رہیں گی۔ دوسروں کو بھی تلقین کریں۔

ایک اہم وضاحت:

میں نے پچھلے صفحات پر آپ کی شخصیت کے زمانۂ خام میں بننے اور بنتے چلے جانے کے حوالہ سے آپ کی ''ذات''، ''میں''، ''Ego''، ''شخصیت'' یا ''روح کے تشخص'' کے چند خواص کا ذکر مثالوں سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ فلاں عبادت یا صفت آپ کی شخصیت کا حصہ بچپن یا خام زمانہ شخصیت سے بن چکی تھی اب راسخ ہو چکی اور پکی عادت بن چکی تھی اس لیے آپ نے فلاں موقع پر فلاں کام کیا عمل یا ردعمل کا اظہار کیا۔ لیکن میں یہاں یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی بنی ہوئی شخصیت کے اوصاف کے بڑی حد تک پابند ہونے کے باوجود کبھی بھی مجبور محض نہیں ہو جاتے۔ آپ کے اندر یہ اختیار اور صلاحیت بہر حال آخری سانس تک باقی رہتے ہیں کہ آپ خود کو جزوی یا مکمل طور پر زندگی کے کسی بھی حصے میں یا کسی بھی دور میں بدل سکیں۔ البتہ شخصیت کے مکمل ہو جانے، راسخ ہو جانے اور ذہن کی گہرائی تک اتر جانے کے بعد یہ کام بڑا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض حالتوں میں تو انتہائی مشکل، محنت طلب، صبر طلب اور جان جوکھوں کا کام بن جاتا ہے لیکن ناممکن کبھی نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ کو نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اگر اندر سے کوئی چیز شخصیت کو مثبت سمت پر لانا چاہے کچھ بری عادات وصفات یا معمولات کے بدلنے کے لیے آپ پر مسلسل دباؤ ڈالے تو اسے رحمانی صفات کا، مخلوقات کا یا افواج کا دباؤ سمجھیں اور اللہ کی رحمت سمجھیں جو آپ کو ان کے ذریعے اپنی سمت کھینچ رہی ہے۔ آپ کوشش شروع کر دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ عرصہ میں آپ نے خود کو کافی حد تک بدل لیا ہے۔ کوشش جاری رکھیں کچھ مزید عرصہ کے بعد آپ بالکل بدل جائیں گے۔ اب آپ خود کو اسی اچھی شخصی حالت پر برقرار رکھنے کے لیے کوشش جاری رکھیں کیونکہ شیطانی مخلوقات پرانی عادات کی شکل میں پرکشش خیالات کی شکل میں آپ کو پھر اپنی جانب کھینچیں گی۔ آپ خود کو سنبھالے رکھیں اور مزید حق کی افواج سے مدد حاصل کریں۔ مثبت خیالات و جذبات کو اپنانے کے لیے اچھے ماحول اور اچھے ساتھیوں کا انتخاب کریں۔ اپنے معمولات کو اچھی سمت میں بدلتے جائیں۔ دھیرے دھیرے شیطانی قوتوں، مخلوقات اور کشائش کا زور ٹوٹتا جائے گا اور رحمانی قوتیں، فوجیں، مخلوقات آپ کے خیالات و جذبات کے ذریعے آپ کی زندگی کو حق کی جانب پلٹ کر رکھ دیں گی۔ کبھی کبھی ایسی تبدیلی اللہ کی رحمت خاص سے، کسی قرب خدا میں رہنے والے کی دعا سے، کسی فقیر کی توجہ یا نگاہ سے، بس دل کی دنیا ایک دم تبدیل ہو جانے سے چشم زدن میں بھی آ جاتی ہے۔ آپ حیران رہ جاتے ہیں کہ میں ایک دم سے لمحہ بھر میں، چند لمحات میں، چند گھنٹوں یا محض چند دنوں

Marfat.com

میں کیسے اتنا بدل گیا ہوں۔ میری دلچسپیاں، میری ترجیحات، میری سوچیں، میرے خیالات و جذبات، میری آرزوئیں اور امنگیں، میرے راستے اور منزلیں کس طرح سے اچانک تبدیل ہو گئے ہیں۔ لیکن آپ کو کچھ سمجھ نہیں آئے گی۔ بس جو ہونا تھا ہو گیا اصل میں اللہ کی رحمت خاص اپنی کسی حکمت کی وجہ سے یا آپ کے کسی ایک ایسے کام کی وجہ سے جو اسے بڑا ہی پسند آ گیا ہے آپ پر متوجہ ہو گئی تھی کہ ایسا ہو گیا اور پردہ بن گئی کسی کی دعا یا نگاہ۔ اللہ کی تدبیر اتنی بلیغ ہوتی ہے کہ ایک ہی تیر میں بے شمار شکار کرتی ہے وہ اپنی حکمت بالغہ سے کسی کے کسی عمل کو، کسی کی دعا کو، کسی اور کی نگاہ کو اور باقی سو لوگوں کی اسی کام کے لیے اور سو طرح کی کاوشوں کو اکٹھا کر کے ایک کام کی منظوری دے دیتا ہے سو وہ ہو جاتا ہے۔ ہر کوئی اسے اپنے نام لکھتا ہے جبکہ وہ اصل میں اللہ کا کام ہی ہوتا ہے۔ یوں زندگی کے کسی بھی زمانہ میں شخصیت کے رنگ اچانک بدل سکتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ پُر اُمید رہنا چاہیے رب تعالیٰ سے۔

❀...❀...❀

Marfat.com

مضمون نمبر 54:

کیا دنیا رحمٰن و شیطان کے درمیان بچھی عظیم الشان شطرنج ہے؟

اس دنیا کے عظیم الشان کھیل کو دیکھو کہ جب ہم گہرائی سے غور کرتے ہیں تو قدم بہ قدم حق اور باطل کو، مثبت اور منفی کو، خیر اور شر کو، ٹھیک اور غلط کو المختصر اگر باقی پردوں کو درمیان سے ہٹا دیں تو رحمٰن اور شیطان کو باہم کشمکش میں دیکھتے ہیں۔ شک نہیں کہ اختیار صرف رحمٰن کا ہے یکتائی، طاقت، علم اور فتح صرف اُسی کی مرہونِ منت ہے کسی شے کی مجال نہیں کہ جب رب ''کُن'' فرمادے تو ذرا سا بھی دم مارے بلکہ ہر اک ذرہ ذرہ چاہے وہ شیطانی ہے یا رحمانی (اپنی صفات کے اعتبار سے) رحمٰن کے چشم ابرو کے ہلکے سے اشارے کا غلام ہے لیکن کیا کیجیے کہ رب تعالیٰ نے اس دنیا و جہان کی ترتیب و بناوٹ اپنی حکمت و رضا سے یوں ہی رکھی ہے کہ ہر ہر ذرّہ حق و باطل رحمانی یا شیطانی فوجوں کے زیر اثر ہے اور یوں آپس میں عجب ازلی و ابدی کشمکش میں گرفتار ہے۔ جب ہم ساری دنیا جہاں میں رونما ہونے والے تمام تاریخ انسانی کے واقعات و حالات پر بڑی محنت سے گہری نظر ڈالتے ہیں تو اور تو کچھ سمجھ آئے نہ آئے کہ ہر ہر کام عجیب وغریب ہے، اس کی وجہ و حکمت عقل سے ماوراء ہے لیکن ایک بات ضرور سمجھ آجاتی ہے کہ یہ بہت بڑی دنیا کہ جہاں تک بھی ہماری نگاہ، سماعت، حسِ اِدراک اور وہم و خیال پہنچ سکتا ہے یوں نظر آتی ہے کہ جیسے یہ ایک بہت بڑی شطرنج ہے اور اس کو دو ماہر ترین کھلاڑی مسلسل کھیل رہے دونوں کے عقل و فہم ذہانت و فطانت اور قوت و دسترس کی کوئی حد نہیں۔ لیکن گہرے غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے۔

ایک قوت ضرور اس سب کچھ کی مالک حقیقی ہے جبکہ دوسری قوت مستعاراً مالک مجاز ہے:

یہی وجہ ہے کہ اتنے زبردست ٹکراؤ اور کشمکش پر مبنی کھیل کے باوجود یہ دنیا تباہ نہیں ہوتی بلکہ ہر شے کسی بہت بڑی حکیم و داناء اور یکتا ہستی کے مکمل کنٹرول میں ہے اور یہ ہستی کون ہے؟ خود رحمٰن ہے۔ شیطان نے علم و قوت کے بل بوتے پر رب تعالیٰ سے مقالمہ کیا تھا حتیٰ کہ اسے انکار کی جرأت بھی نعوذ باللہ پیدا ہوگئی۔ جب رب قدیر نے اسے قیامت تک مہلت دی تو یہ کسی بہت بڑے مجازی منصب کی جانب سے مہلت نہ تھی بلکہ حقیقی منصف اور کمالات و عجائبات کی جان اس یکتا رب بے مثال کی جانب سے مہلت تھی اور وہ بھی ابلیس کے علم میں جو جو کچھ تھا اس سمت مہلت تھی اور دیکھیے زمانے گزر گئے وہ اپنے قول کی یکتائی پر کیسے برقرار ہے کہ اس عظیم شطرنج کی دوسری جانب اس شیطان رجیم کو کھل کھیلنے کی اجازت ہے اور یہ کھیل ازل سے جاری ہے ابد تک جاری رہے گا۔ اللہ پاک نے فرشتوں سے فرمایا تھا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ شیطان ابلیس بھی اس وقت انہی فرشتوں میں تھا سو شکست تو ابلیس کا مقدّر رہے بالآخر آدمؑ کی اولاد نے کچھ ایسا ثابت کر دینا ہے کہ شیطان کو سوائے شرمندگی کے کچھ ہاتھ نہ آئے لیکن تب تک کے عرصے کے درمیان جو صدیوں ہزاروں سالوں کا وقفہ ہے یا شاید اس

Marfat.com

سے بھی زیادہ اس دوران میں یہ کھیل جاری رہے گا سو جاری ہے اور غور کیجئے دیکھتے جایئے کہ تاریخ انسانی میں حق و باطل کی جانب سے کیا کیا چالیں کب کب کیسے کیسے چلی گئیں اور ان کا انجام کیا ہوا۔ مختلف خطہ زمین پر مختلف ادوار تاریخ میں کون کون سی اقوام کب کب آباد ہوئیں بڑھیں پھیلیں عروج حاصل کیا لیکن حق پر قائم نہ رہیں بلکہ حق کے سامنے جھکی ہی نہیں۔ اپنی ذہانت، علم و طاقت پر ہی بھروسہ کیا تو دیکھئے کیسے کیسے اور کس کس طرح تباہ و برباد ہو گئیں کیسے کیسے اللہ کے عذاب کا انھیں سامنا کرنا پڑا۔ یہ ہماری مذہبی کتابوں میں تو محض چند اقوام کا ذکر ملتا ہے جبکہ خدا کا قانون تو ہر ہر وقت ہر ہر قوم کے لیے اس کے ایمان و عمل کے مطابق حرکت میں رہتا ہے سو سو طرح کے عذاب آتے ہیں، مصیبتیں آتی ہیں، ہلاکتیں ہوتی ہیں، حادثات ہوتے ہیں، تباہیاں ہوتی ہیں، بربادیاں ہوتی ہیں کبھی جنگوں کے ذریعہ، کبھی زلزلوں، کبھی سیلابوں، کبھی قدرتی حادثات کے ذریعہ، کبھی وباؤں اور بیماریوں کے ذریعہ، کبھی ظاہری یا خفیہ ہتھیاروں کے ذریعے، کبھی طوفان اور موسموں کی بے اعتدالیوں کے ذریعہ الغرض ہزاروں طریقہ سے دنیا بھر کے لوگ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوتے اور مرتے مٹتے رہے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی حادثہ میں ایک ہی دور میں تباہ و برباد ہو کر ہلاکت میں پڑتے رہے ہیں لیکن ہم نے انھیں محض قدرتی آفات، حادثات یا جنگی تباہیاں، انسانی غلطیاں، مشینی خرابیاں، موسمی خرابیاں، علمی کج ادائیاں، کم فہمیاں، کم عقلیاں یا اتفاقات کہہ کر بڑی آسانی سے ہضم کرلیا ہے۔ حتیٰ کہ آج کل ہم مختلف طرح کے متوقع یا ممکنہ خطرات میں اربوں انسانوں کی ہلاکت کے اندازے بھی لگا رہے ہیں اور اس پر فلمیں بھی بنا رہے ہیں۔ لیکن اس بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں کہ کوئی بہت ہی ذہین اور مطلق العنان ہستی ہے جو ہمیں اسی شطرنج مابین شیطان و رحمٰن کے عجیب دنیوی کھیل میں سخت سے سخت سزائیں دے رہی ہے۔ جب شیطان کے گھوڑے پٹتے ہیں تو اکثر معمول کے نقصانات ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی زیادہ پٹائی ہو تو پھر لاکھوں ہزاروں لوگ چشم زدن میں لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ کبھی کھوپڑیوں کے مینار بنتے ہیں تو کبھی گھوڑوں کے سم سینکڑوں کلومیٹر تک خون میں ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی سمندری مخلوقات عرصہ دراز تک بغیر محنت انسانی لاشوں کی شکل میں خوراک کے ملنے پر خوشیاں مناتی ہیں کبھی زمین ہزاروں لاکھوں کا ایک ہی نوالہ کر جاتی ہے کبھی اتنے ہی انسان ابلتے لاوے میں لاوہ بن جاتے ہیں، کبھی انسانی گوشت کے ذائقے کی عادت آتشی بھٹیوں کو، انسانوں ہی کے حکم پر پڑ جاتی ہے کبھی بے آباد صحراؤں، جنگلوں پہاڑوں اور میدانوں میں آسمان سے انسانی لاشیں برسنا شروع ہو جاتی ہیں اور معلوم نہیں اور کیا کیا کچھ ہوتا ہے جسے ہم نہیں سمجھ پاتے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے اور مختلف وجوہات کے پردوں میں اصل بات کو چھپا دیتے ہیں۔ یہ تو سب کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ آیئے اس سب گھمن گھیر میں ہم بھی بیٹھ کر سوچیں۔ کسی ایک معاملے کو پکڑ کر اس کی تہہ میں اترنے کی کوشش کریں شاید کہیں سے کوئی سرا ہاتھ آجائے آخر بے بس تماشائی بننے کی نسبت چاہے ہم کچھ کر سکیں یا نہ کر سکیں۔ یہ سرگرمی بہر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوگی اور پھر آخر تلاش حقیقت کی ہماری رگِ حساس کا تقاضہ بھی ہے کہ ہاتھ میں سفید چھڑی

Marfat.com

لے کر ٹٹولتے رہیں شاید کچھ ہاتھ لگ جائے اگر چھڑی کسی چیز سے ٹکرائے تو پھر اسے اپنی تمام حسوں سے گزارتے ہوئے اندازہ قائم کیا جائے کہ یہ کیا ہے کیوں ہے، کیسے ہے، کب سے ہے، کب تک ہے۔ جب اور جتنا سمجھ آ جائے آخری زور لگانے کے بعد اسے غنیمت سمجھا جائے اور پھر ٹٹولنا شروع کر دیا جائے۔ اس امید پر کہ شاید کبھی کچھ نگاہ حقیقت ملے اور ہم ٹٹول کر چلنے کی بجائے دوڑتے اور اڑتے ہوئے فاصلے طے کر سکیں۔

سرمائے اور طاقت کا جال:

اگر مال وزر کی ہوس نہیں پیدا ہوگی تو سرمایہ کہاں سے آئے گا؟ اگر سرمایہ اکٹھا نہیں ہوگا تو سرمایہ دار کیسے وجود میں آئیں گے؟ اگر سرمایہ دار نہ ہونگے تو دنیا کو حرکت مجاز کون دے گا؟ یہ بلند و بالا sky scrapers عمارات، محیّر العقول تعمیرات کے اچھوتے نت نئے نمونے کہاں سے آئیں گے؟ دنیا بھر میں انسان کے ذہن کا حسن و کاریگری، تعمیر و ترقی کے نت نئے نمونے، شعبے، ایجادات پھر ان کی قدردانی، سائنس کی ترقی کے لیے ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے، اس دنیا کے بے شمار علوم و فنون کی ترقی کے لیے سرمایہ کہاں سے آئے گا؟ سرمایہ دار کی ہوس زر ہی تو سرمایہ اکٹھا کرتی ہے پھر مزید سرمائے کے حصول کے لیے اسے منافع بخش بے شمار شعبوں میں کھپایا جاتا ہے جس سے ان کے پاس نہ صرف مزید سرمایہ آتا ہے بلکہ چھوٹے سرمایہ دار اپنا اپنا حصہ وصول کرتے اور اپنے اپنے حصہ کا کام کرتے ہیں کردار ادا کرتے ہیں پھر اسی سے بے شمار انسانوں کے روزگار وابستہ ہیں۔ اگر سرمائے کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے اسے لوگوں میں بانٹ دیا جائے ان کے کام کے عوض تو دنیا کا ہر فرد قریباً خوشحال تو ہو سکتا ہے لیکن جب فاضل سرمایہ بچے گا ہی نہیں تو دنیا کے گورکھ دھندے کو حرکت کونسی چیز دے گی؟ دنیا میں انسان کی ترقی رک نہ جائے گی۔ سرمائے کے ذریعہ سے انسانی قوت یکجان ہو کر بے شمار منصوبوں پر لگتی ہے جس سے وہ پروان چڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اگر اربوں ڈالر اکٹھے نہ ہوں تو خلائی پروگرام اور خلائی مشن کیسے چل سکتے ہیں۔ ایجادات اور دریافتوں کو صلے کہاں سے مل سکتے ہیں اس سے وسیع پیمانے پر فوائد کیسے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور کائنات کی تسخیر کیسے ممکن ہے۔ سرمایہ اکٹھا کرنے والا سرمایہ دار تو مر جاتا ہے لیکن اس کے منصوبے کسی دیگر وارث کے نام سے یا ٹرسٹ کے ذریعے چلتے رہتے ہیں۔ وہ یا اس کے ورثاء تو زندگی بھر معدے میں اتنی ہی خوراک ڈالتے ہیں جتنی ایک یا چند معدوں میں گنجائش ہو سکتی ہے بلکہ اکثر اتنی بھی نہیں۔ اس کی کمائی کی نسبت اس کا ذاتی غرض کے لیے سرمائے کا استعمال شاید لاکھواں کروڑواں حصہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو سب کچھ یہاں باقی انسانوں کے حوالے کر کے جانے پر مجبور ہے یوں انسانی خواہشات اور ہوس اور ہمیشہ مزید ترقی کی خواہش، خواہ علم کیلیے ہو، عہدہ و مقام کیلیے ہو یا بزنس میں ترقی کے لیے، عورتوں کے حسن کے لیے ہو یا لوگوں کو غلام بنا کر ان پہ حکومت کرنے کے لیے حتیٰ کہ بادشاہ بن جانے کے لیے ہو یا اس کا مصاحب و وزیر بننے کے لیے سب کی تہہ میں سرمایہ ہی کام کر رہا ہوتا ہے یا سب کا محرک سرمایہ اور وسائل و اثاثہ جات دنیا ہی ہوتے ہیں۔ فرد بس اپنے آپ کو یہ کہہ کر

Marfat.com

نفسیاتی تسلی دیتا ہے کہ یہ سرمائے کے انبار یا پہاڑ میرے ہیں۔ وہ بے شک سونے کے برتنوں میں کھائے، ہیرے جواہرات پہنے اور پرتعیش زندگی اختیار کرے لیکن یہ سب سرمایہ وہ یہیں زندہ انسانوں کے لیے چھوڑ کر ایک دن مر جاتا ہے۔ اس کی حقیقت اس کی نیت وعمل کے مطابق اس کی روح کی تراش ہے جس کو بقاء حاصل ہے۔ باقی مادی اعتبار سے اس کی حقیقت مٹی ہے۔ کمیونزم کے تحت انسان نے ایسی انسانی اتھارٹی قائم کرنے کی کوشش کی ہے جس کے تحت سرمائے کی مالک حکومت ہو گی اور عوام کو ان کی ضرورت کے مطابق تمام ضروری سہولیات انصاف کے ساتھ حکومت دے گی۔ کوئی بھوکا نہیں مرے گا، ننگا نہیں رہے گا، بغیر چھت کے نہ ہو گا، تعلیم اور دیگر بنیادی سہولتوں سے محروم نہ ہو گا صحت، صفائی، انصاف اور سیکیورٹی مہیا کی جائے گی۔ اونچ نیچ لوگوں میں نہ ہو گی۔ کام لوگ کریں گے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اور عوضانہ انھیں ملے گا اپنی اپنی ضرورت کے مطابق۔ یہ فرانس و یورپ میں برپا ہونے والے غریب مزدور انقلاب کے بعد کہ جس کے عوض وہاں سرمایہ داروں نے ابتدائی ظلم وستم کے بعد ناکامی کا منہ دیکھتے ہوئے غریبوں و مزدوروں کے حق کے لیے کئی قسم کی اصلاحات کیں (جس سے وہاں کے محنت کش کی حالت کچھ سنور گئی اور بعد ازاں وہاں قدر فلاحی ریاستیں وجود میں آ گئیں)۔ روس و چین میں پہنچا اور وہاں حقیقت میں اسے مکمل کامیابی حاصل ہوئی۔ وہاں مارکس کے نظریہ کمیونزم کو عملی شکل دے دی گئی پھر کئی چھوٹے ملکوں میں بھی دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ کافی پھیلا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انسان اپنی نفسیات کی بنا پر اس میں تادیر کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ ان ملکوں کے افراد بھی غلام بن کے رہ گئے۔ محض جانوروں کی طرح کام کرتے اور اپنی ضرورت کی چیزیں حکومت سے لے کر کھا پی اور استعمال کر کے اگلی صبح پھر مشین کی صورت کام پر لگ جاتے۔ ایک بیل، ایک بھینس، ایک گھوڑے یا گدھے کے سوا ان کی اور کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کے احساسات و جذبات اور ان میں ترقی کرنے کی قوت دھیرے دھیرے ماند پڑ کر چلی گئی تھی۔ دوسری طرف حکومت میں شامل کمیونسٹ پارٹی عوام کی نسبت سرمائے سے کہیں زیادہ مستفید ہوتی رہی یوں یہ نظام خلاف فطرت ہونے کی بنا پر ناکام ہو گیا، اور روس جو اس نظام کا دنیا بھر میں سربراہ تھا اور دنیا کی دوسری بڑی طاقت کے طور پر ابھرا تھا بالآخر خود ہی ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور سرمایہ داری نظام نے نہ صرف اسے بلکہ کمیونسٹ بلاک کے اکثر ملکوں کو دوبارہ ہضم کر لیا۔ چین نے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ہاں ڈھیلا ڈھالا سا سرمایہ داری نظام کمیونسٹ ڈھانچے میں رہتے ہوئے اختیار کر لیا تاکہ لوگوں کو اپنی مرضی و اختیار اور ترقی کے لیے اپنے جذبات و کردار اور خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کا قدرے موقع مل سکے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کو معاشرتی زندگی کی وہ آکسیجن مل سکے جو سرمائے سے ملتی ہے توقع ہے کہ یہ بھی مکمل سرمایہ دارانہ نظام میں دھیرے دھیرے ضم ہو جائے گا کیونکہ اس سسٹم کا بہاؤ اب سرمایہ دارانہ نظام کی طرف مسلسل جاری ہے چنانچہ یہ دریا بھی بالآخر اسی سمندر میں جا گرے گا۔

لوگوں کی محنت کا کم سے کم مول دے کر اور زیادہ سے زیادہ ناجائز منافع حاصل کرنے کے مسلسل عمل سے گزرتے

Marfat.com

ہوئے چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے آگے بڑھ کر کئی درجوں میں ہوتے ہوئے بڑے پھر بہت بڑے پھر بہت ہی بڑے بڑے سرمایہ داروں تک سرمایہ پہنچ رہا ہے اور مندرجہ بالا طریقہ سے ہی انسانی تعمیر، تسخیر اور بے شمار شعبوں میں ترقی کا باعث بن رہا ہے۔ اگر عمارت یا لوگوں کے لباس کی ہی خالی تزئین و آرائش کو دیکھیں تو انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دنیا بھر کے ممالک کی آپس کی سیاسی و معاشی کشمکش سے گزرتے ہوئے محیر العقول تعمیر و ترقی اور بے پناہ بڑے بڑے ہر ہر شعبے پر مبنی منصوبوں کی تہہ میں اوپر سے نیچے تک کئی درجوں میں بٹی ہوئی انسانیت کا لہو شامل ہے۔ خصوصاً جوں جوں اوپر سے نیچے درجوں پر آتے جائیں توں توں محنت کا عوضانہ کم سے کم سطح پر پہنچتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مڈل کلاس، لوئر مڈل کلاس، غرباء اور سطح افلاس سے بھی نچلی سطح پر زندگی گزارنے والے لوگوں کے نہ صرف خون کو خوب چوسا جا رہا ہے بلکہ ان کی ہڈیوں تک کو چٹخایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ درجہ بہ درجہ تنزلی اختیار کرتے ہوئے بھوک، حسرت، ناکامی، آہوں، آنسوؤں، حق تلفیوں، ڈاکہ زنیوں، ظلم و قہر، بربریت، ناانصافی، بے عزتی بے توقیری، جہالت، بیماری، محرومی، ناقص و ناکافی غذا اور ہر طرح کی حق تلفی کا شکار ہیں۔ حتیٰ کہ سطح انسانیت سے نیچے آزاد نظر آنے والے یہ بدتر غلام، ظالم مالکوں کے ہتھے چڑھے جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

ہر مذہب انصاف کا درس دے کر خدا کی ناراضگی اور روزِ حشر بُرے انجام کا ڈراوا دے کر خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے۔

دنیا بھر کے مذاہب کے پرچارکوں کے پاس اس تمام صورت حال کا سوائے درس و تدریس کے کوئی جواب نہیں ہے:

انسان کی نفسیات کے اندر اس کا کوئی عام حل ناپید ہے۔ مختلف پیغمبروں کے زمانے میں انقلابات اُٹھے جو بہت جلد بیٹھ گئے اور پھر دنیا اسی ڈگر پر چلتی رہی۔ ساتھ ہی ساتھ رحمٰن اور شیطان کا فلسفہ بھی کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب اور ہر فلسفۂ حیات کا حصہ بن کر چلتا رہا۔ لیکن انسانی نفسیات کے اندر سے کوئی بھی ایسا سسٹم برآمد نہ ہو سکا جس سے انسانی تعمیر و ترقی اور تسخیر کائنات بھی ممکن ہو سکے اور دنیا کے 70% انسانوں کو آہنی بیلنوں میں بیل کر اُن کا خون اس ترقی کے لیے اُن کی آسمان سے باتیں کرتی چیخوں کے ساتھ جو نچوڑا جا رہا ہے وہ بھی بند ہو سکے۔ دعوے تو ہر مذہب اور ہر فلسفے میں بہت ہیں لیکن عمل کی بھٹی پر جب انھیں چڑھایا گیا تو کوئی بھی تادیر چل نہ سکا۔ بالآخر اس مذہب و فلسفہ کو لے کر اٹھنے والوں کے پیروکار خود ہی اسے کھا گئے۔ انسان کی انفرادی و اجتماعی نفسیات نے سوائے ہمت، طاقت اور سرمائے کے نظام کے کسی بھی سسٹم کو تادیر قبول نہیں کیا۔

اوروں کو تو چھوڑیئے کہ بنی اسرائیل و دیگر نے اپنے پیغمبروں اور ان کی تعلیمات کے ساتھ کیا کیا، اور نہ ہی سقراط جیسوں کا حال پوچھیئے، خود اسلام کے ساتھ کیا ہوا؟

باوجود حضرت محمد ﷺ کی 23 سالہ مختصر عرصہ میں عدیم المثال قرآنی فلسفہ کے ساتھ بے مثل کامیابی کے خود آپ

Marfat.com

ﷺ کا وصال مبارک عین کامیابی کے پہلے دور کے آغاز پر ہی ہو جانا کافی معنی خیز ہے! پھر پہلے خلیفہؓ کا صرف تین سال تک زندہ رہنا۔ دوسرے خلیفہؓ کا قتل۔ تیسرے خلیفہؓ کا قتل۔ پھر چوتھے خلیفہؓ کے بھی قتل کے بعد اسلامی روح کا عملاً ختم ہو جانا! اس کے بعد قرآنی فلسفہ پر کبھی بھی عمل نہ ہو سکا بنی امیہ اور بعد کی تمام حکومتیں باوجود فتوحات حاصل کرنے کے محض دنیوی بادشاہتیں تھیں اور سرمایہ دارانہ حکومت وطاقت کے ازلی قانون کے تحت ہی قائم رہیں اور تاریخ کے عروج وزوال کے قانون کے تحت ابھرتی اور مٹتی رہیں۔ حتیٰ کہ ہمیشہ کے لیے مغلوب ہو گئیں۔ اصل قرآنی نظام حضرت محمد ﷺ کے بعد صرف تقریباً 40 سال ہی چل سکا اور ان چالیس سالوں میں بھی صرف حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خاص تک اسے اصل ترقی نصیب ہوئی جسے ہم عظیم قرآنی نظام کا انتہائی عروج کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد دورِ عثمانیؓ میں دھیرے دھیرے سرمایہ دارانہ نظام نے جڑیں پکڑنا شروع کر دی تھیں۔ جب جاگیروں کی عطائیگی کے بعد سرمائے کا ارتکاز شروع ہو گیا تھا اور بالآخر باوجود اچھی نیت کے اور اعلیٰ مقام کے یہی سرمائے کا عدم توازن اور کھینچا تانی اصل میں قتلِ عثمانیؓ کا باعث بن گئی جس کے بعد مسلمانوں نے دو دھڑوں میں بٹ کر دو بڑی جنگوں میں آپس میں اپنے ہی لاکھوں لوگوں کے گلے اپنی ہی تلواروں سے کاٹ دیے پھر اپنے چوتھے خلیفہ اور اسلام کے آخری مضبوط ستون رسول اللہ ﷺ کے براہ راست پرورش شدہ علم وحلم، حکمت وحقیقت کے شہر کے دروازے، آپ ﷺ کے بھائی، حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے شوہر، حسنؓ وحسینؓ جیسے فرزندوں کے والد پہلے مومن، فاتح خیبر، حیدری لقب، حضرت علیؓ کو بھی قتل کر دیا حتیٰ کہ ان تمام شہادتوں سے انسانی نفسیات کی طاقت وسرمائے کی ہوس کی پیاس ماند نہ پڑی اور بالآخر اس ہوس کو جن سے خطرہ ہو سکتا تھا ان سب کو کمال عیاری سے دعوت دے کر ایک میدان میں اکٹھا کیا اور بے دریغ ہر معصوم، جوان وپختہ کو قتل کر کے میدان کربلا کی تاریخ سیاہ رقم کر دی جس پر آج تک ماتم جاری ہے۔ اس کے بعد سے اب تک اسلام بھی دیگر مذاہب وفلسفوں کی طرح درجنوں فرقوں اور مسالک میں بٹ کر اپنی افادیت میدان عمل میں کھو چکا ہے۔ عظیم تر اور محفوظ ترین کتاب قرآن حکیم کی موجودگی کے باوجود حصولِ طاقت اور سرمائے کی ہوس پر مبنی نفسیات مسلمانوں کے لیے بھی اپنی کتاب سے فیض حاصل کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآنی نظام سو فیصد حق ہونے کے باوجود دیگر مذاہب وفلسفوں کی طرح اگر حضرت محمد ﷺ کے انتقال کے بعد ان کے اپنے ہاتھوں کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں کسی نہ کسی صورت میں صرف 40 سال تک ہی برقرار رہ کر شہادت علیؓ اور واقعہ کربلا کے بعد عملاً اپنا قائم کردہ سسٹم کھو چکا تھا تو پھر اب کون دوبارہ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے جانباز ساتھیوں کی طرح لے کر اسے اٹھ سکتا ہے کہ اسے ایک مرتبہ پھر کامیابی کا موقع مل سکے؟ پھر سوال یہ ہے کہ تب کے انسانوں نے اپنی طاقت وسرمائے کی ہوس گیری کی بنا پر اسے تب تا دیر نہیں چلنے دیا تو اب جبکہ یہ ہوس اس سے کئی گناہ بڑھ چکی ہے کون چلنے دے گا؟

انسانی نفسیات اور فطرت کے کھیل نے اگر کسی بھی مذہب وفلسفے کو اپنے تاریخی سفر سے ہٹ کر جو کہ طاقت وسرمائے کے چولی

Marfat.com

دامن کے ساتھ پرمبنی ہے (اور جس کے ذریعے دنیا میں تعمیر وترقی جاری ہے) تادیر نہیں چلنے دیا تو پھر آخر اس کا حل کیا ہے؟

انسان کی اجتماعی نفسیات سے کس طرح سے کوئی ایسا قانون، ایسا فلسفہ، ایسا طریقہ کار وضع کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کے 90% لوگوں کی زندگیاں بالعموم اور 70% لوگوں کی زندگیاں بالخصوص ظلم و بربریت کی انتہاؤں سے نجات پا سکیں اور دنیا میں انسان کی تعمیر وترقی کی گہما گہمی بھی باقی رہ سکے؟ فرشتوں کا یہ کہنا کہ ''انسان دنیا پر فساد برپا کرے گا''۔ وہ سامنے آ چکا، آج تک کی دنیا میں۔ پھر شیطان کا قول کہ ''میں انسان کو بہکانے کے لیے ہر سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور ان میں سے اکثریت کو یارب تو ہدایت پر نہ پائے گا''۔ وہ بھی آج تک کی دنیا میں تو کم از کم 100% پورا ہو گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو جواب کہ ''جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔ اور فرشتوں سے آدم کو سجدہ کروایا اس کا ظہور ابھی باقی ہے۔ آدمؑ کو جو اسما الاشیاء سکھائے تھے جو فرشتوں کو معلوم نہ تھے انکا وہ حصہ تو ظاہر ہو رہا ہے جو سائنس وٹیکنالوجی اور فنون ومہارتوں سے متعلق ہے اور فساد کا باعث بھی بن رہا ہے لیکن جو حصہ فرشتوں کے علم میں نہ تھا وہ ہنوز مستور ہے۔ اس کا ظاہر ہونا ابھی باقی ہے۔ پھر آدمؑ کو جنت سے جب زمین پر اتارا تو انھیں رب تعالیٰ نے اپنے پاس سے کچھ کلمات خاص الخاص سکھائے جواب بھی تمام انسانوں کے لاشعور میں موجود ہیں۔ مجھے انسان کے اس علم، اس مقام اور ان کلمات کی تلاش وجستجو ہے۔ فرداً فرداً تو فرتوں سے ممتاز ہونے کا ہنر بفضل تعالیٰ جانتا ہوں لیکن اجتماعی طور پر جو شیطان سے چیلنج لگا ہوا ہے اس میں اسے شکست فاش دینے کیلیے اور رب تعالیٰ کے قول کو پروان چڑھانے کے لیے، حق کی فوجوں کا اہم رکن بننے کے لیے، اس کام میں اپنا تن من دھن لگانے کے لیے میں دن رات انتہائی بے چین ہوں۔

رحمٰن اور شیطان کے درمیان ایک عظیم شطرنج بچھی ہوئی ہے گو کہ سب کچھ کا خالق و مالک اور آخری تدبیر کنندہ وہ خود ہی ہے لیکن صورت مجاز میں اس کی حکمت کو یوں ہی منظور ہوا کہ اپنی مخلوق میں سے ایک فرد ابلیس کو شیطان کی صورت بے پناہ علم وطاقت اور دسترس دے کہ بظاہر اپنے ہی مقابل بٹھا لیا اور درمیان میں اس دنیا و کائنات کی عظیم الشان شطرنج بچھا لی۔ ازل سے دونوں طرف سے چالیں برابر چلی جا رہی ہیں اور خیر وشر کی کشمکش میں دنیا کا نظام ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں سالوں سے یا جانے کب سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ آپ تاریخ کے تناظر میں ایک بڑی گہری اور وسیع و بلیغ نظر انسانی معاملات پر ڈالیں تو آپ کو بے شمار مسلکوں میں حق و باطل، خیر وشر، مثبت و منفی، اچھا و برا ہر جگہ ہر دور میں ہر صورت میں نظر آئے گا اور اس طرح کے بڑے بڑے واقعات سے بھی انسانی تاریخ بھری ہوئی نظر آئے گی۔ اس طرح سے دیگر بھی بے حد و شمار مخلوقات کا حال ہے وہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ اس شطرنج پر کہیں نہ کہیں میں بھی دھرا ہوا ہوں۔ اب میرا مقام کتنا عام یا خاص ہے یہ تو میرے مالک اور حق تعالیٰ خود ہی جانتے ہیں لیکن میرے دل میں کوئی چیز بیٹھ کر آواز دیتی ہے بلکہ مجھے مسلسل بے چین کیے ہوئے ہے کہ آگے بڑھو، کچھ کرو، اس سے پہلے کہ دنیا سے گزر جاؤ، ایک بڑا کام اپنے ذمہ لو۔ کچھ نیا ڈھونڈو،

Marfat.com

اپنے رب تعالیٰ سے کوئی نئی عدیم المثال شے لے کر دنیا کو دو، کہ دنیا پُر امن ہو جائے، سکون ہو جائے، چھایا ہوا باطل مغلوب ہو جائے۔ مغلوب ہوتا ہوا حق غالب آ جائے کیونکہ حق ہے ہی غالب ہونے کے لیے۔ رب تو دلوں میں بستا ہے۔ دل سے رب تعالیٰ آواز دیتے ہیں مجھ سے بھی بہت کچھ فرماتے ہیں۔ میرے کئی سوالوں کے جواب عطا فرماتے ہیں۔ لیکن کاش اپنے پاس سے کچھ خاص ایسا عطا فرما دیں کہ میں اسے لے کر اس دنیا و کائنات پر حق کا بول بالا کر دوں۔ میری روح کو کمال فضل و کرم سے ایسا فعال کر دے کہ قرآن کی روح کو، بائبل کی روح کو، تمام مذاہب حق کی روح کو اور خدا تعالیٰ کے سب احکام کو زمانہ کی روح میں اور اہل زمانہ کی ارواح میں داخل کر دوں۔ باطل پر ایسی ضرب کاری لگاؤں کہ کاش میری زندگی ہی میں جیسے آج باطل ہر جانب چھایا ہوا ہے حق چھا جائے اور باطل مغلوب ہو جائے۔

تو آخر کون سا ایسا نظام ہو سکتا ہے؟ کہ جو طاقت اور سرمائے کی جگہ لے کر انسانی نفسیات ہی میں سے ابھرے اور سرمائے و طاقت کی ضرورت انسانی اجتماعی تعمیر و ترقی اور تسخیر کائنات میں پوری کرتے ہوئے 70% لوگوں پر ہونے والے ظلم و زیادتی کو بھی روک سکے:

جس کی موجودگی میں 10 گھروں میں سے قہقہوں کی آواز اور 90 گھروں میں سے ماتم کی صدا نہ آئے جو نہایت قلیل اقلیت کو خوشیوں کی یورش اور نہایت کثیر اکثریت کو آنسوؤں کی بارش نہ دے اور جس سے اللہ کی زمین و کائنات اپنے پیدا کرنے والے کے نور سے جگمگا اٹھے۔ باطل کا گھٹاٹوپ اندھیرا اپنے لیے کہیں جگہ نہ پا کر چھپتا پھرے۔ میرے اللہ رحمٰن و رحیم کے گھوڑے اور پیادے اب اس شطرنج پر آگے ہی بڑھتے جائیں اور شیطانی گھوڑے ابلیسی مُہرے پٹتے پیچھے ہی ہٹتے جائیں۔ حتیٰ کہ دیوار سے جا لگیں۔ پھر یہ تمام game over ہو جائے۔ یا رب دنیا اپنے نجات دہندہ کی تلاش میں ہے آپ کرم فرما دیجئے۔ اگر میں کسی قابل نہیں ہوں تو کسی قابل کو ظاہر فرما دیجئے۔ آمین!

سرمایہ داری نظام اور اللہ کا سرمائے کے ڈھیر اکٹھا کرنے سے منع کرنا:

ہم نے پیچھے جو بحث کی ہے اس سے انسانی تاریخ کی روشنی میں کچھ یوں ثابت ہوتا ہے کہ انسانی اجتماعی تاریخی نفسیات بغیر سرمایہ دارانہ قوت کے نظام کے آج تک کوئی اور سسٹم تا دیر قدرتی طور پر چلنے کے لیے متعارف نہیں کروا سکی۔ دوسری جانب اللہ کا حکماً سرمائے کے ڈھیروں کا مالک بننے سے امتناع اور سرمائے سے محبت رکھنے کو ناپسند کرنا بلکہ اس دنیا کو عارضی ٹھکانہ فرما کر انسان کا دھیان اگلی حیات بعد الموت پر مرکوز کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب ہم اس طرح سے صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں فطرت مذہب سے متصادم نظر آتی ہے جو بذات خود ایک بہت بڑا معمہ ہے۔ مذہبی لوگ تو عقیدتاً اس قسم کے موضوعات کو یا تو چھیڑنا ہی گناہ سمجھتے ہیں یا بات کرنا بھی پڑے تو بجائے جواب دینے یا جواب تلاش کرنے کے شتر مرغ کی

Marfat.com

طرح ریت میں سر دے لیتے ہیں وہ اندھی عقیدت اور اندھے ایمان کے مالک ہوتے ہیں لیکن ہمیں ایسی اندھی عقیدت اور اندھے ایمان سے چڑ ہے ورنہ ہم آج بُت پرست ہی بھلے تھے۔ہم نے زندہ وجاوید اور بے حدوشمار یکتائی کے حامل رب کو آخر ان بتوں کے مقابل کیوں پوجا؟ بت ابراہیمؑ کو جواب نہ دیتے تھے اس لیے ابراہیمؑ ان پر آنکھیں بند کر کے اندھا ایمان رکھنے کو تیار نہ ہوئے۔ یہ انوکھا رب ابراہیمؑ کو جواب عطا فرماتا تھا ان کی تشفی فرماتا تھا بلکہ رب تعالیٰ انھیں آسمان وزمین کی متعدد حیرتناک قدرتوں سے آگاہ فرماتے تھے۔ پھر ابراہیمؑ کے ایمان میں اضافے کے لیے ٹکڑوں میں کٹے پرندوں کو مختلف پہاڑیوں سے دوبارہ زندہ کر کے اڑاتے اور ابراہیمؑ کے روبرو حاضر فرمادیتے تھے اس لیے حضرت ابراہیمؑ اس زندہ وجاوید بے مثل خوبیوں سراہِ رب کو جانتے مانتے اور پوجتے تھے سو میں بھی اپنے اسی رب کو پوجتا ہوں، میں بھی اپنے رب کو اسی طرح سے جانتا ہوں، مجھے بھی کئی معاملات وواقعات اور حقائق مستور کی بنا پر اپنے رب عظیم سے ایسی ہی شناسائی حاصل ہے گو کہ مقام کے اعتبار سے ابراہیمؑ امام ہیں سب کے میں اپنے امام محمد ﷺ اور ان کا مقتدی ہوں لیکن الحمد للہ ایمان اسی طرح کا رکھتا ہوں۔ دعا ہے کہ وہی مضبوطی ایمان رب تعالیٰ عطا فرمائیں جو ابراہیمؑ کو جو محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی تھی۔ آیئے اب اصل موضوع کی طرف چلتے ہیں۔

یہ جو فطرت ومذہب میں ٹکراؤ نظر آتا ہے یہ حقیقتاً حکمت الٰہی ہے:

بلکہ اِس میں اُس کی بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ شیطان کا انکار ویسے ہی ''by the way'' یا اتفاقاً تھا؟ قطعی نہیں۔ بلکہ یاد رکھیں کہ دنیا وکائنات بھر میں ایک رتی برابر حرکت بھی اتفاقاً نہیں ہوتی۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اتفاقاً یا باقوت با اختیار رائی برابر بھی کوئی حرکت کر سکے، کوئی کام کر سکے، حتیٰ کہ کوئی خیال اچھا یا بُرا اپنے ذہن میں لا سکے بنا رب جلیل کے حکم ورضا اور اذن کے۔ پہلے بھی ہم بات کر چکے ہیں کہ رضا میں رب تعالیٰ کی مرضی شامل ہوتی ہے جبکہ اذن میں اس رب عظیم کی محض اجازت شامل ہوتی ہے اور حکم تو وہ ان دونوں کے لیے فرماتا ہے تب ہی یہ وجود میں آتے ہیں۔ اب یہ بھی ایک باریک بات سمجھ لیں کہ یہ جو رضا اور اذن میں فرق ہے یہ بھی ہم انسانوں کے لیے ہماری دنیا کے اعتبار سے ہے ورنہ حقیقت میں یہ بھی کوئی فرق نہیں دونوں ہی حکم الٰہی سے ہوتے ہیں چاہے جس جس وسیلے سے یا جس جس پردے میں بھی چھپ کر واقعات ہوں، ہوتا اسی کے حکم کُن سے ہے۔ پس رب حکیم کی انتہا کو پہنچی ہوئی بلکہ میں ہمیشہ کی طرح کہوں گا کہ بے انتہا حکمت مستور کی بنا پر رحمٰن وشیطان کا کھیل جاری ہے۔ دنیا میں گو کہ ہمیں اختیار حاصل ہے ہر ہر شے کو اختیار حاصل ہے۔ وہاں فرشتوں اور سابقہ فرشتے ابلیس کو بھی اختیار حاصل تھا اور ہم اس اختیار کی بنا پر اپنے اپنے اعمال کے اپنی اپنی دنیاؤں میں رہتے ہوئے مکمل ذمہ دار بھی ہیں لیکن درحقیقت اصل اختیار خدا ہی کے پاس ہے ہم سب کٹھ پتلیاں ہیں بلکہ ساری کی ساری کائنات ہی محض ایک کٹھ پتلی ہے۔ زمین اگر زمین پر رہتے ہوئے دیکھی جائے تو بڑی ہی وسیع وعریض،

Marfat.com

میدانوں، صحراؤں، پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں، آبادیوں، ویرانوں، سمندروں اور اس کے بیابان جزیروں پر مشتمل رنگ برنگ بے شمار خشکی وتری سے مزّین حیات پر مبنی ایک بے حدو کنار پلیٹ ہے جس پر زندگی بھر سفر کرتے رہیں بلکہ کئی زندگیاں سفر کرتے رہیں یہ سفر کبھی ختم نہ ہوگا۔لیکن اگر اسے فضا سے گزرتے ہوئے دور بہت دور جا کر دیکھیں یا خلا سے دیکھیں تو یہ ایک بیضوی سے گیند سے زیادہ کچھ نظر نہ آئے گی اور کائنات کی پنہائیوں میں چلے جائیں تو یہ شاید ذرہ برابر ہی نظر آئے بلکہ سرے سے غائب ہی ہوجائے۔تو ہر چیز کی حقیقت اسے دیکھنے اور محسوس کرنے کے نکتہ ٔ نگاہ اور زاویۂ ادراک سے بدل جاتی ہے جب ہم دنیا کے گورکھ دھندے پر بہت ہی گہرا غور کرتے ہوئے خدا کی حقیقت وقدرت، علم واختیار اور دسترس وملکیت کے ساتھ ساتھ اس کی بے حدو کنار عجیب عجیب یکتا صفات پر غور کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں کہ سب کچھ اسی کے اختیار وارادے کا مرہون منت ہے۔دنیاو کائنات کی ہر ہر حرکت اسی کے حکم سے ہے۔وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا جب اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے حکم 'کُن' کے ذریعے ہی یہ بے حدو کنار زمین وآسمان، سورج، چاند، ستارے اور کائنات بنائی۔اس کے بے شمار عجائبات بنائے۔لیکن جب کچھ نہ تھا تو کیا تھا؟ باہر کچھ موجود تھا کوئی زمان ومکان تھا؟ ظاہر ہے کچھ بھی نہ تھا صرف اور صرف خدا تھا جو پوشیدہ خزانہ تھا۔یعنی سب کچھ اسی کے اندر تھا اسی میں پوشیدہ تھا، اسی کا تھا، اسی کا ہے، وہ لاکھ پردے ڈالے، مجازی وسیلوں کے، ذریعوں کے، حرکات کے، ذمہ داریوں کے، اختیارات کے، باوجود ان سب پردوں کی اپنی اپنی مکمل حقیقت ہونے کے ذمہ دار ہونے کے اصل اختیار وملک اور حکم وحکمت تو اسی ایک یکتا ہی کا ہے۔ٹھیک ہے مالک نے دنیا جہان اور زمین وآسمان بنائے پھر یہ وسیع وبسیط کائنات بنائی اس میں ان گنت خزانے، علوم وفنون اور امکانات رکھے پھر اپنی حکمت ہی سے اپنی بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا اور پروان چڑھایا ہر ہر کائناتی پنہائی وگہرائی میں اور زمین پر بھی اور انھیں میں آدمؑ وحوا کو بھی بنایا، انھیں جنت میں بٹھایا، فرشتوں سے سجدہ کروایا، ابلیس کو حکم عدولی پر راندہ درگاہ فرمایا پھر قیامت تک مہلت دے کے آدمؑ وحوا کے ساتھ لگایا، بے پناہ علم ودسترس دی، آدمؑ کی اولاد پر ہر ہر دور اور ہر بستی میں نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ اپنی ہدایات نازل فرمائیں۔جنت ودوزخ کی آبادی کا بندوبست فرمایا۔ایک آدمؑ اور اس کی بیوی سے یہ بے پناہ نسلوں، شکلوں، صورتوں اور طبیعتوں واعمال کے انسان پیدا فرمائے۔اسی طرح بے شمار انواع کے جاندار خالی زمین کے خشکی وتری پر پیدا فرمائے۔ان کی بھی اپنی اپنی دنیائیں اور اختیار واعمال بنائے ہر شے کے ذمہ کام لگائے اور ہمیں معلوم ہی کیا ہے کہ کیا کیا کچھ کیا تاہم سب کچھ عین حق ہونے کے باوجود کہ جس کا ہمیں یا کسی بھی چیز کو حکم ہے اور جس کے ہم پابند ہیں اور جو قانون ہم پر اس دنیا وآخرت میں لاگو ہے آخری بات یہی ہے کہ اس کے باوجود اصل حکم واختیار اُسی کا ہے۔

اُس مالک الملک کے ہر ہر کام میں بے شمار حکمتیں ہیں۔وہ اگر کسی کو قتل کرنے پر سزا۔ موت دیتا ہے تو قتل کروانے میں بھی اس کی کئی حکمتیں ہیں، ممکن ہے اس کی بیوہ کسی اور کے نصیب میں ہو اس کے بطن۔ ےکسی اور کی نسل بھی پیدا

Marfat.com

ہوئی ہو۔اسی طرح سے پھانسی لگنے والے کے ورثا کے کئی معاملات ہو سکتے ہیں۔ میں کیا کیا کچھ بیان کروں اگر بیان کروں تو کم از کم یہ ساری زندگی لگ جائے لیکن مثالیں ختم نہ ہوں لیکن میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا نہ اپنا نہ آپ کا بلکہ محض نہایت ہلکے سے اشارے سے آپ کو بات سمجھانا چاہتا ہوں آپ اسے برائے کرم جلد سمجھ لیا کریں تا کہ ہم آگے بڑھیں۔ ہم نے بڑے باریک و بلیغ پھر ہزار پردوں میں مستور نئے نئے نکات کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہوتی ہے ہمارا مقصد حسن کلام یا تحریر کی چاشنی نہیں نہ ہی ہم زور بیان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں طبیعت انسانی کو بھلی لگنے کے باوجود ہمارے لیے سدِ راہ ہیں۔ ہم تو تیزی سے کم ہوتی ہوئی گنتی کی سانسوں کی گرمی سے تلاش وجستجوِ حقیقت کی کچھ نئی شمعیں روشن کر جانا چاہتے ہیں تا کہ آنے والے ادوار کے لوگ شاید اس کی روشنی میں کچھ مزید آگے بڑھ سکیں اور شاید میرا مالک میری سانسوں کی یہ نہایت حقیری قیمت قبول فرما کر میری بخشش کا سامان فرما دے۔ مجھے اپنی راہ پر قبول فرماتے ہوئے مجھ پر نگاہ التفات فرمائے۔ آیئے موضوع کی طرف۔ آپ غور کریں تو رب تعالیٰ کے حکمتوں کے گنجلک جال کو نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتے ہیں۔ کیا وہ پرندے کو پر، عقل و پھرتی دے کر شکار نہیں کروا دیتا، وہ بے حد و شمار ہر ہر طرح کے جانداروں کو پیدا فرماتا ہے ان کی پرورش فرماتا ہے ان کے تحفظ کے لیے لاکھوں قسم کے مختلف طریقے انھیں سمجھاتا ہے۔ انہی کو ایک دوسرے کی خوراک بھی بناتا ہے وہ ہرن کو ہوا کرتا ہے تو چیتے کو جھپٹ اور لپک بھی دے دیتا ہے۔ ہرن اپنے قانون قاعدے کے مطابق جزا یا سزا پاتا ہے، چیتا اپنے کردار و کوشش کا صلہ پاتا ہے۔ یوں ہی بے حد و شمار مخلوقات کا نہایت الجھا ہوا جال ہے۔ ایک ہی قانون ہزار رنگ میں اور لاکھوں قسم کے ڈھنگ میں لاگو ہے اور یوں ہی ان گنت قانون ان گنت رنگ ڈھنگ میں بے شمار مخلوقات پر بے گنتی معاملات میں لاگو ہیں۔ سب کے سب عین حق ہیں۔ خدارا جو بات سمجھانا چاہتا ہوں اسے سمجھ جایئے۔ کہ انسان کے لیے جو احکامات الٰہی ہیں وہ ان کا پابند ہے لیکن خدا کے بے شمار قسم کے قوانین زمانے کے لیے، فطرت کے لیے، اجتماعی نوعی نفسیات کے لیے یا مجموعی انسانی طبعی رجحانات و نفسیات کے لیے بھی رائج ہیں۔ پھر دنیا میں بے شمار نسلیں ہیں، رنگ ڈھنگ کے لوگ ہیں، مختلف نفسیات کے مالک افراد و اقوام ہیں، زبانیں ہیں، عقائد و فلسفے اور مذاہب و مسالک ہیں، سوچ کے انداز ہیں، فکر کے زاویے ہیں، احساسات و جذبات ہیں، ایمان و یقین ہیں، اہلیتیں و قابلیتیں ہیں، تخریب و تعمیر کی انفرادی و قومی استعدادیں ہیں، نظام ہیں، قوتیں اور طاقتیں ہیں اس طرح سے مسلسل بے شمار اقسام کی کشمکش، کھینچا تانی، زور آزمائی، کشش و گریز، تصادم و اتحاد، تخریب و تعمیر، ایجاد و دریافت کا حسن و قبح اور بے شمار طرح کا طلاطم بلا خیز جاری ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ہلچل ہے حرکت ہے بے سکونی ہے۔ ہم سکون کو آرام کے معنی میں امن کے معنی میں لیتے ہیں۔ جبکہ مکمل سکون موت کا دوسرا نام ہے۔ زندگی تو نام ہی حرکت کا ہے اور جب حرکت کے لیے پر نہ ہونگے اور پر ہوا کو مخالف سمت دبا کر خود اوپر نہ اٹھیں گے باد مخالف سے ٹکرا کر بلند نہ ہونگے تو سفر کیسے ممکن ہو سکے گا۔ اس لیے بات کو سمجھ لیں کہ ایک طرف تو آپ کے لیے خدائی احکامات و ہدایات ہیں یعنی خیر

Marfat.com

ہے۔ دوسری سمت انسانی نفسیات میں مستور اور فطرت میں محصور حکمت الٰہی کی پابند قوتیں ہیں جو دراصل مخلوقات ہیں اور اندھی نہیں وہ بھی خدا کے حکم سے کام کر رہی ہیں۔ ارے بھائی دنیا و کائنات کا ہر ہر کام چاہے خیر سے ہے یا شر سے ہے رحمانی ہے یا شیطانی، رحمت ہے یا ظلم و بربریت ہے، عفت و پاکیزگی ہے یا بے حیائی و زنا شوئی، درندگی ہے یا ملکوتیت، آبادی ہے یا بظاہر بربادی، الغرض جو جو کچھ بھی ہے اسے آپ حق کے پلڑے میں رکھیں یا باطل کے پلے باندھیں اس سب کچھ کے ہونے یا، وجود میں آنے میں، واقع ہونے میں ہزاروں حکمتیں بے شمار مستور احکامات شامل ہیں سب کچھ پہلے سے طے ہے planed ہے، روز ازل سے نہ صرف اللہ کے علم میں ہے بلکہ ہر طرح کی ہر شے اس کے حکم سے ہے۔

یہ سب کچھ اچھی طرح سے جان لینے کے بعد کہ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک کے حکم و ارادے اور حکمت لاانتہا سے ہے۔ مزے کی یا لاکھ اچھنبے کی بات یہ ہے کہ ہم قطعی اپنے اختیار کردہ افعال کی ذمہ داری سے انکار لمحہ بھر کے لیے عقلاً، اخلاقاً، مذہباً، یا قانوناً نہیں کر سکتے۔ نہ ہم نہ جنات نہ فرشتے نہ ہی دیگر بے حد و شمار مخلوقات زمینی و آسمانی ایسا کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہم سب کے سب خود کو با اختیار سمجھنے پر اپنے حسی نظام زندگی کے تحت (جو کہ ہماری اس دنیوی حیات کی اصل ہے) مجبور ہیں۔ ہم اپنے کیئے ہوئے کام سے یا فعل سے انکار نہیں کر سکتے۔ دنیا و کائنات کے نظام کو انسانوں اور دیگر مجازی مخلوقات کے ذریعے چلانے کے لیے اپنے اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھانے، جزا و سزا کا فلسفہ جاری کرنے اور خیر و شر یا حق و باطل کے نظریات پر مبنی نظام جاری رکھنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ یہ تو اس کی انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت بالغہ ہے کہ اس نے یہ سب گورکھ دھندا عین حق کے نام پر بنایا اور اس کے حق ہونے سے کسی کو رتی برابر بھی کسی بھی دلیل کے ذریعے انکار کی مجال نہیں ہے۔ لیکن ہم سب کے سب لوگ اور مخلوقات کرتے وہی ہیں جو وہ چاہتا ہے ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے چاہے خوشی سے کریں یا خفگی سے لڑ کر کریں یا مر کر، لاکھوں جذبوں، لاکھوں خواہشات، لاکھوں طرح کی تحریکوں میں سے کسی کی بنا پر بھی کریں یا ہم سے کچھ بھی ہو بالآخر سب اسی کے اذن و رضا سے ہے۔

ارے بھائی سب کا سب اسی کی طرف سے ہے اسی کے حکم سے، اسی کی حکمت بالغہ سے ہے:

کبھی سزا کے طور پر، کبھی جزا کے طور پر، کبھی امتحان کی وجہ سے، کبھی آزمائش کی وجہ سے، کبھی کسی نہ کسی اتفاق کی بنا پر، کبھی حادثات کی بنا پر، کبھی غصہ کی بابت، کبھی پیار کی بابت، کبھی محبت کے باعث، کبھی انتقام کے باعث، کبھی بھوک کے مارے، کبھی نشے کے مارے، کبھی مستی و خرمستی کی صورت، کبھی مجبوری و لاچاری کی صورت کہاں تک وجہ بیان کروں کہاں تک مثالیں دوں بس یہ سمجھ لیجئے کہ لاکھوں محرکات ہو سکتے ہیں کسی کام کے کسی فعل کے کسی واقعہ کے یا کسی بات کے ظہور پذیر ہونے کے پیچھے۔ لیکن یہ سب کے سب پردے ہیں یہ اور اس طرح کے ہر ہر پردے، بے شمار پردوں، بے شمار مجازی وجوہات کے پیچھے وہ خود ہی ہے۔ ہر ہر مخلوق ہر ہر نوع اور اس کی ہر ہر اکائی اپنے فعل کی ذمہ دار ہے۔ جزا یا سزا کی مستحق ہے یہاں بھی اور

Marfat.com

اگلے جہان میں بھی۔ ہراک شے کے عمل میں آنے کا اک نتیجہ ہے اوراس کا ایک ردعمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے حد وشمار مادی و روحانی اور مذہبی و دینی، وحی والہام یا ایجادو دریافت یا ان گنت مستور و باطنی قوانین وحقائق عین حق ہیں۔ ان کے انجام حق ہیں۔ جنتیں اور دوزخیں حق ہیں۔ ارے بابا ان سب کے سب حقائق کو بیان کرتے کرتے سات سمندر سیاہی ہوں اگر اور دنیا بھر کے درخت قلمیں بن جائیں پھر اتنے ہی اور بھی آ جائیں اور بے حد وشمار مخلوقات الٰہیہ ہزار ہزار ہاتھوں سے بے انداز نسلوں تک، قرنوں تک لکھتی رہیں لکھتی رہیں اور لکھتی رہیں اپنی قابلیت کو نچوڑ کے رکھ دیں پھر بھی حقائق الٰہی کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ آیات الٰہیہ کی گنتی کرنا ان کا ادراک کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ آیات صرف اشیاء نہیں ہیں نہ ہی قرآنی آیات ہی کی بات ہے یہ تو بے حد وشمار حقائق ہیں، علوم ہیں، سچائیاں ہیں، معاملات ہیں کوئی جان ہی نہیں سکتا کہ کیا کیا کچھ حیرانگیاں، حیرتناکیاں، سکتے اور اچھنبے ان بے پناہ حقائق میں بھرے پڑے ہیں لیکن ایک بات ضرور پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ سب کچھ عین حق ہے اور حق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اب بھلا بتائیے سب کا سب کچھ حق ہے سچ ہے ٹھیک ہے، ممکن ہے اور صرف اللہ کا ہے۔ اس کے حکم سے ہے، اس کی مخلوقات کے اعمال سے ہے، ذمہ داریوں سے ہے تو پھر باقی کیا رہ گیا سب کا سب کچھ اس عجیب وغریب گورکھ دھندے کے اندر ہی آ گیا۔ اللہ پاک سچ ہی فرماتے ہیں کہ "تم جہاں بھی چلے جاؤ، اس واحد خدا ہی کی حکمرانی پاؤ گے تم اگر اس کی مملکت کے کناروں سے نکل سکو تو ایسا کر دیکھو، تم کبھی بھی اس سے باہر نہ جا پاؤ گے"۔ بتایئے جب معاملہ یہ ہے تو یہ سب جاننے کے بعد بھی ہم نے رہنا تو اس کے اندر ہی ہے۔ ہم پر لاگو تو یہ ہی سب کچھ رہے گا اور ہوگا بھی سب کچھ ہمارے ہی ذمہ۔ ہم کو اس کی جزا یا سزا یہاں اور وہاں بالآخر ملے گی۔ "لیکن ہوگا یہ سب صرف خدا کے حکم سے"۔ انسانی محدود عقل کے مطابق خدا کی رضا سے یا اس کے اذن سے ہوگا۔ حق پر مبنی امور کے لیے اس کی رضا شامل ہے جبکہ باطل سے متعلق کاموں کے لیے اس کا اذن ضروری ہے۔ اذن سے مراد صرف اجازت ہے جبکہ رضا میں اجازت و رضامندی دونوں شامل ہیں۔ باطل سے متعلق تمام امور کے لیے اذن ابلیس کو تا قیامت مہلت کی وجہ سے دیا گیا ہے جبکہ حق کی علم بردار وحی الٰہیہ ہے۔ انسان اور تمام مخلوقات اس فلسفے کی بررضا و رغبت، عقل و دانش کے مطابق اور اسے عین حق تسلیم کرتے ہوئے نہ صرف حامی ہیں بلکہ اسے تسلیم کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اور اُسی کے مطابق معاملات کے فیصلے ہونگے۔

لیکن یاد رکھیں کہ اس عظیم تر کائناتی اور دنیوی بچھی ہوئی مابین بظاہر رحمٰن وشیطان شطرنج کے اُوپر کہیں بہت بلندیوں پر وہم و خیال سے بھی زیادہ بلندی سے وہ یکتا، وہ واحد، وہ لاشریک، وہ مختار کل، وہ مالکُ الملک، وہ قدیر، وہ غالب، وہ عجیب، اسے اپنی حکمت کے تحت اکیلا کھیل رہا ہے:

وہ اول و آخر، وہ ظاہر و باطن، وہ ابتدا وانتہاء، وہ ماوراء سے ماوراء، جس کی تعریف جس کا بیانِ حقیقت الفاظ میں ممکن ہی نہیں، جس کو زبان ادا ہی نہیں کرسکتی، جو خیال میں، جو وہم میں سما ہی نہیں سکتا، جس کو دل و دماغ سہار ہی نہیں سکتا، جس

Marfat.com

کے نور کی کھربویں جھلک سے کھربوں طور جل جاتے ہیں، جس کی کشش لا انتہاء میں کائنات کا ذرّہ ذرّہ بندھا ہوا اس کا طواف کر رہا ہے۔ جس کے خوف سے پہاڑ و بیاباں، سمندر و صحرا، زمین اور آسمان، سورج اور ستارے، کائنات ساری کے کنارے اور ماوراء کے تمام دھارے ہر لحہ کانپ رہے ہیں اور جس کے حسن بے بہا کے لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں رنگ روپ ہر ہر لحہ نئے نئے انداز بیان ''کُن'' سے، جلوہ افروز و ظاہر ہو رہے ہیں۔ ازل سے وجود میں آ رہے ہیں اور ہمیشہ نت نئی صورتوں میں مجازی پردوں میں ظاہر ہوتے رہیں گے اور جس کی حقیقت کے نور کی چند کرنوں سے اس کے عاشق نہ جانے کب تک سیراب ہوتے اور مستی میں جھومتے رہیں گے خود اکیلا ہی یہ شطرنج کھیل رہا ہے۔

اصل میں یہ مابین رحمٰن و شیطان نظر آنے والی شطرنج کی حقیقت کچھ اور ہے۔

کیا اسے مجازاً جبرائیلؑ اور ابلیس کھیل رہے ہیں؟

ہمارے مجازی عقل و فہم کی انتہاؤں کی حد تک اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے لیکن حقیقت میں اس شطرنج کو وہ یکتا و ماوراء ہستی واحد خود ہی کمال مہارت، حکمت، بلاغت اور بے شمار قسم کی صفات بے بہا کے ساتھ، بے انتہا عالی مقام طریق سے اور مقصد سے خود ہی کھیل رہا ہے۔ جبرائیلؑ بھی اسی کا ہے اور ابلیس بھی اُسی کا ہے وہ ان پر حاکم و قادر اور ہر ہر شے پر غالب و مختار ہے۔ وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی اعتراض کرنے والا نہیں، کوئی نعوذ باللہ نقص نکالنے والا نہیں۔ ارے آخری حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی دوسرا ہے ہی نہیں وہ خود ہی ہے۔ اس کے ارادے خیال اور ''حکم کُن'' میں سب کچھ سمایا ہوا ہے ہر اک شے کو تمام کے تمام ''فیکون'' کو ''کن'' نے گھیر رکھا ہے۔ وہ ''کن'' کی ملکیت ہے۔ ارے بھلے مانسو ''فیکون'' کیا ہے؟ تمام دنیا و کائنات۔ ''کن'' کی پیداوار (product) ہے صناعی میں کیا ہوتا ہے؟ صانع کا عکس، صانع کی صفات و مہارت کا عکس ہوتا ہے۔ تو صناعی کیا ہوئی، صانع کی قابلیت، قابلیت قابل سے ہے۔ صناعی صانع سے ہے تو پھر ''فیکون'' کس سے ہے؟ ''کن'' سے ہے۔ ''کن'' کس سے ہے؟ واحد و یکتا ہستی سے۔ تو پھر اُس ذات واحد کے سوا ہے کیا؟

اس ذات واحد کے سوا ہے کیا؟ کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ سب دنیا جہان، ہم تم اور کائنات بے حد و کنار کیا ہے؟ اُس کا پردہ ہے، مجاز ہے حقیقت میں صرف وہ ہے:

اس کی ذات اپنے مجاز کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ وہ اپنے خزانوں کو ہر ہر پل مجاز کے انوار میں اور رنگ و روپ میں ظاہر کر رہا ہے۔ لیکن پھر یاد رکھیں کہ یہ فلسفہ پڑھ کر بہک مت جائیں اور راہ سے مت ہٹ جائیں۔ اس فلسفے کو ٹھیک طرح سے نہ سمجھنے والے ہمیشہ ایمان و عمل سے بے غم ہو کر شیطان کی جھولی میں گرتے رہے ہیں۔ میں نے اتنی محنت اس لیے کی ہے کہ آپ کو گہرائی سے سمجھا سکوں کہ باوجود ہر اک چیز پر اسی ایک ''ہستی یکتا'' کی حکومت ہونے کے ہم سب کے سب لوگ کس طرح سے اپنے ایمان و عمل کے پابند ہیں اور جزاء و سزا پاتے ہیں۔ یقین جانیے کہ یہ سب خدا کے بے پناہ عجائبات میں سے

Marfat.com

ایک عجوبہ ہے اور عین حقیقت ہے۔ اللہ پاک کی وحی عین حق ہے جسے قرآن پاک میں باطل فرمایا گیا وہ عین باطل ہے۔ ہمیں عین وعین قرآن حکیم کے ہر ہر حکم پر اس اور اُس جہان میں کامیابی کے لیے کوشش کرنا چاہیے کیونکہ ہم اختیار رکھتے ہیں، مہلت اور وسائل رکھتے ہیں۔ ہم سے اب اس دنیا میں بھی حساب ہو رہا ہے ہمارا ہر ہر عمل رائی کے برابر نیت وعمل اچھا یا برا نوٹ کیا جا رہا ہے ریکارڈ ہو رہا ہے میں خدا کی قسم گواہی دیتا ہوں۔ مجھے اللہ پاک نے وہ کچھ دکھایا ہے کہ میں اس کے حق ہونے پر قرآن پاک کے حق ہونے پر شاہد ہوں، ناظر ہوں، اس لیے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایمان کے ساتھ عمل کے لیے بھاگ پڑیئے۔

ہم نے شروع میں جو سوال اٹھائے تھے وحی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ہمیں ان کا حل تلاش کرنے کی اجازت ہے کہ آخر کیوں قرآن پاک جیسی عظیم کتاب پر مبنی نظام حیات عین حق ہونے کے باوجود وصال نبوی کے 14 سال بعد جزوی طور پر اور تقریباً 40 سال بعد کلی طور پر ناکام ہو گیا۔ ظاہر ہے قرآن اور اس کا نظام تو حق تھا اور حق ہے۔ خرابی تو کہیں لاگو کرنے والوں ہی میں آئی۔ وہ کیا خرابیاں تھیں؟ انھیں کس طرح سے دور کر کے انسانی اجتماعی نفسیات کے طاقت و سرمائے سے متعلق تاریخی قانون کو قرآن کے احکام کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ یہ ایک سوال ہے جو میں نے اتنی کوشش سے اٹھایا ہے میں بھی اس کے حل کے لیے اپنی سی کوشش و محنت کروں گا۔ اگر کچھ حل تلاش کر سکا یا کچھ تجاویز ہی دے سکا تو جلد یا بدیر تحریر کر دوں گا لیکن اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو یہ آپ سب کا فرض ہے کہ اس کا حل زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد سے نکل کر انسان و کائنات کی فلاح کے لیے ناگزیر سمجھتے ہوئے تلاش کرنے کی انفرادی اور اجتماعی کوشش کریں۔

ایک ضروری وضاحت:

میں نے پہلے بھی تحریر کیا تھا کہ قرآن سے میری مراد بے شک موجودہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید تو ہے ہی جو کہ محفوظ اور مکمل ترین اور جدید ترین وحی الٰہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری مراد بائبل مقدس اور تمام آسمانی کتب سے بھی ہے جو کہ ازل سے یعنی آدمؑ و حواؑ کے زمین پر اترنے سے لے کر آج تک زمانہ بہ زمانہ، قریہ قریہ، شہر شہر، ملک ملک اور ہر ہر جگہ بصورت وحی الٰہیہ اترتی رہی ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں محفوظ ہیں۔ قرآن مجید کو کسوٹی بناتے ہوئے ان میں موجود حقائق کو دیکھا اور پرکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ یوں تمام انسانیتِ ارضی کا یہ فرض ہے کہ میری مندرجہ بالا دعوت پر سوچیں اور اس کا حل تلاش کر کے دوبارہ وحی الٰہیہ پر مبنی آسمانی نظام حیات و نشو و نما کو جاری کریں۔ صرف اسی طرح سے تخریب و باطل سے بچ کر ہم اصل تعمیر و ترقی حاصل کر سکیں گے اور سسکتی بلکتی 70% تا 90% بلکہ تمام کی تمام انسانیت کو اس دنیوی دوزخ سے نکال کر دنیوی جنت میں لا سکیں گے۔ تب کہیں جا کر باطل مغلوب ہو گا اور حق کا پرچم غالب آ کر لہرائے گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ وحی الٰہی کا یہ مفہوم و مدعا کبھی نہیں رہا کہ یہ دنیا اللہ کے بندوں کے لیے دوزخ بنی رہے اور اگلی دنیا ہی میں جنت میسر آئے۔ جیسا

Marfat.com

کہ اکثر ملا حضرات ہر ہر مذہب کے پروپیگنڈہ کرتے ہیں تا کہ باطل کو سینے سے لگائے ہوئے ہر طرح کے اور ہر ہر سطح کے حکمران گروپ اور افراد حق پرستوں کو نہ صرف آسانی سے دبا سکیں بلکہ انھیں اس دنیا سے نفرت دلا کر تنزلی اور تباہی کے نہایت بھیانک غاروں کی طرف دھکیل سکیں۔ وحی الٰہی کا مرکز و محور ہمیشہ یہ دنیا اور وہ دنیا دونوں رہے ہیں اس دنیا ہی میں نہایت متوازن زندگی بمطابق وحی الٰہی گزار کر انسان اگلی دنیا کی جنت کا حق دار بنتا ہے۔ یاد رکھیں مومنین دونوں جہانوں کی کامیابیوں میں Top of the tops ہوتے ہیں تاہم خدا کو بھول کر سب کچھ اِسی دنیا کو نہیں سمجھ لینا چاہیے یہ تو سرائے ہے۔ ہم اس سرائے کو خوبصورت بنا کر ہی منزل آخرت کے حسن دلربا کے حق دار ٹھہریں گے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 55:

میاں بیوی کی لڑائی اور بعد از زوجیت مشترکہ قسمت سے متعلق حکمتیں

میرا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد محض سستی شہرت حاصل کرنا، آپ کا وقت اور پیسہ برباد کرنا یا محض ادب برائے ادب نہیں تھا بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں نے کتاب کو کسی ایک شعبے یا موضوع تک محدود کر کے اسے شعبہ جاتی کتاب بھی نہیں بنایا ہے اگر کچھ مشترک عناصر اس کتاب میں پائے جاتے ہیں تو صرف یہ کہ عام موضوعات پر عام فکر کے تحت نہ لکھا جائے۔ ایسی چیز کو موضوع بحث نہ بنایا جائے جس پر دفتر کے دفتر پہلے سے موجود ہوں۔ طے شدہ روش سے ہٹ کر اگر علمی تقاضہ ہو تو لکھا جائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیا کو کچھ نیا دینے کی کوشش کی جائے۔ اسی کوشش میں آج کا موضوع بھی باندھا جا رہا ہے بظاہر تو بڑا ہی عام اور گھسا پٹا عنوان ہے لیکن اس کے اندر باتیں بڑی نئی نئی آپ کو ملیں گی۔ شاید یہ آپ کی زندگی کو جنت بنانے کے کام آئیں اگر اللہ پاک منظور فرمالیں تو۔

ہزاروں امیدوں اور خوابوں کی تعبیر کا منتظر جوڑا کیوں شادی کے بعد غیر ارادی طور پر تلخیوں کا شکار ہو جاتا ہے:

خواتین و حضرات شادی ہمارے انڈو پاک میں خصوصاً اور دنیا بھر کے ایشیائی معاشروں میں عموماً بلکہ ساری دنیا ہی میں ایک خاص چیز سمجھی جاتی ہے۔ کسی بھی لڑکے یا لڑکی کی خوشی کی انتہا عام طور پر ''شادی'' ہی ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمارے معاشروں میں تو بڑی دھوم دھام سے، سو سو رسموں، وعدوں اور قسموں سے یہ رسم حنا، بارات اور ولیمہ وغیرہ نبھا کر شادی سرانجام پاتی ہے اور لڑکا لڑکی دونوں ہی جب سے رشتہ طے پاتا ہے ایک دوسرے کے متعلق ہزاروں خواب دن میں اور ہزاروں خواب رات میں دیکھتے ہیں۔ بڑی امیدیں، بڑی خواہشات، بڑے شوق اور بڑے چاؤ سے ایک دوسرے کا بعد از شادی قرب حاصل کرتے ہیں۔ زیادہ پڑھے لکھے یا اعلیٰ status والے لوگوں میں جنہیں ہم high gentry کہتے ہیں ہمارے معاشروں میں بھی لڑکا لڑکی کو باہم شادی سے کئی ماہ و سال پہلے سے جاننے اور سمجھنے کی اجازت دے دی جاتی ہے اور یورپ میں تو بعض جگہوں پر عملی طور پر قبل از شادی بطور میاں بیوی کے کافی عرصہ تک اکٹھے رہ کر تجربہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض جوڑے تو ایک دو بچوں کی پیدائش کے بعد یا شادی کر لیتے ہیں یا علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ مؤخر الذکر صورت حال تو خیر ہے ہی غیر منطقی، غیر اخلاقی اور غیر مذہبی یا لادینی تاہم اس سے قبل کی تمام صورتوں میں آپ کسی بھی طرح سے میاں بیوی کے مستقبل کے تعلقات پر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کی آئندہ کی مشترکہ قسمت سے متعلق کچھ کہہ سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہر انسان پیدائشی طور پر اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے۔ اس پر پہلے بھی کافی بحث ہو

Marfat.com

چکی ہے کہ باوجود انسان کے مکمل طور پر بااختیار ہونے کے اور ہر طرح کے عام حالات میں آزادی کے ایک ایسی تقدیر بھی ہے جو لکھ کر بھیجی جاتی ہے۔ وہ صرف اور صرف اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ بہت بڑے بڑے اولیاء اللہ کو اللہ پاک بہت سے غائبوں پر مطلع گو کہ فرماتا رہتا ہے۔ لیکن وہ بھی صرف تقدیر مبرم ہی سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ جس میں دعا سے، نگاہ سے، عطا سے، کوشش سے، تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اور یہ ممکن ہے لیکن اصل تقدیر جو کہ ہر ہر ذی روح کی ایک ایک سانس اور ایک ایک نیت و خیال و حرکت و عمل سے متعلق ہے ازل سے ابد تک ہر ہر شے کی وہ تقدیر لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے اس میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں آسکتی یعنی کہ اصل تقدیر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تقدیر مبرم جس میں تبدیلی ہوتی ہوئی کسی نہ کسی طرح سے نظر آتی ہے وہ غیر حقیقی تقدیر ہوتی ہے یہ تمام اشیائے مجاز کے جاننے کے لیے ہے جسے یہ حقیقی سمجھتے ہیں اور اس میں تبدیلی لاکر کبھی محنت، کوشش و اختیار کے ذریعے کبھی فقیر فقراء کی دعا کے ذریعے کبھی اور سو طرح سے اسے بدل کر خوش ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ ہر شے ہر شخص ہر فرد اپنی اصل فکس شدہ تقدیر ساتھ لے کر آتا ہے۔ جو صرف اللہ کے علم میں ہوتی ہے۔ یہ فکس صرف اللہ کے علم کے اعتبار سے ہے تقدیر کا لکھا ہونا کیا ہے؟ صرف اللہ کا علم ہے۔ ورنہ ہر ذی روح کو ہر ہر شے کو مکمل اختیار حاصل ہے اسی لیے وہ اپنے کیے پر جواب دہ ہے۔ تمام اختیار و آزادی کے باوجود اللہ کے بے پناہ علم کا کمال یہ ہے کہ اسے ازل تا ابد ہر ہر ذی روح ہر ہر شے کی زندگی کی تمام کہانی مع ہر ہر کام و حرکت کے پہلے ہی سے معلوم ہے بلکہ یہ دنیا و کائنات بنانے سے بھی پہلے وہ جانتا تھا کہ کون کیا کرے گا۔

بہر حال اسی تقدیر مبرم ہی کا ذکر کرتے ہیں کہ جسے انسان اپنے اختیار و کوشش سے بدل سکتا ہے کہ جب دو افراد دو میاں بیوی رشتہ زوجیت میں بندھتے ہیں تو ایک تیسری قسمت یا تقدیر جنم لیتی ہے۔ ان کی مشترکہ تقدیر۔ گو کہ اس سے پہلے شوہر کی الگ ایک تقدیر تھی صبح و شام تھے، معاشی و معاشرتی حالات تھے، خوشیاں و غم تھے وغیرہ وغیرہ اور بیوی کی اپنی ایک الگ اسی طرح کے معاملات سے متعلق قسمت تھی۔ لیکن جب یہ دو لوگ بعد شادی کے اکٹھے ہو گئے۔ ایسے کہ ان کے شب و روز اکٹھے گزرنے لگے، خوشیاں و غم سانجھے ہو گئے، معاشی و معاشرتی معاملات یک جان ہو گئے سب کا سب کچھ مل ملا گیا حتیٰ کہ آگے چل کر ان کی مشترکہ اگلی نسل نے جنم لے لیا اور ماں باپ کے مقدر بلکہ ننھیال و ددھیال کے افراد کے مقدر اگلی نسل پر اثر انداز ہونے لگے تو ایسے میں ان میاں بیوی کا شادی کے پہلے ہی روز سے ایک مشترکہ مقدر بھی شروع ہو جاتا ہے۔ آپ کوئی سے سو جوڑوں کا اس غرض سے مطالعہ کریں کہ شوہر شادی سے قبل کیا تھے؟ کیسے تھے؟ کہاں تھے اسی طرح سے بیویاں کس پانی میں تھیں؟ کن حالات میں تھیں؟ آپ نتائج دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ دونوں کے مقدر کو شادی نے کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ کوئی پہلے غریب تھا تو اب خوشحال ہو گیا ہے، کوئی پہلے بیمار سا تھا کمزور سا تھا اب صحت مند و طاقت ور ہو گیا ہے۔ پہلے کسی کا مقدر نہ کھلتا تھا اب چمک اٹھا ہے پہلے دونوں غریب تھے مل کر امیر ہونے لگے ہیں یا امیر تھے خوشحال تھے اب مل کر غریب ہو

Marfat.com

گئے ہیں تنگ دستی نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ الغرض ہزاروں طرح سے ہر ہر نئے جوڑے کو مشترکہ مقدر یا مشترکہ ستارہ زبردست طریقہ سے مثبت انداز میں یا منفی اثرات ڈالتے ہوئے متاثر کرتا ہے اور جوڑوں کی زندگیوں میں ہزاروں طرح کی اچھی یا بری تبدیلیاں لاتا ہے۔ دونوں میاں بیوی کو اپنا جیون سنوارنے کا شادی سے قبل بھی موقع ملتا ہے پورے اختیار و آزادی سے اور شادی کے بعد بھی مل کر مقدر سنوارنے اور گھر و بچوں کو خوشحال بنانے میں وہ آزاد ہوتے ہیں لیکن ہر دو وقتوں میں پہلے انفرادی اور بعد ازاں ان کا مشترکہ مقدر ان پر اپنے اثرات ڈالتا ہے اور وہ اس کے باوجود آزاد ہونے کے زبردست اسیر ہوتے ہیں۔

میاں بیوی کی لڑائی پہلے دن سے کیوں شروع ہو جاتی ہے؟

ویسے تو کہا جاتا ہے کہ جہاں دو برتن بھی پڑے ہوں وہ تھوڑی حرکت سے آپس میں ٹکرا کر کچھ آواز ضرور پیدا کرتے ہیں انسان تو پھر انسان ہے عاقل بالغ اور اپنی اپنی الگ الگ طبیعت کا مالک ہے جب دو فرد مل کر رہیں گے تو ان میں کچھ کچھ اختلاف تو فطری سی بات ہے اگر وہ اچھے اور پڑھے لکھے باشعور انسان ہیں تو ایک دوسرے کے حقوق و فرائض اور پسند و ناپسند کا خیال رکھتے ہوئے اتنی لچک پیدا ضرور کر لیں گے کہ وہ اچھی زندگی گزار سکیں۔ بلاشبہ یہ سب حقائق بالکل درست ہیں اور same personality یا ایک ہی طرح کی فطرت کے کوئی بھی دو افراد نہیں ہو سکتے۔ ایک متوازن زندگی گزارنے کے لیے ایک جوڑے کو give and take کی ضرورت ہوتی ہے یوں ایک understanding یا ذہنی مطابقت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی ہے۔ شک نہیں کہ ذہنی مطابقت کافی حد تک فطری ہوتی ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ اسے پیدا کرنے اور بڑھانے کے لیے اگر دونوں فریق پرخلوص کوشش کریں تو یہ کافی زیادہ حد تک بڑھ کر develop ہو کر دونوں کی زندگیوں کو خوشحال اور آسان بنا دیتی ہے۔ تاہم کچھ میاں بیوی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو شادی کے ابتدائی ایام ہی سے ایک دوسرے سے مطمئن نہیں رہ پاتے۔ کبھی تو کوئی اہم وجہ بھی بن جاتی ہے مگر عام طور پر کوئی اہم وجہ سمجھ نہیں آتی اور غیر محسوس طریقہ سے وہ دونوں ایک دوسرے سے دکھی رہتے ہیں، ایک دوسرے کو خوشی نہیں دے سکتے، ایک دوسرے کی بات و عمل چبھتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے نہ چاہنے کے باوجود الجھتے رہتے ہیں اور دھیرے دھیرے باقاعدہ لڑائی اور پھر لڑائیوں جھگڑوں کا ایک سلسلہ چل نکلتا ہے۔ بعض اوقات شادی کے پہلے ایک دو ماہ ہی ایسے ثابت ہوتے ہیں کہ خوشیاں غائب ہو جاتی ہیں اور آنسو ڈیرے ڈال لیتے ہیں۔ ہم ایشیائی معاشروں کے لوگ اور شاید دنیا بھر کے اکثر لوگ اس بات کو سمجھ نہیں پاتے اور ساتھ نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی جگہوں پر تو شادی پر اتنے اخراجات دونوں جانب سے اٹھتے ہیں کہ وہ اس رشتے کو توڑ کر دوبارہ کسی اور ساتھی کے ساتھ رشتہ قائم کرنے کا مالی و معاشی وجوہات کی بنا پر تصور ہی نہیں کر سکتے۔ کئی جگہوں پر معاشرتی دباؤ اور خاندانی عزت و ناموس کی خاطر ہر حالت میں نبھانے اور رشتہ قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کئی رشتوں میں لڑکا لڑکی نے پسند کی یا محبت کی

Marfat.com

شادی رچائی ہوتی ہے وہ اپنے جذبات کے ٹھنڈا ہونے پر محبت کا بھرم قائم رکھنے کے لیے اپنی زندگیاں اس میں جھونک دیتے ہیں۔کہیں پر حالات کو ٹھیک طرح سے سمجھتے سمجھتے دیر ہو جاتی ہے چند سال کا عرصہ یا سال ڈیڑھ کا عرصہ گزر جاتا ہے یوں ایک دو بچوں کے مستقبل کا بوجھ بھی والدین کو اپنی زندگیاں ازدواجی جہنم میں ڈالے رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔الغرض سو سو قسم کی وجوہات کی بنا پر ایسی جوڑیاں اپنی زندگی کو ناسور بنائے رکھتی ہیں۔مگر یہ لوگ یا تو ایک لمبے عرصہ تک یا پھر کبھی بھی جدا نہیں ہوتے۔ان کے درمیان طلاق نہیں ہوتی۔ہمیں آج اس صورتحال پر بحث کرنا اور ایسی جوڑیوں کو کچھ سمجھانا ہے۔

جب بلڈ گروپ میچ نہیں کرتے تو کیا خون دیا جاتا ہے؟ کبھی نہیں اگر ایسا کیا جائے تو نتیجہ یقیناً فساد جسمانی اور پھر ہلاکت ہو سکتا ہے۔بالکل اسی طرح سے۔

جب نیا جوڑا شادی کے بعد مل کر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو فطرت اپنا ردعمل دیتی ہے۔جب دو نئے لوگ نئے افراد خصوصاً میاں بیوی مل کر چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو فطرت اپنا اظہار کرتی ہے وہ بتلاتی ہے کہ اُسے ان کا مل کر چلنا پسند ہے یا کہ نہیں:

اگر پسند نہیں ہے تو ان دونوں میاں بیوی کی طبیعتوں کی عدم مطابقت کی بنا پر یا اور سو وجوہات کی بنا پر ان کے درمیان فساد و لڑائی جھگڑوں سے فطرت اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ انھیں جلد الگ ہو جانا چاہیے۔ان کا مشترکہ مقدر خوش کن نہ ہوگا، گھر میں خوشیاں نہ آئیں گی، قہقہے نہ گونجیں گے، آنسو اور آہیں ہی مقدر بنیں گے، بچوں کے مستقبل تباہ ہونگے، بچے نفسیاتی مریض بنیں گے، یہ میاں بیوی دونوں سخت اذیت ناک زندگی گزاریں گے یہ خود بھی نفسیاتی مریض بن جائیں گے بلکہ جسمانی عارضے بھی اگلی عمر میں لاحق ہو سکتے ہیں۔آپ ہزاروں ایسے cases اٹھا کر دیکھ لیں اول تا آخر ایسے جوڑوں کی زندگی بھر کی قربانیوں کے باوجود قدم قدم پر انھیں ناکامیوں، آنسوؤں، آہوں اور بلاؤں ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ممکن ہے ان کی مشترکہ قسمت میں کسی طرح سے دولت کی فراوانی بھی ہو جائے یا معاشرتی status اچھا بھی ہو جائے لیکن ان کی اپنی زندگیاں ان کے بچوں کی زندگیاں بہر حال کسی نہ کسی طرح سے ضرور متاثر ہونگی، نقصان اٹھائیں گی، بربادی ہوگی، فطرت سے لڑائی اور چوکھی آپ کو آخر کار بڑی ہی مہنگی پڑے گی۔آپ لوگوں کے سامنے چاہے مسکراتے بھی ہیں لیکن تنہائیوں میں آپ کی سسکیاں اور چیخیں اس بات کی گواہی دیں گی کہ آپ کا فیصلہ ساتھ نبھانے کا بالکل غلط تھا۔

جب شادی کا تعلق باوجود کوشش کے نہ چل سکے تو اسے فوراً توڑ دیں ناسور نہ بنالیں:

ہمیشہ یاد رکھیں کہ جب شادی کے بعد ایسی صورتحال شروع ہی سے پیدا ہو جائے یا جنسی جذبات کے ٹھنڈا پڑنے پر اور حقیقی زندگی میں داخل ہونے پر ایسے حالات ڈیرا ہی ڈال لیں اور آپ نہ سمجھ سکیں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے تو کسی قسم کے

Marfat.com

جذبات، قربانی یا بھرم رکھنے یا مجبوری نبھانے کے نام پر خدارا اس تعلق کو آگے مت چلایئے، مزید مت بڑھایئے بلکہ دل پر پتھر رکھ کر اپنے دکھ اور نقصان کو برداشت کرتے ہوئے دونوں فریق یا جو بھی اس میری بات کو realize کر سکے سمجھ سکے وہ فوراً اس تعلق کو توڑ دے ابھی شروعات ہیں۔ کچھ دن کچھ مہینوں بعد زخم مندمل ہو ہی جائیں گے یا وقت ان پر مرہم رکھ دے گا۔ کم از کم زندگی بھر کا روگ نہیں بنے گا۔ یہ تعلق زوجیت ناسور نہیں بنے گا۔ فطرت آپ پر بہت مہربان ہے کہ آپ کی ٹھیک رستے کی سمت رہنمائی کر رہی ہے بلکہ آپ کو لڑوا کر، جھگڑا کروا کر یا جھگڑوں کا تسلسل قائم کر کے وہ آپ کا دل ایک دوسرے سے متنفر کر رہی ہے، ایک دوسرے کے لیے محبت آپ کے دلوں سے کھینچ رہی ہے تاکہ آپ جلد از جلد الگ ہو جائیں۔ طلاق حاصل کر لیں۔ لہٰذا جب جائز حد تک لڑائی کی وجوہات پر قابو پانے میں آپ مسلسل ناکام ہو جائیں تو ابتدائی چند ماہ یا چند یوم ہی میں الگ ہو جائیں۔ حتیٰ کہ اگر ایک دو بچے بھی ہو چکے ہوں اور نبھانے کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو مصنوعی نبھانے کی بجائے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اللہ پاک کارساز ہے دونوں فریقوں کا کوئی ممکن ہے نیا اچھا ساتھی مقرر فرما دے ان کے بچوں کا بھی کوئی اچھا سبب پرورش کا پیدا فرما دے بجائے اس کے کہ وہ اپنی اپنی زندگیوں کو مسلسل جہنم بنائے رکھیں اور باوجود فطرت کے کھلے اظہار کے وہ اس کے اشارے اور راز و نیاز کی باتیں نہ سمجھیں۔ ایسے تعلق اگر نبھتے چلے جائیں تو بہر حال یہ مصنوعی تعلقات ہی کہلائیں گے اور ان کے زیر اثر رہنے والے نہ تو میاں بیوی ہی اور نہ اولاد معاشرے کے لیے مفید ثابت ہونگے بلکہ نہ صرف یہ لوگ معاشرے کے لیے بوجھ بنیں گے بلکہ ان کی آئندہ اولاد کی ازدواجی زندگیاں اور آگے ان کے بچے بھی اس ایک غلط جوڑ کی بنا پر متاثر ہونگے۔

اسی طرح سے اگر کسی جوڑے کی مشترکہ قسمت خراب ثابت ہوتی ہے پے در پے ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے خوشحالی بھاگ جاتی ہے اور اس وجہ سے ان میں لڑائی رہنے لگتی ہے ان میں اپنی غربت یا ناکامیوں کو سہنے کی سکت کم پڑ جاتی ہے اور ان کی ازدواجی زندگی پر لطف نہیں رہتی تو انھیں بھی طلاق حاصل کر کے اپنی اپنی نئی زندگیاں شروع کر لینا چاہییں۔ کوئی عجب نہیں کہ نئے ساتھیوں کے ساتھ وہ خوشحال و مطمئن زندگی گزارنے کے قابل بنا دیئے جائیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ کا جیون ساتھی اچھا ہے آپ سے محبت کرتا ہے وفادار ہے اور گھر میں کوئی لڑائی بھی نہیں ہے اور اس وجہ سے آپ اسے چھوڑ دیں کہ اس کے آنے سے آپ کی زندگی خوشحال نہیں رہی یا اس کے آنے سے آپ کی تنگدستی دور نہیں ہوئی تو یہ بالکل جائز نہ ہوگا۔ بلکہ ایک وفادار ساتھی کا دل توڑنا بہت بڑا گناہ ہے ایسی صورتحال پر صبر کریں کوئی بعید نہیں کہ بعد از امتحان اللہ پاک خوشحالی عطا فرما دیں۔

بچوں کی پیدائش پر تقدیر کا بدلنا:

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ جس طرح میاں بیوی کے ملنے سے ایک نئی مشترکہ قسمت جنم لیتی ہے اس گھرانے کی اسی طرح

Marfat.com

سے ہر ہر بچہ کی پیدائش اس مشترکہ قسمت میں تبدیلی لاتی ہے۔اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کا رزق بھی آسمان سے اترتا ہے۔آپ بے شک اپنے اپنے ہر ایک بچے کا حمل قرار پانے اور پھر پیدائش کے بعد آنے والی معاشی و معاشرتی تبدیلیوں کا بغور اپنی زندگیوں میں جائزہ لیں آپ پر حیران کن انکشافات ہونگے۔ان ہی میں کوئی بچہ یا بچی گھر بھر کے لیے ممکن ہے، بہت زیادہ خوشحالی، عزت یا معاشرتی مقام لے کر پیدا ہو۔جس سے گھر بھر کی زندگیاں بدل کر رہ جائیں یا کم از کم والدین کی حیثیت ومقام کو معاشرے میں بلندی پر لے جانے کا باعث بن جائے۔

اگر لڑائی جھگڑا نہیں ہے باقی سب کچھ نارمل ہے لیکن شادی دونوں کو راس نہیں آئی۔گھر میں اطمینان، سکون اور خوشی ناپید ہے بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی مگر شادی کے بعد کی زندگی میں دونوں میاں بیوی عجب سی بیزاری اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔باوجود کوشش کے ایسا ماحول دور نہیں ہوتا۔تب بھی ان کو الگ ہو جانا چاہیے۔یہ تعلق غیر فطری اور مصنوعی ہے۔ لیکن یاد رکھئے محض پیسے اور دولت وزر کی تلاش کے لیے جیون ساتھی کو بدلتے رہنا جائز نہیں ہے۔ہاں اگر مرد انصاف کر سکے تو اس غرض سمیت کسی دیگر جائز اور مُباح نیت سے کل چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔(یہ صرف مسلمانوں کے لیے اجازت ہے باقی مذاہب کے لوگ اپنے مذہبی قوانین پر عمل کریں)

اگر میاں بیوی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے یا دونوں میں سے کوئی ایک فریق ایسا ہے کہ دوسرے کو پسند نہیں کرتا اور باوجود جائز کوشش کے رغبت قائم نہیں ہوتی تو وہ دوسرے سے طلاق حاصل کر سکتا ہے بمطابق قرآنی طریق کے۔

آخر میں ایک وضاحت اور کرتا چلوں کہ آج کل family planning کا بہت غُلغلہ ہے مختلف حکومتیں اپنی آبادی کو اپنے وسائل کی حد تک محدود رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جو کہ ٹھیک نہیں ہے غربت کے ڈر سے اولاد کے قتل سے اللہ نے منع فرمایا ہے لہٰذا خوراک و وسائل کی کمی کے ڈر سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ابھی تو زمین، سمندر اور کائنات ساری اتنی خالی پڑی ہے کہ اربوں کھربوں انسانوں کی ضرورت ہے۔ہاں کام کرنے والے افراد ہونے چاہئیں کیونکہ محنت کی روٹی اللہ نے شرط رکھی ہے۔نکموں سے محنت کروانے اور مشقت کروانے کے لیے اصلاحات ہونا چاہئیں کہ معاشرہ کا ہر ہر فرد لازمی حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اپنی صلاحیت کے مطابق ایک عمر کی خاص حد تک ضرور کام کرے۔ہر طرح کی تعلیم و ہنر عام ہو۔تا کہ ہر نیا بچہ اپنے مقدّر کا نیا تابندہ ستارہ لے کر پیدا ہو سکے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 56:

ایک ہی مرد یا عورت کی شخصیت ہر ہر رشتے ناطے کے آئینہ میں!

سب سے پہلے فطری وجبلّی رشتے:

کوشش کروں گا کہ بات مختصر کرسکوں کیونکہ شاید مزید کئی انتہائی ضروری عنوانات ابھی اظہار کے منتظر ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ایک مرد یا ایک عورت اپنی اس ایک زندگی کے دوران متعدد رشتوں سے گزرتے اور ان میں ڈھلتے ہیں بلکہ اگر یوں کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ اکثر اوقات ہم ایک ہی وقت کئی رشتوں کی شناخت اپنے اس ایک وجود کے اندر رکھتے ہیں مثلاً ہم کسی کے میاں یا بیوی ہیں، بیٹا یا بیٹی ہیں بھائی یا بہن ہیں، والد یا والدہ ہیں، چچا یا چچی ہیں، پھوپھا یا پھوپھی ہیں، ماموں یا ممانی ہیں، خالہ یا خالو ہیں جیٹھ یا جیٹھانی، دیور یا دیورانی ہیں نند یا نندوئی ہیں ساس یا سسر ہیں بہو یا داماد ہیں رقیب یا رقیبہ ہیں دوست یا سہیلی ہیں مغربی معاشروں میں girl friend یا boy friend ہیں، ہم زلف ہیں، یوں ہی یہی رشتے پہلے درجوں یا step کے بعد اگلے درجے یا step میں بھی موجود ہوتے ہیں جیسے first cousin یا پھر second cousin وغیرہ اور پھر ان رشتوں میں سگا یا سوتیلا رشتہ بھی ہوتا ہے جس کے لیے انگریزی میں خصوصاً "Step" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اب دیکھیے کہ ایک ہی مرد یا عورت عموماً ان تمام رشتوں سے بیک وقت گزر رہا ہوتا ہے یا رہی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ بعض اوقات نانا، نانی، پرنانا پرنانی، دادا دادی یا پردادا پردادی تک بھی بن جاتے ہیں لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ ایک ہی شخص یا عورت مختلف رشتوں سے متعلق رویوں میں بے حد وشمار مختلف کرداروں کے مالک نظر آتے ہیں۔ ایک شخص سگے باپ کے کردار میں نہایت شفیق ہے پدرانہ محبت کا اعلیٰ نمونہ ہے یوں ہی سگی ماں کی ممتا کی تو کوئی دوسری مثال دینا ہی محال ہے کہ ماں سے عظیم تر مجازی رشتہ تو رب تعالیٰ نے پیدا ہی کوئی نہیں فرمایا اور اپنے بچوں کے لیے والدین کی محنت ومشقت یا قربانی کی نت نئی مثالیں روزانہ ہی سامنے آتی ہیں۔ صدیوں سے یہ رشتہ محبت کی اعلیٰ مثال ہے لیکن جب ہم کسی کے سوتیلے باپ یا ماں بن جاتے ہیں تو ہماری شفقت ومحبت اور پدرانہ ومادرانہ جذبات جانے کہاں دفن ہو جاتے ہیں ہم تو اکثر اوقات ایسے رشتوں کے روپ میں انسان بھی نہیں رہتے بلکہ بے رحم درندے بن جاتے ہیں۔ بہن یا بھائی کے رشتے میں ہمارا ایک نیا روپ سامنے آتا ہے بڑی محبت، اپنائیت خلوص اور جسم وجاں کا ایک حصہ محسوس ہوتا ہے ہم ان رویوں میں بڑے محبت کرنے والے ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر شادیوں کے بعد ہم اپنے اپنے گھروں کے ہوکر بدل جاتے ہیں اور آج کل تو خون سفید ہونے والا محاورہ عام صادق آتا ہے۔ ہم ایک دوسرے سے بُغض، نفرت، خودغرضی اور پرائے پن کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو بات لڑائی جھگڑوں اور قتل وغارت تک جا پہنچتی ہے۔ آسمان اس صورتحال پر حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور شیطان ہنستا ہے۔ لیکن اگر سوتیلے

Marfat.com

بھائی یا بہن کا معاملہ ہو تو پھر تو اکثر اوقات بچپن ہی سے دشمنی اور رقابت کے جذبات پیدا ہو جاتے اور ابھرنے لگتے ہیں۔ یوں نئے نئے گُل کھلائے جاتے ہیں، انسان انسانیت سے گرنے لگتا ہے۔ والد والدہ سے محبت کا رشتہ بہت گہرا ہوتا ہے اور قدرتی ہوتا ہے لیکن جب بچے اپنی عملی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں تو دھیرے دھیرے والدین کو نظر انداز کرنے لگتے ہیں اب کوئی کوئی اولاد ہوتی ہے جو والدین سے محبت و خدمت کا حق نبھائے ورنہ 80 سے 90 فیصد تک تو ہم لوگ والدین کو عملاً فراموش ہی کر دیتے ہیں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھے والدین کی خدمت و دلجوئی کی خصوصی تاکید فرمائی ہے اور ان کے سامنے ''اُف'' تک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی آپ ان کی خدمت میں اس قدر تھک جائیں یا تنگ ہو جائیں، تکلیف محسوس کریں کہ منہ سے لمحہ بھر کے لیے لفظ ''اُف'' نکلے۔ یہ بھی اللہ پاک کی عظیم ہستی کو گوارا نہیں ہے کیونکہ انہی والدین نے اپنی زندگی کے قیمتی ترین شب و روز پوری محنت و ریاضت وایثار و قربانی کے ساتھ پدرانہ و مادرانہ محبت کی بوچھاڑوں میں ہمیں دیئے ہوتے ہیں۔

سوتیلے رشتے:

بہر حال یہ تو بات ہے حقیقی والدین سے سلوک کی اب اگر سوتیلی ماں یا باپ کی بات ہو تو ہم اس کے ساتھ کیا کیا رویہ و سلوک اختیار کرتے ہیں یہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ سوتیلے بہن بھائی سوتیلے بیٹا بیٹی کا معاملہ بھی یوں ہی ہے جو گزر چکا ہے۔

حقیقی اور سوتیلے رشتوں سے ایک ہی فرد کے برتاؤ میں حیران کن فرق کیوں؟

اب اسی طرح سے آپ چشم تصور میں تمام حقیقی اور سوتیلے رشتوں کو لایئے اور ایک ایک کا جائزہ لیجئے کہ آپ کس کس روپ میں کیسے ہیں کیا کردار رکھتے ہیں یا اگر آپ اس روپ میں ہوں تو کیا کریں گے، کیسا رویہ اختیار کریں گے۔ اپنے علاوہ دنیا بھر میں اپنے اردگرد، گلی محلے میں، گاؤں یا شہر میں، کہیں بھی دنیا کے کسی بھی کونے میں یا اعلیٰ سے اعلیٰ، ادب پاروں میں، کہانیوں میں، افسانوں میں، ڈراموں میں، ناولوں میں، ڈائجسٹوں میں، تمثیلات میں، اپنوں میں، پرایوں میں جہاں جہاں تک نگاہ جا سکے ان سب کرداروں کو کریکٹرز کو ڈھونڈیئے، تلاش کیجئے ان کا جائزہ لیجئے، گہرائی کے ساتھ بے شمار لوگوں کے بے شمار کرداروں پر اور خود اپنے ہر ہر رشتے سے متعلق کرداروں پر خوب غور کیجئے۔ بڑی گہرائی اور باریک بینی سے تجزیہ کیجئے۔ جب آپ کریں گے یا کر چکیں گے تو آپ پر حقائق یوں منکشف ہونگے کہ آپ حیرت کی وادیوں میں کھو جائیں گے یا سمندر حیرت میں ڈوب جائیں گے۔ حیران و پریشان ہو جائیں گے کہ خدایا ایک ہی شخص یا ایک ہی خاتون ایک ہی وقت میں مختلف کرداروں میں مختلف رشتوں کے روپ میں اتنے مختلف کیسے ہو سکتے ہیں کہ زمین و آسمان کا فرق نظر آئے۔ کیسے ایک عورت اپنے سگے بیٹا بیٹی کو لاڈ پیار سے رکھتی ہے اس کے سو سو ناز اٹھاتی ہے اس کی ذرا سی آہ پر تڑپ جاتی ہے اور دنیا بھر کی نعمتیں ممتا کے جنت نظیر سائے میں لے کر اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہے جبکہ وہی عورت اپنے سوتیلے بیٹے یا بیٹی کے لیے ڈائن بن جاتی ہے۔ اس کے منہ سے نوالہ بھی چھین لینا چاہتی ہے۔ اس سے دن رات کام کرواتی ہے۔ اسے بچا بچایا کھانے کو دیتی

Marfat.com

ہے۔اسے پھٹا پرانا پہننے کو دیتی ہے۔اسے تعلیم سے دور رکھتی ہے اسے پیٹتی اور پٹواتی ہے اسے لمحہ بھر کے لیے برداشت نہیں کرتی۔کچھ اسی طرح کے معاملات سوتیلے اور سگے باپ کے ہیں۔

پھر خون کے رشتوں اور دوسرے رشتوں میں فرق:

ایسا ہی فرق بیٹی اور بہو کا ہے۔بطور ماں یا بطور ساس یہی زمین آسمان کا فرق ایک ہی شخصیت میں در آتا ہے، بہن اور نند کا فرق ہے، اپنے پرائے کا فرق ہے، دوست و دشمن کا فرق ہے، غرض اور بے غرضی کا فرق ہے، ماموں اور ممانی کا فرق ہے، چچا اور چچی کا فرق ہے۔آج کل تو اکثر خون سفید ہے ان رشتوں کی بھی کیا مثال دوں۔نوکر اور مالک کا فرق ہے، انسان اور حیوان کا فرق ہے۔الغرض بے شمار رشتوں میں بے شمار قسم کے فرق اور اختلاف ہیں جو کہ ایک ہی انسان کے اندر پائے جاتے ہیں۔

ایک ہی کریکٹر کبھی فرشتہ نظر آتا ہے کبھی شیطان! یہ کیا؟

خدایا یہ انسان ہے یا ایک معمہ ہے۔آخر اس کی اصل کیا ہے؟ کہ کبھی یہ اپنے کسی کردار میں فرشتہ نظر آتا ہے تو کسی میں یہی شیطان دکھتا ہے۔غور کریں تو کچھ کریکٹرز میں تو یہ فرشتوں سے بھی بعض اوقات بڑھ جاتا ہے جبکہ اکثر کریکٹرز میں یہ شیطان سے بھی گر جاتا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟ ایک ہی انسان کے۔

آخر متضاد روپ کیوں ہیں اور کیسے ممکن ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم ہستی نے جس نے کہ انسان کو بنایا اور اس کی پرورش کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے اندر مضمر صلاحیتیں اور خواص کیا ہیں۔اور کسی خاص شخص یا گروہ یا رشتے کا کردار کب کیسا ہوگا یا ہوسکتا ہے۔اسی لیے اس زبردست رب عزیز نے کچھ جذبے ہمارے ساتھ فطرتاً ودیعت فرما دیئے ہیں مثلاً میاں بیوی کے درمیان یا مرد و عورت کے درمیان کشش کا قانون کہ ہر نر و مادہ ایک دوسرے کی جانب لاکھ نقصان کر کے بھی کشش رکھتے ہیں اور ہر ممکنہ حد تک اپنے اپنے قانون و اخلاق اور مذہب کے دائروں میں رہتے ہوئے اور کہیں اسے توڑتے ہوئے بہر حال ملاپ کرتے ہیں۔اس سے اس نوع کی بقاء وابستہ ہے اس لیے یہ ضروری ہے اور ایسا بغیر کسی تبلیغ یا ہدایت کے ہوتا ہے۔پس اس جنسی عمل میں نقد متاع یا عوضانے کے طور پر شدید لذت و مزا بھی کچھ محدود لمحات کے لیے رکھ دیا گیا ہے تا کہ نوعی بقاء کے قانون کو آٹو میٹک بنایا جا سکے۔یہی وجہ ہے کہ نر و مادہ ایک دوسرے تک پہنچنے کے لیے اگر جائز طریقے میسر نہ ہوں تو ہر رکاوٹ توڑ کر جان کو خطرے میں ڈال کر معاشرتی طور پر ناجائز طریق سے بھی ملن ممکن بنانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔اسی طرح سے بچوں کو پدرانہ و مادرانہ محبت کی ضرورت ہوتی ہے اپنی پرورش اور بقاء کے لیے سو رب تعالیٰ نے والدین کے دل میں بچوں کی محبت کو آٹو میٹک طریقہ سے پیدا فرما دیا ہے۔اس کے لیے

Marfat.com

انھیں کوئی لیکچر نہیں دینا پڑتا نہ ہی مذہباً ترغیب دلانا پڑتی ہے۔ بلکہ وہ خود ہی اپنی اولاد کی بقاء کے دیوانے ہوتے ہیں وہ اپنے دلوں میں قدرتی طور پر ڈلے ہوئے جذبہ پدری یا مادری کے تحت مجبور ہوتے ہیں یوں وہ اپنی زندگی اولاد کی نذر کر دیتے ہیں ہر معاملے میں اپنی ضرورت یا خوشی پر اولاد کو ترجیح دیتے ہیں اس طرح سے یہ کردار یا کریکٹرز بھی 90 فیصد تک بغیر کسی قسم کے اصل احسان یا قربانی کے اپنا کردار نبھاتے ہیں۔ محض چند فیصد اندازاً شاید 10% یا اس سے بھی کم والدین ایسے ہوتے ہیں جو اولاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی ترجیحات پر عمل کرتے ہیں۔ اولاد کو چھوڑ دیتے یا نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی معاملات باقی سب حقیقی رشتوں میں اپنی قسم اور قربت کے لحاظ سے درجہ بہ درجہ پیش آتے ہیں۔ بھائی بہن، والدین اولاد، ماموں خالہ، چچا پھوپھی و دیگر اقرباء رشتہ داروں اور دوستوں کے معاملات یوں ہی ہیں۔ مختصراً یہ سمجھ لیں کہ اگر کوئی بھی رشتہ آپ کے دل پر اثر ڈال کر آپ کے نیک، اعلیٰ و عمدہ مثالی اور اچھے سلوک، رویہ یا کردار پر عارضی یا مستقل طور پر آپ کو مجبور کر دے وہ خدا کے سایہ محبت و اپنائیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں آپکا اختیاری کردار کوئی نہیں ہے بلکہ ایسے رشتہ دار سے محبت یا اس کی خدمت کر کے آپ کے دل کو قرار ملتا ہے یہ اس محبت یا خدمت کا عوضانہ ہے جو قرار کی صورت میں آپ کو مل جاتا ہے۔ گو کہ ایسے بے شمار رشتوں کو نبھانے کا اجر بھی موجود ہے اللہ کے ہاں انھیں حقوق العباد کہا جاتا ہے اور ان کے ادا نہ کرنے یا کھوٹ اختیار کرنے پر پھر معافی بھی نہیں ہے جب تک کہ وہ خود معاف نہ کر دیں۔

احسان اور Give and Take کے رشتے:

لیکن ان ہی رشتوں میں وہ رشتے بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق آپ کے دل سے قطعی نہیں ہوتا۔ ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ لوگ جو آپ پر احسانات کرتے ہوئے آپ پر اپنے حقوق قائم کر لیتے ہیں۔ گو کہ احسان عوضانے کی غرض سے نہیں کیے جاتے لیکن ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک دنیا داری کے معاملات ہیں جو give and take پر چلتے ہیں اور ایک خالص احسانات پر مبنی معاملات ہیں۔ دنیا داری کے معاملات تو آگے چلتے ہی لین دین سے ہیں اگر دوسرا بندہ برابر کا ساتھ نہ دے تو یہ معاملہ آگے چلتا ہی نہیں ہے ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرا احسان کا خالص تعلق عوضانے کی غرض کا محتاج نہیں ہوتا۔ ایسا شخص یا اشخاص احسان کرتے رہتے ہیں وہ گو کہ احسان نہیں جتلاتے لیکن قدرتی طور پر چونکہ ہم انھیں ان احسانات کے بدلے میں کچھ جواباً دے نہیں رہے ہوتے اس لیے ان کے ہم پر قدرتاً حقوق قائم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ جب جب بھی موقع ملے ہم ان کے احسانات کے عوض ان کے ساتھ نیک سلوک اختیار کریں اور جیسے بھی ممکن ہو ان کے کسی نہ کسی طرح کام آ کر ان کے احسانات اتارتے رہیں۔ اگر عملاً ان کے احسانات نہ بھی چکا سکیں تو اپنے رویہ اور نیک سلوک سے ان کے ممنونِ احسان ہوتے رہیں۔ یہ احسان کا تعلق یا رشتہ گو کہ بڑی عمدہ شے ہے لیکن۔

ایک تعلق وہ ہوتا ہے جس میں احسان کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ خالص اللہ کی رضا کے لیے:

یہ تعلق خالص اللہ کے لیے اس کی خوشی کے لیے اور دل کے روحانی اطمینان کے لیے ہوتا ہے جس میں رب بستا

Marfat.com

ہے۔پس ہمیں چاہیے کہ ایسے تمام رشتے اور تعلق جن کا آپ کے دل کے ساتھ آٹو میٹک قسم کا تعلق نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا دل کسی قسم کی محبت یا انسیت یا پسند کے لیے ادھر کھچتا ہے بلکہ بظاہر وہ تعلق آپ کو بوجھ محسوس ہوتے ہیں، انھیں قائم رکھنے اور نبھانے پر بڑا زور لگانے کی ضرورت محسوس ہو، نفس کو مارنا پڑے، خلاف خواہش چلنا پڑے، دل کی چاہت کے خلاف کام کرنا پڑے تو ایسے ہی تعلق یا رشتے کو خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے۔اس سے خدائے پاک خوش ہوتے ہیں کہ بغیر کسی غرض وغایت یا دل کی چاہت کے بلکہ خلاف خواہش چلتے ہوئے تکلیف اٹھاتے ہوئے بغیر کسی عوضانے کے آپ نے وہ تعلق نبھایا۔

قیامت کے دن لوگوں کے تین گروہ ہونگے! کون سے؟

آپ جب قرآن پاک کا مطالعہ فرمائیں گے تو ایسے بہت سے تعلقات کے قائم کرنے کا حکم وہاں درج پائیں گے اس کے ساتھ روز حشر ان کے عوض انعامات اور خدائے بزرگ و برتر کی خوشی و رضا کا ذکر بھی ملے گا۔اب یہ معاملہ ایمان کا ہے۔زبانی ایمان کا نہیں جو آج کل 90% لوگوں کا ہے۔ بلکہ صرف 10% لوگوں کے عملی ایمان کا عموماً اور ان میں سے محض 1% لوگوں کے عملی ایمان کا خصوصاً معاملہ ہے۔ جو ان 10% سے بھی بڑھ کر سبقت لے جانے والے لوگوں میں شامل ہیں۔ ان کا شمار تیسرے گروہ میں ہوگا روز حشر۔ ویسے تو اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں لیکن لگتا یوں ہے کہ ان 90% لوگوں کی بہت بڑی اکثریت دوزخ ہی کی مکین ہوگی جبکہ ان 10% لوگوں کی بہت بڑی اکثریت کو جنت میں جگہ ملے گی جنھوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنی خواہشات کو قربان کرتے ہوئے زندگی گزاری۔تاہم گناہوں کی آمیزش بھی خاصی رہی پس یہ جنت میں گئے کہ ان کی نیکیاں گناہوں پر بھاری پڑ گئیں لیکن وہ تیسرا گروہ جو 1 فیصد لوگوں پر مشتمل ہے جو سب پر سبقت لے گیا ان کے گناہ یا تو بہت ہی کم ہیں یا اگر ہیں بھی تو نیکیاں اس قدر بڑی اور بھاری ہیں اور وہ اللہ کی رضا میں ہمیشہ یا اکثر سبقت لے جانے میں اس قدر مستعد رہے ہیں کہ انھیں پسند کر لیا گیا ہے۔اللہ پاک ان سے راضی ہو گئے خوش ہو گئے ہیں اور انھیں ''سبقت لے جانے والوں'' کے تیسرے گروہ میں شامل فرما کر خصوصی جنتوں اور خصوصی انعامات کا مستحق قرار دے دیا گیا ہے۔ایسے لوگ کون ہیں ان کی پہچان کیا ہے؟

سبقت لے جانے والے لوگوں کی پہچان یا شناخت:

سبقت لے جانے والے وہ ہیں جو زندگی کا سانس سانس اللہ کی رضا و حکم کے مطابق گزارنے کی حتی الوسع پوری کوشش کریں اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ گڑ گڑا، گڑ گڑا کر دعا کریں۔ضروری نہیں کہ وہ پیدائشی طور پر یا زندگی کے ابتدائی دور ہی سے ایسے ہوں۔ جب بھی وہ تہہ دل سے معافی مانگ کر توبہ کر لیں مانند توبۃ النصوح اور رجوع کر لیں اور پھر اسی دن سے اس سبقت والے گروہ کی طرح کا ایمان و عمل بفضل تعالیٰ اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ انھیں قبول فرمانے پر قادر مطلق ہے۔ایسے لوگ کون ہیں؟

سبقت لے جانے والے لوگ (یہ جواہرات ہیں انھیں سنبھالیے):

Marfat.com

سگوں کی مانند سوتیلوں سے سلوک کرنے والے، سگے بیٹے بیٹی، سگے بہن بھائی، سگے ماں باپ، سگے دیگر سب رشتہ داروں اور سوتیلوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہ کرنے والے بلکہ کبھی اگر ایسا موقع آجائے کہ دونوں میں سے ایک کو ترجیح دینا ہی پڑے تو ممکن ہو تو انصاف کرے یا پھر سوتیلے کو ترجیح دے کیونکہ آپ کا من اور خواہش نفس یقیناً سگے کے ساتھ ہیں جبکہ رضائے الٰہی قربانی میں ہے جو سوتیلے کے ساتھ ہے۔ لہٰذا آپ کو غیر کو ترجیح دینا پڑے گی۔ نوکر کو اپنے برابر رکھنا پڑے گا۔ اپنے پرائے میں تمیز ختم کرنا پڑے گی۔ اقرباء پروری چھوڑنا ہوگی۔ انصاف اپنانا ہوگا۔ عدل اختیار کرنا ہوگا۔ احسان کی راہ پر چلنا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کسی کے کام آنا ہوگا کہ اسے احسان بھی محسوس نہ ہو شرمندگی بھی محسوس نہ ہو۔ اس کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو، کسی کو کانوں وکان خبر بھی نہ ہو بلکہ آپ خود کو اللہ کا خلیفہ مجاز سمجھتے ہوئے ایسے مستحقین کی اس طرح مدد کریں جیسے اللہ پاک مدد فرماتے ہیں اور متعلقہ انسان سمجھتا ہے کہ اس نے خود فلاں شے حاصل کی ہے۔ یوں اس کے اندر مضمر اعلیٰ انسانی صلاحیتیں اور نفسانی اعجاز برقرار رہیگا یہ اعلیٰ ترین درجہ ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔ پھر خود پر دوسروں کو ترجیح دینے والے لوگ، قدم قدم پر، بات بات پر، ہر ہر عمل میں، ہر ہر موقع پر قربانی دینے والے اور قربانیاں دیتے چلے جانے والے لوگ، دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے، دوسروں کی ڈھارس بندھانے والے، دوسروں کی مال و جان اور آن سے مدد کرنے والے، یتیموں، بیواؤں، بے سہاروں، معذوروں، بیماروں، مسکینوں، محروموں، مسافروں، سائلوں، خاک نشینوں، گداگروں، مظلوموں، مقہوروں، دردمندوں، آنسوؤں اور آہوں میں بستے ہوؤں، اور جن کا کوئی نہیں ان کے سروں پر ہاتھ رکھنے والے، ان کے دلوں کو قرار دینے والے، حتی الوسع ان پر اپنی دولت، اپنے وسائل، اپنا سکون و آرام، اپنی جان و عزت اور نام نچھاور کرنے والے۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر رب کے حضور گڑگڑا کر وعدے کرنے اور دن کو نبھانے والے، نماز کے مُصلّوں سے اٹھنے کے بعد راہ حق میں عملاً رکوع وسجود اللہ کے خوف، خوشنودی اور محبت وعشق میں ادا کرنے والے۔ روزہ اس غرض سے رکھنے والے کہ کوئی بھوکا میری جگہ پر کھانا کھالے۔ قیمتی لباس اس غرض سے نہ پہننے والے کہ اس کے بدلے میں دو تین غربا کا لباس بھی انھیں روپوں میں خریدا جا سکے۔ بڑا اور قیمتی گھر اس لیے نہ بنانے والے کہ غرباء کے کچھ گھر اسی پیسے سے بن سکیں یا کسی چھوٹی سی کٹیا یا جھونپڑے میں جا بسنے والے کہ اس کی رہائش گاہ کے عوض کئی غریبوں کے سر پر چھپر آسکے۔ چند یا درجنوں یا سینکڑوں لوگ مستفید ہوسکیں ہر ہر سانس کے ساتھ، ہر ہر قدم پر، ہر ہر معاملہ میں دوسروں کی خاطر اپنا حق چھوڑ دینے والے، اپنا ایک ایک لمحہ ہر اعتبار سے، ہر زاویہ سے اور ہر طریقہ سے دوسروں پر جانی، مالی تخنی طور سے جسے ''دامے درمے سخنے'' کہتے ہیں قربان کرنے والے حتیٰ کہ دوسروں کی خاطر خود کو فقیر اور کنگال کر لینے والے دوسروں کی خاطر اپنا سکھ چین کھو دینے والے اپنی جان لٹا دینے بلکہ قربان کر دینے والے لوگ۔ ان لوگوں کی کیا کیا شان اور ادا بیان کروں کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ بس جو شروع میں اصول بیان کیا ہے کہ اگر مالی، جانی، جذباتی یا دلی طور پر کوئی بھی عوضانہ کسی جائز کام کا نہ ملے تو وہ کام راہ اللہ کا کام ہے۔ پھر مخلوق خدا

Marfat.com

کا جس کام میں بھلا ہو وہ چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، انسان ہو یا حیوان، دوست ہو یا دشمن اسے اختیار کر لینا چاہے اس میں اپنا کتنا ہی اور کیسا ہی اور کس طرح کا ہی نقصان ہو۔ پس نیت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا، رضائے الٰہی سمیٹنا اور رب کے حکم پہ چلنا ہو تو یہ سبقت لے جانے والوں کے کام ہیں۔ ان کی اقسام اور طریق اتنے وسیع ہیں کہ دفتر کے دفتر لکھ دیے جائیں تو بھی احاطہ ممکن نہیں ہے کیونکہ نیکی و تقویٰ اللہ کی آیات میں سرایت ہے جن کی کوئی حد نہیں ہے۔

اختتامیہ:

ہم نے شروع میں عنوان باندھا تھا کہ ''ایک ہی مرد یا عورت ہر ہر رشتے ناطے کے آئینہ میں''۔ پہلے ہم نے انسانی فطرت پر بحث کی ہے اور ایک ہی انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس کے مختلف رشتوں ناطوں میں مختلف کرداروں یا کریکٹرز پر ایک نگاہ ڈالی ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح سے ایک ہی شخصیت رشتہ ناطہ تبدیل ہونے پر کیسے اپنے رویہ وسلوک اور عمل ورد عمل کو بدلا لیتی ہے۔ ایک شخص کے درجنوں کریکٹرز ہیں اور ان میں بڑا تنوع ہے ہر ہر کریکٹر میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ فرق کیوں ہے؟ ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کیسا ہونا چاہیے اس پر بھی غور کیا ہے اور یہ بات سمجھنے کی گہرائی سے کوشش کی ہے کہ ہم اپنی نفسیاتی خواہشات اور جبلی یا فطری رجحانات کی بنا پر جو کچھ کرتے ہیں وہ ہمیشہ ٹھیک ہی نہیں ہوتا بلکہ صرف وحی الٰہی ہی یہ بتا سکتی ہے کہ آپ کس حد تک ٹھیک یا غلط ہیں اور دیکھا گیا ہے کہ اکثر 90% معاملات میں ہماری خواہشات حقیقت کے متضاد سمت ہی سفر کرتی ہیں۔ اسی لیے خواہشات کے متضاد سمت فیصلے لینے کی صوفیاء نے اکثر سفارش کی ہے لیکن یہ ان کے لیے کہ جو کچھ نہیں جانتے یا جاہل ہیں۔ جیسا کہ عوام الناس کی اکثریت ہوتی ہے کہ علم کی تہوں تک جانے کا انکے پاس وقت ہی نہیں ہوتا نہ ہی اپنی مذہبی کتاب ہی کو باریک بینی سے سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن پڑھنے اور پڑھ کر سمجھنے والے یا سن کر سمجھنے والے بھی یاد رکھیں کہ خواہشات سے الٹ عمل اختیار کرنے سے کہیں بہتر اور محفوظ طریقہ خالص وحی الٰہی کو سننا، پڑھنا، سمجھنا، اس پر خوب گہرا غور وفکر کرنا اور اسے اختیار کرنا ہے۔ صرف اسی ذریعہ سے آپ کی مکمل اصلاح ہو سکتی ہے اور مکمل ترین محفوظ ترین، جامع ترین، ظاہر و باطن میں بابرکت ترین وحی الٰہی آج کے دور میں قرآن مجید ہی ہے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 57:

"معمہ برموداٹرائی اینگل" پر ایک نظر بلیغ قانون کشش میں تبدیلی، زمان ومکان میں تبدیلی اور نظام شمسی کے اثرات کے بدلنے کی بنا پر تغیرات کا وقوع

ہمارا علمی پس منظر:

کبھی وہ بھی وقت تھا کہ ہم مسلمانوں کا دنیا بھر میں طوطی بولتا تھا جہاں ہم نہ ہوتے وہاں زمانہ ٹھہر جاتا۔ ہمارے ساتھ علم وفن کی آندھیاں تھیں۔ مہارت وجدّت اور تحقیق وتلاش کے ہم جویا تھے۔ ہم دریافت کنندہ اور ایجاد کنندہ تھے۔ ہم جغرافیہ دان، ہم کیمیا دان، ہم طبیعات دان، ہم علم ہیت، طب، فلسفہ، منطق، اصناف ادب، علم بحروبر، فنون حرب، اسلحہ زنی، نئی دنیاؤں کی دریافت اور ہر ہر علم وفن کے ماہر اور امام تھے ہم دنیا کو lead کرتے تھے۔ قرآن مجید نے دنیا بھر میں ایک بھونچال برپا کر دیا تھا۔ زمانے کو الٹ کے رکھ دیا تھا۔ جدید ترین اصلاحات متعارف کروا کر اور نئے نئے اصول وفلسفۂ حق پر مبنی بنیادی نکات انسانوں کو سمجھا کر دن رات ترقی کی منازل کا مسافر بنایا تھا۔ ایسے ایسے ہیرو پیدا کیے تھے کہ جنہیں زمانہ آج تک یاد کرتا ہے حضرت محمد ﷺ کی تو بات ہی اور تھی وہ رسول اللہ ﷺ تھے اور ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون رسالت و نبوت کے تحت خاص الخاص صفات اور استعدادات کا زبردست اجتماع وارتکاز فرما دیا تھا اور ان کی شان نبوت ورسالت دیگر نبیوں کی طرح بہت بلند ہے۔ پھر کئی معاملات میں جس طرح سے ہر نبی ورسولؑ کو اختصاص حاصل ہوتا ہے، آپ ﷺ کو بھی اختصاص حاصل تھے آپ ﷺ رحمت العالمین بھی تھے۔ آپ ﷺ کو عرب میں مبعوث فرمایا گیا تاہم کل جہاں کے لیے دعوت اسلام کا پیغمبر بنایا گیا۔ قیامت کے دن ہر نبیؑ اپنی اپنی امت پر گواہ ہونگے جبکہ آپ سب امتوں پر گواہ ہونگے۔ اس کے علاوہ تشریح میں کیا جاؤں کہ آپ ﷺ کی شانیں نرالی ہی ہیں۔ پھر آپ ﷺ کے خلفا وصحابہؓ کے مقامات بہت بلند ہیں وہ لوگ اسلام کے اصل ہیروز ہیں بعد والوں میں بھی ہیروز موجود ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا پہلے کسی عنوان کے تحت کہ اصل قرآنی نظام کا نکتہ عروج حضرت محمد ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا گیارہ سالہ زریں ترین دور تھا اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے دور طویل میں جو کہ 22 تا 23 سالوں پر محیط تھا اور ان کے آخر زمانہ میں ہی اصل انحطاط شروع ہو گیا تھا جو بعد ازاں شہادت حضرت عثمان غنیؓ پر سیاسی اختلافات کے وجود میں آنے کی وجہ سے بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ مسلمان دو گروہوں میں بٹ کر ایک دوسرے سے دو بڑی جنگوں میں اور کچھ چھوٹے معرکوں میں ٹکرائے یوں اپنی اصل طاقت وہیبت کھو دی۔ بعد ازاں حضرت علیؓ جیسے علم وحکمت کے بعد از نبی ﷺ شہر اور بلند ترین ہیرو، شیر خدا، تقویٰ کی انتہاء کو کھو دینے اور واقعہ کربلا کے دلوں کو چیر دینے کے بعد گو کہ مسلمان متحد تو ہو گئے تھے اور ان کی طاقت بظاہر یکجا ہو گئی تھی اس دور طویل میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ بھی

Marfat.com

جاری رہا لیکن یہ عروج کا تسلسل دراصل زوال کا انحطاط کا پیش خیمہ تھا۔ حضرت محمد ﷺ کے نور نبوت کا جوش اس قدر تھا اور یہ انقلاب اسلامی اس قدر زبردست تھا پھر عمر فاروقؓ کا دور اس قدر سونے پر سہاگہ تھا کہ اصل قرآنی نظام کو تادیر چلنا چاہیے تھا۔ ملوکیت کے سہارے اسلام جتنی دیر یا صدیوں تک عروج پر رہا وہ اصل قرآنی نظام حیات ہی کی اُٹھان boost کی وجہ سے اور نور نبوت محمد ﷺ پھر ایک سے بڑھ کر ایک صحابہؓ کے نور ایمان کی وجہ سے تھا۔ جس میں اللہ کا فضل شامل حال تھا۔ اگر ابتدا ہی میں مسلمان دور حضرت علیؓ میں آپس میں پھٹ نہ جاتے اور اس شجر حیدریؓ کے نیچے یوں پنپتے جیسے پنپنے کا حق تھا تو اسلام چند سو سال عروج حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے زوال پذیر نہ ہو جاتا بلکہ کئی ہزار سال تک اس کے قائم و دائم رہنے کے آثار تھے۔ بہر حال میں نے یہ بحث تاریخ اسلام سنانے کے لیے نہیں شروع کی بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ

وہ ہمارا دور سنہری تھا جو بہر حال جیسے تیسے گزر گیا۔ اب تو کئی سو سال سے ہم بے غم ہو کر سوئے پڑے ہیں:

ماسوائے کبھی کبھار فرداً فرداً کسی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے کے کہ جو کسی جوہر قابل کی جانب سے آجاتا ہے، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسے جواہراتِ شخصی بھی ہمارے پاس کبھی کبھار ہر ہر صدی میں محض ایک آدھ ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ورنہ ہمارے علماء و فضلاء کو تو اپنے مسالک اور فرقہ بازیوں ہی سے فرصت نہیں کہ قرآن پر غور و فکر کر سکیں اور اس کو رہنما بنا کر خون مسلم ضائع ہونے سے بچاتے ہوئے ترقی کی صحیح راہوں پر لگا سکیں امامت اور لیڈر شپ کے قابل بنا سکیں یا کم از کم غلامی کے اندھے کنویں سے تو نکال سکیں کہ آج ہم ہر ہر طرح سے ترقی یافتہ اقوام کے غلام ہیں۔ ترقی پر جس طرح سے ان اقوام کا حق ہے جنہوں نے محنت و جستجو کی اسی طرح سے ہمارا بھی حق ہے اگر ہم وہی اصول اپناتے ہوئے محنت و جستجو اختیار کریں۔ پھر اگر قرآنی اصولوں کے مطابق ایسا کریں تو یقیناً ہم ان سے آگے نکل سکتے ہیں۔ اس خیال سے نہیں کہ ہم نے ان پر حکومت کرنا ہے ان کو غلام بنانا ہے بلکہ اس خیال سے کہ جو بھی چیز یا نظام یا اصول دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں وہ یقیناً زیادہ بہتر اور پائیدار ترقی کا باعث بنتے ہیں۔

لیکن آج حالت یہ ہے کہ سائنس ہو یا ٹیکنالوجی، ہنر ہو یا فن، ادب ہو یا کلچر، اخلاق ہو یا اصول، امن ہو یا جنگ، مذہب ہو یا فلسفہ، تہذیب ہو یا زاویۂ نگاہ ہر ہر چیز میں ہم ان تمام اقوام سے پیچھے ہیں، برے ہیں، ناقص ہیں، دنیا پر بوجھ ہیں، حتیٰ کہ ہم نکموں، جاہلوں، نام نہاد مجاہدوں، غازیوں اور قرآن کو چھوڑ کے نام نہاد اسلام کی خاطر دنیا پر فساد پھیلانے والوں سے زمین کی پیٹھ بھی پناہ مانگ رہی ہے۔ میری باتیں میرے اپنے بھائیوں کو کچھ چبھیں گی ضرور لیکن کیا آپ دیکھتے نہیں کہ زمین مسلمانوں پر تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کوئی تو وجہ ہو گی، ہماری تنزلی کی وجہ ہماری جہالت ہے اور قرآن سے دوری ہے۔ قرآن حکیم جیسی محفوظ ترین وحی الٰہی سے ہدایت حاصل کر کے اُس پر عمل کرنے کی بجائے ہم مذہب کے ایک ملغوبے کو نام نہاد علماء کے سہارے لے کر چل رہے ہیں۔ یہ علماء خود نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے؟ یہ آپ کو خیر کثیر کیا عطا کریں

Marfat.com

گے۔ یہ خود نہیں جانتے کہ جہاد کیا ہے؟ یہ آپ کو کیا دعوت جہاد دیں گے یہ خود نہیں جانتے کہ قرآن عظیم کیا ہے؟ یہ آپ کو قرآن عزیز کی وہ تعلیم کیا دیں گے۔ جس سے دور نبوی ﷺ یا زمانہ فاروقیؓ کی یاد تازہ ہو جائے، جس میں نعرہ تکبیر اور جوش حیدری گونج سکے۔ ارے یہ تو آکاش بیل کی طرح اسلام کو کھائے جا رہے ہیں۔ یہ آیات الٰہی کو کہیں سستا بیچ رہے ہیں (نعوذ باللہ) اور کہیں مہنگا فروخت کر رہے ہیں۔ ماسوائے گنتی کے چند جواہر قابل اصل علماء وفضلا کے باقی سب کو معلوم ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ خود استعمال ہو رہے ہیں اور اکثریت کو سو سو طرح کی بینیں بجا کر مطمئن کر کے استعمال کر رہے ہیں ہمیں خواب غفلت سے جاگنا چاہیے اور صرف قرآن مجید کو رہنما بنا کر جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے اس پر گہرا غور وفکر بذات خود کرتے ہوئے خود کو ترقی کی نئی راہوں پر ڈالنا چاہیے۔ ہمارے مجاہدین اسلام کے بہترین فرزند ہیں۔ ان کے اندر اسلام سے سچی محبت اللہ ورسول ﷺ کی سچی اطاعت کا جذبہ بھرا ہوا ہے وہ اسلام کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ بے دریغ پیش کرتے رہے ہیں کر رہے ہیں ان کی نیتیں تو خالص ہیں اور ممکن ہے ان کی نیتوں کی وجہ سے انھیں کچھ صلہ بھی مل جائے اور انھیں معاف کر کے بخش دیا جائے لیکن جو لوگ انھیں غلط طریقہ سے استعمال کر رہے ہیں۔ جو اُن کے جذبۂ جہاد کو اپنے خاص مقاصد کے لیے کبھی کشمیر میں اس مسئلہ کو علاقے کی سیاست کی خاطر زندہ رکھنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں، کبھی افغانستان میں عالمی سیاست کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں، کبھی انھیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے لڑوا مروا رہے ہیں، کبھی انھیں خود کش بمبار بنا کر ان کے ہاتھوں خود خون مسلم ہی کو بہا رہے ہیں۔ الغرض ان مجاہدوں، ان ہیروں کو بجائے اصل جوہری قرآن خالص کے تعلیم یافتہ امام وقت کی قیادت حاصل ہونے کے، لوہار کی بھٹیوں میں گلوانے والے علمائے سُوء استعماری طاقتوں کے ایماء پر دانستہ یا نادانستہ استعمال کر رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید کو صرف قرآن ہی کا ہو کر غیر جانب داری سے خوب غور وفکر کر کے پڑھا اور سمجھا جائے ہر طرح کی دیگر ملاوٹوں کو جنہیں کہیں غلط حدیثوں کے نام پر کہ جو ہمارے آقا ﷺ کی احادیث ہیں ہی نہیں، کہیں روایات کے نام پر، کہیں تاریخ اسلامی کے نام پر، کہیں صوفیاء کے قصوں کہانیوں کے نام پر اور کہیں دیگر مذاہب سے مستعار لی ہوئی سوچ یا دیگر اسرائیلیات کی بنیاد پر اسلام کا حصہ بنا کر اسے اپاہج کیا گیا ہے دور کر دیا جائے۔ خالص قرآن مجید جو کہ وحی الٰہی ہے مکمل اسلامی تھیوری ہے اور جس پر عمل یا پریکٹیکل ہی سنت نبوی ﷺ ہے (بمطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کے عظیم قولِ فاضل کے) کو ہی مکمل مشعلِ راہ بنایا جائے۔ ہمیں جلد ہی عروج حاصل ہونا شروع ہو جائے گا اور ہم یہ بھی سمجھ لیں گے کہ جہاد بھی جُہد سے ہے جس کا مفہوم حق کے لیے مسلسل کوشش کرنا ہے:

زندگی کے ہر ہر لمحہ میں، ہر ہر معاملہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے مالی، فعلی، قولی، جانی، انفرادی اور اجتماعی طور پر اس پر عمل کیا جائے۔

Marfat.com

ہماری کوشش سے دنیا حق و باطل دو گروہوں میں بٹ جائے گی، ہم حق کے امام ہونگے:

قرآن حکیم کے مطابق زندگی کا ہر ہر لحہ انفرادی اور اجتماعی طور پر گزارا جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ اگر ایسا ہو جائے تو ہم دنیا کی بہترین قوم بہترین افراد بن جائیں گے۔ ہم ہر ہر دنیوی و اخروی تعلیم کے امین ہونگے بلکہ امام ہونگے۔ ہم تمام معاملات قومی و بین الاقوامی میں حق کے پیغامبر ہونگے۔ ارے جب ہم حق کہیں گے، حق پھیلائیں گے، حق کو عام کریں گے، اپنے لیے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، تو پھر بھلا ہمارے ساتھ کون اختلاف کرے گا، کون ہمارا راستہ روکے گا، کون حق کو برا کہے گا۔ سوائے باطل کے کون اس کی راہ میں آئے گا۔ دنیا میں کون سی ایسی قوم ہے جو کہ باطل کو پسند کرتی ہو، باطل پر قائم ہو، باطل کی ترجمان ہو، کسی بھی قوم نے باطل کا ساتھ دیتے ہوئے، باطل طریقوں سے کبھی ترقی نہیں کی یا تا دیر قائم نہیں رہ سکی۔ جب ہم ہر اپنے پرائے کی خاطر حق کو عام کرنے نبی کریم ﷺ کی طرح نکلیں گے تو شروع شروع میں لوگ ہم کو شک کی نگاہ سے دیکھیں گے ہماری طرف کم توجہ دیں گے بلکہ باطل قوتیں ہمارا راستہ بھی روکنے کی کوشش کریں گی۔ کیونکہ ان کی شیطانی دنیا میں بھونچال متوقع ہوگا لیکن لوگ ہمارے زندگی سے، تعمیر و ترقی سے، دنیا کے امن و سکون سے اور دونوں جہانوں کی فلاح کثیر سے بھرے فلسفہ قرآنی کی اصل روح سے جب آگاہ ہونگے تو ہماری جانب خود بخود پہلے کم کم دھیرے دھیرے اور پھر فتح مکہ کے بعد کے زمانہ کی طرح تیزی کے ساتھ راغب ہونا شروع ہو جائیں گے یا اس فلسفۂ قرآنی پر ایمان لے آئیں گے یا اس کے حامی ہو کر اس کی پناہ و اطاعت قبول کرلیں گے پھر رہ جائے گا باطل خالص جو شیطان کی فوجوں پر مبنی ہے جسے حق سے دشمنی ہے اور جو چھپ چھپ کر وار کرتا ہے جس نے آج حق کو، حق داروں کو اور حق کے لیے سب کچھ قربان کرنے والے مجاہدین، علماء، فضلاء اور دیگر نیک نیتوں کو، اپنے مکروہ، چہرے کو چھپا کر طرح طرح کی تدبیروں سے اور چہرے پر طرح طرح کے ماسک سجا کر یرغمال بنا رکھا ہے جو انھیں حق کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتا اور نہ ہی باطل کو پہنچاننے کی قوت حاصل کرنے دیتا ہے۔ اب جب حق اور باطل نکھر کر آمنے سامنے آجائیں گے تو دو دنیا بھر میں دو بڑے گروہ وجود میں آجائیں گے ہر ہر قوم سے ملک سے اور علاقے سے جن کے دلوں میں حق ہوگا حق کے لیے کشش ہوگی وہ الگ چھٹ جائیں گے اور اسی طرح سے باطل کے پُجاری الگ چھن جائیں گے۔ اس ضمن میں اقوام کی تقسیم بھی ممکن ہے کہ کچھ اقوام و ملک حق کی جانب رخ کریں اور کچھ اقوام و ملک باطل کے مددگار بنیں تاہم ایسی صورت میں بھی حق و باطل کے پیروکار جوان ممالک و اقوام میں ہونگے اپنے اپنے دھڑے کی جانب اپنی اقوام و ملک کو چھوڑتے ہوئے ہجرت کر جائیں گے تب ہوگا حق و باطل کا معرکہ گرم جس میں مجاہدین کی تلواریں جدید ترین اسلحہ میں بدل کر گونجیں گی۔ ایک عرصہ تک یہ معرکہ جاری رہے گا۔ حق پرستوں کو ان کا رب خوب آزمائے گا مالی و جانی نقصان سے، بھوک سے، خوف سے، بے سروسامانی سے، اگر یہ ''بدر'' کی طرح ڈٹے رہے تو آسمان سے فرشتے اتر کر مدد کریں گے ایک ایک سو سو پر، دس دس پر، پھر اگر ایمان کی

Marfat.com

کمی مزید ہوئی تو دو دو پر بھاری پڑے گا لیکن اگر آزمائش میں فرق آیا اور امام حق کے حکم کو ٹھیک طرح سے نہ مانا گیا تو "احد" کی طرح پاؤں اکھڑ بھی سکتے ہیں۔ سخت نقصان بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ نقصان نصیحت حاصل کرنے اور اپنی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے ہوگا یوں ایک طویل عرصہ تک حق و باطل کے ٹکراتے رہنے کے بعد جب حق کے امین خالص ہو جائیں گے ان کے درمیان سے ان کی صفوں سے باطل کی تھوڑی یا زیادہ ملاوٹ والے دور ہو جائیں گے یا سب کے دل حق کے لیے ہی خالص ہو جائیں گے جیسا کہ غزوات نبویؐ میں خالص لوگ ہی جہاد پر ڈٹے رہ جاتے تھے اور کچھ شہادت پا کر امر ہو جاتے تھے تو تب پھر ہر جانب حق چھپتا جائے گا۔ باطل مغلوب ہو کر چھپتا پھرے گا۔ وہ پناہ ڈھونڈھے گا لیکن اسے کہیں پناہ نہ ملے گی۔ بہر حال وہ دلوں کے نہاں خانوں میں چھپ کر بیٹھ رہے گا اچھے وقت کے انتظار میں جیسے حضرت نوحؑ کی کشتی میں بیٹھنے والوں کے دلوں کے نہاں خانوں میں چھپ گیا تھا گو کہ وہ سب تو ایمان والے تھے لیکن ان کی کئی نسل بعد کی اولاد میں یہی باطل دلوں کے نہاں خانوں سے نکل کر پھر سر اٹھانے لگا تھا اور دھیرے دھیرے چھانے لگا تھا۔ جب حق چھا جائے گا تو پھر سینکڑوں سالوں تک یا جب تک خدائے عظیم کی حکمت کو منظور ہوا حق چھایا ہی رہے گا تاہم پھر بعد کی نسلوں میں باطل سر ابھارے گا اور دھیرے دھیرے کامیاب ہونے لگے گا۔ ایک مرتبہ پھر آج کی طرح کے حالات حق و باطل قائم ہو جائیں گے اور یہ تمام سائیکل دوبارہ دوہرایا جائے گا۔ ازل سے حق و باطل کی کہانی اور کشمکش یوں ہی جاری ہے پس یوں ہی جاری رہے گی۔ کیونکہ شیطان کو قیامت تک مہلت حاصل ہے اور پھر اسی کشمکش حق و باطل میں بقائے حیات اور تعمیر و ترقی یا عظمت انسانیت کا راز مضمر ہے۔

اصل موضوع پر واپسی۔ بحوالہ ایک کتاب بہ موضوع "مُعمّہ برموداٹرائی اینگل اور دجال":

ویسے تو اس مُعمے یا مسٹری سے متعلق کافی کچھ پڑھنے سننے اور دیکھنے کو ملا ہے لیکن کچھ عرصہ قبل ایک کتاب کسی مسلم عالم کی جانب سے لکھی ہوئی نظر سے گزری "برموداٹرائی اینگل اور دجال" یا کچھ اسی ٹائپ کا موضوع تھا۔ اس میں پہلے باب میں اچھی سائنسی نوعیت کی بحث کی گئی تھی اور حقائق پر مبنی معلومات تھیں لیکن جوں جوں بات آگے چلتی گئی ہمارے عالم موصوف دھیرے دھیرے کٹھ مُلاّ میں بدلتے گئے اور کتاب ختم کرنے پر محسوس ہوا کہ کسی روایتی سوچ کے عالم دین کی کتاب پڑھی ہے۔ جس میں حقائق سے دوری اور جدّت و ندرتِ خیال سے مکمل پرہیز تھا وہی کانے دجّال اور امام مہدی پر مبنی روایاتی قصے کو کسی نہ کسی طرح برموداٹرائی اینگل سے جوڑ دیا گیا تھا۔ پھر کیا تھا ہمارے مذہبی سطحی اذہان نے، کم پڑھے لکھے انڈر میٹرک قاریوں نے اور مغرب کے پروردہ نام نہاد علماء کی ریشہ دوانیوں کے شکار معصوم، نیک نیّت اور جوہر ایمان سے مزّین مجاہدین نے خوب پڑھا سر دُھنا اور داد دی۔ عرصہ دراز سے مسلمانوں کی تحقیق و جستجو کا یہی معیار بن چکا ہے۔ ہم اس سے زیادہ نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ ہی اتنی تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جان سکیں۔ جو 10% مسلمان اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ اپنے لیے کسی قسم کی رہنمائی محسوس نہ کرتے ہوئے اسلام کو عملاً ایک چلا ہوا کارتوس سمجھتے ہوئے مغرب کی گود میں جا بیٹھتے ہیں۔ دل کی تسلی کے لیے نماز

Marfat.com

،روزہ کر لیتے ہیں فرداً فرداً اور زیادہ سے زیادہ مساجد میں نماز جمعہ یا نماز تراویح ادا کر کے اطمینان قلبی حاصل کر لیتے ہیں جو مزید کرنا چاہے وہ عمرہ وحج کر کے اپنے گناہ بخشوالیتا ہے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ اس سے زیادہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔ جن کے ذمہ قرآن پاک کی تعلیم وتبلیغ اور دین محمدی ﷺ کی حفاظت ہے جو خود قرآن کے ذریعہ سے علماء حق کے ذمہ رب تعالیٰ نے لگائی ہے انھیں نہ اپنی ذات کا شعور ہے، نہ وقت وزمانہ کے تقاضوں کا، نہ وہ جدید تعلیم سے مزین ہیں، نہ چوٹی کے ذہن اس سمت موجود ہیں، نہ اصل اسلام اور دعوت قرآنی کی روح سے وہ آگاہ ہیں۔ بلکہ وہ آگاہ ہیں تو صرف ایک ملغوبہ نما مذہب سے جس کا نام اسلام رکھ لیا گیا ہے۔ سب مسلمان کہلانے والے اس کے دعوے دار ہیں کیا سُنی اور ان کے بے شمار فرقے، کیا شیعہ اور ان کے بے شمار فرقے، سب کے سب اپنے اپنے مذہبی ملغوبوں میں الجھے ہوئے ہیں ان کے امام مختلف، ان کے پیشوا مختلف، ان کے عقائد مختلف، ان کے ایمان مختلف، ان کی احادیث ایک دوسرے سے مختلف، ان کی روایات ایک دوسرے سے مختلف، ان کے ہیرو ایک دوسرے سے مختلف اور یہ ایک دوسرے کے دشمن، ایک دوسرے کے قاتل، ایک دوسرے کو کافر ومنافق وفاسق و مشرک کہنے والے، ایک دوسرے کی مساجد میں امامت میں نماز نہ پڑھنے والے، نمازوں، روزوں حج وعمروں میں اختلاف رکھنے والے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں سے کوئی ایک فرقہ بھی ایسا نہیں جو اصل بمطابق قرآن حکیم مومنین پر مشتمل ہو اور قرآنی تعلیم کی روح کے مطابق عمل کرتے ہوئے زمانے میں ترقی کر رہا ہو۔ جب وہ 10% پڑھے لکھے مسلمان یہ حالات دیکھتے ہیں تو فرداً فرداً جتنی معلومات ملتی ہیں ان کے مطابق پرستش وعبادت کا حق اپنے اپنے ایمان وسوچ کے مطابق ادا کر لیتے ہیں بھولے ہی رہتے ہیں اور اعلیٰ طبقات میں ضم ہو کر یا تو عملاً ابلیس کی افواج میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یا پھر اپنی نیت وکوشش کا کچھ نہ کچھ حسب استطاعت صلہ پاتے ہیں۔ یوں اکا دکا ہی صرطِ مستقیم تک رسائی حاصل کر پاتا ہیں۔

میں اپنے آج کے موضوع کو براہ راست ہی شروع کر دیتا لیکن اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ضروری سمجھا کہ اتنی طویل تمہید باندھ کر موضوع کے لیے زمین کو اُستوار کروں کہ نئے پڑھنے والوں کو جو اس قسم کی کتب بھی پڑھتے رہتے ہیں بلکہ اس طرح کے طبقات سے تعلق، انس یا مانوسیت رکھتے ہیں انھیں بھی اپنی بات سمجھا سکوں اور حقائق کی دنیا میں لا کر انھیں اصل قرآنی تعلیمات کے ذریعہ اِس دنیا اور اُس دنیا میں ترقی کے قابل بنا سکوں۔ مجاہدوں اور جہادیوں کو بھی اپنی صلاحیتیں کئی کئی پردوں میں چھپے ہوئے دشمنوں سے بچا کر صحیح سمت لگانے کے قابل بنا سکوں تا کہ ان کی قیمتی اور اسلام کے لیے متاع بے بہا جانیں اور مقدس شہادتیں اصل راہ حق میں کام آسکیں نہ کہ دشمن ہمیں ہمارے ہی خلاف ہماری جہالت کی وجہ سے استعمال کرتا رہے۔

برموداٹرائی اینگل میری نظر میں:

اس تمام بحث وتمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ کتاب مذکورہ کے مصنف نے برموداٹرائی اینگل پر

Marfat.com

بنیادی معلومات مہیا کرنے کے بعد جو اُردو زبان میں ایک اچھی کاوش ہے۔ بحث کا رخ اس جانب موڑ دیا تھا کہ یورپی و برطانوی اقوام نے بالعموم اور امریکیوں نے بالخصوص برمودا ٹرائی اینگل کو خود ہی ایک معمہ بنا دیا ہے اور یہ کہ وہ لوگ جدید ترین ایسی سائنسی ترقیاں حاصل کر چکے ہیں جن کا دنیا کو علم نہیں اور کچھ ماضی کے واقعات بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ پہلے بھی ایسا کرتے رہے ہیں۔ جدید علم سے مزین اقوام کی سوچ ایسی ہو سکتی ہے کہ ان جیسی ترقی اور کوئی قوم حاصل نہ کر سکے۔ یا باقی دنیا کو اندھیرے میں رکھ کر ایسی ایسی ترقی حاصل کر لی جائے کہ باقی دنیا کو عملاً غلام بنایا جا سکے اور وہ مطلق العنان ہو سکیں۔ لیکن ایسی واحد طاقت کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ اگر کبھی ایسی واحد طاقت وجود میں آ جاتی ہے تو اسے قانون قدرت کے تحت فطرت خود یا یوں کہیں کہ رب تعالیٰ بحکم ''کُن'' ختم فرما دیتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ لادینی قوت ہوتی ہے اور ہوس نفسانی کی اجتماعی شکار ہو کر باقی دنیا کے لیے عذاب بن جاتی ہے۔ تاریخ میں جب جب بھی اقوام نے عروج حاصل کیا ہے دو بڑے دھڑوں یا ایک سے زیادہ دھڑوں یا طاقتوں میں بٹ کر عروج پر پہنچی ہیں۔ آپس میں بھی نبرد آزما رہی ہیں ایک دوسرے سے الجھتی بھی رہی ہیں اور ترقی بھی کرتی رہی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کا سامان بھی خود ہی مہیا کرتی رہی ہیں۔ قدرت کے قانون کشمکش سے نکل کر کوئی قوم زندہ رہ سکے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ واحد و یکتا اور ہر کشمکش سے پاک حاکم و غالب، علیم و حکیم ہستی صرف اور صرف ایک ہی ہے۔ جسے خدا، اللہ، رحمٰن، God بھگوان اور جانے کن کن پاک ناموں سے دنیا کی بے شمار زبانوں میں پکارا جاتا رہا ہے پکارا جا رہا ہے اور نئے نئے ناموں سے جو کہ اپنی صفات میں افضل و یکتا ہوں پکارا جاتا رہے گا۔ اس لیے یہ تھیوری تو بھول جائیے کہ دنیا سے چھپ کر کوئی قوم عقل سے ماوراء ترقی کرے گی اور پھر باقی بھی رہے گی، قائم بھی رہ سکے گی۔ آج کل سائنس و ٹیکنالوجی میں دنیا بھر میں محیر العقول کارنامے سرانجام دیے جا رہے ہیں لیکن انھیں تا دیر چھپایا نہیں جا سکتا کیونکہ دوسری اقوام سوئی ہوئی نہیں ہیں۔ تھوڑے سے طاقت کے توازن میں خرابی کی بنا پر دنیا میں ہزار طرح کی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں۔ تھوڑے سے مزید فرق سے فوراً جنگیں چھڑ جاتی ہیں۔ بحر و بر میں فساد پھیل جاتے ہیں یہ کوئی مذاق تھوڑا ہی ہے یہ ایک زبردست حساب دان کا بنایا ہوا اور رکھا ہوا حساب یا میزان ہے انسان کچھ بھی کر لے ان اصولوں سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ کیا تاریخ نے صلیبی جنگیں نہیں دیکھیں جو اہل اسلام اور عیسائیت کے ٹکراؤ سے ظہور پذیر ہوئیں؟ کیا قیصر و کسریٰ کی طرز کے کئی دھڑے بند معرکے تاریخ انسانی میں درج نہیں ہیں؟ کیا پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں دنیا کو دو دھڑوں میں بٹتے نہیں دیکھا گیا کہ جب جرمنی ٹیکنالوجی میں زیادہ ترقی کر گیا تھا۔ کیا فرانس و برطانیہ کو آسمان نے مسلسل ٹکراتے فتوحات و نو آبادیاں حاصل کرتے پھر سمٹ سمٹا کر پیچھے ہٹتے نہیں دیکھا؟ کیا تقریباً نصف صدی تک امریکہ و روس نے دنیا کو دو نئے بڑے بلاکوں میں تقسیم نہیں کیے رکھا؟ اگر طاقت کا توازن ذرا سا بھی قابل ذکر حد تک بگڑتا تو فوراً دنیا پر تباہی و بربادی پھیل جاتی۔ تو اب روس کے زوال کے بعد امریکہ کو واحد سپر پاور سمجھنے والے چین کی ابھرتی ہوئی نئی سپر پاور کو نظر

Marfat.com

انداز کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بظاہر آزاد نظر آنے والے امریکہ کے دونوں بازو بندھے ہوئے ہیں وہ ایک حد سے آگے نہیں جا سکتا۔ اگر اسرائیل امریکی امداد کی بنا پر علاقے کی ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا ہے تو کیا ایران کے امریکہ تک کو پچھلی کئی دہائیوں سے آنکھیں دکھانے کو آپ نظر انداز کر سکتے ہیں۔ کیا ان چھوٹی چھوٹی اسلامی تحریکوں کی، مجاہدین یا طالبان کی سرفروشیوں کی کوئی اہمیت نہیں جو پہلے روس کو امریکہ کی مدد سے لے بیٹھے تھے اور اب امریکہ کو دیگر ممالک کی مدد سے پریشان کیے ہوئے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ واحد سپر پاور کا تصور عملاً غلط ہے۔ مان لیا کہ امریکہ بہت بڑی فوجی، سیاسی، معاشی، جغرافیائی، تزویراتی (Strategical)، بحری، بری، فضائی اور خلائی طاقت ہے ایک دیو ہے جس کے سامنے باقی اکثر ملک بونے نظر آتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اب چین بھی ایک دیو بن چکا ہے وہ پورے امریکہ کو دس مرتبہ تباہ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے روس بھی ابھی بے پناہ ایٹمی اسلحہ چھپائے ہوئے ہے دیگر ایٹمی ممالک اس کے علاوہ ہیں اور جنھوں نے اپنی ترقیاں چھپا رکھی ہیں وہ بھی چھپے رستم ہیں۔ اس لیے اس گلوبل ویلیج والی دنیا میں نہ تو کوئی واحد قوم زمین کے اوپر، اس کی تہہ میں، اس کے اندر، سمندر کی گہرائیوں میں، زیر زمین غاروں میں، خلاؤں اور صحراؤں میں دنیا سے چھپ کر کوئی ترقی کر سکتی ہے اور نہ ہی ہیبت ناک پہاڑوں پہ چاہے وہ خشکی پر ہیں یا سمندر میں یا برف پوش چوٹیوں کے اندر دنیا بھر سے مخفی رہ کر کوئی حیرت ناک ترقی حاصل کر سکتی ہے۔ ضرور ان سبھی جگہوں پر بہت کچھ ہو رہا ہے لیکن دوسرے اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر چکی ہیں کہ پل پل کی خبر کائنات کے کونے کونے سے ہر ہر لمحہ ایک سے زیادہ اقوام کو مل رہی ہے۔ اس لیے یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں کہ امریکی یا کوئی دیگر قوم دنیا سے چھپ کر حیرت ناک ترقی حاصل کر چکی ہے۔ کاش ہم اتنی سطحی سوچ رکھنے اور محدود علم رکھنے کی بجائے آگے بڑھ کر زمانے کے نباض بنتے۔ موصوف نے غالباً۔

اسرائیل کے خفیہ علوم:

اسرائیل کے خفیہ علوم کا بھی کچھ حوالہ دیا ہے اور ان اسرائیلی علوم سے متعلق میں پہلے بھی کچھ پڑھ چکا ہوں۔ تو بھائی اہل اسرائیل یا یہودی قوم کوئی آج نئی آباد نہیں ہوئی یہ بنی اسرائیل ہیں۔ اس قوم میں بے شمار نبیؑ و رسولؑ آتے رہے ہیں۔ جو ان میں آج اصل بنی اسرائیل ہیں وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اصل نسلِ بنی اسرائیل اب خالص نہیں رہی، دنیا میں کوئی بھی نسل خالص نہیں ہے چاہے وہ اپنی نسل و مذہب سے باہر شادیاں نہ بھی کریں پھر بھی گناہوں کے در آنے کی بنا پر نسلیں خالص نہیں رہتیں۔ تاہم آپ انھیں عرف عام میں اسرائیلی کہہ سکتے ہیں۔ یقیناً ان کے پاس خاص الخاص سینہ بہ سینہ علوم ہو سکتے ہیں آخر اللہ پاک کے ساتھ ان کا بڑا گہرا اور دیرینہ تعلق رہا ہے انھیں دنیا بھر کی نسلوں سے چنا جاتا رہا ہے۔ پے در پے ان میں نبیؑ اور رسولؑ آتے رہے ہیں۔ کسی قوم میں ایک رسول آ جائے تو صدیوں تک اس کے اثرات قائم رہتے ہیں تو جس قوم میں اوپر نیچے ہر ہر اگلی پیڑھی میں رسولؑ و نبیؑ مبعوث ہوتے رہے ہوں۔ ہزاروں سالوں تک تو اس قوم

Marfat.com

کے جاہ وجلالِ روحانی کا کیا حال ہوگا۔ آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ پھر انھیں ان بے شمار نبیوںؑ کی دعائیں بد دعائیں بھی حاصل رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قوم بار بار تباہ ہو کر بنتی رہی ہے۔ ہزار بار ڈوب کر ابھرتی رہی ہے۔ یہ اللہ کی بڑی لاڈلی قوم رہی ہے اس کی گواہی نہ صرف بائبل مقدس میں جگہ جگہ ملتی ہے بلکہ خود قرآن پاک ان کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ انہوں نے حکم عدولیاں بار بار کر کے اللہ کی ناراضگیاں مول لی ہیں تو پھر سزائیں بھی پائی ہیں۔ سخت سے سخت اور معافیاں بھی کمال درجے کی مانگی ہیں۔ کچھ تو تھا کہ اس قوم کو بار بار معاف کیا جاتا رہا ہے۔ تو اگر اس قوم کے پاس خفیہ خاص علوم ہوں کہ جن سے دنیا واقف نہیں ہے تو اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے۔ لیکن جہاں تک ان کے دنیا سے زیادہ ترقی یافتہ ہونے کی بات ہے ان علوم کی وجہ سے تو کیا یہ علوم ان کے پاس اب کہیں سے اچانک آ گئے ہیں۔ جب تاریخ میں ان پر بار بار بدترین ظلم ہوتے رہے یا وہ اپنی سزائیں بھگتتے رہے تو اس وقت ان کے پاس وہ علوم نہیں تھے یا اس وقت یہودی علماء آج کے علماء سے کم درجہ قابلیت رکھتے تھے۔ ماضی قریب میں جب ہٹلر کے حکم پر انھیں چن چن کر ٹرینوں میں بھرا جاتا اور ان کے جلانے کو اسپیشل بھٹیوں میں لا کر انھیں زندہ مرد، عورتوں بچوں، بوڑھوں کی شکل میں ڈالا جاتا اور یوں ظلم کی اتنی انتہا کی جاتی کہ زمین کانپ اٹھے آسمان تھرا جائے تب ان کے یہ سب علوم کیا ان کے پاس نہ تھے؟ بات یہ نہیں ہے بات یہ ہے کہ انہوں نے جب جب بھی تاریخ میں اللہ کے حکم پر عمل کیا ہے اللہ پاک نے انھیں سرفرازیاں اور کامیابیاں بخشی ہیں۔ پھر جب جب بھی حکم عدولیاں کی ہیں اور یہ حکم عدولیاں انتہا کو پہنچی ہیں انہوں نے سزائیں پائی ہیں اور سخت سے سخت سزائیں پائی ہیں۔ میں یہودی، عیسائی یا دیگر اقوام پر الگ سے ایک عنوان کے تحت لکھنے کی کوشش کروں گا یہاں اس کی زیادہ گنجائش نہیں ہے ورنہ ہم اپنے اصل موضوع سے دور ہوتے جائیں گے۔ پس یوں سمجھ لیں کہ اگر کسی کے پاس بھی کوئی کتنے ہی خاص علوم کیوں نہ ہوں وہ بغیر اللہ کے حکم کے نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں بلکہ بندہ حق پر تو ان کے خواص ہی بدل جاتے ہیں۔ مومن کو زہر بھی امرت بن کے ملتا ہے۔ کیا ابراہیمؑ نے آگ میں باغ و بہار نہ دیکھی تھی کیا موسیٰؑ کو سمندر نے خشک راستہ نہ دیا تھا۔ کیا چاند محمد ﷺ کی انگلی سے کٹ کر دو ٹکڑے نہ ہو گیا تھا۔ ارے بھئی یوں ہی اولیاء اللہ کے بھی بڑے واقعات ہیں اور یہی قانون ہر مومن پر اپنے اپنے درجہ کے مطابق لگتے ہیں۔ اس لیے اہل اسرائیل کے پاس خصوصی علوم ہیں بھی تو وہ بغیر حکم الٰہی کے انسانیت کا نہ کوئی نفع کر سکتے ہیں نہ نقصان ہاں اگر حکم الٰہی ان کے ساتھ ہو تو پھر انھیں کوئی روک نہیں سکتا۔ فی زمانہ انہوں نے یقیناً بہت ترقی کی ہے انہوں نے اپنے لیے الگ خطۂ زمین حاصل کیا ہے۔ دنیا بھر سے اپنی منتشر آبادی کو وہاں کافی حد تک اکٹھا کیا ہے۔ پھر علم و ہنر کے ہر میدان میں ہم مسلمانوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اگر امریکہ و برطانیہ اُن کی پشت پناہی کر رہے ہیں جو کہ کبھی عیسائیت کی وجہ سے یہودیت کے دشمن تھے تو یہ اُن اہل یہود کی حکمت عملی کی کامیابی ہے۔ ان کی خارجہ پالیسی کا کمال ہے۔ ہمیں ان علمی، فنی، سائنسی و ٹیکنالوجی اور داخلہ و خارجہ پالیسیوں کے میدان میں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اور تعمیری نقطہ نظر سے ان سے آگے نکلنے کی

Marfat.com

کوشش کرنا چاہیے نہ کہ ہم محض ان کے خلاف زبانی پروپیگنڈہ کرتے رہیں اور بُغض وحسد کا مظاہرہ کرتے رہیں۔

امریکی واسرائیلی گٹھ جوڑ کی بنا پر کوئی سائنسی محیر العقول قسم کی کامیابیاں حاصل کرنے کا جواب بھی وہی ہے جو میں نے پہلے واحد سُپر پاور پر بحث کرتے ہوئے دیا ہے۔ میں اصل موضوع کی جانب آنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن درمیان میں مجھے اس کتاب سے منعکس شدہ مسلم ذہن میں ابھرتے ہوئے کئی سوالوں کی یاد آجاتی ہے اور میں اپنی جانب سے ان کے زیادہ سے زیادہ نکات کے جواب دے دینا چاہتا ہوں اس لیے بحث طویل ہوجاتی ہے۔

برمودا ٹرائی اینگل کا معمہ حل کرنے کی کوشش:

اس برمودا ٹرائی اینگل کی معلومہ تاریخ میں جو واقعات پیش آئے ہیں انھیں سامنے رکھتے ہوئے کچھ اندازے یا مفروضے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اس مخصوص علاقے کے سمندر سے مختلف ممالک کے کئی بحری جہازوں اور آب دوزوں کا سرے سے عملے سمیت غائب ہی ہوجانا اور آج تک ان کا کوئی نام ونشان نہ ملنا، یا کسی بحری جہاز کا اپنے اصل محل وقوع سے سینکڑوں کلومیٹر دور خالی پایا جانا اور عملے کا غائب ہونا، تمام مواصلاتی نظام کا جام ہوجانا حتیٰ کہ خلاء سے لی گئی تصاویر کا بھی plain ہی رہ جانا۔ شدید قسم کی کشش کا احساس اور پھر بحری جہاز یا لوگوں کا سمندر کی تہہ میں کھنچتے جانا، بحری جہازوں کے اردگرد آگ کے حلقے کا نمودار ہونا، اُڑن طشتریوں سے مواصلاتی نظام کا جام ہونا، اڑن طشتریوں کا سمندر میں بغیر آواز یا جھماکے کے اترنا یا وہاں سے پرواز کرنا، ہوائی جہازوں کا غائب ہوجانا، کئی مسافر ہوائی جہازوں کا اپنے تمام عملے سمیت لوگوں سمیت غائب ہوجانا اور ان کا کوئی سراغ نہ ملنا حتیٰ کہ جدید ترین جنگی جہازوں کا اپنے طاقت ور ترین انجنوں اور جدید ترین ٹیکنالوجی سمیت غائب ہوجانا، انھیں ڈھونڈنے والے پورے اسکوارڈ کا بھی معجزانہ طور پر غائب ہوجانا، کبھی کبھی ان جہازوں سے دوران پرواز کہ جب ابھی مواصلاتی رابطہ کچھ کچھ بحال تھا یہ پیغام کہ وہ شاید کسی اور دنیا میں پہنچ گئے ہیں وہ جگہ کو پہچان نہیں رہے ہیں شاید وہ راستہ بھٹک گئے ہیں۔ انھیں زمین نظر نہیں آرہی۔ نہ جانے وہ کہاں ہیں۔ چند جہازوں کا کسی سُرنگ نما راستے کا ذکر کرنا کہ وہ جب اس میں سے گزر رہے تھے تو تمام مواصلاتی رابطے منقطع ہوگئے تھے، جہاز کے انجن بند ہوگئے تھے مگر جہاز چلتے رہے تھے۔ وقت بھی تھم گیا تھا کہ جب وہ سرنگ سے باہر آئے اور انجن دوبارہ اسٹارٹ ہوگئے تو وقت وہاں سے پھر شروع ہوگیا یعنی وہ زمین پر پہنچے تو ان کی گھڑیاں 1/2 گھنٹہ آگے تھیں۔ اسی طرح سے دوسری جنگ عظیم میں پوری ایک بٹالین کا کسی چمکدار بادل میں غائب ہوجانا۔ کسی جدید فضائی ٹیکنالوجی کا ظہور، کسی ایسے اڑنے والے object کی بات کہ جس کے اندر حیرت ناک حد تک طاقت وقوت بھی ہے اور گنجائش بھی۔ جو اپنے اندر پورے پورے جہازوں کے اسکوارڈ، بحری بیڑے، پوری کی پوری فوج یا شاید پورا شہر غائب کرسکتے ہیں۔ پھر خلائی مخلوق کے تذکرے ان کی ہم سے زیادہ ترقی کے چرچے، زیرزمین غاروں سے متعلق اندازے، حتیٰ کہ زمین کے اندر گہرائی میں کچھ حیرت ناک سائنسی ٹیکنیکل ترقی کے قصے

Marfat.com

اور مزید بہت بہت کچھ سننے پڑھنے میں آ تا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر بے شمار فلمیں بنیں اور انہوں نے بے شمار پیسہ کمایا۔ انسان کے تخیل کی بلند پروازی نے بڑے بڑے کمال مفروضوں کو ان فلموں میں حقیقت کے روپ میں پیش کر کے عجب کارنامے تو دکھا دیئے لیکن حقیقت ابھی تک اپنے اظہار کے لیے بے چین مگر کسی ذہن کی سہار سے عاجز ہی ہے۔ چلیے ہم بھی اسے تلاش کرنے کے لیے کچھ ہاتھ پاؤں ماریں شاید ہمارے ہاتھ کوئی سراغ لگ جائے یا ہم حقیقت کے کسی ساحل پر پہنچ پائیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قانونِ کشش کے تبدیل ہونے سے بہت کچھ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہمارا نظام شمسی زبردست کشش ثقل کے ایسے بندھے ہوئے قانون پر کھڑا ہے اور حساب وفزکس کے ایسے پیچیدہ فارمولوں پر قائم ہے کہ نہ صرف ذرا سے اہم فرق سے سب کچھ درہم برہم ہو سکتا ہے بلکہ اسی کشش کے کسی ایسے فارمولے کی موجودگی یا کئی ایسے قوانین ذیلی کی موجودگی عین ممکن ہے۔ جس سے یا جن سے ہم سرے سے واقف ہی نہ ہوں۔ تمام کائنات ایک زبردست حساب دان کے نہایت پیچیدہ اور انتہا کو پہنچے ہوئے بلیغ حساب کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تمام کائنات کی بے حد و شمار چیزیں ایک دوسرے پر اپنی کشش کے اثرات رکھتی ہیں۔ پھر یہ کائنات بڑے بڑے ٹھوس جسم ستارے، سیّارے، سیّارچے و دیگر سیاہ مادہ، بلیک ہولز ایک زبردست بندھے ہوئے حساب پر قائم ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارے نظام شمسی کے کچھ سیارے ہیں جو ہمیں معلوم ہیں شاید کچھ ایسے بھی ہیں جو ہمیں معلوم ہی نہیں ہیں اور جو معلوم ہیں زمین سمیت ہم ان کے سورج سے فاصلے اور ایک چکر سورج کے گرد مکمل کرنے کے حساب سے ان کی رفتار بھی تقریباً معلوم کر چکے ہیں جس سے ان کی کشش اور پھر باہمی کشش کا اندازہ ہوتا ہے لیکن یہ تمام کشش زمین پر کس مقام پر کیا اور کتنا اثر رکھتی ہے یا دیگر سیاروں پر کس طرح اور کس مقام پر کیا کشش ہے باقی نظام شمسی یا خود سورج اور ان سیاروں کے چاند کس طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں اس بات کا ہمیں مکمل علم نہیں ہے ہمارا علم محدود اور واجبی ہے۔ پھر سال کے بارہ مہینوں میں زمین بلکہ تمام سیاروں کے چپہ چپہ پر کشش کا اتار چڑھاؤ پھر باہمی کشش کا تنوع کیا صورت اختیار کرتا ہے ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ اسی طرح سے نظام شمسی سے باہر کی دنیا کو ہم اپنی دور بینوں یا لیزر شعاؤں یا دیگر قسم کی روشنی و آواز کی لہروں کے ذریعے تھوڑا بہت جاننے کے سوا زیادہ نہیں جانتے ہیں۔ یہ تمام کائنات اور خصوصاً ہمارے نظام شمسی کی ہمسائیگی کے دیگر نظام ہم پر یقیناً اثرات رکھتے ہیں اور اپنی اپنی کشش سے ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ اب یہی کشش کے قوانین ویسے تو کئی طرح سے اس خطہ زمین و سمندر پر اثر انداز ہو سکتے ہیں لیکن دو طرح سے ان کا اثر انداز ہونا فرض کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر میری مندرجہ بالا بحث کے کسی بھی زمرے میں آکر متعلقہ جگہ کا قانون کشش کسی خاص وقت کے لیے تبدیل ہو جاتا ہو یہ تبدیلی سو طرح کی ہو سکتی ہے۔ جزوی بھی، کلی بھی اور طرح طرح کے عجائب لیے ہوئے بھی اس کا ظہور ممکن ہے۔ ہم چونکہ کشش کے عام قوانین یا معلومہ قوانین ہی سے واقف ہیں اس لیے نئی چیزوں کا یا قوانین کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ جب تک ہم انھیں اپنے حواس خمسہ کی مخصوص حسوں کے ذریعے محسوس نہ کر لیں۔ یہ بھی یاد رکھیں ایسا عین ممکن

Marfat.com

ہے کہ یہ قوانین کسی مخصوص وقت کے لیے خاص نہ ہوں، مختص نہ ہوں بلکہ دیگر کائناتی قوانین کے تابع دیگر ستاروں وسیاروں، چاندوں وٹھوس بڑے اجسام اور بلیک ہولز وغیرہ کے باہمی بندھے ہوئے قوانین وطلاطم سے کسی ایسی مخصوص کشش یا کشش کی کسی عجیب قسم یا اقسام کا ظہور ہوتا ہو کہ جس کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔

پھر یہ ''Time and space'' زمان ومکان کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کہ اس کا تعلق بھی گردش افلاک ونجوم سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں نظام شمسی کی معلومہ وغیر معلومہ کشش وحرکت سے اور دیگر ستاروں وسیاروں یا کائنات کی کشش وحرکت سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ سائنس دانوں نے بائیولوجسٹس وغیرہ نے ماہرین جینیات نے ایسے جینز کا پتہ لگایا ہے جو اگر فعال activate ہو جائیں تو پھر انسان کی عمر بڑھتی گھٹتی نہیں ہے وہ ہمیشہ ایک ہی سطح پر قائم رہ سکتی ہے۔ یقیناً جنت سے جب آدمؑ وحواؑ کو اتارا گیا تو ان مخصوص جینز کو جو اس سسٹم کو فعال بناتے تھے واپس جنت یا دوزخ میں پہنچنے تک غیر فعال بنا دیا گیا ہوگا کہ اب تک وہ غیر فعال ہی ہیں۔ پھر ایک اور اشارہ قرآن مجید سے اصحاب کہف کی جانب ملتا ہے کہ وہ سوئے ایک غار میں اور وہ 309 سالوں تک یوں سوتے رہے کہ جیسے وہ دن کے کچھ حصہ تک ہی سوئے ہوں یا پھر زیادہ سے زیادہ ایک دن تک سوئے ہوں یعنی وہ 309 سال ان کی محسوسات میں نہ آسکے۔ ٹھیک ہے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ نیند کی وجہ سے زمان و مکان کا اندازہ یا احساس نہیں رہتا اور نیند جتنی گہری ہوتی ہے یہ احساس اتنا ہی کم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ گہری ترین نیند میں یہ احساس سرے سے رہتا ہی نہیں۔ ہم بعض اوقات ادھر آنکھ بند کرتے ہیں ادھر جب کھولتے ہیں تو درمیان میں 10 یا 12 شاید 24 گھنٹے گزر جائیں اگر نیند کی شدید کمی تھی تو ہمیں اس وقت کا قطعاً احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن اس واقعہ میں بات اس سے آگے بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی عمریں بھی نہ بڑھی تھیں تبھی تو انھیں اٹھنے کے بعد وقت کے گزرنے کا کسی طرح بھی احساس نہ ہوا تھا۔ وہ جب غار سے باہر نکلے تو اپنے کتے کو دیکھ کر اور باقی مکانی وزمانی تبدیلیاں دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ پھر لوگوں نے انھیں تاریخی واقعات کو جاننے والے لوگوں، بڑے بوڑھوں یا تحریر شدہ مواد سے پہچانا اور شدید حیران رہ گئے کہ یہ کیسے ممکن ہے بلکہ اصحاب کہف خود بھی حیران تھے بہر حال یہ ایک خدائی معجزہ ہے لیکن یاد رکھیں کہ خدائی تمام معجزات بھی کسی نہ کسی قانون قاعدے کے تحت ہی ظہور میں آتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ہماری محدود عقلوں میں صدیوں ہزاروں سال تک یا کبھی بھی سما نہ سکیں۔ اس واقعہ کے بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ ''وہ غار کے کھلے حصے میں یوں پڑے تھے کہ سورج بوقت طلوع یا غروب انھیں صاف بچا کر نکل جاتا تھا اور ہم ان کی کروٹیں بھی بدلتے رہے اور اگر تم انھیں اس حالت میں دیکھ لیتے تو دہشت زدہ رہ جاتے''۔ یہ اصحاب کہف تو بذات خود ایک معمہ ہیں۔ جن پر کئی اعتبار سے غور کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال ہمارے موجودہ Topic سے متعلق یہ ہے کہ سورج کی موجودگی اور طلوع وغروب کا ہماری زندگیوں پر ویسے تو ہر لحاظ سے بڑا ہی اثر ہے بلکہ زندگی کی بقاء کے لیے سورج کا ہونا اور بروقت طلوع وغروب بڑا ضروری ہے۔ اس کے طلوع وغروب

Marfat.com

میں تبدیلی اوردن ورات کے سائز میں ردوبدل سے بڑے پیمانے پر زمین پر خشکی وتری میں تبدیلیاں واقع ہوسکتی ہیں۔موسم سخت متاثر ہوسکتے ہیں، زمین وسمندر کی پیداوار زبردست متاثر ہوسکتی ہے۔حتیٰ کہ سورج کے ذریعہ روشنی وحرارت کی کمی بیشی سے بہت کچھ وقوع پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ حیات ارضی کی بقاء کو بھی شدید خطرات لاحق ہوسکتے ہیں لیکن اس کے علاوہ ایک اور مسٹری یا معمہ یہ ہے کہ سورج کا طلوع وغروب اوراس کی شعاؤں وروشنی کے اثرات پھراندھیرے میں اس کے اثرات ہماری عمروں کو گھٹانے بڑھانے میں کوئی خاص کردارادا کرتے ہیں کہ اگرکسی طرح سے سورج کے ان اثرات سے بچا جاسکے جیسے کہ ''اصحاب کہف'' بچے رہے تو یقیناً عمریں کبھی بڑھ نہ سکیں اور انسان ہمیشہ یوں ہی شاید جیتا رہے یا جب تک رب چاہے ایسا ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کے لیے زمانی قانون سورج کے ان کو متاثر نہ کرنے کی وجہ سے بدل گیا تھا یہی وجہ ہے کہ 309 سال اس حالت میں رہنے کے باوجود جب وہ اٹھے تو سب کے سب جوں کے توں تھے ان کی عمر وصحت میں کوئی فرق نہ پڑا تھا نہ ہی احساسات بدل پائے تھے۔ہم اب اسی قانون کو برمودا ٹرائی اینگل کے واقعات کی سمت لاتے ہیں۔ ذرا یاد کریں وہ واقعہ جب ایک مخصوص جہاز کسی سرنگ نما راستے سے 1/2 گھنٹہ تک گزرتا رہا نہ تو وقت اثرانداز ہوا نہ ہی کسی نظام شمسی کی کشش نے خصوصاً زمین کی کشش ثقل نے کام کیا۔تمام مواصلاتی روابط منقطع رہے حتیٰ کہ زمین کے طبعی قوانین اور فضا کے طبعی قوانین یا دیگر میکنزم نے کام بھی نہیں کیا۔اس کا مفہوم کیا ہے؟ کہ وہ جہاز جس مخصوص راستہ سے گزر رہا تھا کہ جہاں اس کے انجن بھی بند ہوگئے اور تمام زمینی طبعی قوانین معطل ہوگئے وہ زمین کے کنٹرول میں عارضی طور پر نہ رہا تھا۔بلکہ امکان غالب ہے کہ وہ نظام شمسی کے کنٹرول سے بھی باہر تھا۔کیونکہ نظام شمسی باہم قوانین ثقل میں بندھا ہوا ہے اور یہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہا ہے بلکہ ایک دوسرے کو قائم رکھنے اور دوام بخشنے بلکہ کئی خدمات وسہولتیں بہم پہنچانے کے لیے مددگار ہے۔انسان نے ویسے بھی چاند کا کئی مرتبہ سفر کیا ہے۔مریخ کا سفر اختیار کر چکا ہے چاہے اس پر اترا ہے یا نہیں لیکن اس کی چھان بین کئی مرتبہ کی گئی ہے دیگر سیاروں پر بھی کمندیں ڈالی ہیں۔کئی قدیم وجدید خلائی مشن مختلف ممالک کی جانب سے بھیجے جاتے رہے ہیں۔خلائی سائنس اب بہت ترقی کر چکی ہے۔انسان نے بڑی قربانیوں اور نقصانات کے بعد عدیم الشال کامیابیاں حاصل کی ہیں۔امریکہ، چین، روس، فرانس، برطانیہ، جرمنی، جاپان اور یورپ وایشیا کے دیگر کئی ممالک اور کچھ دیگر براعظم بھی خلائی پروگراموں میں مصروف ہیں تاہم اول الذکر ممالک تو اس میں بہت زیادہ آگے ہیں۔لیکن یہ سب اس خلاءِ بسیط میں ایک نقطے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے اوران کی دسترس تو نظام شمسی کے سیاروں سے آگے تک ہے ہی نہیں۔ہاں اپنی دوربینوں اور مختلف قسم کی شعاعوں پر مبنی ٹیکنالوجی کے ذریعہ اور فزکس میں بے پناہ ترقی کی بنا پر انسان اس فہم وخیال سے کہیں زیادہ وسیع کائنات کی وسعتوں میں کافی دور تک جھانکنے اور اندازے قائم کرنے کے قابل ہوگیا ہے لیکن انسان نے جہاں تک مجھے علم ہے کہیں بھی زمان ومکان کے قوانین کو یوں ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھا کہ جیسا اس جہاز سے متعلق واقعہ میں سامنے آیا ہے۔اگر دیکھا جائے تو اب

Marfat.com

تک اس کا اعلان نہیں کیا۔ میرا اندازہ ہے کہ بیرونی کائنات زمین پر خصوصی اثرات بھی رکھتی ہے۔ بلکہ کائناتی کروں کے اور سیاروں و دیگر نظاموں کے آپس میں ایک دوسرے پر خصوصی اثرات بھی ہوتے ہیں بلکہ کئی قسم کے پیچیدہ در پیچیدہ اثرات ہو سکتے ہیں جو کہ 99% مخفی ہیں تا حال۔ ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مخصوص وجہ سے اور مخصوص وقت پر جس کا کوئی طے شدہ ٹائم ٹیبل انسان کے علم میں نہیں ہے۔ برمودا ٹرائی اینگل یا دیگر زمینی و سمندری خطوں میں نظام شمسی کے قوانین کسی مخصوص جگہ (space) میں معطل ہو جاتے ہیں۔ وہاں نہ ہمارا مکانی اثر رہتا ہے نہ ہی زمانی، دوسرے لفظوں میں وہاں ہماری space مکان اور ہمارا time زمان مخصوص وقت تک اثر انداز نہیں رہتا۔ وہاں دیگر کائناتی قوانین لاگو ہو جاتے ہیں۔ دیگر قسم کے زمان و مکاں جن کا ہمیں شعور نہیں ہے ان کی موجودگی پائی جاتی ہے۔ کشش کے قانون بدل جاتے ہیں، تمام ہماری فزکس کے قوانین بدل جاتے ہیں۔ ہماری سائنس و ٹیکنالوجی مکمل فیل ہو جاتی ہے۔ ہم بالکل بے بس ہو جاتے ہیں اور دیگر کائناتی قوتوں یا قوانین کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اب یہ خدائے پاک اور اس کے فرشتوں کے علاوہ کہ جو اس تمام کائنات کو چلا رہے ہیں کسی مجازی دیگر اتھارٹی کے زیر اثر ہے یا نہیں۔ یہ ہم نہیں جانتے۔ جیسا کہ برمودا ٹرائی اینگل کے معمہ کو حل کرنے والوں نے طرح طرح کے مفروضے قائم کر کے سوالات اٹھائے ہیں۔ لیکن ایک بات بہر حال طے ہے کہ اس وقت کشش کے قوانین نہ صرف بدل جاتے ہیں بلکہ چونکہ زمانی و مکانی قوانین بھی بدل جاتے ہیں۔ اس لیے بھلا ہم اپنے ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کو اور ان کے سواروں کو کہاں ڈھونڈ سکتے ہیں۔ مسٹری یہ ہے کہ ہمارے اسی مکان میں کئی مکان پوشیدہ ہیں ہمارے اسی زمان میں کئی زمان پوشیدہ ہیں۔ جن کا ہمیں کچھ علم نہیں۔ فرداً فرداً یہ ہم پر کبھی کبھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ کئی لوگ غائب ہو جاتے ہیں۔ کئی چیزیں غائب ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ کئی جگہیں غائب ہو جاتی ہیں۔ ارے بھائی دیکھتے ہی دیکھتے یہ زمان و مکان بدل سکتے ہیں۔ کئی لوگ یہ جانتے ہیں لیکن بولتے نہیں ہیں۔ جنہیں یہ حس یا اس طرح کی حسیں حاصل ہی نہیں ہیں انھیں کیسے بتلایا جا سکتا ہے۔ جس کی پیدائشی آنکھیں ہی نہ ہوں اسے رنگوں کی پہچان کیسے کروائی جا سکتی ہے۔

بہر حال اتنا سمجھ لیں کہ ہماری یہ زمین کائنات بھر میں ایک ذرّے یا نقطے یا دھبے کے برابر ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں ایسے بے حد و شمار نقطے یوں ہی ہیں جیسے نقطوں کو ملا کر ایک لکیر بنتی ہے یا کسی بھی space کو نقطوں سے ملا کر بھر دیا جائے۔ آپ تصور کریں جو کہ آپ نہیں کر سکتے کہ یہ کائنات کتنی وسیع و عریض ہے۔ یہ صرف ایک زمینی مخلوقات یا انسان ہی کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ اس طرح کی اربوں کھربوں millions مخلوقات کے لیے جو کہ ایک دوسرے سے طبعی و مابعد الطبعی اور آپ کو کیا بتاؤں کہ کس کس لحاظ سے مختلف ہیں۔ ان سب کے لیے یہ کائنات بنی ہے۔ ہمیں اتنا ہی علم دیا گیا ہے جو ہمارے لیے ضروری تھا یا ہم سے متعلقہ تھا۔ وہ بھی عوام کے لیے اور ہے خواص کے لیے اور ہے اور پھر خاص الخاص لوگوں کے لیے اپنے اپنے شعبوں کے لحاظ سے اور ہے۔ اولیاء اللہ، فقراء، نبیوں اور رسولوں کے لیے اور ہے جسے خدائے پاک جہاں تک علم

Marfat.com

وعرفان عطا فرما دیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھی بہر حال بہت ہی محدود ہوگا کہ اللہ پاک کا علم تمام کائنات میں پھیلا ہوا ہے ہم بھلا اس کا احاطہ کیسے کر سکتے ہیں۔

پس یہاں سے سمجھ لیں کی اس مخصوص نطۂ برمودا ٹرائی اینگل میں اور اس طرح کے دیگر خطوں میں قوانین زمان و مکان زمینی یا شمسی بدل جاتے ہیں۔ ان spaces میں وقتی طور پر دیگر زمان و مکان کا راج ہو جاتا ہے۔ جن کی کشش کے اپنے قوانین ہیں جہاں ہمارے قوانین قیام نہیں رکھتے وجود نہیں رکھتے اس لیے ایسا ہو جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ لوگ یا وہ جہاز وغیرہ بعد اُن اجنبی زمان و مکاں کے غائب ہونے کے اور زمینی و شمسی قوانین زمان و مکان کے بحال ہونے کے آخر چلے کہاں جاتے ہیں ہمیں دوبارہ کبھی بھی ملتے کیوں نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء اور زندہ لوگ یا مخلوقات جو اس سے متاثر ہو کر اس کے قبضہ میں چلے جاتے ہیں وہ انھی کی دنیا میں چلے جاتے ہیں وہ انھی کے زمان و مکان میں شفٹ ہو جاتے ہیں۔ گو کہ وہ واپس آسکتے ہیں لیکن اس علم و دسترس سے چونکہ آج کی فزیکل سائنس آگاہ نہیں ہے اس لیے ایسا ممکن نہیں ہے۔ جو روحانی سائنس دان اس سے آگاہ ہیں وہ خود کو ظاہر نہیں کرتے۔ کیونکہ خدا کے پروگرام میں گڑبڑ سے ڈرتے ہیں کہ سزا کے حق دار نہ ہو جائیں۔ اصل میں ابھی بہت بہت زیادہ وقت پڑا ہے کہ جب انسان کا ذہن اس قابل ہوگا کہ وہ ان رازوں کو کسی نہ کسی حد تک سمجھ سکے ابھی کائناتی رازوں اور ان گنت سائنسز کے discover یا دریافت ہونے میں ہزاروں کیا لاکھوں کروڑوں سال لگ سکتے ہیں۔ اصل میں یہ طبیعات کا موضوع تو ہے ہی۔ لیکن جہاں طبیعات بکی بکی رہ جاتی ہے وہاں سے ایک نیا علم شروع ہوتا ہے جسے مابعدالطبیعات کہا جاتا ہے۔ یہ موضوعات اسے ہی مطالعہ کرنے اور لاگو کرنے کے لیے سجتے ہیں۔ اس بے حد و بے پناہ مشکل اور وسیع علم کے حصول کے لیے اور اس سے متمتع ہونے کے لیے عجب الٹ قسم کے قوانین ہیں۔ جنھیں یہ فزیکل دنیا، یہ 5 حسوں کا انسان، یہ نفس کا پجاری، یہ جنس و شہوات کا رسیا، یہ بے پناہ مزوں کا لذتوں کا دلدادہ انسان برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ جو اس میدان میں چلے جاتے ہیں پھر ان میں سے محض جو 1 فیصد لوگ مکمل کامیاب ہو جاتے ہیں وہ واپس ہی نہیں لوٹتے کہ کسی کو کچھ بتلا سکیں۔ جو لوٹتے ہیں ان کا ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ نہ ہونا۔ ہے نا عجیب بات۔ ہم نے مسٹری کو مسٹری پر ہی ختم کر دیا۔ آپ بھی کہیں گے کہ پھر ہمارا وقت کیوں ضائع کیا۔ بھئی آپ کے فزیکل ہر ہر طرح کے سائنس دان دن رات اس کے حل میں لگے ہیں وہ ضرور کچھ نہ کچھ ترقی کر بھی چکے ہیں اور کر بھی لیں گے آپ کو وہی مطمئن کریں گے جتنا تھوڑا بہت کر سکے۔ لیکن اگر روحانی سائنس دان بن کر حقیقت میں اترنے کا دم ہے تو اس کے اشاروں کے لیے میری یہ تمام کتاب بھری پڑی ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے قرآن حکیم میں ڈوب جایئے۔ مثنوی مولانا رومؒ کی گہرائیوں میں بار بار اتریئے۔ سلطان باھوؒ کا کلام پڑھیئے، بلھے شاہؒ کو پڑھیئے، اقبالؒ کو پڑھیئے، غزالیؒ کو پڑھیئے، وارث شاہؒ کو پڑھیئے، سیف الملوک کے مصنف حضرت میاں محمد بخشؒ کو پڑھیئے۔ دیگر خطوں کے لوگ اپنے اپنے

Marfat.com

ملکوں اور علاقوں کے صوفیاء کو saints کو پڑھیں یہ سب محرم راز لوگ ہیں۔ ایک نگاہ سے سوسو برمودا ٹرائی اینگل کے عقدے بفضل خدا کھول سکتے ہیں۔ لیکن یادرکھیں کہ یہ انہی کے سامنے کھلیں گے جنہیں ان کی سہار بھی ہو ورنہ طور پر جیسے بنی اسرئیل مر گئے تھے یہ بھی جان دے دیں گے اور جان چلی جائے تو واپس بنا حکم ربی کبھی نہیں آتی۔ اسی لیے تو صوفیہ وفقراء جو اصل ہیں جن کی کسی کو پہچان ہی نہیں کروائی جاتی وہ خاموش ہی رہتے ہیں اور اللہ کی دنیا کے نت نئے تماشے دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ ان کی جو جو ڈیوٹیاں لگتی ہیں یہ بھی اللہ پاک کا حکم بن کے انھیں نبھاتے جاتے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ کیا کیا کچھ کرتے ہیں۔ شرک تو تب ہے کہ جب کوئی اور کرے۔ رب تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے وہ خود ہی تمام کائنات کو چلا رہا ہے۔ ہر ہر شے کا کوئی وجود ہی نہیں ہے محض حکم الٰہی ہی ہے جس سے سب کچھ ہے اور حکم اپنے مالک کا غلام ہوتا ہے پس سب کچھ مولائے کون و مکاں رب عظیم خود ہی فرما رہے ہیں۔ یہ سب اشیاء و مخلوقات تو محض اس کے حکم کے بندھے ہوئے محرکات ہیں۔ جب انھیں اللہ کا دست و باز و بنایا جاتا ہے تو ان کا اپنا اختیار معطل ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات کی نفی ہو جاتی ہے صرف وہ یکتا ہی ان کے اندر رہ جاتا ہے یہ خود تو ہوتے ہی نہیں۔

۞..۞..۞

Marfat.com

مضمون نمبر 58:

تمام اہل کتاب خصوصاً یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں پر ایک نظر کہ جو سب کے سب دین ابراہیمی کے قائل اور داعی ہیں

دین ابراہیمی کا نقطہ ماسکہ ''توحید الٰہی'' ہے۔ ابراہیمؑ کو بے پناہ اعلیٰ مقام اسی وجہ سے ملا تھا۔ انہوں نے توحید الٰہی پر ایمان کا مظاہرہ بار بار کیا۔ بڑے ہی سخت سے سخت امتحان دیئے جن کا ذکر میں پہلے پچھلے موضوعات میں کرتا رہا ہوں اور ہر امتحان میں وہ بفضل تعالیٰ کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ یوں تو تمام انبیاء توحید ہی کے پرچارک اور توحید الٰہی ہی کے پیغمبرانہ نمائندے ہوتے تھے اور ہر ایک نے طرح طرح کے امتحانات بھی دیئے اور کئی صبر آزما مراحل سے گزرے۔ ان کے اپنے اپنے بلند سے بلند مقامات ہیں اور مختلف صفات و معاملات میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بھی حاصل ہے اور ہمیں ان میں کسی کے معاملے میں امتیاز برتے بغیر سب کی برابر عزت کرنے، سب پر ایمان لانے اور سب کو ماننے کا حکم ہے لیکن ابراہیمؑ کا ذکر اللہ پاک نے قرآن مجید اور بائبل دونوں میں بار بار کئی مقامات پر کیا ہے اور ان کے قصے کو بار بار دھرایا ہے۔ ان کے امتحانات کا، ان کے ایمان کا، ان کی قربانیوں کا بار بار ذکر کیا ہے۔ پھر ایسی ایسی قربانیاں اور اللہ پاک سے محبت و عشق نیز ایمان کامل کے نمونے کہ اللہ پاک خوش ہو کر خود آپؑ کی بہت تعریف جگہ جگہ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔ بائبل تو ہے ہی سب بنی اسرائیل کا تذکرہ اور تعریف حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کی۔ لیکن قرآن پاک کا حوالہ اس لیے دیتا ہوں کہ خود قرآن جو ہم مسلمانوں کی مذہبی کتاب اور محفوظ ترین وحی الٰہی ہے جو اپنے اصل متن Text کے ساتھ موجود ہے عربی زبان میں، جس میں کہ وہ نازل ہوا۔ اللہ پاک نے حضرت ابراہیمؑ کو تمام انسانوں کا امام قرار دیا ہے۔ آپؑ اپنے بعد آنے والے تمام انبیاءؑ کے باپ ہیں۔ بشمول حضرت محمد ﷺ اور تمام انسانوں کے انبیاء سمیت امام ہیں۔ یہ صرف اس زمانے کے لیے نہ تھا بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ ہمارے مسلمانوں سمیت ہر ہر مذہب کے ماننے والے اپنے اپنے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے افضل بتلاتے اور مانتے ہیں بلکہ ان کے مقام کو اتنا زیادہ اتنا زیادہ بلند کرتے ہیں کہ عملاً انھیں خدا بنا دیتے ہیں۔ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ پھر خدا میں اور ان کے پیغمبر میں آخر فرق ہی کیا تھا تو سوائے آئیں بائیں شائیں کرنے کے کوئی مدلّل جواب ان کے پاس نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے شرک کا آغاز ہوتا ہے پھر یہ عروج حاصل کرتا ہے پھر یہ سر چڑھ کر بولتا ہے اور اسے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ متعلقہ مذہب کے ماننے والے بھلا کس طرح اپنے پیغمبر کے مقام کو نیچے لائیں۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے پیغمبر کی شان و مقام کو افضل سے افضل بنانے کے کام میں مصروف ہوتا ہے یوں ہی مداح سرائی کرتے کرتے بات

Marfat.com

شرک کی انتہاؤں کو پہنچ جاتی ہے اور کسی کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ ہم کہاں پہنچ گئے ہیں۔ یہی طریقہ سب کے سب نبیوں حتیٰ کہ ولیوں کے ماننے والوں نے اختیار کیا ہے اور جگہ جگہ خدائی اختیارات استعمال کرنے والے آستانے کھلے ہیں۔ کیا مزار، کیا بت خانے، کیا آشرم، کیا ہر ہر مذہب کی بڑی بڑی عبادت گاہیں اور ان کے امام، پادری، گرو، پنڈت اور اس پائے کے اس طرح کے سب لوگ سب authorities وغیرہ۔ سب کے سب شرک کا بازار گرم کرنے والے عناصر ہیں۔ آپ ذرا سوچیے ایک خدا کو اب کون درحقیقت عملاً مانتا ہے؟ ہاں یقیناً کچھ کچھ لوگ ہر ہر مذہب میں ایسے ہیں جو آج بھی توحیدِ خالص کے ماننے والے، ایمان رکھنے والے، خدا سے ڈرنے والے اور خالص صرف خدا ہی کو تمام طاقتوں کا مالک وخالق سمجھنے والے اس سے مانگنے والے اور اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ لیکن تمام روئے زمین پر ایسے لوگ آج کے دور میں شاید اس 7 ارب کی آبادی میں محض چند ہزار ہونگے۔ جو اس اصل توحیدی معیار پر پورے اترتے ہوں۔ وہ بھی سب مذاہب میں موجود توحید کے خالص متوالوں کو ملا کر۔ باقی سب کے سب کسی نہ کسی حد تک، کسی نہ کسی طرح سے شرک سے متاثر ضرور ہیں اور جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اپنے اپنے نبیوں اور رسولوں کو خدا بنائے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید مشرکین کے تذکرے سے بھرا پڑا ہے۔ پھر کتابی کافروں کے تذکرہ سے بھی لبالب ہے۔ یہ کتابی کافر یا مشرک کون تھے یہی یہود یا نصرانی جنہیں عیسائی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے اپنے انبیاء کے متعلق ایسے ایسے دعوے کرتے تھے کہ انھیں عملاً خدا نہ بھی کہیں تو خدا کی خدائی صفات میں پورا پورا شامل کر لیتے تھے۔ ایسے میں انھیں مشرک نہ کہا جاتا یا کافر نہ کہا جاتا تو پھر کیا کہا جاتا۔ لیکن ہمیں خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کو پڑھ کر اس وقت کے یہودیوں اور عیسائیوں کی اکثریت کا جو حال معلوم ہوتا ہے وہی حال آج ہمارا ہے، ہم مسلمان بھی آج اپنے بلند مقام نبی محترم حضرت محمد ﷺ کو عملاً تقریباً خدا ہی بنائے ہوئے ہیں ہم اعلیٰ مقام نبی ﷺ اور اللہ کے مقامات کے فرق کو پہچانتے نہیں ہیں۔ ہمارے بعض فرقے اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حمد وتعریف میں عملاً کوئی بھی فرق روا نہیں رکھتے۔ ہم بھی انہی یہودیوں اور عیسائیوں کے عین نقش قدم پر ہیں۔ ہمیں بھی سخت احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ یاد رکھیں، ہم بھی عملاً وہی کتابی مشرک یا کافر یا منافق ہی بن جائیں گے۔ جیسے کہ وہ بن چکے ہیں۔ لیکن قرآن پاک گواہی دیتا ہے کہ وہ سب کے سب ایسے نہیں ہیں ان میں کچھ لوگ اللہ سے ڈرنے والے، توحید الٰہی کے قائل اور نیک اعمال کرنے والے بھی ہیں اور ہر ہر مذہب کے ایسے لوگوں کے لیے جنت کی وعید قائم ہے۔ یہ ایک بڑی وسیع بحث ہے۔ میں ان شاء اللہ اگر اللہ پاک توفیق دیں اور حالات وصحت اجازت دیں تو قرآن پاک کا وہ مفہوم لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو میں سمجھ سکا ہوں بلکہ بائبل اور قرآن کو دونوں کو ذہن میں رکھ کر میں دین ابراہیمی کے حوالے سے لکھنے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں اور خصوصاً قرآن پاک کو اس زاویہ نگاہ سے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا کے سامنے قرآن پاک کی اصل انرجی اور نور قرآن نکھر کر اپنی حقیقت ظاہر کردیں۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس ملغوبہ نما اسلام کی بجائے خالص قرآن کو موضوع بحث بناؤں گا اور وہ بھی ان

Marfat.com

گہرائیوں میں جا کر جو میں اپنی عرق ریزیوں کے بعد سمجھا ہوں اور میں نے بائبل کو اللہ کی کتابوں کا مجموعہ یا عکس سمجھتے ہوئے بڑی عقیدت سے جو اس کی گہرائیوں سے موتی چنے ہیں انھیں بھی پیش کرونگا۔ میری کوشش ہوگی کہ دنیا یا کم از کم تمام کے تمام اہل کتاب دین ابراہیمؑ پر اکٹھے ہوسکیں۔ دین ابراہیمؑ کیا ہے؟ یہی اسلام ہے حضرت محمد ﷺ کو اسی دین ابراہیمؑ کی پیروی کرنے اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چونکہ دین ابراہیمیؑ کو اس کے ماننے والوں نے عملاً بھلا دیا تھا۔ کتابوں میں ردو بدل کر دیا تھا تعلیمات غیر خالص ہو کر رہ گئی تھیں اسی لیے اسی دین کو ہمیشہ کی طرح دوبارہ قرآن خالص کی شکل میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا گیا۔ حالات و زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کچھ احکامات میں ردو بدل کر دیا گیا جو کہ ضروری تھا۔ کئی قسم کی لوگوں کو رعایتیں فرما دی گئیں تا کہ لوگ گناہوں میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سے قبل جو سختی تھی وہ بڑی حد تک کم کر دی گئی۔ یہ سختیاں صرف اسلام ہی نے کم نہیں فرمائیں یعنی قرآن نے۔ کیونکہ اسلام تو حضرت آدمؑ سے لے کر ایک ہی دین چلا آرہا ہے۔ اس لیے ہم کہیں گے کہ صرف قرآن کے ذریعے حضرت محمد ﷺ نے بحکم خدا ہی یہ سختیاں پہلی مرتبہ کم نہیں فرمائیں بلکہ اس سے قبل بھی دھیرے دھیرے انسان کی سہار کے مطابق ان میں کمی ہوتی رہی ہے۔ ہاں چونکہ اللہ پاک اس سے قبل انسانوں کو بار بار آزما چکے تھے اس لیے اب انتہائی حد تک رعایتیں عطا فرمائی گئیں تا کہ حضرت انسان اللہ کی حکم عدولی نہ کرے اور دی ہوئی رعایتوں تک محدود رہ کر اللہ کا مطیع فرمان بھی بن سکے۔ زنا سے باز رکھنے کے لیے چار تک عورتوں سے بیک وقت شادی کی اجازت دی گئی طلاق دے کر مزید گنتی پوری رکھنے کی اجازت اس کے علاوہ تھی۔ صرف دن کے وقت کا روزہ فرض کیا گیا۔ رات کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دی گئی، حصول رزق سے ایک دن ناغہ اور پورے دن کی عبادت کی بجائے صرف نماز جمعہ کے لیے بعد از زوال وقت مقرر کیا گیا جو عملاً صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہے اور باقی سارا دن قبل از نماز جمعہ و بعد از نماز جمعہ کام کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح سے سگی و سوتیلی اور رضاعی بہنیں تو حرام ہی رہیں مگر چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بہنوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے دین محمد ﷺ جو کہ پورے کا پورا قرآن مجید میں ہے اسے تمام انسانیت کے لیے آسان تر کر دیا گیا۔ یہ الگ بات کہ ان رعایتوں کی روح کو مشرک اور یہودی و عیسائی اہل کتاب سمجھ نہ سکے اور ان کی اکثریت نے اسلام قبول نہ کیا۔ نہ صرف یہ کہ اسلام قبول نہ کیا بلکہ اپنے اپنے اصل مذہب پر بھی ان کی بہت بڑی اکثریت قائم نہ رہ سکی۔ انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کو یوں توڑ مروڑ دیا اور ان کے مذہبی پیشواؤں نے انھیں وہ وہ رعایتیں اپنے پاس سے فتوے جاری کر کر کے نیز اصل کتابوں میں ہر ہر دور میں تحریفات کر کر کے عطا کیں کہ اللہ کی پناہ۔ یوں سیاست اور پیشوائیت کے گٹھ جوڑ سے نہ صرف یہودیت و عیسائیت کی اصل بہت بدل کر رہ گئی بلکہ اب دین اسلام بھی اسی بنا پر داؤ پر لگا ہے ظلم یہ ہے کہ خوش قسمتی سے اصل کتاب اصل عربی متن Text میں حرف بہ حرف محفوظ ہونے کے باوجود معنوی تحریفات کی جا رہی ہیں۔ اپنی اپنی پسند کی تشریحات ہو رہی ہیں۔ ہر فرقے کے پاس اپنی اپنی پسند کے احادیث

Marfat.com

کے دفتر ہیں (جن کی اکثریت قرآن سے متصادم ہے اور جو درحقیقت حضرت محمد ﷺ کی احادیث ہی نہیں) روایات کے خزانے ہیں، تاریخی قصے کہانیاں ہیں، اسرائیلیات ہیں کہ جیسے انہوں نے اپنی مذہبی کتب کا حشر ان ہی اسرائیلیات کے ذریعے قصے کہانیوں کو اصل کتابوں میں شامل کر کے کیا ہم بھی ان کے تابع وہی کچھ اپنی بعض تفاسیر کے ذریعے کر رہے ہیں۔
اب تمام عالم اسلام میں دیکھ لیں کہیں بھی کیوں اسلامی نظام نہیں ہے۔قرآنی ضابطہ زندگی لاگو نہیں ہے۔اس لیے کہ سیاست و پیشوائیت گٹھ جوڑ نے دنیوی خواہشات کی ہوس کے ذریعے نفس شیطانی کو امام بنا رکھا ہے سب بڑے لوگ بظاہر تو کعبہ کا طواف کرتے ہیں مگر عملاً سرمائے کو اپنا قبلہ بنا کر اس کا طواف کرتے ہیں۔یوں تمام دنیا بالعموم اور ہم دین ابراہیمؑ کا دم بھرنے والے یہودی، عیسائی اور مسلمان بالخصوص اپنا راستہ بھٹک چکے ہیں۔ہم صرف اور صرف دین ابرہیمؑ پر ہی اکٹھے ہو سکتے ہیں۔
وہ کیا تھا۔وہ توحید خالص پر مبنی دین تھا۔واحد و یکتا ہستی کو تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق، مالک کنٹرول کنندہ اور بے پناہ بے شمار اعلیٰ سے اعلیٰ صفات سے مزین رب عجائب ماننا۔سب کا اس کو تمثیلاً و مجازاً بھی اور عملاً بھی سجدہ کرنا یعنی اپنی اپنی زندگیوں میں اسی ایک ہستی کے تمام احکامات کو لاگو کرنا۔وہ احکامات کہاں سے ملیں گے؟ یقین کیجئے کہ بائبل میں بھی اصول وہی ہیں سب کے سب۔محض احکامات معاشرت میں قرآن کی نسبت فرق ہے۔تو چاہیے تو یہ کہ قرآن پاک سے متمتع ہوا جائے۔حضرت محمد ﷺ پر دل سے ایمان لا کر ساری دنیا اس جدید ترین دین سے مع اس کی رعایتوں کے مستفید ہو لیکن اگر یہودی و عیسائی ایسا نہیں کرتے تو اپنی کتابوں کی اصل تعلیمات پر ہی قائم رہیں۔توحید الٰہی کو نقطہ ماسکہ مانتے ہوئے پھر بھی امید ہے کامیاب ہونگے۔ان شاءاللہ

مسئلہ فلسطین اور اسرائیل کا پائیدار حل:

اس وقت دنیا کے سب سے بڑے مسئلوں میں مسئلہ فلسطین و اسرائیل سرفہرست ہے۔ہم جانتے ہیں کہ اس مسئلے پر مسلمانوں اور اسرائیل کے درمیان کئی جنگیں بھی ہو چکی ہیں۔مشرق وسطیٰ کے تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک طرف ہیں اور یہودی اسرائیل دوسری طرف جس کی پشت پناہی امریکہ بالخصوص اور تمام مغرب و یورپ کے عیسائی ممالک بالعموم کر رہے ہیں۔بلکہ اس یہودی ریاست کے قیام و بقاء میں ان ممالک کا بہت ہی بڑا کردار ہے۔یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ریاست کھڑی ہی ان کے بل بوتے پر ہے اور اس کی طاقت کا سرچشمہ ہی وہ ہیں۔اس ریاست کے قیام کی وجہ سے مشرق وسطیٰ کا امن تباہ و برباد ہو چکا ہے گزشتہ کئی دہائیوں سے وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔اس خطہ زمین کو بنیادی طور پر تقسیم ہی اس طرح سے کیا گیا ہے کہ فساد مابین مسلمان و یہود برقرار رہ سکے۔مسلم یہودی دشمنی کی جڑیں تو بہت پرانی ہیں کہ ان علاقوں اور اس سے قبل عہد نبوی ﷺ میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مدینہ اور اس کے گرد و نواح سے انھیں مختلف وجوہات کی بنا پر نکال دیا گیا تھا۔عہد نبوی ﷺ کے واقعات کا ذکر تو خود قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب اہل یہود کے مختلف قبائل نے کئی مواقع پر بار بار

Marfat.com

عہد کر کے معاہدے کر کے انھیں عین نازک اور نزاعی جنگی صورتحال میں توڑ کر سخت بدعہدی کی تھی جو کہ اخلاقی، قانونی اور ہر دو مذاہب اسلام و یہودیت کے احکام کی سریع خلاف ورزی تھی اور اسی وجہ سے پہلے کچھ رعایت و مہلت دیئے جانے کے بعد جب یہودیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نہ تو اسلام قبول کریں گے اور نہ ہی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے امن وامان قائم ہونے دیں گے بلکہ ہمیشہ بدعہدی کریں گے، دشمن کا ظاہر و باطن ساتھ دیں گے اور مسلم دشمنی سے باز نہ آئیں گے تو قرآن مجید میں نبی پاک ﷺ کو صاف صاف احکامات الٰہی حاصل ہوئے کہ ان یہودیوں کا کہ جو ان جرائم کے بار بار مرتکب ہوئے ہیں قلع قمع کیا جائے۔ انھیں وہاں سے مار بھگایا جائے، نکال باہر کیا جائے۔ یوں فتح خیبر کے بعد اس تمام علاقے سے یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا اور جب اسلام نے ایک سیلاب کی شکل اختیار کر لی تو ظاہر ہے کہ یہودیوں کے مشرق وسطیٰ میں باقی بھی دور دراز کے علاقے بشمول موجودہ اسرائیلی علاقے اور اسرائیل کے planed نقشے پر مبنی تمام علاقوں کو فتح کر لیا گیا۔ یہودیوں نے اطاعت اختیار نہ کی ورنہ جزیہ ادا کر کے اپنے علاقوں میں بغیر کوئی فتنہ برپا کیے بطور غیر مسلم اقلیت کے آسانی سے رہ سکتے تھے۔ تاریخ کی کوئی بات حتمی نہیں ہوتی ہر ہر دور اور ہر ہر جگہ کی سیاسی تاریخ پر زیادہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کیا حالات ہوئے کیا کیا واقعات پیش آئے کہ یہودیوں کو یہ تمام علاقے مکمل طور پر خالی کر کے دنیا کے دور دراز مقامات میں جا کر بسنا پڑا۔ بہر حال اگر گزشتہ کئی سو سال کی تاریخ کو دیکھا جائے تو اسلام کے خلفائے راشدین تک کے زمانہ میں تو اخلاق و قانون اور سنہری قرآنی اصولوں و قوانین سے ہٹ کر یقیناً یہودیوں سے کوئی ناجائز سلوک روا نہ رکھا گیا ہوگا۔ لیکن بعد کے دور ملوکیت میں جو کہ کئی سو سال پر مبنی ہے اور جس کے آغاز ہی میں اپنے نبی ﷺ محسن عالم، ہزار ہا عزت و احترام کے منبع، نور ہدایات، مینار علم و حکمت اور عظیم ترین انقلابی شخصیت کہ جو عالم عرب کی پہچان اور مکہ و مدینہ کی برکتوں کی شان تھے کے تمام گھر والوں کو تمام خاص خون نبی ﷺ کو، خاندان ہاشمی کے خاص چشم و چراغان اہل بیت کو بے دریغ کربلا کے میدان میں ذبح کر دیا گیا۔ تیروں سے چھلنی کر دیا گیا۔ جن سروں کے پشت نبی ﷺ پر ہونے کی وجہ سے نبی پاک ﷺ نے سجدے سے سر نہ اٹھایا تھا انھیں نیزوں پر بعد کاٹنے کے چڑھایا اور سر بازار پھرایا گیا۔ اہل بیت کی خواتین کو کہ جنھیں آسمان جھک کر سلام کرتا ہے بغیر دوپٹوں کے سر بازار پھرایا گیا۔ میرے منہ میں خاک کہ یہ سب کچھ اسلام کے عہد ملوکیت کے آغاز ہی میں وقوع پذیر ہوا تو پھر کیا اس ملوکیت کے اول و آخر ادوار کئی سو سالہ میں یہ ممکن نہیں ہے کہ یہودیوں پر بھی قرآنی اصولوں سے ہٹ کر ظلم و زیادتی کے ایسے پہاڑ ڈھائے گئے ہوں کہ الاماں الحفیظ اور اسی بنا پر اہل یہود روحوں اور دلوں پر سخت زخم لیے وہ تمام علاقے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے ہوں۔ جنھوں نے اپنے ہزار ادب والی ہستیوں اور خاندان کے ساتھ یہ سلوک کیا جو کہ اگر کوئی غیر مسلم وہ علاقہ خوانخواستہ تب فتح کر لیتا تو یقیناً نہ کرتا تو ان سے آپ کیا یہ امید نہیں رکھ سکتے کہ وہ اہل یہود کے ساتھ یا اپنی مملکت کے عیسائیوں کے ساتھ یا دیگر غیر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کر سکتے ہیں۔ ہمیں

Marfat.com

تاریخ کو محض کتابوں ہی میں نہیں پڑھنا چاہیے کہ جو اپنے اپنے وقت کے بادشاہوں کی اجازت سے، منشا سے، ان کے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے اور ان کی محض خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انعام واکرام کی غرض سے ہمیشہ لکھی جاتی رہی ہے۔ بلکہ ایسے حالات وواقعات سے، نکات سے، اشاروں سے، آثار سے، اس قوم کے شعار سے، تہذیب سے، بادشاہوں کے مزاج سے، طریق حکومت سے مذہب میں کی گئی ملاوٹوں سے اور مذہب پر عمل کے اسٹائل سے بہت بہت کچھ اندازہ لگا لینا چاہیے۔

یقیناً قرآن پاک اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے یہود نے بدعہدیاں کیں اور سزا پائی۔ لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ بعد میں دنیا میں ہر ہر جگہ یہود نے ایسا ہی کیا ہو۔ کہیں ہماری اپنی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا تعین کیا جانا چاہیے۔ آخر اہل یہود بھی اللہ تعالیٰ کی بہت لاڈلی قوم رہی ہے۔ اللہ پاک نے اس نسل کو دنیا جہان سے عرصہ دراز تک نسل در نسل چنے رکھا ہے جس قوم میں اس قدر زیادہ اور جلیل القدر نبیؑ ورسولؑ اتنے تسلسل کے ساتھ آتے رہے ہیں جنہیں اللہ پاک بار بار عہد شکنیوں کے بعد معافیاں دیتے رہے ہیں اور بار بار ان سے بڑے بڑے انبیاء اٹھاتے رہے ہیں۔ آخر ان کے خون میں صرف حکم عدولی ہی تو نہ ہوگی۔ حکم کی بجا آوری بھی تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوگی۔ اگر ایک طرف ان کو شیطان گمراہ کرنے میں کمال کا زور لگاتا ہے تو دوسری جانب قانون یہ ہے کہ ہدایت کا زور بھی اسی پائے کا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اہل یہود کا جو بار بار ذکر ہے وہ محض اس وقت کے ذمہ داران واقعات یہود کا ذکر ہے کہ جنہیں بار بار مہلت دی گئی ان پر اعتماد کیا گیا لیکن انہوں نے عہد توڑا، شدید جرائم کے مرتکب ہوئے۔ اسی طرح سے نصرانی یعنی عیسائی بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہے اور ان یہود ونصاریٰ کے متعلق پھر ایک وقت آیا کہ اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے کہ ان کے بار بار کے اعمال کے بعد ان کے دل، ان کی نیتیں اور ارادے ظاہر ہو چکے تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں بھی دنیا بھر کے یہود ونصاریٰ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں جہاں ان یہود ونصاریٰ کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے نیک وکاروں کی تعریف بھی فرمائی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے اس کے احکامات کو مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں ان کی آنکھوں سے آنسو ابلتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے نبی کریم ﷺ پر ایمان بھی لے آئے تھے ظاہر ہے وہ تو مسلمان ہو چکے تھے یہ جو اہل یہود ونصاریٰ کے مندرجہ بالا اللہ سے ڈرنے والوں کے گروہ کا قرآن میں تذکرہ ہے وہ بطور یہود ونصاریٰ کے ہی ہے۔ پھر اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں کئی جگہوں پر دیگر مذاہب کے ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو اہل ایمان ہیں۔ شرک نہیں کرتے، اللہ کو واحد و یکتا حاکم و مالک مانتے ہیں، روز حشر پر یقین رکھتے ہیں۔ نیک اعمال بمطابق اپنے مذہب کی وحی الٰہی اختیار کرتے ہیں انھیں بھی جنت کی نوید ملی ہے۔ بلکہ ہر چیز سے ہٹ کر اللہ کو واحد و یکتا حاکم وخالق و مالک ماننا، اس کے ساتھ ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرنا اور حساب کے دن پر ایمان رکھتے ہوئے نیک اعمال اختیار کرنا۔ یہ وہ کلیہ قاعدہ ہے جس پر عمل کر کے اگر کوئی خود کو کامیاب ثابت کر دے تو وہ جنتی ہے، اس بات کی گواہی قرآن پاک خود دیتا ہے۔ اصل میں نیک وبد اور اچھے و

Marfat.com

برے میں نیکیوں اور گناہوں میں مکمل طور پر تمیز کرنا، تخصیص کرنا بڑا ہی مشکل ہے بغیر وحی الٰہی کی خالص رہنمائی کے جو کہ قرآن مجید میں اپنی محفوظ و خالص ترین شکل میں موجود ہے اور جو سچے نبی حضرت محمد ﷺ پر مکہ و مدینہ میں 23 سالہ دور نبوی ﷺ میں اترا۔ یوں دنیا قرآن پاک کی محتاج ہے جب اس کتاب کی محتاج ہے مکمل حقیقت جاننے کے لیے تو پھر یقیناً یہ کتاب جس قلب اقدس پر جبرائیلؑ کے توسط سے نازل ہوئی اسے ماننے کی بھی محتاج ہے۔ جو کہ محفوظ و افضل ترین اور مکمل برکتوں کی راہ ہے جہاں علم بے بہا کے خزانے بھی ہیں اور حکمت کے بیش قیمت موتیوں کے انبار بھی۔ لیکن اگر کسی کے نصیب میں اس قدر وسیع خزانے نہ ہوں تاہم وہ مندرجہ بالا طریقہ سے اپنی مذہبی کتاب سے یا جیسے بھی ہو سچے موتی چن کر حق کا ساتھ دے حق کی بات کرے اور صرف حق پر ہی عمل کرے مذکورہ ایمان کے ساتھ تو یقیناً وہ بھی نجات کے قابل ہے جنتی ہے بلکہ اپنی کوشش و ہمت کے مطابق اس میدان میں اس کی ترقی ہے۔

نکتہ یاد رکھیے:

کسی شے کی حقیقت اس کی صفات کے اعتبار سے ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ ذات تو ایک کورا کاغذ ہے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی بے شمار اچھی یا بری متنوع صفات اس کی ذات کا اظہار ہوتی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کی ذات پاک جن جن صفات و خواص پر مبنی ہے۔ ان کا نام نامی محمد ﷺ ہے پھر بعد رسالت و نبوت کے آپ ﷺ کی صفات نے جو مزید اپنا اظہار کیا چاہے جتنی بلندیوں اور رفعتوں کے ساتھ کیا وہ ہے ذات محمد رسول اللہ ﷺ۔ رسالت محمدی ﷺ کے احکامات پر جو کہ قرآن پاک کی شکل میں موجود ہیں اگر کوئی جس بھی حد تک عمل کرتا ہے دل سے انھیں سچا جان کر چاہے اس نے وہ جہاں سے بھی حاصل کی ہوں (کیونکہ دین تو شروع دن سے اسلام ہی ہے جو تمام مذاہب کی جان ہے اسی کے احکامات ہر ہر مذہب میں بنیادی اصولوں کے طور پر دیے جاتے رہے ہیں) وہ اتنا ہی اسی حد تک عملاً رسالت محمدی ﷺ کا اور قرآن پاک کا قائل ہے۔ یاد رکھیں اگر جوہر بنیادی ایک ہے تو پھر وہ ہزار بیجوں میں بھی ہو اس سے وہی شے اُگے گی اسے آپ دیگر جنس نہیں کہہ سکتے۔ جب سنگترے بازار میں بکتے ہیں تو اعلیٰ قسم کے سنگتروں پر اپنے باغ یا مالی کا نام نہیں لکھا ہوتا۔ بلکہ وہ اپنی قسم کے لحاظ سے درجنوں میں بکتے ہیں کاٹن کے کاٹن ایک جنس کے ٹرکوں کے ٹرک منڈی میں پہنچتے اور ہر خاص و عام کو اپنی جنس کی صفات سے روشناس کرواتے ہیں۔ بات زبانی اقرار کی نہیں بات ایمان و عمل کی ہے۔ اگر ہے تو سب ٹھیک اگر نہیں ہے تو چاہے زبانی اقرار ہے بھی کچھ نہیں ہے۔ محض منافق ہے فاسق ہے۔ آپ کو اختلاف ہوگا کہ آپ کے لیے بات نئی ہے۔ ہمیں جن جن ڈبوں میں بند کر کے اوپر مذاہب و مسالک اور فرقوں کے ٹھپے لگائے گئے ہیں ہم ان سے صدیوں بعد اتنی آسانی سے بھلا کیسے نکل سکتے ہیں لیکن نیوٹرل ہو کر سوچیے اور اپنے پڑھا لکھا ہونے کا، اشرف المخلوقات ہونے کا اور ادراک حقیقت کی صفت ناپید کا ثبوت دیجیے اور اس پر غور و فکر فرمائیے پھر صرف قرآن پاک ہی کا نہایت گہرا ابلغ مطالعہ بار بار خود کیجیے بغیر کسی

Marfat.com

تعصب کے بغیر کسی مسلکی یا فرقہ وارانہ رنگ وروغن کے گہرے غور وتدبر کو اختیار کیجئے۔ اگر مزید محنت کر سکتے ہیں تو عربی بھی خود سیکھ لیجئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ خود اس مندرجہ بالا بحث کی تصدیق کریں گے۔ کم از کم آپ کا ذہن بہت زیادہ کھل جائے گا۔ آپ محسوس کریں گے کہ آپ کنویں سے نکل کر سمندر میں چلے گئے ہیں۔

تہذیبوں اور نسلوں کا ابھرنا، مٹنا، ہجرت کرنا اور عروج وزوال:

ہم یہودیوں کے وہاں سے نکلنے کی بات کر رہے تھے۔ تو ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ وہاں سے بعد از ادوارِ نبوت وخلافت کن حالات میں نکلے تھے یا نکالے گئے تھے ظاہر ہے اس کے بعد صدیوں تک وہ علاقہ خالی تو نہ رہا ہوگا۔ وہاں مسلمان آباد ہوئے ہونگے اور صدیوں تک آباد رہے ہونگے۔ یوں اسرائیلی یہودیوں کی قدیم تاریخ کے حوالے سے یہ تمام علاقہ ان کا ہے اور ان کے بعد کی صدیوں پر محیط تاریخ کے حوالے سے یہ علاقہ مسلمانوں کا ہے۔ گو کہ دنیا بھر میں جب سے انسانی آبادی کی ابتدا ہوئی ہے اور یہ پھیلی ہے۔ کئی چھوٹے بڑے ملک وریاستیں بنتے ٹوٹتے رہے ہیں۔ ان پر کبھی کوئی کبھی کوئی قابض ہوتا رہا ہے، طاقت وسرمائے کی قوت سے علم وتدبیر سے، مکاری وہوشیاری سے یا جس جس بھی سیاسی وجنگی چال یا جذبہ محرکہ سے ممکن تھا تبدیلیاں واقع ہوتی رہی ہیں۔ یوں تہذیبیں مٹتی اور بنتی رہی ہیں۔ اقوام عروج وزوال حاصل کرتی رہی ہیں۔ مذاہب، فلسفے، اور دیگر قسم کے انقلابات اثر انداز ہوتے رہے ہیں لیکن اس تمام رد وبدل میں میراث کا کوئی مکمل قانون قاعدہ فروغ نہیں پاسکا ماسوائے اس کے کہ اگر کبھی مفتوحہ قوم دوبارہ طاقت پکڑ لے تو وہ پھر فتح حاصل کر لے یا حکومت واقتدار پر کسی طرح سے قابض ہو جائے۔ ایسا بعض اوقات کئی دہائیوں یا چند صدیوں بعد بھی ہوتا رہا ہے کہ اس سے زیادہ کی تو کبھی پہلے تاریخ ہی اتنی محفوظ نہیں رہی۔ دوسرے اس سے زیادہ عرصہ گزرنے پر دیگر معاشرتی ومعاشی اور نسلی ولسانی تبدیلیاں اتنی واقع ہو جاتی ہیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں رہتا۔ تاہم یہودیوں کے معاملہ میں کچھ ذرا عجیب بات ہوئی ہے کہ پہلے تو مسلمانوں یا پھر ان کے علاوہ عیسائیوں یا دیگر اقوام کے ذریعے یہ بار بار سخت پٹتے رہے ہیں۔ اپنی غلطیوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بھی، اللہ کی پیاری قوم ہونے کے باوجود بار بار کی سخت حکم عدولیوں کی وجہ سے بھی اور بعد کے ادوار میں گناہوں میں غرق ہو جانے کی وجہ سے بھی، دیگر اقوام کے تعصب اور ظلم وبربریت کی وجہ سے بھی ان کی زندگیوں کا قائم رہنا انتہائی مشکل سے مشکل تر بنتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ کئی مرتبہ ان کی نسل کشی کرنے کی انھیں دنیا سے نیست ونابود کرنے کی گھناؤنی سازشیں اور کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دنیا بھر میں پھیل گئے۔ انہوں نے اپنی شناخت کو بھی underground زیر زمین کر دیا۔ لیکن انہوں نے اپنے مذہب وعقائد کو نہیں چھوڑا۔ نہ ہی اپنی میراث چھوڑی، نہ ہی انہوں نے اپنا نسلی تفاخر چھوڑا، نہ ہی انہوں نے اپنی نسل سے باہر شادیاں کیں، نہ ہی اپنی نسل میں بظاہر کوئی ملاوٹ ہونے دی اور آپس میں خفیہ طور پر تاریخ کے مختلف ادوار میں باہم منظم ہونے کی کوشش بھی کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے پکا عہد کیا کہ یہ اس قدر بے پناہ ہونے والے بار بار کے کئی

Marfat.com

اقوام و مذاہب کی جانب سے مظالم و بربریت کے بعد کبھی بھی اکٹھے نہ ہونگے اپنی شناخت ظاہر نہ کریں گے اور دنیا کا مقابلہ زیرزمین رہ کر ہی کرتے رہیں گے۔

لیکن کیا کیا جائے کہ جب مشرق وسطیٰ کو یورپی اقوام کو خالی کرنا پڑا، طاقت کے مراکز میں دوسری جنگ عظیم کے بعد تبدیلی آئی، برطانیہ و فرانس اور یورپ بعد تباہی کے سمٹ سا گیا اور نیا ورلڈ آرڈر وجود میں آیا تو ہر ہر نو آبادی کو چھوڑنے سے قبل یہ بندوبست حاکم اقوام نے اپنے تحفظ اور مستقبل کی planning منصوبہ بندی کی وجہ سے کیا کہ مقامی طور پر وہ لوگ الجھے رہیں، کبھی حد سے زیادہ طاقتور نہ ہوسکیں، ان کے حسب سابق محتاج رہیں، نہ تو انھیں کبھی آنکھیں دکھانے یا ان سے بدلہ لینے کے قابل ہوسکیں اور نہ ہی ان کے ابلیسی چکر سے ہی کبھی نکل سکیں۔ اسی حکمت عملی کے تحت انڈیا کو تقسیم اس طرح سے کیا گیا کہ کئی مسلم اکثریت کے علاقے انڈیا میں شامل کر دیے گئے اور کچھ ہندو اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل کر دیے گئے۔ اس سے قبل ہندو مسلم دشمنی بھڑکائی جاچکی تھی۔ آبادی کے انخلا یا پر امن ہجرت کے لیے کوئی مناسب و کافی بندوبست نہ کیا گیا کشمیر کو bone of contention فساد کی جڑ کے طور پر باوجود مسلم اکثریتی ریاست ہونے کے انڈیا کے حوالے کر دیا گیا یوں ابتدا ہی سے آگ وخون کے ایسے دریا پر ان دونوں مملکتوں کی بنیاد رکھی گئی کہ تا حال ڈیڑھ ارب آبادی کا خطہ زمین ہندو پاک ہر وقت جنگ وجدل کا میدان بنا رہتا ہے عملاً نہ صرف تین چار چھوٹی بڑی جنگیں ہو چکی ہیں اور ایک نیا ملک بنگلہ دیش وجود میں آچکا ہے بلکہ ہر ہر سیاسی، خارجی، بین الاقوامی، دفاعی و تجارتی میدانوں میں ان کی دشمنی اظہر من الشّمس ہے۔ ان کے سابقہ حاکم آج بھی عملاً ان پر بالواسطہ حاکم ہیں اور مفادات حاصل کر رہے ہیں اسی طرح سے سُنی عراق اور شیعہ ایران کا معاملہ ہے ایران میں سنی علاقے شامل ہیں عراق میں شیعہ آبادی موجود ہے پھر کُرد باغی بھی وہاں بٹھائے گئے ہیں۔ یوں اسی طرح کے بندوبست دنیا بھر کی سابقہ مفتوحہ اقوام کو آزادی دیتے وقت کیے گئے تا کہ ان کو کمزور بنا کر عملاً ان پر حکومت برقرار رکھی جاسکے۔

مشرق وسطیٰ کے اکثر ممالک کو کنٹرول کرنے کے لیے اسرائیل کے قیام کا منصوبہ:

یہ منصوبہ ان تمام منصوبوں سے بڑا تھا۔ بڑی ہی ذہانت و فطانت، منصوبہ بندی، قدیم وجدید مسلم و یہود کی تاریخ کے گہرے مطالعہ، اختلافات پر گہرے غور وفکر بلکہ مذہبی کتب کے تجزیہ اور دونوں جانب کے علماء کے علم وفلسفہ اور ارادوں کو بھانپتے ہوئے نہ جانے کتنے عیسائی، سیکولر و دیگر مذاہب و یورپی اقوام کے think tanks غور وخوض کے باضابطہ اداروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو پہلے اس بات پر قائل کیا جائے کہ وہ اپنے لیے ایک الگ ریاست حاصل کریں۔ یہودیوں سے ان کی قدیم ریاست کے نقشہ جات حاصل کر کے planning کی گئی۔ انھیں ضرورت سے کہیں زیادہ وسائل مہیا کیے گئے۔ حوصلہ افزائی کی گئی، تحفظ و حوصلہ دیا گیا اور یوں ان کو وہاں دھیرے دھیرے بسایا گیا۔ اس

Marfat.com

ریاست اسرائیل کوفوراً تسلیم کرلیا گیا پھر اسے مسلم ریاستوں کے عین قلب میں ہونے کی وجہ سے ہر ہر طرح کی دن دگنی رات چوگنی معاشی و دفاعی امداد دی گئی۔ اس میں یہودیوں کی اپنی planning اور حکمت عملی بھی شامل ہوسکتی ہے کیونکہ دنیا بھر کے سرمائے کے مراکز پر تب تک ان کا اثر و رسوخ خاصہ بڑھ چکا تھا جبکہ آج تو وہ اس میدان بے حد ترقی کر چکے ہیں لیکن اسرئیلی ریاست خود یہودیوں سے زیادہ عیسائی یورپی ریاستوں کی ضرورت تھی تاکہ مسلم ریاستوں کو اسرائیل سے لڑایا جائے۔ اس لڑائی کو دوام بخشا جائے، دشمنی مزید بھڑکائی جائے۔ یوں نہ یہاں کبھی امن ہو نہ یہ تمام ریاستیں کبھی مضبوط و طاقتور ہو کر انھیں آنکھیں دکھا سکیں اور نہ ہی کبھی ان کی محتاجی ختم ہو۔ وہ ظاہری غلامی سے چھوٹ کر سٹراٹیجک غلامی میں بندھ کر ان حاکم اقوام کے مفادات کی اندھی محافظ بن جائیں۔ ان ماضی کی حاکم اقوام کی تو یہ بہت بڑی کامیابیاں ہیں کہ انہوں نے صدیوں ان نو آبادیوں پر حکومت کرنے کے بعد اور ان کے وسائل سے استفادہ کرنے کے بعد آج بھی انھیں غلام بنا رکھا ہے۔ اسی طرح سے عیسائی یورپی ریاستوں اور امریکہ نے یہود و عیسائی پرانی دشمنی سے بھی جان چھڑالی اور مسلم و یہود دشمنی بھڑکا کر دونوں مذاہب سے انتقام کی بنیاد بھی رکھ دی۔

مسلم و یہود کو بھی سوچنا چاہیے کہ وہ آخر کیوں کئی دہائیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں؟

آخر کیوں اب تک ہزاروں لاکھوں لوگ دونوں طرف کے مارے جا چکے ہیں، بے شمار اپاہج ہو چکے ہیں۔ امن و امان کا نام ونشان نہیں۔ ہر ہر وقت جنگ کی سی حالت ہے۔ فلسطینیوں کی زندگیاں بھی کئی تنظیموں میں بٹ کر عذاب بنی ہوئی ہیں۔ ان کا کوئی مستقبل نہیں۔ سخت اذیت سے دوچار ہیں، اب تو وہ عملاً اسرائیل کے قیدی ہیں۔ لیکن اسرائیل بھی کب سکون سے ہے اسے بھی ہر وقت خطرات ہیں تباہی و بربادی کا دھڑکا لگا ہے۔ طرح طرح کے دھماکوں میں وہ بھی آئے دن مر رہے ہیں۔ دیگر مسلمان ممالک اس لڑائی میں شریک ہو کر سخت نقصان اٹھا چکے ہیں۔ کچھ نے اسرائیل سے تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ دوستی گانٹھ لی ہے امریکہ کے زیر سایہ جبکہ کچھ زیر زمین اسرائیل کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ کچھ فلسطینیوں کو امداد دینے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس دونوں اقوام میں الگ نزاع کا مسئلہ بنا ہوا ہے جسے تاریخ میں دو تین مرتبہ مسلمانوں کے فاتح ہیروؤں نے بھی فتح کیا پھر عیسائیوں نے فتح حاصل کر لی۔ اب یہ بھی اسرائیل ہی کے کنٹرول و قبضہ میں ہے اس پر بھی دونوں اقوام لڑ لڑ کر نہیں تھکتیں۔

مسئلہ کا ممکنہ عاقلانہ و عادلانہ حل اور مسلم ممالک کی حالتِ زار:

اس بات کو بھول جائیں کہ اس جگہ پر کس کا حق ہے یا یہ سرزمین اصل میں کس کی ہے ظاہر ہے پچھلے صفحات پر خطہ زمین کی ملکیت کے جو قوانین ہم زیر غور لائے ہیں ان کے مطابق یہودی بھی اس کے حق دار ہیں جبکہ مسلمان بھی حق رکھتے ہیں۔ اگر یہودیوں کی سابقہ ہزاروں سال کی معلومہ تاریخ انھیں اس جگہ یا گرد و نواح کا حق دار ٹھہراتی ہے تو گزشتہ سینکڑوں

Marfat.com

سالوں کی تاریخ اس جگہ کو مسلمانوں کی ملکیت ظاہر کرتی ہے۔ جبکہ طاقت کے ازلی قانون کے تحت جو فطرت کے ذریعے لاگو ہے یہ جگہ ظاہر ہے کہ اب اہل یہود یا بنی اسرائیل ہی کی ہے۔ کیونکہ طاقت و برتری ہر ہر میدان میں اب انہی کو حاصل ہے۔ پھر تزویراتی strategic نکتہ نظر سے بھی انھیں زبردست برتری حاصل ہے وہ اس وقت دنیا بھر کے سرمائے کے نظام کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ دنیا میں اکثر بڑے بڑے مالی ادارے، بینک کمپنیاں، نیوز ایجنسیاں، پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کے یا تو وہ مالک ہیں یا ان کے کنٹرول میں ہے۔ وہ بڑی بڑی حکومتوں، ان کے اداروں حتیٰ کہ سیاست معیشت و معاشرت تک پہ بلاواسطہ اور بالواسطہ اثر انداز ہونے کی پوزیشن میں ہیں۔ حتیٰ کہ خود امریکہ و برطانیہ جیسی اس کی سب سے زیادہ پشت پناہ اور حامی قوتیں ان کے زبردست ہر طرح کے اثرات کی عملاً اسیر ہو چکی ہیں۔ دنیا بھر میں بڑے بڑے عہدوں، حیثیتوں اور فیصلہ کن یا keyposts پر اہل یہود ہی براجمان ہیں اور اس کے بعد اہل مسیح کا نمبر ہے۔ ایسے میں آپ طاقت و سرمائے اور دنیا بھر کی حمایت کدھر ہے اس کا اندازہ خود لگائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل اب اس پوزیشن پر پہنچ چکا ہے کہ وہ یا تو مذاکرات کی راہ پر آتا ہی نہیں یا پھر بعد مذاکرات کرنے کے انھیں تادیر نبھاتا ہی نہیں کیونکہ اسے اب ان مذاکرات کی ضرورت ہی بہت کم ہے۔ وہ اب اس حیثیت میں ہے کہ من مانی کر سکے۔ لیکن ہمارے مسلمان ان تمام حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ خصوصاً مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک اپنی قابلیت کے بل بوتے پر بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ 90% ممالک کی معیشت کا دارو مدار تیل و گیس پر ہے اور حالت یہ ہے کہ وہ اس آئل اینڈ گیس کو زمین سے نکالنے اور صاف کر کے استعمال کے مراحل تک پہنچانے کے لیے اہل مغرب اور یورپ کے محتاج ہیں۔ نہ ان کے پاس تعلیم ہے نہ قابلیت اور نہ ہی محنت کا شوق ہے۔ جب زمین سے پانی کی طرح نکلنے والے تیل نما سونے سے یہ بغیر غیروں کی مدد کے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تو بھلا باقی صنعتوں اور شعبوں میں انہوں نے کیا ترقی کرنا ہے اور کیا زرمبادلہ کمانا ہے۔ ان میں سے اکثر ممالک کی حفاظت کی ذمہ داری بھی امریکہ و برطانیہ بہادر اور مغربی اقوام کی ہے۔ اہل سعودی عربیہ جو کہ مرکز اسلام ہیں ان کی تن آسانی اب ضرب المثل ہے۔ انہوں نے اب حج و عمرہ کو ایک بہت بڑی صنعت و تجارت کا درجہ دے دیا ہے۔ تیل و گیس کے ساتھ ساتھ اب اس صنعت سے بھی ان کو بھاری منافع حاصل ہو رہا ہے۔ اہل عراق جن میں لڑنے کا کچھ نہ کچھ دم تھا ان کا حشر دنیا کے سامنے ہے۔ مصر یورپ کا اسیر ہے۔ شام اپنے معاملات میں الجھا ہوا ہے۔ اردن کے شاہوں کو دیکھیں تو یورپ کے شہزادے دکھتے ہیں۔ متحدہ عرب امارات میں سوائے عیاشی و فحاشی کے کچھ نہیں ہے۔ قدرتی دولت تیل کی وجہ سے یہ تمام کے تمام ممالک دولت و زر سے تو اب تک لدے ہوئے ہیں لیکن ان کی دولت تیزی سے یہاں کی ملوکیت کے توسط سے بیرون ملک منتقل ہو رہی ہے۔ ان سے اونے پونے داموں تیل خریدا جا رہا ہے۔ کئی ممالک کو آپس کی جنگوں میں الجھا کر کمزور کیا جاتا ہے۔ ان پر اسلحہ فروخت کیا جاتا ہے اس قدر کہ نہ صرف ان کا تیل کا قرض اتار دیا جاتا ہے بلکہ ان کو زبردست مقروض کر کے کئی کئی سالوں تک ان سے بالکل مفت تیل و پٹرول

Marfat.com

دھڑا دھڑ حاصل کیا جاتا ہے۔ اصل میں ان وسطی ممالک کا صرف نام ہے ان کے شاہی خاندانوں کو عیاشی کی لت ڈال کر اور دولت کے انباروں میں دبا کر جو کہ عملاً یورپ ہی کے بینکوں میں یورپ ہی کے کام آ رہی ہے عملاً وہاں اہل مغرب اور امریکہ ہی قبضہ کر چکے ہیں کلھم مالک ومختار ہیں۔ یہ شاہ وشہزادے محض کٹ پتلیاں ہیں۔ ایک ایران ہے جو اب تک امریکہ واسرائیل کو آنکھیں دکھا رہا ہے لیکن اپنے علاقے میں اس کی مخالفت خود مسلمانوں میں اتنی ہے کہ کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے عراق ایران کو دس سال تک پہلے لڑوا لڑوا کر کمزور کیا گیا پھر عراق کو نشان عبرت بنا دیا گیا۔ اب ایران کی باری ہے لیکن اس کی ایٹمی استعداد کی وجہ سے فی الحال معاملہ رکا ہوا ہے۔ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ خود پاکستان کے حالات دنیا بھر کے مسلم ممالک سے زیادہ طاقت ور اور ایٹمی قوت ہونے کے باوجود نہایت خراب ہیں۔ کرپشن اپنی انتہا پر ہے، ادارے ٹوٹ پھوٹ اور عدم تحفظ کا شکار ہیں، تعلیمی نظام بیٹھ چکا ہے سیاسی طور پر لوٹا لاٹی تک نوبت پہنچ چکی ہے، اسمبلیاں کرپٹ اور نا اہل ہیں تمام keyposts پر کرپٹ ونا اہل شیطان بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسے ناکام ریاست ہونے کے الزامات کا سامنا بھی ہے۔ اب دہشت گردی نے ناک میں دم کر رکھا ہے نہ تو مشرقی محاذ محفوظ ہے انڈیا کی وجہ سے اور نہ ہی اب مغربی محاذ محفوظ ہے افغانستان کی وجہ سے۔ اپنی ایجنسیوں اور مغربی سرحدی علاقوں کے لوگ بھی اب اپنے نہیں ہیں کہ امریکہ کی جنگ ہم ہی تو افغانستان میں بھی اور خود اپنے ملک میں بھی لڑ رہے ہیں۔ بلوچ الگ ناراض ہیں نواب اکبر بگٹی کے قتل کی وجہ سے، پھر سندھ میں کراچی بھی جل رہا ہے ایسے میں پاکستان خود طرح طرح کی جونکوں کے ہتھے چڑھا ہوا ہے جو اس کا خون حسب استطاعت چوس رہی ہیں۔

میں حیران ہوں کہ عالم اسلام کی اس بے حسی ونالائقی اور کمزوری وغیر اقوام پر انحصار کے باوجود ہم محض رسماً اسرائیل وامریکہ کے ساتھ کس طرح الجھے ہوئے ہیں:

یہ تو سراسر خود کشی ہے ہمیں کوئی صحیح راہ دکھانے والا نہیں ہے ہم غیر کے اشاروں پر ناچ کر خود کو مزید کمزور کر رہے ہیں۔ ہمارے حکمران بکے ہوئے ہیں ہمارے مذہبی پاور گروپس کو یا تو وقت کے تقاضوں کا شعور ہی نہیں ہے اور یہ غیر اقوام کے ہاتھوں میں اچھی نیت کے باوجود کھیل رہے ہیں یا پھر کچھ لوگ دیدہ دانستہ بکے ہوئے ہیں جو کہ آج کے میر جعفر ہیں۔ بہر حال میرا مقصد اپنے مسلمان بھائیوں کی حوصلہ شکنی نہیں ہے بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ بجائے غیر کے ہاتھوں استعمال ہو کر غیر شعوری طور پر اس کا مقصد پورا کرنے کے پہلے شعور حاصل کرنے کے لیے تعلیم حاصل کریں۔ افسوس کہ اس قوم کو درجن بھر سرسیّد ضرورت تھے۔ جبکہ اس کو صرف ایک سرسیّد مل سکا۔ ابھی پہلی ہی کھیپ ان جوہر قابل کی تیار ہوئی تھی جو سرسید کی دن رات کی محنت کا ماشاء اللہ نتیجہ تھے کہ اسے مسلم لیگ کے ذریعہ قیام پاکستان کے مقاصد کے لیے جھونک دیا گیا۔ اگر تب انھیں موقع دیا جاتا کہ وہ اپنی طرح کے مزید چند ہزار لوگ ہی تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کر دیں تو آج کم از کم پاکستان کے

Marfat.com

عوام کی حالت اس قدر بدتر نہ ہوتی۔ یا پھر پاکستان بننے کے بعد ہی چند ایک قائداعظم کے تربیت یافتہ محبِّ وطن ساتھی ایسے حاصل ہو جاتے کہ تعلیم اور خارجہ و داخلہ امور کا قبلہ درست ہو سکتا۔

اب تمام عالم اسلام کو تعلیم کے ذریعے شعور و قابلیت کی ضرورت ہے:

اگر کسی طور پر ایسا ہو جائے تو تب ہم اس جہالت و ناکامی و نامرادی کے اندھے گڑھے سے نکل سکتے ہیں لیکن ایسا معجزہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ تو کم از کم وقت کی نزاکت کو ہی سمجھتے ہوئے حقیقت کا تھوڑا سا ادراک حاصل کر لیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اسرائیل سے متعلق پالیسی کو حقیقت پسندانہ بنائیں:

تمام طول طویل بحث اس لیے نہیں کی کہ مجھے مسلمانوں سے زیادہ یہود یا اسرائیل یا امریکہ و یورپ سے دلچسپی ہے بلکہ تمام بحث سر سیدؒ کی طرح اس لیے کی ہے کہ ہمیں جس طرح برصغیر کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے دل سے غلط فہمیاں نکالنے کے لیے اُن کے جاری رویہ و سلوک اور اپنی آزادی کی خاطر حکمت عملی بدلنے کی ضرورت تھی اسی طرح ہمیں اب بھی دنیا سے نہ مٹنے اور ترقی کرنے کے لیے شعورِ حقیقت اور تعلیم میں تبدیلی کے حصول کے ساتھ حکمت عملی بدلنے کی بھی ضرورت ہے ورنہ ہم بہت جلد تباہی و بربادی کی ان غاروں میں بند کر دیے جائیں گے جن سے پھر شاید ہی کبھی زمانوں تک نکل سکیں یا جیسا خدا چاہے۔

آیئے مسئلے کے حل پر دستیاب حالات میں بحث کریں:

ہم پہلے اس بات پر غور کر چکے ہیں کہ اہل یہود و مسلمانوں میں پھر عیسائیوں اور مسلمانوں میں متعدد وجوہات کی بنا پر دشمنی کی جڑیں بہت پرانی ہیں۔ اس دشمنی کا آغاز گو کہ عہد نبوی ﷺ ہی سے شمار کیا جاتا ہے لیکن یہ ایسی حقیقت نہ تھی جیسا کہ اسے بنا دیا گیا ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں تو ایک نئی نبوت کا آغاز تھا۔ جس طرح سے ہر ہر نبیؑ و رسولؑ کے زمانہ میں تمام طبقات و مروجہ مذاہب سے تعلق رکھنے والوں نے خوب زور و شور سے اور بڑھ چڑھ کر ان کی مخالفت کی، ان کی راہ ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی انھیں نقصان و اذیت پہنچانے اور ناکام کرنے کی ہر ممکن طریقہ سے سعی کی۔ عین اسی طرح سے محمد رسول اللہ ﷺ کے دورِ اقدس میں بھی سب حالات و واقعات پیش آئے۔ مگر یہ سب کچھ ایک قدرتی طریقہ پر تھا۔ ہر نبیؑ و رسولؑ کے ساتھ ایسا ہوتا رہا تھا۔ اس میں نسل در نسل دشمنی و خونریزی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن شاید جس طرح سے یہود و نصرانیوں کے درمیان عرصہ دراز تک حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کی بنا پر دشمنی چلتی رہی کہ جس کی وجہ سے بالآخر یہود کو سخت ظلم و ستم کا بھی نشانہ بار بار بننا پڑا اسی طرح سے مسلم و یہود کے درمیان دشمنی کو ہر دو مذاہب کے پیشواؤں نے، آئمہ حضرات نے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور تمام مرچ مصالحوں کے ساتھ اپنے اپنے عوام کے سامنے پیش کیا۔ بلکہ اس دشمنی و مخالفت کو مذہبی فریضے کا رنگ دے کر اسے صدیوں کے لیے خونریزی اور فساد کا باعث بنا دیا کہ جب بھی یہ دونوں مذاہب کے ماننے والے

Marfat.com

ایک دوسرے کے قریب آئے، گرد و نواح میں آباد ہوئے یا باہم مل کر کہیں رہنے یا کام کرنے کی کوشش کی تو بنیادوں میں بھرے زہر نے کام کر دکھایا اور فساد برپا کر دیا گیا۔ اصل میں پیشوائیت کی ضرورت، اہمیت اور طاقت و دبدبے کو قائم رکھنے کے لیے ہر ہر مذہب کے پیشواؤں نے یہی کارہائے نمایاں سرانجام دیے تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ کسی بھی مذہب وملت کے ایسے ٹھیکیداروں کے کردار یا roll کو اٹھا کر دیکھ لیں سب میں یہی قدر مشترک نظر آئے گی۔ یوں بڑے بڑے ظلم انسانیت پر ڈھائے جاتے رہے ہیں۔ یہودیوں میں واقعی پے در پے نبیؑ آتے تو رہے ہیں لیکن یہ کوئی ضروری یا شرط بات نہ تھی کہ باپ کے بعد بیٹا یا ایک نسل کے بعد اگلی نسل میں کوئی پیغمبر ضرور ہی آئے گا۔ اللہ تعالیٰ حالات و واقعات، ضرورت وحکمت الٰہیہ کو پیش نظر رکھ کر بعض اوقات تو باپوں کے بعد بیٹوں یا اگلی نسل میں ضرور نبیؑ پیدا فرماتے رہے ہیں بعض اوقات وقفہ دیا جاتا رہا ہے کبھی کم کبھی زیادہ کبھی بہت زیادہ جو کہ سو پچاس یا اس سے بھی زیادہ سالوں پر محیط ہوتا تھا اور پھر حضرت موسیٰؑ کے بعد کوئی بڑا نبیؑ یا رسولؑ سوائے عیسیٰؑ کے نہیں آیا۔ لیکن یہود چونکہ ایک کے بعد ایک نبیؑ کے قائل بھی تھے اور عادی بھی تھے اس لیے بڑے یہودی عالم وفقیہ اور ولی اللہ قسم کے بندوں کو بھی عملاً نبیؑ ہی مانا جاتا رہا ہے جبکہ نبیؑ و ولیؒ کے مقام میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ جس پر میں پہلے دیگر عنوانات کے تحت بحث کر چکا ہوں۔ اس لیے یہود کی تعلیمات میں ان اولیاء سے نادانستگی میں ممکن ہے کچھ جھول واقع ہو گئے ہیں لیکن بعد میں جب بنی اسرائیل دھیرے دھیرے زیادہ سے زیادہ گناہوں کی دلدل میں دھنستے گئے ان میں اولیاء اللہ بھی آنے کم سے کم ہو گئے حتیٰ کہ بعد کے ادوار میں جو اصل اولیاء اللہ اہل یہود میں آئے انہوں نے خود کو مستور رکھا کیونکہ ہر مذہب وملت میں جب برائی اور خرابی حد سے بڑھ جاتی ہے جیسا کہ اب ہم میں بھی عرصہ سے بڑھ چکی ہے تو اولیاء اللہ ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر خود کو حکمت الٰہی اور حکم الٰہی کی بنا پر ظاہر نہیں کرتے۔ اللہ پاک اب انھیں مختلف طریقہ سے سزائیں دینے کا فیصلہ فرما لیتے ہیں۔ اسی مقام پر اہل یہود میں ایسے لوگ آئے جو اصل نبیؑ تو کیا ولی اللہ بھی نہ تھے۔ انہوں نے درحقیقت قوم کو خوب بگاڑا۔ پہلے تو اگر بگاڑ تھا یا تحریف احکام کی جاتی تھی تو کچھ ڈر خوف یا دل کی تسلی کے لیے کوئی دلیل ضرور گانٹھ لی جاتی تھی اور کچھ لوگوں میں بہرحال ایمان بھی موجود رہتا تھا جو حق کی دہائی ساتھ بگاڑ کے دیتے رہتے تھے۔ مگر اب اس مقام پر ایمان دلوں سے رخصت ہو چکا تھا صرف رسم و رواج رہ گئے تھے یا بے روح علوم کہ جن میں جان بغیر ایمان کے نہیں پڑا کرتی۔ اس دور میں خوب تحریفات بھی ہوتی ہیں اور سیاست وحکومت کے بازی گروں کے ساتھ مل کر پیشوائیت کے پاور گروپس بن جاتے ہیں جو حکومت وسیاست، سرمائے دار، عیش وعشرت کے دلدادوں، حرام خوروں، حرام کاروں، اصل احکام دینی کے باغیوں، ظالموں، قاہروں، بے ایمانوں اور صرف دنیا کے پجاریوں کو ہر طرح کے خوف خدا اور روز حشر کے ڈر سے آزاد ہو کر نتائج کی پرواہ کیے بغیر طرح طرح کے فتوے بطور تحفہ پیش کرتے ہیں۔ عوام الناس کا استحصال کرتے ہیں۔ ان پر ظلم و زیادتی کا باعث بنتے ہیں اور غرباء و بے سہاروں، محتاجوں و کمزوروں کا خون چوسنے میں مندرجہ بالا طبقائت کی مذہب کو توڑ

Marfat.com

مروڑ کر پیش کرتے ہوئے بھرپور مدد کرتے اور بڑے بڑے صلے ومقام دنیوی پاتے ہیں۔ ایسا یہودیت میں بھی ہوتا رہا ہے پھر عیسائیت میں بھی بڑے دھڑلے سے چرچ کے زیرسایہ پادریوں اور بشپ حضرات، تبلیغ کاروں اور مذہب کے ٹھیکیداروں کے ذریعے ہوتا رہا ہے اور خود اسلام میں بھی جاری وساری ہے۔ بلکہ اول الذکر دونوں مذاہب نے تو صدیوں بعد مذہب و حکومت کو الگ الگ شعبے قرار دے کر کلیسہ و چرچ کی بے پناہ اندھی طاقت سے جان چھڑالی اور انھیں کچھ حدود میں مقید کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں چونکہ قرآنی نظریہ زندگی کے مطابق ایسے قوانین بنانا ممکن نہ تھا اس لیے تمام اسلامی ممالک میں مکمل قرآنی ڈھانچے کو چھوڑ کر جہاں جہاں تک ان کے ملکی وقومی حالات اجازت دیتے تھے وہاں وہاں تک ذیلی اسلامی قوانین قرآنی احکامات میں سے خوب چھانٹی کر کے لیے گئے اور ان پر عمل کیا گیا۔ یوں عہد نبوی ﷺ کے ان پیش کش کرنے والے کفار کی سنت خوب دھڑلے سے ہر ہر مسلم ملک وآبادی میں پوری کی گئی جو بمطابق قرآن کہا کرتے تھے کہ ہم کچھ تو قرآنی احکام کو ماننے کے لیے تیار ہیں مگر کچھ میں آپ ﷺ ہمارے ساتھ تعاون کریں اور انھیں ہمارے لیے لازمی قرار نہ فرمائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا کہ ''تم کچھ تو قرآنی احکام کو مانتے ہو اور کچھ سے صاف انکار کرتے ہو ایسا نہیں ہوسکتا۔ تم جب تک پورے کے پورے اسلام میں داخل نہ ہو جاؤ تم مومن نہیں ہوسکتے''۔ اس طرح سے نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے تعاون ورعایت سے سخت تنبیہہ کے ساتھ منع فرما دیا بلکہ بار بار منع فرمایا اور اپنی ناراضگی سے ڈرایا۔ آپ اندازہ کریں کہ پھر کس طرح سے ہم مسلم ممالک کی مذہبی پیشوائیت کے سند یافتہ حکومتوں اور ان کے نظاموں کو جائز ہونے کے فتوے جاری کرتے ہیں اور حکمرانوں کی عطاؤں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متمتع ہوتے ہیں۔ اکثر جگہوں پر یہ ٹوپی ڈرامہ ہے کہ '' کوے کی طرح گند بھی کھانا ہے اور چونچ بھی بار بار جھٹکنی ہے''، یعنی حکومت وبالادست طبقات سے مذہبی پیشواؤں نے فوائد دنیوی اور رعایتیں بھی حاصل کرنا ہیں، مال وزر کی حرص بھی پوری کرنا ہے اور پھر کمال مہارت ومکاری سے خود کو نیک وصالح ظاہر کرتے ہوئے حکومتی امور کی اس طرح سے مخالفت بھی کرنا ہے کہ حکومت کا کوئی حرج نہ ہو' سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے''۔ عوام میں بھرم وپیشوائیت بھی قائم رہے اور حکومت، طاقت وسرمائے کی جھولی میں بھی دربردہ بیٹھے رہیں۔ یہی تمام مذاہب کے پیشواؤں کا آج کی دنیا کا طریقہ وسلیقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب وادیان تو بہت زیادہ ہیں پھر ان کے مزید مسالک وفرقے پھر ذیلی فرقے بھی بہت ہیں اسی طرح سے طرح طرح کے عقائد سے دنیا اٹی پڑی ہے لیکن حق جو ان تمام مذاہب وعقائد کی روح ہے وہ عنقا ہے ناپید ہے مستور ہے، اسے سوسودغابازیوں کے ذریعے ہر ہر دور کے مسیحاؤں نے یوں چھپا دیا ہے کہ باوجود بعض مذاہب کی تعلیمات میں موجود ہونے کے عملاً غیر موثر ہے۔ اس پر قدغنیں ہیں اور اس کی شکل و شباہت موجود ہونے کے باوجود لوگوں کو انہی مذاہب کے ٹھیکیداروں نے ایسی ایسی عینکیں لگادی ہیں کہ وہ اسے کسی بھی مذہب میں دیکھ نہیں سکتے۔

Marfat.com

دین ابراہیمیؑ اور تمام مذاہب کے مابین فساد کیسے ختم ہو:

اس طویل بحث کو میں نے اس لیے نہیں چھیڑا کہ آپ کا وقت ضائع کروں آپ نے اس میں سے بہت کچھ یقیناً پہلے بھی پڑھ اور سن رکھا ہوگا لیکن اس نقطہ تک پہنچنے کے لیے یہ تمام پس منظر و پیش منظر آپ کو دکھانا ضروری تھا تبھی ہم اب آگے اپنے مقصد کی جانب بڑھنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میں مسئلہ فلسطین و اسرائیل کو بھی دنیا کے باقی ماندہ مسائل کے ساتھ دیکھتا اور اس پر غور کرتا رہا ہوں۔ مجھے ہمیشہ بے گناہ فلسطینیوں، لبنانیوں، شامیوں اور دیگر مسلمانوں کے بہتے ہوئے خون، جانی و مالی نقصان اور مصائب کے پہاڑوں پر دلی افسوس ہوتا رہا ہے اور اب تک انھیں عملاً دنیا کے اکثر مسلم و غیر مسلم ممالک کی جانب سے تنہا و بے یار و مددگار چھوڑ دینے پر بھی سخت دکھ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہودیوں اور اہل اسرائیل کی ہلاکتوں، بربادیوں اور تکالیف پر بھی شدید رنج ہے جو وہ اپنے ملک کے قیام سے لے کر اب تک اٹھاتے رہے ہیں بلکہ جو جو دکھ انہوں نے، مسلمانوں نے اور عیسائیوں نے یا دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے آپس کی جنگوں اور تباہ کاریوں میں اٹھائے ہیں مجھے سب پر نہایت افسوس ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور جب تک یہ فساد دنیا سے ختم نہیں ہو جاتا افسوس ہی رہے گا۔ یہ مسائل مذہبی رہنماؤں کے پیدا کیے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ہیں۔ بھلا آج تک دنیا میں کس مذہب یا عقیدے نے زبردستی لوگوں کو خود میں جذب کرنے کا حکم دیا ہے اور غیر مذاہب کے پیروکاروں کو تہہ تیغ کرنے یا ان کے لیے زمین تنگ کر دینے، ان کے خلاف سازشیں کرنے اور اس بنیاد پر زمین کے بحر و بر میں فساد برپا کرنے کا حکم دیا ہے؟

ارے خدا کے بندو! تمام مذاہب امن و آشتی، محبت و یگانگت، خیر کثیر، لوگوں کے دکھوں کو بلا تخصیص مذہب و رنگ و نسل بانٹنے کا حکم اور انھیں اپنی پسند کا مذہب و عقیدہ اختیار کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور ہر باطل مذہب و عقیدہ رکھنے والوں کو اللہ پاک کے ابلیس کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کے مطابق کہ جو اسے مہلت قیامت کے دن تک دی گئی تھی اپنے اپنے عقیدے کے حساب سے اعمال کرنے کا اذن الٰہی حاصل ہے۔ جب تک کہ وہ معاشرت کے دنیوی اصولوں کے مطابق آپ کے ساتھ لڑتے نہیں، عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے یا آپ کو نقصان نہیں دیتے آپ ان کے ساتھ اچھی معاشرت اختیار کر سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ ان کے ساتھ شادیاں نہ کریں یا کسی ایسی بات میں ان کا ساتھ نہ دیں گے جو آپ کے مذہب و عقیدے کے خلاف ہے لیکن آپ انھیں ایسا کرنے سے تا قیامت روک نہیں سکتے۔ بزور حق کو قائم کرنا قطعاً جائز نہیں ہے ان لوگوں پر جو کہ اسے مانتے ہی نہیں ہیں جب تک کہ وہ آپ کو نقصان نہ دیں فساد برپا نہ کریں ہاں جب وہ فساد برپا کریں تو پھر آپ اگر طاقت رکھتے ہیں تو جب تک فساد اپنی طاقت و ہمت کھو نہ دے آپ اس کے خلاف جہاد کریں گے۔ لیکن یہاں تو معاملہ تعصب کا ہے مذہبی منافرت کا ہے۔ تاریخی وجوہات کا ہے، پیشواؤں کے نبیوںؑ کی تعلیم سے ہٹ کر بہکانے کا ہے۔ یاد رکھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حق کو زبردستی منوانا ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ کفر کرتا۔

Marfat.com

مسئلہ فلسطین و اسرائیل کے حل کے لیے گیارہ تجاویز اور بحث:

اقدامات اس ضمن میں یہ کریں کہ

ا...... مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسرائیلی ریاست کے وجود کو تہہ دل سے تسلیم کرلیں جو کہ ایک حقیقت ہے۔

۲...... دونوں مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے لیے اپنے دل سے دشمنی، حسد، بغض، کینہ نفرت بدخواہی اور تمام بُرے جذبات ہمیشہ کے لیے خلوص نیت سے نکال دیں۔

۳...... یہودی اگر قدیم تاریخی اعتبار سے اس جگہ کے حق دار ہیں تو مسلمان بھی ماضی قریب کے لحاظ سے اس جگہ کے حق دار ہیں اس لیے اہل یہود کو چاہیے کہ فلسطینیوں کو ایک آزاد و خود مختار ریاست دے دیں جہاں وہ اپنی پسند کے مطابق آزادانہ ریاست و حکومت قائم کرسکیں۔

۴...... مسلم حکومتِ فلسطین اور یہودی حکومتِ اسرائیل کے درمیان دوستی و محبت کے جذبات قائم کیے جائیں۔ جہاں تک شرک کی بات ہے تو خود مسلمانوں کے کئی بہت بڑے فرقوں پر اس قسم کے الزامات موجود ہیں کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو اصل یہودیت کو دیکھنا ہے جو کہ یہودیت نہیں ہے بلکہ دین ابراہیمؑ ہے وہ بھی اہل کتاب ہیں ہم بھی اہل کتاب ہیں۔ جب مسلمان مرد کو یہودی عورت کے ساتھ اپنے یہودی مذہب پر قائم رہتے ہوئے اس لیے شادی کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اہل کتاب ہے ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی پیروکار ہے اور اس طرح سے مسلم مرد و یہودی عورت میں شدید محبت والفت کا زندگی بھر کا رشتہ قائم کیا جاتا ہے اور ان کی نسل آگے بڑھانے کی اجازت دی جاتی ہے خدا کی طرف سے تو پھر کیوں اہل یہود اور مسلمانوں کے درمیان محبت و مروّت و بھائی چارے کا رشتہ قائم نہیں ہوسکتا؟ قرآن مجید میں صرف اس وقت کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ وہ تمہارے کبھی دوست نہیں ہوسکتے کیونکہ انھیں بار بار آزمایا جاچکا تھا۔ یہ نہیں فرمایا کہیں پر بھی کہ آئندہ بھی کبھی قیامت تک وہ تمہارے دوست نہیں ہوسکتے۔ اس طرح کی اگر کوئی بات ہمارے دین اسلام میں کسی بھی ذریعہ سے داخل کی گئی ہو تو وہ خلاف قرآن ہے چاہے اسے حدیث کے نام پر ہی پیش کیا گیا ہو کیونکہ آپ ﷺ نے کوئی بات بھی کبھی خلاف قرآن نہیں فرمائی۔ اسی طرح سے اگر مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کو مذہبی حکم کا درجہ۔ یہودی پیشوائیت کی جانب سے دیا گیا ہے تو وہ بائبل کے عین خلاف ہے۔ عہد نامہ قدیم میں کہیں بھی نہ تو موسوئ تعلیمات میں نہ ہی بعد میں آنے والے ہدایت کاروں نے کبھی ایسا حکم دیا یا اس کی حمایت کی ہے اور نہ ہی عہد نامہ جدید اور انجیل مقدس میں کوئی ایسی بات مذکور ہے۔ الغرض توریت، زبور، انجیل اور دیگر بہت سے صحائف میں جن پر آج کل کی تمام بائبل کے مجموعے مشتمل ہیں ایسی تعلیمات موجود نہیں ہیں۔ اس لیے چاہیے کہ آپس میں محبت و یگانگت اختیار کی جائے۔

۵...... جہاں تک بیت المقدس یا قبلہ اول کا تعلق ہے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ اہل ایمان کا قبلہ صدیوں یا ہزاروں

Marfat.com

سال رہا ہے اور اب بھی مسلمانوں کے سوا کئی مذاہب کے ماننے والوں کا قبلہ ہے۔ لیکن اسلام کے ابتدائی دور میں صرف اس لیے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو ہمارا قبلہ مقرر فرمایا تھا کہ اصل مکہ والے اور گردونواح کے قبائل وغیرہ جو کہ اب عملاً خانہ کعبہ تک میں اپنے اپنے قبیلے کے الگ الگ اور کچھ مشترک بڑے بت رکھنے اور پوجنے لگ گئے تھے اور یوں شرک کے مرتکب ہو رہے تھے انھیں آزمایا جاسکے کہ آیا وہ واقعی اسلام لا کر محمد رسول اللہ ﷺ کے مکمل تابع ہو گئے ہیں یا وہ منافقت کر رہے ہیں۔ چونکہ بتوں کی پوجا اور طرح طرح کے شرک کے باوجود خانہ کعبہ کو آباء واجداد کی عبادت کی سب سے بڑی مشترکہ عبادت گاہ کا درجہ یہ لوگ بہر حال دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ قبل از اسلام بھی دور دور سے قبائل یہاں ہر سال عبادت کے لیے یا مذہبی رسوم ادا کرنے آتے تھے۔ چاہے وہ رسوم وقت کے ساتھ ساتھ گمراہ ہو کر مرد وخواتین کا کعبہ کے گرد نعوذ باللہ ننگے بدن طواف کرنا ہو یا تالی بجا کر رسم عبادت ادا کرنا ہو۔ بہر حال وہ اسے ہی اپنی سب سے بڑی متبرک جگہ سمجھتے تھے۔ اب جب محمد رسول اللہ ﷺ اللہ پاک کے پیغمبر بن کر قرآن عظیم کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کے لیے تشریف لائے تو جو لوگ ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے ان کے متعلق کس طرح معلوم ہوتا کہ وہ ہر طرح کے باطل سے الگ ہو کر اور تمام پرانے عقائد سے جدا ہو کر صرف اللہ اور اس کے آخر پر تشریف لانے والے پیغمبر ﷺ کے تابع ہو گئے ہیں سوائے اس کے کہ انھیں ہر ہر پرانے حکم سے قدر جدا حکم کے ذریعے آزمایا جائے۔ اللہ پاک قرآن مجید میں اس بات کا اظہار خود فرماتے ہیں کہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں ایمان والوں کے لیے آزمائش تھی۔ اس لیے تمام مسلمان خانہ کعبہ کو چھوڑ کر بیت المقدس کی جانب منہ کر کے ابتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر جب دیگر مذاہب قدیم کے ماننے والوں کو خصوصاً یہودیوں اور عیسائیوں کو آزمانے کا وقت آیا جو کہ کافی تعداد میں مسلمان ہو چکے تھے تو اللہ پاک نے اپنی حکمت بلیغ اور نبی پاک ﷺ کی خواہش حکیمانہ کے تحت تمام مسلمانوں کو نماز کے دوران ہی رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ تحویل قبلہ کا حکم بھیجا۔ اب آپ ذرا سوچیں کہ عقل وفلسفہ کے ماننے والوں اور جن کے دل میں اپنے سابقہ عقائد کے لیے جگہ تھی ان کے لیے بھلا اس حکم کی پیروی کتنی مشکل تھی سوان دو احکام کے ذریعے دونوں قسم کے لوگ چھن چھنا کر سامنے آ گئے۔ پہلے وہ سامنے آئے جو دل کے مشرک ہی تھے کہ جب بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ملا تو وہ خانہ کعبہ اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کی جانب نہ تو پشت کر سکے نہ ہی ان کی عقیدت دل سے نکال سکے یوں یا تو ظاہر باہر طریقوں سے یا حیلوں بہانوں سے اسلام سے الگ ہو گئے یوں باقی رہنے والے لوگ بعد اس آزمائش کے مخلصین ٹھہرے (یہ وہ ابتدائی دور تھا جب ابھی مسلمان خانہ کعبہ پر قابض نہ ہوئے تھے اس لیے اس میں اندازاً 360 چھوٹے بڑے بت رکھے ہوئے تھے)۔ بعد میں جب دیگر اہل کتاب وغیرہ بھی اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے اور ایک قابل لحاظ تعداد مسلمان ہو گئی اب حکم ہوا کہ ''اب اپنا منہ کعبہ کی سمت کر لو آئندہ یہی تمہارا قبلہ ہے'' اس حکم پر وہ اہل کتاب آزمائے گئے جن کا پرانا قبلہ بیت المقدس تھا کہ آیا وہ سچے دل سے اطاعت رسول ﷺ اختیار کر رہے ہیں یا کہ ان کے دل کی گہرائی میں کہیں کھوٹ ہے۔

Marfat.com

قبلہ اول کے جھگڑے کے خاتمہ کے لیے خاص نکتہ:

یہاں یہ خاص نکتہ نوٹ فرمالیں کہ گوکہ سابقہ ادیان و نبیؑ سب کے سب حق تھے اور ہمارا ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے ان کے قبلے یا قبلہ بھی حق ہے لیکن جس چیز کی سب سے زیادہ اور خاص الخاص اہمیت ہے وہ اطاعت رسول ﷺ کے ذریعے اطاعت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قرآن پاک میں کہ ''ہر کسی کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے'' یعنی کہ unity اتحاد، faith ایمان، discipline تنظیم، تب ہی قائم ہو سکتے ہیں کہ ایک امام ہو لیڈر رہو اور اس کا ہر ہر حکم آپ کا قبلہ ہو۔ یہ جو ایک قبلہ مقرر کر کے پھر دوسرا قبلہ بدل کر مقرر کیا گیا اس کا مطلب یہی ہے کہ قبلہ کی عمارت یا نکتہ spot تو محض وحدت اُمت کے لیے ایک ذریعہ ہے بذات خود یہ کچھ نہیں ہے نہ برکات اس کے اندر پوشیدہ ہوتی ہیں بلکہ اصل شے نبیؑ کے ذریعے اللہ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنا ہے چاہے صبح کچھ حکم ملے شام کو کچھ اور تمام برکات بھی اسی حکم کے ماننے میں ہوتی ہیں چونکہ حکم الٰہی کی اطاعت میں انبیاءؑ یا نبیؑ اور امتِ نبیؑ اس نکتہ وحدت یعنی قبلہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس کی جانب رخ کر کے یک جان ہو کر احکامات الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں اور اس اطاعت کو تمثیلاً اس کے گرد طواف کر کے ظاہر کرتے ہیں اس لیے وہ برکات کا منبع بن جاتا ہے لیکن پھر سمجھ لیں کہ اطاعت الٰہی ہی تمام برکات کا ذریعہ ہے اگر کعبہ یا بیت المقدس یا کسی بھی قبلہ کے گارا مٹی کے عمارتی بت میں برکات تسلیم کریں گے یا ڈھونڈیں گے تو پھر آپ بھی بت پرست ہو جائیں گے۔ یہ جو اللہ پاک نے فرمایا کہ ''بڑی ہی برکت والا ہے وہ رب جو لے گیا اپنے بندے کو (خانہ کعبہ مکہ) مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ بیت المقدس تک جس کے اردگرد ہم نے بڑی برکات رکھی ہیں'' اس کا مفہوم ہے؟ کہ اس کو قبلہِ وحدت اُمت ماننے والوں کے لیے کہ جو اس واحد پلیٹ فارم سے اللہ پاک کے احکامات کے اس تمام پیکج کو دل و جان سے تسلیم کرتے، مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں جو ان کے رسولؑ کے ذریعے اللہ پاک نے انھیں دیا ہے اس میں اور اس کے اردگرد بڑی برکات ہیں۔ نہ کہ یہ کہ لوگ ان جگہوں کے اندر برکت تلاش کرنے اور حاصل کرنے کے لیے وہاں جائیں۔ ان جگہوں کو جسم سے آنکھوں سے ہونٹوں سے مس کریں اور انھیں سجدے کریں وہاں نمازیں پڑھیں یا اپنی عبادت کریں کہ ان جگہوں کے اندر بذات خود برکت ہے۔ قطعی نہیں۔ برکت صرف اللہ کے حکم میں ہے جس کو پورا کرنے کے لیے آپ اس قبلہ شریف کی جانب منہ کرتے یا وہاں جا کر نماز پڑھتے عمرہ کرتے اور حج وغیرہ کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے ابراہیمؑ کو حکم دیا بیٹے کو ذبح کر دو، اس سے قبل جب شیر خوار تھا حکم دیا اسے اور پیاری زوجہ کو کہ جس کے ذریعے تمہیں یہ ملا ہے جا کر صحرائی ویرانے میں بے آب و گیاہ سنسان بے آباد جگہ پر چھوڑ آؤ، پھر توحید پر قائم رہنے کی وجہ سے آگ میں پھینکوا دیا۔ ان احکامات کے بجالانے اور امتحان پر پورا اترنے دوسرے لفظوں میں طاقتِ اطاعتِ حکم حاصل کرنے پر بڑے مایہ ناز مقام پر فائز کیا۔ تو آپ نے دیکھا کہ قبلہ کا فلسفہ بنیاد کیا ہے۔ اب اس بحث کے بعد یہ سمجھ لیں کہ بے شک ان پاک مقامات کے اندر برکات ہیں لیکن ان کی روح اللہ کے عظیم بندوں کی انتہائی اطاعت الٰہی میں ہے جو ہمارے لیے سبق ہے۔

Marfat.com

واپس اپنی گفتگو جاریہ پر آیئے:

تو اس طرح سے اللہ پاک نے مشرکین اور اہل کتاب کو آزمایا اور تمام مسلمانوں کے لیے خانہ کعبہ کو مندرجہ بالا حکمت کے تحت مستقل قبلہ مقرر فرما دیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ ”نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی جانب کرو یا مغرب کی جانب بلکہ اصل نیکی تو تقویٰ ہے“۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ نیکی تو تقویٰ ہے قبلہ نہیں اور قبلہ تو محض ہر اُمت کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ وحدت کے ساتھ اپنے اپنے دین پر عمل کر سکیں۔

غور فرمایئے! مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے تو ہم دوسروں کا قبلہ کیوں چھیننا چاہتے ہیں:

جب مسلمانوں کا قبلہ مندرجہ بالا حکمت کے تحت خانہ کعبہ ہی کو ہمیشہ کے لیے مقرر فرما دیا گیا تو اب ہم کس لیے دیگر اہل کتاب کا قبلہ ان سے چھیننا چاہتے ہیں جب کہ ہمارا اس کے ساتھ اب کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو حکم رسول اللہ ﷺ وحکم الٰہی کے ذریعہ تعلق تھا وہ تو قبلہ کے بدل جانے کے بعد ختم ہوگیا اب تو کسی اور قبلہ میں مسلمانوں کا اپنے لیے برکتیں تلاش کرنا شاید شرک کے زُمرے میں آجائے۔ ہاں اب وہ صرف اہل کتاب کا ہی قبلہ ہے ان کے لیے اللہ کے قدیم حکم کی بنا پر کہ اگر وہ بائبل کے اصل احکامات پر من حیث الاُمت عمل کریں اس میں یقیناً برکات موجود ہیں۔ ”محض حکم الٰہی کی اطاعت کی وجہ سے“۔ ہمیں بجائے اس پر حق جتانے کے اس سے مکمل طور پر دست بردار ہو جانا چاہیے اور اسے اہل کتاب کا اول و آخر حق تہہ دل سے تسلیم کر لینا چاہیے۔ رہ گئی یہ بات کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اسے فتح کیا تھا تو گزارش ہے کہ وہ فتوحات کا زمانہ تھا مختلف وجوہات کی بنا پر آپؓ نے ایسا کیا تھا۔ اب اس وقت کے حالات سے ہم ٹھیک طرح سے اس ناقص التحریر تاریخ کے ذریعہ واقف نہیں ہو سکتے۔ ہاں چونکہ حضرت عمرؓ قرآن پاک کے ہر ہر حکم کے حتی الوسع زیادہ سے زیادہ پابند تھے اور تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے اس لیے یقیناً اہل یروشلم کی جانب سے پہل کی گئی ہوگی سازشیں کی گئی ہونگی، یا تو جنگ چھیڑی گئی ہوگی یا درپردہ وہ مسلم ریاست کے قیام واستحکام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہونگے اور باوجود بار بار خبردار کرنے کے نہ تو وہ باز آئے ہونگے نہ ہی انہوں نے اطاعت قبول کی ہوگی۔ یوں فساد زمین کا باعث بن گئے ہونگے۔ جس کی بنا پر آپؓ کو بالآخر فساد زمین کو ختم کرنے کے لیے حکم الٰہی کے تحت کاروائی کرنا پڑی ہوگی اور بیت المقدس قبلہ اہل کتاب بھی چونکہ اسی شہر میں تھا اس لیے اس پر بھی قبضہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن آپؓ نے کبھی بھی اہل کتاب کو اپنے قبلہ میں عبادت کرنے یا اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے سے نہیں روکا۔ ہاں ہر طرح کے شرک سے بت پرستی سے منع ضرور کیا ہوگا کیونکہ وہ اس کے منتظم وحاکم تھے اور اہل کتاب کے اپنے مذاہب کا نکتہ ماسکہ بھی توحید ہی تھا۔ تاہم یاد رہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اسے اپنا قبلہ نہ بنا لیا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں عالیشان مسجد کیوں تعمیر کروائی؟

چونکہ اس شہر میں اب مسلمان بھی خاصی تعداد میں موجود تھے پھر تمام مذاہب حق کی ہر ہر طرح کی عبادت گاہوں اور

Marfat.com

طریق عبادت میں پرستش تو صرف واحد خدا ہی کی ہوتی ہے اس کا بلندیوں اور عظمتوں والا نام ہر ہر عبادت گاہ میں مختلف طریقوں اور سلیقوں سے لیا جاتا ہے اس لیے وہاں مسجد تعمیر کرنے میں کیا حرج تھا۔

اللہ کے بندو! مسجد ہو یا مندر، چرچ ہو یا گردوارہ، بدھ مت کی عبادت گاہیں ہوں یا اہل یہود کی یا کسی بھی اور کی وہاں نام تو اللہ ہی کا مختلف زبانوں میں لیا جاتا ہے۔ ہر ہر مذہب میں شرک کرنے والے بھی ہیں اور خالص اہل توحید بھی۔ لوگ اپنے اپنے طریق کے تحت کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ میں اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں۔ وہ سب اہل توحید کے لیے پاک، جائز اور متبرّک ہے۔ وہ کسی کے بھی داخل ہونے سے پلید نہیں ہوتی ہاں مشرکوں کے لیے وہ نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھئے آج کل شرک و توحید کا تعلق دلوں ہی سے رہ گیا ہے ورنہ ہر کوئی خود کو ٹھیک سمجھتا ہے ہر مذہب میں ہر طرح کے لوگ ہیں سب کے لیے سب عبادت گاہیں کھلی رکھیئے:

اس طرح سے حضرت عمرؓ نے مسلمانوں اور اہل کتاب سب کے عبادت کرنے کے لیے بیت المقدس کو کھلا رکھا تھا۔ مسجد اقصیٰ کو کھلا رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی فساد برپا نہیں ہوا۔ بلکہ مسلمانوں کی عبادت تو مسجد میں ہی ہوتی تھی۔ بعد میں جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کبھی اہل کتاب نے کبھی مسلمانوں نے اسے فتح کیا یوں یہ مستقل کھینچا تانی کی وجہ بن گیا۔

اب پائیدار امن کے لیے ہمیں اس سے مکمل طور پر دستبردار ہو جانا ہوگا اور میری سابقہ صفحات پر پھیلی بحث کو ذہنوں میں جذب کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا ہوگا کہ برکات حکم رسول کے توسط سے حکم الٰہی کے بجا لینے میں مضمر ہوتی ہیں نہ کہ تمثیلات مادی اس کا اصل مرکز و محوّر ہوتی ہیں ہمیں حکم کے بدلنے کے بعد مسجد الحرام خانہ کعبہ کی جانب منہ کرنے کا حکم ہے۔ وحدت اُمت اور وحدت احکامات الٰہیہ کا ہمارا نکتہ ماسکہ یہی ہے کہ جانب الٰہی توجہ رکھنے کے لیے ہم جہاں کہیں بھی ہوں نہ صرف ادھر منہ کریں بلکہ اس کے تجسیمی خدوخال یعنی شکل و شباہت کو بھی تصوّر میں رکھیں اور اس پر تصوّر جمائیں۔ یہ تمام احکامات قرآنی کا شکلاً واحد نکتۂ تصوّر رہے۔ باقی ہر ہر طرف سے توجہ ہٹائے رکھنا ہے۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ باقی امتوں کے قبلوں کو ہم اپنی توجہ و حاجت کا محور نہ بنائیں۔ ماسوائے اس کے کہ انھیں بھی احکامات سابقہ الٰہیہ کے تحت بابرکت مقامات عبادت ان اقوام کے لیے تصور کریں جن کا ان سے تعلق ہے اور چونکہ وہاں بھی اللہ ہی کی عبادت ہوتی ہے اس لیے ان کی عزت و تکریم کریں۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ جہاں جہاں پر بھی خدا کی عبادت جس جس طریقہ سے بھی ہوتی ہے ہمیں اس جگہ کی عزت و تکریم کرنا چاہیے۔

٦...... تمام مشرق وسطیٰ کے مسلمان ممالک دیگر دنیا بھر کی مسلم ریاستوں اور پاکستان کو اسرائیل و فلسطین کے ساتھ نہ صرف انھیں مکمل آزاد ریاستیں تسلیم کرتے ہوئے تہہ دل سے سفارتی تعلقات قائم کرنا چاہئیں بلکہ ان کے ساتھ ہر طرح کے

Marfat.com

تعصب کو دور کر کے معاشرتی وتجارتی تعلقات بھی فوراً استوار کرنا چاہئیں اور ان دونوں ریاستوں کے تعلقات کو مزید بہتر بنانے کے لیے خلوص دل سے ان کی مدد کرنا چاہیے۔

۷...... اسرائیل کو چاہیے کو وہ مسلمان فلسطینیوں سے طاقت کے بل بوتے پر چھینے گئے علاقے جذبہ خیر سگالی کے تحت انھیں بغیر کسی پیشگی شرط کے واپس کردے۔ جب اسرائیل کو دشمن اور برا سمجھنا چھوڑ دیا جائے گا، کئی دہائیوں کی دشمنیاں اور قتل و غارت بھلا کر اور اسرائیل بھی فلسطینیوں کے متعلق ایسا ہی کرے گا تو محبت و یگانگت کی فضا قائم ہو جائے گی۔

۸...... یاد رکھیں ضرورت دونوں طرف کے فریقوں کے اپنے ایک دوسرے سے متعلق نظریات و اعتقادات کو درست کرتے ہوئے دشمنی کو مٹانے کی ہے جو کہ صدیوں سے لاکھوں جانیں لے چکی ہے۔ جب تک یہ دونوں فریق خود اس حقیقت کی آگاہی اپنے اندر پیدا کرتے ہوئے اپنے دل صاف نہیں کرتے انھیں کسی بھی دیگر ثالث کے ذریعے یا امداد و انتظام کے ذریعے فساد سے روکا نہیں جا سکتا۔ بلکہ دیگر اقوام وممالک کی اپنی اپنی دلچسپیاں ہیں مفادات وترجیحات ہیں وہ ان کے مطابق اس مسئلے کو deal کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا میں وحی الٰہی پر ایمان درحقیقت ہر جگہ قومی اعتبار سے اور پھر نجی طور پر بھی بہت بڑی غالب اکثریت میں ناپید ہے۔ صرف باتیں ہی باتیں ہیں اس لیے ہر ہر ملک اپنے اپنے مفادات قومی کو دیکھ کر اپنی خارجہ پالیسی ترتیب دیتا ہے۔ انصاف، عدل، حق اور صرف سچ کا ترازو آج کی دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اس لیے ہر ہر قوم وملک کو خود اپنے اپنے تنازعات عقل وفکر اور حکم الٰہی کے تحت حل کرنے چاہئیں۔ حکم الٰہی کا لاحقہ ساتھ اس لیے لگایا ہے کہ اگر خالص وحی الٰہی سے رہنمائی لینے کی اوقات آپ کی نہ بھی ہو تو ایک تو آپ خدا کی دی ہوئی عقل وفکر کو حاضر رکھیں دوسرے کم از کم اس قسم کے سیاسی مسائل جن کی بنیاد میں غلط مذہبی اعتقادات کی بنا پر فساد کا بیج بو دیا گیا ہے اسے آپ اپنی خالص مذہبی کتاب یعنی قرآن پاک اور بائبل مقدس کی روشنی میں ضرور نیوٹرل ہو کر اور مکمل غیر جانبدار ہو کر دیکھ لیں۔ یقیناً آپ اس نتیجہ پر ان شاء اللہ پہنچیں گے جس کا ذکر میں نے اپنے گہرے تجزیہ کے بعد بشمول حل کی تجاویز کے یہاں کیا ہے۔

وضاحتی نوٹ:

ایک بات کا ضرور خیال رکھیں کہ میں نے متذکرہ بالا حل الحمدللہ اپنے فہم و دانش اور مذاہب عالم کی کتب کے ممکنہ مطالعہ اور قرآن و بائبل پر خصوصی غور وفکر کے بعد اس کی روح کو سمجھتے ہوئے پیش کیا ہے۔ سوائے انتہائی خلوص کے کہ خونِ مسلم اور خون اہل کتاب کی اتنی ارزانی کو روکنے کے لیے حل کی پائیدار کوشش کی جائے میرا اور قطعاً کوئی مقصد نہیں ہے۔ ہمارے علماء وفضلاء بشمول اہل کتاب کے آئمہ حضرات کے اور سیاسی حکومتیں سوائے ہمارے پڑھے پڑھائے سنے سنائے علم کے اور آباؤ اجداد کی روش پر چلنے کے اور کچھ کرنے یا سوچنے کی جراءت ہی نہیں کرتے کہ اس کے لیے عوامی مخالفت مذہبی فتووں اور

Marfat.com

اپنے اپنے مفادات قومی ومسلکی کو چھوڑتے ہوئے مسئلے کے حل کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح سے ہم مسلمانوں میں یہود یا اسرائیل کی حمایت کرنا گالی ہے یا قومی جرم کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اہل اسرائیل میں سے اگر کوئی اس طرح کی تجاویز مسلمانوں کے حق میں دے تو وہ بھی عوام وخواص کی نفرت کا نشانہ ہی بنے گا۔ لیکن شتر مرغ کی طرح طوفان کو دیکھ کر اگر سر ریت میں دبا جائے تو بھی اپنی خوش فہمی کی وجہ سے بالآخر دب کر موت ہی واقع ہو سکے گی۔ ایسی اموات گزشتہ کئی دہائیوں سے قیام اسرائیل کے بعد سے اور کئی صدیوں سے خلافت راشدہ اسلامی کے سنہری ادوار کے بعد سے سوائے چند مُستثنیات کے ہو رہی ہیں کوئی تو ہو گا کہ جوان اقوام کا قبلہ درست کرے گا۔

۹...... جب میری مندرجہ بالا تمام تر وضاحت کے مطابق دونوں اقوام فلسطینی بشمول دنیا بھر کے مسلمانوں کے اور اسرائیلی بشمول دنیا بھر کے یہودیوں کے معاملے کو خوب سمجھتے ہوئے اس کے حل پر خود کو راضی پائیں تو تب انھیں پہلے تو آپس میں بات چیت کے کئی باسرعت ادوار سے گزرنا چاہیے۔ جن کا مجموعی دورانیہ ایک سال سے جتنا کم ہو سکے بہتر ہے کیونکہ معاملے کو لٹکانے سے اس کا حل ہمیشہ دور ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر جب یہ دونوں ممالک واقوام بنیادی مستحکم اصول طے کر لیں کہ جن سے دونوں کسی صورت نہیں ہٹیں گے تو تب تفصیلات کے لیے دیگر بین الاقوامی فورم سے ثالثانہ مدد لی جا سکتی ہے لیکن یاد رکھیں بین الاقوامی ثالثی میں دیگر اقوام نہایت مکاری وعیاری ذہانت وفطانت اور فریب کاری کے ہزار خود غرضانہ جالوں کے ذریعہ انھیں اپنے مقصد سے ہٹانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن انھیں اپنے پہلے سے طے شدہ بنیادی اصولوں پر ہر صورت قائم رہتے ہوئے مزید مستحکم کرنا ہو گا۔ تب یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونگے۔ یہ بین الاقوامی ثالثی ایک تو dead lock کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے جو دونوں اقوام میں ابتدائی بات چیت میں پیدا ہو جائیں دوسرے وقت کے عالمی تھانیداروں کو اعتماد میں لینے کے لیے بھی ضروری ہے تاکہ مسئلہ کے حل کو بین الاقوامی طور پر بھی تسلیم کر لیا جائے۔ آج کل دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ اب دو ممالک کے درمیان کوئی اہم مسئلہ صرف ان دو ممالک ہی پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ وہ بعض اوقات کسی تیسرے ملک یا بین الاقوامی سیاست کو بھی متاثر کر رہا ہوتا ہے اس لیے بھی بین الاقوامی ثالثی ضروری ہے۔

۱۰...... جو فرد، گروہ یا اقوام مسلمان نہیں ہیں ان کا کیا موقف ہے اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت کے بارے میں؟ ظاہر ہے کہ وہ انھیں نہیں مانتے۔ لیکن نہ ماننا اس بات کی اجازت قطعاً نہیں دیتا کہ آپ دوسروں کے مذہبی جذبات یا عقائد کی توہین کریں۔ اس لیے ان دونوں اقوام کے درمیان ایک دوسرے کے مذہبی جذبات وعقائد کے احترام کے لیے پائیدار معاہدہ بھی ضروری ہے۔ دونوں ہی جانتے ہیں کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے ہر ہر فرد وقوم کو روز حشر تک یا جب تک وہ زندہ ہے ایمان وعمل کی مہلت اور ڈھیل حاصل ہے۔ دنیاوی اعتبار سے آپ کو وہاں تک آزادی ہے اپنے ہاتھ وبازوں گھمانے کی کہ جہاں تک کسی دوسرے کی ناک شروع نہیں ہوتی۔ جب آپ نے اپنی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہوئے کسی کی ناک پر ہاتھ دے مارا وہاں

Marfat.com

سے امن تباہ ہونا شروع ہو جائے گا۔لہٰذا اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا لحاظ دونوں اقوام نہ صرف کریں بلکہ پڑوسی ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ فلسطین و اسرائیل اچھے اور ہمدردانہ تعلقات اختیار کریں۔ پڑوسیوں کے ایک دوسرے پر بہت حقوق ہوتے ہیں ان کا احترام کریں اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ دونوں اہل کتاب ہیں۔

اا...... اسی طرح کا معاہدہ اس کے بعد دونوں اقوام آگے بڑھ کر عیسائی اقوام کے ساتھ اور دیگر اقوام و مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی کر سکتی ہیں۔ خصوصاً مسلم عیسائی دشمنی کو ختم کرنے کے لیے یا ہندو مسلم دشمنی کو ختم کرنے کے لیے اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ سب معاہدات میں خلوص نیت کے ساتھ اپنا مذہب تبدیل کیے بغیر دوسرے کے مذہب و عقیدہ کا احترام کرنا اور مذہب کے نام پر دیگر اختلافات کو مٹانا بنیادی اصول ہونا چاہیے۔ یہ بات طے کر لی جائے کہ اپنے اپنے مذہب و عقیدہ یا فلسفہ حیات و معاشرت پر رہتے ہوئے ہر دوسرے کا احترام دل سے کیا جائے گا ملک گیری، ہوس زر و مفاد کو چھوڑ کر بین الاقوامی امن و فلاح و بھائی چارہ کے لیے کام کیا جائے گا ورنہ ایسے تمام خیالات و اقدامات سے یہ دونوں اقوام خصوصاً اور دیگر ثالثی میں شامل اقوام عموماً پرہیز کریں گے جن کی وجہ سے دنیا کا امن تہہ و بالا ہو جائے۔

برائے یادداشت:

بے شمار مخلوقات الٰہی کا مع ہر ہر محرک کے منفی یا مثبت طریق پر شیطانی یا رحمانی اثرات کے ساتھ انسان پر اثر انداز ہونا آپ پڑھ چکے ہیں گزشتہ بحث میں۔ ہمیں اس بحث کو ذہن میں رکھ کر دنیا کے امن و خوشحالی اور ترقی کے لیے کام کرنا چاہیے اور دنیا کے وسائل کو ہر خاص و عام فرد یا قوم کے لیے کھلا رکھنا چاہیے۔

Marfat.com

مضمون نمبر 59:

اب پڑھیے ربانی پیغامات ورابطے

اس موضوع پر بہت سے لوگ بہت کچھ لکھ چکے ہیں اس لیے اچھوتے اور محققانہ وفلسفیانہ موضوعات کے انتخاب کے لحاظ سے اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو میں یقیناً اس پر قلم اٹھا کر آپ کا قیمتی وقت ضائع نہ کرتا۔لیکن اکثر لوگوں نے جو کچھ لکھا وہ اپنے کتابی علم کے تحت لکھا میں جو کچھ لکھوں گا گو کہ اس میں کتابی علم کی آمیزش تو یقیناً ہو گی لیکن ذاتی تجربہ بھی اکثر عنوانات کے قائم کرنے میں سہولت بہم پہنچائے گا۔

ایک وضاحت:

شروع میں ہی ایک ضروری وضاحت کر دوں کہ یہ دماغ میں آنے والے بے شمار قسم کے خیالات، القاء ودیگر کو ہم باہم متفرق کیسے کر سکتے ہیں؟ اس ضمن میں عرض ہے کہ ویسے تو کافی حد تک اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجدانی صلاحیتوں سے بھی نواز رکھا ہے اسے اپنے اچھے برے یا منفی ومثبت کا علم ان کے ذریعے ہو جاتا ہے یا ہو جانا چاہیے۔لیکن چونکہ سب لوگ نہ تو ایک جیسی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے لیے کوشش یا محنت کرتے ہیں کہ اپنے اندر چھپے خزانہ کو دریافت کر سکیں۔پھر ان پڑھ، جاہل بے شعور یا پڑھے لکھے جاہلوں کی بھی کمی نہیں ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وحی کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں یعنی رسولوں کی وساطت سے اہل زمین کو (شاید کائنات بھر میں) اور خصوصاً انسانوں کو اپنے خصوصی احکامات پہنچائے اور یوں انھیں ان کا اچھا برا سمجھا دیا۔بتلا دیا کہ شیطان کدھر کھڑا ہے کون کون سے یقین واعمال شیطانی ہیں اور کون کون سے یقین واعمال رحمانی ہیں۔جب اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کے ذریعہ سے ہمیں یہ علم حاصل ہو جاتا ہے اپنی جدید ترین شکل میں تو پھر ہم اپنے دل ودماغ میں اٹھنے والے جذبات وخیالات کے اژدھام میں سے بخوبی ان ہر دو اقسام کی افواج محرکانہ کو پہچان لیتے ہیں پھر بھی معاملہ اتنا پیچ در پیچ ہے کہ انھیں سمجھنا اور ہر ہر حق وباطل کے محرک جذبہ وخیال کو جدا کرنا خاصہ مشکل ہے۔حق کے بے حد وشمار لبادوں میں باطل اکثر چھپ کر وار کرتا ہے اور یہ وار متاثرہ بندوں کی حیثیتوں، صلاحیتوں، شعور اور مقام کے مطابق ہوتے ہیں حتیٰ کہ شیطان بہت سے اولیاء اللہ کو بھی مار گراتا ہے۔صوفیوں، یوگیوں لاموں، علاموں اور متقی وپرہیز گاروں کو بھی نہیں بخشتا۔اس لیے ہر وقت دماغ میں اور دل میں اٹھنے والے بے شمار خیالات و جذبات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے قرآن کو دائیں ہاتھ میں تھامے اپنے ادراکات میں حاضر رکھتے ہوئے ان کو چھانٹی کر کے فیصلہ کرنا چاہیے کہ کون سا جذبہ وخیال حق کی پیداوار ہے اور کون سا باطل یا شیطان کا پیدا کردہ ہے۔اس پر ہم پہلے طویل بحث کر چکے ہیں۔اب ہم آگے بڑھتے ہوئے حق سے متعلق عام وخاص جذبات وخیالات سے خاصی بلندی پر جائیں گے اور ان

Marfat.com

شاءاللہ معلوم کریں گے کہ براہ راست قسم کے ربّانی پیغامات وروابطے کیا ہیں؟ یہ وضاحت جو کی اس لیے کی کہ ربّانی پیغامات و رابطوں کو differentiate کرنے یا دوسرے حقانی قسم کے خیالات سے ممتاز کرنے کے لیے فضا ہموار کی جاسکے۔

ربّانی رابطوں کی اقسام:

(۱) وحی (۲) الہام (۳) پردے سے آواز (۴) القاء

(۵) رویائے صادقہ (۶) کشف (۷) سچا خواب

(۸) ہمہ وقت رابطہ Hot Line (۹) علم لدّنی

اس کے علاوہ فرشتوں یا شیطانوں (جنات و دیگر) کا انسانی شکلوں یا دیگر اچھی یا بری شکلوں میں انسان کے سامنے آ کر اس سے بات چیت کرنا، پیغام پہنچانا یا نفع ونقصان کا مجاز بننا بحکم الٰہی یا بہ اذن الٰہی بھی انہی رابطوں کا حصہ ہے۔ دیگر اقسام بھی یقیناً ہوسکتی ہیں تاہم مجھے جن کا علم اور ان میں سے اکثر جن کا کچھ تجربہ بھی ہے میں نے صرف انہی کا یہاں ذکر کیا ہے۔ اصل میں میں مؤخرالذکر یعنی نمبر 8 کو اپنی بحث کا محور بنانا چاہتا تھا جس پر علماء وصوفیا نے بہت ہی کم روشنی ڈالی ہے لیکن اس کے سمجھنے کے لیے دیگر اقسام کا ذکر کرنا بہر حال ضروری تھا۔ اب ہم باری باری کوشش کریں گے کہ باقی اقسام رابطہ کو پہلے مختصراً بیان کردیں تا کہ ان کو بھی اپنے اذہان میں پھر سے تازہ کرسکیں۔

وحی الٰہی:

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ صرف رسولوںؑ اور انبیاءؑ ہی کی شان ہے کہ وہ اس سے مستفید وفیض یاب ہوتے ہیں یہ بڑے محترم ومکرّم، علم والے عزت والے اور اعلیٰ مقام والے فرشتے حضرت جبرائیلؑ ہی کے ذریعے سے انبیاء ورسل پر نازل ہوتی رہی ہے۔ یہ محفوظ ترین ذریعہ ہے۔ کڑے ترین پہرے میں نزول ہوتا ہے۔ شیاطین اس میں کچھ کمی بیشی یا تبدیلی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے یہ رسولؑ یا نبیؑ کے قلب پر اتاری جاتی ہے۔ گوکہ یہ بھی ایک خیال ہی کی مانند آتی ہے۔ لیکن یہ امکان کامل ہے کہ ایک خاص الخاص خیال کی خالص قسم ہے جب یہ قلب پر وارد ہوتی ہے تو باقی تمام خیالات منفی ومثبت کی دنیوی رو یکدم منقطع کردی جاتی ہے اور وحی پر مبنی تمام کلام یوں جبرائیلؑ پیغمبر محترم کو پہنچاتے، سناتے اور ان کے دل میں حافظے میں بٹھاتے ہیں کہ یہ خیال کی ہی قسم ہونے کے باوجود اس سے اتنا ممتاز ہے کہ جیسے دن رات سے امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے نزول کے وقت ہر طرح کی دیگر خیالات وجذبات کی روئیں منقطع ہوجاتی ہیں۔ تمام مخلوقات کی مداخلت بند ہوجاتی ہے۔ صرف جبرائیلؑ اللہ کا پیغام وکلام متعلقہ رسولؑ تک پہنچانے کے لیے اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ موجود ہوتے ہیں یوں تقویٰ وبرکات کا بھی یہاں پر فوکس ہوتا ہے۔ جبرائیلؑ گوکہ باطنی طور پر تشریف لاتے ہیں لیکن انسانی یا کسی بھی دیگر بہترین شکل میں مجازاً ظاہر ہوسکتے ہیں۔

Marfat.com

تاہم واضح ہو کہ وحی الٰہی کی حقیقی کیفیات سے یا خود اللہ پاک اور جبرائیل امین واقف ہیں یا متعلقہ انبیاء ورسل باقی کوئی بھی شخص حقیقت نزول وحی کو منکشف کرنے کا مجاز یا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے اس موضوع کو چھیڑا ہے اس لیے اپنی تمام تر تحقیق اور دیگر اقسام کے تجربات سے میں نے یہ سب مفروضہ قائم کیا ہے۔ علماء نے کیا لکھا میں نے وہ بھی پڑھا ہے۔ لیکن جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ میں علماء پر تکیہ کرنے کی بجائے اپنی تحقیق، علم اندرونی و بیرونی اور اللہ کے خصوصی فضل کو ترجیح دیتا ہوں۔ سو میں نے اس کے مطابق لکھا۔ لیکن عین ممکن ہے کہ یہ سب غلط ہو اور حقیقت اس سے مختلف ہو۔ کیونکہ جب تک کسی بات کا عملی تجربہ نہ ہو اس کے متعلق حتمی بات نہیں کی جاسکتی۔

الہام:

اس کے بعد دوسرے نمبر پر الہام ہے۔ یہ ویسے تو ہر کسی کو ہو سکتا ہے لیکن عوام کو اس کا شعور نہیں ہوتا صرف خواص ہی اس کو پہچانتے ہیں تاہم کسی حق پر مبنی خیال خاص کا دل میں جگہ پکڑ لینا اور اس کے مطابق عمل کا سرزد ہونا الہام ہی کہلاتا ہے یہ الگ بات کہ بندہ اسے پہچانتا کم ہے۔ حتیٰ کہ بے شمار اقسام کے الہام ہیں جو جانوروں، چرند و پرند و درند، حشرات الارض بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کو ہوتے ہیں اور وہ بغیر کسی کے بتائے اس کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ہم فطرت و جبلت اور وجدان میں اسے مدغم کر دیتے ہیں لیکن ہر کسی کا الگ area میدان اور حدود ہیں۔ صوفیہ و اولیاء خاص الخاص الہامات کے بے شمار تجربات سے گزرتے ہیں لیکن چپ سادھ کر اس سمندر کی اپنی اپنی بساط کے مطابق سیاحی کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں شہد کی مکھی تک کے الہام کی مثال موجود ہے پھر خواتین میں سے حضرت موسیٰؑ کی والدہ پر الہام کا ذکر ہے۔ اللہ کے احسان سے بندہ بھی اس میدان میں کچھ دسترس رکھتا ہے۔

پردے سے آواز سنائی دینا:

غائب سے خصوصی عبادت گزاروں کو بعض اوقات کوئی سرگوشی یا آواز سنائی دیتی ہے جس کے ذریعے کوئی خاص پیغام یا علم و حکمت کا موتی یا موتیوں کی مالا میں سے کچھ بھی دیا جاتا ہے مقصد بات کے سمجھانے سے ہے چاہے ایک لفظ ہی سے سمجھ آجائے، ایک جملے سے یا اس سے زیادہ کے خطاب سے۔ تاہم اکثر دریا کو کوزے میں بند کیا جاتا ہے۔ ایمان کامل، اعمالِ صالح بمطابق قرآن اور ورد و وظائف کے ساتھ عبادت اسلامی کی پابندی سے رب تعالیٰ اگر چاہیں اس کی نیت و عمل پسند فرماتے ہوئے تو خود یا رب کریم کا کوئی فرشتہ و ہادی غائب سے بات کرتے ہوئے کوئی پیغام دیتے ہیں۔ جو عین حق اور سچ ہوتا ہے۔ یعنی آپ کا دل گواہی دیتا ہے اگر واقعی وہ خدا یا خدا کے کسی بھی نمائندے کی جانب سے ہو۔ بفضل خدا ناچیز کو اس کا تجربہ حاصل ہے۔

دل میں کسی بات کا القاء ہونا:

Marfat.com

دل میں کوئی بات یوں ڈال دی جاتی ہے کہ اسے انسان دل ہی کی گواہی پر بالکل سچ سمجھتا ہے۔اس پر اسے پورا یقین حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح سے یقین کو پہنچا ہوا وجدان ہے۔ عام شخص کے وجدان میں ملاوٹ ہو سکتی ہے لیکن کسی نہایت نیک شخص اور اللہ کے خاص بندے پر القا ہونے والی بات میں ملاوٹ کا امکان بہت کم ہوتا ہے پھر اگر اسے اس کا خصوصی تجربہ حاصل ہو تو یہ امکان اور بھی کم سے کم رہ جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ وحی تو صرف انبیاء کی میراث ہے لیکن اس کے علاوہ جو اقسام میں بیان کر رہا ہوں وہ رسولوں و نبیوںؑ کو بھی صلاحیتیں اور انعامات حاصل ہوتے ہیں لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اولیاء کو 90% اس کا خالص پن حاصل ہوتا ہے ان سے نچلے درجے والوں کو اپنے مقام کے حساب سے درجہ بہ درجہ کم ہوتا جاتا ہے تاہم انبیاء ورُسل کو اس کا 99% خالص پن حاصل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار انھیں بھی بات کے سمجھنے میں کچھ غلطی شیطان کے 1 فیصد باطل ملانے کی بنا پر لگ سکتی ہے۔ جیسے یونسؑ کو غلطی لگی تھی۔ صرف وحی الٰہی جو خالص احکامات الٰہی پر مبنی کلام الٰہی ہوتا ہے اسے ہی 100% تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ صرف اللہ رسولؐ اور جبرائیلؑ کے درمیان کی واردات ہوتی ہے۔ القا سے میرا دل ناواقف نہیں ہے۔

رویائے صادقہ:

عام شخص کو ایسے سچے خواب نظر آئیں تو انھیں نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ تسلسل سے خواب دیکھے۔ اگر رسولؐ یا نبیؑ ایسے رویائے صادقہ دیکھتا ہو تو وہ نبوت کا نہ صرف حصہ ہیں بلکہ دوسرے سے زیادہ سچے اور اللہ کے علم و حکمت سے پُر ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے ذریعے سے پیغمبرؑ وقت حضرت داؤدؑ کی طرح حد بھی جاری کر سکتا ہے۔ الحمدللہ اس دشت کی سیاحی میں بھی کچھ حصہ مجھے حاصل ہے۔

سچے خواب:

گو کہ رویائے صادقہ بھی سچے خوابوں ہی کو کہتے ہیں لیکن ان کا مقام کچھ اور ہے وہ حرف بہ حرف، منظر بہ منظر اور لمحہ بہ لمحہ بالکل آئندہ پیش آنے والے واقعات کی تصویر ہوتی ہے یا ان میں سچی تعلیم ہوتی ہے لیکن سچے خواب اس سے کم تر درجہ کی شے ہے جو تمثیلاً دیکھی جاتی ہے۔ جیسے حضرت یوسفؑ کے جیل کے عرصہ کے دوران دو قیدیوں نے خواب دیکھے تھے جن کی حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتلائی تھی یا پھر خود بادشاہ نے خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر بتلانے پر آپؑ کو رہا کر کے مصر کے خزانوں کا امین بنایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قدر مزید سیدھے اور سچے واقعاتی خواب بھی ان میں شامل ہیں لیکن ان میں کچھ شیطانی ملاوٹ ہو سکتی ہے جبکہ رویائے صادقہ اس سے بہتر درجہ کی شے ہے پھر انبیاء کے معاملے میں اور بھی بلند ترین چیز ہے۔ مجھے ان کا تجربہ بھی حاصل ہے۔

کشف:

Marfat.com

ویسے تو کشف بھی ایک طرح کا الہام ہی ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ کشف نہایت ہی مختصر سی مہلت میں پیریڈ period of time میں کسی اہم بات کا انکشاف ہے۔ پس یہ بہت عجیب شے ہے۔ آپ ویسے تو بیدار ہیں لیکن لمحے بھر کے لیے ایک جھپکی لی آپ لمحہ بھر کے لیے یا دو تین سیکنڈ ہی کے لیے نیند و بیداری کی درمیانی حالت میں گئے پھر وہاں سے ایک دم کوئی موتی نکال کر باہر لے آئے جیسے سمندر کے اوپر اڑنے والے پرندے آبی جانوروں کا شکار سمندر میں غوطہ یا dive لگا کر کرتے ہیں۔ یہ ویسے تو غیر ارادی ہی ہوتا ہے لیکن شوق، ذوق اور عشق اسے قدرا اختیاری بھی بنا دیتے ہیں۔ صوفیہ کی پھر بات ہی کچھ اور ہے۔ مجھ منہ کالے کو اس کی بھیک بھی کبھار مل جاتی ہے۔

ہمہ وقت رب تعالیٰ سے رابطہ کا فیضان خصوصی (HOT LINE)

اصل میں یہ ہی وہ موضوع ہے جس کے لیے میں نے درحقیقت باقی سب کچھ تمہیداً عرض کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باقی موضوعات پر مختصراً بحث کی ہے بلکہ اکثر تو تعارف ہی پر اکتفا کیا ہے۔ چلئے اب اس موضوع پر قدرے کھل کر اور تفصیلاً بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فیضان ربانی اس ذات یکتا و بے مثل کے انبیاء و رسل کو تو حاصل ہوتا ہی ہے بلکہ یقیناً کہیں بڑھا ہوا بھی ہوگا۔ لیکن یہ خصوصیت اولیاء اللہ حضرات میں بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق پائی جاتی ہے اور یقیناً یہ سب میں نہیں پائی جاتی۔ کسی کسی خاص الخاص میں پائی جاتی ہے۔ پھر صاف و شفاف اور اعلیٰ قسم کی کمیونیکیشن کسی کسی میں ہوتی ہے۔ اپنے اپنے مقام کے مطابق۔ یہ معاملات اور یہ راہیں اتنی پیچیدہ، گنجلک، الجھی ہوئی، مستور اور پیچ در پیچ ہیں کہ ان پر اجتماعی بات کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے۔ میں پہلے بھی کہیں لکھ چکا ہوں کہ یہ معاملہ بندے اور خدا کے درمیان ہے۔ گو کہ راہ حق و معرفت کے مسافر اپنے اپنے درجہ و استطاعت کے مطابق اس کا اجتماعی ادراک بھی رکھتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر اپنے فرائض منصبی بھی ادا کرتے ہیں لیکن وہ یا ان میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ سب کچھ ہی جانتا ہے۔ باوجود سمندر معرفت میں شناوری کرنے کے راہ معرفت کے کچھ راز صرف اس خاص بندے اور خدا کے درمیان پوشیدہ ہوتے ہیں۔ پھر یہ سمندر اتنا زیادہ وسیع و عریض، گہرا، تہہ در تہہ اور پیچ دار ہے اس کے اس قدر بے حد و شمار رنگ و آہنگ ہیں کہ اسے کوئی جان ہی نہیں سکتا اپنی حد سے آگے۔ بندۂ بے قدر و قیمت ناچیز کو اس خصوصی ہمہ وقت رابطے کا فیضان الٰہی اپنی اک خاص حد تک حاصل ہے۔ یہ محض اس عظیم ہستی بے مثل کا کرم ہے عطا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا اس میں اک رائی برابر بھی کوئی استحقاق ظاہراً باطناً نہیں ہے۔ پس اللہ کریم نے خود ہی اپنی عطا سے ان مراحل و مقامات سے گزار دیا ہو کہ جس کے بعد اس عطائے بے بہا کا حصول ممکن ہو جاتا ہے تو یہ سب تعریف و قدرت اسی بے پناہ خوبیوں سراہے رب عجائب ہی کی ہے۔ اگر کسی کو خود وہ کیفیات حاصل نہ ہوں تو وہ ان کا ذکر کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

ہمہ وقت رابطے پر مزید بحث۔ یہ آخر ہے کیا؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کی ہیئت و شناخت کیا ہے؟

Marfat.com

یہ وہ سوال ہیں جن کے جوابات ہمیں تلاش کرنا ہیں۔ میں نے جیسا کہ پہلے ذکر کیا تھا کہ ہر ہر لمحہ، ہمارے دل و دماغ پر بے پناہ مثبت یا منفی جذبات وخیالات کی بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے جن میں سے ہم اپنی اپنی شخصیت، رجحان طبعی، تعلیم و تربیت، ایمان ویقین، اثراتِ اعمال، ماحول، رسم ورسواج، روایات وثقافت، مذہب، پہنچ approach ادراک اور فطرت وجبلت کی بنا پر اللہ کے اذن یا رضا سے مسلسل زندگی بھر انتخابِ (selection) جذبات وخیالات کرتے رہتے ہیں پھر انھیں اپنے ارادوں میں تبدیل کرتے عزم بناتے، عزم مصمم میں بدلتے اوران پر عمل کرگزرتے ہیں۔ اب جزیات وخیالات کی نوعیت کیا ہے نہایت عام اور معمولی غیر محسوس معاملات سے لے کر نہایت اہم معاملات ومسائل تک سب ان میں شامل ہوتے ہیں۔ ہماری ضروریات، حالات، مقاصد وترجیہات وترغیبات بھی ان خیالات و جذبات کے انتخاب پر اثر انداز ہوتے ہیں یا ہوسکتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک سیلِ رواں ہے، دریائے خیالات وتفکرات ہے جو ہر ہر لمحہ ہمارے ذہن وقلب سے گزر رہا ہے۔ ہمارے جذبات اس میں کہاں کہاں کیا کیا رنگ ریزیاں کررہے ہیں ہم یہ بھی عام طور پر زیادہ نہیں جانتے۔

میں نے اوپر جو ذیلی عنوانات کے تحت دیگر چھ سات قسم کے روحانی روابط کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند کو بھی ان خیالات کی رووٴں میں سے پہچانا پڑتا ہے جبکہ اس ہمہ وقت کے رابطہ خصوصی کی پہچان کرنا ان سب سے زیادہ کٹھن ہے۔

آخر اس کا معیار و پہچان کیا ہے؟

مثال ۱...... فرض کریں آپ بھرے بازار میں جہاں بڑا رش ہے یا بھرے میلے میں جہاں لوگوں کا اژدھام ہے کچھ فاصلے پر سے کسی عزیز کو تلاش کررہے ہیں۔ آپ نے اب اپنی توجہ ہر شخص، ہر چیز، ہر محرک اور ہر نہج سے ہٹا کر اس شخص پر مرکوز کردی ہے ابھی آپ نے اسے وہاں دیکھا نہیں لیکن چونکہ آپ نے پہلے دیکھ رکھا ہے۔ اس لیے آپ کی یاداشت میں اس کی شخصیت کے جسمانی خدوخال محفوظ ہیں۔ آپ ان کو ذہن میں رکھ کر اسے تلاش کررہے ہیں تھوڑی محنت کے بعد وہ دُور رش میں آپ کو دِکھ جاتا ہے لیکن لوگوں کی بے پناہ آمدورفت اور حرکات کی وجہ سے کبھی دکھتا ہے کبھی غائب ہوجاتا ہے پھر کبھی دکھتا ہے کبھی غائب ہوتا ہے آپ اس کو نگاہ میں رکھنے کی کوشش مسلسل کرتے ہیں اور اس کی جانب بڑھتے ہی جاتے ہیں اگر آپ کی تلاش کا معیار درست ہے کوشش وکاوش ٹھیک سمت ہے تمام عمل process ٹھیک چلتا جاتا ہے تو آپ تھوڑی دیر میں اس تک پہنچ جاتے ہیں اگر یہ سب درست نہیں یا اس میں فرق اور سقم ہے تو ممکن ہے کہ آپ اس تک نہ پہنچ سکیں۔

مثال ۲...... آپ کسی ایک مقام پر اپنا ریڈیو اسٹیشن یا مطلوبہ TV چینل تلاش کررہے ہیں اپنے ریڈیو یا TV کی مدد سے جہاں اس کی نشریات بہت دور ہونے کی بنا پر بہت ہی کم پہنچتی ہیں۔ آپ کے پاس مطلوبہ مواصلاتی نظام نہایت جدید ریسپٹرز receptors کے ساتھ موجود ہے لیکن آپ چونکہ کسی اور ہی جہاں کی نشریات catch کرنے کے چکر میں ہیں اس لیے شور شرابا بڑا ہے صرف لمحے بھر کے لیے محض ایک آدھ سیکنڈ کے لیے اس اسٹیشن یا چینل کی جھلک دکھتی ہے پھر غائب ہو

Marfat.com

جاتی ہے آپ اس کے سیٹ کرنے میں بڑی محنت کرتے ہیں پھر دھیرے دھیرے اس میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں لیکن ایک وقت وہ بھی گزر چکا ہے جب آپ عام لوگوں کی طرح اس کا شعور ہی نہ رکھتے تھے اس وقت جانے کہاں سے بیرونی دنیاؤں سے کسی بڑی ہی زبردست طاقت کا پیغام خود بخود آپ کے ریڈیو TV پر سنائی دیتا تھا جو محض لحہ بھر کے لیے یا چند لمحوں کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن آپ بعد میں اس کے مطابق حالات و واقعات کو ہوتا دیکھ کر اس کے قائل ہوتے چلے گئے تھے۔ اب آپ کو اس کا یقین حاصل ہے پہچان حاصل ہے اس لیے آپ اب خود بھی جستجو کرنے لگے ہیں دعائیں اور کوشش کرنے لگے ہیں پھر اس طاقت عظیم کو خوش کرنے کے لیے کام بھی اس کے احکامات کے مطابق کرنے لگے ہیں یوں دھیرے دھیرے اس نے خوش ہو کر آپ کی ذاتی کوشش کو قبول کرتے ہوئے بھی آپ سے رابطہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ آپ نے اس سارے process عمل وطریقِ روابط کی اتنی پریکٹس کی بلکہ پریکٹس تو شاید اس ہستی کی عظیم کشش کی بنا پر خود ہی ہوتی چلی گئی تھی۔ اصل میں اس کی عطا کی لگن میں آپ ایسے لگے کہ اب اکثر جب آپ مناسب ماحول میں باقی لوازمات کے ساتھ موجود ہوں تو آپ کو رابطہ کرتے دیر نہیں لگتی۔ ہاں کبھی کبھی رابطہ نہیں ہو سکتا یا انتظار کا پیغام ملتا ہے، رابطے سے انکار کر دیا جاتا ہے خاموشی کا حکم ملتا ہے یا التوا کا اعلان کیا جاتا ہے سو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اختیار بہر حال اس عظیم ہستی کے پاس ہے جہاں سے تمام پیغامات آتے یا روابط ممکن بنائے جاتے ہیں آپ کے پاس کوئی استحقاق یا ذاتی مہارت و مالکانہ حقوق اس عظیم رابطے communication کے نہیں ہیں۔

مثال ۳...... ہم مثال نمبر ۳ کی تفصیل میں جا کر وقت ضائع نہیں کریں گے بس آپ مثال نمبر ۲ کے مطابق اسے آج کل کی انٹرنیٹ کمیونیکیشن کی ٹیکنالوجی پر لاگو کر کے خود ہی دیکھ لیں پھر نہایت خفیہ اور محفوظ ترین معلومات جن کا حصول آپ کو ممتاز حیثیت دلا سکے کو open کرنے یا decode کرنے کے معاملات کو سامنے رکھ لیں۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ یہ کوئی wicki leaks کی طرح کا دنیوی معاملہ ہی نہیں ہے بلکہ عطا، انتخاب، صلاحیت اور ریاضت کا معاملہ ہے جو یقین میں گُندھا ہوا ہے۔ آپ نے اس طرح کی ناقص مثالوں ہی سے قدرے حقیقت کو سمجھا ہے۔ میرے پاس اس سے بہتر مثالیں نہیں ہیں۔ صوفیاء اور اولیاء تو انھیں نا قابل بیان سمجھ کر بیان ہی نہیں کرتے۔ کیونکہ جاننے کے لیے پہلے اہلیت ثابت کرنا پڑتی ہے پھر واقعی 90% معاملات کو الفاظ کے سہارے بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ تمثیلات سے ہی اس کی سن گن ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا روم جیسے عظیم محرم راز صوفیاء اور علماء نے بھی اس طریق کو نثر و نظم کے تمثیلی انداز کے توسّط سے ذریعہ اظہار کے قابل سمجھا ہے۔

اب براہ راست اس رابطے پر کچھ بات:

گزشتہ مثالوں سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ صوتحال کس قسم کی ہوتی ہے۔ اصل میں ان بے پناہ قسم کے

Marfat.com

خیالات، آوازوں، الہامات والقاء کے ساتھ جذبات کی آمیزشوں میں سے ایک ایسی ہستی کی شناخت کرنا اس کی آواز یا کلام یا القا یا گفتگو کو پہچاننا انتہائی کٹھن کام ہے جو سب سے ممتاز ہے۔حق، سچ اور خالص پن کی انتہا ہے۔ان بے شمار خیالات اور آوازوں اور پیغامات میں سے اس خاص الخاص گُلِ لالہ کو شناخت کرنا دماغ کا یا ذہن کا کام نہیں ہے نہ ہی یہاں عقل وفہم یا دانش وتدبر کام دیتے ہیں نہ فلسفہ مدد کو آتا ہے نہ کوئی باہر سے رہنمائی کرتا ہے۔ یہاں علم بے بس ہے منطق مجبور ہے۔یقین جانیئے یہاں صوفیہ وعلماء کی کوئی تعلیم کوئی کتاب کام نہیں دیتی۔اس کی شناخت محض اللہ کی عطا وفضل عظیم سے دل کرتا ہے قلب گواہی دیتا ہے کہ بے شمار گلوں میں سے جو کہ مثبت خیالات و پیغامات اور جذبات کی صورت میں ملائک لے کر پیش ہوتے رہتے ہیں گلاب کون سے ہیں چنبیلی کی خوشبو کہاں ہے دیگر طبیعت کو من کو بھانے والی مہک کہاں کہاں ہے اور پھر وہ خاص و یکتا گُلِ لالہ کون سا ہے۔یقین جانیئے جب اس پر دل کی آنکھیں مرکوز کی جاتی ہیں لاکھ تقویٰ کے ساتھ تو ہر ہر لحظہ طرح طرح کے روپ میں اس میں شیطان اپنی بات ملانے کی نہ صرف پوری کوشش کرتا ہے بلکہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا ملائک کی جانب سے مثبت پیغامات بھی اس خاص منزل تک پہنچنے میں نادانستہ یا فطرتاً حائل ہوتے ہیں۔ جتنا فضل الٰہی ہو۔جس کی جتنی پہنچ ہوا تنا ہی وہ شخص آگے بڑھ سکتا ہے۔درجہ بہ درجہ یہ ملائک کے پیغامات بھی خوش نصیبی پھر اپنے اپنے مقام کے مطابق بڑھتے بڑھتے انتہائی خوش نصیبی بن جاتی ہے۔Hotline پر رابطہ یا ہمہ وقت (یعنی ہر وقت) رابطہ تقریباً ہر سوال کا جواب وہ بھی اگر خود خدائے تعالیٰ کی جانب سے ہو چاہے جتنے بھی پردوں سے ہو یہ بڑی ہی انوکھی اور عجیب بات ہے اور عطائے خداوندی کی میں سمجھتا ہوں انتہاؤں میں سے ایک انتہا ہے۔یہ الگ بات کہ ہم اسے کتنا سمجھ سکتے ہیں؟ کتنا یقین رکھتے ہیں؟ کتنا ادراک کر سکتے ہیں اس کی کتنی سہار رکھتے ہیں اور اس طریق کا کتنا عملی شعور رکھتے ہیں۔ادب کی کیا حد رکھتے ہیں۔ ہمارے اندر کی شخصیت کا معیار تقویٰ کیا ہے؟ قرآن کو ہم کتنا جانتے پہچانتے اور اس پر ایمان کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں؟ یہ سب کی سب باتیں اس ضمن میں ہماری کامیابی، بڑھوتری اور قرب الٰہی کا باعث بنتی ہیں۔اپنی اپنی شخصیت کے مطابق۔اس سے آگے کی گفتگو مناسب نہیں ہے یہاں تک بھی جو جو کچھ لکھا ہے اسے ہضم نہ کر سکنے والے اپنی بدہضمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زبانیں دراز کر سکتے ہیں۔اسی لیے تو حضرت سلطان باھوؒ فرما گئے ہیں۔

شریعت دے دروازے اُچے　　راہ فقر دا موری ھُو

مُلّا ملوانے لگن نہ دیندے　　جیہڑا لنگھے لنگھدا چوری ھُو

لیکن اس عادت کا کیا کروں کہ فیضِ حق ظہور ہو یا مستور اسے عام کرنے پر طبیعت مجھے مجبور کرتی ہے چاہتا ہوں جس طرح میرا ہاتھ عین منجھدار میں ہر کسی نے چھوڑ دیا، آگے کی بات نہ بتلائی، آگے کی جانب رہنمائی نہ فرمائی آپ کے ساتھ حتی الوسع ایسا نہ ہو۔

Marfat.com

علمِ لدنی:

علم لدنی کی صاف وشفاف اور روشن مثال قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ اور بندۂ خدا کی ہے جو حضرت خضرؑ کے نام سے مشہور ہیں۔آپ نے یقیناً قرآن مجید میں یہ واقعہ بار بار پڑھا ہوگا اور اندازہ کرلیا ہوگا کہ یہ علم کس قدر وسیع ہے۔یہ اللہ کے علوم میں سے ایک خاص الخاص علم ہے جس طرح سے آدمؑ میں اللہ پاک نے اپنی روح پھونکی مگر اسے غیر فعال unactivate کر دیا پھر حضرت عیسیٰؑ میں جب قدر فعال کیا تو دنیا نے کیا کیا عجائبات دیکھے،معجزات دیکھے۔اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے علم عطا فرما کر حضرت خضرؑ کے لیے اسے فعال activate کر دیا۔جس کی وجہ سے قرآن مجید کے ذریعہ دنیا نے کیا کیا عجائبات دیکھے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے جیّد اور اعلیٰ ولاڈلے پیغمبرؑ کے لیے بھی ان پر چپ رہنا ناممکن بن گیا۔ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ہر ہر شے کا ہر ہر طرح کا علم انسان کو اور ہر ہر مخلوقِ عرض وسما بلکہ کائنات کو اپنے علم ہی سے جتنا چاہا عطا کیا ہے اس میں وحی والہام اور رویا اور القاء نیز کشف بھی آجاتے ہیں۔ان سب کی بڑی شان ہے۔وحی رُسل کی بات ہی نرالی ہے لیکن جیسا کہ موسیٰؑ کے اس مذکورہ بالا واقعہ کی بات ہے علم لدنی کوئی اور ہی چیز ہے۔یہ بحر و بر کی ہر ہر حرکت وحکمت پر مبنی علم ہے جسے عطا ہوتا ہے اس میں سے عطا ہوتا مکمل علم یہ والا بھی صرف اور صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہی کے پاس ہے۔ وحی کا اپنا میدان،ضرورت واہمیت اور کام ہے اہل وحی رسولوں اور پیغمبروں کے اپنے اپنے درجات کے مطابق مقامات و اعزازات ہیں۔علم لدنی کا اپنا الگ میدان اہمیت اور کام ہے۔یہ جن جن اولیاء،صوفیہ اور حکمت کے شناروں کو ملتا ہے ان کی ڈیوٹیاں بھی اپنے اپنے مقام وعلم کے مطابق ضرور لگتی ہیں۔حضرت خضرؑ بندۂ خاصِ خدا کے قرآنی واقعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہے۔بندہ غریب کو فی الحال اس کا کوئی تجربہ یا دعویٰ نہیں ہے اور اس سلسلے میں اپنی عاجزی کا اقرار ہے۔البتہ کہیں دور سے کچھ شائبے ہیں جنھیں ابھی یقین کا درجہ تو حاصل نہیں ہے تاہم یہ سفر تیزی سے بفضل تعالیٰ جاری ہے۔

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 60:

آسمانی اور زمینی خوان میں فرق، آگ پر یا آگ میں پکی ہوئی اشیا کے اثرات نیز ایندھن کی اقسام کے لحاظ سے تیار شدہ خوراک کی تاثیر کا تبدیل ہونا

پہلے ہم اس قسم کا عنوان قائم کر چکے ہیں لیکن یوں لگتا ہے اس میں بحث کچھ تشنہ رہ گئی تھی۔ اصل میں بعض اوقات نکتوں کو کھولتے کھولتے ہم اتنے الجھ جاتے ہیں کہ دیگر ملحقہ نکات سرے سے گفتگو کی زینت بننے سے رہ ہی جاتے ہیں۔ میری اس کتاب میں ایسا یقیناً کئی جگہ پر ہوا ہے۔ ترتیب و تدوین کے دوران کوشش کروں گا کہ انھیں یکجا کر دیا جائے۔

آپ نے زمانہ قدیم کے حکیموں کے بے شمار نسخوں کی تکمیل میں یہ بات اکثر نوٹ کی ہوگی کہ مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں کو ملانے اور کھرل کرنے کے علاوہ وہ مختلف قسم کے ایندھن پر انھیں پکانے کا بھی حکم دیتے تھے۔ مثلاً فلاں شے کو سرسوں کے تیل پر، زیتون کے تیل پر، اوپلوں پر، فلاں قسم کی لکڑی پر، فلاں جانور یا پرندے کی کھال میں لپیٹ کر، اس کے معدہ میں سی کر یعنی بڑے بڑے عجیب ہی طریقہ پر پکانے یا دوا بنانے کی ہدایت کرتے تھے۔ یہ صدیوں اور ہزاروں سالوں کی انسانی تاریخ میں مسلسل کھوج، محنت، جستجو، تحقیق، ضرورت اور مہارت کا ہر دور میں نئے سے نیا نتیجہ پیدا ہونے اور نئی نئی معلومات حاصل ہونے کا صلہ تھا اور ہے کہ بے حد پیچیدہ قسم کے امراض کا ان سے علاج ممکن ہو جاتا تھا۔ چاہے وہ جسمانی ہوں یا ذہنی۔ اسی طرح سے ہر طرح کی طاقت وقوت اور استعداد بڑھانے کے لیے بھی نسخے بنائے جاتے تھے جو کہ تیر بہدف ثابت ہوتے تھے۔ پاگلوں، دیوانوں اور مستانوں کے لیے نسخے یوں ہی تیار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ صوفیاء کی مدد سے اور چونکہ کئی حکیم صوفی عالم حتیٰ کہ چند اولیا بھی ہوتے تھے اس لیے وہ روحانی ترقی کے لیے بھی نسخے لکھا کرتے تھے کہ کیا کیا اور کتنا کتنا اور کب کب کھایا جائے اس طرح سے اس قسم کی خوراک روحانی ترقی میں واقعی ممد و معاون ثابت ہوتی تھی۔ یہ بڑے گہرے راز ہیں آگے کی باتیں ہر کسی کے لیے نہیں کھولی جاسکتیں۔ لیکن مثال کے طور پر سمجھاتا چلوں کہ روحانی ترقی کے لیے عمر اور حالات کے مطابق خوراک کھانا چاہیے۔ اگر آپ جوان ہیں مگر غیر شادی شدہ ہیں اور جنس مخالف کی طلب شدید ہے تو آپ کو چاہیے کہ نہ صرف بمطابق قرآن روزے رکھیں بلکہ اپنی خوراک میں سے پروٹین اور روغنیات کی کچھ کمی کر دیں اسی طرح سے اگر آپ جوان اور شادی شدہ ہیں تو ان اشیاء کو خوراک میں بڑھا لیں غیر ضروری طور پر روزہ نہ رکھیں۔ جب درمیانی عمر میں پہنچ جائیں تو خوراک قدرے ہلکی اختیار کرتے جائیں۔

بہر حال ایک اصول سمجھ لیں کہ آپ جب بھی جس بھی عمر میں جیسی خوراک لیں گے وہ ویسے ہی اپنے اثرات پیدا

Marfat.com

کرے گی۔ آپ عبادت و ریاضت کی طرف جتنی رغبت رکھتے ہیں خوراک اسی قدر کم اور ہلکی اختیار کریں پھر گوشت، انڈا، مچھلی، روغنیات اور دیگر گرم اشیاء کم استعمال کریں۔ ایسا ماحول اختیار نہ کریں کہ جو آپ کی عبادت و ریاضت کے لیے نقصان دہ ہو۔ اصول یہ ہے کہ آپ صرف وہ چیز اور اتنی چیز کھائیں جو کہ بالکل معلوم ہی نہ ہو کر کچھ کھایا ہے پیٹ بالکل ہلکا اور خالی ہی محسوس ہو۔ بس بھوک بمشکل ختم ہی ہوئی ہو۔ کھانے کی اشتہا پر مت جائیں۔ ہم پہلے ہی چند نوالوں پر بھوک کا سامان کر لیتے ہیں جبکہ باقی بہت سی خوراک مزے اور اشتہائے خوراک کے لیے کھاتے ہیں، رسماً کھاتے ہیں۔ ہاں آپ اپنے کام کے مطابق زیادہ بھی کھا سکتے ہیں یہ آپ کے کام پر انحصار ہے کہ آپ کتنا مشکل، محنت طلب اور جسمانی مشقت والا کام کرتے ہیں۔ پس ہر طرح کے کام والے بندے کو اتنا کھانا چاہیے کہ پیٹ اور طبیعت پر بوجھ نہ پڑے۔ جبکہ عبادت و ریاضت میں کثرت اختیار کرنے کے لیے ظاہر ہے کہ بیٹھنا یا عبادت میں کھڑے رہنا (حالت قیام) پڑتا ہے اسی لیے ان لوگوں کو کم سے کم کھانا چاہیے اور سادہ سے سادہ غذا لینا چاہیے۔ نیز مرچ و مصالحوں اور چٹ پٹے کھانوں سے پرہیز کرنا چاہیے بلکہ کوشش کریں کہ بے مزہ سا کھانا ہو جسے آپ صرف بھوک کی انتہائی ضرورت کے معیار کی حد تک ہی کھا سکیں نہ زیادہ کھانے کے لیے طبیعت اصرار کرے نہ آپ کھائیں۔ نہایت زود ہضم قسم کی دالیں، اُبلے چاول، چند نوالے گندم یا جو کی روٹی یا کچھ بھی ایسا جو نہ تو پیٹ میں ریح پیدا کرے نہ ہی طبیعت میں گرمی پیدا کر کے جنسی جذبات کو اُبھارے نہ ہی حاجات ضروریہ کے لیے مجبور کرے۔ عبادت میں روزے کو اسی لیے پسند کیا جاتا ہے لیکن چونکہ ہم اکثر اس کی روح سے واقف نہیں اس لیے سحر و افطار کے بے محابہ کھانے کی بنا پر ہم اس کے فیض سے عملاً محروم رہ جاتے ہیں۔ اگر آپ نے روزہ رکھا تو بہتر اگر نہیں رکھا تب بھی 24 گھنٹوں میں کھانا پینا اتنا کم اور معمولی ہو کہ عبادت و ریاضت میں بار بار کی رفع حاجات، ریح اور دیگر اقسام کے طبیعت پر بوجھ ڈالنے کی بنا پر خلل واقع نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ گیس کی نسبت لکڑ اور گوبر سے بنے اوپلوں کی آگ پر کھانا پکانا بہتر ہے۔ جو لکڑ کسی اور بہتر کام نہ آسکے نہ سائے کے، نہ پھل دینے کے نہ دیگر طرح طرح کے استعمالات کے صرف اُسے جلانے کے لیے استعمال کیا جائے اس میں بھی راز کا نکتہ ہے۔ اسی طرح سے پاک اور قابلِ خورد و نوش جانوروں ہی کے گوبر کو اوپلوں کے لیے استعمال کیا جائے اس میں بھی نکتہ ہے۔ میں مزید یہ بھی سفارش کروں گا کہ اگر ممکن ہو تو لکڑ کی نسبت گوبر کے اوپلوں کی آگ پر بنی ہوئی اشیاء استعمال کی جائیں خصوصاً عبادت و ریاضت کرنے والے ایسا کریں۔ ہو سکے تو تھوڑا بہت دودھ کا استعمال کر لیا کریں بلکہ میں تو کہوں گا کہ دودھ کو آگ پر گرم کیے بغیر جانور کے تھنوں سے نکلتے ہی پی لینا سب سے بہتر ہے۔ اگر صبح و شام اسی کا استعمال کریں جبکہ دوسری اشیاء سے حتی الوسع پرہیز کریں تو یہ سب سے بہتر ہے پرہیز گاری کے لیے۔ اونٹنی، گائے اور بکری (چونکہ ان کے نر قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائے ہیں اور بغیر نر سے چھوئے چڑھتی جوانی والی مادائیں بھی) کا دودھ ہر چیز سے انسان کے لیے بعد ماں یا دایہ کے شیر خوارگی میں پیئے ہوئے دودھ کے بہتر و ارفع ہے۔ اس موضوع پر پہلے بھی

Marfat.com

بحث ہو چکی ہے ہمارا مقصد محض اصولی طور پر کچھ نکات کی جانب اشارہ کر دینے سے حاصل ہو جاتا تھا ہم نے تھوڑی سی تفصیل محض بات کے قدرے سمجھانے کے لیے بیان کی ہے اور اسی غرض کے لیے کچھ مثالیں بھی دے دی ہیں۔

ایک خاص نکتہ:

یاد رکھیں کہ آگ چاہے کتنی بھی اچھی چیز ہے اچھے ایندھن سے جلائی جائے اپنی تاثیر میں فرق رکھنے کے باوجود ہے تو بہر حال آگ ہے اسی لیے آگ پر پکی ہوئی تمام قسم کی خوراک یا اشیاء کی نسبت بغیر آگ کے پکنے والی یا بغیر آگ کے چھوئے تیار ہونے والی اشیاء ان کی نسبت بہتر ہیں۔ مثلاً تازہ دودھ، پھل وغیرہ۔ کچی ہر طرح کی سبزیاں، سبزہ، پتے الغرض ہر طرح کی قدرتی natural چیز جسے بغیر آگ کی مدد کے اور بغیر پکانے کے قدرتی طور پر کھایا پیا جا سکے۔

پہلا درجہ عام اور ہر طرح کی آگ پر بنی ہوئی ہر طرح کی چیزوں پر مشتمل خوراک کا تھا جو ہم میں سے ہر کوئی کھاتا ہے۔ پھر اس سے اگلا درجہ کچھ خاص قسم کے ایندھنوں کی خاص آگ پر تیار کردہ اشیاء کا تھا۔ اس سے اگلا درجہ بغیر آگ کے چھوئے یا اثر کئے قدرتی اشیاء کے کھانے پینے کا تھا جو پہلی دونوں سے بہتر ہے اور عبادت و ریاضت کا شوق رکھنے والے جنگلوں ویرانوں میں بھی اپنی تنہائیوں میں ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اب ہم آخری قسم کے درجہ کی جانب بڑھتے ہیں جو اکثر نایاب یا کم یاب ہے لیکن اس سے پہلے ایک بات ضرور سمجھ لیں۔

نوٹ: پیغمبروں سے افضل بھلا کون ہے؟ وہ سب روٹی پانی گوشت سبزی غرض سب کچھ حسب ضرورت کھاتے تھے وقت اور موقع کے مطابق اور جیسا جتنا اور جب ضرورت ہوتی کھاتے تھے۔ اس لیے عبادت و ریاضت کے لیے یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ آپ آگ پر پکی چیزیں نہ کھائیں یا فلاں فلاں چیزیں نہ کھائیں یا صرف فلاں چیزیں ہی کھائیں۔ تاہم ہم ان ہدایات کو اس لیے جاری کرتے ہیں کہ بہر حال وہ پیغمبر تھے علم و حکمت کے جاننے والے اور الٰہی خزانوں کے مالک وہ تو زندگی کے مختلف مراحل و مواقعوں پر حق اعتدال یقیناً ادا کرتے ہی ہونگے پھر خوراک کے باقی معیارات تقویٰ و ریاضت و عبادت بھی چپکے چپکے نبھاتے ہونگے بلکہ بہت کچھ کرتے ہونگے جس کا ہمیں بہت ہی کم علم ہے۔ اس لیے ان کی سنت پر چلنا تو سب سے بہتر ہے اگر آپ چل سکیں۔ یہ جو آگ پر پکے بغیر اشیاء کے کھانے کی تدبیر آپ کو بتلائی ہے چونکہ عام لوگ اس پر پورے نہیں اتر سکتے۔ اس لیے اللہ پاک نے اسے نبیوںؑ کی سنت نہیں بنایا۔ نبیؐ صرف وہ طریق ظاہراً اختیار کرتے ہیں جو ان کے امتی بھی کر سکیں کیونکہ وہ نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ ویسا کر کے خوراک کو انتہائی سادہ و کم کر سکیں تو اچھی بات ہے یہ تو سیدھی اور آسان راہ ہے اور آگ پر پکی چیزوں میں شیطان کی مداخلت بھی کچھ زیادہ ہی ہے اگر آپ اس کا سامنا کر سکیں اور اسے مات دے سکیں تو بہت اچھا ہے تاہم اگر ایسا نہ کر سکیں یا مشکل پیش آئے تو بغیر آگ پر پکی اشیاء کھانے پینے کا (option) اختیار بھی بہر حال موجود ہے۔ یہ بھی پردہ ہٹا دوں کہ انبیاءؑ کو اپنے چلّوں، امتحانوں اور سختی کے طویل زمانوں میں آگ پر پکے کھانے

Marfat.com

نصیب ہی نہیں ہوتے لیکن ان باتوں کو راز میں رکھا جاتا ہے۔

آسمانی اور زمینی خوان میں فرق:

بنی اسرائیل کے واقعات سے نہ صرف بائبل مقدس بلکہ خود قرآن پاک بھی بھرا پڑا ہے۔ حضرت موسیٰ کی قوم کے لیے آسمان سے ''من وسلویٰ'' اترا کرتا تھا جس سے ان کی روحانی صلاحیتیں ظاہر ہے کہ بڑھتی اور ترقی کرتی تھیں نیز شیطان اور گناہ کی رغبت گھٹتی تھی وہ خاص الخاص قسم کا خوان آسمانی تھا۔ ہمارے اور بنی اسرائیل کے بعد کے علماء نے اس من وسلویٰ کی کیا سے کیا تعریف بیان کی ہے کہ اسے زمین سے نتھی کر کے چھوڑا ہے کسی نے بٹیر و تیتر نما پرندے کہا کہ ان کے آس پاس مخصوص اوقات میں سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں دیوانہ وار آگرتے تھے اور وہ حسب ضرورت انھیں استعمال کرتے تھے اور کسی نے اوس کی طرح آسمان سے گرنے والی کسی اور چیز کی مثال دی ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض قیاس وقیافہ بازی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔ حقیقت میں من وسلویٰ آسمانی دسترخوان پر مشتمل تھا وہ کیا تھا کیسے مہیا ہوتا تھا اس کی ہیئت وترکیب یا تاثیر کیا تھی ہم کچھ نہیں جانتے سوائے اندازے لگانے کے۔ ہاں جس وقت بنی اسرائیل نے مسلسل وہ اخوان آسمانی کھانے کے بعد اکتاہٹ کا اظہار شروع کر دیا اور زمینی اُگی ہوئی اشیاء پیاز و ککڑی وغیرہ مانگیں تو حکم ہوا کہ ''اس کے لیے تمہیں فلاں شہر میں جانا ہوگا وہاں تمہیں یہ سب کچھ ملے گا تاہم تم کتنے نادان ہو کہ بہتر کے بدلے کم تر اشیاء کو پسند کرتے ہو اور یوں خود پر ظلم کرتے ہو''۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ زمینی پیدا شدہ اشیاء کی نسبت آسمانی خوان بہتر واعلیٰ اور کئی نقائص سے پاک ہوتا ہے پھر بڑے خواص وبرکات رکھتا ہے۔ اسی طرح سے حضرت مریمؑ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ ان کی عبادت کی جگہ پر تنہائی میں ان کے لیے خصوصی آسمانی خوان اتارتے تھے جس میں عجیب وغریب، بے موسم، نئے قسم کے اور تازہ بہ تازہ پھل شامل ہوتے تھے وہ بھی کون سے تھے کیا تھے ان کی قسم کیا تھی یہ بیان نہیں فرمایا۔ بس آسمان سے اترے یا اللہ پاک نے بھیجے صرف اسی کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کا مقام کہ نبیوں بلکہ لگاتار نبیوں رسولوں کے پیدا کرنے والی نسل انسانی پھر حضرت مریمؑ کا مقام کہ خواتین میں نہایت ہی بلند مقام پر فائز اور حضرت عیسیٰؑ جیسے رُوح اللہ معجزات کے عجائبات کے مالک بیٹے کی بن باپ کے ماں۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی صحابہ اکرام کے لیے کہ تم لوگ لگاتار روزے نہ رکھا کرو اور نہ ہی بغیر افطاری کئے ایک سے زیادہ دنوں کے روزے رکھا کرو کیونکہ تم میں اور مجھ میں فرق ہے۔ مجھے میرا رب اپنے پاس سے کھلاتا پلاتا ہے جو تم نہیں کھاتے اور نہ ہی جانتے ہو۔ تو یہ کیا تھا ظاہر ہے یہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ ہی کا راز ہے لیکن ہے تو آسمانی خوان ہی کی اقسام میں سے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہ آسمانی خوان اور خوراک خورد ونوش زمینی خوراک سے بدرجہا کئی گنا بہتر ہے اعلیٰ وارفع ہے اس کے باطنی خواص، روحانیت کی خصوصی بلندیوں پر سفر کے لیے ایندھن فراہم کرتے ہیں نیز یاد رہے کہ یہ آگ پر پکی ہوئی اشیاء پر مشتمل نہیں ہے۔

Marfat.com

اولیاءاللہ کی ایک جماعت بھی اس آسمانی خوان کی اپنے اپنے مقام ودرجہ کے مطابق حقدار ٹھہرائی جاتی ہے:

ایسے کئی اولیاء اللہ اپنے اپنے وقت پر ہو گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہو سکتے ہیں کہ جو اس ظاہر دنیا کے زمینی پکوانوں اور خوانوں کو آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھتے وہ اپنی خوراک دھیرے دھیرے کم کرتے کرتے اتنی زیادہ کم کر دیتے ہیں کہ 24 گھنٹوں میں شاید چائے کی پیالی یا آدھی روٹی یا کسی پھل کا کچھ حصہ یا کسی کچی سبزی کا ایک دانہ یا کاش وہ بھی اس لیے کہ پردہ قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ کے راز ظاہر نہ ہوں ورنہ لوگ شرک کرتے ہوئے انھیں خدا بنا لیتے یا خدائی میں شریک کر لیتے ہیں اور کئی دیگر حکمتیں بھی یقیناً ہو سکتی ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ زمینی پیدا شدہ اشیاء یا ان اشیاء کو کھا کر زندہ رہنے والے جانوروں کی نسبت آسمانی ہر ہر طرح کے خوان سینکڑوں ہزاروں درجے بہتر ہیں مگر ہمیں نہ تو ان کا شعور ہے نہ ہم ان کے اہل ہیں۔

آسمانی خوان کے حصول کے لیے اہلیت کیا ہے؟

جب ثابت ہوا کہ یہ بہتر ہیں تو پھر آخر اہلیت کیا ہے؟ آپ بھی کہیں گے کہ کمال آدمی ہے ہر بات کو قرآن پر ہی آ ختم کرتا ہے۔ یقین جانیے یہ محض میرے ایمان یا کسی قسم کے تعصب کی بات نہیں ہے بلکہ حقیقت ہی یہ ہے کہ وحی الٰہی کے بغیر خالص اور ٹھیک بات بنتی ہی نہیں ہے نہ ہی رہنمائی ہر کھوٹ سے بلند ہو کر مقام بلند و بے مثل حاصل کر سکتی ہے۔ سو جب ہم اس ضمن میں اہلیت کی بات کریں گے تو ماسوائے اس کے کیا اہلیت ہو سکتی ہے کہ جب آپ کا ایمان خدائے وحدہٗ لاشریک پر حقیقتاً ایسا ہو کہ جیسا ہونے کا حق ہے جیسا قرآن نے فرمایا ہے کہ وہ ہر ہر جگہ پر شاہد و ناظر اور سمیع وعلیم ہے۔ ہر ہر شے کا خالق و مالک اور مختار یکتا ہے ہم اس کے ہر ہر حکم کے غلام ہیں عاجز ہیں ہماری حقیقت کچھ بھی نہیں ہمارا اختیار عارضی اور محدود ہے اور مرنے کے بعد روز حشر کو ہمیں اپنے ہر ہر فعل بلکہ نیت وخیال کہ جس کو ہم نے اپنے لیے own کیا پسند کیا اس کا جواب بھی دینا پڑے گا اور اچھا یا برا اجر جنت یا دوزخ کے کسی نہ کسی درجہ کی صورت میں ہمیں ضرور ملے گا۔ یہ تو مختصر سے ایمان کی بات ہے البتہ اس پر یقین یوں ہو کہ جیسے آگ پر جلانے کا، دریا پر بہانے کا، شیر پر کھانے کا، چڑیل پر ڈرانے کا اور گدگدی پر ہنسانے کا یقین کرتے ہیں گو کہ یہ سب مثالیں ناقص ہیں یہ کبھی اپنی تاثیر واثر کھو بھی سکتی ہیں لیکن اللہ پاک کی عظیم وعجیب بلندیوں ورفعتوں کی مالک بے مثل، بے انتہا اور یکتا ہستی کی حیثیت ومقام اور صفاتِ لاانتہا کبھی بدل نہیں سکتے۔ اب اس خدا نے جو ہدایات و احکامات عطا فرمائے ہیں ان کا مکمل خزانہ مکمل کوڈز کا دفتر اور دنیوی واخروی زندگی کو کامیابیوں سے ہم کنار کرنے والی کتاب قرآن حکیم ہے۔ آپ اس کو بار بار بغور پڑھیں سمجھیں۔ اس پر تدبر وتفکر کی دل وجان سے مسلسل ساری زندگی کوشش کریں اور ساتھ ساتھ جو جو کچھ جتنا جتنا سمجھ آتا جائے اس پر پورا عمل کرتے ہوئے دوسروں کو بھی ممکن ہو تو سمجھاتے جائیے۔ جب آپ اس طرح کی زندگی ایمان ویقین اور قرآنی احکامات کے مطابق اعمال کی صورت میں اختیار کر لیں گے تو پھر میری گزشتہ کئی عنوانات کے تحت کی گئی گفتگو میں سے اس سے متعلقہ گفتگو سے آگے کی رہنمائی حاصل فرمائیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ ایک

Marfat.com

ایسی عبادت وریاضت والی زندگی کی انتہا تک پہنچیں گے کہ آپ آسمانی خوان کے بالآخر اگر رب تعالیٰ قبول فرمائیں تو حقدار قرار پائیں گے۔ آسمانی خوانوں کی فصلیں ایمان وقرآن ہی کے ذریعہ سے کاشت ہوتی ہیں۔ یہیں سے ان کے گوڈی پانی اور کھاد مہیا ہوتے ہیں۔ اسی کی ہوائیں اس فصل کو پکاتی ہیں اور بالآخر جب آپ انمٹ ایمان ویقین کے ساتھ مسلسل عبادات میں مصروف رہتے ہیں تو آپ کے لبوں تک بھی لاتی ہیں۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر 61:

سربراہ مملکت و ادارہ جات درجہ بہ درجہ اور نمائندگان حکومت کے لیے طریق انتخاب کا قرآنی اصولِ الیکشن

میں نے آج کے دور کے دیگر المیوں میں سے حکومت و سیاست کے ناقص نظام کو ایک المیہ قرار دیتے ہوئے اس کی اصلاح پر قرآن کی روشنی میں غور کی کوشش کی ہے۔ مجھے تمام قرآن مجید میں انبیاء و رسلؑ کی صفات پر تو کافی رہنمائی ملی ہے اور اکثر کو یا کہیں کہ کئی انبیاءؑ کو ساتھ حکومت بھی دی گئی تھی لیکن غیر نبیؑ حکمران کے لیے سوائے جالوت و طالوت والے قصے کے کہ جہاں بعد میں حضرت داؤدؑ جالوت کو دوران جنگ قتل کر کے خدا کی حکمت کے ذریعے ان پر برتری حاصل فرما لیتے ہیں اور کہیں بھی بادشاہ بننے کے لیے رہنما اصول نظر نہیں آتے۔ ہاں اگر امام وقت ہی کو بادشاہ مانا جا سکے جیسا کہ ہونا بھی چاہیے جو کہ اصل شے ہے تو پھر اس کے لیے تو تقویٰ میں برتری ہی معیار ہے لیکن خلفائے راشدین کے ادوار میں آخر پر اس معیار پر پرکھنا مشکل ہو گیا تھا بلکہ پہلے انتخاب ہی کو بہت سوں نے اس معیار کے مطابق ٹھیک تسلیم نہ کیا تھا دل سے۔ تاہم ظاہر تسلیم کر لیا تھا یا یوں کہیں کہ اکثریت کی رائے کو مان لیا تھا گو کہ اس اکثریت کی تعریف پر بھی بڑے اہم اصحابؓ کو تحفظات تھے۔ اس لیے اگر تو امام وقت کو منتخب کر کے اس کے سپرد حکومت کی جا سکے پھر تو سب سے بہتر طریق یہی ہے۔ اس کے لیے تمام قرآن پر ایمان و عمل کو بنیاد بنایا جائے گا۔ یہی تقویٰ ہے اس کے سوا تقویٰ کوئی دیگر شے نہیں ہے۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے تو دنیوی اعتبار سے بھی خدائے کریم نے طالوت کیلیے جو معیار قائم فرمایا تھا کہ وہ اپنی قوم میں سے اس لیے منتخب فرمایا گیا تھا کہ وہ دوسروں کی نسبت علیم و جسیم تھا۔ میں نے قرآن کے مطابق متقی امام اور قرآن ہی کے مطابق علیم و جسیم میں فرق محض آج کے دور کا ایک خلاء پر کرنے کیلیے مصلحتاً اور حکمتاً کیا ہے ورنہ در حقیقت دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ متقی امام بھی وہی ہو سکتا ہے جو کہ علم میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو اور امام سے مراد محض نماز کی ہی امامت نہیں ہے بلکہ leadership مراد ہے کسی قوم کو leadership مہیا کرنا۔ آج کل کے مسجد کے امام نہیں کہ نماز، روزہ اور شریعت کے مسائل لوگوں کو بتلاتے اور نماز پڑھاتے ہیں۔ یہ پیشہ ورانہ طور پر صرف یہی کام کرتے ہیں یہ لوگ کسی بھی سطح کی لیڈرشپ قطعی مہیا نہیں کرتے کیونکہ یہ اکثر دنیوی تعلیم ہی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ورنہ تو نبیوں کے وارث علماء اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ دین و دنیا دونوں کے علم میں اپنے ماحول کے افراد معاشرہ سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور ذہنی و جسمانی طور پر بھی صحت مند ہوتے ہیں۔ بہر حال آپ محترم جالوتؑ کو دنیوی بادشاہت یا سربراہی کے لیے معیار بنا سکتے ہیں کہ بادشاہ یا سربراہ مملکت قرآن کا مکمل علم رکھتا ہو گا اس

Marfat.com

کو ذہن و دل میں رکھتے ہوئے دنیوی علم پر بھی دوسروں کی نسبت فوقیت رکھتا ہوگا۔ اپنے سیاسی پیشہ ورانہ علم میں مزید بڑھا ہوا ہوگا۔ وزارت وسفارت اور ملکی وبین الاقوامی کئی قسم کے عہدوں پر فائز رہ کر خود کو ثابت کر چکا ہوگا تب کہیں جا کر سربراہ مملکت کے الیکشن میں امیدوار بن سکے گا۔

ٹھہریئے میں آپ کو اس سے بھی مکمل نظام قرآنی کی جانب لے جاتا ہوں:

اگر سورۃ البقرہ کی انہی آیات پر غور کیا جائے کہ جن میں طالوتؑ وجالوت کا قصہ حضرت داوٗدؑ کے زمانہ ونبوت کا بیان ہوا ہے تو یہیں سے مکمل رہنمائی بھی ملتی ہے نظام حکومت وسیاست کے لیے۔ جب حضرت داوٗدؑ کی قوم نے اپنے نبیؑ کے حضور اصرار کیا کہ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر فرمایئے حکمران وسپہ سالار مقرر فرمایئے کہ ہم اس کی قیادت میں اللہ کی راہ میں لڑیں جہاد کریں تو باقی سوال جواب کے بعد انہوں نے خدا کے حکم ورضا سے حضرت طالوتؑ کو ان کا سپہ سالار اور بادشاہ مقرر فرمایا۔ جنہوں نے اپنی تمام حکومت وسربراہی کی رِٹ قائم کی حضرت داوٗدؑ کے حکم پر اور پھر فوج کی کمان سنبھالی۔ تمام معرکہ میں انہی کے احکامات پر عمل کیا گیا اور حضرت داوٗدؑ بھی اس لشکر میں بطور پیشوا نبیؑ کے اور مجاہد شامل ہوئے انہی کے ہاتھوں سے جالوت مارا بھی گیا۔ اس سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام وقت ایران کے موجودہ سیاسی ڈھانچے کے مطابق سربراہ مملکت سے الگ ایک سپریم کمانڈر کا عہدہ ہوتا ہے جیسے کہ امام خمینیؒ تھے اور بادشاہ یا سربراہ مملکت ایک سیاسی حکومت کا سربراہ ہوگا۔ میں نے ایرانی حکومت وسیاست کا تذکرہ وہاں سے رہنمائی لینے کے لیے نہیں کیا کیونکہ ہمارے ہاں لوگ مسلک کے اختلاف کی وجہ سے فوراً بدک جاتے ہیں۔ بلکہ اسے قرآن مجید کے قریب تر پاتے ہوئے جس سسٹم کی جانب میں رہنمائی کرنا چاہتا ہوں اس کے لیے مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ یقیناً ایرانیوں نے بھی اپنے حکومتی سسٹم کو امام خمینیؒ جیسی شخصیت کی رہنمائی میں قرآن ہی سے اخذ کیا ہوگا۔

امام وقت یا صدر اور وزیر اعظم و پالیمنٹ کی اہلیت واختیارات:

امام وقت ایمان اور علم وعملِ قرآن پر سب سے بڑھا ہوا اور انتخاب کے ذریعہ تسلیم شدہ ہوگا۔ ساتھ میں حکومت و سیاست اور دیگر دنیوی علم میں بھی اعلیٰ مقام ومہارت کے ثبوت اپنی شخصیت کے پس منظر میں رکھتا ہوگا۔ ویسے تو بادشاہ یا حکمرانِ وقت جسے آپ وزیر اعظم کہہ سکتے ہیں وہ بھی بالکل یہی خواص رکھتا ہوگا اور ان میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہوگا۔ لیکن فرق یہ ہوگا کہ صدر یا امام وقت یا سپریم کمانڈر کی شخصیت پر علم حکومت وسیاست میں اعلیٰ ترین مقام کے باوجود قرآنی علم و حکمت غالب ہوگا۔ جس کی گواہی اس کی شخصیت دے گی اس کی دعائیں، اس کی التجائیں، اس کی آہیں اثر رکھتی ہونگی۔ وہ الٰہی کرامات وکرشمات رکھتا ہوگا۔ جبکہ وزیر اعظم جو حکومت کا سربراہ ہوگا وہ باوجود اعلیٰ متقی علیم وجسیم وذہین اور عامل قرآن ہونے

Marfat.com

کے علمِ حکومت وسیاست وغیرہ میں قدر برتری رکھتا ہوگا۔ باقی سب نظام حکومت کا یہ سربراہ ہوگا۔ تمام ملک وحکومت چلانا پورے اختیارات کے ساتھ اس کا کام ہوگا۔ یہ قومی اسمبلی کی 2/3 اکثریت سے منتخب ہوگا۔ لیکن یہ امام وقت کے بہرحال ماتحت ہوگا۔ ہر اہم حکم نامے پر امام وقت کے دستخط ضروری ہونگے۔ تب ہی وہ حکم نافذ العمل ہو سکے گا یا قانون بن سکے گا۔ وزیر اعظم اسی وقت تک اپنے عہدے پر کام کر سکے گا جب تک اسے امام وقت کا اعتماد حاصل ہو۔ امام وقت کے پاس وزیر اعظم کو برطرف کرنے کا اختیار ہوگا۔ بلکہ انتخاب کے بعد منتخبہ گیارہ رکنی سپریم حکمران کونسل کے علاوہ تمام کی تمام مجلس شوریٰ یا قومی اسمبلی کو بھی 40 رکنی سپریم حکمران کونسل کی سفارش پر برطرف کر سکے گا۔ امام وقت کو ہٹانے کا طریقہ کار آگے اس کے انتخاب کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

آپ کہیں گے اس سے ملتے جلتے نظام تو دنیا میں چل ہی رہے ہیں اس میں کیا خاص بات ہے لیکن اس کی خاص بات نمائندگان قوم کا اور دیگر سب عہدوں کے انتخاب کا طریق کار ہوگا اور ووٹرز کی اہلیت بھی ایک خاص اور اہم معیار قائم کرے گی۔

ووٹرز کو ہدایت:

جب دین ودنیا میں کامیابی کے لیے بلکہ یوں کہیں کہ دنیا وآخرت میں کامیابی کے لیے (کیونکہ دین تو ہے ہی مکمل ضابطہ حیات کا نام جس میں دنیا وآخرت سب شامل ہے)۔ آپ اپنے نمائندگان کا انتخاب کرنے نکلیں گے تو آپ کے ذہن میں ان کے انتخاب کے لیے کیا معیار ہوگا؟ سوائے قرآن کے مطابق معیار قائم کرنے کے۔ کیونکہ ہم اپنے پاس سے قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر قوانین بنانے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ معیار جو بادشاہ وقت کے لیے قائم کیا ہے قرآن نے سورۃ بقرہ میں طالوتؑ کو علیم وجسیم کہہ کر وہی معیار تمام حکمران نمائندگان کا درجہ بہ درجہ ہوگا۔

ایک وضاحت:

چونکہ اسلام میں رنگ، نسل، زبان، پیشہ ذات یا کسی دیگر مصنوعی تخصیص کی بنا پر کوئی برتری یا تمیز نہیں ہے سوائے پہچان کے اس لیے تمام کے تمام تعصّبات اس سسٹم میں جگہ نہ پاتے ہوئے ختم ہو جائیں گے صوبائی اکائیوں کی بنیاد ان میں سے کوئی شے نہ ہوگی صرف انتظامی نقطۂ نظر سے مملکت کی حدود کو چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کیا جائے گا باقی سب نظام عدل کی بنیاد پر چلے گا۔

انتخابی نظام کے تحت گو کہ تمام ملک میں عدل کی بنیاد پر آبادی کو برابر یونٹوں میں تقسیم کر کے انتخابی حلقے بنائے جائیں گے اور الیکشن کروا کے قومی اسمبلی منتخب کی جائے گی لیکن چونکہ اسمبلی کی رکنیت کے لیے علیم وجسیم کی بنیادی شرط قائم ہے اس لیے دیکھنا ہوگا کہ ہر انتخاب کے لیے اپنے حلقے میں کھڑا ہونے والا نمائندہ کتنا متقی و پرہیزگار ہے اس کا ماضی کیا ہے اس کی

Marfat.com

تعلیم کیا ہے اس کا قرآنی علم کس درجہ کا ہے۔اس کا ایمان وعمل کیسا ہے قرآن کے مطابق اور وہ جسمانی وذہنی طور پر بھی فٹ ہے اور دوسروں پر سبقت رکھتا ہے یا کہ نہیں۔ جسمانی سے مراد آج کے دور کے مطابق پہلوان ہونا یا فوجی گوریلا ہونا نہیں ہے۔ بلکہ بس اچھی صحت کا مالک اور صحت مند عادات کا مالک ہونا ضروری ہے اسی طرح سے ذاتی طور پر صحت مند ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین وفطین بھی ہونا چاہیے۔

ووٹر کی اہلیت:

اب جب ایسے لوگوں کے انتخاب کی ضرورت پیش آئے گی تو ان کے منتخب کنندگان یعنی ووٹرز کا معیار بھی تو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ انھیں منتخب کرنے کے اہل ہوں۔ لہٰذا ان کا معیار کچھ اس طرح سے ہوگا اور اس معیار پر پورے نہ اترنے والے ووٹ نہ دے سکیں گے نہ ہی کسی طور پر انتخابی عمل کا حصہ بن سکیں گے۔

ا...... ان کی عمر 25 سال سے کسی صورت کم نہ ہوگی تا کہ وہ ذہنی پختگی کی کم سے کم سطح پر پہنچ گئے ہوں نیز قرآنی علم اور قرآنی اصولوں کے مطابق دنیوی علم میں بھی ایک خاص سطح پر پہنچ گئے ہوں تا کہ عمل انتخاب کا حصہ بننے کے اہل ہو جائیں۔

۲...... وہ جسمانی وذہنی طور پر مکمل صحت مند ہوں۔

۳...... ضعیفی کی اس حد کو نہ پہنچ گئے ہوں کہ جس میں پہنچ کر انسان دوبارہ بچوں کی طرح ہو جاتا ہے یعنی قویٰ جواب دے جاتے ہیں، یاداشت وذہانت کم تر ہو جاتے ہیں جس سے ادراک متاثر ہو جاتا ہے۔عمر کی بالائی حد عمومی طور پر 80 سال ہو، تاہم میڈیکل رپورٹ پر کمی بیشی ممکن ہے۔

۴...... مسلمان ہو اور اپنی کتاب قرآن کا خصوصی علم رکھتا ہو۔ اگر کسی اور مذہب سے تعلق ہے یا کسی دیگر غیر مسلم ریاست کا نظام ہے تو اس میں بھی یہی نظام ان کی اپنی مذہبی کتاب کے حوالے سے اسی طرح چلایا جا سکتا ہے کیونکہ سب کی سب مذہبی کتب میں حق ہی بیان کیا گیا ہے۔

نوٹ: اگر مخلوط آبادی ہے تو پھر گو کہ نظام مملکت تو غالب اکثریت کی مذہبی کتب کی روشنی ہی میں چلے گا تاہم باقی آبادی کی اپنی اپنی نسبت تناسب کے حساب سے ان کے نمائندگان کو ان ہی کے مذہب وعقیدہ سے تعلق رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ ہی چن سکیں گے۔

۵...... اپنی مذہبی کتب کا خصوصی علم رکھنے کے ساتھ ساتھ ووٹرز کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کم از کم گریجویٹ ضرور ہوں۔ اس کے علاوہ ان کا ووٹ تب بن سکے گا جب وہ ووٹر کی اہلیت کے لیے ضروری امتحان میں اپنی دینی کتاب BA کی سطح کے علم اور حکومت وسیاست سے متعلق جنرل نالج کے ایک معیاری پرچے میں بھی کم از کم 70% فیصد نمبروں سے پاس ہو سکیں۔

۶...... ووٹر سے ایک پرچہ بین الاقوامیت سے متعلق بھی لیا جائے اس کا معیار بھی یہ ہو کہ آیا ووٹر بین الاقوامی معاملات،

Marfat.com

رجحانات، ضروریات، تبدیلیوں، مصلحتوں، حکمت عملیوں ناگزیر امور اور زبان پر بھی ایک گریجویٹ کی حد تک کی معلومات رکھتا ہے یا کہ نہیں۔ اس کے ووٹ سے جو ممبر یا ممبران قومی اسمبلی و سپریم کونسل منتخب ہونگے آیا وہ بین الاقوامی امن و ترقی کے لیے معاون ثابت ہونگے یا دنیا میں فساد کا باعث بنیں گے۔ کیا وہ دنیا کے ساتھ مثبت طور پر چلنے کے قابل ہیں یا کہ نہیں۔

۷...... ذہنی یا جسمانی طور پر معذور افراد ووٹ نہیں دے سکیں گے۔ البتہ انکی ویلفیئر اور ہر طرح کی ممکنہ تعلیم و روزگار کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

۸...... ووٹر کے مندرجہ بالا معیار پر پورا نہ اترنے والے لوگ اپنی فیملی، محلے یا مکتبہ فکر کے ووٹر کے سپورٹر تو ہو سکتے ہیں لیکن خود ووٹ نہیں ڈال سکتے۔ یعنی وہ اپنے کسی قریبی ووٹر کو رائے دے سکتے ہیں اپنا نکتہ نظر بیان کر سکتے ہیں اور ترغیب دے سکتے ہیں لیکن یہ محض اخلاقاً ہوگا وہ قانوناً اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ البتہ وہ ووٹرز کی شرائط پر پورا اترنے کے لیے اپنی قابلیت بڑھا کر آئندہ الیکشن کے لیے خود کو بطور ایک ووٹر کے پیش کر سکتے ہیں۔

قومی اسمبلی یا مجلس شوریٰ کے ممبران کی اہلیت کا معیار اور اسمبلی کے اختیارات و کام کا طریقہ کار مختصراً:

قومی اسمبلی کا ہر ممبر وزیر اعظم کے معیار سے مطابقت رکھتا ہوگا۔ الیکشن کمیشن ایک ایسی باڈی تشکیل دے گا جو ان ممبران اسمبلی کا معیار انتخاب مقرر کرے گی۔ جس میں ان باتوں کا خیال رکھا جائے گا۔

۱...... ان کی معاشرے اور اپنے حلقہ انتخاب میں شہرت، دینداری و شرافت۔

۲...... ان کا تعلیمی معیار یہ ہو کہ تمام قانون و بین الاقوامی قانون میں ماسٹر ڈگری رکھتے ہوں، قرآن فہمی میں ماسٹر ڈگری ہولڈر ہوں۔

۳...... بین الاقوامی امور میں ماسٹرز کر چکے ہوں یہ تین ماسٹر یا ان تینوں کو ملا کر کوئی ایسی پنجسالہ ڈگری شروع کی جائے گی جو ان سب امور میں ان کی ماسٹر سطح کی مہارت کو چیک کر سکے۔ ان کے لیے اس ڈگری میں کم از کم 80% نمبرز یا اس سے زائد نمبر لے کر پاس ہونا ضروری ہوگا۔ آخر یہ مستقبل کے قانون ساز، قوم کے معمار اور نظریہ قومی کے محافظ ہوں گے کوئی مذاق کی بات نہیں ہے۔

۴...... ان کے پاس اس کے علاوہ چھوٹی سطح پر منتخب نمائندوں کی حیثیت سے کام کرنے کا تجربہ بھی ہونا چاہیے۔ مثلاً ضلع اسمبلی یا ڈویژنل اسمبلی کے کامیاب ممبر رہ چکے ہوں فعال کردار ادا کر چکے ہوں اور ان کے ذمہ کوئی اہم ذمہ داری رہی ہو جسے انہوں نے کما حقہ نبھایا ہو۔ اس کے علاوہ وہ ملکی و بین الاقوامی سیاست میں کوئی کردار ادا کر چکے ہوں، کسی عہدہ یا عہدوں پر فائز رہ چکے ہوں۔ ان کے مقالہ جات، مضامین، یا کام اہم اخبارات و رسائل کی زینت بنتے رہتے ہوں۔ یعنی وہ درجہ بہ درجہ اوپر آتے آگے بڑھتے خود کو ثابت کرتے نظر آئیں نہ کہ اجنبی بن کر آ کھڑے ہوں۔

Marfat.com

۵...... وہ ذہنی وجسمانی دونوں لحاظ سے نیز جذباتی ونفسیاتی لحاظ سے بھی مکمل صحت مند ہوں اور اس کا سرٹیفکیٹ الیکشن کمیشن کے ہیلتھ سیل سے حاصل کر کے پیش کریں۔

۶...... ان کی عمر کسی صورت بھی 40 سال سے کم اور 70 سال سے زائد نہ ہو۔

۷...... ہر سال ان ممبران کا میڈیکل چیک اپ ہوگا مندرجہ بالا معیار ہی کے مطابق اور جو اس معیار سے گر جائے کسی مستقل یا 3 ماہ سے زائد کسی عارضہ جسمانی، ذہنی، نفسیاتی وجذباتی میں مبتلا پایا جائے تو وہ اپنی سیٹ سے الگ سمجھا جائے گا۔

۹...... جہاں بقیہ مدت کے لیے اس کا جانشین کام کرے گا جسے ہر ہر قومی اسمبلی کے ممبر کے انتخاب کے وقت ہر کسی کے لیے الگ منتخب کیا جا چکا ہوگا۔ یعنی ہر قومی اسمبلی کا ممبر اور اس کا نائب دونوں منتخب ہوا کریں گے۔ عام حالات میں متعلقہ ممبر خود ہی کام کرے گا لیکن اس کے عارضی بیمار ہونے یا ملک سے یا متعلقہ جگہ سے باہر ہونے یا کسی بھی دیگر مجبوری کی بنا پر حاضر نہ ہو سکنے کی صورت میں اس کا نائب قومی اسمبلی کی کاروائی میں بھی حصہ لے گا اور اس کے ذمہ باقی قسم کی ذمہ داریاں بشمول وزارت ومشاورت یا دیگر نبھائے گا۔ ممبر کی موت یا مستقل نااہلی کی کسی بھی صورت میں وہ اس کی جگہ کام کرے گا۔ اگر نائب بھی کسی وجہ سے فوت ہو جائے یا نااہل ہو جائے تو پھر اس کی سیٹ باقی مدت اسمبلی کے لیے خالی رہے گی۔ اس کا کام باقی ممبران پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ یا متعلقہ پارٹی اپنے کسی تمام شرائط پر پورا اترنے والے منتخبہ پارٹی ممبر کو اس کی جگہ بقیہ مدت کے لیے نامزد کرے گی۔

۱۰...... الیکشن صرف اپنے وقت پر ہی ہونگے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے یا اتفاقاً 2/3 اسمبلی ممبران اور ان کے نائبین دونوں اپنے عہدوں پر برقرار نہ رہ سکیں تو تب باقی مدت کے لیے ان نشستوں پر الیکشن سابقہ طریق ہی سے ہوگا یہ نئے آنے والے ممبران بھی جوڑا جوڑا یعنی اصل ممبر اور اس کا نائب دونوں منتخب ہو کر آئیں گے اور صرف بقیہ مدت اسمبلی تک ہی برقرار رہیں گے۔ وقت پورا ہوتے ہی اسمبلی خود بخود ٹوٹ جائے گی تاہم اس وقت سے تین ماہ قبل ہی الیکشن کا عمل مکمل کر لیا جائے گا تا کہ حکومتی خلاء پیدا نہ ہو سکے۔

۱۱...... الیکشن گو کہ جماعتی بنیادوں پر ہی ہونگے لیکن بنیادی طور پر ملک میں دو جماعتیں ہی کام کریں گی۔ جن کے منشور میں اہلیتوں اور سسٹم کے اعتبار سے تمام انتخابی عمل کا کوئی اختلاف نہ ہوگا البتہ تعمیر وترقی کے منصوبوں اور قومی پراگرس کو بڑھانے کے لیے ان کے منشوروں میں فرق ہو سکتا ہے۔ چھوٹی جماعتیں بن تو سکیں گی لیکن اگر یہ الیکشن میں پہلے سے موجود دو جماعتوں میں سے اپنی جیتنے والی سیٹوں کے لحاظ سے کسی کی جگہ نہیں لے لیتیں تو پھر انھیں حلف اٹھانے سے پہلے اپنے اپنے ممبران کو بڑی جماعتوں میں سے کسی جماعت میں ضم ہونے کی ہدایت کرنا پڑے گی۔ ورنہ ان کی جیتی ہوئی نشستیں خالی تصور ہونگی اور وہاں next امیدوار جس کے اس سے قدر کم ووٹ ہونگے وہ کامیاب تصور کیا جائے گا۔ چھوٹی جماعتوں کے جیتنے

Marfat.com

والے ممبران کا اپنی پارٹی سے کوئی تعلق نہ رہے گا بلکہ وہ مکمل طور پر اس بڑی پارٹی کے ڈسپلن کے پابند ہونگے۔

۱۲...... قومی اسمبلی کے ذمہ ہر طرح کی قانون سازی ہوگی جو صرف قرآن یا اُس ملک کی مذہبی کتاب کی روشنی میں ہوگی۔ اس سے ٹکراتا ہوا ہر قانون، تجویز، تحریک یا بل باطل ہوگا۔قومی اسمبلی جس بل کو پاس کرے گی یہ اس کے بعد سپریم حکمران کونسل میں پیش ہوگا اگر وہ پاس کر دے تو صدر یا امام وقت کے پاس دستخط کے لیے بھیجا جائے گا۔امام وقت کے پاس پھر بھی یہ اختیار ہوگا کہ اگر اسے اس پر کوئی اعتراض ہو تو اعتراض لگا کر سپریم حکمران کونسل کو بل واپس بھجوا دے۔ایسی صورت میں کونسل یا اس کا اعتراض دور کرے گی یا اعتراض کا جواب دے کر وہ بل امام وقت کے پاس دوبارہ بھجوائے گی۔اگر دومرتبہ کونسل بل صدر یا امام وقت کو بھجوادے تو پھر اسے دستخط کرنا پڑیں گے۔اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دینا پڑے گا۔اگر وہ استعفیٰ بھی نہ دے تو پھر اس کے خلاف تحریک عدم اعتماد لانا پڑے گی جس کے ذریعے اسے ہٹا کر نیا امام وقت منتخب کیا جائے گا۔لیکن اگر تحریک عدم اعتماد کامیاب نہ ہوسکے تو پھر امام وقت نے متعلقہ قانونی بل میں اپنی دانست کے مطابق سقم دور کرنے کے لیے جو اعتراض لگایا تھا اس کے مطابق قانون کو ڈھالنا لازم ہو جائے گا اور اگر اس نے سرے سے اس بل ہی کی مخالفت کی تھی تو پھر وہ بل نامنظور تصور کیا جائے گا اور دوبارہ کم از کم اس صدر یا امام وقت کے دور حکومت میں نہیں لایا جا سکے گا۔اس سے قبل قومی اسمبلی سے بل جب سپریم حکمران کونسل کی جانب آئے گا تو اس پر بل سے متعلق قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی اس کے سربراہ، وزیراعظم اور تمام قومی اسمبلی کے ان ممبران کے دستخط ہونگے جنہوں نے اسے منظور کرنے کے حق میں ووٹ دیئے تھے۔یاد رہے کہ قومی اسمبلی میں بھی بل پر اعتراضات لگ سکتے ہیں وہاں بھی دومرتبہ کی خواندگی کے بعد ہر طرح کے اعتراضات دور کر کے ہی بل تمام دستخطوں کے بعد اوپر بھیجا جائے گا عین ممکن ہے کہ بہت سے بل یا مسوّدات قانون وہیں پر نامنظور ہو جائیں یا غور کے لیے سرے سے منظور ہی نہ کیے جائیں۔اسی طرح سے ممکن ہے سپریم حکمران کونسل اسے نامنظور کردے یا اعتراض لگا کر واپس کردے۔اگر کونسل دوسری مرتبہ بھی بل پر اعتراض لگا کر واپس کردے تو پھر تیسری مرتبہ کونسل میں پیش ہونے پر اُسے ''ہاں یا نہ'' میں جواب دینا پڑے گا ''نہ'' کی صورت میں وہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔پھر اس اعتراض کے لیے یا تو قانون سازی ہی نہ کی جائے گی یا پھر اس سے ملتا جلتا مگر کونسل کے منشاء کے مطابق یا اس کے قریب تر کوئی دیگر مسودہ قانون ہی بعد باقی مراحل کے پیش کیا جا سکے گا۔

سپریم حکمران کونسل کے ممبران کی اہلیت، قابلیت، کام اور کونسل کے اختیارات:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سپریم حکمران کونسل ایک گیارہ رکنی برتر ادارہ ہوگا۔اس کے انتخاب کے لیے ملک بھر سے منتخب کردہ قومی اسمبلی یا مجلس شوریٰ کے ممبران حصہ لیں گے۔لیکن ان میں سے کوئی بھی سپریم کونسل کی کسی بھی سیٹ کے لیے الیکشن میں کھڑا نہیں ہو سکے گا۔بلکہ

Marfat.com

۱...... سپریم کونسل کے ارکان کی اہلیت کے لیے پہلی شرط تو یہ ہوگی کہ وہ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کی شرائط پوری کرتے ہوں۔تاہم ان کا تعلق کسی بھی سیاسی پارٹی سے نہ ہو۔

۲...... قومی اسمبلی کے ممبر کے طور پر پہلے کبھی کسی بھی پچھلی حکومت یا حکومتوں میں نہ صرف کام کر چکے ہوں بلکہ اہم ترین ذمہ داریاں بھی بہ احسن نبھا چکے ہوں اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہو ریکارڈ اس کا گواہ ہو۔

۳...... اس کے علاوہ فہم قرآن اور تدبر قرآن میں خصوصی مہارت پیدا کر چکے ہوں اپنے ملک میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم (اسی طرح سے دیگر مذاہب اپنے ملک میں اسی طرح سے اپنی مذہبی کتاب کے علما کا معیار قائم کریں اگر مسئلہ سمجھیں جو کہ عموماً نہ ہوگا تو پھر قرآن کو ہی علمی قابلیت کا معیار مان لیں) چوٹی کے علما و فضلا و فقراء میں ان کا شمار ہوتا ہو۔یعنی ان چند لوگوں ہی کو اس الیکشن میں کھڑا ہونے کی اجازت ہو، جنہیں ملک بھر میں بعد دیگر اہلیت کے ایک ممتاز قرآنی اسکالر اور بین الاقوامی امور کا ماہر تصور کیا جاتا ہو۔تاہم اول الذکر صفت کو غلبہ حاصل ہو۔

۴...... یہ قرآنی اسکالر الیکشن میں دلچسپی نہ رکھتا ہو بلکہ اسے قومی خدمت کے لیے قائل کیا جائے ترغیب دلائی جائے اور درخواست کی جائے۔

۵...... وہ قومی یا کسی بڑے علاقائی سطح کی خدمت گزاری میں مصروف ہو۔یاد رہے یہ آج کل کے عمومی مُلّا حضرات یا رسمی علماء کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقیقی قرآن کے اسکالر کی بات کر رہا ہوں جو دنیوی و بین الاقوامی حکومت و سیاست کے امور کا بھی ماہر خود کو ثابت کر چکا ہو۔چاہے وہ کسی بھی شعبہ علمی میں اختصاص رکھتا ہو لیکن وہ قرآنی اسکالر ہو، تسلیم شدہ قومی سطح کا اور حکومت و سیاست کے علم اور باریکیوں کا بھی ماہر و تجربہ کار ہو۔

۶...... اس کو اس صف میں شمار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تدبر القرآن میں PhD ضرور ہو اور Applied Quran کے شعبے کا ماہر ہو۔اگر رسمی تعلیم میں PhD نہیں ہے تو اس کے برابر یا اس سے بہتر علمی قابلیت مسلّمہ ہو۔

۷...... اس کی عمر 50 تا 75 کے درمیان ہو تاہم وہ مکمل طور پر ذہنی و جسمانی، نفسیاتی و جذباتی لحاظ سے صحت مند ہو تو 80 سال کی عمر تک اہل ہوگا۔

۸...... حکمت و فقر کی طرف رجحان اضافی قابلیت شمار کی جائے۔

۹...... طبیعتاً کششِ نفس اور کششِ دنیا اسے متاثر نہ کرتی ہو بلکہ آخرت کی فکر اسے دامن گیر رہتی ہو۔

۱۰...... کونسل کا ایک چیئرمین 40 رکنی پوری سپریم کونسل چنے گی جو گیارہ خصوصی ممبران میں سے ہوگا اور یہی اسے برطرف کر سکیں گے۔ایسے لوگوں کی ایک فہرست الیکشن کمیشن کا سپریم کونسل سے متعلقہ خصوصی سیل جاری کرے گا۔ملک بھر میں ایسے چوٹی کے 40 علما و فضلا کی ایک فہرست جاری کی جائے گی۔اگر ایسے نام 40 سے زائد ہوں تو قومی اسمبلی میں ان پر رائے شمار

Marfat.com

ی کے ذریعے 40 ممبران کو چنا جائے گا جو کہ سپریم حکمران کونسل کے عمومی رکن ہونگے اور بعد میں بھی کونسل کا حصہ رہیں گے لیکن ان 40 کے ذریعہ سے خاص الخاص اور اصل گیارہ اراکین چنے جائیں گے۔ یعنی یہ 40 عمومی اراکین گیارہ خصوصی اراکین سپریم کونسل کا انتخاب کریں گے۔ قانون سازی و مشاورت میں سپریم حکمران کونسل کے تمام 40 ممبران حصہ لیں گے لیکن جب ووٹ ڈالے جائیں گے تو صرف گیارہ رکنی بینچ ہی حصہ لے گا۔ یاد رہے کہ ایسے علما وفضلا کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ملک بھر سے لیے جائیں بلکہ معیار صرف قابلیت ہوگا اور دیگر اہلیت۔ اگر کسی ایک علاقہ ہی سے ایک سے زائد ممبران اس سطح پر پورے اترتے ہوں اور قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی پھر الیکشن کمیشن کا خصوصی سیل اس بات کو تسلیم کرتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نوٹ: علم وتقوٰی کی بنیاد پر صرف قرآن ہوگا نہ کہ مسلک وفرقہ۔

سپریم حکمران کونسل کی برطرفی یا اس کے کسی ممبر کی برطرفی:

اگر تو اس کے کسی عمومی ممبر کے خلاف تحریک پیش کی جائے تو اس کا فیصلہ پوری 40 رکنی کمیٹی کرے گی ووٹ برابر ہونے کی صورت میں امام وقت کا ووٹ فیصلہ کن ہوگا۔ لیکن اگر خصوصی گیارہ رکنی کونسل کے کسی ممبر کا معاملہ ہو تو ووٹنگ میں باقی دس ممبران ہی حصہ لے سکیں گے اگر برابر ووٹ پڑیں تو صدر یا امام وقت کا ووٹ فیصلہ کن سمجھا جائے گا۔

گیارہ رُکنی پوری کونسل کی برطرفی:

پوری کونسل کو برطرف کرنے کے لیے پوری قومی اسمبلی کی 4/5 اکثریت 40 رکنی سپریم کونسل کی 2/3 اکثریت اور صدر یا امام وقت کی منظوری کی ضرورت ہوگی۔ نیز ایسی تحریک صدر و امام وقت پیش کرے گا اور اس پر 20 فیصد قومی اسمبلی کے ممبران کے دستخط بھی ہونگے۔ جب کونسل کے خلاف تحریک پیش ہو جائے تو وہ قومی اسمبلی یا صدر کے خلاف کاروائی تحریک کے فیصلے تک یا اس کے 6 ماہ بعد تک نہ کر سکے گی۔

امام وقت یا صدر کا انتخاب و برطرفی:

امام وقت یا صدر کی اہلیت کے لیے نہ صرف قومی اسمبلی کے ممبر کی تمام اہلیت پورا کرنا ضروری ہے بلکہ پھر سپریم حکمران کونسل کی نہ صرف 40 رکنی بلکہ 11 رکنی اہلیت اور قابلیت پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ پس اگر ملک وقوم میں کوئی مجدد قسم کا ولی اللہ موجود ہو اور تمام الیکٹرول باڈی یعنی قومی اسمبلی و سپریم حکمران کونسل کے 90% ارکان متفقہ قرارداد اس کے حق میں پاس کر دیں تو پھر وہ شخص بلا مقابلہ ہی امام وقت اور صدر مملکت کہلائے گا۔ ایسے بلا مقابلہ شخص کے ہٹانے کے لیے بھی اسی طرح کی قومی اسمبلی و سپریم حکمران کونسل کی 90% اکثریت کی متفقہ قرارداد منظور ہونا ضروری ہوگا۔ دونوں ایوانوں میں الگ الگ اس اکثریت سے اس قرارداد کا پاس ہونا ضروری ہے اور 60% ووٹوں سے کسی بھی ایوان میں پیش کی جا سکے گی۔ لیکن

Marfat.com

اس بلا مقابلہ انتخاب کے علاوہ سپریم حکمران کونسل کی خصوصی کمیٹی الیکشن کمیشن کے ساتھ مل کر تین ایسے اشخاص کے نام زیادہ سے زیادہ ورنہ دو اشخاص کے نام جاری کرے گی جو کونسل کے معیار سے بھی بلند معیار کے اسکالرز قرآن اور وقت کے نبّاض ہوں۔ اس کے بعد تمام ملک کے اہل ووٹرز، ووٹ کا حق امام وقت کے لیے استعمال کریں گے لیکن چونکہ عام ووٹر اس انتخاب خاص الخاص کا پوری طرح اہل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے گریجویٹ ہونے کی وجہ سے جاہل سمجھ کر الیکشن سے باہر کیا جاسکتا ہے اس لیے ان کے انتخاب کو 1/3 حصہ انتخاب تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ اسی دن اور اسی وقت میں قومی اسمبلی میں بھی امام وقت کے لیے ووٹنگ ہوگی ان ممبران کی ووٹنگ پر انتخاب کو بھی 1/3 انتخاب تصور کیا جائے گا۔ اسی دن اور اسی وقت میں پوری 40 رکنی سپریم حکمران کونسل بھی اپنا ووٹ الگ ڈالے گی۔ ان ممبران کی ووٹنگ پر انتخاب کو بھی 1/3 انتخاب مانا جائے گا۔ پھر اس سب کو ملا کر دیکھا جائے گا کہ کس نے 51% یا اس سے زائد ووٹ لیے ہیں اس کو امام وقت اور صدر تسلیم کر لیا جائے گا۔

اسی طرح سے درحقیقت عام ووٹرز ہی اپنے 1/3 براہ راست یعنی بلا واسطہ اور 2/3indirect یعنی بالواسطہ ووٹوں سے قومی اسمبلی اور سپریم حکمران کونسل کے ذریعے امام وقت و صدر مملکت کو منتخب کریں گے۔ امام وقت کا عہدہ چونکہ ملکی و قومی سلامتی کے لیے انتہائی اہم ہے اس لیے اس کے انتخاب کو احتیاطاً زیادہ کڑے امتحان سے گزارا گیا ہے ہٹانے کے لیے بھی یہی طریقہ کار ہوگا۔ تاہم اس کا آغاز 40 رکنی سپریم کونسل کی سادہ اکثریت کی تحریک پر ہوگا اور اس کی نگرانی الیکشن کمیشن کے ساتھ گیارہ رکنی سپریم کونسل بذاتِ خود کرے گی۔

اس سسٹم کے 13 نکاتی فوائد:

۱...... اس بنیادی حکومتی انتخابی ڈھانچہ کے ذریعے اور مختلف سطحوں پر قابل ووٹرز کے ذریعے قابل منتخب ممبرانِ قومی اسمبلی و وزیر اعظم، سپریم حکمران کونسل کے تمام ممبران مع چیئرمین اور قابل ترین امام وقت و صدر مملکت کا انتخاب ممکن ہو سکے گا۔

۲...... آمریت کسی بھی سطح پر نہ پنپ سکے گی۔

۳...... قرآن پاک پر نہ صرف مسلسل غور و تدبر کا عمل جاری رہے گا بلکہ اس پر مہارت رکھنے والے قابل ترین لوگ درجہ بدرجہ چھٹ چھٹا کر اوپر آئیں گے جو نہ صرف قرآن فہمی پر اعلیٰ ترین علم و ادراک کے حامل ہونگے بلکہ دنیوی علوم اور حکومت و سیاست کے تہہ در تہہ علوم میں بھی مہارت تامہ اور علمی تجربہ درجہ بدرجہ رکھتے ہونگے۔

۴...... وہ نہ صرف باکردار، باصلاحیت، تجربہ کار ہونگے بلکہ وہ اپنے کام و قابلیت کو سابقہ ریکارڈ کی حیثیت میں اسی یا کسی نچلی سطح کی انتخابی باڈی کے ذریعے ثبوت کے طور پر پیش کریں گے۔

۵...... نا اہل لوگوں کا انتخاب ممکن نہ ہو سکے گا۔

۶...... کرپشن کا خاتمہ ہو سکے گا

Marfat.com

۷...... باقی تمام ادارے بھی خوب ترقی کریں گے کیونکہ ان کے سربراہوں کو بھی اسی قسم کے معیار کے تحت امام وقت سپریم حکمران کونسل اور وزیراعظم نیز متعلقہ شعبہ کے وزیر اور قومی اسمبلی کی متعلقہ کمیٹی کے سربراہ کے مشورہ سے تعینات کرے گا۔ اگر اختلاف رائے پایا جائے تو ووٹنگ ہوگی۔ ووٹ برابر پڑنے پر امام وقت کا ووٹ جو کہ ایک اضافی ووٹ کا حق رکھتا ہوگا فیصلہ کن ہوگا۔

۸...... ایسی اسلامی حکومت یا حکومتیں بنیاد پرست، انتہا پسندانہ، یا جاہل و تنگ نظر اور وقت کی آواز سے، جدید دور کے تقاضوں سے نابلد نہ کہلائیں گی بلکہ اسلامی ہو یا کوئی دیگر مذہبی حکومت وہ اپنے دین و دنیا دونوں کی نباض اور زمانہ کی لیڈر شپ کے قابل ہوگی۔ ایسی اقوام و حکومتیں اپنے تمام تر اندرونی و بیرونی شعبوں، اداروں اور محکموں کو اتنا خالص، فعال اور متحرک کر دیں گی کہ دنیا ان اقوام پر مشتمل ایک سپریم بین الاقوامی کونسل ان کی ممبر شپ سے بنانے پر مجبور ہو جائے گی تاکہ باقی دنیا بھی ان سے مستفید ہو سکے، سیکھ سکے اور آگے بڑھ سکے۔

۹...... اس طرح سے دنیا سے فساد ختم ہو جائے گا اور امن و امان کا بول بالا ہوگا کیونکہ تمام مذاہب امن و سچائی، بھائی چارے، اخوت، قربانی، تعمیر و ترقی اور بھلائی ہی کا درس دیتے ہیں کوئی بھی آج تک ایسا مذہب پیدا نہیں ہوا جو ظلم و زیادتی، فساد فی الارض یا ناانصافی و بے ایمانی کا اور جھوٹ و فریب یا مکاری و عیاری کا درس دیتا ہو۔

۱۰...... چونکہ قرآن پاک دنیا بھر کی وحی الٰہی پر مبنی مقدس کتب میں میرے علم و ایمان کے مطابق محفوظ ترین اور جدید ترین بلکہ مکمل ترین کتاب ہے اس لیے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جو جو اقوام و ممالک بھی اس پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے اور پوری طرح عمل کرتے ہوئے مندرجہ بالا حکومتی ڈھانچے کو بنیاد بنا کر اس کی روشنی و ہدایت میں آگے بڑھیں گے اور بڑھتے رہیں گے وہ دوسروں کی نسبت بہرحال کامیاب ہونگے۔ اس لیے نہیں کہ وہ دوسروں کو ہڑپ کریں گے یا باقی دنیا پر قبضہ کرلیں گے بلکہ اس لیے کہ سب دنیا کی خوشحالی کے لیے کام کریں گے۔ لادینی ریاستوں اور اصل میں مذہبی ریاست خصوصاً قرآنی ریاست میں یہی تو فرق ہے کہ یہ تمام دنیا کی بھلائی، امن ترقی و خوشحالی اور کامیابی و کامرانی اور خوشیوں کے لیے کام کرتی ہے چاہے وہ اس کے مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا کسی بھی دیگر مذہب سے فلسفے سے اس کا تعلق ہو یا کوئی بھی ہو بہرحال وہ سب کے لیے خیر کثیر کی حامل ہوتی ہے۔ ایسی قوم ایسی ریاست یا ریاستیں دنیا کے لیے ایک تحفہ یا نعمتِ بے بہا سے کم نہ ہونگی۔

۱۱...... اگر بین الاقوامی طور پر اس قسم کا سسٹم قبول کر لیا جائے اور اس پر کام کرتے ہوئے انہی خطوط پر، انہی اصولوں اور اسی قسم کے قوانین کے تحت اس سسٹم کو مزید فعال بنایا جائے اس میں اور بھی اچھی اچھی اصلاحات reforms ساتھ ساتھ کرتے ہوئے اسے دنیا میں عام کر دیا جائے تو دنیا جنت بن سکتی ہے۔

۱۲...... انہی خطوط پر بین الاقوامیت کا سفر مل بیٹھ کر طے کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

۱۳...... شیطانی کھیل کھیلنے والی اقوام وریاستیں اس طرف نہ آئیں گی اور نہ ہی سرمائے وہوس کے پجاری لیکن ایک طاقتور ترین حق پر مبنی گروپ آف نیشنز Group of Nations ضرور بن سکتا ہے جو باطل اقوام وریاستوں کو منزل بہ منزل شکست دے کر تمام دنیا کو بالآخر جنت بنا دے۔

ایک خطرہ! گو کہ اتنے محفوظ نظام میں آمریت Dictatorship کا امکان محض 5 سے 10 فیصد سے زیادہ نہیں رہتا مگر چونکہ شیطان بہر حال اپنے رستے بنانے میں ثانی نہیں رکھتا اس لیے کبھی اگر تمام احتیاطوں کے باوجود امام وقت یا سپریم حکمران کونسل ایسی مُطلق آمریت اختیار کرلیں کہ جو عوام کی اکثریت کی نظر میں ضابطہ حیاتِ قرآنی سے متصادم ہو تو ایسے میں امام وقت اور سپریم حکمران کونسل کے خلاف تحریکِ عدم اعتماد قومی اسمبلی کے 20 فیصد اراکین مل کر پیش کرسکیں گے یا وزیر اعظم خود پیش کر سکے گا۔ ایسی تحریک کو اگر قومی اسمبلی کی سادہ اکثریت منظور کر لے تو اسے عوام کے سامنے ووٹنگ کے لیے پیش کیا جائے گا۔ 2/3 ووٹرز اس کی حمایت کر دیں تو اسی وقت صدر یا امام وقت سپریم حکمران کونسل سمیت مستعفی ہو جائے گا اور دوبارہ اِن کا انتخاب حسبِ دستور ہوگا۔ تاہم اگر تحریک ناکام ہو جائے تو قومی اسمبلی دوبارہ منتخب کی جائے گی۔

❁..❁..❁

Marfat.com

مضمون نمبر: 62

معراج انسانیت ہیروں کو بھٹیوں میں نہ جلایئے، پھانسیوں پر نہ جھلایئے اور مٹی میں نہ رُلایئے کہ یہ کبھی کبھی پیدا ہونے والے لوگ آپ کا اصل اثاثہ اور رب کے انتہائی انعام یافتہ ہوتے ہیں

محترم قارئین! آپ جس تعمیر و ترقی اور خوشحالی سے آج مستفید ہو رہے ہیں یہ ''الہ دین کے چراغ'' سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ اس کے پیچھے ان گنت انسانوں کی شب و روز کی محنت و جاں فشانی کے اجتماعاً سینکڑوں ہزاروں سال پوشیدہ ہیں آپ نے کبھی سوچا کہ ہم 99% انسان تو محض ان سے مستفید ہو کر اور عیش و نشاط حاصل کر کے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے آج کی محیرّ العقول ترقی کی بنیادیں رکھی ہیں اور بعد میں آنے والوں نے اس کے تانے بانے بنے ہیں۔ یقیناً ہمارے پاس اس فضول سوال پر ضائع کرنے کے لیے وقت ہے، ہی نہیں۔ ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ ہم جب کسی شے سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو جیب سے چند سکے یا نوٹ نکال کر بیچنے والے کے ہاتھ پر رکھتے ہیں اور اپنی مطلوبہ شے لے کر چلتے بنتے ہیں پھر آخر ان غیر ضروری چیزوں میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ لیکن ذرا ٹھہریئے اور لمحہ بھر کے لیے سوچئے کہ آج جب آپ کا کوئی جان سے پیارا عزیز کینسر سے مرجاتا ہے تو باوجود دولت کے انبار ہونے کے آپ اسے کیوں نہیں بچا سکتے؟ آپ اپنے بے پناہ پیارے جان کے سہارے کو ایڈز سے نجات کیوں نہیں دلا سکتے؟ آپ آج بھی کئی طرح کی بیماریوں سے اپنے آنکھوں کے تاروں کو کیوں محفوظ نہیں کر سکتے؟ کہ اگر کوئی آپ کی اربوں کھربوں کی دولت بھی مانگ لے تو آپ اپنے عزیز کو بچانے کے لیے فوراً دینے پر رضامند ہو جائیں گے۔ لیکن ابھی تو اس مرض یا ان امراض کا علاج دریافت ہی نہیں ہوا ہے پھر بھلا آپ کی دولت و سرمائے کا کیا فائدہ؟ تو ذرا یوں ہی سوچئے کہ ماضی قریب و بعید کے ہر ہر زمانہ میں ایسی بیماریاں موجود رہی ہیں جن کا اُس زمانہ میں کوئی علاج نہ تھا لیکن پھر ساتھ ساتھ انہی ہیرا نما سائنس دانوں کے شب و روز کی کاوشوں، محنتوں اور ریاضتوں کی وجہ سے ایک دن آیا کہ ان کا علاج دریافت کر لیا گیا اس کے بعد اس متعلقہ بیماری سے مرنے والوں اور ان کے مرنے پر رونے والوں کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی لیکن آپ نے ان دن رات جگر کا خون دے کر علاج دریافت کرنے والے سائنس دانوں کو کیا دیا؟ ان کی زندگی بھر کی خوشیوں اور بہاروں کی قربانیوں کے عوض کہ جو انہوں نے بند لیبارٹریز میں آپ کے لیے مسلسل کام کرتے ہوئے دی تھیں آپ نے انھیں چند سکے یا کرنسی نوٹ تھما دیئے! کروڑوں اربوں کا نفع جو کہ ان سائنس دانوں، ان ہیروں کا حصہ تھا وہ تو آپ کا سرمایہ دار لے گیا۔ یقین جانئے آپ نے انھیں جو چند ٹکے دیے

Marfat.com

وہ ان کی قربانیوں کے عوض کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ دولت کسی بھی قربانی کا عوضانہ ہو ہی نہیں سکتی۔ان ہیرا نما سائنس دانوں نے دولت کی خاطر ایسا نہیں کیا نہ ہی یہ لوگ دولت کے پجاری ہوتے ہیں۔ یہ تو بس درددل رکھنے والے اور خود کو انسانیت کے لیے قربان کرنے والے لوگ ہیں۔ان کی زندگی بھر کی محنت میں انھیں کیا کیا کچھ قربان کرنا پڑتا ہے آپ سوچ بھی نہیں سکتے مثلاً یہ اپنی گھریلو زندگی (Family Life) کو قربان کر دیتے ہیں یہ اپنی پیاری بیوی کے ساتھ ممکنہ زندگی کے بے شمار حسین پل قربان کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات بیویاں ان سے خفا رہتی ہیں، روٹھ کر چلی جاتی ہیں، کبھی کبھار ہمیشہ کے لیے روٹھ جاتی ہیں بلکہ کچھ لوگ تو شادی ہی نہیں کرتے۔(عورت سائنس دان کی صورت میں بھی جیون ساتھی کے مسائل یہی ہیں) یہ لوگ مالی خوشحالی قربان کر کے مشکل حالات میں وقت گزارتے ہیں۔ یہ اپنے بچوں کی شیر خوارگی سے اور بچپنے Childhood سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے نہ ان کی تعلیم و تربیت پر مناسب توجہ دے سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اکثر سخت متاثر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ سخت محنت کے عادی ہوتے ہیں اپنا آرام، سکھ، چین اور نیند قربان کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی بیماریوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں کو اپنے کام پر قربان کر دیتے ہیں۔بعض اوقات کام کی زیادتی کی وجہ سے عام امراض مہلک شکل بھی اختیار کر جاتے ہیں لیکن یہ لوگ انسانیت کی خدمت کے جوش میں باوجود اپنے ڈاکٹرز کے مشوروں کے ان جان لیوا امراض کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔کئی یونہی مر بھی جاتے ہیں اور کئی مرتے مرتے اپنا کام نبھا جاتے اور انسانیت کو کوئی تحفہ دے جاتے ہیں۔المختصر یہ کہ یہ تنہائیوں، بے وفائیوں، آنسوؤں اور آہوں کے عوض بلکہ اپنی جانِ عزیز کے عوض انسانیت کو کسی بڑی اور مہلک مرض سے نجات دلا جاتے ہیں۔

میں نے ایک سائنس دان کی مثال دی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف سائنسدان ہی ایسا کرتے ہیں بلکہ زندگی کے تمام ہی شعبوں میں ایسے انسان موجود ہوتے ہیں جو کہ اپنا یہ سب کچھ قربان کر کے انسانیت کے لیے کوئی خدمت سر انجام دیتے ہیں۔انسان کو زندہ رہنے کے لیے خوراک و لباس اور امراض سے بچنے کے لیے ادویات کے علاوہ بھی بے شمار کچھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ذرا سوچیے تو جب آدمؑ وحواؑ زمین پر اترے یا انسان نے اس دھرتی پر قدم رکھا تو اس وقت اس کے پاس کیا تھا؟ وہ ننگ دھڑنگ تھا۔نہ لباس نہ پوشاک،، نہ رہنے کے لیے گھر نہ سر چھپانے کی جگہ، نہ ہی کوئی موسمی حالات سے محفوظ رہنے کا سامان، نہ جنگلی جانوروں اور دیگر خطرات سے بچنے کا بندوبست، نہ بیماری و سستی کا علاج اور نہ خوراک کا کوئی مناسب انتظام حتیٰ کہ وہ ایک ڈرا اور نہایت سہما ہوا نیم وحشی جاندار تھا۔ایسے میں اس نے اپنے اپنے وقت کے اسی طرح کے انسانیت کی خاطر خود کو وقف کرنے والے انسانوں کے سہارے دھیرے دھیرے ترقی کی منازل طے کی ہیں اور کئی نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے ہزار ہا ادوار دیکھ کر آج کی دنیا میں پہنچا ہے۔لیکن شاید ہی کبھی ہم انسانوں نے اجتماعی طور پر ان محسنین انسانیت ہیروں کو خراج تحسین پیش کرنے کا کوئی بندوبست کیا ہو۔چیدہ چیدہ چند انسانوں کو ہم آج کے دور میں یاد ضرور کرتے ہیں اور ان کے

Marfat.com

نام بھی تاریخ میں درج ہیں لیکن انہوں نے اپنے اپنے ادوار میں ہماری کیا کیا بے توجہی اور بے قدری سہی ہے ہم اس سے بہت کم واقف ہیں یہ تو گنتی کے چند لوگ ہیں جنھیں آپ جانتے ہیں ایسے بے شمار لعل و جواہرات اسی زمین کی مٹی میں پڑے سو رہے ہیں جس پر آج ہم نے فلک بوس ترقی کے مینار کھڑے کر رکھے ہیں۔ کیا سال بھر کا کوئی ایسا دن ہوتا ہے جس پر ہم اکٹھے ہو کر دنیا بھر میں ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوں انھیں اپنی جانب سے خراج عقیدت کے چند پھول ہی نظر کرتے ہوں۔ ان کی قبروں پر حاضری دیتے ہوں۔ ان کے لواحقین کے لیے کچھ خصوصی بندوبست کرتے ہوں۔ ہم آخر اس قسم کے لوگوں کے لیے کیا کرتے ہیں؟ ارے میرے ساتھیو ہم ان کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔ ہاں ہم ان کے لیے تاریخی طور پر بہت بہت کچھ کرتے رہے ہیں جو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔ ہم ان نئی روشنی دکھانے والوں، ترقی کی راہ بتانے والوں، ظلم و جبر کے خلاف اٹھنے والوں، پرانے سسٹم کے خلاف بغاوت کرنے والوں، مذاہب کے غلط جمود کو توڑنے والوں، غلط نظریات کو چیلنج کرنے والوں، نئی صبح کا پیغام دینے والوں، اصلاح و فلاح انسانیت چاہنے والوں، بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت دکھانے والوں، آنسوؤں و آہوں کو راحت و قہقہوں میں بدلنے والوں، حق کو باطل سے جدا کرنے والوں اور اندھیروں سے روشنیوں کی سمت سفر کرنے والوں کی کھال کوڑوں سے ادھیڑتے رہے ہیں، ان کے جسم کی کھال کھینچ لیتے رہے ہیں، ان کی زبانیں کاٹتے رہے ہیں، ان کی ناک چیرتے رہے ہیں، ان کے نازک اعضائے جسم کاٹتے رہے ہیں، انھیں گرم تپتے پتھروں اور ریت پر سارا سارا دن لٹاتے اور ان پر گھونسوں ولاتوں کی بارش کرتے رہے ہیں، انھیں سنسار کرتے رہے ہیں، ان کے ہاتھوں و پاؤں میں کیلیں ٹھونک کر انھیں تادم مرگ لٹکاتے رہے ہیں، ہم انھیں دیوانہ سمجھ کر پاگل سمجھ کر ان پر پتھر برساتے اور یوں بھگا بھگا کر مارتے رہے ہیں، ہم انھیں جیلوں اور عقوبت خانوں میں زندگی بھر کے لیے ڈال کر بے غم ہو جاتے رہے ہیں، ہم نے انھیں انعام میں کال کوٹھڑیاں عطا کی ہیں، زہر کے پیالے پیش کیے ہیں، ان کے خون سے تلواریں رنگی ہیں، ان کے سر نیزوں پر سجائے ہیں، ان کے سینوں کو اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں کے سموں اور پاؤں تلے کچلا ہے، انھیں تختہ دار پر چڑھایا ہے، پھانسیوں پر لٹکایا ہے۔ ہم نے نہ صرف ان کے جسم لوہے کی جلتی ہوئی سلاخوں کے ساتھ داغے ہیں بلکہ ہم نے انھیں آگ کی بھٹیوں میں جلایا ہے۔ ہم نے ہر ہر دور میں ایسے دیدہ وروں کے لیے اپنے قانون قاعدے ایک سے رکھے ہیں ہم بڑے انصاف پسند ہیں چاہے دورِ قدیم ہو، وسطی زمانہ ہو یا موجودہ وقتِ حیات انسانی ہم نے ان کے لیے اپنی محبتیں ہمیشہ ایک سی ہی رکھی ہیں ان میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ آپ کہیں گے کہ دیکھو بھلا یہ کیا کہتا ہے؟ آج کا ترقی پسند اور ترقی یافتہ دور تو ایسے انسانوں کی بڑی قدر کرتا ہے انھیں انعام و اکرام سے نوازتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے خصوصی ایوارڈز ہیں۔ ارے بھلے مانسو تم ایوارڈ کب حق داروں کو دیتے ہو۔ جس کا حق ہوتا ہے وہ تو منہ دیکھتا رہ جاتا ہے اور تمہارا ایوارڈ کوئی سفارشی، رشوتی، قریبی عزیز یا تمہاری کسی مصلحت کا نمائندہ لے جاتا ہے۔ بھائی یہ انعام و اکرام بھی تم معاشی و معاشرتی قومی یا بین الاقوامی حکمت عملی کے

Marfat.com

تحت اپنے مفاد ہی کو مدِ نظر رکھ کر دیتے ہو۔ تم کب بھلا کسی ہیرے کی پرکھ رکھتے ہو تم تو پتھر دل ہو پتھروں ہی کی تجارت کرتے اور کنکروں ہی سے کھیلتے ہو تم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اس سب کھیل کو کھیلنے کے لیے تمہاری نگاہوں میں روشنی کہاں سے پہنچ رہی ہے ارے اس گھپ اندھیرے میں وہی ہیرے تمہیں روشنی پہنچا رہے ہیں جنہیں تم فضول سمجھ کر پھینک چکے یا جلا چکے ہو۔ دیکھو وہ کتنے عجب دل رکھتے ہیں کہ پھر بھی تمہیں روشنیاں دیئے جا رہے ہیں۔

ہم اپنے ان محسنوں کو ان کی زندگیوں میں تو اکثر سوائے محرومیوں اور دکھوں کے کچھ دے نہیں پاتے لیکن جب یہ اپنا کام کر کے مر جاتے ہیں اور انھیں مرے ہوئے ایک عرصہ گزر جاتا ہے تو پھر کئی سالوں، کئی دہائیوں یا بعض اوقات کئی صدیوں بعد خوب یاد کرتے ہیں۔ گو کہ اکثر لوگ تو ہماری ان یادوں سے بھی محروم ہی رہتے ہیں لیکن ان میں سے بہر حال کئی لوگوں کو ہم تاریخ کے دھندلکوں سے گرد جھاڑتے ہوئے دریافت بھی کر لیتے ہیں۔ اب ہم بعد از مرگ انھیں بڑے خراج تحسین و عقیدت پیش کرتے ہیں ان کی خدمات کو تسلیم کرتے اور سراہتے ہیں۔ چونکہ حق و سچ بالآخر سر چڑھ کر بولتا ہے اس لیے ہم کبھی نہ کبھی ایسا کرنے پر مجبور ہو ہی جاتے ہیں۔ اب ہم انھیں ہیرو کا درجہ دیتے، ان کے بُت بناتے، تصاویر آویزاں کرتے اور ان کی یاد میں محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ ان کے کام پر تحقیق کے لیے انجمنیں اور سوسائٹیاں بناتے ہیں اور انسانیت کو پیش کی گئی ان کی سوغاتوں سے بعد مزید اس تحقیق کے مستفید ہوتے ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ گزرے ہوؤں کو تو ہم بالآخر بعد عرصہ دراز بیتنے کے سمجھ ہی لیتے ہیں اور ان کی زندگیوں میں ان پر کی گئی زیادتیوں پر افسوس کرتے اور ہاتھ بھی ملتے ہیں لیکن دورِ حاضر کے ایسے انسانوں کی پھر بھی ہم کوئی قدر نہیں کرتے۔ ہم آج بھی اجتماعی طور پر ان کی قسمت میں محرومی، ظلم اور زیادتی ہی لکھتے چلے جا رہے ہیں۔

آپ کو پھر اعتراض ہوگا کہ بھلا آج کے دور میں ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ آج کا دور جہالت کا دور نہیں کہ ہم محسن انسانیت شخصیات کے ساتھ ایسا سلوک کریں۔

ارے بھائی! تم کب انسانیت پر قائم ہو۔ تم تو مختلف نسلوں، قوموں اور ملکوں میں بٹے ہوئے ہو۔ تم کئی تہذیبوں میں کئی مذاہب میں اور سینکڑوں مکتبۂ فکر میں تقسیم ہو۔ تم لوگ انفرادی، گروہی اور قومی اعتبار سے اپنے اپنے مفادات کے پجاری ہو۔ ایک دوسرے کے گلے کاٹنا، ایک دوسرے کا حق مارنا، ایک دوسرے کے وسائل پر قبضہ کرنا، ایک دوسرے کو مغلوب کرنا اور ذاتی، طبقاتی یا قومی مفاد تمہارا طرّہ امتیاز ہے تو کیا تم سب کسی نہ کسی طرح سے کسی نہ کسی سطح پر دوسروں پر ظلم میں شریک نہیں ہو۔ جب تمہیں اور تمہاری قوم کو آزادی درکار تھی تو تم نے سر دھڑ کی بازی لگا کر آزادی حاصل کر لی۔ اب اگر کوئی تمہارے ملک و قوم میں شامل قدر کم حجم کا گروہ خود کو ایک قوم ثابت کرتے ہوئے تم سے آزادی مانگتا ہے تو کیا دنیا کے کسی بھی خطے کے لوگ اس گروہ کو آزادی دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ذرا دنیا کے نقشے پر غور کرو کتنے ہی ایسے ممالک ہیں اور اقوام ہیں جن کے

Marfat.com

اندر لاکھوں کروڑوں افراد پر مشتمل چھوٹی اقوام اپنی آزادی کے لیے سسک رہی ہیں، قربانیاں دے رہی ہیں اور سیاسی وحربی میدانوں میں لڑ رہی ہیں۔ ہم دنیا بھر کے حاکم ممالک واقوام ہر سال ایسے سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو اس قسم کے نعرۂ آزادی بلند کرنے کی سزا میں موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں یہ سب لوگ جو آزادی کے لیے جانیں دیتے ہیں اپنی اپنی قوم کے ہیرو ہیں۔ ان کے لیڈران کو جیلوں میں ڈالا جاتا ہے، عقوبت خانوں میں رکھا جاتا ہے، سزائیں دی جاتی ہیں پھانسیوں پر لٹکایا جاتا ہے لیکن آزادی نہیں دی جاتی۔ تاہم مستقبل میں ان میں سے جو جو اقوام آزاد ہوسکیں گی ہم سب دنیا والے اور خود وہ جو انھیں آزادی دینے پر مجبور ہو جائیں گے سب کے سب انھیں نہ صرف تسلیم کرلیں گے بلکہ بعد سفارتی تعلقات قائم ہونے کے اس قوم کے ہیروز کی قبروں پر پھول بھی چڑھایا کریں گے۔ اسی طرح سے دوسری اقوام کے جوہر قابل افراد یا سائنس دانوں کو ہم اگر بس چلے تو اغوا بھی کروا لیتے ہیں ان کے زرخیز اذہان سے انھیں نظر بند رکھ کر فوائد حاصل کرتے ہیں اور جب ضرورت نہ رہے وہیں کسی جیل کے احاطے میں گڑھا کھود کر بعد قتل کے دفنا بھی دیتے ہیں۔ سننے اور پڑھنے میں آیا ہے کہ ''برموداٹرائی اینگل'' کے علاقے میں اس طرح کے فضائی اور بحری حادثات بھی پیش آئے ہیں کہ جہازوں پر سوار لوگوں میں کافی تعداد میں ایسے اپنے اپنے شعبے کے منجھے ہوئے لوگ شامل تھے جو اپنے ملک وقوم کا اثاثہ تھے۔ یہ تو ایک ظاہر بات ہے اور شک پر موقوف ہے لیکن زیر زمین ایسے کام اکثر ہو رہے ہیں کئی ممالک سے ایسے جوہر قابل لوگوں کو اچانک غائب کر دیا جاتا ہے اور پھر زندگی بھر ان کا کبھی کوئی سراغ نہیں مل پاتا۔ یا تو ترقی یافتہ ممالک اپنی جدید ترین ٹیکنالوجی کے ذریعے ایسا کر رہے ہیں یا تھرڈ ورلڈ اور ترقی پذیر ممالک کی خفیہ ایجنسیاں خود ترقی یافتہ ممالک کو اپنے مفادات کے عوض یہ خدمات مہیا کر رہی ہیں۔ جو بھی صورت ہو بہر حال انسانیت کے ان جواہر قابل انسانوں کا کیا مستقبل ہے ان حالات میں؟ اسی طرح سے دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے، دنیا کو انصاف مہیا کرنے کے لیے، دنیا پر سے مظالم وزیادتیوں کو دور کرنے کے لیے، اپنے ملک وقوم کے ظلم وزیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے، اسلحے کی دوڑ کو عملاً رکوانے کے لیے بہت سے شعبوں میں بڑی اقوام وممالک کے کئی طرح کے مظالم وحق تلفیوں سے کمزور اور چھوٹی اقوام وممالک کو بچانے کے لیے اور اسی طرح کے بہت سے انسانیت کی فلاح و بہبود کے کام کرنے کے لیے جو افراد وادارے یا گروہ کام کر رہے ہیں انھیں کس کس طرح سے اور کون کون سے حیلوں بہانوں سے اپنے راستوں سے ہٹایا جا رہا ہے ٹھکانے لگایا جا رہا ہے ہم کچھ نہیں جانتے لیکن ایسا آج کی اس دنیا میں ہو رہا ہے اور ہم لوگ ہی ہیں جو اپنے اپنے ملک وقوم یا ذات وبرادری کے لیے گروہی بنیادوں پر ایسا دنیا کے مختلف خطوں میں کر رہے ہیں۔ کوئی ہمارے خلاف ایسا کر رہا ہے اور ہم کسی اور کے خلاف ایسا کر رہے ہیں یا وقت آنے پر موقع ملنے پر ایسا ہی کریں گے۔ کہاں گئی انسانیت؟ کہاں گیا انسانوں سے پیار؟ کہاں گئی نوعِ انسانی سے محبت؟ سو دیکھ لیجیے کہ ہم کس کس طرح سے اور کس کس وجہ سے قیمتی جوہر انسانی کو ضائع کر رہے ہیں اور ایسے لوگوں کے ساتھ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کس قدر ناانصافی کر رہے ہیں

Marfat.com

یہ تو میں نے صرف چند مثالیں دی ہیں ممکنہ طریقے بتائے ہیں کہ کس کس طرح ایسا ہو سکتا ہے یا ہو رہا ہے۔ حقیقت میں اس سے کہیں زیادہ طریقوں اور سلیقوں سے یہ مظالم جاری تھے جاری ہیں اور جاری رہیں گے اگر ان کی کوئی اصلاح نہ کی گئی۔

یہ عام بات تھی اب اسے اک خاص سمت لاتے ہیں:

یہاں تک ہم نے اپنے موضوع کو نبھاتے ہوئے گو کہ کافی کچھ بات کی ہے لیکن اب مزید اس کی گہرائی میں اترتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کون کون سے مقامات ہوتے ہیں کیا کیا واقعات ہوتے ہیں اور کس کس قسم کے کارنامے ہوتے ہیں کہ جن کو یہ سب کی سب دنیا یک جان ہو کر کھونا چاہتی ہے، روکنا چاہتی ہے اور وجود میں آتا دیکھ نہیں سکتی۔

عزیزانِ من! آپ بھی حیران ہونگے کہ بھلا ساری دنیا کسی ایسے انسان کی مخالفت کیسے کر سکتی ہے جو دنیا بھر کے لیے رحمت ہی رحمت، فلاح ہی فلاح، اصلاح ہی اصلاح اور کامیابی ہی کامیابی لے کر آیا ہو پھر بغیر کسی عوضانے کے، بغیر کسی غرض وغایت کے خلوصِ نیت سے محض جذبہ خدمت انسانی کے تحت اور اللہ کی رضا کے لیے ایسا چاہتا ہو۔ لیکن دل تھام کر بیٹھیے ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور ایسا ہی ہو رہا ہے اور اگر ہمیں عقل نہ آئی تو شاید ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ ارے آپ خود ہی تو ایسا کرتے ہیں۔ وقت آنے پر آپ سب لوگ ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی انسانی فطرت وجبلّت اور عقل وذہانت ہے کہ ہر نئی اور انقلابی چیز کی مخالفت کی جائے اور چوٹی کی مخالفت تمام وسائل بروئے کار لا کر کی جائے۔ لیکن خوش کن بات یہ ہے آپ ہی میں سے چند لوگ اگر خدا منظور فرمائے تو اس انقلابی شخص کی حمایت میں بھی دھیرے دھیرے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کی اصل اور بڑی بڑی مثالیں تو رسولوںؑ اور نبیوںؑ ہی کی ہیں کہ جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں کھڑے ہو کر اپنی اپنی قوم کے طرزِ حیات اور شعارِ زندگی کی مخالفت کی، ان کی اصلاح کی کوشش کی اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ ہم اس ضمن میں بہت ہی کم رسولوں اور نبیوں سے اور ان کی اقوام کے حالات یا ان کی ناکامیوں وکامیابیوں سے آگاہ ہیں۔ حقیقت میں شروع دن سے لے کر آج تک ہزاروں لاکھوں نبیؑ اور رسولؑ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بھیجے جنھوں نے اپنے فرائض منصبی کے لیے سخت محنت کی اور جان جوکھوں میں ڈال کر خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔ لوگوں نے انھیں طرح طرح کی اذیتیں دیں اور ان پر مظالم کے وہ پہاڑ توڑے کہ اگر آپ کو آج کے دور میں وہ سب کچھ دیکھنے، سننے یا پڑھنے کو مل جائے تو آپ لرز اٹھیں۔

گو کہ رب تعالیٰ ان کے ساتھ تھے لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہا کہ آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ سمندر راستہ دے دے، لاٹھی سانپ بن جائے، اندھے دیکھنے لگ جائیں اور مردے اٹھ کھڑے ہوں اور یوں بالآخر اس رسولؑ خدا کو یا نبیؑ حق کو کامیابی ہی حاصل ہو جائے بلکہ یہ خدا کی رضا ہے، مشیّتِ ایزدی ہے اور حکمتِ الٰہی کہ اسے کیا منظور ہوتا ہے۔ آسمانوں نے ہزاروں بار اللہ کے امتحانوں پر اس کے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کو پورا اترتے ہوئے کٹتے، جلتے، چرتے اور طرح طرح سے اذیتوں میں مبتلا ہو کر جان دیتے ضرور دیکھا ہے اور یقیناً جلد یا بدیر ان کی اقوام پر طرح طرح کے عذاب الٰہی نازل ہوتے بھی دیکھے ہیں۔ سو کہنا یہ چاہتا

Marfat.com

ہوں کہ ہم انسانوں ہی کے آباء واجداد نے اس طرح سے بے شمار انبیاءؑ ورسلؑ پر مظالم کے کوہ گراں ڈھائے ہیں جبکہ وہ سب اپنے اپنے وقتوں کے مسیحائے انسانیت ہی تھے۔ یقیناً بعدازاں اگر کچھ اقوام کو اللہ کی جانب سے مہلت ملی ہو تو انہوں نے نہ صرف انھیں تسلیم کرلیا ہوگا بلکہ ان میں سے ایک جماعت نے اپنے نبیؑ کی پیروی بھی شروع کردی ہوگی مگر جانے اس نبیؑ کے دنیا سے چلے جانے کے کتنے ہی عرصہ بعد ایسا ہوا ہوگا

نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے بعد نیچے آیئے تو اسی طرح سے بعدازاں ہر ہر دین ومذہب اور فلسفہ کی اصل ہیئت بدل جانے کے بعد تجدید نو کے لیے بے شمار اولیا اور علما وفضلا نے جانے کس کس طرح کے مظالم، سزائیں اور اذیتیں برداشت کی ہونگی کہ ہم بہت کم لوگوں کے حالات سے آگاہ ہیں۔ یہ لوگ بے شک حقیقی معنوں میں نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے وارث ہوتے ہیں اور خود کو ہر ہر طرح کی رکاوٹ یا ظلم وزیادتی سے گزارتے ہوئے اور بعض اوقات پھانسیوں پر جھلاتے ہوئے تجدید حق کا فرض نبھاتے ہیں ایسے لوگ وقت کے مجدّد کہلاتے ہیں کسی کو لوگ بعدازاں یہ مقام خاص عطا کردیتے ہیں اور کوئی بغیر القابات حاصل کیے اپنا فرض نبھا جاتا ہے۔ یادرکھئے کہ نبیوںؑ کے وارث علما میں صرف مُلّا حضرات ہی نہیں ہوتے بلکہ یہ بڑے بڑے انقلابی شاعر، ادیب، دانش ور، مدبّر، محقق، معیشت دان، سیاست دان، سپہ سالار، مفکر اور تمام شعبوں کے بڑے بڑے لوگ، شامل ہوتے ہیں۔

ان بڑے بڑے لوگوں اور ناموں کے بعد مزید نیچے آئیں تو ہر ملک وقوم میں بہت سے لوگ مذہب ودین کے لیے نہ صرف بہت سا کام کرنے والے پائے جاتے ہیں بلکہ زندگی کے مذکورہ بالا دیگر بہت سے شعبوں میں بھی اپنی پوری پوری زندگیاں بے لوث کھپانے والے موجود ہوتے ہیں جنہیں گوکہ کسی عوضانے کی طلب نہیں ہوتی تاہم دنیا انھیں صلہ میں دیتی بھی کچھ نہیں۔ پس یہ لوگ اپنا تن من دھن دنیا پر قربان کرنے کے لیے ہی دنیا پر آتے ہیں۔ اپنے فیملی یونٹ کو پالنے کے لیے روزگار اور ناگزیر معاشرتی فرائض کے علاوہ یہ لوگ اپنا تمام کا تمام وقت اپنے کام کو دے کر کہ جو وہ دوسرے انسانوں کے فائدے کے لیے کرتے ہیں خود پر ہر طرح کی خوشیوں، آسائشات، تفریح، آرام وسکون اور دنیا بھر کی بہاروں کو حرام کرلیتے ہیں۔ یہ سب کے سب لوگ درجہ بہ درجہ وہی ہیرے ہیں جن پر آج ہم لکھ رہے ہیں۔

ان لوگوں کو دنیا کچھ نہیں دیتی ان کی اس دن رات کی فالتو محنت وکاوش کے عوض جو وہ زندگی بھر کرتے ہیں۔ تاہم ان کی کوششوں وکاوشوں سے حتی الوسع مستفید ضرور ہوتی ہے۔

افسوس صد افسوس:

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر ان کی تعلیم کی ہوئی، کہی ہوئی یا لکھی ہوئی بات لوگوں کو پسند نہ آئے چاہے وہ جتنی بھی حق پر مبنی ہو یا بعد کے حالات ثابت کردیں کہ وہ ہی عین حق تھا لوگ ان کے خلاف ایک محاذ کھڑا کردیتے ہیں۔ ان کی ہر ہر سطح پر ہر ہر طرح سے مخالفت ہوتی ہے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور انھیں طرح طرح سے سزا دی جاتی ہے۔ جیلوں میں ڈالا جاتا

Marfat.com

ہے، اذیتیں دی جاتی ہیں، قتل کر دیا جاتا ہے اور کچھ کو پھانسیوں تک پہ لٹکا دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟؟ یہ آپ کے محسن ہیں آپ ان کا مارا ہوا شکار سب لوگ زندگی بھر کھاتے ہیں اور انھیں دکھ دے کر یا جان سے مار کر اتنا پیارا صلہ بھی دیتے ہیں کہ ان کی روح ہمیشہ بے چین رہ کر یہی سوال کرتی رہے اسے کس بات کی سزا دی گئی ہے؟ کیا یہی سب سے بڑھیا قیمت ہے ان کی خدمات کی جو انھیں یوں چکائی گئی ہے؟

کیا آج کی دنیا میں کوئی سقراط ہوسکتا ہے؟

اب آخری سوال یہ ہے کہ جب انسانی تاریخ اور انسانوں کی اجتماعی فطرت وجبلت یہ ہے تو کیا آج کی دنیا میں کوئی ''سقراط'' پیدا ہوسکتا ہے؟ کوئی ''منصور'' جنم لے سکتا ہے؟ کیا کوئی موسیٰ آج کی تڑپتی پھڑکتی انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے؟ تو جواب ہے کہ ہاں یقیناً آج کی دنیا کا کوئی ''نجات دہندہ'' ضرور ہوسکتا ہے بلکہ ساری دنیا اس کے انتظار میں نڈھال ہے خطرہ صرف یہ ہے کہ جب ہماری تاریخ یہ ہے تو پھر ایسے آنے والے کا ہم حشر کیا کریں گے یقیناً ہم اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑیں گے اسے نقصان پہنچانے کی۔ یہ الگ بات کہ اللہ اپنے بندے کی حفاظت خود کرے اور اسے خود کامیاب فرمائے۔

آخری مشورہ:

میں جانتا ہوں مضمون خاصہ طویل ہوگیا ہے لیکن نہیں معلوم کہ ہم کسی نتیجہ پر پہنچے ہیں یا نہیں اور میں جو بات آپ کو اپنے اس مضمون میں سمجھانا چاہتا تھا سمجھا بھی پایا ہوں یا نہیں تاہم اتنا مشورہ ضرور دوں گا کہ ایسے ہیروں کی جن پر میں نے سطور بالا میں بحث کی ہے قدر ضرور فرمایا کریں جو جو بھی حضرات میری یہ کتاب پڑھیں یا جن تک میری آواز پہنچے وہ ایسے دیدہ وروں کی مخالفت سے باز رہیں بلکہ ان کی قدر افزائی فرمائیں۔ نئے خیالات، نئے نظریات اور خصوصاً طے شدہ افکار زمانہ سے اگر کوئی دلیل کی بنیاد پر اختلاف کرے اور آپ کو نئی بات سمجھائے تو اسے نہ صرف سنیں بلکہ اگر دل کو لگے تو مان بھی لیں۔ اندھی مخالفت سے پرہیز کریں۔ تبھی انسانیت ترقی کر سکتی ہے تبھی سوچوں پہ لگے پہرے اٹھ سکتے ہیں اور تبھی جمودِ فکر ٹوٹ سکتا ہے۔ نئے نظریات وفلسفے پہلے انوکھے اور ناقابل عمل لگتے ہیں ہمارے سطحی اذہان کو گوارہ نہیں ہوتے لیکن بعدازاں یہی ترقی کے مینار تعمیر کرتے ہیں۔

اِک اشارہ:

میرے پاس کہنے کو اور بھی بہت کچھ ہے لیکن ابھی وہ آپ کو ہضم نہیں ہوسکے گا ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا۔ اگر اللہ نے پسند فرمایا اور اس کا وقت آ گیا تو اور بھی بہت کچھ کہوں گا۔ ایسا کچھ کہ جسے سن کر آپ ہکا بکا رہ جائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کچھ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ جسے دیکھ کر آپ کی عقلیں دنگ رہ جائیں اور آپ بے ساختہ کہہ اٹھیں کیا آج کے دور میں بھی ایسا ممکن ہے۔

یہ کیا یہ کیسے۔ آپ کے ہوش وحواس گم!!!

❀..❀..❀

Marfat.com

مضمون نمبر 63:

کچھ ذکر قرآنِ مجسّم کا!

یقیناً آپ سب لوگوں نے جو کہ مسلمان ہیں قرآن پڑھا ہوگا اور بہت سے ان لوگوں نے بھی پڑھا ہوگا جو اس پر ایمان تو نہیں رکھتے تاہم اسے ایک عظیم کتاب ضرور مانتے ہیں۔ کسی نے کم کسی نے زیادہ اور کسی نے بہت زیادہ غور و فکر بھی اللہ کی اس انمول کتاب پر کیا ہوگا۔ لیکن کیا کسی نے قرآن میں بیان کردہ واقعات کو ان زمانوں میں جا کر دیکھا بھی ہے؟ شاید کسی نے نہیں یا بہت کم لوگوں نے۔ اگر کسی نے دیکھا بھی تو چُپ سادھ لی۔ آیئے آج اس پر کچھ بات کریں۔

مجھے یہ دعویٰ تو نہیں ہے کہ میں نے سب کچھ دیکھا کیونکہ قرآنِ مجید تو ایک سمندر ہے، بحرِ بے کراں ہے جس کی کوئی حد کوئی کنارہ نہیں۔ لیکن جو جو کچھ دیکھ سکا ہوں اس میں سے کچھ کا ذکر اس لیے کرتا ہوں کہ مجھے بفضل تعالیٰ ایمان بالغیب کے بعد ایمانِ حضوری اور یقین شاہدین بھی حاصل ہے۔

۱۔ اپنی آنکھوں سے حضرت محمد ﷺ کا نورانی دربار دیکھا:

ناچیز نے نبی پاک ﷺ سے متعلق بہت کچھ سن اور پڑھ رکھا تھا اور قرآن مجید کو دن رات پڑھا اس پر غور و فکر کیا اور اس سے نبی مکرم ﷺ سے متعلق جو جو کچھ مل سکتا تھا حاصل کیا تھا۔ سیرتِ مقدسہ کی دیگر معتبر قسم کی کتب بھی پڑھی تھیں۔ لیکن آپ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ تھا۔ مجھے محض رب کے فضل سے آپ ﷺ کو دیکھنے کی، ملنے کی اور آپ ﷺ کے دربارِ عظیم میں حاضری کی توفیق حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا ذکر جو قرآن میں ہے یہ اس کی عملی شکل تھی۔

۲۔ میں نے کشتیِ نوحؑ کی مانند اک کشتی دیکھی۔

سمندر کی پہاڑوں کی طرح اٹھنے والی موجیں دیکھیں، جنہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد ہی دل اتنا دہل جائے کہ دوبارہ اُدھر نگاہ کرتے ہوئے بھی بندہ کانپ جائے پھر اس کشتی میں خود کو بھی دیکھا۔ اللہ سے دعا کی گئی اور بالآخر قیامت بلا خیز کی مانند جو سمندری طوفان تھا وہ تھم گیا اور ہر جانب امن و سکون ہوگیا۔ یہ قرآن پاک کی اک آیت مبارکہ کی تمثیل تھی۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ و مریمؑ کا دور دیکھا:

میں رب کریم کے حکم سے اس دور میں حالتِ خواب میں چلا گیا (یاد رہے کہ یہ سب کے سب واقعات حالتِ خواب کے ہیں) میں نے وہی زمانہ، وہی لوگ، وہی لباس و ثقافت دیکھے اور وہی ہوائیں فضائیں دیکھیں۔ حضرت مریمؑ کو اس ایک بڑے راستے پر پریشان دیکھا جس سے حضرت عیسیٰؑ کو گزار کر صلیب دینے کے لیے لے جایا جا رہا تھا کہ پھر معاملہ مشتبہ ہوگیا۔

Marfat.com

۴۔ مُردے زندہ ہوتے اور اگلے حکم پر پھر حالتِ مرگ میں دیکھے:

میں نے دیکھا کہ جیسے کوئی بڑے گیٹ والا اسٹیڈیم ہے یا حویلی کی طرح کا بہت کھلا احاطہ ہے کئی کنال پر مشتمل یوں کہ جیسے قلعہ ہو۔ اس کی بیرونی دیوار کے باہر بہت سے لوگوں کو بشمول اونٹوں گھوڑوں کے لاشوں کی صورت میں دیکھا۔ وہاں چند لوگ گھوم کر اِن کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ اس احاطہ کے گیٹ سے اندر چلے جاتے ہیں باہر موجود اِک اللہ والا جس پر کہ یہ لوگ توجہ نہیں دیتے ایک مرے ہوئے کو حکم دیتا ہے ''اٹھ زندہ ہو جا'' یہ کہنے کی دیر تھی کہ وہ اٹھ بیٹھتا ہے پھر شاید اس خیال سے کہ، کہیں کوئی دیکھ نہ لے اس زندہ ہو کر اٹھ بیٹھنے والے کو دوبارہ حکم دیتا ہے کہ ''مر جا'' وہ پھر اسی جگہ مر جاتا اور گردن رکھ دیتا ہے۔ یہ ایک تو حضرت عیسیٰؑ کے معجزات میں سے اک تمثیل ہو سکتی ہے دوسرے مجھے اللہ پاک نے دکھایا کہ میں کس طرح مردوں کو زندہ کرتا اور زندوں کو مارتا ہوں۔ یہ بھی قرآنی آیات کی عملی تجسیم تھی۔

۵۔ میں نے فضلے کو کستوری میں بدلتے، نجس کو پاک ہوتے دیکھا اپنی آنکھوں سے:

میں نے دیکھا کہ ایک جگہ بہت سا فضلہ پڑا ہے۔ اس کو کوئی شخص کچھ منہ سے بڑبڑاتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کر رہا ہے کہ اوپر اٹھ وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے خمیر کی مانند پھولنے، پھیلنے اور اٹھنے لگتا ہے وہ اپنی ہیئت ساتھ ساتھ بدل رہا ہے اس میں کیمیائی تبدیلی آ رہی ہے۔ اب وہ ایک نہایت خوشبودار، خوش کن اور من بھاتی کسی شے میں بدل رہا ہے۔ شاید کوئی عجیب سی خوراک۔ گو کہ ایسی تمثیل بیان کرتے ہوئے کراہت محسوس ہوتی ہے لیکن مجھے اس طرح سے رب تعالیٰ نے سمجھایا کہ میں کس طرح ناچیز کو چیز کر دیتا ہوں۔ پلیدوں کو پاک وصاف اور صالح بنا دیتا ہوں۔ ہر وہ کام کر دیتا ہوں جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب ذرا سوچیے کہ اس مثال میں جو ''شے مذکورہ'' ہے یعنی ''انسانی فضلہ'' یہ تو ہے ہی ایسی گندی اور بنیادی طور پر پلید شے کہ اسے آپ دھو کر، خوشبوئیں لگا کر، لاکھوں پھولوں میں بسا کر بھی اگر ہزاروں سال رکھیں تو یہ اپنی اصل کبھی نہیں بدل سکتا۔ لیکن خالق و مخلوق میں یہی تو فرق ہے کہ مخلوق کی بہرحال ایک حد ہے جس کے اندر رہ کر وہ اختیار رکھتی ہے لیکن خالق کی کوئی حد نہیں وہ جو چاہے کرے۔ سو اس طرح سے اللہ پاک گند پہ بیٹھنے والے اور گند کی پیداوار گندگی کھانے والے جہاں مکھیوں اور مچھروں کی مثالوں سے بہت کچھ سمجھاتے ہیں قرآن مجید میں وہاں وہ ''خالص فضلے'' کی مثال سے بھی ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ کیا سمجھا سکتے ہیں؟ یہی کہ اس ذات یکتا کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ میرا یہ خواب اس بات کی عملی تجسیم ہے کہ رب تعالیٰ قرآن مجید میں متعدد جگہ پر فرماتے ہیں ''میں جو چاہے کروں کوئی میرا ہاتھ پکڑنے والا نہیں کوئی سوال کرنے والا نہیں''۔ کیا قرآن مجید میں ''رحموں'' میں ٹپکنے والی چیز پانی کے قطروں کا ذکر نہیں کہ جن سے رب تعالیٰ جیتا جاگتا انسان تخلیق فرما کر کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ''تم جو چند قطرے ٹپکا دیتے ہو کیا ان سے جیتا جاگتا انسان ہم کھڑا کر دیتے ہیں یا تم؟''

Marfat.com

ایک اور نکتہ:

اس سے اُس راز سے بھی پردہ ہٹا کہ کیوں صحابہ کرامؓ دیوانہ وار نبی مکرم ﷺ کے وضو کے لیے استعمال شدہ پانی کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور نیچے ہاتھ پھیلا دیتے بطور تبرک کے اسے محفوظ کرنے کے لیے کہ وہ شفاء ہی شفاء تھا اور برکت ہی برکت تھا حتیٰ کہ یہاں تک لکھا گیا ہے کہ آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے جو پتھر استعمال کر کے وہاں پھینک آتے اسے بھی عاشقانِ رسول ڈھونڈ نکالتے اور سنبھال لیتے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ ''یہ راز کی باتیں ہیں کہیں وہی شے فضلہ ہے تو کہیں وہی شے کستوری ہے''۔ لیکن یہ شک کرنے والوں، آزمائش کرنے والوں اور عشق نہ رکھنے والوں پر کھلنے والی باتیں نہیں ہیں۔ ان کے لیے یہ سب کچھ دنیوی قانون قاعدوں کے مطابق ہی ہے۔

۶۔ **حضرت ابراہیمؑ، بی بی صاحبہ اور ننھے اسماعیلؑ کو ویران وغیر آباد سرزمینِ کعبہ میں دیکھا اس زمانہ میں جا کر:**

اس بات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے لیکن چونکہ یہ بھی قرآنِ مجسم ہے اور مجھے بذریعہ خواب اس کا بحکم خدا شاہد بنایا گیا گواہ بنایا گیا اس لیے میں پورے وثوق سے چیخ چیخ کر گواہی دیتا ہوں کہ دینِ ابراہیمؑ حق ہے۔ نبیوںؑ کا سلسلہ حق ہے قرآن حق ہے اور نبوتِ محمدؐ عین حق ہے۔ خانہ کعبہ شریف حق ہے اور ابراہیمؑ کے سب امتحانات حق ہیں۔ صفا و مروہ حق ہیں۔ آبِ زم زم حق ہے، عمرہ و حج حق ہیں۔ وہ سرزمین پاک و بابرکات ہے۔ اسے ابراہیمؑ اور محمد ﷺ رسول اللہ کی دعائیں اور اللہ کی رحمتیں حاصل ہیں اور سب کچھ حکمِ الٰہی کی اطاعت میں بند ہے۔

۷۔ **آج بھی لا الٰہ الا اللہ کے پاسپورٹ اس دنیا میں موجود ہیں:**

مجھے بذریعہ خواب اک تمثیل کے ذریعہ یہ خبر دی گئی کہ آج کی دنیا میں بھی رب تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں بلکہ عین حقیقت خواب کے مطابق ایسا بندہ موجود ہے جو کہ لا الٰہ الا اللہ کا پاسپورٹ ہونے کا درجہ رکھتا ہے یعنی اس دنیا میں اللہ کا اور اس کی توحید کا نمائندہ ہے جسے اللہ پاک کی جانب سے خصوصی اختیارات، صفات اور استعدادیں حاصل ہیں۔ لیکن وہ عوام میں سے ہے، عوام میں گم ہے، بظاہر نہایت عام سا شخص ہے۔ اُسے صرف فقیر راہِ اللہ ہی پہچانتے ہیں۔ عام لوگ اسے نہ پہچانتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں۔ جب تک خدا خود نہ چاہے۔ لیکن اسے تمام روحانی اسلحہ سے خدا نے لیس کر رکھا ہے۔ یہ اس قرآنی آیت کی تجسیم ہے کہ بعد میں آنے والے انسانوں میں بھی کچھ لوگ ''سبقت لے جانے والے'' تیسرے گروہ میں واقعی شامل ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور یاد رہے کہ یہ اللہ کے نہایت ہی قُرب والے اور خاص الخاص لوگ ہیں جنہیں اللہ پاک بہت بہت پسند فرماتے ہیں اور ان سے رب تعالیٰ راضی وخوش ہیں۔

نکتہ:

شائد یہی اللہ والا یا کوئی اسی طرح کا اللہ والا، اللہ کا بندہ اس دنیا پر کوئی انقلاب لانے والا ہو۔ دنیا کا نجات دھندہ

Marfat.com

ہو۔ دنیا سے ظلم وجبر کی سیاہ رات کو مٹانے والا ہو۔

۸۔ روحانی دنیا مغرب کے قریب قریب بیدار ہوتی ہے:

خواب دیکھا کہ دور دور تک سوائے سفید برف نما پہاڑوں کے اور کچھ نہیں ہے لیکن وہاں ٹھنڈ یا سردی گرمی کا احساس نہ تھا یوں لگا کہ اس دنیا کی مثال کے مطابق یہ برف پوش گلیشئرز ہیں لیکن اُس دنیا کے مطابق یہ نورانی دنیا ہے سفید اور صاف وشفّاف اور صرف میں ہوں۔ سوچتا ہوں شام ہونے والی ہے سورج غروب ہونے کے قدرِ قریب ہے یعنی جب روشنی کم ہو کر شام کی آمد کا اعلان کرتی ہے وہ وقت ہے۔ وہاں سے جلد چلا جانا چاہتا ہوں لیکن کیسے؟ معلوم نہیں اتنے میں اچانک دور اوپر نورانی سفید پہاڑ سے ایک شخص وِیل چیئر پر بیٹھا انہی پہاڑوں پر سے یوں اتر رہا ہے جیسے روڈ پر جا رہا ہو پھر کیا تھا ہر طرف سے مرد، عورتیں اور بچے انھیں مختلف پہاڑوں کے اندر بنے گھروں سے جانے کیسے نکل کر پہاڑوں سے اترنے والے مختلف برفانی رستوں سے تیزی سے قدرِ ڈھلوان کی طرف آ رہے ہیں جدھر میں ہوں۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ خدایا ان برفیلے نورانی پہاڑوں میں بھی تیری مخلوق آباد ہے ہماری ہی طرح کے بندے، مرد، عورتیں، بچے سب کے سب۔ ایک لمحے میں سوچتا ہوں یہ یہاں کیسے رہتے ہیں کیا کھاتے ہیں یہاں ان کے گھر کدھر ہیں؟ کیسے ہیں؟ یہاں تو دور دور تک سوائے برفیلے پہاڑوں کے کچھ نظر نہیں آتا اور پھر یہ سب اب تک کدھر تھے؟ یہ اب شام ہونے کو آئی ہے تو یوں نکل رہے ہیں جیسے کہ اب صبح ہوئی ہو۔ اس خواب کی دو تعبیریں سمجھ آئی ہیں۔

تعبیر نمبر ۱...... شاید ان سارا سال برف سے ڈھکے رہنے والے دنیا کے کرۂ منجمد شمالی کے پہاڑی سلسلوں میں بھی خاص قسم کے انسان یا اللہ کی مخلوقات آباد ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتیں۔ لیکن شام کے بعد اور صبح طلوع ہونے سے پہلے ان پہاڑوں سے نکلتی ہیں۔ ان کی زندگی رات کی ہے دن کو یہ سوئے رہتے یا چھپے رہتے ہیں۔ یا پھر شائد واقعی ترقی یافتہ اقوام نے ان میں آبادیاں بنا رکھی ہیں۔ دنیا سے چھپا رکھی ہیں اور ان کے اندر کوئی جدید ریسرچ سینٹرز قائم ہیں۔

تعبیر نمبر 2...... یہ اور ہی دنیا ہے رب کے نور کی روحانی دنیا۔ جہاں مغرب کے قریب بیدار ہونے اور روحانی ڈیوٹی دینے کا ٹائم ہوتا ہے جو ساری رات چلتا اور بوقت فجر ختم ہوتا ہے یہ ٹھوس مادی دنیا نہیں ہے اسی لیے یہ لوگ ان نورانی پہاڑوں سے یوں ہی نکل آتے ہیں اور ان میں چلے جاتے اور سما جاتے ہیں جیسے کوئی غیر مرئی چیز، لہریں یا روحیں وغیرہ۔ ان کی اپنی دنیا ہے بعد مرنے کے یا دنیا پہ آنے سے پہلے جب یہ روحانی دنیا میں ہوتے ہیں۔ روح ہوتے ہیں تو ان کی مختلف طرح کی زندگی اور بود و باش ہوتی ہے۔ شائد وہ کوئی جنت کا ٹکڑا تھا یا نور کا شہر۔ جو کچھ بھی تھا بہر حال اللہ کی نشانیوں میں سے تھا۔ اس کی آیات میں سے تھا اور میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ وہ مجھے وہاں لے گیا۔ امکان غالب ہے کہ یہ مرنے کے بعد کی دنیا ہے بعد از دعا خواب کے ذریعے قرب المرگ کو واپس لانے کا اتفاق ہوا ہے وہ بھی یوں ہی سب برفانی نورانی سرزمین تھی۔ اللہ کا شکر ہے

Marfat.com

کہ میرا وہ عزیز ابھی تک زندہ ہے یہ الگ بات کہ اسے اس بات پر آج بھی یقین نہیں۔ قارئین یہ باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں نہ ماننے والی بھلا ان پر کوئی عام آدمی کیسے یقین کرے گا اس کے لیے تو اور ہی قسم کا ذہن، ایمان اور یقین چاہیے۔

۹۔ ایک اہل مزار بزرگ جو اپنی قبر میں شام سے فجر تک ساری رات ڈیوٹی دیتے یعنی اللہ اللہ کرتے ہیں۔ دن کو شاید دیگر ڈیوٹیاں دیتے ہیں.

مجھے ایک ایسے بزرگ سے متعلق بھی کسی اور وسیلے سے اطلاع دی گئی کہ جو دن کے وقت تو دنیا پر اور کام کرتے یا فرائض نبھاتے ہیں اور شام ہوتے ہی اپنے مزار پر اللہ اللہ کرتے ہیں یہ ہم زندہ لوگوں والی اللہ اللہ سے مختلف ہے۔ یہ نورانی خوراک ہے جو یہ لوگ دریا کے دریا پی جاتے ہیں بلکہ پیتے ہی رہتے ہیں نہ یہ سیراب ہو کر سیر ہوتے ہیں نہ ہی نور کم پڑتا ہے پھر اس نور کا مزہ اللہ رے اللہ جو ایک بار چکھ لے دنیا کے ہر ہر مزے کو ہزار بار دھتکارتا ہے بے پناہ حسین و جوان الھڑ مٹیاروں کو کہ جو ہر ہر لمحہ ایک سے بڑھ کر ایک زلفیں کھولے اس نورانی شخص کو دعوتِ ملن دے رہی ہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ذرا سوچیے تو پھر یہ کیسی لذت ہے؟ بہر حال نمبر ۸ بیان سے ملتی جلتی یہ ایک فوت شدہ اہل مزار بزرگ کی بات تھی جو بیان کر دی گئی حالانکہ یہ مستور راز ہیں ظاہر کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔

۱۰۔ قبر کے اندر کی کہانی چشم دیدہ:

بہت اعلیٰ قسم کے اولیا اللہ یا جنہیں جس بھی وجہ سے رب چاہے قبر کی مٹی نہیں چھوتی باقی ہر بندہ قبر میں مُردہ بدن کو کھانے کے لیے مختلف قسم کے کیڑے اپنے ساتھ لے جاتا ہے قبر چاہے کچی ہو یا پکی یا چاہے اس کے اندر سنگِ مرمر لگا کر ہر طرح کے سوراخ و درز بند کر دو۔ بعد مرنے کے آپ کے جسم ہی سے کیڑے مختلف قسم کے برآمد ہوتے ہیں۔ جو شکل و شباہت میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہ اکٹھے مردے کے جسم سے باہر نہیں آ جاتے بلکہ ان کی مختلف ڈیوٹیاں ہیں۔ لاش کے جسم کا پانی پینے والے کیڑے اور ہیں یہ اپنی اپنی باری پر جسم سے نکلتے ہیں اور اپنے حصے کی خوراک کھا کر سو جاتے ہیں پھر اٹھ کر کھاتے اور سو جاتے ہیں جب ان سے متعلقہ خوراک ختم ہو جائے تو یہ مر جاتے ہیں وہیں مٹی میں مل جاتے ہیں اس کے بعد دوسری قسم کے کیڑے نکل کر اپنا فرض اسی طرح سے ادا کر کے خود بھی مر جاتے ہیں یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا ہے جب تک صرف سخت ترین ہڈیاں باقی نہیں بچتیں۔ یہ سلسلہ قبر میں مُردے کے اتارے جانے کے چند دن بعد سے لے کر اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ مادی جسم فنا نہ ہو جائے۔ ہڈیاں عرصہ دراز تک زمین میں رہتی ہیں۔ انھیں دھیرے دھیرے مٹی خود ہی چٹ کر جاتی ہے۔ باقی قسم کے حشرات الارض اگر کوئی کردار ادا کریں تو یہ اضافی ہو گا۔ عام طور پر ان کا وہاں کوئی کردار نہیں ہوتا۔ جو حضرات مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں اپنے نفس کو مار لیتے ہیں اپنی خوراک نہایت کم کر کے انتہائی ریاضت و عبادت اختیار کر لیتے ہیں نیز جن کی گردن پر کوئی حرام، کوئی حق تلفی اور کوئی گناہ نہیں ہوتے یا نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں یا جن کی نیکیاں ان

Marfat.com

کے گناہوں کو کھا جاتی ہیں ایسے افراد امیدِ واثق ہے کہ ان کیڑوں سے بھی بعداز موت محفوظ رہتے ہیں اوران کی میتیں صدیوں تک قبروں میں صحیح سلامت پڑی رہتی ہیں اس کے تو بہت سے لوگ گواہ بھی ہیں ۔

اختتامی نوٹ:

جیسا کہ میں نے شروع میں لکھا تھا کہ قرآن تو ایک سمندر ہے پھر بھلا اس کی باتیں، آیات اور نشانیاں کہاں ختم ہوتی ہیں ۔اس طرح کا قرآنِ مجسم جو آپ کو حیرتوں میں گم کر دے ناچیز اس کا بڑی زیادہ حد تک گواہ ہے ۔لیکن خاموش ہوں کہ اظہار کے لیے فضا مناسب نہیں ہے ۔لوگوں کے اذہان اور دلوں میں سہار نہیں ہے اور پھر یقین کرنے والے کم اور شک کرنے والے زیادہ ہونگے کہ دیکھو بھلا یہ فلاں بات کیسے ممکن ہے ''یہ تو بے پر کی اڑا رہا ہے'' وغیرہ وغیرہ ۔لیکن خاطر جمع رکھیے اگر رب قدیر کو منظور ہوا تو شاید اس پر بھی ایک پوری کتاب آپ کو مل جائے ۔جس کا نام صرف ''حیرتوں کا سمندر'' ہوگا بلکہ وہ آپ کو واقعی حیرتوں کے سمندر میں ڈبو دے گی اور ان شاء اللہ تعالیٰ ایک نئی ہی دنیا میں لے جائے گی ۔

حرفِ آخر

آج جبکہ میں اس کتاب کے اختتامیہ کلمات لکھنے جا رہا ہوں اگر پیچھے مُڑ کر اس دن پہ نگاہ ڈالوں کہ جب میں نے اس کا آغاز کیا تھا تو طلوع وغروب اور شب وروز کے تانے بانے مجھ سے یوں گویا ہوتے ہیں کہ ''تم اس کتاب کو لکھتے رہے اور ہم تمھیں کھاتے رہے تمھیں معلوم ہے ہم نے تمہاری زندگی کے تقریباً چار سال کم کر دیئے''، میں نے جواب دیا کہ ''غم نہیں تم نے جون 2007 تا جولائی 2011 میری زندگی کے چار سال اگر کم کر بھی دیئے ہیں ۔بس اللہ سے دعا ہے کہ میری اس کاوش کو قبول فرمالے اس سے اپنی مخلوق کو مستفید فرمادے اور میرے ان شب وروز کی محنت کو قبول عام حاصل ہو جائے ۔شاید کہ یوں زندگی کے چار سال دے کر میں زمانوں تک یاد کیا جاتا رہوں یا پھر خدائے ذوالجلال روزِ حشر ہی میرے لیے کچھ آسانیاں پیدا فرمادے''۔ میرا یہ جواب سن کر ''شب وروز کے روپ میں مجھے نقصان کا احساس دلانے والا شیطان خاموش ہو گیا۔مگر جلد ہی ایک اور روپ بدل کر اب کے کئی محرومیوں اور بیماریوں کا سندیسہ لایا۔ بولا'' چار سال پہلے کی صحت اور آج کی صحت پر کچھ غور کیا ہے؟ تم 2007ء کے اپنے سکول کے سٹاف کے گروپ فوٹو میں ماشاء اللہ کتنے صحت مند، سمارٹ اور خوبصورت لگ رہے تھے اب آئینے میں شکل دیکھو تو پہچانے نہیں جاتے ہو۔ تمھیں بھلا کیا ملا اتنی بیماریاں لگا کر؟ تمھیں میں ہمیشہ مشورہ دیتا رہا کہ دیکھو سیر کیا کرو، ورزش کیا کرو، دوستوں یاروں سے ملا ملایا کرو۔گپ شپ سے دل کا بوجھ ہلکا سا ہو جاتا ہے۔موبائل کم قیمت سہی لیکن تمہارے پاس ہے تو۔ پھر کیوں نہیں آج کی نئی دنیا میں قدم رکھتے اب تو زمانہ بدل گیا ہے تم کوئی بوڑھے کھوسٹ تو نہیں ہو گئے ابھی مڈل ایجڈ ہو۔دو چار گرل فرینڈز بناؤ دیکھو وہ تمہارا فلاں زندہ دل سا دوست کتنا خوش رہتا ہے اسی سب

Marfat.com

سے۔ بلکہ یار اب تو ہر کوئی دل لگی کے لیے کوئی نہ کوئی ساتھی ضرور رکھتا ہے۔تمہاری جیب تنگ رہتی ہے اخراجات تقاضا کرتے ہیں۔تم آخر کوئی سائیڈ جاب یا ہلکا پھلکا کاروبار کیوں شروع نہیں کر دیتے۔تمہارے کئی دوستوں نے پرائیویٹ اسکول اور کوچنگ سنٹر کھول رکھے ہیں تم ایسا کیوں نہیں کرتے اور کچھ نہیں تو تعلیمی بورڈ کی ڈیوٹیوں اور طلبہ کے پرچوں کے ہیر پھیر ہی سے سال بھر میں لاکھ ڈیڑھ یا دو لاکھ کما لیا کرو۔ جیب بھی تنگ نہیں رہے گی اور گھر و معاشرہ میں کچھ تو عزت میں اضافہ ہوگا۔لیکن تم ہو کہ پہلے سال ہا سال علم وحکمت کے ریگستانوں کی سیاحی کرتے رہے ہو پھر عبادت و ریاضت میں ان گنت راتیں گزار دیں اور اب چار سال سے اس کتابی چلّے میں لگے ہو۔تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارے دل کی کیا حالت ہے تم چند سیڑھیاں چڑھو تو تمہیں سانس چڑھ جاتا ہے دو قدم دوڑو تو سانس الجھ جاتا ہے۔تمہارے پھیپھڑے سگریٹ نوشی نے چھلنی کر دیئے ہیں تمہارے جسم کا بایاں حصہ یار بڑا متاثر ہے کہیں تم کینسر تو نہیں پال رہے۔ دیکھو بیٹھے بٹھائے بھی تو تمہارے دل کی دھڑکن کبھی بے ترتیب ہو ہی جاتی ہے نظر تمہاری کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ساون میں جسم کے جوڑ درد کرتے ہیں۔ ذرا ہوا لگ جائے تو گھٹنوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ دیکھو پچھلے سال تمہارے دائیں پاؤں کا انگوٹھا بیکار ہوتے ہوتے بچا ہے اور اب اسی پاؤں کی ایڑھی اور پنڈلی کے درمیان کا پٹھا تمہیں نماز کے لیے بیٹھنے نہیں دیتا۔اپنے ہاضمے پر تم توجہ نہیں دیتے آخر تمہارا اتنی جلدی مرنے کا پروگرام کیوں ہے؟؟؟ کچھ تو جواب دو''۔شیطان کے دلیلوں بھرے اتنے سوالات کی یلغار دیکھ کر پہلے تو میں ششدر رہ گیا اور مجھے لگنے لگا کہ شاید میں واقعی بے وقوف ہوں۔لیکن پھر جب دل کو ٹٹولا تو اس میں میری قرآن میں رچی بسی شخصیت نے اسے یوں گویا ہو کر جواب دیا! دیکھو یہاں سے بھاگ جاؤ یہاں تمہاری دال گلنے والی نہیں ہے تم جانتے ہو کہ میری رگوں میں خون قرآن بن کر دوڑتا ہے ارے ابھی تو میں ہوش و حواس میں ہوں تم بھول گئے جب تم پرہیز گاری کا لبادہ اوڑھ کر میرے خواب میں آئے تھے اور تمہیں منہ کی کھانا پڑی تھی۔ارے پگلے رب کے اپنے بندے کب سوتے ہیں۔سوتی تو ان کی ظاہری آنکھیں ہیں۔ان کے دل کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور یہ جو تم نے آج سوال اٹھائے ہیں سنو جس صحت کا تم ذکر کرتے ہو یہ دنیا والوں کی صحت کی بات ہے۔اس مٹی پانی کے بدن کی بات ہے میرے ساتھ وہ مالک کون ومکاں ہے جو جب چاہے اک حرف ''کُن'' سے مجھے ایسے ہزار بدن بخش دے تم میرے ظاہری بدن کو دیکھتے ہو تمہیں میرے دل کی بہاروں میں روح کے گلزاروں کا بھلا کیا علم؟ جن بیماریوں کا تم تذکرہ کرتے ہو یہ کیا ہیں؟ جسم میں آگ لگاتی ہیں میرے اندر ابراہیمؑ روح ہے وہ آگ بجھا دے گی پہلے میری قربانیوں کو قبول تو ہو لینے دو۔یہ بیماریوں کے جراثیم جسم کو کھاتے ہیں کیا؟ ارے نادان میرے ساتھ ایوبیؑ لشکر ہے ایک قدم زمین پر جما کے جو مارا تو ہزار بیماریوں کو شفا بخشنے والا چشمہ پھوٹ پڑے گا مجھے اپنے رب سے سوال تو کرنے دو۔تم میری گرل فرینڈ ز بنانا چاہتے ہو؟ او عقل کے اندھے میرے دوستوں میں وہ پاک یوسفؑ ہیں جنھوں نے حسنِ زَن کے عوض جیل کی چکی پسند کی تھی میں اس حسن یوسفی میں نہایا ہوا ہوں مجھے بھلا ان تتلیوں کے چٹکی بھر حسن

Marfat.com

سے کیالینادینا۔ پھرتم مجھے مالی فائدے یاد دلاتے ہو میری تنگدستی کو بہانا بناتے ہو تمہیں کیا معلوم کہ دل کے غنی مال پہ دھیان نہیں دیتے وہ اک نگاہ اٹھائیں تو چاند تارے جھڑنے لگتے ہیں رہ گیا سوال ان ماہ و سالوں کا اور عمر عزیز کا؟ تو تم اتنا بھی نہیں جانتے یا جانتے بوجھتے ہوئے معصوم بن جاتے ہو کہ ہم اللہ کے عاشقوں کے شب روز شمار نہیں ہوتے وہاں تو ہزاروں سالوں کا ایک دن ہے اس دنیا کے شمار کے مطابق بلکہ ہم زمان و مکاں کے قیدی ہیں ہی نہیں ہم ہمیشہ سے زندہ تھے اور جب تک رب نے چاہا زندہ رہیں گے۔ جاؤ جاؤ بھئی اپنا وقت برباد مت کرو۔ رب سے کیے ہوئے وعدے سے ملی ہوئی مہلت سے کچھ فائدہ اٹھالو۔ اپنے جیسوں کو بہکالو۔ جب تم جہنم میں جلو گے تو بڑی رونق ہوگی تمہارے پاس لیکن اللہ کے بندے تمہیں دیکھ کر ہنسیں گے اور اپنے رب کا ہزار ہا شکر ادا کریں گے کہ اس نے اپنی رحمت خاص سے انہیں کبھی تمہارے جال میں پھنسنے کے لیے تنہا نہیں چھوڑا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ مردود ہکا بکا رہ گیا۔ دُم دبا کر بھاگا لیکن ہے بڑا ڈھیٹ جاتے جاتے بولا بے غم نہ ہو جانا ۔ٹھیک ہے میں نے آج شکست کھائی ہے لیکن میں پھر آؤں گا۔ تم میرے عزم و حوصلے اور نئے نئے تحفوں سے آگاہ نہیں ہو کبھی تو تم بھی ان میں سے کسی کو پسند کرو گے۔ جب میرے کسی مرغوب تر اور حسین جال میں پھنسو گے پھر تمہیں پوچھوں گا کہ اب کیا حال ہے؟ میں نے بڑے بڑے عبادت گزاروں اور آسمانوں پر اڑنے والے ولیوں کو گرایا ہے تم کیا چیز ہو۔ میں نے بحث کو سمیٹا اور صرف اتنا کہہ کر جان چھڑائی کہ ''میرے لیے اللہ ہی کافی ہے''۔ معلوم نہیں یہ سن کر اسے کیا ہوا کہ وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا۔

محترم قارئین! جب میں یہ کتاب لکھنے بیٹھا تھا تو دل میں بہت کچھ سمایا ہوا تھا یوں لگتا تھا کہ جیسے اس میں ایسی بھٹیاں لگی ہیں کہ جن سے خیالات و تصورات کندن بن کر نکلتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ میں بہت کچھ بہت سے میدانوں میں لکھنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں بہت سے نظریات کی، افکار کی اور باریک باریک نکتوں کی یلغار تھی۔ لیکن آج جب اس کا اختتام کرنے جا رہا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے کچھ بھی نہیں لکھا۔ شاید میں کوئی خاص بات نہیں لکھ پایا۔ مجھے جانے کیوں یہ احساس ہوا ہے کہ میں نے یوں ہی کاغذ کالے کیے ہیں۔ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکا ہوں۔ میں نے جو وعدے کیے تھے اُن پر پورا نہیں اُتر سکا۔ یہ علم و حکمت کا بے حد و کنار سمندر اور پھر میری یہ نہایت ناکافی، تشنہ، سطحی اور اعجاز علم سے کوسوں دور کی باتیں بھلا کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ میرے قارئین مجھے معاف فرمایئے گا میں آپ کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکا۔ لیکن یقین جانیے میں نے اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ آپ کو کچھ دے سکوں۔ برائے کرم میرے خلوص پر شک نہ کیجیے گا۔ میں نے اپنی زندگی کے یہ بہت سے شب و روز اسی کام کی نظریوں کیے ہیں کہ کبھی میں پہروں سوچتا رہا ہوں، کبھی گھنٹوں لکھتا رہا ہوں، کبھی راتوں کو جاگتا رہا ہوں، کبھی کبھی تو کئی کئی شب و روز مسلسل کام کرتا رہا ہوں کہ سر بوجھل ہو جاتا، دل پہ درد ٹھہر جاتا، ہاتھ درد کرنے لگتا، آنکھیں دھندلانے لگتیں۔ لیکن چونکہ اُوپر سے آمد جاری ہوتی اس لیے کئی نشستیں بدلتا، سگریٹ پہ

Marfat.com

سگریٹ سلگاتا اور لکھتا جاتا کہ کہیں یہ آمد کا سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔ مجھے صحت کی خرابی نے کئی مرتبہ Call دی کہ رک جاؤ ٹھہر جاؤ، دھیرے دھیرے چلو کچھ میرا بھی خیال کرو۔ بیماریوں نے، عارضوں نے دھمکایا کہ اگر یوں ہی چلو گے تو شاید اپنی کتاب کبھی مکمل نہ کر سکو ہم تمہیں کہیں اور پہنچا دیں گے۔ تم نے جو لکھا ہے تم نہ رہے تو اسے دیمک ہی چاٹے گی۔ لیکن میں نے ان کی آواز پر بھی کان نہیں دھرا۔ اپنے رب پر بھروسہ کیا کہ اگر اسے منظور ہوا تو کام مکمل ہو جائے گا اور اگر اس نے نہ چاہا تو میرا بھلا کیا زور ہے؟ اپنے رب سے جب بھی سوال کیا یہی جواب ملا کہ ''میں تمھارے ساتھ ہوں میرے بندے مایوس نہیں ہوا کرتے میری مدد پر یقین رکھو میں تمہیں منزل تک پہنچاؤں گا''۔ یہ میری میرے رب کے ساتھ وہ Hot Line ہے ''ہمہ وقت رابطہ'' کہ جس کے لیے مجھے زبان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اِدھر دل سے سوال اُٹھا اُدھر اگر اس نے چاہا دل ہی میں جواب ڈال دیا۔ ہاں بغیر زبان کے دل سے آواز اٹھتی ہے اور دل کو آواز آتی ہے رب کریم کی۔ یہ میرے ساتھ کچھ عجب سا معاملہ ہے اس پر زیادہ بحث مناسب نہیں۔ جہاں تک ممکن تھا میں نے اپنے مضمون ''ربانی رابطے'' میں اس پر بحث کی ہے۔

یہ میں نہیں کہتا کہ میں ان چار سالوں میں ہر وقت لکھتا ہی رہا ہوں۔ قطعی نہیں۔ درمیان میں کبھی کم، کبھی زیادہ وقفے بھی ہوتے رہے ہیں کیونکہ آمد کا سلسلہ میرے بس میں نہ تھا اور نہ ہی کسی شاعر، ادیب یا مفکّر و مدبّر کے بس میں ہوتا ہے۔ یہ تو قدرت کی طرف سے ہوتا ہے کبھی مسلسل ہوتا چلا جاتا ہے کبھی کئی کئی دن نہیں ہوتا بلکہ کبھی کئی مہینے تک قبض کی صورت رہتی ہے۔

مجھے اپنے فیملی یونٹ کے اور دیگر معاشرتی و پیشہ ورانہ فرائض بھی نبھانا ہوتے تھے اس لیے بھی کچھ تعطّل ہوتا رہا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میری گھریلو ذمہ داریاں کافی حد تک میری اہلیہ ہی نے سنبھال رکھی ہیں اس لیے عام دنوں میں اور تعطیلاتِ موسم گرما میں خصوصاً جب سکول بند ہو جاتے مجھے کام کے لیے وافر وقت مل جاتا۔

آخر میں بھی انسان ہوں خوشیاں اور غم بھی ساتھ ہیں اور میرے ساتھ غموں کا رشتہ بہت گہرا ہے۔ سو سو طرح کی دل شکنیاں، اپنے پرائیوں کی ٹھوکریں مجھے اس دوران میں کبھی کبھی بہت پریشان کیے رکھتیں بلکہ کبھی کبھی تو پاؤں تلے سے زمین ہی کھینچ لیتیں مجھے ڈگمگا دیتیں لیکن بفضلِ تعالیٰ میں ڈگمگاتے لرزتے قدموں بھی چلتا ہی رہا ہوں میں کبھی رُکا نہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا دکھ ہو یا کوئی ایسا وار ہو جو زندگی نے مجھ پر نہ کیا ہو۔ اس نے مجھے گرانے کے لیے ہزاروں بار میرا سینہ اور دل چھلنی چھلنی کر دیا۔ زخم زخم کر دیا لیکن میں ہزار بار بھی گرا تو گر کر بڑی جلدی اٹھا ہوں۔ کوئی خفیہ طاقت میرے اندر انرجی اور حوصلہ بھر دیتی رہی ہے۔ اگر میری راتیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی ہوتیں تو صبح کا سورج میرے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہی دیکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے دشمن ہمیشہ حیران ہی رہے مجھے دکھ دینے والے پریشان ہی رہے کہ یہ آخر کس مٹی کا بنا ہوا ہے اس پر کوئی گولی، کوئی زہر میں بجھا ہوا تیر تادیر اثر نہیں کرتا۔ اب انہیں کیا معلوم کہ میں سب کچھ دل میں چھپا لیتا ہوں اور میرے دل میں اب بھی بفضلِ الٰہی بڑی جگہ ہے کیونکہ جن کے ساتھ خدا ہوتا ہے انہیں کوئی گرا نہیں سکتا اور غم تو وہ خزانہ ہے جس کے بغیر رب کی

Marfat.com

جانب دل کی کھڑکی کھلتی ہی نہیں ہے جتنی یلغار مصائبِ دنیا کی بڑھتی ہے جتنی دنیا یا حالات اذیت دیتے ہیں اتنے ہی قربِ الٰہی کے رستے صاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بہر حال عزیزانِ محترم! حالاتِ زمانہ بھی میرے عزم و حوصلے کو نہیں توڑ سکے نہ میرے کام کو متاثر کر سکے کیونکہ رحمتِ واحد و یکتا اپنے پر پھیلائے ہوئے تھی۔ گرم سرد موسم بھی اپنا زور لگاتے رہے، بجلی کی لوڈشیڈنگ نے بھی اپنا حصہ ڈالا خصوصاً گرمیوں میں میرے صبر کو آزمایا لیکن یہ چراغ اس بادِ مخالف سے کبھی بجھا نہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ اگر کوئی Change نہ ملے، کوئی تفریح نہ ملے، کوئی خوشی نہ ملے تو انسان اپنی زندگی اور کام کی یکسانیت سے اکتا جاتا ہے۔ ایسے نازک موقعوں پر بھی خود کو کسی نہ کسی طرح دھکیلتا ہی رہا ہوں۔

اب باوجود اپنی کوتاہیوں اور نالائقیوں کے جو کچھ کر پایا ہوں وہ بہر حال ایک کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے بلکہ آپ اسے پڑھ چکے ہیں۔ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو اس کتاب سے کچھ ملا کہ نہیں۔ میں اپنے ان قیمتی شب و روز کو کھو کر آپ کو کچھ دے بھی پایا ہوں یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے اپنا اور آپ کا وقت برباد کیا ہو؟

میں نے کہیں شروع میں لکھا تھا کہ میری تحریروں کو بس کباڑ سمجھئے۔ اس میں سے اپنی پسند کی چیزیں چھانٹ لیجیے۔ اسے ساحل کی ریت سمجھئے اس میں سے موتی تلاش کر لیجیے۔ اسے ابر آلود آسمان سمجھئے اس میں سے چند تارے ڈھونڈ لیجیے۔

اگر آپ کو اس میں سے کچھ مل جائے تو اسے بڑا سنبھال کر رکھیے گا کہ اس میں کسی کا خونِ جگر شامل ہے بس دعا فرما دیجیے گا اور اگر کچھ نہ مل سکے تو مجھے معاف فرمایئے گا کیونکہ میرا کام تھا کوشش کرنا سو میں نے کی۔ اس سے آگے کسی اور کا کام ہے۔

بقول صوفی شاعر:

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

❀..❀..❀

Marfat.com

حقیقت کی تلاش

میاں فاروق عنایت

Marfat.com